انوارِ رضا رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

انوارِ رضا

رحمۃ اللہ علیہ

السیدی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

نام کتاب	انوارِ رضا
تاریخ اشاعت	دسمبر 2000ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
قیمت	-/300 روپے

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

e-mail:- zquran@brain.net.pk

ابتدائیہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے اور نہ صرف پاک و ہند بلکہ علمائے حجاز نے بھی ان کی فضیلت علمی کا اعتراف کیا ہے، مگر اس سے پہلے علمی حلقوں میں ان کا صحیح تعارف نہیں کرایا گیا جس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو ان کے بارے میں مکمل آگاہی نہیں تھی۔ ان حالات میں مخالفین کی طرف سے جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی رہیں وہ بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتی چلی گئیں۔ اس طرح اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر پردے پڑتے چلے گئے۔ چنانچہ ضرورت تھی کہ اعلیٰحضرت کی ایک سچی، صحیح، مستند، محقق، مدلل سوانح، جدید سوانحی تحقیقی اصولوں کے تحت لکھی جائے اور آپ کے علمی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ منظرِ عام پر لایا جائے اسلوب بیان ایسا حقیقت پسندانہ ہونا چاہیئے کہ دوست و دشمن سب پڑھیں اور غور و فکر کریں۔ دوستوں کے لیے آبِ حیات ہو اور دشمنوں کے لیے تریاق۔ تند و تیزی کی بجائے انتہائی شگفتہ، نرم اور عشق و مستی سے لبریز مثبت انداز ہو اور یہی "انوارِ رضا" کی اشاعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

"انوارِ رضا" اعلیٰحضرت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر چند قیمتی تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں سے چند ایک یقیناً آپ کی نظر سے گزر چکے ہوں گے، لیکن بیشتر مضامین نئے ہیں جو یقیناً آپ کے ذوق کی تسکین کا سامان پیدا کریں گے اور پھر ان تمام مضامین کے مجموعہ سے اہلِ علم حضرات کے لیے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ پر مزید کام کرنے کے لیے آسانی رہے گی۔ یہ کتاب اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر حرفِ آخر نہیں بلکہ حرفِ آغاز ہے۔

"انوارِ رضا" کی طباعت و اشاعت میں کافی احتیاط برتی گئی ہے اور اس کتاب کو ہر لحاظ سے پرکشش بنانے کی کوشش کی گئی ہے پھر بھی اگر کوئی کوتاہی سرزد ہوگئی ہو تو قارئین کرام اس کی نشاندہی کر دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا سدِباب کر دیا جائے۔ مفید مشوروں کو شکریے کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

"انوارِ رضا" کی طباعت کے سلسلہ میں اگر ادارہ "المیزان" بمبئی (بھارت) اور مرکزی مجلس رضا لاہور کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو بے انصافی ہوگی کیونکہ بیشتر مضامین ماہنامہ "المیزان" سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری سرپرست مرکزی مجلس رضا لاہور کا تعاون "انوارِ رضا" کی اشاعت میں نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز دونوں اداروں کے لیے تہہ دل سے مشکور ہے۔

(ادارہ)

فہرست

قرآن فہمی

فقہیات

رُوحانیات

تجدید و احیاء دین

علومِ جدیدہ

تالیفات

سوانح حیات

سیاسیات

مرزائیت

تنقیدات

شعر و ادب

نام کتاب انوارِ رضا
تاریخ اشاعت دسمبر 2000ء
ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
قیمت -/300روپے

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085
فیکس:۔042-7238010
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
e-mail:- zquran@brain.net.pk

آج دُنیا کو احمد رضا چاہیئے

امام احمد رضا کا مختصر ترین تعارف یہ ہے کہ افغان نسل کے ایک خوشحال اور متمول گھرانے میں بریلی کی سرزمین پر ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو ولادت ہوئی۔ اپنے والد سے تعلیم پائی، خداداد صلاحیتوں نے چودہ سال کی عمر میں ۱۸۶۹ء میں مسند افتاء کا ذمہ دار بنا دیا۔ ۱۸۷۷ء میں خانوادہ برکاتیہ کے ارادات کیشوں میں شامل ہوئے۔ ۱۸۷۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی، جہاں علماء حرمین طیبین نے سند و اجازت سے نوازا، دوسری بار ۱۹۰۵ء میں حج و زیارت کو گئے، مکہ معظمہ میں ۸ گھنٹے کے اندر الدولۃ المکیہ تصنیف فرمائی۔ جسے دیکھ کر علماء حرمین نے اپنا امام تسلیم کیا۔ اسی سفر میں ہند کے چند علماء سوء کی دریدہ دہنیوں پر علماء عرب سے آخری فیصلہ حاصل کیا۔ جسے "حسام الحرمین" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں قرآن عظیم کا شاندار ترجمہ (کنز الایمان) کیا۔ ۱۹۲۱ء میں وصال ہوا۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء تک کی ۶۵ سالہ حیات میں امام احمد رضا نے تقریباً ۶۵ علوم و فنون پر ایک ہزار کتب و رسائل تصنیف فرمائے عشق و ایمان سے بھرپور ترجمۂ قرآن دیا۔ ۱۲ ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ "فتاویٰ رضویہ" کی شکل میں عطا کیا۔ اگر ہم ان کی علمی و تحقیقی خدمات کو ان کی ۶۵ سالہ زندگی کے حساب سے جوڑیں۔ تو ہر ۵ گھنٹے میں امام احمد رضا ایک کتاب ہمیں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا امام احمد رضا نے تن تنہا انجام دے کر اپنی جامع و ہمہ صفت شخصیت کے زندہ نقوش چھوڑے لیکن افسوس کہ اس ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرنے والے اب تک اپنا حق ادا نہ کر سکے۔ آج ہم سن عیسوی کے پچھترویں سال میں داخل ہو چکے ہیں اور امام احمد رضا کو پردہ فرمائے، ۵۵ برس گزر گئے، ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں سے دنیا بالخصوص عالم اسلام کو متعارف کراتے تحقیقات و تصنیفات کے جواہر پارے بکھیر دیتے۔ افسوس کہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ہم ۵۵ برس کے بعد ۵۵ کتابیں بھی نہ پیش کر سکے۔ اب تک جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ بعض حضرات نے جزوی کوششیں کیں۔ لیکن وہ تحقیقی و سوانحی معیار کے مطابق نہیں۔ زندہ قوم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی خدمات اور قربانیوں کو اجاگر کرے۔ اور ان کی شہرت کو چار چاند لگا دے مگر اجاگر کرنا تو بڑی بات امام احمد رضا کو اب تک صحیح انداز میں پیش بھی نہ کر سکے۔ ابن عبدالوہاب سے لے کر ابوالاعلیٰ مودودی تک جتنے قابلِ ذکر مخالفین ہیں سب کی سوانح حیات پر بے شمار کتابیں ان کے اپنوں نے لکھیں اور احسان مندی کا ثبوت دیا۔ یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجئے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں

میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا بھی نہیں۔ امام احمد رضا کے گیت ہمارے ہر اسٹیج پر گائے جاتے ہیں لیکن یہ دعوی کرنا مشکل ہوگا کہ امام احمد رضا تمام یونیورسٹیوں، کالجوں، دانش گاہوں اور لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کی سچی، صحیح، مستند، مدلل و مکمل اور جدید سوانح نگاری کے تقاضوں پر سوانح حیات لکھی جائے۔ آپ کے علمی کارناموں پر تحقیقات کی جائے غرضیکہ آپ کو اپنوں سے نکال کر بیگانوں تک پہنچایا جائے۔ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں نے انہی خطوط پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

تہمتوں کے انبار

ایک طرف ہماری سردمہری کا یہ عالم کہ ان پر کتابیں لکھنا تو ایک طرف خود ان کی بہت سی کتابیں اب تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں جب کہ دوسری جانب مسلسل تقریر و تحریر کے ذریعہ امام احمد رضا کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ان کی گراں نمایہ خدمت کا اعتراف تو بڑی بات ان پر تہمتوں کے انبار ہیں۔ یہ سلسلہ برس دو برس سے نہیں نصف صدی سے جاری ہے، غیر شعوری نہیں منظم طور پر پاک و ہند ہی میں نہیں ایشیا و یورپ کے تمام ممالک میں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آج کا سنجیدہ انسان انکی طرف رخ کرتے جھجکتا ہے۔ عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے (مسلمانوں کو کافر گرداننے والے) بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی۔ آج ایشیا میں جتنے بھی تحقیقاتی ادارے ہیں۔ وہاں امام احمد رضا پر کام تو درکنار نام بھی نہیں ملے گا۔ سوانح نگاری اور تاریخ نگاری تعصب و تنگ نظری کی بھٹی پر چڑھا دی گئی ہے۔ امام احمد رضا سے اختلاف کے جذبے نے ان کے سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ امام احمد رضا اس ہیرے کے مانند ہیں جو اپنی تابناک شعاعوں سے عالم کو منور کرنا چاہ رہا ہو لیکن اس پر غلط فہمیوں، الزام تراشیوں کے پردے ڈال کر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہو۔ وقت کا یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ ایک فریق کے چہروں پر تاریخ و تذکرہ کی بھرپور روشنی بچھادی جائے اور دوسرے فریق کا ذکر ضمناً بھی نہ آنے دیا جائے؟ کاش! ہمارے مصنفین اور اصحاب دانش فراخ دلی و اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے امام احمد رضا کے موقف کا تجزیہ کرتے اور اساطین دیوبند سے اختلاف کی بے لاگ چھان بین کرتے تو آج بہت سی تلخیوں کا وجود بھی نہ ہوتا —— ضرورت ہے اختلاف کی اہمیت کو ٹھیک انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ موجودہ نئی نسل بلا جھجک امام احمد رضا کے قریب آئے۔

بیگانوں کا ظلم

۵۵ سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہے افواہوں کو پھیلانے میں، بدگمانیوں کی اشاعت میں، اتہام و افتراء کو وسیع کرنے میں دو چار سال بھی بہت ہوتے ہیں اور جب کہ مخالفت کا محور صرف ایک ذات ہو، اس وقت اور آسانی ہو جاتی ہے۔ ایک طرف مخالفت کا پچپن سالہ تسلسل دوسری جانب تنہا امام احمد رضا! وہ کون سے حربے ہیں جنہیں امام احمد رضا کو مجروح کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ اس وقت میرا خطاب ان سے نہیں ہے جو پہلے ہی سے امام احمد رضا

کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرنا باعث سعادت سمجھتے ہیں اُن سے ہے جو غلط فہمیوں کے شکار بنائے گئے ہیں اور جنہیں مولیٰ عزوجل نے کسی بھی حد تک شعور و آگہی عطا فرمائی ہے ۔ ان حضرات سے ہمیں امید ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کے صحیح خدوخال دیکھنے کی کوشش کریں گے ۔ امام احمد رضا کے متعلق زمانۂ دراز سے عوام و خواص میں جو بدگمانیاں پھیلائی جاتی رہی ہیں ان کا ایک سرسری جائزہ بھی لیتے چلیں ۔

۱۔ وہ بہت سخت مزاج اور شدت پسند تھے ۔

۲۔ مسلمانوں کو کافر کہنے میں بے حد بے باک تھے ۔

۳۔ رسول اللہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر جانتے تھے ۔

۴۔ غیر خدا کے لیئے سجدہ کو حلال جانتے تھے ۔

محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر بے بنیاد الزامات کسی پر بھی لگائے جا سکتے ہیں ۔ چودہ سو سال کی تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اسلام کا کوئی ایسا محقق و رہنما نہیں ہے ، جسے الزامات کی وادیوں سے نہیں گزرنا پڑا لیکن عدل پسندوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ الزامات کو ثبوت کی روشنی میں جانچتے ہیں ۔ ثابت ہونے پر ملزم کو مجرم سمجھا عدم ثبوت پر مظلوم گردانا ۔ امام احمد رضا کو مجرم ثابت کرنے یا مظلوم ثابت کرنے کیلئے اس وقت کون سے ذرائع ہیں ؟ اصول کی بات ہے کہ خود ان کی تصنیفات و تالیفات ہی مخالفت و موافقت کیلئے معیار تنقید و تائید ہونی چاہئیں ۔

لہذا ہمارے مخالفین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امام احمد رضا کی کتب سے اپنے الزامات کا ثبوت پیش کریں ۔

الزامات کے ثبوت

۱۔ امام احمد رضا بہت سخت مزاج تھے ، شدت پسندی ان میں زیادہ تھی ، یہ الزام اس لیئے لگایا جاتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ امام احمد رضا ایک جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا نام ہے ۔ حیرت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بدگمانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد محترم عبدالحئی لکھنوی کو بھی تھی ، اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں امام احمد رضا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ

> " دشمنی و خصومت میں بہت ہی سخت تھے ، اپنی ذات اور اپنے علم پر گھمنڈ کرتے تھے ، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جاتے تھے ۔"

نزہۃ الخواطر کا مدلل اور مکمل جواب بڑے سلجھے اور معقول انداز میں عالیجناب محترم حکیم خلیل صاحب لیکچرار طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تحریر فرمایا ہے جس کی ایک جھلک آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۔

مولانا لکھنوی کی اس بیزاری کا پس منظر یہ ہے کہ سنہ ۱۸۹۳ء میں جب ندوۃ العلماء کی تاسیس کے لیئے علماء کا اجتماع ہوا تو امام احمد رضا نے بھی شرکت فرمائی تھی ۔ بعد میں جب امام کے فکر رسا ذہن نے انگریزی سامراجیت کو بھانپ لیا جو علماء ہی کے ہاتھوں رسول دشمنی کا بیج بونا چاہتی تھی تو فوری اس سے علیحدہ ہونے کا اعلان فرمایا اور اس سلسلے میں اپنے موقف کے اظہار کے لیئے ضروری و اہم رسائل تصنیف فرمائے ، جس نے بہت سارے علماء کی آنکھوں

سے فریب کا پردہ اٹھایا۔ امام احمد رضا کے اس مومنانہ اختلاف کو دشمنی، خصومت، غرور اور سخت گیری سے تعبیر کیا جانے لگا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر امام احمد رضا سخت گیر جھگڑالو، گھمنڈی ہوتے تو تاسیس ندوہ کی میٹنگ میں شرکت ہی نہ کرتے امام احمد رضا کی شرکت ان کے اخلاقی اقدار کا بیّن ثبوت ہے اور سازشوں کی اطلاع کے بعد ندوہ کی کھلی مخالفت جرأت مومنانہ کی واضح دلیل ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ فی نفسہٖ مزاج میں شدت کیا مذموم ہے؟ بتایا جائے کہ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کس کے لیئے ارشاد ہے؟ اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کا مخاطب کون ہے؟

بے شک امام احمد رضا کے مزاج میں شدت وحدت تھی ایک سوال کے جواب میں امام نے فرمایا کہ

> حدیث میں ہے کہ میری امت کے علماء کو گرمی پیش آئے گی قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔ (الملفوظ ۴؍)

نرم روی کی واضح ہدایت

امام احمد رضا شدید تھے ان لوگوں کے لیئے جو قوم وملت کو مٹانے کا سازشی ذہن رکھتے تھے، ورنہ نرم مزاجی اور سنجیدہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تو اپنے صلح کل اور مذبذب قسم کے لوگوں کے ساتھ بھی نرم رویہ اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

> "دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہو سکتے۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ (الملفوظ ۱؍)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھ کر امام احمد رضا کے موقف پر مزید روشنی ڈالیں۔ امام نے نہ صرف مذبذب ومتزلزل عقائد والوں ہی کے تعلق سے ہیانہ روی کی ہدایت فرمائی بلکہ انہوں نے رسول دشمنوں سے بھی ابتداءً نرمی برتی، افہام وتفہیم کے ذریعہ اصلاح کی کوشش فرمائی، غلط روی سے انہیں آگاہ کیا، لیکن جب ان کے اکابرین نے ایک نہ سنی تو ان پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے شدت اختیار فرمائی، ایسی شدت جس کا حکم قرآن عظیم نے دیا۔ اب خود امام احمد رضا کی زبانی ملاحظہ فرمایئے۔

> یہ جو رہا یہ میں پڑے بڑے ہیں۔ ان سے بھی ابتداءً بہت نرمی کی گئی مگر چونکہ ان کے دلوں میں رہابیت راسخ ہو گئی تھی اور مصداق ثم لا یعودون حق نہ مانا۔ اس پر سختی کی گئی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔
> اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے۔ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً لازم ہے کہ وہ کافر اور منافقین تم میں درشتی سختی پائیں۔ (الملفوظ ۱؍)

دیانتداری کا یہ تقاضا ہے کہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ بے گانوں کے ساتھ نرم مزاجی کی واضح ہدایت فرماتے ہوئے رسول دشمنوں

ہے سختی امام احمد رضا کی پیداوار نہیں ہے بلکہ قرآنی مزاج ہے۔ اب جس کے سینے میں قرآن کی عظمت بسی ہوگی اسی کے ذہن ودماغ اور فکر وشعور میں اسلام دشمنوں کے بارے میں تصلّب فی الدین ہوگا۔ لہٰذا مولوی عبد الحئی لکھنوی اور ان کے ہمنواؤں کو امام احمد رضا پر الزام لگانے سے پہلے قرآن عظیم کے حکم پر غور کرنا چاہیے تھا۔ جس کا اعلامیہ ہے کہ دشمنوں اور منافقوں پر شدت برتی جائے۔ کیا امام احمد رضا کو قرآنی حکم کی بجا آوری پر مطعون کرنا ظلم نہیں ہے؟ غالباً امام احمد رضا نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

(نہ لوگوں کی تحسین کا لطف لیتا ہوں، نہ ان کی طعن وتشنیع سے جل اٹھتا ہوں
میرے کان مدحت سرائی کے منتظر نہیں رہتے اور نہ ہی مجھے مذمت سننے کا ہوش ہے)۔

تکفیر مسلمین میں بے باکی؟

۲۔ امام احمد رضا پر یہ الزام کہ وہ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے۔ آئیے اسے بھی حقائق کی کسوٹی پر پرکھیں، کیا واقعی امام احمد رضا بغیر سوچے سمجھے کسی کو بھی کافر کہہ دیا کرتے تھے؟ کیا امام احمد رضا کے سامنے شریعت کا یہ اصول نہ تھا کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ آخر امام احمد رضا کو کیا ہو گیا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے لوگوں کو کافر ومرتد گردانا کرتے تھے۔ ہم جب اس الزام کو ان کے اقوال وارشادات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ایک فیصد بھی سچائی نظر نہیں آتی۔ سچائی ہے تو یہ کہ امام احمد رضا موجودہ صدی کے ایک انتہائی محتاط اور با اخلاص وجود کا نام ہے۔ شرعی فیصلے صادر کرنے میں امام احمد رضا جیسا محتاط فی الشریعۃ ہم کو نظر نہیں آتا۔ یہ ہماری مبالغہ آرائی نہیں ہے نا قابل انکار حقیقت ہے۔ ایک مرتبہ سوال ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر کہہ دیا تو کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا نے کیا جواب دیا ملاحظہ کیجئے۔

بطور سب وشتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا (الملفوظ ص ۲۱)

سب جانتے ہیں کہ ہند میں گروہ وہابیہ کے بانی مولوی اسماعیل دہلوی پر تیرہویں صدی ہجری کے تمام علماء اسلام نے بالاتفاق کفر وزندقہ کا شرعی حکم نافذ فرمایا تھا۔ امام احمد رضا سے پہلے جن اخیار امت نے وہابیت اور وہابی، بدراہوں کے خلاف جہاد بالقلم فرمایا ان کی مختصر فہرست ذیل میں ہے۔

۱۔ حضرت علامہ منور الدین دہلوی (مولانا ابو الکلام آزاد کے پرنانا)
۲۔ حضرت علامہ سید اشرف علی مدعو گلشن آبادی (ناسک)
۳۔ حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی
۴۔ حضرت علامہ مخصوص اللہ محدث دہلوی (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے بھتیجے)
۵۔ حضرت علامہ محمد موسیٰ دہلوی (شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے)

۶۔ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی (تحریک آزادی کے سالار)

۷۔ حضرت علامہ خیرالدین مکی (مولانا آزاد کے والد)

۸۔ حضرت علامہ عبدالحق خیرآبادی (علامہ فضل حق کے صاحبزادے)

۹۔ حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین احمد نوری مارہرہ شریف

۱۰۔ حضرت علامہ نقی علی خاں (امام احمد رضا کے والد)

۱۱۔ حضرت علامہ سید آل رسول مارہروی (امام احمد رضا کے مرشد)

۱۲۔ حضرت علامہ عبدالعلی رامپوری۔

۱۳۔ حضرت علامہ نور فرنگی محلی لکھنوی

۱۴۔ حضرت علامہ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی۔

۱۵۔ حضرت علامہ محمد حسن کانپوری

۱۶۔ حضرت علامہ محمد سبحان الہ آبادی

۱۷۔ حضرت علامہ عبدالوہاب لکھنوی

۱۸۔ حضرت علامہ قاضی شہاب الدین المہری بمبئی

۱۹۔ حضرت علامہ سید محمد ابراہیم بغدادی بمبئی

۲۰۔ حضرت علامہ غلام محمد حیدر اسلام آبادی (بھیمڑی)

یہ وہ دینی رہنما ہیں جنہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ امام الوہابیہ کا رد بلیغ فرمایا مولوی اسماعیل دہلوی کو کافر و مرتد ثابت کیا، سیکڑوں کتابیں لکھ کر طوفانِ وہابیت کی روک تھام کی، مذکورہ علماء میں وہ لوگ بھی ہیں جو مولوی اسماعیل دہلوی سے خونی رشتہ رکھتے ہیں لیکن جادۂ حق پر چلنے والوں کی نظر میں قرابت داری کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل ایمان اور صرف ایمان ہے۔

امام احمد رضا کی احتیاط

آیئے ہم دیکھیں کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے بارے میں امام احمد رضا کا کیا موقف رہا ہے

"علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے (سبحٰن السبوح)

"ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (کافر کہنے) سے کف لسان ماخوذ و مختار و مناسب ہے" (الکوکبۃ الشہابیہ)

امام احمد رضا نے مولوی اسماعیل دہلوی کے بہت سے اقوال پر کفر لزوم ثابت فرمایا ہے لیکن تکفیر کلامی سے زبان کو بند کر لیا جس کی ایک وجہ یہ اطلاع کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اقوال کفریہ سے توبہ کر لی مگر شرعی ثبوت نہ ہونے سے انہیں مسلمان بھی نہیں کہا جائیگا، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ زبان کو روکا جائے۔ ایک جگہ امام فرماتے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو

کا فرمان لینا اور بات۔ ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک
ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ (سل السیوف الہندیہ)

کافر کہنے میں اب اس سے زیادہ اور کتنی احتیاط ہو سکتی ہے۔ اتنے محتاط موقف کے باوجود ہمارے کرم فرما مخالفین امام احمد رضا کی ذات پر تکفیر مسلم کا الزام لگانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا
دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھ کر اکفر سمجھتے
تھے۔ (ذکر آزاد مرتبہ عبد الرزاق ملیح آبادی)

قارئین اندازہ لگائیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین تعصب و تنگ نظری میں کس قدر تجاوز کر چکے ہیں، ذکر آزاد ہو یا جناب رئیس احمد ندوی کی آزادی ہند ہو، مولوی عبد الحئی لکھنوی کی نزہۃ الخواطر ہو یا المہند الشہاب الثاقب ہو یا اشد العذاب کسی جگہ بھی عدل و دیانت کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔

اتمام حجت کی منزل

امام احمد رضا نے کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔ ہاں جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں کفری عبارات کو جگہ دی۔ متنبہ کرنے اور توجہ دلانے پر بھی رجوع نہیں کیا اور ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ افہام و تفہیم کیلئے مراسات کی مگر اس کا منفی جواب دیا گیا تو شریعت اسلامیہ کے ایک ذمہ دار ہونے کے ناطے امام احمد رضا کو آخری فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جن علماء کے بارے میں امام احمد رضا نے عرب و عجم کے مشاہیر سے شرعی فیصلہ حاصل کیا ان کے اسماء مع کتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔	مرزا غلام احمد قادیانی	اعجاز احمدی وغیرہ
۲۔	مولوی رشید احمد گنگوہی	فتاوی رشیدیہ
۳۔	مولوی محمد قاسم نانوتوی	تحذیر الناس
۴۔	مولوی خلیل احمد انبیٹھوی	براہین قاطعہ
۵۔	مولوی اشرف علی تھانوی	حفظ الایمان

کمال احتیاط کو ملاحظہ کیجیے کہ امام احمد رضا نے مذکورہ بالا علماء خمسہ سے براہ راست مراسلت کی قابل اعتراض کفری عبارتوں پر بار بار متنبہ کیا۔ حالانکہ یہ علماء اپنے ہاتھوں کافر ہو چکے تھے، مگر امام احمد رضا شریعت کے ایک مخلص اور ذمہ دار خادم تھے، اتمام حجت کے تمام شرعی امور کو اختیار فرمایا، آخر میں حجت شرعیہ قائم کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ؛

یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت
ادا کر چکا، آئندہ کسی عوعو پر التفات نہ ہوگا، منوا دینا میرا کام نہیں اللہ
عزوجل کی قدرت میں ہے۔ (دافع الفساد عن مراد آبادی)

امام احمد رضا دیارِ قدس میں

حیف صد حیف مخالفین نے امام احمد رضا کی صلح جو یانہ جد وجہد کا ذرا بھی پاس نہ کیا، بار بار انتباہ کے باوجود توجہ نہ دی اور معترضہ کتابیں برابر چھاپی جاتی رہیں۔ امام احمد رضا نے جب دیکھا کہ پندرہ بیس برس گزر جانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی بات پر اٹل ہیں توبہ و استغفار تو بڑی بات اُن ایمان سوز عبارتوں کی اشاعت بھی نہیں بند کر رہے ہیں تو مجبوراً اعکم شرعی کا نفاذ کرنا پڑا۔ اور ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند عالم وجود میں آئی۔ پھر کیا تھا مخالف کیمپ میں آگ سی لگ گئی اور امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی گئی امام احمد رضا نشان تجدیدی لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی عظمت و حرمت کا تحفظ مقدر تھا۔ لہذا حالات نے نئی کروٹ لی۔ امام احمد رضا کو اپنے شرعی فیصلے کی تصدیق و توثیق کے لیے اس سرزمین کو منتخب کرنا پڑا جس کی تقدیس کی گواہی قرآن و حدیث نے دی ہے ۱۹۰۵ء میں حرمین طیبین جا کر امام احمد رضا مذکورہ بالا پانچوں علماء کی قابل اعتراض عبارتوں کو اجلّہ علماء روزگار کی خدمت میں پیش کیا۔ جن کے شرعی احکامات عالم اسلام کی عدالت عالیہ میں چیلنج نہیں کئے جا سکتے تھے۔ امام احمد رضا نے پورے شرح و بسط کے ساتھ ان تمام کتابوں کو علماء مکہ و مدینہ کے حضور پیش کیا۔ اور انہیں کئی ماہ ان عبارتوں کے سمجھنے اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کا موقع دیا۔ ہفتے دو ہفتے یا بیس پچیس دن کی مدت نہیں پورے چار ماہ حرمین طیبین میں امام احمد رضا کا قیام رہا۔ آخر کار اکابرین اسلام نے امام احمد رضا کے شرعی فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر کے گستاخان ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر دار زندا دپر آخری کیل ٹھونک دی۔ جن میں مکہ معظمہ کے۔ مدینہ طیبہ کے ۱۳ علماء فضلا تھے۔ ان قدسی صفات حضرات نے صرف "الجواب صحیح" پر اکتفا نہیں، بلکہ امام احمد رضا کے تبحر علمی، تجدیدی قوت اور فضل و کرم کے سامنے عقیدت کے پھول برسائے، کسی نے سلطان العلماء المحققین (علماء محققین کے بادشاہ) کہا تو کسی نے ارشد العباد (بندوں کی رہنمائی کرنے والا) فرمایا یا کوئی کہہ رہا ہے۔ المجدد لھذا الامۃ (امت مسلمہ کے مجدد) اور کوئی "کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاہر" (علوم کی ظاہر و باطن مشکلات کھولنے والا) کوئی گویا ہوا تو یوں انہ مجدد ھذا القرن (بے شک اس صدی کے مجدد تھے) اور کوئی یوں عضد الموحدین وعصام المہتدین (موحدین کا مطلع اور ہدایت یا لوں کا نگراں) آخر میں ملاحظہ کیجئے۔ حضرت علامہ شیخ عبد الرحمن دھلان مکی کے خیالات کا اردو ترجمہ:

> وہ جس کے لیے مکہ معظمہ کے علماء کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ،
> سرداروں میں یکتا و یگانہ ہے، امام وقت، میرے سردار، میری جائے
> پناہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں
> کو اس کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے اور مجھے اس کی روش نصیب کرے
> کہ اس کی روش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش ہے۔ (حسام الحرمین)

حرمین کے اساطین کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت دیکھنا ہے تو "حسام الحرمین" کا مطالعہ کیجئے مخالفین کے پانچ اکابرین پر آخری اور قطعی فیصلے کا نام ہے "حسام الحرمین"، جس میں علماء مکہ و مدینہ نے انشراح

صدر کے ساتھ علماء خمسہ کے کفر کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ اب حجت شرعیہ قائم ہو جانے کے بعد اطلاع شرعی کے باوجود جو ان پانچوں کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے "من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر" جواب دیا جائے! کیا علماء حرمین بھی مکفر المسلمین ہیں؟ کیا ان مقامات مقدسہ میں بھی کفر ساز مشین نصب تھی؟ حسام الحرمین کی روشنی میں اگر مخالفین اپنا احتساب کرتے اور حرمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے عزت نفس کا پاس ولحاظ نہ کرتے تو بات اس وقت بھی بن جاتی وقت گزرتا گیا، بات بڑھتی گئی غالباً ان حضرات نے اپنی عبارتوں کو غیر متبدل اور ناقابل تنسیخ سمجھ رکھا تھا، عبارتوں میں توجیہہ بھی کی کہ بات الجھ کر رہ گئی، رجوع و توبہ نہ بن سکی۔ ان حالات کو ٹوں کا توں رکھ کر وہ پانچوں تو دنیا سے رخصت ہو گئے، مگر امت مسلمہ کو ایک نہ ختم ہونے والا فتنہ دے گئے۔

رضا مخالف مشن

چودھویں صدی کے ابتدائی دور میں مذہبی اختلاف کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک جانب عرب و عجم کی مسلمہ شخصیتیں تھیں دوسری جانب صرف پانچ علماء رہیں اور ان کے چند مؤیدین۔ اس تاریخی حقیقت کے باوجود تنہا امام احمد رضا پر عصبیت کے گولے برسانا کہاں کا عدل ہے، آج امام احمد رضا ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے علمی شہ پاروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ "رضا مخالف مشن" نے ابتدائی دور ہی سے افواہوں، من گھڑت باتوں اور بے بنیاد الزامات کا سلسلہ جاری رکھا۔ آئیے خود امام احمد رضا کی زبانی سنیے!

> عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالتے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے فتاویٰ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔
>
> (حسام الحرمین)

مخالفین نے ابتدا میں من گھڑت الزامات کے لیے جو راہ اپنائی تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ یکطرفہ پراپیگنڈا سے اس کو تسلسل دے دیا گیا بلکہ اس الزام میں بے انتہا غلو کیا گیا۔ حالانکہ احمد رضا خاں صاحب تکفیر مسلم کے الزام میں یوں رقم طراز ہیں۔

> اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحٰق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحیٔ صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے۔ وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہہ دیا شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ کو کہہ دیا اور شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا۔ یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا

کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس
سرہٗ کو کافر کہہ دیا (حسام الحرمین)

امام احمد رضا کے اس رضاحتی بیان کے بعد مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کا یہ الزام ایک بار پھر ملاحظہ کریں کہ
یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا
دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھ کر اکفر سمجھتے
تھے۔ (ذکر آزاد)

ہم جانتے ہیں کہ ہر مرد حق آگاہ کو مخالفت کے طوفانوں سے گزرنا پڑا ہے لیکن امام احمد رضا ایک ایسی مظلوم ذات کا نام ہے جسے اہل دانش وبینش کی بزم سے دور پھینک دینے کی منظم سازش کی جاتی رہی ہے۔ جس کا ردعمل یہ ہے کہ تمام تر حقائق کے باوجود آج اہل دانش امام احمد رضا کی عبقری ذات کو نہ تو جانتے ہیں نہ ہی پہچانتے ہیں۔ ان کی ذات گرامی کی کردارکشی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ اس بھیانک اور افسوسناک صورتحال کی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ تاریخ کا طالب علم جب دیکھے گا کہ مسلسل ستر سال سے "رضا مخالف مشن" کی جارحیت جاری ہے۔ لیکن امام احمد رضا زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ لگانے والے بے حسی اور تن آسانی میں مبتلا رہے تو وہ بیگانوں کو بے گانہ کہہ کر آگے بڑھ سکتا ہے مگر اپنوں کی ناکردگی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

امام احمد رضا پر تیسرا الزام

۳۔ امام احمد رضا پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ذاتی علم مانتے ہیں۔ علم الہٰی کے مساوی جانتے ہیں۔ مخالفین کا یہ الزام بھی گزشتہ الزامات کی طرح اختراعی ہے۔ اس ضمن میں جتنے بھی اعتراضات ہیں۔ امام احمد رضا کی روشن تحریرات اور فکرخیز تشریحات سے بے بنیاد اور خودساختہ ثابت ہو جاتے ہیں۔ علم غیب کے مسئلے میں امام احمد رضا کا عقیدہ انہیں کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔

علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے۔ اس کے غیر کے لئے محال ہے، جو اس
میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر
ومشرک ہے (خالص الاعتقاد)

علم الہٰی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن وہ قدیم یہ حادث
وہ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقاء یہ جائز الفنا
وہ ممتنع التغیر یہ ممکن التبدل (انباء المصطفےٰ)

اگر تمام اہل علم اگلے پچھلوں، سب کے علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ
سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے
کو دس لاکھ سمندر سے (خالص الاعتقاد)

ہم نہ علم الہٰی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں اور

عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع (خالص الاعتقاد)

امام احمد رضا نے علم غیب کے مسئلے پر دوٹوک اپنا نظریہ پیش فرمایا ہے۔ پھر بھی مخالفین کی کور بینی پیچھا کئے ہوئے ہے مخالف عناصر اپنے اسلاف کی ڈگر سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہتے، آج بھی ان کے کیمپ سے جتنی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں انہیں ان الزامات کو شاہ سرخیوں سے سجایا جاتا ہے۔ گویا امام احمد رضا اور سواد اعظم لاکھ اپنے نظریات کی وضاحت کرے ہم تو وہی کہیں گے جو ہمارے پیشروؤں نے کہا ہے لکھا ہے اور لکھ کر چھاپا ہے۔ جب کہ امام احمد رضا نے آج سے پچھتر[5] سال قبل بے گانوں کی افترا پردازی پر علم الٰہی کے تعلق سے اپنے نظریئے کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا معاملہ منتقم حقیقی کے حضور یوں پیش کر دیا تھا

> اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب (خالص الاعتقاد)

غیر خدا کیلئے سجدہ روا جانتے تھے۔؟

(۴) امام احمد رضا پر یہی الزام ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے سجدہ نہ صرف روا جانتے تھے بلکہ اس کا حکم بھی فرماتے تھے، الزام اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے۔ جب اس کا وجود کسی ٹھوس بنیاد پر ہو۔ دستاویزی ثبوت ہی الزام کے دفاع کو ٹھکانے ہیں، الزام لگانا آسان ہے ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے اور پھر رزم گاہ تنقید و تحقیق میں جہاں کوئی بات بلا دلیل نہیں مانی جاتی کسی الزام کو بغیر ثبوت کے کس طرح مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں جن لوگوں کے نزدیک محض الزام ہی کو اہمیت دی جاتی ہو اور مخالفت برائے مخالفت ہی پسندیدہ مشغلہ ہو ان کے ذہن و فکر سے غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے امام احمد رضا کے اقوال پیش خدمت کر رہا ہوں ممکن ہے کہ انتشار ذہنی اور خلجان باطنی کے لیے یہ اقوال مسکّن کا کام دے دیں۔

> "مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عزجلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً، اجماعاً شرک مہین و کفر مبین۔ اور سجدۂ تحیّت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین۔ ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول ہے (الزبدۃ الزکیہ)

امام احمد رضا نے غیر خدا کے لیے سجدہ تعبدی کو کفر و شرک سے تعبیر کر کے کتنے کھلے الفاظ میں تردید فرمائی۔ امام احمد رضا نے نہ صرف اپنے عقیدے کا اظہار کیا بلکہ عقیدے کی تائید میں چہل حدیث بھی پیش فرمائی۔

> "علماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں۔ ہم بتوفیقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں۔
> (تفصیل کے لیے الزبدۃ الزکیۃ کا مطالعہ کیجئے)

امام احمد رضا پر الزامات کا ایک انبار ہے۔ افترا پردازی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہے۔ انہامات کی ایک طویل

فہرست ہے ، ہم نے اختصار کے پیشِ نظر محض چند بھیانک ، اور افسوسناک الزامات کو امام احمد رضا کے ارشادات کی روشنی میں بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی سعادت حاصل کی ۔ گذشتہ اوراق میں ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ اسلوب بیان میں جارحیت نہ آنے پائے ، نہ ہی احساس کمتری شامل ہو ، حقیقت پسندانہ طرز نگارش اختیار کرنے میں ہمارا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ امام احمد رضا کو اپنے اور بیگانے دیکھیں ، پڑھیں ، پرکھیں اور سمجھیں ۔ اپنے اپنی عقیدت کی دنیا میں اچھی طرح بسائیں اور بیگانے قریب آئیں ، آنکھوں سے بدگمانیوں کے پردے ہٹا کر امام احمد رضا کے ان تجدیدی کارناموں سے واقفکاری حاصل کریں جس کے لیئے انہیں موجودہ صدی کا مجدد بناکر پروردگار عالم نے بھیجا تھا ۔

اپنوں کا ظلم

بات وہیں پر ختم ہو چکی تھی جہاں بیگانوں کے مظالم کا بیان ختم ہوا تھا ، لیکن امام احمد رضا پر مظالم کا وہ صرف ایک رخ تھا ظلم کا وہ رخ سامنے نہیں آسکا جس کے ذمہ دار اپنے ہی ہیں ۔ ہوش و حواس کی درستگی کے ساتھ مخالفین کے سارے اعتراضات کا مطالعہ کیجئے ۔ آپ کو اکثر اعتراضات کی مبنیٰ وہ کتابیں ملیں گی جو امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہیں ۔ مخالفین کے اسلاف کی کتابیں دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے الزامات کا مقصد امام احمد رضا کی شخصیت کو مجروح کرنے کے سوا کچھ نہ تھا ۔

انہوں نے جب دیکھا کہ عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیتیں امام احمد رضا کے سامنے سرنیاز جھکائے کھڑی ہیں تو معاصرانہ حسد میں جل بھن کر جو دل میں آیا لکھا اور شائع کیا ۔ ۱۹۲۱ء سے پہلے کی ان کتابوں کو پڑھ جائیے جو امام احمد رضا کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں ، آپ دیکھیں گے کہ اعتراضات والزامات میں ظنی ، قیاسی اور اختراعی باتوں کی بھرمار ہے ، وجہ یہ تھی کہ ساری کوششوں کے باوجود امام احمد رضا کی تصنیفات کے انہیں وہ مواد ہی نہ مل سکا جو ان کی سوزش فکر کے لیے مرہم ثابت ہوتا ۔ لیکن امام احمد رضا کے پردہ فرمانے کے بعد چند کتابیں ایسی شائع ہوئیں ، جنہیں نہ شائع کرنے سے امام احمد رضا کا کوئی نقصان نہ تھا ، 'نغمۃ الروح' ہرگز امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہے ، لیکن کچھ کہا نہیں جاتا ۔ اہل عقیدت کی اس نذر عقیدت کے بارے میں اور بن کہے رہا نہیں جاتا ۔ نذر عقیدت کے طور پر پیش کی جانے والی یہ چند ورقی کتاب 'نغمۃ الروح' خدا معلوم امام احمد رضا نے قبول فرمایا کہ نہیں لیکن ان کے مخالفین نے صرف اسے آنکھوں سے لگایا بلکہ امام پر جارحانہ حملہ کے لیئے اسے ہتھیار کی حیثیت دے رکھی ہے ۔ مخالف کیمپ زمانہ دراز سے منتظر تھا کہ احمد رضا کو بانی مذہب بنانے کے لیئے کچھ تو حاصل ہو ، امام کی کتابوں نے انہیں ہمیشہ مایوس کیا ، اگر کسی نے جرأت بھی کی تو آفتاب پر تھوکنے والوں جیسا حشر ہوا ۔ نغمۃ الروح جو امام احمد رضا کی مدحت و تعریف میں ایک عقیدتمند کی جانب سے شائع کی گئی ، اس سے امام احمد رضا کو نشانہ بنایا جائے ؟ کہاں کا انصاف ہے ۔ ہم جس سماج میں رہتے ہیں اور جس شریعت کو مانتے ہیں اس کا اصول یہ ہے کہ قائل کے قول سے اس کے عقیدے و نظریے کو پرکھا جائے گا ۔ مصنف کی تصنیف سے اس کی تحریک کو سمجھا جائے گا ۔ یہ کونسا سماج و دھرم ہے کہ کہے کوئی ، مورد الزام ٹھہرے کوئی ، غلطی کرے کوئی سزا بھگتے کوئی ۔

لہٰذا اپنوں پر میری اس تنقید کو مخالفین کے اعتراضات کا رد عمل ہرگز نہ سمجھا جائے ، اور نہ ہی احساس کمتری میں یہ سب کچھ کہے جا رہا ہوں ۔ ہمارے علماء نے نغمۃ الروح پر کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے ہیں ۔ لیکن کیا ہی بہتر ہوتا کہ عقیدت کے بہ گل نہ کھلائے گئے ہوتے ، ایسے ہی عقیدت والوں کے درمیان ایک سے ایک عبقری شخصیتیں دب کر رہ جاتی ہیں ، شعوری یا غیر شعوری طور پر نذر کئے جانے والے انہیں نغموں کو ظلم و زیادتی سے تعبیر کرنے کو جی چاہتا ہے ۔ میرا یہ ذہن ہے کہ امام احمد رضا پر کئے گئے حملوں کا

ہم جم کر رفاع کریں اور مخالفین کی جارحیت سے امام احمد رضا کو محفوظ رکھنے کا فریضہ ادا کریں، چاہے اس کے لیے ہمیں اپنی جماعت کی اہم شخصیت کے بچاؤ سے معذور ہی کیوں نہ ہونا پڑے، دفاعی جنگ میں کچھ تو خسارہ برداشت ہی کرنا پڑے گا۔

یہ بھی ظلم ہی ہے !

سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ حدائق بخشش دو حصوں میں منقسم ہے، اور یہ دونوں حصے امام احمد رضا کی حیات مبارکہ میں ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے، اسی دیوان نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی، صنف نعت کو ایک ستھرا شعور دیا، مسلمانوں کے قلوب کو مصطفیٰ جان رحمت کی طرف پھیر دیا، حدائق بخشش نعتوں کا ایک مجموعہ ہی نہیں، سیکڑوں آیات واحادیث کا تشریحی گلدستہ ہے۔
حدائق بخشش کے دونوں حصے چھپتے رہے اور فیض رسانی کا ذریعہ بنتے رہے لیکن ۶۶ سال کے بعد اس وقت ملت اسلامیہ کو ایک دھماکہ خیز صورت حال سے دوچار ہونا، جب ۱۳۶۶ھ میں ہماری ہی جماعت کے ایک سربراہ نے نعتیہ کلام کے ایک مجموعہ کو "حدائق بخشش" کا نام دے کر شائع کیا، طرفہ یہ کہ اسے تیسرا حصہ بھی قرار دے دیا ہے کہ امام احمد رضا کے وصال کے بعد انہیں کچھ کلام مختلف جگہوں سے دستیاب ہوئے ہیں جسے حدائق بخشش حصہ سوم کی شکل وصورت میں پیش کیا جارہا ہے کیا اب بھی اس وضاحت کی ضرورت باقی ہے کہ امام احمد رضا کا مرتب کیا ہوا یہ تیسرا حصہ نہیں ہے؟ یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ یہ تیسرا حصہ محض امام احمد رضا کے ایک عقیدتمند کی خوش عقیدگی کا نمونہ ہے جس سے صاحب حدائق بخشش کا دور دور سے واسطہ نہیں ہے۔

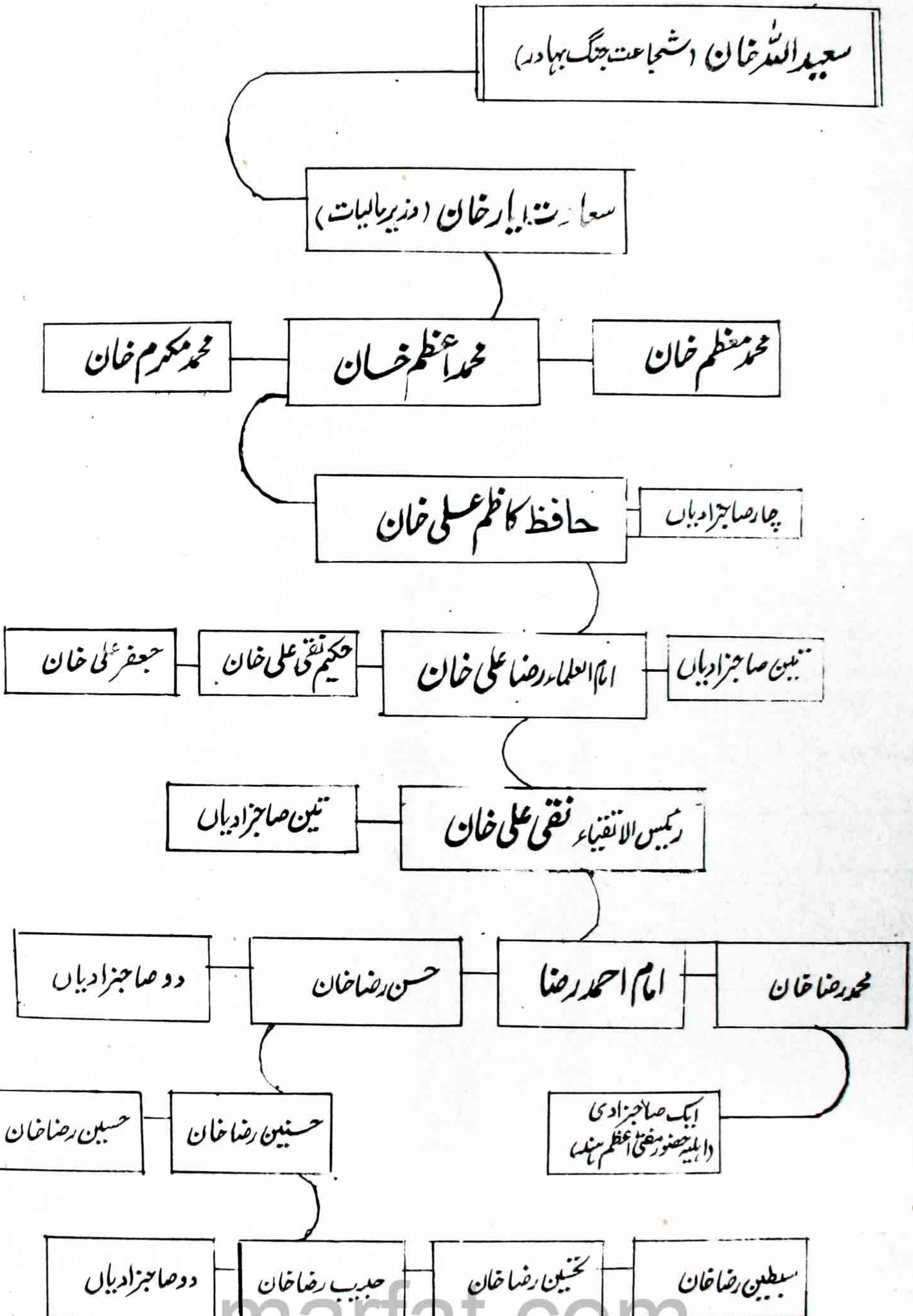
علم وتحقیق کی دنیا والوں کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب بھی کسی ذات کے علمی شاہکار اور منتشر فکری اثاثہ کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے براہِ راست صاحب تذکرہ کی تخلیق قرار نہیں دیتے، مثلاً غالب واقبال کے دور میں جو کچھ بھی مواد چھپے وہ انہیں کی مرضی کے مطابق تھے لیکن بعد کے آنے والوں کو ان حضرات کے جو بھی تخلیقی شاہکار میسر ہوئے اسے "باقیات غالب" اور باقیات اقبال" کا نام دے کر شائع کیا، تاکہ اگر اس میں کچھ رطب ویابس شامل ہوجائے تو صاحب تذکرہ کی شخصیت مضروب نہ ہو، "باقیات" کے مدون کو ذمہ دار قرار دیا جائے۔

افسوس کہ امام احمد رضا کے ساتھ ایسا نہ ہوسکا، اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ایک ایسا قدم اٹھا رہا، جس کی ہمت خود امام احمد رضا کے صاحبزادوں میں بھی نہ تھی اگر محبوب الملت مولانا محبوب علی خاں صاحب محنت شاقہ سے حاصل ہونے والے "مجموعہ کلام" کو "باقیات رضا" کے نام سے طبع کراتے تو آج وہ صورت حال ہمارے سامنے نہ آتی، جس کے نہ آنے ہی میں امام احمد رضا اور سواد اعظم کی بھلائی تھی۔ مجھے محبوب الملت کے خلوص سے انکار نہیں ہے اور نہ ہی میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کی بناء پر ایسا کیا ہے لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پارہا ہوں کہ محبوب الملت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد کا اضافہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے، ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی، ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب الملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی، سوچ کر بتائیے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو آنے والا مورخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کریگا۔

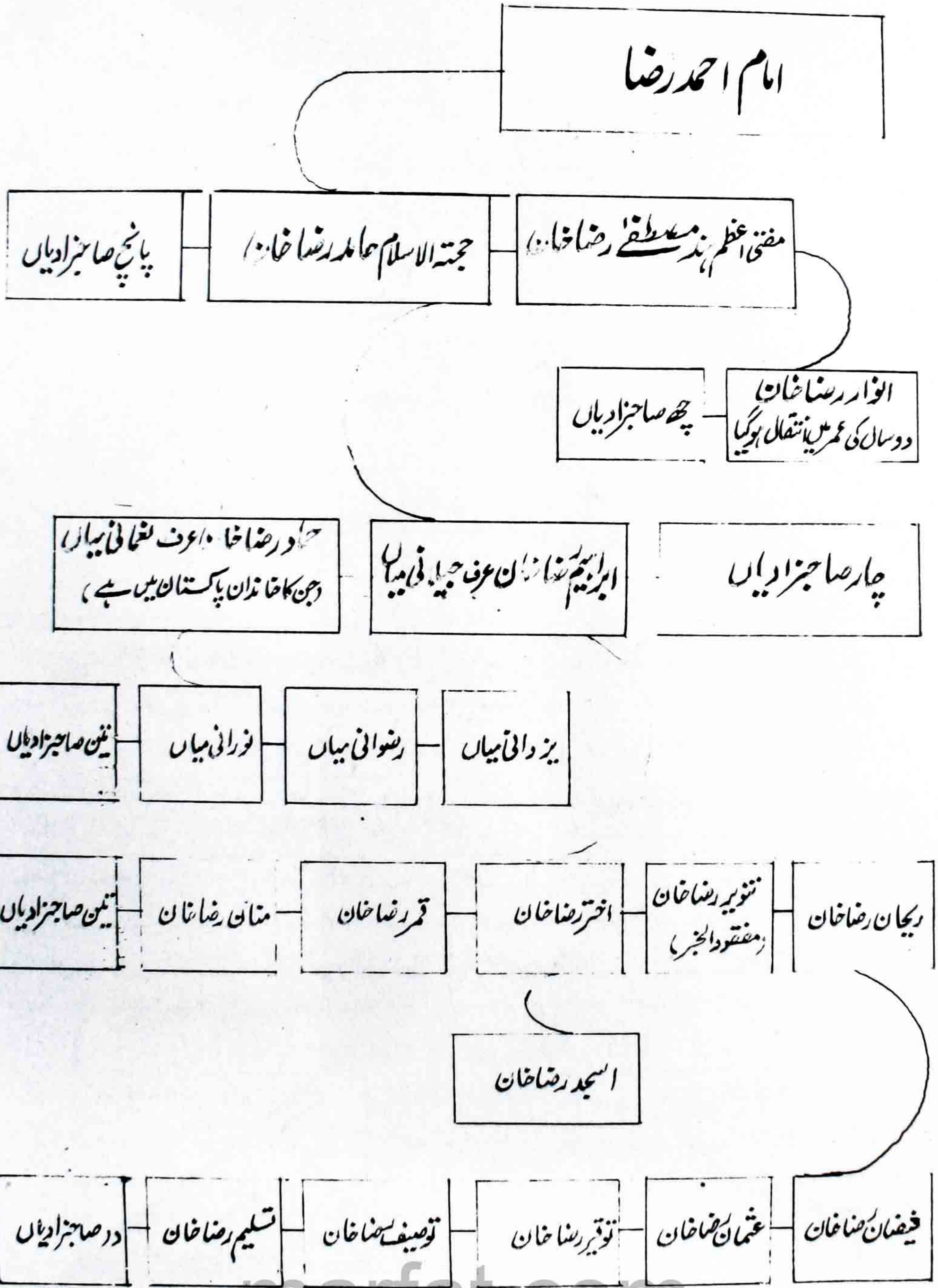
امام احمد رضا رضی اللہ عنہ
کا
شجرۂ نسب
ایک نظر میں

ذیل میں امام احمد رضا کا شجرۂ نسب پیش کیا جا رہا ہے جس کی ابتداء حضرت سعید اللہ خاں صاحب سے کی جا رہی ہے۔ جو عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے اور قندھار سے سلطان شاہ محمد شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت وقت نے انہیں "شش ہزار" کے منصب جلیلہ سے سرفراز کیا تھا۔ لاہور کا "شیش محل" انہیں کا تھا۔ حضرت سعید اللہ کے صاحبزادے حضرت سعادت یار خاں، سلطان وقت کی حکومت کے "وزیر مالیات" تھے، ان کی امانت داری اور دیانت داری کا یہ عالم تھا کہ سلطان محمد شاہ نے ضلع بدایوں کے کئی مواضعات انہیں عطا کئے۔ جو آج بھی اس خاندان کے حصے میں ہیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت محمد اعظم خاں صاحب بھی وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ مگر کچھ برسوں کے بعد سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کی اور زہد و اتقاء ریاضت و روحانیت کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گئے۔ حضرت محمد اعظم ہی کی ذات والا نبار سے قندھار کے دس خانوادوں میں علم و فضل، درود و ظائف، زہد و تقویٰ کا بول بالا شروع ہوا۔ ان سے حضرت حافظ کاظم علی خان تولد ہوئے۔ ان سے امام العلماء حضرت رضا علی خان، ان سے رئیس الاتقیاء حضرت نقی علی خان صاحب، حضرت نقی علی خان سے مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا تولد ہوئے، مذکورہ ذیل شجرہ کے لیے "حیات اعلیحضرت" مؤلفہ ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے مدد لی گئی ہے، آخر میں جو اضافہ کیا گیا ہے۔ وہ بریلی شریف سے مکمل تصدیق کر کے اعلیٰ حضرت کے خاندان کے تمام افراد کو شامل کر کے تکمیل شجرہ کی گئی ہے۔

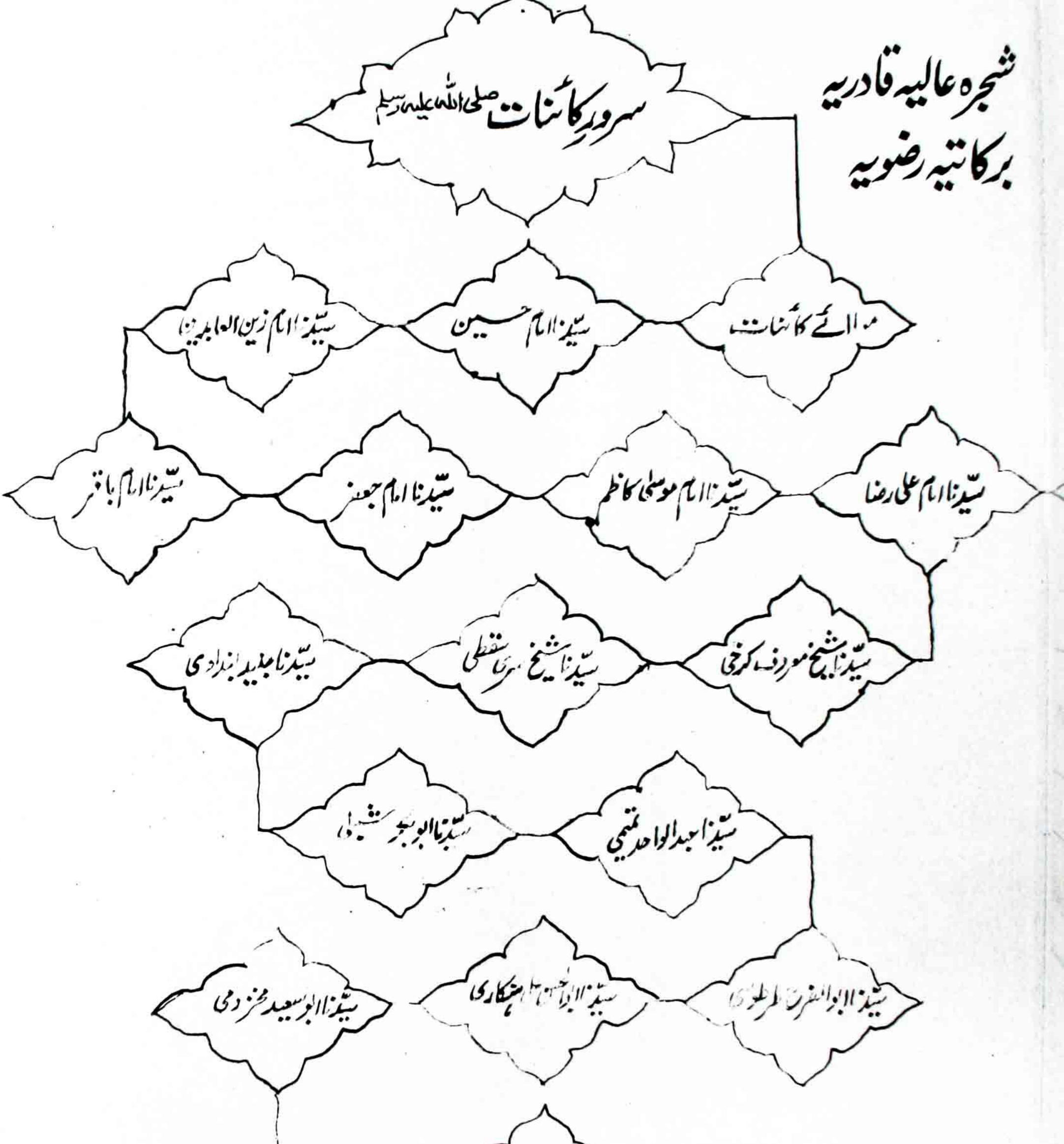
(ادارہ)

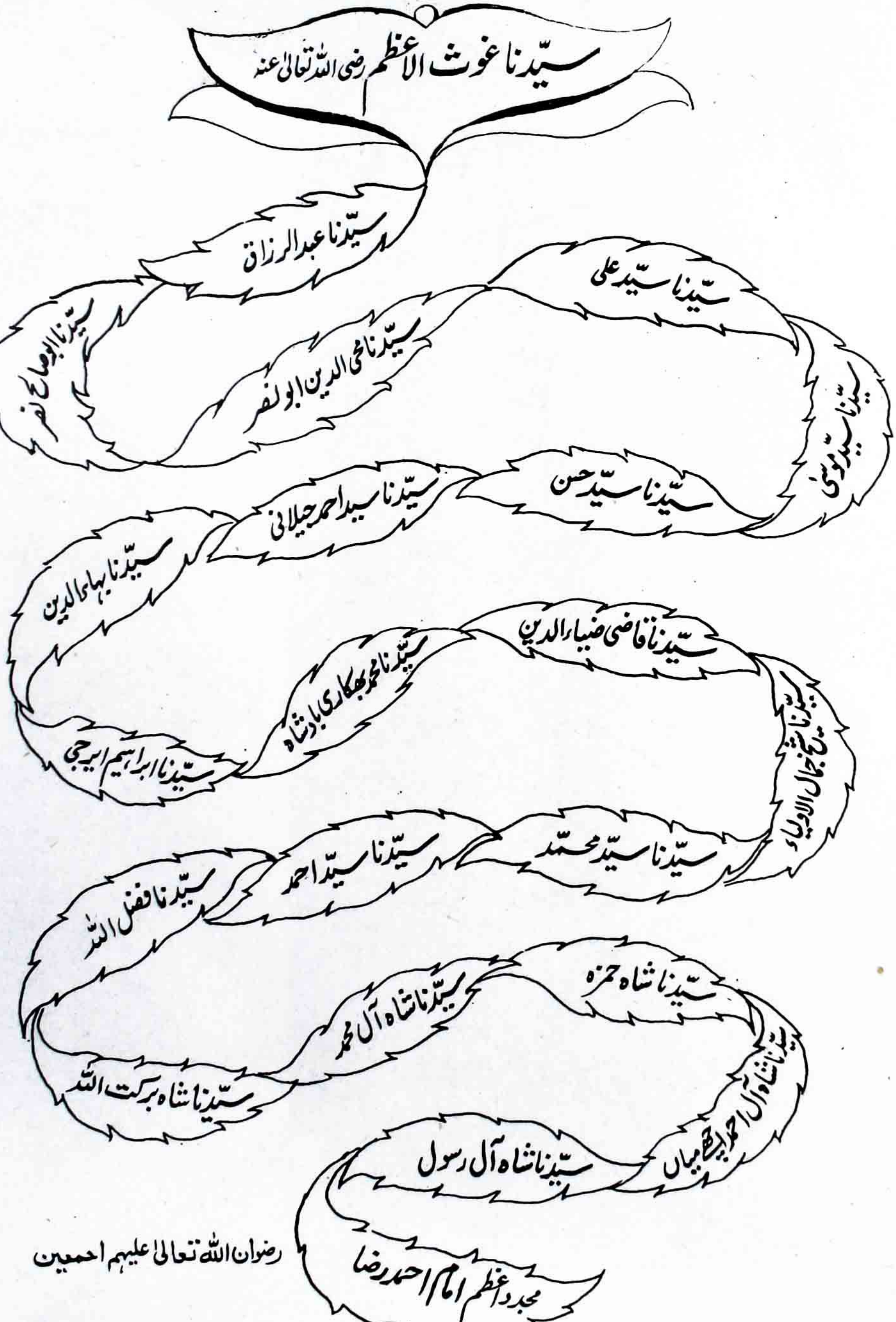


سعید اللہ خان (شجاعت جنگ بہادر)
سعادت یار خان (وزیر مالیات)
محمد معظم خان
محمد اعظم خان
محمد مکرم خان
حافظ کاظم علی خان
چار صاجزادیاں
تین صاجزادیاں
امام العلماء رضا علی خان
حکیم تقی علی خان
جعفر علی خان
رئیس الاتقیاء نقی علی خان
تین صاجزادیاں
محمد رضا خان
امام احمد رضا
حسن رضا خان
دو صاجزادیاں
ایک صاجزادی (اہلیہ حضور مفتی اعظم ہند)
حسنین رضا خان
حسین رضا خان
سبطین رضا خان
تحسین رضا خان
حبیب رضا خان
دو صاجزادیاں


امام احمد رضا
مفتی اعظم ہند مصطفٰے رضا خان
حجۃ الاسلام حامد رضا خان
پانچ صاحبزادیاں
انوار رضا خان (دو سال کی عمر میں انتقال ہوگیا)
چھ صاحبزادیاں
چار صاحبزادیاں
ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں
حماد رضا خان (عرف نعمانی میاں) (جن کا خاندان پاکستان میں ہے)
یزدانی میاں
رضوانی میاں
نورانی میاں
تین صاحبزادیاں
ریحان رضا خان
تنویر رضا خان (مفقود الخبر)
اختر رضا خان
قمر رضا خان
منان رضا خان
تین صاحبزادیاں
اسجد رضا خان
فیضان رضا خان
عثمان رضا خان
توقیر رضا خان
توصیف رضا خان
تسلیم رضا خان
دو صاحبزادیاں

شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ





رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

فوٹو اسٹیٹ شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف جسے امام احمد رضا نے اپنے مرشد کی فرمائش پر
بصیغہ درود شریف قلم برداشتہ تحریر فرمایا

فقیر برکاتی: سید مصطفےٰ حیدر حسن برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ (ایٹہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰہم صل وسلم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا
محمد المصطفیٰ رفیع المکان المرتضیٰ
علی الشان الذی رجل من امتہ
خیر من رجال من السالفین وحسین
من ذریتہ الحسن من کذا وکذا احسانا من
السابقین السید السجاد زین العابدین
باقر علوم الانبیاء والمرسلین ساقی
الکوثر مالک تسنیم وجعفر الذی
یطلب موسیٰ الکلیم رضا ربہ
بالصلاۃ علیہ ویذہب ابرٰہیم الخلیل
لطلب معروف جودہ الیہ

السري الساري سره في ذرات الأكوان
الغالب جنيد من جنوده على جيوش
الجور والعدوان اصل المراد من عالم
الايجاد الذي له ان يقول لادم ومن
دونه تجلي ولكل اسد من اسد الله
شبلي الاحد الماجد عبد الواحد
اخو الاحزان في عشقه ابو الفرج
من لطفه ورفقه الايمان حسن
وهو ابو الحسن اذ منه نشأ وبه
ظهر والمؤمن سعيد وهو ابو سعيد
اذ هو الذي ربى وهداه فبرح وافر
الايدي قادر الايدين عبد القادر

بہ السری سروار ۱۲
عہ الجبل الولد ۱۲
سہ الشبل بچہ شیر ۱۲
عہ سیر ۱۲
صہ خبر ۱۲
ہ الایمان النعمۃ ۱۲
جہ نیکو کار ۱۲
آن مسلمان ۱۲

غوث الثقلین عبد الرزاق
قاسم الارزاق ابو صالح
المؤمنین نصر الاسلام محی الدین
علی المرتقی والمدارج موسیٰ
طور المعارج حسن الخلق احمد
الخلق بهاء الدین الکریم سنا
شریعة ابراهیم الامی القاری
نظام دین الباری العرب والفرس
والهند کلهم له سائل وگدا و بهکاری
ضیاء الانبیاء جمال الاولیاء محمد
الذات احمد الصفات فضل الله
وبرکة الله وعلی آل محمد الاعاظم

الْعَارِفِيْنَ نَصِّ الشَّرْعِ الْمُطَهَّرِ وَرَمْزِهِ

الصَّاغِرِ الْمُتَحَمِّلِيْنَ شِدَّةَ الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ وَ

حَمْزَةَ ۞ هُمْ اٰلُ اَحْمَدَ الْعَظِيْمِ الْكَرِيْمِ

اٰلُ الرَّسُوْلِ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ ۞ اَللّٰهُمَّ وَ

عَلٰى اَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَمَشَائِخِنَا الْكِرَامِ

وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

مَارَهْرَهْ اَقْمَارِ الْيَقِيْنِ فِيْ مُهِمَّهٖ صُدُوْرِ

الْعَارِفِيْنَ ۞ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ ۞ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

(اَللّٰهُمَّ) وَمَنْ اَنْشَا هٰذِهِ الصِّيْغَةَ الْمُبَارَكَةَ

فَاغْفِرْ لَهٗ يَا عَظِيْمُ وَارْضَ عَنْهُ حَبِيْبَكَ

اَحْمَدَ رِضَا الْمَوْلَى الْعَفُوِّ الْكَرِيْمِ اٰمِيْن

كتبه الفقير احمد رضا القادري غفرله فى مارهرة المطهرة ۲۱ محرم يوم الجمعة ۱۳۰۶

سلطان العارفين حضرت سيد آل احمد اچھے ميان قدس سره

بركاتى ۱۲

ميان ۹۶

ميان ۹۴

امام احمد رضا ـــــ ایک نظر میں

واقعہ	سن عیسوی	سن ہجری
ولادت (بریلی میں)	۱۴ جون ۱۸۵۶ء	۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ
ختم ناظرہ قرآن	۱۸۶۰ء	۱۲۷۶ھ
پہلا خطاب	۱۸۶۲ء	ربیع الاوّل ۱۲۷۸ھ
پہلی تصنیف شرح ہدایۃ النحو	۱۸۶۴ء	۱۲۸۰ھ
مسلم الثبوت پر حاشیہ	۱۸۶۶ء	۱۲۸۲ھ
دستار فضیلت	۱۸۶۹ء	۱۲۸۶ھ
مسند افتاء کی ذمہ داری	۱۸۶۹ء	۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ
ازدواجی زندگی کا آغاز	۱۸۷۴ء	۱۲۹۱ھ
پہلے صاحبزادے کی ولادت (حجۃ الاسلام)	۱۸۷۵ء	ربیع الاوّل ۱۲۹۲ھ
شرف بیعت	۱۸۷۷ء	جمادی الاوّل ۱۲۹۴ھ
پہلا حج	۱۸۷۸ء	۱۲۹۶ھ
ضیاء الدین احمد کا لقب (مکہ معظمہ میں)	۱۸۷۸ء	۱۲۹۶ھ
نزول فرنگی محل (لکھنؤ)	۱۸۹۱ء	۱۳۰۹ھ
دوسرے صاحبزادے کی ولادت (مفتیٔ اعظم ہند)	۱۸۹۲ء	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ
جلسۂ تاسیس ندوہ میں شرکت	۱۸۹۳ء	۱۳۱۱ھ
تحریک ندوہ سے علیحدگی	۱۸۹۷ء	۱۳۱۵ھ
المعتمد المستند کی تصنیف	۱۹۰۲ء	۱۳۲۰ھ
فتاوٰی رضویہ	۱۹۰۴ء	۱۳۲۲ھ
دارالعلوم منظر اسلام کی بناء	۱۹۰۴ء	۱۳۲۲ھ
دوسرا حج	۱۹۰۵ء	ذی القعدہ ۱۳۲۳ھ
تصنیف الدولۃ المکیہ (مکہ معظمہ میں)	۱۹۰۶ء	صفر المظفر ۱۳۲۴ھ
حسام الحرمین	۱۹۰۶ء	۱۳۲۴ھ
نزول بمبئی (واپسیٔ حج پر)	۱۹۰۶ء	ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ
نزول احمد آباد	۱۹۰۶ء	ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ
پوتے کی ولادت (مفسر اعظم ہند)	۱۹۰۷ء	۱۳۲۵ھ
ترجمہ قرآن کنز الایمان	۱۹۱۱ء	۱۳۳۰ھ
نزول جبل پور	۱۹۱۸ء	جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ
قیام کوہ بھوالی (نینی تال)	جون ۱۹۲۱ء	رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ
وصال	نومبر ۱۹۲۱ء	۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ

نوٹ:۔ واضح رہے کہ امام احمد رضا کی عمر باعتبار سن عیسوی ۶۵ سال اور باعتبار سن ہجری ۶۸ سال ہوتی ہے۔ (ادارہ)

قرآن فہمی

○ امام احمد رضا اور اُردُو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں (بھارت)

○ امام احمد رضا اور محاسن کنز الایمان

ملک شبیر محمد اعوان آف کالا باغ (پاکستان)

○ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں

علامہ اختر رضا خاں ازہری (بھارت)

○ امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات

مولانا حکیم الرحمٰن رضوی (پاکستان)

○ فرمانروائے سعودیہ کے نام ایک اہم خط

حضرت خواجہ حمید الدین سجادہ نشین سیال شریف

امام احمد رضا اور اُردو تراجم قرآن کا تقابلی مُطالعہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ہمہ گیر اصلاحی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود عام فہم اور آسان اسلوبِ بیان کے ساتھ قرآن عظیم کا ترجمہ فرما کر اردو خواں افرادِ ملت پر عظیم احسان فرمایا۔ ہے جو اردو کے جملہ قرآنی تراجم میں زبردست افادیت و اہمیت سے بھرپور منفرد اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ (ادارہ)

دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے۔ اس کا نام بھی "دار العلوم" ہی ہے۔ اس کے چند شمارے اس وقت میرے پیش نظر ہیں ان شماروں کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں چھ قسطوں پر مشتمل ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے ـــــ "مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمۂ قرآن کا تقابلی مطالعہ" ـــــ مقالہ نگار دار العلوم دیوبند کے شعبۂ علوم قرآنی سے تعلق رکھنے والے مولوی محمد محفوظ الرحمٰن قاسمی ہیں ـــــ مقالہ نگار نے پوری فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ

(۱) امام احمد رضا کی ذہنی ساخت اُن گمراہ فرقوں کی ذہنی بناوٹ سے مختلف نہیں جو اپنے مخصوص نظریات و عقائد کی تائید میں اور چیزوں کے ساتھ قرآن حکیم کو بھی بطور دلیل استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور اُن الفاظ قرآنی کو جو ان کے مفروضہ عقائد و نظریات کے خلاف تھے اپنے رجحان و افکار کا ایسا جامہ پہنانے کی سعی کرتے رہے ہیں جو اسلامی حقائق کے نہ صرف مغائر تھے بلکہ قرآن پاک ہم کو جو علم دینا چاہتا تھا اس سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

(۲) ممکن تلاش و جستجو کے بعد بھی اس حقیقت کا سراغ نہیں لگایا جا سکا جس نے امام احمد رضا کے دل میں ترجمۂ قرآن کا داعیہ پیدا کیا ہوائے اس کے کہ انھوں نے قرآن حکیم کو اپنے عقیدہ کے اظہار کا ذریعہ بنانا چاہا تاکہ اس طرح زمرۂ عقیدت منداں میں اپنی فکری قیادت و امامت کے لئے دلیل فراہم ہو جائے۔

(۳) امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں نہ اندازِ بیان کی شگفتگی ہے نہ مطالب قرآن کی عمدہ وضاحت اور نہ کسی طرح کی کوئی فنی خوبی۔

(۴) امام احمد رضا کو اپنا "نیا ترجمہ" پیش کرنے کی اس لئے ضرورت پڑی تاکہ لوگ اپنے سفحۂ دل سے عقیدت کا وہ نقش مٹنے نہ دیں جسے بڑی مشکل سے انھوں نے ان کے دلوں کی سادہ تختیوں پر مرتسم کیا ہے۔

(۵) اِن کا یہ نیا ترجمہ آیات قرآنی کے نظم و اسلوب اور منشاء خداوندی کو نظر انداز کر کے ان آیتوں میں تاویل و تحریف معنوی کا دروازہ کھولنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ جو ان کے مخصوص فکر و عقیدہ کے خلاف ہیں۔

یہ پانچ نکات وہ ہیں جو مقالہ نگار کی تمہیدی گفتگو کا خلاصہ ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد رضا فرقہائے باطلہ میں سے ایک باطل فرقہ کے امام اور چند نئے نظریات و خیالات اور باطل عقائد کے بانی و موجد ہیں لہٰذا انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن میں اپنے

انہیں عزیز اسلامی عقائد کی پیش کش کی ہے ——— مقالہ نگار کا مذکور بالا خیال اُس عظیم شخصیت سے متعلق ہے جنہیں اجلّہ علماء کے بیان کی روشنی میں گذشتہ دو صدی سن ۱۲۰۰ھ و سن ۱۳۰۰ھ کے اندر جیسی کوئی متبحر جامع عالم ہستی نظر نہیں آتی چنانچہ تفسیر، حدیث، عقائد و کلام، فقہ، سلوک، تصوف، اذکار، ادعیات، تاریخ، سیر، مناقب، جفر، تکسیر، ادب، نحو، لغت، عروض، زیجات، علم مثلث، جبر و مقابلہ، لوگارثم، ارثما طیقی، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، توقیت، نجوم، منطق، فلسفہ اور حساب وغیرہ علوم و فنون میں آپ کی بے مثل تصانیف و حواشی آپ کے کمال تبحر و جامعیت پر شاہد عدل ہیں ——— مقالہ نگار کو فکر و شعور کا اگر چالیسواں حصہ بھی ملا ہوتا تو اس کے لیے اتنا سمجھ لینا دشوار نہ ہوتا کہ گروہی عصبیت کے نشے میں چور ہو کر جو تحریر صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جائے گی وہ دین و دیانت اور علم و تحقیق کے تقاضے نہیں پوری کر سکی۔

اگر مقالہ نگار منصف مزاج ہوتا تو اُس حقیقت کو سمجھنے میں اسے دشواری پیش نہ آتی جس نے فاضل بریلوی کو اردو تراجم قرآن کی موجودگی میں نیا ترجمہ کرنے پر آمادہ کیا ——— میں سوچتا ہوں کہ بات پہلے یہیں سے شروع کی جائے کہ آخر وہ کون سی ضرورت تھی جس نے فاضل بریلوی کو مجبور کیا کہ یہاں اُنھوں نے تقریباً پچاس فنون میں کم و بیش ایک ہزار کتابیں تحریر کر ڈالی ہیں وہیں اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی فرما دیں ——— امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن اُردو کا کوئی پہلا ترجمہ نہ تھا اس کے منظر عام پر آنے سے پہلے بہت سے تراجم قرآن مسلمانوں کے گھر گھر پہنچائے جا چکے تھے اور اس کے بعد بھی ترجمہ نگاری کا کام ہوتا رہا۔ بعض نے مکمل قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور بعض نے اس کے بعض کلمات و آیات کی تشریح پیش کی اس مقام پر ان حضرات کے چند ترجمے بطور نمونہ نقل کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں تا کہ ناظرین بخوبی اندازہ کر لیں کہ یہ معروف و مشہور مترجمین مطالب قرآن کی وضاحت اور منشاء ہدایت کو ادا کرنے والی برجستہ و برمحل تعبیر پیش کرنے میں کس درجہ ناکام رہے ہیں۔

(۱) ارشاد قرآنی ہے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اس آیت کا ترجمہ مختلف مترجمین یہ کرتے ہیں۔

" اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے۔" (سرسید)

" اللہ ان کو بناتا ہے۔" (ڈپٹی نذیر احمد)

"ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے۔ (فتح محمد جالندھری)

" اللہ ہنسی اڑاتا ہے اُن کی۔" (مرزا حیرت)

" اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے (شیخ دیوبند محمود حسن)

" اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے" (نواب وحید الزماں)

دیکھئے اگر ان مترجمین کو تائید ربانی حاصل ہوتی اور ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سچا تصور ہوتا تو وہ اس سبوح و قدوس کے حق میں دل لگی کرنا، ٹھٹھا کرنا، بنانا، ہنسی اڑانا وغیرہ بازاری محاورے ہرگز استعمال نہ کرتے ——— یہ جاننا کہ رب العزۃ جل جلالہ کی بارگاہ عظمت ٹھٹھا کرنے، ہنسی اڑانے وغیرہ عیوب سے پاک ہے صرف مرد مومن مؤید من اللہ ہی کا کام ہے ——— ان ترجموں کو دیکھنے کے بعد کیا کسی ایسے مرد حق کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو معارف قرآن کا راز داں ہو؟ عظمت و جلال الٰہی کے آگے سر جھکانے والو جواب دو۔

(۲) ارشاد قرآنی ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ط ——— اس کے ترجمے یہ کئے گئے ہیں۔

"اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لیئے تھا کہ ہم کو (یعنی اللہ کو) معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے" (مولوی اشرف علی تھانوی)

آیت مذکورہ بالا میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ دیگر مترجمین نے یہ کیا ہے

"ہم جان لیں" (سر سید علیگڑھی) ---- (اخلاق حسین قاسمی ماہنامہ دارالعلوم ص ۱۲ فروری ۱۹۷۱ء)

"ہم معلوم کریں" (ڈپٹی نذیر احمد)

"ہمیں معلوم ہو جائے" (مرزا حیرت)

دیکھئے ان مترجمین نے عربی اردو ڈکشنری میں العلم کا ترجمہ جاننا پڑھا تھا۔ اس کے مطابق آیت میں لنعلم کا ترجمہ "ہم کو یعنی اللہ کو معلوم ہو جائے" لکھ دیا لیکن بصیرت ایمانی سے محرومی کے باعث اتنا نہ سوچ سکے کہ "معلوم ہو جائے" کا محاورہ اس کے لیئے استعمال کیا جائے گا جس کو پہلے سے معلوم نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ازلی و ابدی طور پر عالم ہے تو پھر اس کے حق میں معلوم ہو جائے کا کیا معنیٰ؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ ترجمۂ قرآن کے لیئے صرف عربی دانی کام نہیں دے سکتی بلکہ اس کے ساتھ خود قرآن کے مخصوص انداز و محاورے کو پہچاننا، آیات محکمات و متشابہات میں امتیاز کرنا انتہائی ضروری ہے ---- ان ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے مؤید من اللہ کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی خدائی نوازشیں بطور خاص جس پر سایہ گستر ہوں؟ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادہ ماننے والو جواب دو

(۳) ارشاد ربانی ہے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اس آیت کا ترجمہ شیخ دیوبند مولوی محمود حسن نے یہ کیا ہے۔

"اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو"

فتح محمد جالندھری نے یوں لکھا ہے۔

"حالانکہ ابھی خدا نے تم میں جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور یہ کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے"

دیکھئے تائید ربانی سے محرومی کے باعث بے نادار مترجمین کتنی بری طرح ہچکولے کھا رہے ہیں ---- مسلمانوں کے ایمان کو غارت کر دینے والے ترجموں کو دیکھ کر کیا ایسے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو ایمان کو روشنی بخشے؟ دین و دیانت والو بولو۔

(۴) ارشاد قرآنی ہے اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اس کا ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیمات حصہ اول میں اس طرح کیا ہے۔

"اور کیا وہ اللہ کی چال سے بے خوف ہو گئے سو اللہ کی چال سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جن کو برباد ہونا ہے"

اللہ رب العزۃ جل مجدہٗ کی شان پاک میں "چال" کا لفظ استعمال کرنا بتا رہا ہے کہ مترجم بالکل غیر مہذب اور بارگاہِ خداوندی کے آداب سے ناواقف ہے۔

ان حالات میں ایسے ترجمے کی تلاش نہ ہو گی جو ایسے کے قلم سے نکلا ہو جو خدا کی بارگاہِ عظمت کے آداب سے بے بہرہ نہ ہو۔

(۵) ارشاد ربانی ہے وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ اس کا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی دیوبندی نے اس طرح لکھا ہے۔

"اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہو گئے"

اس ترجمے میں مترجم نے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گمراہ ٹھہرایا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ایک معصوم نبی ہیں ان کی بارگاہ گمراہی سے پاک ہے۔ ایسے گمراہ مترجمین کے ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو ہدایت یافتہ اور مؤید من اللہ ہو؟

۶۔ ارشاد قرآنی ہے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

"پھر (یونس نے) سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو،، (محمود حسن)

"اور (یونس نے) خیال کیا ہم اُن پر قابو نہیں پا سکیں گے،، (فتح محمد جالندھری)

"ان کو (یونس کو) ایسا واہمہ گزرا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے،، (ڈپٹی نذیر احمد)

ان نادار مترجمین نے باطل ترجمہ کر کے حضرت سیدنا یونس علیہ السلام پر یہ بہتان لگایا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو نہیں پا سکتا اور نہ میری پکڑ کی طاقت رکھتا ہے۔ گویا ان مترجمین کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ معاذاللہ۔ ان ناداروں نے سمجھا کہ آیت میں نقدر والقدرۃ سے مشتق ہے بس بے سوچے سمجھے اس کی اردو بنا دی حالانکہ یہ نقدر والقدر سے مشتق ہے۔ (دیکھو مفردات امام راغب) بربنائے تقدیس نبوت کو مجروح کرنے والوں کا ترجمہ دیکھنے کے بعد کیا کسی بارگاہ نبوت کے سچے شیدائی کے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

۷۔ ارشاد ربانی ہے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اس آیت کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یوں لکھا ہے۔

"میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی"

مقام عبرت ہے کہ مولوی تھانوی جو دیوبندی مکتب فکر میں ذمہ دار صاحب قلم مشہور کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے حق میں "قسم کھاتا ہوں" زیبا محاورہ استعمال کر دیا تو دوسرے آزاد دیوبندی قرآن کے ترجمے میں جو کچھ لکھ جائیں وہ تھوڑا ہے۔ غور کیجئے ایسے مطلق العنان مترجمین کے ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو ایمان افروز پاکیزہ محاورہ پیش کر رہا ہو۔

۸۔ قل یا ایھا الکافرون کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ لکھا ہے۔

"آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو!،،

یہ ترجمہ ایسا ہے کہ نہ تو اللہ رب العزۃ کی حضور علیہ السلام پر برتری ظاہر ہوتی ہے اور نہ حضور کے مخاطبین پر حضور کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ غالباً تھانوی صاحب نے غور نہیں کیا کہ کلام الٰہی کا ترجمہ کرنا اور ہے اور عربی کلمات کو اردو کا روپ دے دینا اور ہے۔ المختصر صرف تبدیلیٔ زبان اور ہے اور ترجمۂ قرآن اور اس ترجمہ کو دیکھنے کے بعد کیا آپ اس ترجمے کو آنکھوں سے نہ لگائیں گے جس میں صرف زبان کو تبدیل نہیں کیا گیا ہے بلکہ صحیح معنوں میں قرآن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۹۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ کیا ہے۔

"بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا"

یہ ترجمہ وہی تو کرے گا جسے ابھی تک سیدھا راستہ معلوم نہ ہو سکا لہٰذا ضرورت ہے ایک ایسے کے ترجمے کی جو سیدھا راستہ پا چکا ہو۔

۱۰۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں خاتم النبیین کا کیا معنی ہے؟ اس سلسلے میں مولوی قاسم نانوتوی رقم طراز ہیں۔

"بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو

سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (تحذیر الناس صہ ۳)
تحذیر الناس کی مفصل عبارت اور اس پر مدلل نقد و نظر ملاحظہ کرنے کے لیئے "ماہنامہ المیزان" کا ختم نبوت نمبر، ضرور ملاحظہ فرمائیے یہ مقام تفصیلات کا متحمل نہیں۔

تحذیر الناس کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کا یہ معنی سمجھنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہ ناسمجھ لوگوں کا خیال ہے۔ سمجھ دار لوگوں کے نزدیک یہ معنی غلط ہیں کیونکہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے پہلے یا سب سے پیچھے ہونا اپنے اندر بالذات کوئی فضیلت نہیں رکھتا ـــــ اب تک تمام اگلے پچھلے اولیاء و علماء اور عوام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کے صرف یہی معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہی معنی تمام ائمہ اسلام، صوفیۂ عظام متکلمین فخام، فقہائے اعلام اور مفسرین عالی مقام نے بتائے یہی معنی صحابہ کرام نے تابعین کو سمجھائے بلکہ یہی معنی سیکڑوں حدیثوں سے ثابت ہے الغرض خاتم النبیین کا یہی معنی مراد لینا ضروریات دین میں سے ہے لہٰذا جو شخص اس معنی کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بتائے وہ شرعی اصطلاح میں کافر و مرتد ہے۔

نانوتوی صاحب نے اسی اجماعی اتفاقی معنی کا انکار کرتے ہوئے قرآن مجید، حدیث شریف اور لغت عربی کے خلاف خاتم النبیین میں خاتم کا ایک نیا معنی خاتم ذاتی گھڑا ہے۔ اس اعتراف کے ساتھ کہ یہ معنی آفرینی خود انہی کی اپنی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اسی نئے معنی کو ثابت کرنے کے لیئے تحذیر الناس میں پورا زور لگا دیا ہے ـــــ ناظرین کرام ان حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ جب اسلام و ایمان کا ادعاء کرنے والوں کی بے حیائی و بے شرمی اس قدر بڑھ جائے کہ وہ علانیہ کلام الٰہی کے کلمات کے اجماعی، ایقانی، ایمانی معنی سے انکار کرنے لگیں اور کفر و ارتداد کا دروازہ کھول دیں تو کیا ایسے مرد مومن کی ضرورت نہ محسوس کی جائے گی جو قرآنی نظریات اسلامی عقائد اور ارشادات ربانی کے مفاہیم و معانی کی حفاظت اپنے ترجمۂ قرآن کے ذریعہ کرے ـــــ مذکورہ بالا دس مثالیں ایک مختصر ترین انتخاب ہیں اگر فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن کو اور اردو کے دیگر شائع شدہ ترجموں کو سامنے رکھ کر انصاف و دیانت اور فکر و نظر کی گہرائی کے ساتھ ان سب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو انصاف پسند کے لیئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ دور حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنز الایمان ہے جو قرآن کریم کا صحیح ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔ اہل تفویض کے مسلک اسلم کا عکاس ہے۔ اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا موید ہے۔ زبان کی روانی و سلاست میں بے مثل ہے عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔ قرآن پاک کے اصل منشاء و مراد کو بتاتا ہے۔ آیات ربانی کے انداز خطاب کو پہچنواتا ہے۔ قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشاندہی کرتا ہے قادر مطلق کی ردائے عزت و جلال میں نقص و عیب کا دھبہ لگانے والوں کے لیئے شمشیر براں ہے حضرات انبیاء کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے۔ عامۂ مسلمین کے لیئے حقائق و معرفت کا اتھاہ سمندر ہے۔
بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جل جلالہ کا مقدس کلام ہے اور کنز الایمان اس کا مہذب ترجمان ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ ترجمہ اس کا پیش کردہ ہے جو عظمت مصطفیٰ کا علم بردار، تائید رحمانی کا سرمایہ دار انوار ربانی کا حامل، حقائق قرآن کا ماہر اور دقائق آیات کا عارف تھا ـــــ میں نے بطور نمونہ جو مثالیں پیش کی ہیں مقالہ نگار نے اگر انہی پر غور و فکر کر لیا تو اُسے باآسانی اس حقیقت کا سراغ لگ جائے گا جس نے فاضل بریلوی کے دل میں ترجمۂ قرآن کا داعیہ پیدا کیا ـــــ ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد بھی اگر مقالہ نگار کو فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن میں کوئی خوبی نظر نہ آئی ہو نیز موجودہ رائج الوقت ترجموں کے بعد اس کی ضرورت نہ

محسوس ہوتی ہو تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ اعلان کر دے کہ جو ترجمۂ قرآن ہمارے مکتبۂ فکر کے مترجمین کے اباطیل سے نقاب کشائی کرے اور ان کی زبان و بیان کی شناعت و قباحت سے روشناس کرائے نیز قرآن کریم میں ان کی پیش کردہ معنوی تحریفات سے آگاہ کرے اس ترجمۂ قرآن کا خوبیوں سے خالی ہونا لازمی اور ضروری ہے ــــــ اس اعلان و تشہیر کے بعد اس کو لمبی چوڑی مقالہ نگاری کے ذریعہ غایت جہل کی اس منزل کا تعارف نہ کرانا پڑے گا جہاں سے وہ بول رہا ہے ــــــ میں نے جو مختصر ترین انتخاب پیش کیا ہے۔ اس میں تو بعض ترجمے وہ ہیں جو براہِ راست اسلامی نظریات و عقائد سے واضح طور پر متصادم ہیں اور بعض وہ ہیں جو مترجمین کی زبان و بیان کی ناداری و بیچارگی کی نشان دہی کرتے ہیں ــــــ "ترجمے میں عقیدہ کی پیشکش" کی سرخی لگا کر مقالہ نگار نے دو دعوے کئے ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حدود بشریت سے بالاتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات پر "عالم الغیب" کا اطلاق کیا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جمیع ماکان و مایکون کے علوم کا اثبات کیا ہے۔ پہلا دعویٰ کہ امام احمد رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حدود بشریت سے بالاتر ثابت کرنا چاہتے ہیں فاضل بریلوی کی ذات پر ایک عظیم بہتان ہے اس بے بنیاد دعوے کو دیکھ کر یہ خیال غیر فطری نہیں کہ "دارالعلوم دیوبند" میں افترا پردازی کی خاص ٹریننگ دی جاتی ہے۔ فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن ہی نہیں بلکہ ان کی تمام تصانیف اور جملہ تحریرات میں سے ایک فقرہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں رسول کریم کی بشریت کا انکار ملتا ہو ــــــ فاضل بریلوی رسول کریم کی بشریت کے بارے میں کسی جدید خیال کے بانی نہیں بلکہ اس سلسلے میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو تمام محققین علماء اسلام کا ہے اور جو آیات قرآنیہ اور ارشادات نبویہ سے ثابت ہے ــــــ وہ یہ کہ ــــــ انبیاء کرام سب بشر تھے اور سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جو سنت نوع بشر کے لئے ٹھہر چکی ہے وہ ہمیشہ اُن پر جاری ہوتی چلی آئی ہے۔ بہت سارے بشری احوال و کوائف کا ظہور ان پر ہوتا رہا ہے تاکہ ہر بشر کو اس کے ہر شعبۂ حیات میں ان کی پاک زندگی سے روشنی ملتی رہے ــــــ مگر ــــــ اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوا کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علٰحدہ علٰحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ متنبی مشہور شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی معقولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے۔

وان تفق الانام وانت منھم فان المسک بعض دم الغزال اے ممدوح اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے آخر مشک بھی تو آئسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ متعفن اور یہ معطر وہ ناپاک اور یہ پاک پس اِسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی بشر ہونے میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں صرف اپنی سیرت میں نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی۔ المختصر۔ اگر ایک طرف انبیاء علیہم السلام میں بشریت کی وہ عام صفات موجود ہوتی ہیں جو ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری طرف ان میں وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو عام بشریت سے ان کی فوقیت کا اس سے زیادہ بدیہی ثبوت ہوتی ہیں ــــــ مگر ایک طبقہ عجیب و غریب ہے کہ جب وہ بشریت کا قائل ہوا تو اس نے رسولوں کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں اس طرح سمجھ لیا کہ پھر ان کے حق میں کسی امتیاز کا قائل ہوا

اُس کے نزدیک گویا ان کی بشریت ہی کے انکار کے مرادف بن گیا ——— مقالہ نگار شائد اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے جبھی اس کے نزدیک امام احمد رضا بشریت انبیاء کے منکرین میں نظر آتے ہیں ——— امام احمد رضا نے آیت کریمہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد کا جو ترجمہ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ امام احمد رضا نے اس ترجمہ میں آیت کریمہ کے مفہوم و منشا کو خبط کر دیا ہے نیز نظم قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے یہ ترجمہ صحیح نہیں اس لیئے کہ مقالہ نگار کے خیال میں اس ارشاد قرآنی کا منشا یہ ہے کہ اس خیال کی تردید کر دی جائے کہ جو نبی ہو گا وہ بشر نہیں ہو سکتا ——— مقالہ نگار نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اگر ارشاد قرآنی کا منشا صرف اتنا ہوتا کہ نبی کی بشریت واضح کر دی جائے تو پھر اس کے لیئے "انما انا بشر" فرمانا کافی تھا "مثلکم" کے اضافے کی ضرورت نہ تھی۔ قرآن مجید کا اصل منشا اپنی طبیعت سے گھڑنا اور پھر اس پر احکام مرتب کرنا اگر انصاف ہے تو یہ وہ انصاف ہے جو دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری کو مبارک ہو ——— اچھا آیئے مقالہ نگار کے پسندیدہ و مصدقہ ترجموں میں سے مولوی عبد الحق حقانی (جو مقالہ نگار کے نزدیک جید عالم تھے اور جن کا ترجمہ اس کے نزدیک تمام معنوی خوبیوں کا حامل ہے) انہی کے ترجمہ پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے ان کے ترجمے کی عبارت یہ ہے۔

"اے نبی کہدو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں"

"یہی ہے کہ میری طرف وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے"

اس ترجمے کی خامیوں پر غور نہ کیجئے بلکہ مقالہ نگار سے دریافت کیجئے کہ اچھا چلو کر لو "بشر مثلکم" کا ترجمہ "تمہاری طرح بشر" مگر اب واضح کرو کس بات میں رسول مخاطبین کی طرح ہیں؟ ——— ذہن نشین رہے کہ آیت کریمہ میں مخاطب کفار و مشرکین ہیں نہ کہ مومنین و مطیعین (دیکھو ابن کثیر و ابن جریر وغیرہا) تو ظاہر ہے کہ آیت میں مذکور ضمیر "کم" کا جو اپنے کو مخاطب سمجھے گا تو وہ دانستہ و نادانستہ اپنے کو اُسی زمرے میں شامل کر رہا ہے جو اس ضمیر خطاب کے مخاطبین کا زمرہ ہے۔ ایسی صورت میں کوئی ایمان والا ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ اپنے کو اس ضمیر خطاب کا مخاطب قرار ہی نہیں دے سکتا ——— کفار و مشرکین کیا اگر رسول کو مومنین صالحین کی طرح کہا جائے جب بھی وجہ تشبیہ کی تلاش میں عقل حیران ہو جاتی ہے کہ اگر رسول ہمارے مثل ہیں تو کس بات میں۔ مماثلت کلیہ کا دعویٰ تو پاگل بھی نہیں کر سکتا۔ خود مقالہ نگار بھی نبی و غیر نبی کی بالکلیہ مماثلت کا قائل نہیں تو اب صرف بعض امور میں مماثلت کا مسئلہ زیر بحث رہ گیا تو آخر وہ امور کون سے ہیں؟ ایمان، اعمال، احکام اور معاملات کسی میں بھی ہم کو ان سے مماثلت و مشابہت نہیں ——— غور کیجئے رسول کریم کا کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ نہیں ہے کوئی معبود برحق اللہ کے سوا اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر یہی کلمہ ہم پڑھیں تو کافر ہو جائیں ——— ہم پر پانچ وقت کی نمازیں فرض اور حضور پر چھ وقت کی نمازیں فرض تہجد بھی آپ پر فرض ہے ——— ہمارے لیئے ارکان اسلام پانچ نماز روزہ حج، زکوٰۃ، جہاد۔ اور آپ کے لیئے چار اس لیئے کہ زکوٰۃ آپ پر فرض نہیں۔ ہم کو صرف چار بیویوں کی اجازت ہے اور آپ جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں لیکن آپ کی ازواج پاک مسلمانوں کی مائیں ہیں کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہوگی اور آپ کی میراث نہ بٹے گی۔ ہمارا ایمان ایمان بالغیب آپ کا ایمان ایمان بالشہادۃ۔ ہم بیٹھ کر نفل پڑھیں تو ثواب نصف ہو جائے اور آپ بیٹھ کر بھی پڑھیں جب بھی اجر میں کمی نہیں ہوتی۔

ابتدا میں صحابہ نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ وہ شرعی احکام جو نبی وغیرنبی کے لیئے عام ہیں اس میں نبی ہماری طرح ہیں لیکن رسول کریمؐ نے ایک موقعہ پر لستؐ کاحد منکم فرما کر ان کے خیال کی اصلاح فرما دی ——

—— ہم اسلامی قانون پر عمل کرنے والے ہیں اور رسول کریمؐ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والے ہیں اس منصب رفیع کے ساتھ کہ جس کو چاہیں اور جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔ یہ اختیار کسی امتی کو تا قیامت حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک موقعہ پر حضرت ابوبردہ کے لیئے شش ماہہ بکری کی قربانی جائز فرما دی۔ ایک بار حضرت عقبہ ابن عامر کو بھی شش ماہہ بکری کی قربانی کی اجازت عطا فرمادی ایک بار حضرت ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی رخصت بخش دی۔ ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت عمیس کو عدت وفات کا سوگ معاف فرما دیا۔ ایک صاحب کو مہر کی جگہ صرف سورت قرآن سکھانا کافی کر دیا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی تنہا گواہی کو شہادت کا نصاب کامل کر دیا ایک صحابی کے لیئے روزے کا کفارہ خود ہی کھا لینا جائز فرما دیا۔ ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرما دی، دو صاحب کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ مولیٰ علی کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرما دیا، مخدرات اہلبیت کو بحالت عارضہ ماہانہ مسجد مبارک میں آنا جائز فرما دیا، حضرت براء ابن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرما دی، حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن حضور کی اجازت سے پہنائے گئے، حضرت عثمان غنی کو بے حاضری جہاد سہم غنیمت کا مستحق فرما دیا اور عطا کیا، حضرت معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرما دیا، ام المومنین حضرت عائشہ کو عصر کے بعد دو رکعت نفل جائز فرما دی۔ ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرما لیا کہ وہ دو نماز سے زیادہ نہ پڑھے گا —— وغیرہا وغیرہا —— صفحات کتب احادیث پر پھیلے ہوئے یہ سارے واقعات وحقائق واضح کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ کی ذات گرامی ایمان واحکام معاملات وعبادات میں بھی بے مثل وبے نظیر ہے ہم جیسی نہیں —— یہی نہیں بلکہ آپ کا سر سے لے کر پیر تک ہر ہر عضو بدن بے مثل وبے نظیر ہے اللہ عزوجل نے آپ کو اپنی ذات وصفات کا مظہر اتم حقیقت ومعرفت کے تمام ظاہری وباطنی کمالات کا مخزن اور روحانیت کے تمام محاسن واوصاف کا معدن بنایا تھا آپ کے حسن وجمال کا عالم یہ تھا کہ نگاہیں دیکھ کر خیرہ ہو گئیں جس کا مشاہدہ کر کے زبان کو عالم حیرت میں کہنا پڑا لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ ایسا حسین وجمیل نہ آپ کے قبل دیکھا نہ آپ کے بعد

خود حضرت علی نے آپ کے سر سے پاؤں تک کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو حضورؐ کی نعت بیان کرے گا وہ ضرور کہے گا کہ میں نے حضورؐ کے مثل نہیں دیکھا۔ حضرت مولائے کائنات نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ ممکن نہیں کہ حضورؐ کی مدح وثنا کرنے والا حضورؐ کو بے مثل نہ کہے اس لیئے کہ جب تک وہ حضورؐ کو بے مثل نہ کہے گا اور لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ کا اعتراف نہ کرے گا اس کی مدح وثنا مکمل نہیں ہو سکتی حضرت علی کا ارشاد اسبات کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ حضور سے مثلیت کا دعویٰ وہی کرے گا جو حضورؐ کا ناعت (ثناخواں) نہ ہوگا بلکہ حضورؐ کی توہین وتنقیص کا قصد رکھتا ہوگا —— حضرت حسان فرماتے ہیں۔

خلقت مبرامن کل عیبٍ	(اے میرے محبوب) آپ ہر عیب سے پاک وصاف پیدا کئے گئے
کانک قد خلقت کما تشاءُ	گویا آپ کی تخلیق آپ کی مرضی سے کی گئی
واجمل منک لم تر قط عینی	آپ سے زیادہ حسین وجمیل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا

واکمل منک لم تلد النساء — آپ سے زیادہ باکمال کسی عورت نے جنا ہی نہیں

صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے ما رایت شیئاً احسن من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نے حضور سے زیادہ خوبصورت کسی انسان کو ہی نہیں بلکہ (کائنات) کی کسی چیز کو بھی نہیں دیکھا ـــــــ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ چہرہ نبوی کے حسن کا یہ عالم تھا "کانّ الشمس تجری فی وجھہ" گویا سورج آپ کے چہرے میں رقصاں ہے۔ عارض پاک کا عالم یہ تھا کانّ ماء الذھب تجری فی صفحۃ خدہ" گویا صفحہ رخسار پر سونے کا پانی چھلک رہا ہے دندان مبارک موتیوں کی طرح سفید و چمکدار تھے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں" اذا ضحک یتلالاء الجدر" جب آپ تبسم فرماتے تو دندان مبارک کے نور سے دیواروں پر روشنی چھا جاتی۔ لب مبارک کے بارے میں مواہب شریف میں ہے "احسن عباد اللہ شفتین" اللہ کے تمام بندوں سے اچھے تھے ـــــــ اللہ اللہ کیا اعجاز تھا آپ کے لبہائے مبارک کا کہ ایک بار حضرت علی شدید بیمار ہوتے آپ نے دیکھ کر فرمایا "اللھم عافہ او اشفعہ" الٰہی اسے عافیت دے یا شفا دے لب جاں بخش کے ہلاتے ہی شفا ہو گئی اور پھر اس کے بعد تا حیات اس مرض میں گرفتار نہ ہوئے ـــــــ زبان مبارک کا یہ عالم کہ خود ارشاد فرماتے ہیں" انا افصح العرب" میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں ـــــــ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر کے اس استفسار پر کہ حضور میں نے عرب کا ذرہ ذرہ کیا بڑے بڑے فصحاء سے ملاقات کی مگر آپ جیسی فصاحت کسی میں نہ پائی آپ نے ارشاد فرمایا ادّبنی ربی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ـــــــ ایک غزوہ میں حضور علیہ السلام نے نزول اجلال فرمایا ایک چشمے کے متعلق صحابہ نے عرض کیا۔ کہ حضور اس چشمہ کا نام بیسان ہے اس کا پانی کھارا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا «بل ھو نعمان وھو الطیب"، نہیں اس کا نام نعمان ہے اس کا پانی میٹھا ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور نے چشمہ کا نام بدل دیا تو اللہ نے اس کا ذائقہ بدل دیا حضور علیہ السلام کی زبان کی عظمت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ وہی زبان مبارک ہے جو حریم خلوت گاہ قدس میں پہنچ کر رب العالمین سے شرف کلامی حاصل کرتی ہے۔ ایک بار آپ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں" فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حقاً مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق ہی نکلتا ہے۔ قرآن نے اعلان فرمایا" ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ" یہ اپنی طرف سے نہیں بولتے ان کا بولنا وحی الٰہی ہے ـــــــ ایک مرتبہ شدت تشنگی میں حضرت امام حسن کے منہ میں آپ نے اپنی زبان رکھ دی انھوں نے چوسی اور سیراب ہو گئے ـــــــ آپ کی مقدس آنکھوں کے لیئے اندھیرا بھی حجاب نہ تھا حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے جس طرح دن کے اجالے میں" حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے خود ہی فرمایا ہے کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے ـــــــ بلکہ ـــــــ حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ خدا کی قسم تمھارے رکوع اور خشوع مجھ پر پوشیدہ نہیں۔ خشوع دل کی کیفیت نیاز کا نام ہے مگر نگاہ احمدی کے قربان جو نمازی کے خشوع کا بھی ادراک رکھتی ہے ـــــــ مدینہ میں رہ کر غزوہ موتہ کے حالات کو ملاحظہ فرمانا اور پھر مجاہدین کی واپسی پر خود ہی تمام حالات کو من وعن بیان کر دینا حدیثوں میں مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ چشم نبوت اندھیرے، اجالے دور و نزدیک کے قانون سے علیحدہ ہے یہ قانون دوسروں کی آنکھوں کے لیئے ہے۔ آپ کے موئے مبارک بھی ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اسلام کے مشہور جرنیل حضرت خالد کو میدان کارزار میں فتح و نصرت الٰہی انھیں مبارک بالوں کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ امام بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت خالد کی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کے چند بال تھے اور انہیں بالوں کی برکت سے انھیں ہر معرکہ میں فتح ہوتی تھی ـــــــ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ایک

بال ہمیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ ______ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حلاق حضورؐ کے بال اتار رہا ہے اور صحابہ کرام پروانہ وار موئے مبارک حاصل کرنے کے لیئے حضورؐ کا طواف کر رہے ہیں تاکہ ایک بال بھی زمین پر نہ گرے اور ان کے ہاتھوں میں آ جائے ______ حضرت علی کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے دست مبارک میں اپنا ایک بال لیئے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جس نے میرے ایک بال کی توہین کی اس پر جنت حرام ہے ______ آپ کی قوت سامعہ بھی بے نظیر ہے حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "میں وہ دیکھتا ہوں جو کوئی نہیں دیکھتا اور وہ سنتا ہوں جو کوئی نہیں سنتا" ______ خود حضور نے فرما دیا کہ میری قوت سامعہ و باصرہ عام انسانوں کی طرح نہیں ______ آسمان کی چرچراہٹ سماعت فرمانا. عذاب قبر کو سننا وغیرہ وغیرہ آپ کی سماعت بے مثلی کی نشاندہی کر رہے ہیں. ______ آپ کا بچپن بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور آپ کا زمانہ طفولیت عام بچوں کی طرح نہ تھا حضرت امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ آپ نے صحن عالم پر قدم رکھا تو پہلا کلام یہ فرمایا "اللہ اکبر کبیرا الحمد للہ کثیرا"، معلوم ہوا کہ حضور کو بچپن اور کمسنی میں بھی ادراک و شعور اور علم و فہم حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمام اخلاق حمیدہ اور آداب شرعیہ آپ میں جمع فرما دیئے تھے ______ امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ حضرت حلیمہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کے دائیں طرف کا دودھ نوش فرماتے اور بائیں طرف کا وہ پلانا بھی چاہتیں تو نہ نوش فرماتے علماء فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی "وذالک من عدله لانه یعلم ان له شریکا فی الرضاعة"، یہ آپ کا عدل تھا کیونکہ آپ، جانتے تھے کہ میرا ایک "رضاعی شریک" بھی ہے یعنی حضرت حلیمہ ایک اور بچے کو دودھ پلاتی تھیں جس کے لیئے آپ نے بائیں طرف کا حصہ مخصوص فرما دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایام شیر خوارگی کے عالم میں عدل و مساوات کا یہ اہتمام فرمانا آپ کی بے مثلی کو ظاہر فرما رہا ہے اس لیئے کہ اس عمر میں یہ دیانت و شعور کس میں ہوتا ہے؟ ______ آئیے دست رسولؐ کے بھی جلوے ملاحظہ فرمائیے. جنگ احد میں حضرت عبد اللہ ابن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں کھجور کی ٹہنی دی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی ______ لکڑی کو لوہا بنا دیا اور حقیقت کو بدل دیا اسی کو قلب اعیان کہتے ہیں ______ حضرت سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا حضورؐ کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے فرمایا کون ہے میں نے عرض کیا سائب ابن یزید ہوں پھر آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ برکت دے جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے بال ہمیشہ سیاہ رہے ______ انگشتان مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، ایک اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، ایک اشارہ سے مدینہ طیبہ سے سمٹ کر بادلوں کا اطراف کا رخ کر لینا، دست مبارک میں شفا کی طبعی خاصیت ہونا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا دست مبارک بے مثل و بے نظیر تھا ______ آپ کی قوت ذائقہ کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ صحابہ کے ساتھ ایک میت کی تدفین کے بعد واپس ہو رہے تھے کہ ایک خاتون نے آپ سب کو کھانے پر مدعو کیا. صحابہ نے آپ کے بعد کھانے کے لیئے ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا مگر آپ کے دہن مبارک میں جیسے ہی لقمہ پہنچا - آپ نے فرما دیا کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے چنانچہ آپ نے اس لقمے کو نوش نہیں فرمایا ______ بات بھی صحیح تھی اس لیئے کہ وہ بکری اصل مالک کے بجائے اس کی بیوی کی اجازت سے حاصل کی گئی تھی ______ خیال کیجئے کہ تلخ و شیریں کا احساس تو عام بشر کی زبانیں بھی کر لیتی ہیں. مگر نبی و رسول کی زبان حلال و حرام کا بھی احساس فرما لیتی ہے ______ آپ کی مبارک آواز کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب آپ منبر پر خطبہ کے لیئے - بیٹھے تو لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ آپ کی یہ آواز حضرت عبد اللہ ابن رواحہ کے کان میں بھی پہنچی وہ اس وقت بکریوں میں تھے - آپ کی آواز سن کر فوراً وہیں بیٹھ گئے ______ حضرت عبد الرحمن بن معاذ کی روایت

ہے کہ رسول کریم ؐ نے منیٰ میں ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اللہ نے ہمارے کان اس طرح کھول دیئے تھے کہ ہم تمام حجاج جہاں جہاں تھے وہیں بیٹھے ہوئے آپ کی آواز سُن رہے تھے ـــــــ منیٰ کی سرزمین شاہد ہے کہ نبی کریم ؐ کے بعد اس فضل سے کسی کو نوازا نہیں گیا تاکہ اس خاص موقع کا یہ واقعہ آپ کے خصائص میں شمار ہو۔ ہاں آپ کی اس رفیع الصّوتی کا پرتو ایک عاشق رسول پر پڑا تھا جس نے مدینہ طیبہ میں آواز بلند کی تو وہ آواز نہاوند کی فوج میں سنی گئی۔ المختصر۔ منیٰ والا واقعہ اپنے جائے وقوع اور کیفیات کے لحاظ سے جداگانہ ہے ـــــــ آپ کے لعاب دہن کا یہ حال کہ کھاری پانی میں پڑے تو پانی کو میٹھا کر دے، پائے صدیق میں لگے تو تریاق بن جائے، چشم علی میں لگے تو کحل الجواہر کا کام دے، عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں لگ جائے تو ہڈیوں کو جوڑ دے ـــــــ آپ کی نیند کا یہ عالم کہ خود فرمائیں " ان عینی تنامان ولاینام قلبی " میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ ـــــــ نیز ـــــــ ارشاد فرمایا کہ ـــــــ ہم انبیاء کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے ـــــــ انبیاء کرام کو وفات سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو دنیا ہی میں رہیں اور چاہیں تو آخرت کو پسند فرمالیں ـــــــ نیز کسی نبی پر وفات طاری نہیں کی جاتی جب تک جنت میں اس کا مقام اُسے دکھا نہیں دیا جاتا اور اُسے دنیا و آخرت میں ایک کو پسند کر لینے کا اختیار نہیں دے دیا جاتا ـــــــ احادیث سے یہ حقائق ثابت ہیں۔ ان امور کے علاوہ بعد وصال مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی کے کپڑوں میں غسل دینے کی غیبی ہدایت، غسل دیتے میں فرشتوں کی بھی غائبانہ شرکت، حضور کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیئے اولاً حضرت جبرائیل پھر حضرت میکائیل، پھر حضرت اسرافیل پھر حضرت عزرائیل کا بہت سارے فرشتوں کے ساتھ حاضر ہونا۔ پھر اہلبیت اطہار کا نماز کے لیئے حاضر ہونا ان سب کے بعد دوسرے لوگوں کا تنہا تنہا بغیر امام کے نماز پڑھنا۔ قبر میں اتارتے وقت ملائکہ کا بھی شریک کار ہونا آپ کے وصال مبارک کے بعد ملائکہ کا اہلبیت کے پاس آکر تعزیتی کلمات غائبانہ طور پر پیش کرنا اس طرح کہ وہ نظر نہیں آرہے تھے مگر اُن کی آواز سنی جارہی تھی، عام بشر کی تعزیت عام بشر کر لیتے ہیں مگر رسول وہ ہیں جن کے گھر والوں کی تعزیت میں خدا کے مقدس فرشتے بھی شریک رہتے ہیں۔ یوں ہی ہر ہر نبی کا اسی جگہ پر وفات پانا جہاں اُسے دفن ہونا محبوب ہو، دفن کے بعد زمین کے تخریبی اثرات سے ان کا محفوظ رہنا اور قبروں میں نمازیں پڑھنا حقیقت بیں نگاہوں میں مدینے میں آپ کے آنے سے روشنی اور وصال سے تاریکی پھیل جانا، اور حضور ؐ سے جدا ہو جانے کے نتیجے میں صحابہ کا اپنے قلوب کی حالت دگرگوں پانا، حیات طیبہ میں رسول ؐ کی صحبت سے الگ ہوتے ہی صحابہ کا اپنی قلبی کیفیت میں تبدیلی کا احساس ہونا، فرشتوں سے ہمکلام ہونا فرشتوں کا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شرف صحبت سے مستفیض ہونا، آپ کے نماز پڑھنے سے میت کی قبر کا روشن و منور ہو جانا، جنت و دوزخ کا حالت نماز میں آپ کے سامنے متمثل ہو کر حاضر ہونا، اس حیات دینوی میں رہتے ہوئے بارہا بنفس نفیس جنت میں تشریف لے جانا، یہ سارے حقائق وہ ہیں جو احادیث نبویہ سے ثابت ہیں۔ طوالت تحریر کا اندیشہ کلمات احادیث کو نقل کرنے سے مانع ہے ـــــــ یہی وہ حقائق ہیں جن کے پیش نظر امام رازیؒ نے صاف صاف فرمادیا کہ انبیاء کرام ؑ جس طرح عام بشر سے اپنی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح جسمانی طاقتوں میں بھی ممتاز ہوتے ہیں یعنی اپنی سامعہ، باصرہ، شامہ اور ذائقہ سب ہی طاقتوں میں ـــــــ امام رازیؒ کا یہ قول مولوی بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنتہ جلد سوم ص ۲۵۱ پر نقل کیا ہے ـــــــ علامہ زرقانیؒ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ حضورؐ پر ایمان لانے کی تکمیل یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے، بان اللہ تعالیٰ جعل خلق بدنہ الشریف علی وجہ لم یظہر قبلہ ولا بعدہ خلق آدمی مثلہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے جسد شریف کو اس شان کا پیدا فرمایا کہ کوئی انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہ ہوا حکیم ترمذی حضرت ذکوانؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ ـــــــ

علیہ وسلم کا سایہ نہ چاند کی چاندنی میں دکھائی دیتا تھا نہ سورج کی روشنی میں۔ حضرت ابن سبع فرماتے ہیں کہ جسم اطہر پر مکھی نہ بیٹھتی تھی حضرت حارث ابن اسامہؓ حضرت مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس جنتی جوانوں سے زیادہ توانائی رکھتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے چہرہ اقدس پر پسینہ موتی کی طرح نظر آتا تھا اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ تھی، آپ کا قد مبارک نہ بہت دراز تھا نہ بہت کوتاہ جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوتا تھا کہ جب آپ قوم کے درمیان تشریف رکھتے تو آپ کے مونڈھے سب سے بلند رہتے۔ عقل و دانائی کا یہ عالم کہ امام ابونعیمؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ تمام دنیا کے انسانوں میں عقل و رائے کے لحاظ سے برتری رکھتے تھے۔ حضرت وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مطالعہ کیا سب میں یہی لکھا پایا کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر انتہائے عالم تک سارے عقلاء کی عقلیں حضور سید عالمؐ کی عقل کے مقابل ریت کا ایک ذرہ نظر آتی ہیں۔ قدموں کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن بریدہؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے قدم مبارک تمام انسانوں کے قدموں سے زیادہ حسین تھے۔ قدموں کی ٹھوکر سے پانی کا چشمہ جاری کر دینا اور پھر مار کر اس چشمے کو بند کر دینا اور اپنی ٹھوکروں سے عصائے موسوی کا کام لینا حدیث سے ثابت ہے ۔ انتہا یہ ہے کہ آپ کے تمام فضلات مبارکہ امت کے حق میں طیب و طاہر باعث برکت و رحمت ہیں لیکن خود آپ کے حق میں آپ کی عظمت شان کے سبب حکم اصلی باقی ہے۔ فتاوی اسعدیہ میں ان کی طہارت کی صراحت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضور علیہ السلام کے پچھنے لگائے جسم اقدس سے جو خون نکلا وہ انھوں نے پی لیا اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا جا تو نے اپنے نفس پر آتش دوزخ حرام کر لی۔ حضرت ابن زبیرؓ نے خون مبارک بطور تبرک پیا کسی نے پوچھا خون کا ذائقہ کیا تھا فرمایا ذائقہ شہد کی طرح تھا اور خوشبو مشک و عنبر جیسی تھی۔ حضرت ام ایمنؓ نے ایک مرتبہ آپ کا بول مبارک پی لیا اور پھر جب آپ سے عرض کیا تو آپ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ آج سے تجھے کبھی پیٹ کی بیماری نہ ہوگی۔ روحانی کمالات کو الگ رکھئے یہ جسمانی محیر العقول کمالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ نبی کریمؐ کی طرح مومنین و صالحین تک بھی نہیں نہ روحانی درجات میں نہ جسمانی کمالات اور ظاہری عضو کے کسی حصے میں۔ پھر کفار و مشرکین کا آپ کی طرح ہونا یا آپ کا ان کی طرح ہونا کس قدر بعید از قیاس ہے ۔ اب رہ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے اپنا کام اپنے ہاتھوں انجام دینے، زخمی ہونے، بیمار پڑنے وغیرہ وغیرہ میں ہمارا شریک نظر آنا تو اس سے بھی آپ ہماری طرح نہیں ہوتے اس لیے کہ نبی کے افعال امت کی تعلیم کے لیے ہوتے ہیں ان کی ہر ادا معلمانہ شان رکھتی ہے پھر ان کے افعال کی حقیقت کو امتی کے افعال کی حقیقت سے کیا نسبت ۔ غور کیجئے ابیت عند ربی یطعمنی ربی ویسقینی میں رب کے یہاں شب گزارتا ہوں مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ بلفظ دیگر انی لست کھیئتکم انی اطعم واسقی میں تمہاری ہیئت و ماہیت کے مثل نہیں میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں۔ بروایت دیگر انی لست مثلکم میں تمہارے مثل نہیں۔ تیسری روایت میں ہے ایکم مثلی تم میں کون میرے مثل ہے۔ ان ظاہر المراد کلمات کے ذریعہ اپنی بے مثلی و بے نظیری کا اعلان فرمانے والا رسول اگر بھوکا، پیاسا، زخم خوردہ و مجروح، بطن اقدس پر پتھر باندھے ہوئے وغیرہ وغیرہ نظر آئے تو کیا اس کے ان افعال کی وہی حقیقت ہوگی جو مجبوروں اور بیکسوں کے افعال کی ہوتی ہے؟ یا عائشہ لو شئت لسارت معی جبال الذہب اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ ارشاد فرمانے والے رسول کے دولت کدے سے دھواں نہ اُٹھے تو کیا اسے اس کی بیکسی و مجبوری پر محمول کیا جائے گا؟ کیا انبیاء پر بشری احوال و کوائف کا ظہور اس لیے ہوتا ہے کہ غیر نبی کو انھیں اپنا جیسا کہنے کا جواز مل جائے؟ یا یہ کہ ـــــ انبیاءؑ کے یہ سارے اعمال امت کی تعلیم اور انھیں فقر و زہد، صبر و شکر، توکل و استغنا، عجز و انکسار نیز اللہ کی رضا سے راضی رہ کر ہر شعبہ حیات میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا سبق سکھانے کے لیے ہیں۔ قرآن و حدیث سے تو یہاں تک ثابت

ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان تو نرالی ہے آپ کی طرف جس کی نسبت ہوگئی وہ بے مثل ہوگیا ـــــ جبھی تو ـــــ نبی ﷺ کی ازواج عورتوں میں بے مثل، نبی کے امتی دیگر امتیوں میں بے مثل، نبی کا شہر شہروں میں بے مثل، نبی ﷺ قبر انور کی زمین زمینوں میں بے مثل، نبی پر نازل شدہ کتاب آسمانی کتابوں میں بے مثل، نبی کا لایا ہوا دین ادیان میں بے مثل، نبی کا قبیلہ قبیلوں میں بے مثل، نبی کا خاندان خاندانوں میں بے مثل نبی کا گھرانا گھرانوں میں بے مثل وغیرہ وغیرہ تو جب آثار و منسوبات کا یہ حال ہے تو پھر منسوب الیہ کی بے مثلی و بے نظیری سمجھانے کے لیئے کسی دلیل کی کیا ضرورت ـــــ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاف صاف فرما دیا کہ ـــــ ولکنی لست کاحد منکم لیکن میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ حضور ﷺ کا اپنے اس کلام سے مقصد یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا اور پورا پورا ثواب ملنا میرے خصائص سے ہے فلا تقیسونی علی احد، ولا تقیسوا علیّ احدًا لہٰذا مجھ کو کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ مجھ پر کسی کو قیاس کرو ـــــ یہاں تک میں نے احادیث کریمہ اور ارشادات علماء کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ ہر نبی اپنی ذات و صفات، اعضاء و جوارح میں غیر نبی ممتاز ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب حقیقت و ماہیت میں مماثلت نہ رہ گئی تو اب ذات وصفات اور اعمال و افعال نیز اعضاء و جوارح کی جو ظاہری صورت ہے اسی میں مماثلت ہو سکتی ہے ـــــ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت اور ان کی بے پناہ فہم و فراست پر قربان جائیے کہ انھوں نے قل مثلکم کے ترجمے میں لفظ کے نیچے لفظ رکھ دینا پسند نہیں فرمایا بلکہ اسی وجہ تشبیہ کو ترجمے کی صورت دے دی جس کے سوا کوئی اور مماثلت کی وجہ نہ بن سکے تاکہ عام ذہن وجہ تشبیہ کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نہ ہو نیز غفلت و لاعلمی کے سبب کسی ایسی چیز کو وجہ تشبیہ نہ ٹھہرائے جس سے وہ خارج از اسلام ہی ہو جائے ـــــ مقالہ نگار اگر ذرا بھی منصف مزاج ہوتا تو امام احمد رضا کے ترجموں کو آنکھوں سے لگاتا اور ان کی فراست ایمانی کے حضور سر نیاز جھکا دیتا۔ ایک فقرہ میں طویل و عریض تحقیقات کا عطر پیش کر دینا اور بے غبار لفظوں میں اسلامی عقیدے کی وضاحت کر دینا تائید ربانی ہی پر موقوف ہے ـــــ یہاں اس نکتے کو بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ "انا بشر مثلکم" (میں تمھاری طرح بشر ہوں) کی ترجمانی کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ میں تمھاری طرح انسان ہوں یعنی جیسے تم انسان ہو (فرشتہ و جن نہیں) اسی طرح میں بھی انسان ہوں (فرشتہ و جن نہیں) اس ترجمانی میں وجہ مماثلت، انسانیت اور بشریت ہے یعنی انسان و بشر ہونے میں تمھاری طرح ہوں۔

۲۔ میں تمھاری طرح انسان ہوں یعنی جس طرح کے انسان تم ہو اسی طرح کا انسان میں بھی ہوں یعنی تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔

ظاہر ہے کہ پہلی ترجمانی ہی اسلامی عقائد و نظریات کے مطابق ہے جس سے واضح ہے کہ مماثلت صرف "آدمی ہونے" میں ہے نہ کہ دوسرے صفات وغیرہا کی حقیقت و ماہیت میں۔ خود مقالہ نگار نے فتح القدیر، بحر المحیط اور روح المعانی سے جو عبارتیں نقل کی ہیں اُن سے بھی یہی ثابت ہے کہ وجہ مماثلت صرف بشریت (یعنی آدمی ہونا) ہے۔ فتح القدیر کی عبارت مقالہ نگار نے نقل کی ہے اُس نے تو یہاں تک واضح کر دیا کہ اپنے لیئے بشریت ثابت فرما کر رسول کریم ﷺ اپنی ذات سے ملکیت کی نفی فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ میں بشر ہوں ملک نہیں ہوں جیسے تم بشر ہو ملک نہیں ہو یہی طرز پر یہ سمجھ لیجئے گا کہ بشریت کا ترجمہ بحر المحیط کی عبارت منقولہ کا ترجمہ کرتے ہوئے خود مقالہ نگار نے "آدمی ہونا" ہی کیا ہے ـــــ اسی وجہ مماثلت کو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جب سورہ سجدہ کے رکوع کی آیت قل انما انا بشر مثلکم کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھ دیا اور یہ ترجمانی فرمائی۔

"تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں"

اس پر مقالہ نگار بول پڑا کہ بشر کا معنی "آدمی ہونا" کہا ہے میں پوچھتا ہوں کہ بشر کا معنی آدمی ہونا نہیں لیکن بشریت کا معنی تو آدمی ہونا ہے اور پھر جب بشر مثلکم سے "مماثلت فی البشریۃ" مقصود ہونے پر ساری تفسیریں متفق ہیں تو پھر اسی وجہ مماثلت کو قرآن کی ترجمانی میں اگر رکھ دیا جائے اور ذہنوں کو ادھر اُدھر بھٹکنے سے بچالیا جائے تو اس میں کون سا جرم ہے؟ مقصود قرآن کو ترجمۂ قرآن کی صورت دے دینا کیوں غلط ہے؟ ______ امام احمد رضاؒ نے اسی وجہ مماثلت کو کہیں "ظاہر صورت بشری" اور کہیں "آدمی ہونے" کے لفظوں سے ظاہر کیا ہے دونوں فقروں کا حاصل و مآل ایک ہے ______ مقالہ نگار کے چیں بجبیں ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کا جس مکتب فکر سے تعلق ہے اس میں نبی کی حیثیت ایک "معمولی انسان" کی ہے چنانچہ اپنے عہد میں خارجیت اور وہابیت کے مسلمہ امام مولوی عبد الشکور کاکوروی ایڈیٹر النجم آیت زیر بحث کا ترجمہ کرتے ہوئے ماہنامہ النجم مورخہ ۱۱ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم ۳ میں لکھتے ہیں

"نبی کریم نے فرمایا انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ میں تمھاری طرح ایک معمولی انسان ہوں اگر تم میں اور مجھ میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمھارے پاس خدائے تعالیٰ کا پیام لایا ہوں"

آج تک دیوبند کے کسی پوت دسپوت کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ بارگاہ نبوت کے اس گستاخ سے سوال کرتا کہ یہ "معمولی انسان" آیت کریمہ کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ مقالہ نگار نے اگر گروہی عصبیت سے ہٹ کر اس گمراہ کن ترجمے پر اعتراض کیا ہوتو میں اُسے ضرور جاننا چاہوں گا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ نہ مقالہ نگار نے ایسا کیا ہوگا اور نہ کبھی ایسا کر سکے گا اس لیئے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ جس مکتبہ فکر سے وابستہ ہے وہاں بڑے بڑے سورما پیدا ہو چکے ہیں۔ جو نبی کریمؐ کی ذات کے لیئے معمولی بشر، بڑا بھائی، گاؤں کا چودھری، فقط ایک ایلچی کا لفظ استعمال کرنے والے، نبی کے لیئے اپنی آخرت سے بے خبر اور مر کر مٹی میں مل جانے کا خیال ظاہر کرنے والے علم نبوی کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینے والے۔ علم نبوی کو شیطان کے علم سے کم سمجھنے والے۔ نبی کریمؐ کو اردو سکھانے کا دعویٰ رکھنے والے نبی کریم کے لیئے ذرّہ بے مقدار اور چمار سے زیادہ ذلیل کا لفظ استعمال کرنے والے۔ نبیؐ کے فضل و کمال، جاہ و جلال، حسن و جمال، جود و نوال کی احادیث کو ضعیف، کمزور ناقابل پذیرائی قرار دینے والے اور جس کلام میں بظاہر کچھ شان اقدس کی منقصت نظر آئے اسے رنگ و روغن چڑھا کر قریہ قریہ بستی بستی اسے بیان کرنے والے المختصر تقدیس رسالت کی نفی کو توحید الٰہی سمجھنے والے ہیں بھلا ایسوں سے کیا امید کی جائے کہ وہ بھی دین و دیانت کے تقاضوں کو کبھی پورا کر سکیں گے ______ مقالہ نگار کی علمی خیانت تو ملاحظہ فرمایئے اس نے امام احمد رضا کے ترجمے کی نقل مطابق اصل نہیں کی۔ نہ تو سورہ کہف والی آیت کا ترجمہ مطابق اصل نقل کیا اور نہ ہی سورہ سجدہ والی آیت کا ترجمہ من وعن نقل کیا دونوں مقامات کی آیات کے ترجموں کو اصل کے مطابق ملاحظ فرمایئے۔

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود ایک معبود ہے۔" (سورہ کہف)

"تو میں" کا لفظ مقالہ نگار نے نقل ہی نہیں کیا تاکہ اردو کے محاورے میں وہ حصر نہ آسکے جو قرآنی آیت سے مستفاد ہے

"تم فرماؤ کہ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں" (سورہ سجدہ)

یہاں "تمہیں" کو مقالہ نگار نے "تم" کر دیا تاکہ یہ بھی اپنے اندر کوئی حصر کا مفہوم نہ رکھے مقالہ نگار نے یہ سب کچھ اس لیئے کیا ہے تاکہ اُسے یہ کہنے کا موقعہ مل جائے کہ دونوں میں انما کے معنی تخصیص و حصر کو چھوڑ دینے کی زبردست کمی پائی جاتی ہے

مقالہ نگار کو یہ شکایت ہے کہ امام احمد رضاؒ نے بشر مثلکم کا ترجمہ وہ کیا ہے جو انا مثلکم فی البشریۃ کا ترجمہ ہے ______ میں پوچھتا ہوں کہ جب خود مقالہ نگار نے بحر المحیط کے حوالے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ بشر مثلکم میں مماثلت فی البشریۃ مراد ہے یعنی بشر مثلکم کا مطلب

ما منکم فی البشریۃ ہی ہے تو پھر بشر مثلکم کے ترجمہ میں اسی معنی مراد کو رکھ دینا اصول ترجمانی سے کیسے باہر ہوگیا؟ بشر بول کر انسان اور آدمی ضرور مراد لیا جاتا ہے مگر سوچنا یہ ہے کہ انسان کو بشر کیوں کہتے ہیں۔ مفردات امام راغب میں ہے کہ بشر "بشرۃ" سے ماخوذ ہے اور بشرۃ الانسان کی جلد کی اوپری سطح کو کہتے ہیں چونکہ انسان کی جلد بالوں سے صاف ہوتی ہے (اس کے برعکس دیگر حیوانات کی کھال پر اون، بال اور پشم ہوتی ہے) اسی لیے اس کو بشر کہتے ہیں ____ اس صورت میں بشر کا لفظی معنی "صاحب بشرۃ" ہوا یعنی چہرہ، مہرہ اور صاف جلدوں والا اور ظاہر ہے کہ چہرے مہرے اور اوپری جلدوں کا تعلق ظاہر صورت ہی سے ہے۔ اس تحقیق نے امام احمد رضا کی نظر کی گہرائی کو اور بھی روشن کر دیا ہے۔ یقیناً انھوں نے اپنے ترجمے میں لفظ بشر کے ماخذ کے بنیادی معنی کی خاص رعایت رکھی ہے ____ مقالہ نگار نے لغوی تحقیق کے نام پر لفظ بشر کی جو تشریح کی ہے وہ ناقص ہے اور غیر ضروری بھی۔ یوں ہی لفظ انما کے تعلق سے تشریحی عبارتیں بلا ضرورت اظہار لیاقت کی ایک کوشش ہے۔ حصر کے تعلق سے آگے کچھ تحقیقی مباحث آئے ____ مقالہ نگار کی یہ کوشش بھی غیر ضروری تھی کہ وہ نبی و رسول کے اصطلاحی معنی کی تشریح میں وقت صرف کرے۔ نیز ____ بشریت انبیاء کو ثابت کرنے کے لیے اپنے قلم کی روشنائی ضائع کرے اس لیے کہ امام احمد رضا نہ تو بشریت انبیاء کے منکر تھے اور نہ نبی و رسول کی معروف تعریف پر معترض اور نہ ہی ان کے ترجموں سے ان میں سے کسی امر کا انکار ملتا ہے۔ خود امام احمد رضا کے ترجموں پر غور کیجیے ایک جگہ "ظاہر صورت بشری" میں اور دوسری جگہ "آدمی ہونے" میں حضور کو مخاطبین کے مماثل قرار دے رہے ہیں اور صاف لفظوں میں آپ کو صاحب صورت بشری اور آدمی ظاہر کر رہے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر صورت بشری کے بشر ہو جائے ____ یا ____ صورت بشری ہو اور بشر نہ ہو یا ____ کوئی کسی سے ظاہر صورت بشری میں مماثل ہو لیکن خود بشر نہ ہو؟ ____ یا بلفظ دیگر کوئی کسی سے "آدمی ہونے" میں مماثل ہو لیکن خود آدمی نہ ہو؟

____ آخر امام احمد رضا کے ترجموں کے کس گوشے سے بشریت کا انکار ملتا ہے؟ مقالہ نگار جب امام احمد رضا کے اردو ترجموں کو نہ سمجھ سکا تو پھر قرآن وحدیث سے براہ راست اکتساب فیض کی اس میں کیا صلاحیت ہوگی۔ مقالہ نگار رقم طراز ہے کہ

"مترجم (امام احمد رضا) یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ آپ کا یہ اعلان فقط ظاہری صورت میں تھا اظہار حقیقت کے طور پر نہیں تھا"

مقالہ نگار کو جب فہم و فراست کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا تو "تقابلی مطالعہ" کے چکر میں کیوں پڑ گیا۔ ذرا مقالہ نگار اپنی خود ساختہ اس وضاحت کو دیکھے اور بتائے کہ کیا تعلق ہے اس کا فاضل بریلوی کے بے داغ ترجمے سے ہے؟ ____ فاضل بریلوی نے ترجمے میں "ظاہر صورت بشری" میں رسول کو جو مخاطبین کا مماثل قرار دیا ہے یہی تو عین حقیقت ہے۔ اگر فاضل بریلوی کے ترجمے کو مقالہ نگار نہ سمجھ سکا تھا تو پھر اس پر یہ کب لازم تھا کہ وہ خواہ مخواہ کے لیے فاضل بریلوی پر ایک عظیم بہتان جڑ دے ____

امام احمد رضا نہ تو رسول کریم ﷺ کی بشریت کے منکر ہیں اور نہ قرآن میں ذکر کردہ مماثلت سے ____ بلکہ ____ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بشر بھی ہیں اور مخاطبین کے مماثل بھی مگر وجہ مماثلت وہ نہیں ہے جو شاتمان رسول کی تحریروں سے ظاہر ہے بلکہ وجہ مماثلت صرف وہی ہے جو خود امام احمد رضا کے ترجمے سے ظاہر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ بشر ہیں مگر آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے جوہری اور حقیقی فرق رکھتی ہے۔ بالکل یہی بات امام احمد رضا سے پہلے علامہ امام واسطی ید اللہ فوق ایدیھم کی تفسیر میں فرما چکے ہیں کہ

اخبر اللہ بھذہ الآیۃ ان البشریۃ فی نبیہ عاریۃ واضافیۃ لا حقیقیۃ	اس آیت سے اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ میرے نبی کی بشریت عارضی اور اضافی ہے حقیقی نہیں ہے۔

ذہن نشین رہے کہ بشریت کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی آپ سب سے پہلے بشر ہیں۔ سارے بشر آپ ہی کی اولاد ہیں اس لیے

آپ ابوالبشر کہلائے ــــــ معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ پہلے بشر ہیں پھر نبی اور اللہ کے خلیفہ وغیرہ ایسے ہی ہر ہر نبی اور ہر ہر انسان پہلے بشر ہے پھر دوسری صفات والا ــــــ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی ہیں پھر بشر ہیں جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں کنت نبیاً و ادم بین الروح والجسد یعنی ابھی حضرت آدم کی تخلیق بھی نہ کی گئی لیکن میں نبی تھا ــــــ بلفظ دیگر ــــــ کنت نبیاً و ادم بین الماء والطین ــــــ یا ــــــ کنت نبیاً و ادم لمنجدل فی طینتہ میں نبی تھا درانحالیکہ حضرت آدمؑ آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے ــــــ حضورؐ سے دریافت کیا گیا "متیٰ وجبت لک النبوۃ" حضور آپ کو نبوت کب ملی ارشاد فرمایا ادم بین الروح والجسد ابھی آدم روح و جسد کی منزلیں طے کر رہے تھے یعنی پیدا نہیں کیے گئے تھے ــــــ تو جن کی بشریت مقدم ہے اُن کے جملہ صفات پر بشریت ہی ان کی حقیقت و ماہیت ہے جسے لے لیا جائے تو اُن کے پاس کچھ نہ بچے ــــــ مگر ــــــ جس کی نبوت مقدم ہے بشریت پر۔ بشریت اس کے لیئے ایک عارضی و اضافی چیز ہے جسے اگر اس سے لے لیا جائے جب بھی اس کی نبوت پر آنچ نہ آئے ــــــ امام واسطیؒ نے اپنے ارشاد میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی گوشۂ ذہن میں رکھ لی جائے کہ نبی کریمؐ کے سوا ہر نبی کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت کی طرح اپنے اپنے باقی صفات پر مقدم ہے مگر باایں ہمہ کسی نبی کی بشریت کی حقیقت غیر نبی کی بشریت کی حقیقت کی طرح نہیں بس صرف صورت میں مماثلت ہے ــــــ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیئے نبی کا جامۂ بشری میں یعنی بشر بن کر آنا ضروری ہے مگر ان کی بشریت کا دوسروں کی بشریت کی حقیقت میں مماثل ہونا ضروری نہیں ــــــ یہ بھی خیال رہے کہ مفسرین کرام کا آیت زیر بحث کی تشریح میں ہر ہر نبی و رسول کا غیر نبی سے شرف نبوت و رسالت میں ممتاز قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے نزدیک نبوت و رسالت کے امتیاز کے سوا نبی و غیر نبی میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیئے کہ ارشاد قرآنی تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض خود انبیاء کرام کے مابین بعض پر بعض کی فضیلت کی نشان دہی کر رہا ہے اور ارشاد ربانی ورفع بعضھم درجات رسول کریمؐ کو تمام انبیاء و مرسلین پر درجوں بلند ظاہر فرما کر بے شمار امتیازات کا پتا دے رہا ہے ــــــ لہذا ــــــ نبی کریم اور آیت کے مخاطبین میں صرف شرف وحی کے امتیاز کو مخصوص کر دینا جیسا کہ مقالہ نگار کے بعض پسندیدہ مترجمین نے کیا ہے بالکل باطل ہے اور بے شمار نصوص کی تکذیب بھی۔ الغرض یہ مترجمین قرآن شریف کے الفاظ کی اردو زبان میں موزوں تعبیر سے قاصر رہے اور زبردستی اپنے خاص نظریے کو قرآن کے ترجمے کی شکل میں پیش کر دیا۔ یہ مترجمین اپنی ذہنیت اور قائم کردہ رجحان فکر کے سانچے میں قرآنی الفاظ کو ڈھال کر ان کے معانی بیان کرنے اور اُسے ترجمہ قرآن قرار دینے میں بڑے ہی چابک دست نظر آئے ــــــ کاش مقالہ نگار اپنی آنکھوں سے ان شہتیروں کو دیکھ سکتا ــــــ مقالہ نگار اپنے فن میں استاد نظر آ رہا ہے اس لیئے کہ اس نے تفسیر ابن جریر کی ایک عبارت نقل کر کے لکھ دیا کہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں بھی یہی ہے حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں اس عبارت کا وجود نہیں ــــــ یوں ہی ــــــ اُس میں امام رازی کی تفسیر کبیر کی ایک عبارت نقل کی ہے مگر اُسی منقولہ عبارت کے اوپر متصلاً جو عبارت ہے اُسے کاٹ دیا اور وہ یہ ہے۔ واعلم انہ تعالیٰ لما بین کمال کلام اللہ امر محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بان یسلک طریقۃ التواضع فقال قل انما انا بشر مثلکم الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے کمال کو ظاہر فرما دیا تو نبی کریم کو حکم دیا کہ وہ تواضع کی شاہراہ پر چلیں چنانچہ فرمایا کہ فرما دو میں آدمی ہونے میں تمہاری طرح ہوں الخ ــــــ مقالہ نگار کو اس بد دیانتی کی ضرورت اسی لیئے پیش آئی تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ یہ کلام سید المتواضعین کی زبان سے بطور تواضع ادا کرایا گیا ہے ــــــ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ کلام تواضعاً ارشاد فرمایا گیا ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں بھی یہی ہے کہ رسول کریمؐ کی زبان سے بطور تواضع یہ کلام

ادا کیا گیا ہے۔ تفسیر خازن وتفسیر بغوی میں بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے۔ جلیل القدر مفسرین اس قول پر اعتماد کر کے اس کو نقل فرما رہے ہیں مگر مقالہ نگار کے نزدیک یہ روایت ناقابل پذیرائی ہے۔ شائد اس لیئے کہ اس میں نبی کریم کو اپنا جیسا کہنے کی راہ نہیں ملتی

______ مقالہ نگار نے انکساری وفروتنی کو حقیقت وواقعیت سے متصادم قرار دیا ہے اور تواضع کی یہ تعریف کی ہے کہ خلاف واقعہ اور نفس الامر کے غیر مطابق بات کا اظہار تواضع ہے ______ حالانکہ تواضع کا خلاف واقعہ بات کے اظہار سے کوئی تعلق نہیں اس لیئے کہ تواضع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک فعل سے دوسرے قول سے فعل کے ذریعہ فروتنی وانکساری کا اظہار فعلی تواضع ہے اور اپنی بڑائی نیز اپنے کمالات وخصوصیات کے ذکر کو چھوڑ کر اپنی اُن صفات کو بیان کرنا جو بادی النظر میں کوئی انفرادیت نہ رکھتی ہوں بلکہ اس میں عام لوگوں سے بظاہر مماثلت نظر آتی ہو خواہ یہ صفات اس شخص میں فی الواقع موجود ہوں ______ یا ______ موجود تو نہ ہوں مگر وہ اپنے علم ویقین کی روشنی میں انھیں اپنی ذات میں موجود سمجھتا ہو ______ یہ قولی تواضع ہوئی ______ لہٰذا تواضع کے تعلق سے مقالہ نگار کی ساری گفتگو اس کی غائت جہل کی دلیل ہے ______ یہ بھی خیال رہے کہ جو شخص تواضعاً کوئی کلام نکالتا ہے تو اس کلام کے نکالنے کا حق صرف اسی فرد کو رہتا ہے جس نے تواضعاً اسے ادا کیا ہے اب اگر کوئی دوسرا شخص اُسی لفظ کو اس کے لیئے استعمال کر دے تو اُسے کھلی ہوئی بے ادبی اور بدتمیزی سے تعبیر کیا جائے گا ______ مثلاً ______ مولوی حسین احمد ٹانڈوی زندگی بھر اپنے کو "ننگِ اسلاف" کہتے رہے اب خواہ وہ واقعی "ننگ اسلاف" ہوں یا صرف اپنے علم ویقین سے اپنے کو ایسا سمجھ رہے ہوں دونوں صورتوں میں اگر یہی لفظ کوئی دوسرا ان کے لیئے استعمال کر دے تو امت دیوبندیہ اُسے بے ادبی پر محمول کیئے بغیر نہ رہے گی ______ المختصر ______ مفسرین کرام کا یہ فرمانا کہ حضورؐ نے یہ تواضعاً فرمایا ہے اس لیئے نہیں ہے کہ اس فرمان کی واقعیت میں شک کیا جائے۔ بلکہ اس لیئے ہے کہ رسول کریم کو "صاحب بشرۃ" اور آدمی ہوتے میں مخاطبین کے مماثل جاننے اور ماننے کے باوجود کسی غیر رسول کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آپ کو مخاطبین کی طرح کہے اس لیئے کہ اس کا ایسا کہنا یقیناً بارگاہِ رسالت میں بہت بڑی بے ادبی ہے ______ بیان عقیدہ اور دریافتِ مسائل کے احکام اور ہیں اِن کے سوا عام گفتگو میں نبی کریم کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا ______ دوسرے برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت ہو تو کفر ہے ______ قرآن نے واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا ہے کہ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو

خیال رہے کہ نبی کریم کو بشر ماننا اور ہے اور آپ کو کہنا اور ہے دونوں احکام الگ الگ ہیں ______ اس لیئے کہ بے شمار حقائق ایسے ہیں جو مانے جاتے ہیں مگر کہے نہیں جاتے ______ مثلاً ______ رب تبارک وتعالیٰ مالک السمٰوٰت والارض اور خالق کل شئی ہے ______ ہے کوئی کائنات میں ایسی چیز جس کا وہ خالق ومالک نہ ہو؟ رب تعالیٰ کو ذرہ ذرہ پتہ پتہ قطرہ قطرہ دریا دریا صحرا صحرا گوشہ گوشہ محفل محفل الغرض ہر ہر چیز کا خالق ومالک ماننا ضروری ہے ______ بایں ہمہ ______ اس کی مخلوقات ومملوکات میں بعض چیزیں ایسی ہیں اگر صراحتہً خدا کو ان کا خالق ومالک کہا جائے تو کفر ہو جائے ______ خالق ومالک نہ مانو تو کافر اور ان کو کہہ دو تو کافر گو دونوں کے کفر کی وجہ الگ الگ ہے ______ مثلاً ______ اگر کوئی نادان بک دے کہ "خدا میرے سنڈاس کا مالک ہے" ______ یا ______ "خدا خنزیر کا خالق ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا ______ دیکھا آپ نے نفس الامر میں ان باتوں کی صحت کا کوئی بھی مقام ہو مگر ایک ذلیل مملوک ومخلوق کی طرف نسبت میں جو شناعت وقباحت ہے اس نے اس قول کو کفریہ اور قائل کو کافر بنا دیا ______ معلوم ہوا ماننا اور ہے کہنا اور ہے ______ یوں ہی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان فطرۃً ناپاک سے پیدا ہوا ______ مگر ______ ہو جرأت تو کہہ دیجئے کہ کسی انسان کو "اے قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے" پھر آپ خود ہی دیکھ لیں گے۔

کہ ماننا اور ہے کہنا اور ہے ـــــ اختلاف رسول کریمؐ کو بشر ماننے میں نہیں ہے بلکہ آپ کو بشر کہنے اور آپ کی بشریت کو بالکل اپنی بشریت کی طرح سمجھنے میں ہے ـــــ مقالہ نگار قرآن و حدیث سے نکال کر کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا جس میں رسول کریمؐ نے یا کسی نبی نے اپنے ماننے والوں سے کہا ہو کہ میں تمھاری طرح بشر ہوں ـــــ یا ـــــ کسی ماننے والے نے اپنے نبی سے کہا ہو کہ آپ میری طرح یا میں آپ کی طرح بشر ہوں ـــــ ہاں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ انبیاء نے کفار سے کہا کہ آدمی ہونے میں ہم تمھاری طرح ہیں اور کفار نے انبیاء سے کہا آپ ہماری ہی طرح بشر ہیں ـــــ اس کے برعکس نبی کریمؐ نے جب مومنین کو مخاطب فرمایا تو "ایکم مثلی"، تم میں ہم جیسا کون ہے "لستُ کاحد منکم" ہم تمھاری طرح نہیں فرما کر اپنی بے مثلیت ہی کا اظہار فرمایا اور صحابہ کرام بہت سے موقعوں پر "اینا مثلہ" ہم میں حضورؐ کی طرح کون ہے کہہ کر حضورؐ کی بے مثلی کا خطبہ پڑھتے رہے اور کبھی آیت زیر بحث کو بہانہ بنا کر رسولؐ کو کسی بات میں بھی اپنی طرح ـــــ یا ـــــ اپنے کو رسولؐ کی طرح کہنا گوارا نہ کیا ۔ امت دیابنہ کو صحابہ کرام کے اس طرز عمل سے عبرت حاصل کرنی چاہیے ـــــ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اب خود بعض دیوبندی مولوی بھی حضرات علماء اہلسنت کے موقف کی صحت کو تسلیم کر چکے ہیں چنانچہ مولوی مفتی محمد شفیع صاحب گودھوی اپنی کتاب کلمۃ الایمان کے صفحہ ۲۲ پر رقم طراز ہیں ۔

"انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً سرور انبیاء کو صرف لفظ بشر سے یاد نہ کیا جائے بلکہ خیر البشر یا افضل البشر سے ذکر کرے زیادہ بہتر یہی ہے کہ سنت اللہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو القاب عالیہ سے یاد کرے"

ارشاد قرآنی "انما انا بشر مثلکم" میں مذکور لفظ انما سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے مقالہ نگار نے اسے حصر حقیقی سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے ۔ اس بات کی وضاحت کے لیے یہ تفصیل پیش نظر رہے ۔ حصر کی دو قسمیں ہیں ایک حصر حقیقی اور دوسرا حصر اضافی ان دونوں حصروں کی دو دو صورتیں ہیں ۔ ایک حصر الموصوف علی الصفۃ اور دوسری حصر الصفۃ علی الموصوف ۔ اب اگر ہم ارشاد قرآنی کے حصر کو حصر حقیقی مان کر حصر الموصوف علی الصفۃ کا گوشہ اختیار کریں تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صرف بشر ہیں" حالانکہ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ آپ نبی بھی ہیں رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور خاتم النبیین وغیرہ بھی ـــــ اور اگر حصر حقیقی مانتے ہوئے حصر الصفۃ علی الموصوف کی صورت اختیار کریں تو حاصل ارشاد یہ ہوگا کہ

نہیں ہے کوئی بشر مگر رسول

یہ بھی باطل ہے ۔ الغرض بشریت کو ذات رسول کریمؐ میں بطور حصر حقیقی مقصور و محصور کر دو تو یہ بھی غلط اور اسی حصر حقیقی کی بنیاد پر ذات رسول کریمؐ کو بشریت میں محصور و مقصور کر دو یہ بھی باطل ـــــ لہٰذا متعین ہوگیا کہ یہاں حصر سے حصر اضافی یعنی صرف کسی غیر کی نسبت سے حصر کرنا ۔ مراد ہے اور چونکہ کلمہ حصر کے قریب موصوف ہی ہے صفت نہیں ہے ۔ لہٰذا حصر اضافی کی حصر الموصوف علی الصفۃ والی صورت ہی مراد ہو سکتی ہے ۔ اس صورت میں حاصل ارشاد یہ ہوگا

"بہ نسبت الوہیت وملکیت کے نہیں ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مگر صرف بشر والے مخاطبین کی طرح یعنی جس طرح مخاطبین خدا یا فرشتہ نہیں یوں ہی آنحضرتؐ بھی خدا یا فرشتہ نہیں ہیں"

تفسیر فتح القدیر کی یہ عبارت کہ "حالی مقصور علی البشریۃ لا یتخطاھا الی الملکیۃ" یعنی میرا حال تو صرف بشریت میں منحصر ہے ۔ بشریت کو عبور کر کے ملکیت میں داخل نہیں ـــــ نیز ـــــ تفسیر نیشا پوری کا یہ جملہ کہ حالہ مقصور علی البشریۃ لا یتخطاھا الی الملکیۃ یعنی آپ کا حال بشریت میں منحصر ہے اسے عبور کر کے ملکیت میں داخل نہیں ۔ اس بات پر نص صریح ہے کہ یہاں حصر بالنسبۃ الی الملکیت ہے یعنی حصر اضافی ہے اور اگر آیۃ "یوحی الیّ" کو پیش نظر رکھ کر حصر بالنسبۃ الی الالوھیۃ ہو ـــــ یا ـــــ

الوہیت وملکیت دونوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں

قل انما انا بشر مثلکم کا مطلب روح البیان میں حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی نے یہ فرمایا ہے

قل یا محمد ما انا الا آدمی مثلکم فی الصورۃ وصساویکم فی بعض الصفات البشریۃ	اے محمد ﷺ فرما دیں میں نہیں ہوں مگر تم جیسا آدمی صورت میں (نہ کہ حقیقت وماہیت میں) اور بعض صفات بشریہ (نہ کہ کل صفات بشری) کے ظہور میں تم جیسا ہوں۔

______ یعنی تم جن جن صفات بشریہ کے حامل ہو ان میں سے بعض کا ظہور میری ذات سے بھی ہوتا ہے گو دونوں کی حقیقت و ماہیت میں فرق ہے مگر بظاہر دیکھنے میں دونوں ایک طرح ہیں ______ صاحب تفسیر روح البیان سورہ مریم میں کھٰیٰعص کے تحت صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں صورت بشری، صورت ملکی اور صورت حقی۔ صورت بشری کا ذکر انما انا بشر میں ہے اور صورت ملکی کا ذکر لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میں ہے یعنی بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ اس میں نہ مقرب فرشتے کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی۔ رہ گئی صورت حقی تو اس کا ذکر من رآنی فقد رأی الحق میں ہے یعنی جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا ______ اس وضاحت کی روشنی میں پتا چلا کہ آیت زیر بحث میں رسول کریم ﷺ کی صرف ایک صورت کا ذکر ہے ______ رہ گئی آپ کی مخاطبین سے مماثلت تو وہ تو اسی صورت بشری کے ظاہر میں ہے نہ کہ حقیقت وماہیت میں اس لیئے کہ رسول کریم ﷺ کی بشریت وہ ہے جو ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر   بہر حق سوئے غریباں یک نظر

معراج میں سدرہ کے اوپر جانے سے سید الملائکہ کو اپنے پر جل جانے کا اندیشہ ہوا لیکن رسول کی بشریت مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچ گئی اور اس کی پلک بھی نہ جھپکی ______ غور کرو سدرہ کے اوپر جانے سے سید الملائکہ، حامل وحی الٰہی، معصوم فرشتہ، نوری مخلوق کے پر جل جائیں اور مکہ کی سرزمین پر چلنے والے جامۂ بشری میں ملبوس رسول کے دامن پر داغ نہ لگے کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ میرے رسول کی بشریت کی وہ حقیقت نہیں جو عام انسانوں کی بشریت کی ہے ______ مولانا روم نے اس سلسلے میں خوب فیصلہ فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ "کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر ایک جیسے بشر ہیں ہم اور وہ دونوں کھاتے اور سونے سے وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت فرق ہے۔ زنبور اور شہد کی مکھی ایک پھل چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دو طرح کے ہرن ایک ہی دانہ و پانی کھاتے ہیں ایک سے غلاظت اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے۔ نبی کے کھانے سے نور خدا بنتا ہے" ______ قل انما انا بشر مثلکم کے مفہوم ومعنی کی وضاحت کے سلسلے میں اب تک جو کچھ کہا گیا ہے نیز امام احمد رضا نے جو اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس میں اصحاب تاویل کے مسلک سالم کی رعایت ہے ______ رہ گیا اہل تفویض کا مسلک اسلم تو اگر اس پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے پھر تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ آیت زیر بحث متشابہات میں سے ہے اس لیئے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں خدا یا اس کے بتانے سے رسول ﷺ ہی اسکی مراد کو جانیں۔ جس طرح کہ ید اللہ فوق ایدیھم اور مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح سے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں ______ جب کسی ارشاد کا ظاہر مراد لینے سے شان والے کی شان گھٹ رہی ہو تو اس کا متشابہات سے ہونا متعین ہو جاتا ہے ______ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ جلد اول باب سوم وصل ازالہ شبہات میں واضح طور پر قل انما انا بشر مثلکم کو متشابہات میں شمار کرایا ہے ______ اب مقالہ نگار کا اس آیت کریمہ کے ظاہر سے دلیل پکڑنا اصولاً غلط اور اس کے کمال جہالت

کی دلیل ہے ___ اس آیت کو متشابہات میں شمار کرنے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ بقول جمہور مفسرین و سباق کلام الٰہی متکلم کا خطاب کفار سے ہے۔ پھر تو کوئی ناپاک انسان بھی حضور کو کفار کی طرح کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے ظاہر کا مراد نہ ہونا اور مراد کا ظاہر نہ ہونا ہی صحیح و درست ہے ___ مگر جو زائغین ہیں اور اپنے دل میں کجی رکھتے ہیں وہ کیوں مسلک سالم یا راہ اسلم کو اپنانے لگے انھیں تو وہی کہنا ہے مقالہ نگار جسے ثابت کرنے کے درپے ہے۔ مقالہ نگار کے طرز استدلال کو اگر بہ نظر استحسان دیکھا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آگے بڑھ کر یہ دعویٰ نہ کر دے کہ "اللہ ہماری طرح موجود ہے ___ یا یہ کہ "اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے" اس لیے کہ کلمۂ موجود یوں ہی لفظ سمیع و بصیر ہر جگہ بولا جاتا ہے ___ حالانکہ ___ ہماری موجودیت وسماعت و بصارت اور رب کی موجودیت وغیرہا میں کوئی نسبت ہی نہیں ___ اسی طرح یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ بول پڑے "میری کتاب قرآن کی طرح ہے" کیوں کہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک ہی طرح کے کاغذ پر ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے تیار ہوئیں ایک ہی پریس میں چھپیں، دونوں کے اوراق وصفحات کی تعداد بھی ایک ہی ہے اگر ترازو پر وزن کیا جائے تو وزن بھی ایک ہی ہے۔ طول وعرض و عمق سب میں برابر ہیں۔ دونوں کا کاتب بھی ایک ہی ہے۔ ایک ہی جلد ساز نے اور ایک ہی طرح کی جلد باندھی ہے اور اس وقت ایک ہی طرح کے جزدان میں ایک ہی الماری کے ایک ہی خانہ میں رکھی ہوئی ہیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے؟ ___ حالانکہ ___ یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ ان ظاہری باتوں کو دیکھ کر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگی۔ پھر غور کرو کہ ہم صاحب قرآن کے مثل کس طرح ہو سکتے ہیں ___ اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف ہی میں ہے " ومامن دآبۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" نہیں ہے کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو کہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر تمھاری طرح امتیں ہیں۔ دیکھئے یہاں بھی لفظ "امثالکم" موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اور الو کی طرح ہے؟ ___ کیا مقالہ نگار اس بات کی اجازت دے گا کہ " اھم امثالکم" کے پیش نظر اس کو اور اس کی پوری جماعت دیوبندیہ کو جماعتی اعتبار سے گدھوں اور الوؤں کی طرح کہا جائے؟ اور اگر نہیں اجازت دے گا تو جواب دے کہ کیا اس کی اور اس کی جماعت کی ناموس و عزت اللہ کے محبوب، خلیفۃ اللہ الاعظم کی ناموس و عزت سے بھی بڑھ گئی کہ "بشر مثلکم" کا لفظ دیکھا اور رسولﷺ کو اپنی طرح کہنا شروع کر دیا ___ ارے نادان انسان اور دیگر حیوان میں صرف ایک درجے کا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ناطق ہے اور دوسرے حیوان ناطق نہیں اس کے سوا جوہریت، جسمیت، قوت نمو، احساس، حیوانی ضروریات تمام باتوں میں انسان دوسرے حیوانوں کا شریک ہے مگر صرف ناطق ہونے نے اس میں اور دیگر حیوان میں جوہری اور ذاتی فرق ڈال دیا ___ اور ایسا فرق ___ کہ اس قدر وجوہ مماثلت کے باوجود نہ کوئی حیوان اپنے کو انسان کی طرح کہہ سکتا ہے اور نہ کوئی انسان اپنے کو حیوان کی طرح کہنا گوارا کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانا ہو تو مقالہ نگار اپنے دارالعلوم کے کسی ادنیٰ چپراسی کو بھی گدھے اور الو، کتا اور خنزیر کی طرح کہہ کر دیکھ لے۔ جب ادنیٰ انسان ان تشبیہات کا متحمل نہ ہوگا پھر تو دارالعلوم کے مہتمم صاحب کی شان تو بڑی ہے وہ بھلا کیسے گوارا کریں گے کہ انھیں جانوروں کی طرح کہا جائے ___ جب معاملہ یہ ہے کہ صرف ایک درجہ کے فرق کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے پھر تو نبی کو امتی کی طرح یا عام بشر کی طرح کہنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ نبی و امتی کے مابین بے شمار مراتب کا فرق ہے پھر عام لبشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے ___ المختصر ___ جس طرح لفظ موجود خدا کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے لیے بھی حالانکہ دونوں کی موجودیت کی حقیقت جداگانہ ہے ___ یوں ہی ___ لفظ بشر نبی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے لیے

بھی مگر دونوں کی بشریت کی ماہیت علیحدہ ہے ـــــــ میں تو مقالہ نگار کو اس کی جماعت میں اس وقت سورما سمجھوں جب کہ وہ نفس بشریت کے لحاظ سے اپنے کو ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید ابن مغیرہ اور فرعون و نمرود کی طرح قرار دے۔ اور اُسے ایسا کرنا ہی چاہیے اس لیئے کہ اس کے خیال میں جو وجہ مماثلت رسولؐ کو اپنی طرح کہنے کے لیئے ہے بالکل وہی وجہ مماثلت اس کو فرعون نمرود اور ابوجہل وغیرہ کی طرح بتاتی ہے ـــــــ اب اگر اس کو ابوجہل کی طرح آدمی کہنا اس کی توہین ہے تو حضور سید المرسلین کو اس کی طرح بشر کہنے میں آپ کی توہین کیوں نہیں ؟ امت دیابنہ جس بنیاد پر رسولؐ کو بانگ دہل اپنی طرح بشر کہنے کی عادی ہے اسی بنیاد کے موجود رہنے کے باوجود اس کا اپنے کو ابوجہل کی طرح نہ کہنا بتا رہا ہے کہ ان کا سارا جھگڑا رسول کریمؐ ہی کی عزت و ناموس سے ہے اور تقدیس رسالت کو مسلسل مجروح کرتے کی جدوجہد کرنا ان کا مشن ہے کیا ان نادانوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی خفیف الحرکاتیاں تقدیس رسالت کے دامن کو داغدار نہ کرسکیں گی اس لیئے کہ ناموس رسالت کا محافظ خدائے عزوجل ہے ـــــــ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کردینا خالی از فائدہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے بعض وقت حضرت جبرائیل کو بھی بشری صورت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ حضرت جبرائیلؑ جب حضرت مریمؑ کے پاس آئے تھے تو بشری کی صورت میں تھے قرآن نے ان کے لیئے "بشراً سویاً" کا لفظ بھی استعمال فرمایا ـــــــ یوں ہی ـــــــ حدیث جبرائیل سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کی موجودگی میں بارگاہ رسولؐ میں حضرت جبریلؑ آدمی کی صورت میں آئے حضرت عمر نے لفظ رجل کا انھیں مصداق قرار دیتے ہوئے فرمایا "طلع علینا رجل"، اور جب جب آپ نے بشری صورت اختیار کی تو آپ کی ذات سے بعض بشری آداب و خصائل اور بشری انداز و ادا کا ظہور بھی ہوا اور آپ کو بشر و رجل کے لفظ کا مصداق بھی ٹھہرایا گیا اور بالفرض اگر حضرت جبریل لاکھ برس اُسی صورت بشری میں رہتے تو لاکھ برس تک بشر ہی کہا جاتا ـــــــ اس کے باوجود ان کی بشریت کی حقیقت وہ نہ ہوتی جو ہم انسانوں کی بشریت کی حقیقت ہے۔ شیطان کو بھی اللہ نے جامہ بشری میں آنے کی قوت عطا فرمائی ہے اور وہ بسا اوقات جامہ بشری میں آیا بھی مگر جب جب آیا اس کے لیئے لازم ہوگیا کہ جب تک وہ اس صورت میں رہے بشریت کے بعض تقاضوں کو اپنائے رہے چنانچہ وہ اس پر ہمیشہ مجبور رہا۔ شیطان کو خوب معلوم ہے کہ جب بشر کی ہدایت کے لیئے بشری لباس ہی میں ہادیوں کا آنا ضروری ہوا تو پھر ان کو گمراہ کرنے کے لیئے بھی اسی لباس کو اختیار کرنا زیادہ سود مند ہے ـــــــ اس کے لباس بشری میں آنے کا ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے جب کہ اس نے اپنی پسند کے مطابق شیخ نجدی کا روپ دھارن کیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب مکہ کے دار الندوہ میں سارے بڑے بڑے نجدی جمع ہوکر باہمی مشورے کر رہے تھے۔ چونکہ شیطان نے انسان کی صورت اختیار کرلی تھی اس لیئے اب وہ وہاں اس طرح نہیں جاسکتا تھا جس طرح وہ ہر جگہ پہنچا کرتا ہے بلکہ اب اُسے انسانیت کے تقاضے کو اپناتے ہوئے انسانوں ہی کی طرح جانا ہے۔ دروازہ کھٹکھٹانا ہے اور جب دروازہ کھل جائے جب ہی اندر جانا ہے اور چونکہ اس نے بوڑھے کی صورت اختیار کی تھی تو اُسے لاٹھی بھی ٹیکنا پڑا۔ اور اگر بالفرض وہ اسی لباس کو ہزار برس تک اپنائے رہتا تو اس کو ہزار برس تک شیخ نجدی ہی کہا جاتا اور اسے بعض انسانی تقاضوں اور انسانی آداب و اطوار کو اپنائے رکھنا ضروری ہوتا ـــــــ بایں ہمہ ـــــــ ہزار برس کے بعد بھی اس کی بشریت کی وہ حقیقت نہ ہوتی جو دوسرے انسانوں کی بشریت کی ہے ـــــــ پھر وہ خدا کا حبیب جو خلقت میں اوّل ہے بعثت میں آخر ہے نبوت میں ظاہر ہے۔ اور حقیقت میں باطن ہے۔ جس کا نور اصل کائنات ہے۔ جو نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا اور جو نہ ہوگا تو کچھ نہ ہوگا۔ جس نے خود فرمایا "یا ابابکر لم یعرفنی حقیقۃً غیر ربی"، اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ اگر صرف ترسٹھ

برس تک بشری صورت میں ہمارے سامنے چلے پھرے کھائے پئے بعض بشری آداب واطوار کو اپنائے وغیرہ وغیرہ تو اس کی بشریت کی حقیقت دوسرے ہم جیسے انسانوں کی بشریت کی حقیقت کی طرح کیسے ہوگئی؟

ان تمام مباحث کو بغور دیکھ لینے کے بعد امام احمد رضاؒ کے ترجمے کی اہمیت کا اندازہ لگتا ہے کہ اس قدر طویل بحث و تمحیص کے بعد جو حقیقت سامنے آئی اس کو امام احمد رضاؒ نے اپنے ترجموں کے مختصر سے فقروں میں سمو دیا ہے اور اس احتیاط سے یہ کام انجام دیا کہ نہ کسی اسلامی عقیدے پر آنچ آئی، نہ بارگاہ رسالت کے آداب میں کوئی فرق ہوا، نہ محاورے کی پیشانی پر کوئی شکن پڑی۔ نہ اصحاب تاویل کی روش پر ارشاد ربانی کے مقصود کا دامن ہاتھ سے چھوٹا نہ اصولی اور لغوی حقائق سے روگردانی کی اور نہ ہی اولیاء کاملین اور اسلاف متقدمین کے راستے سے ہٹے۔ بے شک ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ "ترجمے میں عقیدے کی پیشکش" کی سرخی لگا کر کالم نگار نے جو دو دعوے کئے۔ اس میں ایک دعوے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اب آیئے دوسرے دعوے کی طرف توجہ کیجئے دوسرے دعوے کا حاصل یہ ہے

"فاضل بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر عالم الغیب کا اطلاق کیا ہے اور آپ کے لئے جمیع ما کان و مایکون کے علوم کا اثبات کیا ہے۔"

یہ دعویٰ دو شقوں میں بٹ جاتا ہے ایک کا تعلق لفظ عالم الغیب کے اطلاق سے ہے اور دوسرے کا تعلق جمیع ما کان و مایکون کے علوم کے اثبات سے ہے ______ پہلی شق کا جواب تو بہت مختصر ہے اور وہ یہ کہ یہ امام احمد رضاؒ پر بہتان عظیم اور افتراء مبین ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی ذات پر مطلقاً عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق کیا ہے یا اس اطلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ خود فاضل بریلوی اپنی بے نظیر تصنیف الامن والعلی مطبوعہ اقبال الیکٹرک پریس بریلی کے صفحہ ۱۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"وجہ ممانعت علم غیب کی اسناد مطلق بے ذکر تعلیم الٰہی عزوجل ہے۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لمعات میں اس طرف ایما فرمایا۔"

اسی صفحہ پر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"علم غیب بالذات اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے کفار اپنے معبودان باطل وغیرہم کے لئے مانتے تھے لہٰذا مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے امور غیب پر انھیں اطلاع ہے۔"

مذکورہ بالا دونوں تحریروں سے واضح ہوگیا کہ غیر خدا کی طرف علم غیب کی اسناد مطلق نیز ان پر عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق ممنوع و مکروہ ہے۔ ایسی صورت میں امام احمد رضا کی طرف اس اطلاق کرنے کی نسبت کرنا مقالہ نگار کی بد دیانتی کی نشان دہی کر رہا ہے۔

اب آیئے دوسری شق (یعنی اثبات علوم ما کان و مایکون) پر غور فرمایئے اس سلسلے میں مقالہ نگار سے دو غلطیاں ہوئی ہیں پہلی غلطی یہ کہ وہ خدا کے لئے صرف جمیع ما کان و مایکون کا علم مانتا ہے اسی لئے کسی غیر خدا کے لئے جمیع ما کان و مایکون کے علوم کے اثبات میں اسے اس غیر خدا کی خدا سے مساوات و ہمسری نظر آتی ہے ملانکہ جمیع ما کان و مایکون کے علوم علم الٰہی کے سامنے وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو سات سمندر کے سامنے ایک قطرے کو حاصل ہے۔

علم الٰہی کو گھٹا کر ما کان و مایکون کے حدود میں محدود کر دینا اتنی بڑی جسارت ہے دین و ایمان کی سلامتی کے ساتھ جس کا امکان نہیں ______ مقالہ نگار اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ کائنات میں جو ہو چکا وہ بھی محدود اور جو کچھ ہوتا رہے گا وہ بھی محدود اور جو ہو چکا اور جو ہو گا ان سب کا کل بھی محدود ______ تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان میں واحصٰی کل شیء عدداً کے تحت واضح لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ "کل شیء" غیر متناہی نہیں ہے بلکہ متناہی ہے۔ لفظ جمیع بھی کل ہی کے معنی میں ہے۔ لہٰذا خدا کے لئے صرف "کل شیء"

کا علم ماننا اس کے لامحدود اور غیر متناہی علوم کو محدود و متناہی قرار دینا ہے ـــــــ تو پھر اگر کوئی کسی غیر خدا کے لئے حرف کل شئی بلفظ دیگر جمیع ماکان و مایکون کا علم مان لے تو اس سے غیر خدا کی خدا سے ہمسری کہاں لازم آتی ہے؟ ـــــــ دوسری غلطی ـــــــ

یا ـــــــ دانستہ طور پر بد دیانتی مقالہ نگار سے یہ ہوئی ہے کہ اُس نے علوم ماکان و مایکون کو ذات رسالت مآب صلعم کے لیئے اثبات کو خود فاضل بریلوی رحمۃ کا اپنا ذاتی اختراع قرار دیا ہے حالانکہ اس سلسلے میں فاضل بریلوی نے جو کچھ کہا ہے وہ آیات قرآنیہ کی کھلی تصریحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور محققین علماء اسلام کی تحقیقات کے عین مطابق ہے بلکہ انہیں کی توضیح و تشریح ہے ـــــــ مقالہ نگار نے امام احمد رضا کی عظیم المرتبت تصنیف الدولۃ المکیۃ کی ایک عبارت نقل کر دی اور اس کے سارے مباحث سے آنکھیں چرالیں الدولۃ المکیۃ کو اگر وہ سمجھ کے پڑھ لیتا تو علم غیب نبوی، علم ماکان و مایکون، علوم لوح محفوظ، علم قرآنی اور علوم خمسہ کے تعلق سے اس پر ہر گوشہ واضح ہو جاتا ـــــــ امام احمد رضا رحمۃ کی دوسری تصنیف "ابناء المصطفیٰ" سے بھی اُس نے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ بو محض دعوی ہیں ان دعووں کی دلیل میں قرآن و حدیث اور ارشادات علماء سے جو کچھ پیش کیا گیا ہے مقالہ نگار نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے سب سے چشم پوشی کر لی اور اپنا ہی راگ الاپنے لگا جیسے کہ ہے یہ بیان اس کی خواہی کن "مختلف ترجموں کے مابین تقابلی مطالعے کے لیئے صرف تراجم و تفاسیر کے اُن حصوں کو سامنے رکھنا کافی تھا جن کا براہ راست ترجمہ قرآن کی صحت و عدم صحت سے تعلق ہو" ـــــــ مگر مقالہ نگار نے سوچا کہ قرآن کریم کی تفاسیر کی روشنی میں ہم امام احمد رضا کے ترجمے کو غلط نہ ثابت کر سکیں گے تو اس نے بطور تمہید ایک غیر ضروری بحث چھیڑ دی اور اس کو کافی طول دیا مسئلہ علم غیب مصطفیٰ صلعم میں دیوبندی اور وہابی مکتبہ فکر سے علماء اہلسنت والجماعت کی تحریری و تقریری معرکہ آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ دیابنہ ہر ہر معرکے میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے رہے ہیں مگر جن جن سوالات کے جوابات بار بار تحریرًا اور تقریرًا دیئے گئے اور جن جن شبہات کو بار بار دفع کیا انھیں سوالات و شبہات کو بار بار مقالہ نگار کے مکتبہ فکر کے علماء دہراتے رہتے ہیں اور اسی کو اپنے علم و فضل کا نشان تصور کرتے ہیں ـــــــ الدولۃ المکیہ اور ابناء المصطفیٰ کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے ان کتابوں کو ضرور دیکھا ہے پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جن کتابوں میں اس کے تمام سوالات و شبہات کے واضح جوابات موجود ہوں ان کا مطالعہ کر لینے کے بعد بھی اس نے اپنے ذہن و فکر کی اصلاح نہیں کر لی بلکہ انھیں سوالات و شبہات کو اس طرح بیان کرنے لگا گویا اس کو اب تک اس کا جواب ہی نہیں ملا۔ اس کا یہ طرز عمل ہو سکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری میں داد کے قابل ہو مگر ارباب علم اور اصحاب دیانت اس کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھ سکتے ـــــــ جو علم غیب مصطفیٰ کے تعلق سے تمام مالہ وماعلیہ کو جاننا چاہے اس سے میری گزارش ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم مندرجہ ذیل کتابوں کا ضرور مطالعہ کرے ۱۔ الدولۃ المکیہ (عربی) مصنفہ امام احمد رضا ۲۔ ابناء المصطفیٰ مصنفہ امام احمد رضا (اردو) ۳۔ خالص الاعتقاد (اردو) مصنفہ امام احمد رضا ۴۔ الکلمۃ العلیا (اردو) مصنفہ صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ ۵۔ جاء الحق حصہ اوّل (اردو) مصنفہ مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ ـــــــ اُس سلسلے میں علمائے اہلسنت کی اور بھی کتابیں ہیں مگر تحقیق حق کے لیئے اسی قدر کافی ہیں ـــــــ

الکلمۃ العلیا اور جاء الحق کا طرز بیان نہایت آسان ہے۔ عام قارئین بھی اُسے بخوبی سمجھ سکتے ہیں ـــــــ علم غیب کے سلسلے میں مقالہ نگار نے جو تحریری کاوش کی ہے اس پر نقد و نظر کے بجائے میں سوچتا ہوں کہ چند اصولی باتیں عرض کر دوں تاکہ علم غیب کے سلسلے میں اسلامی موقف واضح طور پر سامنے آجائے ـــــــ علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں

۱۔ (۱) اللہ عزوجل عالم بالذات ہے اُس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(ب) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔
(ج) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم، حضرت خلیل، حضرت ملک الموت علیہم السلام اور شیطان بھی خلقت ہیں ـــــ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

۲- (ا) اولیاء کرام کو بھی بواسطہ انبیاء کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔
(ب) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا۔
جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

۳- (ا) حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔
(ب) تمام گذشتہ اور آئندہ واقعات جو کہ لوح محفوظ میں ہیں ان کا بھی بلکہ اُن سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔
(ج) حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔ اس تیسری قسم میں علماء اہلسنت کا اختلاف رہا ہے اس کے منکر کو کافر تو کیا گمراہ بھی نہیں کہہ سکتے ـــــ ہاں ـــــ جو تحقیقاً نہیں بلکہ عناداً انکار کرے وہ یقیناً گمراہ و بے دین ہے ـــــ جس طرح اس تیسری قسم کے منکر کو کافر و گمراہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح اس کے قائلین کو بھی کافر و گمراہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو اُسے چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱- وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں نیز وہ منسوخ نہ ہو۔ اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔
۲- اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا ـــــ یا ـــــ حضور علیہ السلام فرما دیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔
۳- صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں کہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح ـــــ حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ خدا ہی جانے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا ـــــ مجھے کیا معلوم ـــــ یا یہ کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں یہ کام انجام دیتا وغیرہ کافی نہیں اس لئے کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے بھی ہوتے ہیں۔
۴- جس کے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ صفات الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعویٰ نہیں کرتے۔

اس مقام پر چند باتیں اور ذہن نشین کرلی جائیں۔

۱- رب تبارک و تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی، مستقل، ازلی، ابدی ہیں۔ جو خدا کی کسی صفت کو ذاتی نہ مانے وہ کافر ہے لہٰذا اب جس صفت کو خدا کے لئے ثابت کریں گے اس کا ذاتی ہونا ضروری ہے۔ ذاتی کی قید لفظوں میں بیان کی جائے یا نہ کی جائے مگر معنوی طور پر اُسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے ـــــ مثال کے طور پر علم کو لے لیجئے چونکہ خدا کا علم ذاتی ہے اس لئے اب جہاں جہاں خدا کے لئے علم ثابت یا مخصوص کیا جائے گا وہ یہی ذاتی علم ہوگا بس اسی علم ذاتی ہی کی نسبت خدا کی طرف کی جا سکتی ہے۔
۲- غیر خدا سے اگر کسی شے کے علم کی نفی کی جائے اور پھر اُس علم کو خدا کے لئے ثابت و مخصوص کیا جائے۔ تو یہ ذاتی علم ہوگا۔

جو خدا کے لیۓ ثابت ہو سکے یعنی علم ذاتی چنانچہ غیر خدا سے اسی علم ذاتی کی نفی ہوگی اور خدا کے لیۓ اسی کا ثبوت ہوگا ــــ ایسا نہیں کہ غیر خدا سے علم عطائی کی نفی کی جائے اور اسی علم عطائی کو خدا کے لیۓ ثابت کر دیا جائے اس لیۓ کہ علم ہو یا خدا کی کسی صفت کو بھی عطائی قرار دینا کفر ہے ــــ جس طرح کہ غیر خدا کی کسی صفت کو ذاتی سمجھنا کفر ہے ۔

۳- غیر خدا سے علم ذاتی کی نفی سے ــــ یا ــــ خدا کے لیۓ علم ذاتی کے اثبات و تخصیص سے غیر خدا کے علم عطائی کی نفی نہیں ہوتی ۔

۴- کسی چیز کا نفس علم برا نہیں ــــ ہاں ــــ بری باتوں کو کرنا ــــ یا ــــ ان کو کرنے کے لیۓ سیکھنا برا ہے ــــ ہاں ۔ بعض علوم بعض دوسرے علوم سے افضل ہیں مگر فی نفسہ کوئی علم برا نہیں ــــ اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا اور اس علم سے کوئی عیب دار ہو جاتا پھر تو خدا کو بھی ان باتوں کا علم نہ ہوتا اس لیۓ کہ خدا کی تقدیس و تنزیہ تو وحدہٗ لاشریک ہے ۔

۵- رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور بو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے معلوم کی جاتی ہے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے تو رنگ زبان و کان کے لیۓ غیب ہے اور بو آنکھ کے لیۓ غیب تو اگر کوئی اللہ کا بندہ بو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے ۔ جیسے کہ قیامت میں مختلف شکلوں میں اعمال نظر آئیں گے اگر کوئی اُن شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی غیب ہے ــــ اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے کی وجہ سے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب ہے ــــ اسی طرح اگر کوئی برِ صغیر کے کسی شہر میں رہ کر مکہ معظمہ یا دور دراز ملکوں کو مثل کف دست دیکھے یہ سب علم غیب میں داخل ہیں ۔

۶- علم غیب کی ذکر کردہ تین صورتوں میں چونکہ ہر صورت کے احکام الگ الگ ہیں لہذا ہر ہر صورت کے ثابت کرنے والے دلائل کا معیار بھی الگ الگ رہے گا ۔ مثلاً ــــ وہ عقیدہ جو پہلی صورت کے ضمن میں آتا ہے اس کو ثابت کرنے کے لیۓ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص کی ضرورت ہے ــــ اس کے برعکس وہ عقائد جو دوسری صورت کے ضمن میں ہیں ۔ ان کو ثابت کرنے کے لیۓ اتنے قوی دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ دلائل ظنیہ اور احادیث صحیحہ سے وہ ثابت ہو جائیں گے ۔ رہ گئے تیسری صورت کے ضمن میں ذکر کردہ عقائد ان کا تعلق سراسر فضائل سے ہے جن کو ثابت کرنے کے لیۓ ضعیف حدیثیں بھی کافی ہیں ۔ مثلاً رسول کریم کے علم قیامت، علم حقیقت روح اور قرآنی متشابہات نیز لوح محفوظ کے تمام مندرجات کے علوم کا تعلق آپ کے فضائل سے ہے لہذا ان کے ثبوت کے لیۓ ایسے دلائل کا مطالبہ جو پہلی صورت یا دوسری صورت کے ضمن میں آنے والے عقائد کے لیۓ ضروری ہیں غایت جہل کی دلیل ہوگی ــــ اور چونکہ اس تیسری قسم کے بعض عقائد میں خود علمائے حق کے مابین اپنی اپنی تحقیقات کی روشنی میں اختلاف ہو سکتا ہے لہذا اس پر بحث کرتے وقت صرف منکرین کے اقوال کو چھانٹ چھانٹ کر پیش کر دینا اور قائلین کے ارشادات سے چشم پوشی کر لینا دیانت تحقیق کے خلاف ہے ــــ مقالہ نگار نے جس کا بڑا ہی نشان دار مظاہرہ کیا ہے ــــ مذکورہ بالا تمام اصولی باتوں کو سامنے رکھ کر جو کتب تفاسیر و احادیث نیز ارشادات علماء کی چھان بین کرے گا وہ ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ شاہراہ اعتدال ہی پر رہے گا اور مقالہ نگار جیسے شاطروں کی شاطرانہ اداؤں کا شکار نہ ہوگا ۔

مقالہ نگار نے رسول کریم کے لیۓ بے مثال بشریت اور علم ماکان ومایکون ماننے کو آپ کی قدر و منزلت سے بڑھا دینا سمجھ لیا ہے اور اس عقیدے کی تعبیر رسول کریم کو حد اعتدال سے بڑھا دینے سے کی ہے ــــ اور اس سلسلے میں چند ارشادات رسول بھی پیش کئے ہیں ــــ جن کا حاصل یہ ہے کہ " میری تعریف میں اتنا مبالغہ نہ کرو جتنا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

کی تعریف میں کیا یعنی مجھے میرے حقیقی مرتبے سے اونچا مت اٹھاؤ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی و رسول بنانے سے پہلے عبد بنایا ہے" ——— اگر مقالہ نگار غور کرتا تو ارشاد مذکور کا مطلب بہت واضح طور پر سمجھ لیتا کہ سرکار رسالت ﷺ امت کو اس مبالغہ آرائی سے منع فرما رہے ہیں جو عبد کو معبود کا شریک بنا دے بلفظ دیگر عبداللہ کو اللہ یا ابن اللہ بنا دے یہی وہ مبالغہ آرائی اور حد اعتدال سے تجاوز تھا جو عیسائیوں نے کیا اور اسی سے سرکار عربی ﷺ اپنے ماننے والوں کو روک رہے ہیں ——— رسول کریم ﷺ کا اپنی عبدیت پر اصرار ابنیت ہی کی نفی کے لیئے ہے کہ جو عبداللہ ہو گا وہ ابن اللہ نہیں ہو سکتا اور چونکہ صرف لفظ عبداللہ کے ذکر سے بظاہر دوسرے عام بندوں سے اشتراک و مساوات کا واہمہ ہو سکتا تھا اس لیئے عبداللہ کے ساتھ رسول اللہ کی بھی قید لگا دی تاکہ جہاں آپ کو عبداللہ کہنے والا آپ کو ابن اللہ نہ کہہ سکے وہیں رسول اللہ کہنے والا اپنا جیسا بھی نہ سمجھ سکے ——— کاش کہ مقالہ نگار میرے رسول ﷺ کی شان عبدیت کو سمجھ سکتا اس سلسلے میں مولوی بدر عالم میرٹھی ترجمان السنۃ جلد سوم ص ۲۳۵ میں امام العارفین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

"مقام عبدیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے ایک مرتبہ مجھ پر سوئی کے ناکہ کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل گیا ہوتا"

اللہ اکبر کیا شان عبدیت ہے۔ بھلا کیا نسبت ہے اس رفیع المنزلت عبدیت کاملہ سے ہم جیسوں کی عبدیت کو ——— مقالہ نگار نے اس سلسلے میں جو حدیثیں نقل کی ہیں اس پر غور نہیں کیا وہ حدیثیں خود سرکار عربی ﷺ کی شان عبدیت کے امتیاز کو نمایاں کر رہی ہیں۔ چنانچہ انھیں منقولہ روایات میں سے ایک روایت میں ہے۔

فان اللہ قد اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا ہے

حدیث نے واضح کر دیا کہ عبدیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نبوت پر مقدم تھی اور بشریت کی بحث میں یہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ آپ کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم تھی اس لیئے اس کا وجود ابوالبشر کے وجود سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا متی وجبت لک النبوۃ حضور کے لیئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی آپ نے فرمایا وادم بین الروح والجسد جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔ اس حدیث کو حاکم بیہقی، ابونعیم اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ الفاظ روایت ترمذی کے ہیں جنھوں نے افادۂ تحسین کے ساتھ اسے روایت کیا ہے ——— نیز اسی حدیث کو امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے تاریخ میں، ابن سعد و حاکم اور بیہقی و ابونعیم نے حضرت میسرہ سے اور طبرانی و بزاز و ابونعیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابونعیم نے حضرت فاروق اعظم سے نیز ابن سعد نے حضرت ابن ابی الجدعاء و حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اور حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باسانید متباینہ و الفاظ متقاربہ روایت کیا ہے۔ امام عسقلانی نے کتاب الاصابۃ میں حدیث میسرہ کی نسبت فرمایا ہے "سندہ قوی" اس کی سند قوی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ میں محل استناد میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ کنت نبیاً و آدم لمنجدل فی طینتہ میں اسی وقت نبی تھا جبکہ آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے اسی حدیث کی نقل سے پہلے متصلاً حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ اول است در نبوت یعنی حضور ﷺ نبوت میں اول ہیں۔ خود مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس ص ۷ پر مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے اور اسے مقام استشہاد اور محل استناد میں رکھا ہے کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین میں نبی تھا درانحالیکہ آدم آب و گل میں تھے ——— ان نصوص نے یہ بھی واضح کر دیا کہ رسول کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو نبوت سب کے آخر میں دی گئی اس لیئے کہ نبوت میں تو آپ اول

ہیں۔ ہاں آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا اور اب آپ کے عہد میں نیز آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ——— الحاصل ——— نبی کریم ﷺ کی عبدیت آپ کی نبوت پر مقدم ہے اور آپ کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم ہے ——— نیز آپ کی بشریت آپ کی بعثت و رسالت پر مقدم ہے لہٰذا ——— پہلے آپ عبد ہوئے پھر نبی پھر بشر پھر رسول ——— بعض اولیاء کاملین نے غیر مبہم لفظوں میں رسول عربی کی عبدیت کو آپ کی رسالت پر افضل قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر روح البیان اور الحقیقۃ المحمدیہ مصنفہ شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی) ———

یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ اگر ساری کائنات کے غیر نبی افراد مل جائیں۔ پھر بھی وہ اپنی ذات وصفات اور جملہ کمالات کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے مقام رسالت تک نہیں پہنچ سکتے۔ یعنی کسی غیر نبی کی ذات یا اس کی کوئی صفت کمال رسالت کی طرح نہیں ہو سکتی ——— پھر کسی غیر نبی کی عبدیت اس نبی کی اس عبدیت کی طرح کیسے ہو سکتی ہے جو عبدیت خود اس کی رسالت پر افضل ہے ——— تو اب ہمارا اپنے کو عبد کہنا اور رسول کریم ﷺ کو عبد کہنا ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم اپنے کو بھی موجود کہتے ہیں اور خدا کو بھی موجود کہتے ہیں جس طرح ہمارا موجودیت کو خدا کی موجودیت سے کوئی نسبت نہیں ——— اس مختصر سی وضاحت نے ظاہر کر دیا کہ رسول کریم ﷺ رفعت و عظمت کے جس مقام پر جلوہ افروز ہیں اس مقام سے آپ کو اوپر اٹھاتے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کو الٰہیت والوہیت والا قرار دے دیا جائے اس لیئے کہ الٰہیت والوہیت سے نیچے رکھ کر آپ کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا میں جو کچھ کہا جائے گا اس میں ذرہ برابر نہ تو مبالغہ ہوگا اور نہ حد اعتدال سے تجاوز بلکہ وہ تو یا تو بالکل آپ کی شان کریم کے عین مطابق ہوگا یا کچھ کم ہی ہوگا بڑھنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ——— اس بحث کو یہیں پر ختم کر کے آیئے اور دیکھئے کہ مقالہ نگار ایک عجیب و غریب دعویٰ کر رہا ہے اس دعویٰ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ قرآن و حدیث کے ارشادات سے ہٹ کر خود اس کی عقل بے مایہ کا فیصلہ ہے۔

چنانچہ پہلے وہ یہ سرخی قائم کرتا ہے

"آنحضور کو کس طرح کے علوم دئے گئے"

اس سرخی کے تحت وہ رقم طراز ہے

"آپ کو صرف وہ علوم دئے گئے جن سے آپ کی رفعت شان، بلندی جاہ، اور پیغمبرانہ عظمت متعلق تھی"

پھر فوراً ہی رفعت نشان اور بلندی جاہ کو نظر انداز کر کے اس نے آپ کے لیئے صرف اتنے ہی علوم کو تسلیم کیا جو آپ کے منصب نبوت اور مقصد بعثت و رسالت سے مناسبت رکھتے ہیں اگر ان کے سوا دوسرے علوم رسول ﷺ کو دئے جاتے تو آپ تبلیغ و احکام اور دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہتے اس طرح آپ کی بعثت کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا ——— اب مقالہ نگار سے سوال کیجئے کہ "علوم متعلقہ نبوت" کے سوا خدائے تعالیٰ نے دیگر علوم اپنے محبوب کو نہیں عطا فرمائے اس کو نصوص شرعیہ سے منصوص کرو ——— نیز ——— اگر خدا نے نہیں دیا تو اس نہ دینے کی حکمت بھی خدا ہی جانے اب تم نے جو حکمت بتائی ہے وہی خدائی حکمت ہے اس کو بھی مدلل و مبرہن کرو ——— یہ دونوں باتیں مقالہ نگار ہی کیا اس کی پوری جمعیت کے بس سے باہر ہے لہٰذا اس کے لیئے زیادہ آسان یہی ہے کہ وہ اپنے مفتری ہونے کا اقرار کرلے ——— اس لیئے کہ جس چیز کو وہ عقل و فہم کا تقاضہ کہہ رہا ہے وہ اس کی جہالت و لاعلمی کی پیداوار ہے ——— کیا مقالہ نگار یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہر نبی کو صرف انہی صفات سے نوازا جاتا ہے جن کا تعلق مقصد نبوت سے ہوتا ہے؟ انبیاء و مرسلین کے درمیان بعض پر بعض کی فضیلت اور ہر ہر نبی مرسل کی اپنی اپنی خصوصیات اور اپنے اپنے امتیازات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہیں جو مقالہ نگار کی عقل کے تقاضے کی تکذیب کرتے ہیں۔ انبیاء کو وہی چیز نہیں دی گئی ہے۔ جس کا تعلق مقصد بعثت سے تھا بلکہ انھیں بے شمار ایسے کمالات سے بھی نوازا گیا جن کا تعلق ان کی شان بندگی اور خدا کی بندہ نوازی

خود نبی کریمؐ کو بیشمار ــــــ نوازشات کا نتیجہ ہیں ــــ اور خدائے عزوجل کی بے پایاں نوازشات کا نتیجہ ہیں۔ سے ہے اور جو ان کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور خدائے عزوجل کی بے پایاں نوازشات کا نتیجہ ہیں۔ ایسی نوازشات کا مرکز بنایا گیا جن کا تعلق و رابطہ آپ کی رفعت شان و بلندی جاہ اور خدا کی بے پایاں نوازشات کے ساتھ رہا۔

ــــــ علوم ماکان و مایکون حاصل ہونے کی صورت میں تبلیغ احکام اور دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہنا اور مقصد بعثت پورا نہ کرسکنا نیز وفور علم کو نبی کریمؐ کے لیئے الجھن کا باعث قرار دینا اور وہ بھی دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں رہ کر؟ مجھے کہنے دیجئے۔ "زدیوبند...... ایں چہ بوالعجبی ست"

مقالہ نگار بتائے کہ کیا تعلق تھا علم سیدنا آدمؑ کو ان کے مقصد بعثت سے اور کیا رابطہ تھا ملکوت السمٰوات والارض کے مشاہدہ کو حضرت خلیلؑ کے مقصد رسالت سے؟ ــــ نیز ــــ یہ بھی بتائے کہ اتنے وسیع العلم ہونے کے بعد یہ حضرات دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی میں کہاں قاصر رہے؟ اور اپنے مقصد بعثت کے حصول میں کہاں نامراد رہے؟

ــــــ مقالہ نگار یہ بھی نہ سوچ سکا کہ سرکار عربیؐ صرف نبی و رسول ہی نہ تھے بلکہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین اور شاہد کائنات وغیرہ بھی تھے اور ظاہر ہے کہ جو بلاتخصیص ساری کائنات کے لیئے اور ہر ہر ساعت کے لیئے رحمت ہو کائنات کے ذرہ ذرہ سے اُسے باخبر رہنا ہی چاہیئے تاکہ اس کی رحمت و نوازش سے کوئی کسی وقت محروم نہ رہے۔ ــــ المختصر ــــ سرکار رسالت کو رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین اور شاہد کائنات بنانے والے نے آپکو صرف وہی علوم نہیں عطا فرمائے جن کا تعلق آپ کے مقصد بعثت و رسالت سے ہے بلکہ ایسے علوم بھی دیئے جن کا تعلق آپ کی شان رحمت، مرتبہ شفاعت اور رتبہ شہادت وغیرہ سے ہے ــــ اس مقام پر پہنچ کر مقالہ نگار کی ایک خیانت اور ملاحظہ کیجیئے وہ ایک تفسیر کی کتاب سے ایک مفصل حوالہ نقل کرتا ہے۔ اُسی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول بھی موجود ہے۔

وقال ابن مسعود اُوتِیَ نَبِیُّکُمْ صلی اللہ علیہ وسلم کل شیئ الامفاتیح الغیب	حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مفاتیح غیب کے علاوہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔

مقالہ نگار نے مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمھارے نبی صلعم کو نبوت کے شایان شان ہر چیز کا علم مفاتیح غیب کے علاوہ دیا گیا۔"

ذرا کوئی مقالہ نگار سے پوچھے کہ یہ "نبوت کے شایان شان" کس لفظ کا ترجمہ ہے حضرت ابن مسعودؓ کے کلام میں معنوی تحریف کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کل قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں اپنے کرتوتوں کا جواب دینا ہے۔

مقالہ نگار نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیئے جانے کا عقیدہ امام احمد رضا کا اپنا ذاتی اختراع ہے۔ مقالہ نگار کی تحریر کے اس طلسم کو توڑنے کے لیئے ضروری ہے کہ میں بعض اکابرین ملت اور اولیاء امت کے نام پیش کردوں جو رسول کریمؐ کے لیئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے بخوبی وضاحت ہوجائے گی کہ امام احمد رضا اس عقیدہ کو اپنانے میں متبع ہیں نہ کہ مبتدع۔ اور یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ جمیع علوم لوحِ محفوظ رسول کریمؐ کے لیئے ماننا نہ کفر و شرک ہے نہ ضلالت و گمراہی اس لیئے کہ اگر بالفرض یہ کفر و شرک یا ضلالت و گمراہی ہوتا تو اس کو صحیح ماننے والے کافر و مشرک اور ضال و گمراہ ہوتے اور انہیں لوگ اولیائے ملت اور بزرگان امت کے نام سے یاد کرتے۔ انتخاب میں کوشش کرونگا کہ ایسے حضرات کے اسماء سامنے آئیں جن کو کافر و مشرک یا ضال و گمراہ کہتے ہوئے مقالہ نگار کو بھی ہزار بار سوچنا پڑے۔

۱۔ قصیدہ بردہ شریف میں سلطان العارفین علامہ بوصیری فرماتے ہیں

اس مختصر سے انتخاب نے ظاہر کر دیا کہ نبی کریم کی نور بڑی نشان ہے آپ کے سچے غلاموں یعنی آپ کی امت کے بعض اولیاء کی نگاہیں لوح محفوظ سے لگی ہوتی ہیں ـــــــ اب مقالہ نگار جواب دے کہ وہ آیات واحادیث جس میں وہ غیر خدا کے لئے علم غیب کی مطلقاً نفی سمجھ رہا ہے نیز اس کی روشنی میں غیر خدا کے لئے جمیع مندرجاتِ لوح محفوظ کے علوم تسلیم کرنے کو باطل قرار دے رہا ہے کیا ان اکابرین ملت کے سامنے نہ تھیں؟ کیا یہ حضرات اس کے مطالب و مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہے؟ کیا انھوں نے مندرجاتِ لوح محفوظ کا علم نبی کریم بلکہ بعض اولیاء امت کے لئے ثابت کر کے ان کو خدا کے برابر کر دیا؟ جلدی فیصلہ کرو مذکورہ بالا عقائد کی وجہ سے یہ حضرات کافر و مشرک ہوئے یا ضال و گمراہ؟ ـــــــ مقالہ نگار اب امام احمد رضا کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے کم از کم ان افراد کے بارے میں اپنی رائے ضرور ظاہر کرے ـــــــ مقالہ نگار نے چلتے چلتے ایک بڑی ہی عامیانہ بات کہہ دی ہے وہ یہ کہ روافض اپنے امام کو عالم ماکان و مایکون مانتے ہیں تو نبی کریم کو عالم ماکان و مایکون ماننا روافض کے اسی خیال کی بازگشت ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ

مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ

مقالہ نگار کا اگر یہی طرزِ فکر رہا تو ہو سکتا ہے کہ وہ نبی کریم کی عصمت کا منکر ہو جائے اور قائلین عصمت سے بحث کرے کہ روافض اپنے ائمہ کو معصوم مانتے ہیں تو تم جو نبی کو معصوم قرار دیتے ہو یہ انہی کے باطل خیال کی بازگشت ہے ـــــــ آگے چل کر مقالہ نگار نے "اظہار عقیدہ کی دوسری مثال" کی سرخی لگا کر ایک مختصر سی تمہیدی گفتگو کی ہے اور امام احمد رضا نے سورہ رحمٰن کی ابتدائی آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس پر اعتراض کیا۔ اولاً مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے ترجمے کو تفاسیر وارشادات علماء حق کی روشنی میں دیکھا جائے۔

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان۔ اس کا ترجمہ امام احمد رضا نے یہ کیا ہے۔

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان و مایکون کا بیان انھیں سکھایا"

مقالہ نگار نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ مطابق اصل نہیں اس لئے کہ اس نے اپنی نقل میں اصل ترجمہ کے "کا بیان" کا لفظ اڑا دیا ہے ـــــــ اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق دو باتیں منقول ہیں۔

۱۔ جب آیت اسجدوا للرحمٰن نازل ہوئی تو کفار مکہ نے کہا رحمٰن کیا ہے ہم نہیں جانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ رحمٰن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمایا۔

۲۔ اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن اپنے حبیب کو سکھایا۔ (خازن)

تفسیر معالم و حسینی میں ہے۔

خلق الانسان ای محمدا علیه السلام علّمه البیان یعنی بیان ما کان و ما یکون۔	اللہ نے انسان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور ان کو ماکان و مایکون کا بیان سکھایا۔

نیز تفسیر معالم التنزیل ہی میں ہے وقیل الانسان ههنا محمد علیه السلام دبیانه علمه ما لم تکن تعلم ـــــــ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں

فانّ من جودك الدنيا وضرتها   ومن علومك علم اللوح والقلم

دنیا وآخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصّہ ہے۔

۲۔ علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فان قيل اذا كان علم اللوح والقلم بعض علومه عليه السلام فما البعض الآخر اجيب بان البعض الآخر هو ما اخبره الله تعالىٰ من احوال الآخرة لان القلم انما كتب فى اللوح ما هو كائن الى يوم القيمه۔

اگر کہا جائے کہ جب لوح وقلم کا علم حضور علیہ السلام کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے ہیں جواب دیا جائے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے۔ جس کی اللہ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری حل العقدہ شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وكون علومهما من علومه عليه السلام ان علومه تتنوع الى الكليات والجزئيات وحقائق ومعارف وعوارف تتعلق بالذات والصفات وعلمهما يكون نهرا من بحور علمه وحرفا من سطور علمه

لوح وقلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات، حقائق اور معرفت اور اُن معرفتوں کی طرف جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے لہٰذا لوح وقلم کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور کے علم کی سطروں کا ایک حرف ہے۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں

اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش از بعضے اولیاء بتواتر منقول است

لوحِ محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بطریق تواتر منقول ہے

۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قال رضي الله تعالىٰ عنه يا ابطال يا اطفال هلموا وخذوا عن هذا البحر الذى لا ساحل له وعزة ربى ان السعداء والاشقياء يعرضون على وان بؤبؤة عينى فى اللوح المحفوظ وانا غائص فى بحار علم الله

اے بہادرو! اے فرزندو! آؤ اور اس دریا سے کچھ لو جس کا کنارہ ہی نہیں ہے۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ بے شک نیک بخت اور بدبخت لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں رہتا ہے اور میں اللہ کے علموں کے سمندر میں غوطہ لگا رہا ہوں۔

۶۔ بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی حاشیہ رسالہ میر زاہد کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

علّمه ما احتوى عليه العلم الاعلى وما استطاع على احاطتها اللوح الادنى لم يلد الدهر مثله من الازل ولم يولد الى الابد فليس له من فى السموات والارض كفوًا

یعنی حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو ازل سے آپ کے مثل پیدا ہوا اور نہ ابد تک ہو گا پس آسمانوں اور زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔

جو آپ نہ جانتے تھے۔ نیز تفسیر حسینی میں ہے ــــــــ یا وجود محمد را بیاموز ابتد و بے راآنچہ بود ہست و باشد ــــــــ یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کو اور ان کو سکھایا جو ہو چکا ہے یا ہے یا ہو گا۔

تفسیر خازن میں ہے۔

قیل اراد با الانسان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم علمہ البیان یعنی بیان ماکان ومایکون، لانہ علیہ السلام نبیّ عن خبر الاولین والآخرین وعن یوم الدین

ایک قول کے مطابق انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو ماکان و مایکون کا بیان سکھا دیا گیا کیوں کہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

روح البیان میں ہے۔

(علّم) محمداً صلی اللہ علیہ وسلم (القرآن) بواسطۃ جبریل علیہ السلام وبواسطۃ محمد علیہ السلام غیرہ من الامۃ۔ وعلم نبینا علیہ السلام القرآن واسرار الالوھیۃ کماقال وعلمك مالم تکن تعلم۔

رحمٰن نے حضور علیہ السلام کو بواسطہ حضرت جبریل اور امت محمدیہ کو بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سکھایا۔ اور ہمارے نبی علیہ السلام کو قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو کہ آپ نہ جانتے تھے۔

تفسیر مدارک میں ہے

(الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان) ای الجنس اوادم اومحمد علیھما السلام۔

(رحمٰن نے قرآن سکھایا انسان کو پیدا کیا) انسان سے مراد جنس انسان ہے یا حضرت آدم ہیں یا حضور علیہ السلام ہیں۔

تفسیر صاوی میں ہے۔

وقیل ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانہ الانسان الکامل والمراد بالبیان علم ماکان ومایکون وماھو کائن

ایک قول ہے کہ انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اس لیئے کہ آپ انسان کامل ہیں اور بیان سے مراد جو ہو چکا جو ہو گا اور جو ہے ان سب کا علم ہے۔

تفسیر جمل میں ہے۔

قیل اراد الانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم علمہ البیان یعنی بیان ماکان ومایکون لانہ صلی اللہ علیہ وسلم ینبئ عن خبر الاولین والآخرین وعن یوم الدین

ایک قول کے مطابق انسان سے حضور علیہ السلام مراد ہیں آپ کو بیان سکھایا یعنی ماکان و مایکون کا علم دیا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین اور یوم قیامت سے باخبر کر دیا گیا ہے۔

تفسیر جمل ہی میں ہے۔

(علم القرآن) فقیل تقدیرہ علم جبریل القرآن وقیل علم محمداً وقیل علم الانسان وھذا

(قرآن سکھایا)۔ کہا گیا کہ حضرت جبریل کو سکھایا۔ ایک قول کے مطابق حضور علیہ السلام کو سکھایا اور ایک قول کے

اولى لعمومه ولان قوله خلق الانسان دال عليه

مطابق انسان کو سکھایا ۔ اپنے عموم کے لحاظ سے یہ زیادہ بہتر ہے اور یہ اس لیئے بھی اولیٰ ہے خلق الانسان سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔

تفسیر قرطبی میں ہے ۔

(علم القرآن) ای علمه نبیه صلی الله علیه وسلم حتی اداه الی جمیع الناس (خلق الانسان) وعن ابن عباس ایضا وابن کیسان الانسان ههنا یراد به محمد صلی الله علیه وسلم والبیان الحلال والحرام والهدی من الضلال و قیل ما کان وما یکون لانه بین عن الاولین والاخرین ویوم الدین

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا یہاں تک کہ آپ نے تمام انسانوں تک پہنچا دیا ۔ (انسان کو پیدا کیا) ۔ ابن کیسان نیز حضرت ابن عباس کا بھی ایک قول یہ ہے کہ آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد حلال وحرام ہدایت وضلالت کا بیان ہے اور ایک قول کے مطابق بیان سے مراد ما کان وما یکون کا بیان ہے اس لیئے کہ حضور علیہ السلام کو اولین وآخرین اور یوم قیامت سے باخبر فرما دیا گیا ہے ۔

تفسیر روح المعانی میں ہے ۔

قال ابن کیسان الانسان محمد صلی الله تعالی علیه وسلم ۔ ولعل ابن کیسان یقدر مفعول علم الانسان مرادا به النبی صلی الله علیه وسلم ایضا

ابن کیسان نے کہا کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ ابن کیسان کے نزدیک الانسان عَلَّمَ کا مفعول مقدر ہو اور اس سے بھی وہ نبی کریم ہی کی ذات کریم مراد لیتے ہوں ۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے

(علم القرآن) وقیل هو جبرائیل ای علم جبرائیل القرآن حتی نزل به علی محمد وقیل علم محمدا او الانسان القرآن کما یلیق بفهمهم علی حسب استعدادهم ۔ وقد نقل عن ابن عباس ان الانسان آدم علمه الاسماء کلها او محمد صلی الله علیه وسلم والبیان القرآن فیه بیان ما کان وما سیکون الی یوم القیامة ۔

(قرآن سکھایا) ۔ ایک قول کے مطابق معنی یہ ہوا کہ حضرت جبریل کو قرآن سکھایا یہاں تک وہ اسے لے کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضور کو قرآن سکھایا یا یہ کہ انسانوں کو ان کے فہم واستعداد کے مطابق قرآن سکھایا ۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ انسان کے مراد حضرت آدم ہیں جن کو تمام اسماء سکھائے گئے حضرت ابن عباس رض ہی سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اس سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور بیان سے مراد قرآن ہے جس میں جو ہوا اور جو قیامت تک ہوگا سب کا بیان ہے :

تفسیر کبیر میں ہے

ما المراد من الانسان نقول هو الجنس وقیل المراد

انسان سے کیا مراد ؟ میں کہتا ہوں جنس انسان اور ایک

محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقیل المراد آدم۔ — قول کے مطابق حضور علیہ السلام مراد ہیں اور ایک قول کے مطابق حضرت آدم۔

تفاسیر کے مذکورہ بالا حوالوں نے اتنا تو ثابت ہی کر دیا کہ علم القرآن کا مفعول مقدر حضور علیہ السلام کو ٹھہرانا اور خلق الانسان میں انسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا نیز البیان سے ما کان وما یکون کا بیان مراد لینا فاضل بریلوی کا اپنا ذہنی اختراع نہیں۔ ان تفسیری اقوال کا وجود تو اُسی وقت ہو چکا تھا جب کہ امام احمد رضا پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ______ لہٰذا ______ آیت زیر بحث کے ترجمے کی روشنی میں امام احمد رضا کو کسی نئے عقیدے کی پیش کش کرنے والا قرار دینا مقالہ نگار جیسے فن کاروں ہی سے ممکن ہے ______ کتب تفاسیر کا تفصیلی جائزہ لینے کی صورت میں آیت زیر بحث سے متعلق تین سوال سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علم القرآن قرآن سکھایا۔ کس کو سکھایا؟

۲۔ خلق الانسان انسان کو پیدا کیا۔ انسان سے مراد کیا ہے؟

۳۔ علمہ البیان اسے بیان سکھایا۔ بیان سے مراد کیا ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں چار قول ملتے ہیں

اوّل جبرائیل علیہ السلام دوم حضور علیہ السلام سوم امت محمدیہ چہارم جنس انسان تفسیر جمل میں جنس انسان مراد لینے کو اولیٰ کہا ہے ______ تفسیر قرطبی اور تفسیر روح البیان نے علّم القرآن کا معنی یہ کیا ہے کہ رحمٰن نے نبی کریمؐ کو قرآن سکھایا۔ صاحب روح المعانی نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے علامہ ابن کیسان نے بھی علم القرآن کا مفعول انسان کو قرار دے کر اس سے نبی کریمؐ کی ذات مراد لی ہو ______ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے جو تفسیر منقول ہے اس میں امت محمدیہ کو قرآن سکھایا جانا مراد ظاہر کیا گیا ہے اور ارشاد کا حاصل یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو قرآن دے کر حضور علیہ السلام کی طرف بھیجا اور آپ کو اپنی امت کی طرف مبعوث کیا

دوسرے سوال کے جواب میں تین قول ملتے ہیں۔

۱۔ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں یہ حضرت ابن عباس و قتادہ اور حسن سے منقول ہے۔ (قرطبی، روح البیان ناقلا عن بحر العلوم)

۲۔ انسان سے مراد نبی کریم ہیں یہ علامہ ابن کیسان سے نیز حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے۔ (قرطبی، روح المعانی، نیشاپوری)

۳۔ انسان سے مراد جنس انسان ہے۔ جلالین، تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ میں اسی معنی کو ترجیح دی گئی ہے

تفسیر صاوی، تفسیر قرطبی، تفسیر مدارک، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر حسینی، تفسیر خازن وغیرہ نے صرف نقل اقوال کیا ہے۔ اور کسی کو راجح و مرجوح نہیں قرار دیا ہے ______ اور اگر ذکر میں تقدیم کو راجح قرار دینا تسلیم کیا جائے۔ تو خازن، قرطبی کے نزدیک انسان سے حضرت آدم مراد لینا راجح ہوگا ______ حالانکہ ______ تفسیر جمل میں علّم القرآن کے مفعول سے متعلق جن تین اقوال کا ذکر ہے اس میں از روئے ذکر جس قول کو آخر میں رکھا ہے۔ اُسی کو اولیٰ قرار دیا ہے ______ اور اگر یہ کہا جائے کہ جس قول کو لفظ "قیل" کہہ کر بیان کیا جائے وہ مرجوح ہے تو پھر تفسیر خازن اور تفسیر قرطبی کی روشنی میں راجح صرف پہلا قول ہے باقی دونوں قول یعنی نبی کریم ______ یا ______ جنس انسان مراد لینا مرجوح ہے یہ اصول بھی اس لیے غلط ہے کہ تفسیر جمل میں جس قول کا ذکر لفظ قیل کے ذریعہ کیا ہے۔ اُسے خود ہی راجح بھی قرار دیا ہے ______ الغرض ______

~~ہر جگہ~~ لفظ قبل کو مرجوحیت ہی کے اظہار کے لیئے نہیں استعمال کیا جاتا لہٰذا لفظ قبل کسی قول کی مرجوحیت کی دلیل نہیں۔ اس کی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں بہت سے اقوال ملتے ہیں ____ اگر انسان سے مراد جنس انسان ہے تو۔

١۔ بیان سے مراد قوت گویائی ہے جس سے انسان دیگر حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے (طبری، خازن جمل، ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی وغیرہ)

٢۔ بیان سے مراد کتابت اور سمجھنے سمجھانے کی قوت ہے۔ (جمل، قرطبی)

٣۔ بیان سے مراد ہر قوم کی زبان ہے جس میں وہ کلام کرتی ہے۔ (بقول سدی)

٤۔ بیان سے مراد حلال و حرام اور ہدایت و گمراہی ہے۔ (طبری)

٥۔ بیان سے مراد دنیا و آخرت ہے۔ (طبری)

٦۔ بیان سے مراد نفع بخش اور نقصان دہ امور (قتادہ و ربیع ابن انس)

٧۔ بیان سے مراد خیر و شر ہے۔ (ضحاک و قتادہ)

٨۔ بیان سے مراد کسی چیز کو واضح کر دینا یہ نطق سے عام ہے۔ (امام راغب)

٩۔ بیان سے مراد دین و دنیا کے وہ جملہ امور ہیں جن کی انسان کو حاجت ہو۔ یعنی حلال و حرام، زندگی کے سامان خورد و نوش اور گویائی وغیرہ (طبری)

البیان کی تشریح کرنے والے جملہ اقوال میں سے امام طبری نے قول ٩ کو ترجیح دی ہے بلکہ اسی کو درست قرار دیا ہے اور وہ بھی ان لفظوں میں۔

والصواب من القول فی ذالک ان یقال ان اللہ علم الانسان مایہ الحاجۃ الیہ الخ

اور ان تمام اقوال میں درست بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ضرورت کی چیزیں سکھادیں الخ

اپنے مذکورہ خیال کے درست ہونے اور دوسرے اقوال کے نادرست ہونے کی وجہ ____ یا ____ کم سے کم درجے میں اپنے قول کے راجح ہونے کا سبب امام طبری نے یہ بتایا ہے۔

لان اللہ عزوجل لم یخصص فی خبرہ ذالک انہ علمہ من البیان بعضا دون بعض بل عمّ فقال علمہ البیان فھو کما عمّ

اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام میں تخصیص پیدا کرکے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے بیان سے متعلق بعض باتیں سکھا دی ہیں اور بعض نہیں بلکہ اُسے عام رکھا ہے پھر علمہ البیان فرمایا ہے پس بیان ایسا ہی عام رہے گا جیسا کہ اللہ نے عام رکھا۔

مذکورہ وجہ صواب ____ یا ____ وجہ ترجیح منقولی نہیں بلکہ معقولی ہے۔ مقالہ نگار نے بھی طبری کی مذکورہ عبارتوں کو نقل کیا ہے اور اس پر یہ ریمارک دیا ہے۔

"امام طبری کی مذکورہ تحریر سے ثابت ہوا کہ بیان کے معنی میں تخصیص پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنا ہے"

امام طبری کی تحریر اور مقالہ نگار کے تبصرہ دونوں نے قول ٩ کے سوا باقی اقوال کو مرجوح بلکہ نادرست قرار دے دیا ہے اور ان کے قائلین پر یہ الزام لگا دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنے والے ہیں ____ اب آگے آیئے

اور ایک دوسرا تماشہ ملاحظہ کیجئے۔ حضرت حسن نے بیان کی تشریح نطق سے کی ہے۔ ذکر کردہ اقوال میں ہیں نے اسے پہلے نمبر میں لکھا ہے۔ اسی قول ۱ کے بارے میں ابن کثیر میں ہے۔

وقول الحسن ههنا احسن واقوی۔ حضرت حسن کا قول اس جگہ زیادہ عمدہ اور قوی تر ہے۔

قول حسن کے حسن وقوی تر ہونے کی انھوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ "سیاق کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن کی تعلیم دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم تلاوت کی ادائیگی کا نام ہے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نطق یعنی گویائی کو مخلوق پر آسان فرما دے اور اس کے تمام مخرج حلق، زبان، ہونٹ وغیرہ جگہوں سے حروف کے نکلنے کو آسان کر دے کہ وہ اپنے مخارج سے حسب قاعدہ نکلتے رہیں۔" ___ مقالہ نگار نے قول حسن یعنی ہماری ذکر کردہ ترتیب کے مطابق قول ۱ کی تائید کرنے والے بہت سارے مفسرین کی فہرست پیش کی ہے اور پھر آگے چل کر الجواہر الحسان اور بحر المحیط کے حوالے سے یہ واضح کر دیا کہ جمہور مفسرین ومحققین کا مسلک یہ ہے کہ البیان سے مراد "النطق" ہے ___ لہٰذا ___ امام طبری کے ارشاد کی روشنی میں نیز خود مقالہ نگار کے اس تبصرے کے رو سے جو اس نے امام طبری کے ارشاد کو نقل کرنے کے بعد کیا ہے۔ حضرت حسن (جو جلیل القدر تابعی اور بے مثال محدث ومفسر ہیں) نیز ان کی اتباع کرنے والے جمہور مفسرین راہ صواب سے ہٹے ہوئے ہیں اور بقول مقالہ نگار یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور ان جمہور مفسرین کے خیال کی روشنی میں علامہ طبری کا اپنے قول کے بارے میں ادعاء صواب کوئی وزن نہیں رکھتا ___ اب مقالہ نگار فیصلہ کرے کہ کون راہ صواب پر ہے اور کون جادۂ خطاء پر؟ کس کا قول راجح ہے اور کس کا مرجوح؟

اس مقام پر پہنچ کر مقالہ نگار کو بھی کہنا پڑے گا کہ کسی مفسر کا اپنے قول کے لیے صواب، اقرب الی الصواب، اصح، اقوی، اولیٰ کا لفظ استعمال کرنا دوسرے مفسر کے قول کو لازمی طور پر فی نفسہ نادرست، صواب سے دور، غیر صحیح، کمزور اور خلاف اولیٰ نہیں قرار دیتا ___ اس لیے کہ ___ ممکن ہے کہ ہر ہر قول مختلف اعتبار وحیثیت سے اپنی اپنی ترجیح کی الگ الگ وجہیں رکھتے ہوں ___ اب اگر ایک مفسر کسی قول کو راجح سمجھتا ہے اور اس کے سوا دوسرے قول کو راجح قرار نہیں دیتا تو اس سے فی نفسہ دوسرا قول مرجوح نہیں ہو جاتا اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس دوسرے قول کے قائل کے نزدیک یہی دوسرا قول ہی لائق ترجیح ہو۔ ___ المختصر ___ اپنے علم ویقین کی روشنی میں ہر عالم ربانی کو اپنے اپنے قول کو اصح، اولیٰ، اقوی وغیرہ کہنے کا پورا حق ہے۔ اسی حق کو امام طبری نے استعمال کیا جبھی تنہا جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف پورے گھن گرج کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کر دیا۔ جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف ہونے کے باوجود مقالہ نگار نے امام طبری کے ارشاد کو نہ مرجوح کہا اور نہ قابل رد۔ اور نہ انھیں سمندر کے گھونگے اور سیپ سے تشبیہ دی ___ مقالہ نگار کا سارا بخار تو امام احمد رضا ہی پر اتارنے کے لیے ہے۔ اور اس کی ساری دلچسپی ان اقوال کو مرجوح، قابل رد بتانے اور انھیں سمندر کے گھونگے اور سیپ سے تشبیہ دینے سے وابستہ ہے جن سے عظمت مصطفیٰ اور رفعت محمدیہ کا پتا چلے ___ غور کیجئے امام احمد رضا نے اپنے علم ویقین کی روشنی میں جن اقوال کو لائق ترجیح سمجھا وہ کچھ ان کے اپنے ذہن کی پیداوار نہ تھے بلکہ معتبر تفسیروں میں موجود تھے نیز حضرت ابن کیسان اور ایک قول کے مطابق حضرت عبد اللہ ابن عباس جیسے جلیل القدر صحابی رسول، فقیہ امت اور رئیس المفسرین سے منقول بھی تھے ___ امام طبری نے تو جس معنی کو ترجیح دی بلکہ درست ٹھہرایا وہ تو ان کی اپنی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ع

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

پھر ورق الٹ کر دیکھئے۔ اس صفحے کو جس میں بیان سے متعلق ۹ اقوال پیش کئے گئے ہیں یہ سب اس وقت مراد ہیں جب انسان سے مراد جنس انسان ہو اور اگر انسان سے مراد حضرت آدمؑ ہوں تو بیان سے مراد مندرجہ ذیل امور منقول ہیں۔

۱۔ تمام اشیاء اور زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے نام۔ (ابن عباس)

۲۔ دنیا بھر کی زبانیں۔ (قرطبی، خازن، روح البیان وغیرہ)

اور اگر انسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں تو بیان سے مراد یہ بتائی گئی ہے۔

۱۔ ما کان وما یکون کا بیان۔ (تفسیر معالم، تفسیر خازن، تفسیر حسینی، تفسیر صاوی، تفسیر جمل، تفسیر قرطبی)

۲۔ کتاب منزّل کی مراد کو واضح کر دینا (روح المعانی)

۳۔ قرآنی مجملات و مبہمات کی شرح کر دینے والا کلام (روح المعانی)

۴۔ قرآن (روح المعانی، تفسیر نیشاپوری)

۵۔ جنس انسان مراد ہونے کی صورت میں بیان سے جو جو مراد ظاہر کی گئی ہے۔ ان میں سے وہ سارے معانی جو ہر کلمہ رسالتؐ کی شان اقدس کے مناسب ہوں۔ (روح المعانی)

مذکورہ بالا تمام اقوال میں سے کسی قول کو بھی کسی مفسر نے بھی مردود نہیں قرار دیا۔ نیز ان اقوال میں سے کسی بھی قول کے قائل کو کسی مفسر نے نہ کافر و مشرک قرار دیا نہ ضال و گمراہ اور نہ ہی جادۂ حق و صواب سے ہٹا ہوا ـــــــ اور نہ ایسا ہی ہوا کہ ان میں سے کسی قول کے قائل دوسرے قول کے قائلین قرآن کے اسلوب بیان، فطری انداز تربیت اور قرآن فہمی کے لیئے ضروری علوم و فنون، ادب، لغت، نحو، صرف، معانی و بلاغت عقائد و کلام اور حدیث و فقہ سے تہی دامن و بے بہرہ ظاہر کر دیتے اور ان کی دینی اور قرآنی خدمات کا انکار کر بیٹھتے ـــــــ ناظرین کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ جو کام سارے مفسرین نہ کر سکے مقالہ نگار نے اس کے لیئے اپنے کو تیار کر لیا اور صرف تیار ہی نہیں کر لیا بلکہ عمل کر کے دکھا دیا اور اپنے قلم کو ایک لازوال رسوائی کا شکار بنا دیا ـــــــ خدا کی شان دیکھو مقالہ نگار اپنے گھر کے سارے الزامات دین رسولؐ کے ان سچے وفاداروں کے سر ڈالنا چاہتا ہے جنھوں نے ناموس رسالت کی حفاظت میں اپنی متاع حیات قربان کر دی اور زندگی کے ایک ایک لمحے کو جہاد بالقلم کے لیئے وقف کر دیا تاکہ اسلام کے نام پر اسلام کی صورت بدل دینے کی کوشش کرنے والے منافقین کی ریشہ دوانیوں سے اہل اسلام باخبر رہیں ـــــــ میں نے دیوبندی تراجم کا مختصر سا اقتباس شروع میں پیش کر دیا ہے کیا اس سے اندازہ نہیں لگتا کہ قرآن کریم کو اپنے عقائد و نظریات کا شکار کس نے بنایا ہے؟ اسے اپنے ذہنی سانچے میں ڈھال کر منظر عام پر لانے کی جرأت و جسارت کس نے کی ہے؟ انسانی ہدایت کا یہ آسمانی صحیفہ جس چیز کا مستحق تھا کیا علمائے دیوبند نے اُسے پیش کیا؟ بانی دار العلوم دیوبند نے جب قرآنی لفظ خاتم النبیین کے اجماعی معنی کو جہلا کا خیال بتا کر سارے صحابہ و تابعین اور تمام علمائے متقدمین و متاخرین حتیٰ کہ ذات رسالت مآبؐ تک کو عوام کے زمرے میں شامل کر دیا تھا تو اس وقت قرآن کی خیر خواہی کا دم بھرنے والی مقالہ نگار کی جمیعت کہاں تھی؟ اور آج بھی تحذیر الناس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ آج بھی تقویت الایمان حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور بہشتی زیور کی ضلالت بستی بستی صحرا صحرا گوشہ گوشہ محفل محفل اپنی تاریکیاں پھیلا رہی ہے۔ اے اسلام کا ادعا کرنے والو کیا بانی اسلام کی توہین ہی سے تمھاری توجہ جھکتی ہے؟ کیا بانی اسلام کی عزت و ناموس سے کھیلنے ہی کا نام اسلام سے وفاداری ہے؟

اس مقام پر امام احمد رضاؒ کے ترجمے کی وجہ ترجیح ظاہر کرنے سے پہلے مناسب لگتا ہے کہ ذات رسول کریمؐ کے لیئے ما کان وما یکون کے علوم کے اثبات کرنے والے چند علمائے ملت اسلامیہ اور عارفین کرام نیز شارحین احادیث نبویہ کے ارشادات سے تعارف کرادوں تاکہ ذات نبویؐ کے لیئے علم ما کان وما یکون کے اثبات کو امام احمد رضا کا خود ساختہ عقیدہ نہ کہا جا سکے۔

۱۔ مرقات شرح مشکواۃ، شرح شفا ملا علی قاری۔ زرقانی شرح مواہب اور نسیم الریاض شرح شفا میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

وحاصله انه طوى له الارض وجعلها مجموعة كهيئة كف فيه مرّة بنظر الى جمعها وطرا ها بتقريب بعيدة الى قريبها حتى اطلعت على ما فيها

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لیئے زمین سمیٹ دی گئی اور اس کو ایسا جمع فرما دیا گیا جیسے کہ ایک ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینہ کو دیکھتا ہو اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اس کے قریب کی طرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں

۲۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فعلمت بسبب وصول ذالك الفيض ما فى السموٰت والارض يعنى ما اعلمه الله تعالىٰ مما فيهما من الملائكة والاشجار وغيرها وهو عبارة عن سعة علمه الذى فتح الله عليه وقال ابن حجر اى جميع الكائنات التى فى السموٰت بل وما فوقها وجميع ما فى الارضين السبع بل وما تحتها۔

اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ نے آپ پر ظاہر فرمایا ابن حجر نے فرمایا کہ حضور نے ان تمام چیزوں کو جان لیا، جو آسمانوں بلکہ اس کے اوپر ہے۔ اور ان تمام چیزوں کو بھی جان لیا، جو ساتوں زمینوں بلکہ اس کے نیچے۔

۳۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے

پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم وشناختم ہمہ را

(حضورؐ فرماتے ہیں کہ) ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

۴۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ہی میں ہے

عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطہ آں۔

(یہ حدیث) تمام جزئی وکلی علوم کے حصول اور اس کے احاطہ کی نشان دہی کرتی ہے۔

۵۔ علامہ زرقانیؒ نے شرح مواہب میں لکھا ہے۔

اى اظهر وكشف لى الدنيا بحيث احطت بجميع ما فيها فانا انظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيمة كانما انظر الى كفى هذه

(یعنی حضور فرماتے ہیں کہ) ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور منکشف کی گئی تو ہم نے اس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک

اشارۃ الی انہ نذا حقیقۃ دُفع بہ انہ اراید بالنظر العلم۔

ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اپنی اس ہتھیلی کو۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور نے حقیقۃً ملاحظہ فرمایا تو یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

۶۔ امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں۔

ولا شک ان اللہ قد اطلعہ علیٰ ازید من ذالک والقی علیہ علم الاولین والآخرین

اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے اگلے اور پچھلے حضرات کا علم دے دیا۔

۷۔ ملا علی قاری ایک حدیث کی شرح فرماتے ہوئے مرقات میں فرماتے ہیں۔

فیہ مع کونہ من المعجزات دلالۃ علی ان علمہ علیہ السلام محیط بالکلیات و الجزئیات من الکائنات وغیرھا

اس حدیث میں معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کائنات کے کلیات و جزئیات وغیرہا کو گھیرے ہوئے ہے۔

۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔

وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیزا از شیونات و احکام الٰہی و احکام وصفات حق واسماء وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر و باطن واول وآخر احاطہ نمودہ فوق کل ذی علم علیم شد۔

حضور علیہ السلام تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں اور انھوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے احکام اور حق تعالیٰ کے صفات وافعال اور سارے ظاہر و باطن اول و آخر کے علوم احاطہ فرما لیا اور پھر ہر ذی علم کے اوپر علیم کے مصداق ہو گئے۔

۹۔ اسی مدارج میں ہے

از زمان آدم تا نفخہ اولیٰ بروئے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال اورا از اول وآخر معلوم گردد و یاران خود را نیز از بعضے احوال خبر داد

حضرت آدم علیہ السلام سے صور پھونکنے تک تمام کو حضور علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا تاکہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

۱۰۔ شفا شریف میں قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

خص اللہ تعالیٰ بہ علیہ السلام بالاطلاع علی جمیع مصالح الدنیا والدین ومصالح امتہ وما کان فی الامم وما سیکون فی امتہ من التفلیر والقطمیر وعلی جمیع فنون المعارف کاحوال القلب والفرائض والعبادۃ والحساب

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو دینی اور دنیاوی مصلحتوں اپنی امت کے مصالح، گذشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرما کر نیز تمامی معرفت کے فنون مثلاً دل کے حالات اور فرائض وعبادات وعلم حساب پر مطلع فرما کر ممتاز و مخصوص

فرما دیا۔ (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بردہ)

۱۱۔ امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ ام القریٰ میں فرماتے ہیں

وسع العالمین علماء وحلما
فھو بحر لم تعیھا الاعباء

حضور علیہ السلام نے اپنے علم واخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا پس آپ ایسے سمندر ہیں جسے گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔

اسی شعر کی شرح میں شیخ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

ای وسع علمہ علوم العالمین الانس والجن والملائکۃ لان اللہ تعالیٰ اطلعہ علی العالم کلہ فعلم علم الاولین والاخرین وما کان وما یکون۔

یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن وانسان اور فرشتوں کے علوم کو گھیرے ہوئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرما دیا اور اولین و آخرین اور ما کان وما یکون کا علم عطا فرما دیا۔

۱۲۔ امام ابن حجر مکی اسی شعر کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لان اللہ اطلعہ علی العالم فعلم الاولین والاخرین وما کان وما یکون۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام جہان پر خبردار فرما دیا پس آپ نے اولین و آخرین اور ما کان وما یکون کو جان لیا۔

۱۳۔ حافظ سلیمان ابریز شریف میں فرماتے ہیں۔

یعلم علیہ السلام من العرش الی الفرش ویطلع علی جمیع ما فیھا

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک اور ان میں جو کچھ ہے سب جانتے ہیں۔

۱۴۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

وکلھم من رسول اللہ ملتمس
غرفا من البحر اورشفا من الدیم

تمام رسول علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں۔ سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹا۔

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ان جمیع الانبیاء کل واحد منھم طلبوا واخذوا العلم من علمہ علیہ السلام الذی کالبحر فی السعۃ والکرم من کرمہ علیہ السلام الذی ھو کالدیم لانہ علیہ السلام مفیض وھم مستفیضون لانہ تعالیٰ خلق ابتداء روحہ علیہ السلام ووضع علوم الانبیاء وعلم ما کان وما یکون ثم خلقھم فاخذوا علومھم منہ علیہ السلام۔

ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو کہ وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا جو کہ تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی اور پھر اس روح میں نبیوں کے اور ما کان وما یکون کے علوم رکھے پھر اُن رسولوں کو پیدا فرمایا پس اُن سب نے اپنے علوم حضور علیہ السلام

سے حاصل فرمایئے۔

۱۵۔ امام بوصیریؒ قصیدہ بردہ ہی میں فرماتے ہیں۔

وکل آیٍ اتی الرسل الکرام بھا
فانما اتصلت من نورہ بھم

انبیاء کرام جو معجزات امم سابقہ پر لائے وہ سب حضور پاک کی لمعانیت ذاتا بانیت سے انھیں حاصل ہوتے۔

چنانچہ حضرت امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

فجمیع ما ظھر علی ایدی الرسل علیھم السلام من الانوار فانما ھی من نورہ الفائض

انبیاء کرام و رسل عظام سے جو معجزات ظاہر ہوئے وہ سب حضور کے فیض کا ظہور تھا۔

۱۶۔ تفسیر روح البیان میں سورہ فتح میں انا ارسلناک شاھداً کے تحت ہے۔

فانہ لما کان اول مخلوق خلقہ اللہ کان شاھداً بوحدانیۃ الحق وشاھدا بما اخرج من العدم الی الوجود من الارواح والنفوس والاجرام والارکان والاجساد والمعادن والنبات والحیوان والملک والجن والشیطان والانسان وغیر ذلک لئلا یشذ عنہ ما یمکن للمخلوق من اسرار افعالہ وعجائبہ۔

چونکہ حضور علیہ السلام ہی اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لیئے اس کی وحدانیت کے چشم دید گواہ ہیں اور ان تمام چیزوں کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں جو کہ عدم سے وجود میں آئے مثلاً ارواح، نفوس، اجرام، ارکان، اجسام معدنیات نباتات، حیوانات، فرشتے، جن، شیطان اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار و عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لیئے ممکن ہیں۔

اسی مختصر سے انتخاب پہ اکتفاء کرتا ہوں اس لیئے کہ اہل انصاف کے لیئے اتنا ہی کافی ہے۔ میں نے کسی بھی ارشاد پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا اس لیئے کہ سب اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں ـــــــــ باطل مکتبہ ہائے فکر نے زبردستی اپنے عقائد و نظریات کو منوانے کے لیئے آیات و احادیث میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ صریح لفظوں کو اس کے معنی سے پھیرنے کی جد و جہد ان کا عام مذاق بن گئی چنانچہ مقالہ نگار نے بھی اس کا جگہ جگہ مظاہرہ کیا ہے اور اپنے اس باطل خیال کو منوانے کے لیئے کہ ہر نبی کو وہی چیز عطا کی جاتی ہے جس کی اُسے ضرورت ہو اور جو اس کے مقصد بعثت سے رابطہ رکھتی ہو۔ بڑی فنی چابکدستی دکھائی ہے۔ اس کی دو ایک مثال میں دے چکا ہوں ایک مثال اور بھی ملاحظہ فرمایئے۔ پہلے اُس نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا۔

العمہ اللہ بیان کل شیٔ واسماء کل دابۃ تکون علی وجہ الارض

اللہ نے حضرت آدم کو ہر شے کا بیان عطا فرما دیا اور انھیں تمام جانوروں کے نام بتا دیئے۔

مقالہ نگار قوسین کے درمیان ایک فقرہ اپنی طرف سے بڑھا کر حضرت ابن عباسؓ کی عبارت کے عموم کو یوں باطل کر دیتا ہے۔

"اور ان کو تمام چیزوں (جن کی انھیں ضرورت تھی) اور زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے نام بتا دیئے"۔

"جن کی انھیں ضرورت تھی" یہ فقرہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ مقالہ نگار صبح قیامت تک نہ بتا سکے گا ـــــــــ ان حالات میں میں نے مناسب سمجھا کہ صرف مستند و معتمد علماء و ائمہ کے ارشادات کو پیش کر دوں اس لیئے کہ آیات و احادیث کے

معانی ومفاہیم پران کی گہری نظر ہے یہ کسی بھی ایسی بات کو اپنے خیالات ونظریات میں جگہ نہ دیں گے جن کا ماننا کفر وشرک یا ــــ ضلالت وگمراہی ہو ــــ یا ــــ جس کو مان کر لوگ شاہراہ اعتدال سے باہر ہو جائیں ــــ لہٰذا ــــ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے بعض خیال سے کوئی علمی وتحقیقی بنیاد پر اختلاف کرے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے اس خیال کو کفر وشرک یا ضلالت وگمراہی قرار دے کر انھیں کافر ومشرک اور ضال وگمراہ قرار دے ــــ علماء کرام کے منقولہ ارشادات اس قدر واضح ہیں کہ اُن کو دیکھ کر ہی رسول کریم کے بارے میں ان کے نظریات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ــــ خاص کر کے جس لفظ ماکان ومایکون سے مقالہ نگار وحشت زدہ ہے اس کے علوم کا ذات رسولؐ کے لیئے اثبات بہت سارے ارشادات میں واضح طور پر ملتا ہے ــــ لہٰذا ــــ علم ماکان ومایکون کو رسولؐ کے لیئے ماننا اگر کفر وشرک اور ضلالت وگمراہی ہے تو پھر کفار ومشرکین یا ضالین یا مضلین کی فہرست میں مقالہ نگار کو اُن علماء وائمہ کو بھی رکھنا ہو گا جن کا وجود امام احمد رضا کے وجود پر بہت ہی مقدم ہے ــــ الغرض ــــ مذکورہ نظریہ کو امام احمد رضا کا ذہنی اختراع قرار دینا مقالہ نگار کی جہالت وفاتر العقلی کی نشاندہی کرتا ہے ــــ ان مباحث کو سامنے رکھ کر اب آیئے اور امام احمد رضا کے ترجمے کی وجہ ترجیح پر غور کیجئے ــــ پہلے اتنا سمجھ لیئے کہ بے شمار احادیث وارشادات علماء عرفاء سے بصراحت اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ــــ نیز ــــ بعض قرآنی آیات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہیں اور یہ حصر بھی حقیقی ہے نہ کہ اضافی اور چونکہ اول ممکنات ہیں تو پھر اپنی صلاحیت واستعداد میں ساری مخلوقات سے قوی واقوی ٹھہرے اور اپنے تمام فضائل وکمالات میں سب سے منفرد ہوئے ــــ چنانچہ رب تبارک وتعالیٰ سے براہ راست بغیر واسطہ فیض لینے کی اگر صلاحیت وقوت ہے تو صرف آپ ہی میں ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی تجلیات ونوازشات کا مرکز صرف آپ کی ذات کو بنایا ہے باقی مخلوق خواہ وہ کسی عالم کی مخلوق کیوں نہ ہو آپ کے واسطے سے فیض حاصل کرتی ہے ــــ رب قادر مطلق ہے وہ سب کو براہ راست اپنے فیضان کا مرکز بنا سکتا ہے مگر براہ راست خدا سے فیض لینے کی صلاحیت، حقیقت محمدیہؐ کے سوا کسی میں بھی نہیں تو نقص جانب قدرت نہ رہا بلکہ نقص کا رخ مخلوقات کی عدم صلاحیت کی طرف ہے ــــ اللہ کے محبوب کی ذات کریمہ چونکہ ایک برزخ کبریٰ کی حیثیت رکھتی ہے جو اللہ سے بھی واصل ہے اور مخلوق میں بھی شامل ہے لہٰذا رب العالمین اور عالمین کے درمیان رحمۃ للعالمینی کے فرائض انجام دینے کی اسی میں صلاحیت تھی ــــ الغرض ــــ اللہ تعالیٰ سے جس کو جو ملا جو مل رہا ہے اور جو ملتا رہے گا وہ اُسی خلیفۃ اللہ الاعظم کی بارگاہ فیض سے ملا، مل رہا ہے اور ملتا رہے گا۔ اس میں نبی وغیر نبی اور ملک اور غیر ملک کی کوئی تخصیص نہیں سبھی آپ کی بارگاہ فیض سے مستفیض ومستنیر ہیں ــــ

اور جب آپ کی ذات رب تبارک وتعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ فیض حاصل کرتی ہے تو آپ کو جتنے علوم ملے وہ رب تعالیٰ کی براہ راست عطا ہیں جب خدا کی بارگاہ فیض سے رسول کریمؐ بلا واسطہ فیض لے سکنے کی صلاحیت کاملہ رکھتے ہوں تو پھر خدا اور رسول کے مابین کسی واسطہ کی کیا ضرورت؟ بلکہ واسطے کا قول تو آپ کی عدم صلاحیت کا ابہام پیدا کرتا ہے ــــ

الحاصل ــــ خدائے عزوجل نے ذات نبوی کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ سب کے سب بلا واسطہ عطا فرمائے ہیں۔ اور آپ کے سوا کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ اسی برزخ کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ــــ اتنی بات تو سبھی پر واضح ہے کہ انسانوں کو علوم انبیاء ومرسلین کے ذریعہ عطا کئے گئے اور میرے نقل کردہ اقتباسات میں سے اقتباس ۱۴ اور اقتباس ۱۵ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء ومرسلین کو امام الانبیاء اور سید المرسلین کی بارگاہِ فیض سے علوم ملے پھر اس بات کی صداقت میں کیا

استحالہ ہوسکتا ہے کہ نورِ محمدیؐ بلفظ دیگر حقیقت محمدیہؐ ہی ساری کائنات کے لیئے واسطۂ فیضانِ الٰہی ہے ــــــ اب جب یہ کہا جائے کہ "اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرمؐ کو سکھایا" تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ بلاواسطہ سکھایا اور جب یہ کہا کہ "اللہ نے آدمؑ کو یا جبرائیل وغیرہ کو سکھایا" تو اس کا مطلب یہ ہوگا حقیقت محمدیہؐ کے ذریعہ اپنے علم کا فیض پہنچایا ــــــ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی استاد یہ کہتا ہو کہ "میں نے فلاں کتاب سکھادی" ــــــ تو اس سوال کے جواب میں "کہ کس کو سکھائی؟" عقل کا یہی فیصلہ اور عرف کا یہ کہنا ہے کہ اُسی کا نام لیا جائے جس نے اُس استاد سے براہِ راست سیکھا ــــــ ہمارا عرف ہے کہ جب ہم اپنے اساتذہ کی فہرست مرتب کرتے ہیں تو استاد کے استاد کا نام نہیں لکھتے بلکہ اسی کا نام لکھتے ہیں جس سے براہ راست بلاواسطہ علم حاصل کیا ہو اسی طرح جب کوئی استاد اپنے شاگردوں کی لسٹ مرتب کرتا ہے تو انھیں کا نام لکھتا ہے جن کو بغیر واسطہ پڑھایا ہو۔ شاگردوں کے شاگرد کا ذکر نہیں کرتا ــــــ گو استاد کے استاد کو بھی بالواسطہ اپنا استاد اور شاگرد کے شاگرد کو بھی بالواسطہ اپنا شاگرد سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر ــــــ یہاں تو عرف واطلاق اور تبادر ذہنی کی بات ہے ــــــ تو اب جن مفسرین کرام نے عَلَّمَ الْقُرْاٰن کا مطلب یہ لیا ہے کہ "اللہ نے اپنے نبیؐ کو قرآن سکھایا" یہ زیادہ قرینِ قیاس اور اولیٰ ہے اس لیئے کہ نبی کریمؐ ہی نے بغیر واسطہ قرآن خدا سے سیکھا ــــــ مقالہ نگار کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضرت جبرئیلؑ حضور علیہ السلام کے استاد تھے اور حضرت جبرئیلؑ نے حضورؐ کو قرآن سکھایا۔ خدا نے براہ راست (بلاواسطہ) نہیں سکھایا ــــــ وعلمک ما لم تکن تعلم کی صراحت بتا رہی ہے کہ آپ کو تعلیم دینے والا خدا ہے اور جہاں بلاواسطہ علوم دینے کا مفہوم نکل سکے وہاں بالواسطہ علوم دینے کا معنی نکالنا عرف و تبادر کے خلاف ہے ــــــ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو سکھایا تو اس کا یہ مطلب لینا عرف و تبادر کے بالکل خلاف ہے کہ اُسے بالواسطہ سکھایا ــــــ اسی لیئے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ "علمہ شدید القوٰی" میں اگر شدید القوٰی سے حضرت جبرئیلؑ مراد ہیں تو تعلیم سے مراد تبلیغ ہے یعنی حضرت جبرئیل پہنچانے آتے تھے نہ کہ پڑھاتے۔ پہنچانا اور ہے پڑھانا اور ہے۔ معلم پڑھانے والا اور سکھانے والا ہوتا ہے نہ کہ پیغام پہنچانے والا ــــــ حضرت جبرائیل کا پہنچانا تو محض ایک سنت الٰہیہ و ضابطۂ خداوندی کے تحت تھا۔ غور کیجئے سدرہ پر ٹھہر جانے والا خلوت گاہ قدس اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچ جانے والے کا معلم ہو یہ کس قدر مستبعد ہے۔ بعض علماء نے شدید القوٰی کو صفت باری تعالیٰ قرار دیا ہے ــــــ کسی کلام کے رُخ کو اس کے متبادر مفہوم سے اِسی وقت پھیرا جاتا ہے جب اس مفہوم کو مراد لینے میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ پیش آجائے اور اگر شرعی یا عقلی استحالہ پیش نہ آئے تو پھر متبادر معنی مراد نہ لینا یقیناً خلاف اولیٰ ہے ــــــ الحاصل ــــــ عَلَّمَ الْقُرْاٰن کا یہ ترجمہ کہ "رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا" اقرب الی الصواب، اولیٰ اور راجح ترین ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم تبیاناً لکل شیئ ہر شے کا واضح بیان ہے اور بقول حضرت مجاہد "ما من شیئ فی العالم الا ھو فی کتاب اللہ" عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو کہ قرآن میں نہ ہو ــــــ اور یہ ظاہر ہے کہ آیہ کریمہ نزّلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیئ ہم نے تم پر قرآن اُتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے دلیل ہے کہ قرآن کریم صرف اس کے لیئے ہر چیز کا روشن بیان ہے جس پر وہ براہ راست نازل کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تو اب قرآنی مقطعات، متشابہات، مبہمات، محکمات اور جمیع معانی القرآن کو واضح طور پر جاننے والے صرف رب تعالیٰ سے براہِ راست قرآن سیکھنے والے مہبط آیات قرآنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ باقی کو حضور علیہ السلام نے اس کی صلاحیت و استعداد کے مطابق جو دیا اُسے وہی ملا۔ خود سید الملائکہ حضرت جبرئیلؑ بھی قرآنی مقطعات و متشابہات وغیرہا کے رموز و اسرار کو سمجھنے سے قاصر ہیں معلوم ہوا کہ پیغام کا پہنچانا

اور ہے اور اس کا سمجھنا اور ہے ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو پورے طور پر قرآن کا عالم ہوگا وہ یقیناً عالم ما کان وما یکون ہوگا تو اب اولیٰ اور اقرب الی الصواب یہی ہے علم القرآن میں مفعول ثانی اسی کو قرار دیا جائے جو قرآن کا حقیقی معنوں میں پورے طور پر عالم ہوا اور وہ ہیں ۔ اللہ کے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم ـــــــ مقالہ نگار نے علم القرآن کا مفعول ثانی جبرئیل کو قرار دینا اقرب الی الصواب قرار دیا ہے جب کہ تفسیر جمل میں الانسان کو مفعول ثانی قرار دینا اولیٰ کہا ہے ـــــــ تو اب اگر کوئی اپنے علم و یقین کی روشنی میں نبی کریم کو مفعول ثانی قرار دے اور اسی کو اقرب الی الصواب اور اولیٰ قرار دے تو وہ مجرم کیسے ہوگیا ؟ ـــــــ اب ارشاد کے دوسرے حصے پر غور کیجئے خلق الانسان وعلمہ البیان ـــــــ چونکہ اس آیت میں بھی سکھانے کی نسبت رب تبارک و تعالیٰ کی طرف ہے لہٰذا سیکھنے والا بھی اُسی کو قرار دینا چاہیے جس نے براہ راست رب تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی ہو اور وہ حضور علیہ السلام ہیں تو پھر الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا راجح و اولیٰ ہے ـــــــ ویسے بھی یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ " المطلق اذا اطلق فیراد بہ الفرد الکامل " اطلاق کی صورت میں مطلق سے اس کا فرد کامل مراد لیا جاتا ہے ـــــــ اور ظاہر ہے کہ انسانوں میں فرد کامل ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے انسان کامل ہونے میں کیا شک ہے تفسیر صاوی نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ چونکہ علیہ السلام انسان کامل ہیں لہٰذا الانسان سے (جو مطلق واقع ہوا ہے) آپ کی ذات ہی مراد ہے ۔ اُسی اصول کی روشنی میں جس کا ذکر ابھی ابھی کر چکا ہوں ـــــــ الغرض ـــــــ یہ ضابطہ بھی الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے کو اولیٰ قرار دے رہا ہے ـــــــ اور الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے کی صورت میں " البیان " سے ماکان وما یکون کا بیان مراد لینا ہی راجح ہے اس لئے کہ جب کہ ارشادات علماء سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اولین و آخرین بلفظ دیگر ماکان و ما یکون کا علم عطا فرما دیا ہے تو پھر ان سب کا مراد لینا زیادہ راجح ہے ـــــــ غالباً البیان سے ماکان وما یکون کا بیان مراد لینے والوں کے نزدیک اس سے نطق و گویائی اور قوت فہم و افہام (جو تمام انسانوں میں مشترک ہے) مراد لینا اس لئے بھی اولیٰ نہیں کہ نطق و فہم وغیرہ کا تعلق تخلیق سے ہے نہ کہ تعلیم سے اور علمہ البیان میں تعلیم کا ذکر ہے نہ کہ تخلیق کا تو اب نطق وغیرہ مراد لینے کی صورت میں تعلیم کو مجازاً اس کے حقیقی معنی سے ہٹانا ہوگا اور جب حقیقت بن سکے تو پھر مجاز کی طرف عدول کس طرح بہ نظر استحسان دیکھا جا سکتا ہے ـــــــ قرآن کریم نے وعلمک ما لم تکن تعلم سے اللہ کو رسول کا تعلیم دینے والا اور یعلمھم الکتب والحکمۃ سے رسول کریم کو ساری کائنات کو کتاب و حکمت سکھانے والا قرار دیا ہے بلفظ دیگر سارے عالم کو رسول کا شاگرد اور رسول کریم کو رب تعالیٰ کا شاگرد واضح کیا ہے تو اولاً خدا نے رسول کو سکھایا اور رسول نے حسب ضرورت دوسرے تمام انسانوں کو درس دیا ۔ قرطبی نے اسی مفہوم کو ان لفظوں میں ادا کیا ہے ۔

علم القرآن ای علمہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اداہ الی جمیع الناس

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن سکھایا تاکہ وہ اس (خدائی ہدایت عامہ) کو تمام انسانوں تک پہنچا دیں ۔

لہٰذا امام احمد رضا کے ترجمے پر مقالہ نگار کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ انھوں نے انسان سے رسول مراد لے کر رب العزت کی رحمت و رافت کو محدود کر دیا ہے ۔ اس لئے کہ محدود تو اس وقت ہو جب کہ تعلیم کا سلسلہ ذات رسولؐ تک پہنچ کر منتہی ہو جائے لیکن جب حضور علیہ السلام کو اسی لئے سکھایا جائے کہ وہ دوسروں کو سکھائیں کیونکہ دوسرے براہ راست لینے کے اہل نہیں تو پھر رحمت و رافت کے محدود ہونے کا کیا سوال ہے بلکہ یہ تو کمال رحمت و رافت کی بات ہے کہ جب ہم بلا واسطہ سیکھنے

کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے تو ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اپنے رسولؐ کے واسطے سے ہماری استعداد کے مطابق ہمیں بھی علوم سے نواز دیا گیا ــــــ مقالہ نگار نے سوچا ہوتا کہ جس خدا نے اپنی تمام تجلیات و نوازشات کا مرکز ذات رسولؐ کو بنایا ہے۔ اس نے اُس رسول کو رحمۃ للعالمین بھی بنا دیا ہے تو پھر بارگاہ رسولؐ سے بٹنے والی خدائی نعمتیں نوعِ انسان کے کسی ایک فرد کے ساتھ کیسے مخصوص ہو سکتی ہیں بے شک رحمۃ للعالمین کی رحمت مسلم و کافر موحد و ملحد عالم و جاہل حتیٰ کہ نبی اور غیر نبی سب پر عام ہے ــــــ یہ بات اگر مقالہ نگار نہ سمجھ سکا تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے ــــــ مقالہ نگار نے چلتے چلتے ایک عجیب و غریب دعویٰ کیا ہے وہ رقم طراز ہے ۔

"آپ خود سوچئے اللہ رب العالمین ہے اس نے خود کو کہیں بھی "رب محمد" نہیں کہا"

معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کا قرآنی مطالعہ بہت ناقص ہے ۔ قرآن کریم میں ساٹھ سے زیادہ مقامات پر حضور علیہ السلام کو مخاطب فرما کر "ربک" کا لفظ موجود ہے اور اس کا معنیٰ "رب محمد" کے سوا ہو کیا سکتا ہے ــــــ مقالہ نگار کو کیا سورۂ کوثر بھی یاد نہ رہی جس میں فصل لربک موجود ہے تو کیا ساٹھ سے زیادہ مقامات پر "ربک" فرمانے سے رب العالمین کی ربوبیت محدود و مخصوص ہو گئی ہے سچ ہے

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں راہبر ہوں ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

بفضلہ تعالیٰ ان تمام تحقیقات و تشریحات نے واضح کر دیا کہ امام احمد رضاؒ نے سورہ رحمٰن کی آیت زیر بحث کا جن مفسرین کرام کے اقوال کی روشنی میں ترجمہ کیا ہے ۔ تمام منقولہ اقوال میں انہی کا اختیار کرنا اولیٰ، ارجح، اصح اور اقرب الی الصواب تھا اور امام احمد رضا کے ترجمے کو مرجوح قرار دینے میں مقالہ نگار کی ساری کوشش تحقیق کے بجائے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کے اس عناد کو ظاہر کرتی ہے جو اس کے اکابرین سے حاصل شدہ اس کا موروثی سرمایہ ہے ــــــ اچھا چلو امام احمد رضا کے ترجمے کو مرجوح ہی مان لو مگر بہر حال وہ منقول تو ہے مردود تو نہیں ــــــ خلاف اولیٰ کو مان لینا خلاف اولیٰ ہی تو ہوگا اُسے کفر و شرک گمراہی و ضلالت تو نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ ماننے والے کو نئے نظریات و خیالات کا بانی اور غیر اسلامی عقائد کا موجد تو نہیں قرار دیا جا سکتا ــــــ مقالہ نگار کو اگر فرصت ہو تو اپنے گھر کا جائزہ لے جہاں "رسول دشمنی" کے جذبہ فراواں سے سرشار ہو کر "مردود" قول کو بھی حجت و دلیل کے طور پر پیش کر دیا ــــــ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ــــــ حالانکہ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ نے جہاں یہ روایت نقل کی ہے وہیں یہ بھی وضاحت فرما دی ہے کہ

"ایں سخن اصلے نہ دارد و روایت براں صحیح نشدہ"

یعنی یہ روایت بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے ۔ تو جس روایت کو حضرت شیخ نے بے اصل فرما کر مردود قرار دیا حضرت شیخ کے ریمارک کو نظر انداز کر کے اسی مردود روایت کو حضرت شیخ ہی کے حوالے سے بیان کر کے حجت قرار دینا کسی گرگ باراں دیدہ ہی کا کام ہو سکتا ہے ۔ آخر یہ کس نے ایسا کیا؟ میرے خیال میں مقالہ نگار کو اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ــــــ یہ اشارہ میں نے صرف اس لئے کر دیا ہے تاکہ مقالہ نگار کچھ تو عبرت حاصل کرے کہ رسول کریمؐ کی تنقیص و تقلیل شان کے لئے مردود روایت بھی حجت اور اگر عظمت مصطفیٰؐ کا اظہار ہو رہا ہو تو بگمان خویش مرجوح قول بھی حلق کے نیچے نہ اترے ــــــ آخر میں مقالہ نگار یہ بھی سمجھ لے کہ جن مفسرین کے اقوال کی روشنی میں امام احمد رضاؒ کا ترجمہ مرجوح اقوال پر

مشتمل ہے انھوں نے صرف اس ترجمے کو مرجوح قرار دیا ہے اُس عقیدے کو مرجوح قرار نہیں دیا ہے۔ جو ترجمہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ وہ عقیدہ آیت زیر بحث سے ثابت نہ ہوگا ـــــ اور اس سے نقصان ہی کیا جبکہ آیات واحادیث اور ارشادات علماء ملت سے یہ نظریہ فاضل بریلوی کے وجود کے پہلے ہی سے مدلل ومبرہن چلا آرہا ہے ـــــ مقالہ نگار کی پیش کردہ تفسیروں میں کوئی تفسیر ایسی نہیں جس نے اپنے مرجوح کردہ اقوال کو اس لیئے مرجوح قرار دیا ہو کہ وہ غیر اسلامی نظریات کی حامل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اقوال مردود ہوتے نہ کہ صرف مرجوح وخلاف اولیٰ ـــــ بلکہ صرف مرجوح قرار دے کر مرجوح قرار دینے والے مفسرین نے بھی مقالہ نگار کے اس خیال کی تردید کردی کہ رسول کریم صلّم کو ماکان وما یکون کا عالم ماننا غیر اسلامی عقیدہ ہے ـــــ الغرض ـــــ اپنے جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے مقالہ نگار نے خواہ مخواہ کے لیئے ''تقابلی مطالعہ'' کا بہانہ نکالا تھا اس میں وہ بہرحال ناکام رہا۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

امام احمد رضا اور محاسن کنز الایمان

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز قرآن حکیم ہے۔ باقی تمام عقائد و اعمال اسی اصل سے ماخوذ ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور معاشی و معاشرتی ضوابط ہیں سب اسی مرکز سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ یہ وحی، کتاب کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآن حکیم کا فیضان زمان و مکان کے اندر محدود نہیں۔ اس سے ہر شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر آباد ہو، کسی دور میں زندگی بسر کرے یکساں طور پر ہدایت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اور حقائق و معارف سے مستفیض ہو سکتا ہے اس لیے قرآن کا سمجھنا اور سمجھ کر اس سے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ قرآن نے اپنے نزول کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۲)

"یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (پارہ ۲۶ رکوع ۷)

"تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں۔"

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جو قرآن میں تدبّر و تفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لیے ہر ایک مسلمان کا فرض اوّلین ہے کہ قرآن کریم کو خود پڑھے اوروں کو پڑھائے، خود سمجھے دوسروں کو سمجھائے، خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرنے کی جد و جہد کرے۔ قرآن حکیم چونکہ عربی متن میں ہے اور ہر آدمی عربی کا فاضل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا ناگزیر ہے اور پھر ترجمہ کی مشکلات کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب ملا واحدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سلطنت حیدر آباد دکن کے آخری سلطان نظام الملک ہفتم میر عثمان علی خاں کے پاس ایک صاحب تھے جنہیں آج سے چالیس پچاس برس پہلے دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ان کا کام فقط یہ تھا کہ جسے میر عثمان علی خاں زبانی پیغام بھیجنا چاہیں اسے وہ اس طرح پہنچا دیں جس طرح میر عثمان علی خاں نے پیغام دیا ہے۔ پیغام سناتے وقت پیغام پہنچانے والے صاحب پر ان کیفیات کا طاری ہونا ضروری تھا جو پیغام بھیجتے وقت میر عثمان علی خاں پر طاری ہوتی تھیں۔ میر عثمان علی خاں خوش ہو کر کوئی بات کہتے تو وہ بھی خوش ہو کر اسے نقل کرتے۔ میر عثمان علی خاں بگڑ کر، تیوری چڑھا کر بات کرتے تو وہ بھی بگڑتے اور تیوری چڑھاتے۔ الفاظ کا بدلنا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ لہجہ اور طرز کلام بھی میر عثمان

علی خان کا رہتا تھا۔ مخاطب جان جاتا تھا کہ مجھ پر عنایت ہوئی ہے یا عتاب ہوا ہے۔"

ایک انسان کی بات دوسرے انسان کو من وعن پہنچانی کس قدر مشکل تھی یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنا پیغام اپنے الفاظ اور اپنے لہجے میں محفوظ کرا دیا اور اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جو لوگ قرآن مجید کی اصل زبان عربی میں سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے اصل زبان عربی کا بدل نہیں ہیں —— قرآن مجید کی عربی کی عربی میں بھی تفہیم کی جائے یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب کوئی عرب اپنی زبان میں بھی بیان کرے تو وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی جو قرآن مجید کی عربی میں ہے پھر دوسری زبان میں ترجمہ تو اصل کیفیت کو بالکل کھو دیتا ہے۔ لیکن چارہ ہی کیا ہے۔

جب ہمارے ہاں ہندوستان میں عربی جاننے والے ختم ہو گئے تو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کرنا پڑا۔ ہندوستان کے دیگر علماء ترجمہ کرنے کے خلاف تھے مگر مولانا شاہ ولی اللہ دوراندیش تھے انہوں نے اچھا کیا کہ قرآن مجید کے سمجھنے کا کچھ تو سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ خدمت انجام دلا دی۔ ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبد القادر نے دیکھا کہ فارسی بھی ہندوستان میں چند دن کی مہمان ہے۔ لہٰذا مولانا شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا اردو میں لفظی ترجمہ کر ڈالا۔ (لفظ کے نیچے لفظ) اور مولانا شاہ عبد القادر نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ دو سو برس قبل کی بامحاورہ اردو میں لیکن زبان و بیان کی قدامت کے باعث ان ترجموں سے اردو خواں طبقہ کے لیئے استفادہ ممکن نہیں تھا علاوہ ازیں "تقویت الایمان" کے مکتبۂ فکر کے علماء نے اپنے عقائد کے مطابق ان ترجموں میں کہیں کہیں تصرف بھی کر دیا تھا۔

ان ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا لیکن انہوں نے ترجمہ میں جابجا محاورات گھسیٹ کر قرآن حکیم کے مطالب کو ہی گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کر دیا۔ اندریں حالات ملت اسلامیہ کے لیئے قرآن مجید کے ایک صحیح، سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کی اشد ضرورت تھی۔ آخر اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت امام احمد رضا کو نصیب ہوئی۔ امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں قرآن مجید کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ مولانا محمود حسن کا ترجمہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا۔ اور ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا عبد الماجد دریابادی اور جناب محترم مودودی صاحب کے تراجم (مع تفسیر قرآن) تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کس طرح عالم وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل امام احمد رضا کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد رضوی کی زبان سے سنیے:

"صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرما لیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو امام احمد رضا نے فرمایا چونکہ ترجمہ کیلئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے۔ اس لیئے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آ جایا کریں چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ امام احمد رضا زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرمانے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی

قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانگی سے پڑھتا جاتا ہے پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین امام احمد رضا کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ امام احمد رضا کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے امام احمد رضا سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرا لیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو کنز الایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔" (سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۷۴/۲۷۵)

تعارف صاحب کنز الایمان

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

زمین سیکڑوں مرتبہ آفتاب عالم تاب کے گرد چکر لگاتی ہے۔ چاند لاکھوں بار کرۂ ارض کا طواف کرتا ہے! اور سورج کروڑوں مرتبہ حجلۂ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدۂ مغرب کی کاجلی تاریکیوں میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے۔ تب کہیں تاریخ کے صفحات میں کوئی ایسی شخصیت ابھرتی ہے جس پر کائنات کے پردۂ زنگاری میں بیٹھا ہوا محبوب اپنی اعجاز آگیں نوازشیں بکھیر دیتا ہے اور اس محبوب دلنواز کے ساحر تبسم کے فدائی اس شخصیت کے قدموں پر عقیدتوں کے نذرانے بچھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ تاریخ ایسی شخصیتوں کو پیش کرنے میں بالکل تہی دامن اور مفلس نہیں رہی لیکن یہ بھی ایک برہنہ حقیقت ہے کہ اس کے پاس ایسا سرمایہ نادر و نایاب کی حد تک قلیل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی پوری تاریخ چھان ڈالئے آپ کو صرف ایک ہی شخصیت نظر آئے گی جس نے فقہی فضیلت اور علمی کمال کے ساتھ ساتھ دینی و ملی خدمات کی سرانجام دہی میں مؤثر ترین کردار ادا کیا۔ اور یہ شخصیت امام احمد رضا کی تھی۔ سلف صالحین کا دور تو آفتاب و ماہتاب کا دور تھا لیکن متاخرین کا دور بھی مولانا احمد رضا کے علمی کارہائے نمایاں پیش کرکے اپنے ماتھے سے کم مائیگی کا داغ دھو سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانان ہند صرف میدان جنگ میں ہی نہیں بلکہ میدان علم و حکمت میں بھی انگریزی علوم سے شکست کھا چکے تھے اس وقت مغربی علوم سے مرعوب ذہنیتیں جنم لے رہی تھیں مغربی علوم کا سیل بلاحصار اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا اور ادھر صورت حال یہ تھی کہ جن لوگوں کا فریضہ مدافعت تھی وہ خود بے بس تنکوں کی طرح اس سیلاب کے تندریلوں کے ساتھ بہہ رہے تھے اور دوسروں کو بھی یہ تلقین کر رہے تھے کہ:۔

"دُرْ مَعَ الدَّهْرِ كَيْفَ يَدُارُ"

"چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"

اس وقت امام احمد رضا کے علم و دانش نے زبان و قلم کے ہتھیاروں سے تجدد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منہ زور تحریک نے علم کے اسی بحر ذخار کے سامنے دم توڑ دیا۔ وہ معارف قلب و روح کے ساتھ علوم عقلی و نقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے، مسلمانان پاک و ہند کے سواد اعظم کو ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علمائے اہل سنت کے فتویٰ جہاد کے بعد آپ ہی کی تحریک عرفان رسالت نے مجتمع کیا تھا۔ ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کی از سر نو تنظیم کا صلہ وہ تاج عظمت و کرامت ہے جو امام احمد رضا کے لقب کی صورت میں آپ کے فرق مبارک پر زینت افروز ہوا۔

منعم حقیقی نے انتہائی فیاضی سے انہیں بے مثال قابلیت، فہم و ذکا، بے نظیر حافظہ فصاحت و بلاغت اور سروری قلم و بیان

کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دینی علوم میں آپ کی مسلمہ مہارت تو خیر ایک حقیقت ثابتہ شمار کی جاتی ہے۔ لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہ علوم دنیوی میں بھی آپ کو وہ تبحر حاصل تھا کہ ان علوم کے ماہرین اپنے اشکالات کا جواب حاصل کرنے کے لیئے اس منبع علم وحکمت کی بارگاہِ دانش کے محتاج رہتے تھے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے معروف و مسلّم ماہر شمار کیئے جاتے تھے۔ وہ بعض مسائل ریاضیہ کے سلسلہ میں بہت سی الجھنوں میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مولانا سید سلیمان اشرف کے توسّط سے امام احمد رضا کے حضور میں شرف باریابی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد سلسلۂ گفتگو کی ابتدا ہوئی۔ آپ نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کی مختلف اشکال کے ادق مسائل تحریر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دکھایا۔ وہ انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے کہ مَیں نے ان چیزوں کے حصول کے لیئے بارہا مشرق ومغرب کے ماہرین ریاضی سے ملاقاتیں کیں مگر یہ چیزیں کہیں بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ آخر آپ نے یہ سب کچھ کس اُستاد سے پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے والد صاحب سے (محض) جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لیئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہِ رسالت سے تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی بارگاہِ اقدس واعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔

یہ گوناگوں صلاحیتیں اور بے مثال قابلیت منعم حقیقی نے ایک مخصوص مقصد کی تکمیل کے لیئے آپ کو ودیعت فرمائی تھی۔ فہم وفراست کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ میں مکمل دستگاہ حاصل کر لی اور پھر درس وتدریس، وعظ وارشاد اور عبادات وریاضات کو اپنا معمول بنا لیا اور آخری سانس تک زبان وقلم سے حقیقی اسلام کی اشاعت اور سبل الحاد وتجدّد کی مخالفت اور اسلام کی مدافعت میں مصروف رہے۔ بارگاہِ رسالت کو نشانہ بنا کر جو تیر بھی چلایا گیا اس دیوانۂ رسالت نے سینہ سپر کر دیا۔ توہین رسالت کے لیئے کہیں کوئی زبان حرکت میں آئی۔ اس فدائے مصطفیٰ کا قلم برقِ خاطف بن کر اس پر گرا اور اسے بھسم کر کے رکھ دیا۔ مخالفت کے تند ریلے آئے۔ الزام تراشیوں کے طوفان اُٹھتے رہے۔ عداوت کی بلاخیز موجیں ٹکراتی رہیں مگر رسالت کا یہ عاشق پہاڑ کی طرح ان کے سامنے ڈٹا رہا اور زمانے کے کان سنتے رہے کہ وہ کہہ رہا تھا

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ من ۔۔۔ باین قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

آج اگر عصمتِ انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ احمد رضا کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے۔ آج سوادِ اعظم کے جتنے بھی علمائے کرام ہیں انہیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ وہ امام احمد رضا کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اور عقیدت کیش ہیں۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو ۔۔۔ یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے شک وارتیاب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اذہان کو مینارِ نور بن کر راہِ ہدایت دکھائی۔ آپ نے ہندوستان میں نیچریت وغیرہ کی سی اعتزالی تحریکوں کو غیر اسلامی ثابت کر کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ امکان نظیر رسالت یا امکان کذب باری تعالیٰ کی ملعون تحریکیں صرف علمی بحثیں نہیں بلکہ فرنگی کی فتنہ پرور ذہنیت کی اڑائی ہوئی ایسی چنگاریاں ہیں جو مسلمانوں کے قلوب سے روحِ جہاد فنا کرنے کے لیئے کسی وقت بھی آتش بار شعلوں میں بدل سکتی ہیں۔

تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی اور محافل میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں آپ نے روشن رکھیں وہ آج سلگتے ہوئے ستاروں میں تبدیل ہو کر ظلمت کدۂ دہریت و الحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں۔ آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیات خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔

احمد رضا خاں کسی فرد واحد کا نام نہیں۔ تقدیس رسالت ﷺ کی تحریک کا نام تھا۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ ﷺ میں ڈوب کر دھڑکنے والے، پاک، بابرکت اور پرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی امام احمد رضا کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لیئے ثبت کر دیا ہے اور اب حادثاتِ حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگ دل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما ؎

آپ نے عشق کو نئی زندگی عطا کر دی۔ جنونِ محبت کو دوام عطا کر دیا اور جہانِ قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی اور لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا کرنا تو کجا اس کی حدت کا کم ہونا بھی ابد تک ممکن نہیں۔

امام احمد رضا کے مخالفین ان کے اپنے دور میں بھی بے شمار تھے اور آج بھی لاتعداد ہیں مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج تک اس کے منور نام کی درخشندگی کم کر سکے ہیں۔ وہ حُبِ رسالت کا قاسم تھا۔ اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا۔ محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر دادِ تحقیق دی۔ لیکن اگر وہ اتنی پرعظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف اِن کا نعتیہ کلام ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیئے کافی تھا۔ ان کا عشقِ رسول ﷺ اور سوز و مستی میں ڈوبا ہوا کلام اقبال کے اس شعر کی حسین تفسیر ہے۔ ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور آپ کے کلام کا اِس سے زیادہ اور کیا اعجاز ہو گا کہ آج تک آپ کے نغماتِ نعت بے مثال سمجھے جاتے ہیں اور آپ ہی کے لکھے ہوئے درود و سلام سے منبر و محراب گونج رہے ہیں۔ آپ نے بے مثل و بے مثال کی مدح سرائی میں زبان کھولی تھی اِس لیئے خدائے قدوس نے آپ کے کلام کو بھی یکتا و بے نظیر کر دیا۔ احمد رضا خاں کی شاعری عشق و مستی کے نئے نئے جہانوں کی موجد بن رہی ہے اور ان نو رسیدہ جہانوں کے افق پر محبت کے ایسے آفتاب و ماہتاب روشن ہیں جو پیچ در پیچ صدیوں کی تاریکیوں میں ہمیشہ ضوبار رہیں گے۔

امام احمد رضا کا ایک عظیم ترین کارنامہ اور علمی شاہکار قرآن حکیم کا اردو ترجمہ ہے جو کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ تمام اردو تراجم قرآن سامنے رکھ لیجئے۔ اور امام احمد رضا کے ترجمہ کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ کیجئے آپ واضح ترین فرق و امتیاز محسوس کریں گے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ لغوی، معنوی، ادبی اور علمی کمالات کا جامع ترین مرقع ہے۔ اِسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو عربیت اور قرآن فہمی کا کس قدر ملکہ حاصل تھا۔

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے محاسن

امام احمد رضا برِصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں۔ جنہوں نے انتہائی کد و کاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے۔ جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظا اور

محاورہ کا حسین تزین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے۔ کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق ومعارف کے وہ اسرار ومعارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب واحترام اور عزت وعصمت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا ہے ان کے ترجمہ قرآن کے جملہ محاسن بیان کرنے کے لیئے تو ایک ضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس طرح ان تمام مقامات کو زیر بحث لانا پڑے گا جنہیں دوسرے تراجم کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے بخوفِ طوالت "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر صرف چند مقامات کے ترجمہ کا دوسرے تراجم سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ اہلِ بصیرت پر اس ترجمہ کی اہمیت وافادیت واضح ہو جائے۔

میں یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا مقصد متقدمین کی مساعی کی عیب جوئی نہیں۔ اس موازنہ کا مقصد صرف امام احمد رضا کے فہم قرآن کا حقیقت پسندانہ اعتراف ہے اور بس۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین میرے اسی جذبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کا مطالعہ کریں گے۔ آیئے اب ذرا وہ چند مقامات دیکھ لیں جہاں امام احمد رضا کے ترجمہ کو میں نے نمایاں حیثیت کا حامل پایا ہے:

آیت نمبر ایک: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ج (پارہ ۱ رکوع ۱)

ترجمہ محمود حسن: "اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: "یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔"

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے اور لفظ فی کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زمان اور کبھی مکان تو اب معنی یہ ہوگا کہ قرآن مجید جنس ریب کا محل نہیں بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا۔ حالانکہ دوسرے مقام پر ہے "وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا" (اور اس سے واضح ہے کہ قرآن محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے یہی وہ اشکال تھا جسے رفع کرنے کے لیئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں طویل عبارات لکھی ہیں لیکن امام احمد رضا خاں نے ترجمہ کے چند الفاظ میں اشکال رفع کر دیا۔ ذرا ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔"

ذرا "ذٰلِكَ" کے ترجمہ کا تقابلی مطالعہ بھی کیجئے۔ معمولی عربی دان بھی یہ جانتا ہے کہ "ذٰلِكَ" اشارہ قریب نہیں بعید ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر مترجمین اس کا ترجمہ "یہ" کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اسے اپنے اصل معنوں میں لے کر اس کا ترجمہ "وہ" کیا ہے اور عبارت کا حسن بھی قائم رکھا ہے۔

آیت نمبر دو:— يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (پارہ ۱ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود حسن:— اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

سب مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ "لَعَلَّ" بمعنی لِکَیْ ہے یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا :۔

" لم یثبت فی اللغة مثله "

" یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں "

پھر علامہ ممدوح نے فرمایا کہ یہ حال ہے ضمیر اعبدوا سے مطلب یہ ہوا کہ :

" اعبدوا راجین ان ینخرطوا فی سلك المتقین "

" یعنی عبادت کرو، یہ امید کرتے ہوئے کہ تم متقیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ "

امام احمد رضا نے اسی استدلال کو اختیار فرما کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

ترجمہ امام احمد رضا :۔۔۔۔۔۔۔ " اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا۔ یہ امید کرتے ہوئے تمہیں پرہیزگاری ملے "

آیت نمبر ۳ :۔۔۔۔۔۔۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ط ۔ (پارہ ۲ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود حسن :۔ " اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں "

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :۔۔۔۔۔۔۔ " اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لیئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے "

دونوں مترجمین نے " لِنَعْلَمَ " کے لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے " معلوم کریں " اور " ہم کو معلوم ہو جائے " اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظی ترجمہ اپنی جگہ درست ہے مگر اس سے یہ عجیب تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ایک چیز خدائے علیم وخبیر کو معلوم نہ تھی اور اس آزمائش میں ڈال کر وہ اسے معلوم کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ " معلوم ہو جائے " کی نسبت خدا سے کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے منشاء اور انداز بیان کی تفہیم کے لیئے لفظی ترجمے کے بجائے کہیں کہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اب دیکھئے کہ امام احمد رضا مترجم کے اس اہم فرض سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا نے متذکرہ آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

" اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے "

آیت نمبر ۴ :۔۔۔۔۔۔۔ " إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ " (پارہ ۲ رکوع ۵)

آیہ زیر نظر میں " أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ " کے الفاظ برصغیر پاک وہند کے دو مکاتیب فکر (بریلی اور دیوبند) کے درمیان مابہ النزاع بن کر رہ گئے ہیں اس سے دیوبندی مکتبۂ فکر یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ جس جانور کو بھی غیر اللہ کے نام سے منسوب کر دیا جائے پھر چاہے ذبح کے وقت اس پہ اللہ کا نام بھی پڑھا جائے وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

یہ مکتبۂ فکر اس معاملہ میں انتہائی متشدّد ہوگیا ہے۔ بریلوی مکتبہ فکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آیت صرف اسی مذبوحہ جانور کو حرام کہتی ہے جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اصل میں سارا نزاع لفظ "اُھِلَّ" سے پیدا ہوا۔ بریلوی حضرات کے نزدیک اھلال کے معنی ہیں "رفع الصوت عند الذبح" جب کہ دیوبندی حضرات اسے مطلق منسوب کرنے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ نزاع مولانا اشرف علی تھانوی کی جدّت سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے آیت زیرِ نظر کا ترجمہ یوں کیا ہے :-

"اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔"

اس "اھلال" کے لئے صاف نامزد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لغت جس کی تائید نہیں کر سکتی۔ مولانا تھانوی کے بعد ان کے گروہِ فکر کے تمام مترجمین حتیٰ کہ مولانا عبدالماجد دریا بادی بھی "اھلال" کے لئے یہی نامزد کا لفظ ایسے استعمال کرتے ہیں جیسے یہ لغت کا مستند ترجمہ ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ دیکھا آپ جانتے ہیں کہ قرآن کا دوسری زبانوں میں ترجمہ پیش کرنے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے آپ بھی زیرِ بحث آیت میں ان کا ترجمہ دیکھئے اور پھر خود ہی اندازہ کیجئے کہ ان کے اور مولانا تھانوی کے تراجم میں کتنا واضح اختلاف ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

"جز ایں نیست کہ حرام کردہ است برشما مردار را و خون را و گوشت خوک را و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا"۔
آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے "اھلال" کا ترجمہ نامزد وغیرہ نہیں کیا بلکہ صاف الفاظ میں "آواز بلند کردہ شود در ذبح وے" لکھا ہے اور یہ ترجمہ بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے پیش کیا ہے ان کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیجئے :-

"اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔"

آیت نمبر ۵ : وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (پارہ ۳ - رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود حسن :- "اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔"
مکر کے لغوی معنی خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں مگر اردو میں یہ لفظ دھوکہ اور فریب جیسی متبذل صفات کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سوچئے کہ خدا کی ذات سے "مکر" اور "داؤ" جیسے الفاظ کا استعمال کس قدر سوءِ ادبی کا متحمل ہے۔ اب ذرا اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔"

آیت نمبر ۶ :- وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (پارہ ۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود حسن :- "اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔"

ترجمہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے خدا کو پہلے کسی بات کا علم نہیں تھا اور یہ چیز خدا کے عالم الغیب ہونے کے سراسر منافی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا نے ایسا اندازِ بیان اختیار کیا ہے کہ کسی ذہن میں کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ امام احمد رضا مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :-

"اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔"

آیت نمبر ۷ :________ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ج (پارہ ۵ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود حسن :________ "البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا"

"دغا" کا لفظ کس قدر رکیک لفظ ہے ؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذاتِ اقدس و اعظم سے منسوب کیا جائے تو اعدائے دین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے ۔ امام احمد رضا نے کس احتیاط سے یہاں ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے :۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا"

آیت نمبر ۸ :________ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ج فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پارہ ۹ رکوع ۲)

ترجمہ مولانا محمود الحسن ________ کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے"

اس آیت کے ترجمہ میں بھی مکر کو داؤ سے تعبیر کیا گیا ہے جو نہ صرف اس کے لغوی مفہوم کے خلاف ہے ۔ بلکہ اس سے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں ۔ امام احمد رضا کا محتاط اور متکلمانہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے ۔

"کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے"

آیت نمبر ۹ :________ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝ (پارہ ۹ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود حسن :________ "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"

مولانا محمود حسن نے یہاں بھی "مکر" کو "داؤ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے مگر امام احمد رضا نے صحیح لغوی مفہوم کو ترجمہ میں شامل کر کے سارے شکوک وشبہات دور کر دیئے ۔ امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر"

آیت نمبر ۱۰ :________ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ ط (پارہ ۱۰ رکوع ۱۵)

ترجمہ مولانا محمود حسن :________ "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :________ "انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا ۔ پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا"

"نسی" کے معنی بالارادہ اور بے ارادہ بھول جانے کے بھی ہیں اور نظر انداز کرنے چھوڑ دینے کے بھی ۔ مترجم کا بھی فرض ہے کہ وہ ترجمہ کرتے ہوئے خدا کی شان اور عظمت کو ضرور پیش نظر رکھے ۔ مولانا محمود حسن ________ نے "بھول جانے" کے الفاظ خدا سے منسوب کئے ہیں ۔ جن سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے اس کے برعکس امام احمد رضا کا ترجمہ زیادہ واضح ہے انہوں نے لغت سے ایسا مفہوم لیا ہے جو شان خداوندی کے خلاف نہیں ۔

امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :۔ "وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا"

آیت نمبر ۱۱ ________ قُلِ اللّٰہُ اَسْرَعُ مَکْرًا ط (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

ترجمہ مولانا محمود حسن :________ "کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے"

آیت زیر نظر میں مولانا محمود حسن نے مکر کے معنی "حیلہ" کئے ہیں ۔ جس کی خدا سے نسبت کسی طرح جائز نہیں ۔ ان کے برعکس امام احمد رضا نے صحیح لغوی مفہوم استعمال کیا ہے اور معترض ذہنوں کے اشکالات رفع کر دیئے ہیں ۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"تم فرمادو، اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے"۔

آیت نمبر ۱۲ ـــــــ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا (پارہ ۱۲ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــــ اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا"۔

ترجمہ مولانا محمود حسن: ـــــــ "اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا"۔

زیرِ نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے ایک تو تھانوی صاحب کا ترجمہ ترجمہ نہیں، ترجمانی کا رنگ اختیار کر گیا ہے دوسرے تھانوی صاحب اور محمود حسن صاحب کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پر آمادہ تھی معاذ اللہ یوسف علیہ السلام بھی آمادہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ اجماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی صریح مخالفت ہے ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے "هَمَّ بِهَا" کے بعد آنے والے "لَوْ" کے حرف شرط کو منقطع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ متصل ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرفِ شرط کو متصل کر کے عصمتِ انبیاء کے اجماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی ہے۔ ترجمہ لفظی بھی ہے اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا مگر دشمنانِ اسلام کو اعتراض کا موقعہ بھی نہیں ملا۔

امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا"۔

آیت نمبر ۱۳: ـــــــ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۚ (پارہ ۱۳ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ـــــــ "یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو"۔

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــــ "ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی"۔

"کید" کا لفظ عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے داؤ اور فریب کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے مگر جب اس کی نسبت خدائے قدوس کی طرف ہو تو اس کا ترجمہ داؤ یا فریب کرنا سراسر توہین باری تعالیٰ ہے۔ اب دیکھئے کہ اوّل الذکر ترجمہ سے کتنے دریدہ دہنوں کو قرآن کریم پر زبانِ اعتراض دراز کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ثانی الذکر ترجمہ ایسا حسین ہے کہ کسی قسم کے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۴: ـــــــ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ○ (پارہ ۱۳ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ـــــــ "لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے"۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــــ وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں"۔

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــــ "بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں"۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جب کہتے ہیں کہ انہیں پیراہن یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو جواب میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کے سلسلۂ کلام سے پوری صراحت ہو جاتی ہے کہ "قَالُوْا" کا اشارہ ان کے بیٹوں کی طرف ہے اور یہ الفاظ ان کے بیٹوں نے ہی کہے تھے۔ سیاق میں کہیں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ اس وقت بیٹوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے لیکن مولانا محمود حسن نے نہ معلوم کس خیال کے تحت اس قول کو دوسرے لوگوں سے

منسوب کر دیا۔ ان کی اتباع میں تھانوی صاحب نے بھی "وہ (پاس والے) کہنے لگے لکھ کر اس قول کو بیٹوں کے بجائے دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا (پاس والے) کا اضافہ معلوم نہیں کیوں ضروری سمجھا گیا ان حضرات کے برعکس امام احمد رضا نے قرآن کے سیاق و سباق کے عین مطابق "قَالُوا" کا ترجمہ "بیٹے بولے" کیا ہے۔

علاوہ ازیں آیت زیر نظر میں "ضَلٰلِكَ" کا لفظ آیا ہے جس کے ترجمہ میں واضح اختلاف ہے۔ مولانا محمود حسن نے اس کا ترجمہ "غلطی" کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے "غلط خیال" لکھ دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ "ضلالت" کو "غلطی" کے معنوں میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے "گمراہی" کی بجائے "غلطی" کا لفظ محض اس لیئے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کی شان کے شایان نہیں مگر ترجمہ کے لیئے لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے ان کے مقابلہ میں امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے انہوں نے اس کا ترجمہ "خود رفتگی" کیا ہے۔ لفظ "خود رفتگی" ایک طرف تو ادبی محاسن کا مرقع ہے۔ دوسری طرف اس سے محبت و شیفتگی کے تمام جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے اور بیٹے یہ لفظ اگر یعقوب علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو نازیبا بھی نہیں پھر لغت بھی اس کی مکمل تائید کرتی ہے خود قرآن حکیم میں اس کی نظیر موجود ہے۔ خدائے قدوس نے حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اس آیت میں حضور کو "ضَآلًّا" کہا گیا ہے جو حضرات آیت موضوع بحث میں "ضلالت" کے معنی غلطی کرتے ہیں۔ اس طرح اس جگہ بھی ان کے یہاں اسی قسم کا ترجمہ ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ نبی معصوم کے حق میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال کتنی بڑی سوء ادبی ہے مگر اس چیز کی پروا کئے بغیر مولانا محمود حسن نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے:۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"۔

گویا معاذ اللہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے حالانکہ یہ بات امت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ امام احمد رضا نے یہاں بھی وہی ترجمہ کیا ہے جو شانِ نبوت کے شایان ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"۔

چونکہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں "ضلالت" کی نسبت انبیاء کی طرف تھی اس لیئے آپ نے اس کا ترجمہ خود رفتگی کیا ہے جو محبت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے۔ اس آیت (وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى) سے متعلق مستقل بحث اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۱۵ :۔۔۔۔۔ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَا۟يْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (پارہ ۱۳ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی :۔۔۔۔۔ "یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی"۔

ترجمہ مولانا محمود حسن :۔۔۔۔۔ "یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا"۔

زیر نظر تراجم پر نظر ڈالیئے سب سے پہلے جو چیز ابھر کر سامنے آتی ہے وہ "اِذَا اسْتَا۟يْــَٔسَ الرُّسُلُ" کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہو گئے حالانکہ انبیاء کرام کا تائید خداوندی سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پورا یقین ہوتا ہے اور یہ یقین ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کوئی قوت اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ مولانا محمود حسن نے "مایوس ہو گئے" کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کے لیئے "ناامید ہونے

لگے" لکھا ہے گویا نا امیدی کا صدور تو نہ ہوا لیکن نا امید ہونے والے ضرور تھے اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان بڑا واضح ہے۔

"اب ذرا امام احمد رضا خاں کے ترجمہ کو دیکھئے انہوں نے لکھا ہے :-

"یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا"

ترجمہ کتنا قریب حقیقت ہے۔ عربیت بھی برقرار رہی اور منشائے خداوندی کا بھی اظہار ہو گیا کہ اس کی تائید ایسے وقت نمودار ہو جاتی ہے جب ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ مولانا تھانوی اور مولانا محمود حسن کے تراجم سے اعدائے اسلام کو یہ پیچ نکالنے کا موقع ملتا ہے کہ جب انبیاء کو بھی تائید خداوندی پر یقین نہیں تھا تو عام مسلمان کیسے اس پر یقین رکھ سکتے ہیں لیکن امام احمد رضا کے ترجمہ نے یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔

اس آیت کے ترجمہ میں دوسری قابل غور بات "ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا" کا ترجمہ ہے۔ مولانا محمود حسن اور مولانا تھانوی کے تراجم سے صاف عیاں ہے کہ انبیاء مایوسی کے عالم میں یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے خدا نے تائید و نصرت کے جو وعدے فرمائے تھے۔ وہ معاذ اللہ سب جھوٹے تھے۔ اور یہ چیزیں شانِ نبوت کے صریحًا خلاف ہیں۔ انبیاء کو اگر وعدۂ خداوندی کی صداقت پر یقین نہیں تھا تو پھر اور کسے ہوگا۔ یہاں بھی امام احمد رضا کا ترجمہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے "ظَنُّوْٓا" کی ضمیر جمع غائب کا مرجع انبیاء کو نہیں بلکہ "لوگوں" کو ٹھہرایا ہے۔ اس طرح ہر قسم کے اشکالات ترجمہ میں ہی رفع ہو گئے۔

آیت نمبر ۱۶ : ______ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ط (پارہ ۱۳۔ رکوع ۱۲)

ترجمہ مولانا محمود حسن : ______ "اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب"۔

اس آیت میں مکر کو فریب کے معنی میں لے کر "سارا فریب" خدا کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ اس طرح عام لوگ یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ العیاذ باللہ سب سے بڑا فریب کار خود خدائے قدوس ہے لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ہر شبہ کا مسکت جواب ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

"اور ان سے اگلے فریب کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک تو اللہ ہی ہے"۔

آیت نمبر ۱۷ : ______ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (پارہ ۱۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود حسن : ______ "بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے"۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ______ "لوط نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کہنا) کرو"۔

ترجمہ امام احمد رضا : ______ "کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے"۔

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کفار اپنے شوق لواطت میں ان کے پیچھے دوڑے آتے ہیں اور ان کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو حضرت لوط علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝" اب ذرا اس آیت مقدسہ کے ان تراجم پر غور کیجئے۔ پہلے دونوں تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لئے اپنی بیٹیاں پیش کر دی تھیں حالانکہ

یہ بات ایک اولوالعزم پیغمبر تو کجا کسی بھی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ مہمانوں کو بچانے کے لیئے جان تو قربان کردی جا سکتی ہے لیکن عزت اور عزت کی قربانی گوارا نہیں کی جاسکتی۔ ان تراجم کے برعکس ذرا امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے آپ نے کس حسن ادا سے تمام اعتراضات صرف ترجمہ میں ہی ختم کر دیئے ہیں۔ قوم کا سردار قوم کے تمام افراد کا باپ ہوتا ہے۔ اس طرح انہیں شرم دلانے کے لیئے یہ فرما رہے ہیں کہ تمہاری اپنی بیویاں موجود ہیں جو جنسی خواہش کی تسکین کا جائز ذریعہ ہیں۔ ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر کلام میں انتہائی زور پیدا کیا گیا تھا لیکن مترجمین نے نزاکت الفاظ اور بلاغت بیان کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا ترجمہ کیا کہ خود دامن نبوت پر اعتراضات کے چھینٹے پڑ گئے۔

آیت نمبر ۱۸: ـــــــ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (پارہ ۱۶ رکوع ۱۶)

ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: ـــــــ "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے"۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں منسوب ہوگئی ہیں (۱) نافرمانی (۲) گمراہی۔ اور یہ دونوں افعال عصمت انبیاء کے نقیض ہیں۔ اس کے مقابلہ میں امام احمد رضا نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے بغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمتِ انبیاء پر بھی حرف نہیں آنے دیا۔ امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھیئے:۔

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی"۔

آیت نمبر ۱۹: ـــــــ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ـــــــ "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو"۔

اس آیت میں مولانا محمود حسن نے "نہ پکڑ سکیں گے اس کو" کے جو الفاظ لکھ دیئے ہیں اُن سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ غالباً یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر قابو نہ پا سکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے متعلق تو کجا کسی عام مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز اور درماندہ خیال کرے مگر امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام) نے کہ ہم اِس پر تنگی نہ کریں گے"۔

امام احمد رضا کے الفاظ دیکھئے "ہم اِس پر تنگی نہ کریں گے"، کتنے حسین الفاظ میں حقیقی مفہوم ادا کیا ہے ایک محب اپنی محبت کے زعم میں یقیناً یہ خیال کر سکتا ہے کہ محبوب ازل اسے کسی تنگی میں مبتلا نہیں کرے گا۔ پھر یہ خیال کیجئے کہ امام احمد رضا نے اپنی زبان قرآن کے منہ میں رکھ کر یہ ترجمہ کر دیا ہے کہ خود قرآن ان کے ترجمہ کی صحت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج (پارہ ۲۰ رکوع ۱۱)

"اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے"۔

آیت نمبر ۲۰ ـــــــ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ (پارہ ۱۹ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــــ موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی تھی"۔

"ضلالت" کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی ہیں۔ آیت زیر نظر میں "ضالّین" کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے "بڑی غلطی" کا مفہوم دے دیا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی عصمت

پر حرف آگیا۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھیئے :۔

"موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔"

آیت نمبر ۲۱: ـــــ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا (پارہ ۱۹ رکوع ۱۹)

ترجمہ مولانا محمود حسن :ـــــ "اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب۔"

آیت زیر نظر میں بھی مولانا محمود حسن نے "مکر" کو فریب کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور پھر اسے اللہ کی ذات سے نسبت دی ہے ان کے مقابلہ میں امام احمد رضا نے مکر کو خفیہ تدبیر کے معنوں میں لے کر خدا کی تنزیہہ کو برقرار رکھا۔ امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی۔"

آیت نمبر ۲۲ :ـــــ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط (پارہ ۲۶ - رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود حسن :ـــــ "اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیئے۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :ـــــ "اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیئے بھی۔"

مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کیئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خطا کار بنا ڈالا۔ ذرا غور کیجئے ان غیر محتاط تراجم کے مطالعہ سے ایک عام مسلمان یا ایک غیر مسلم کیا تاثر لے سکتا ہے یہی کہ معاذ اللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بھی خطاؤں سے پاک نہ تھا۔ کیا یہ تراجم دشمنان اسلام کے ہاتھ میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار تھما دینے کے موجب نہیں ہوں گے۔ کیا ان تراجم سے عصمتِ انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ ان تراجم کے مقابلہ میں امام احمد رضا کا ترجمہ ایمان و عرفان اور علم و تحقیق کا ایک حسین مرقع ہے۔ انہوں نے خدائے قدوس کے کلام پاک کے شایانِ شان ترجمہ کر کے حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت اور عظمت مصطفویت کو کتنے عمدہ پیرایہ میں اجاگر کیا ہے اور کسی طویل تفسیر کے بغیر ترجمہ میں ہی ساری بات واضح کر دی ہے کہ "مومنین و مومنات" سے عام مسلمان مرد و زن مراد ہیں اور "ذَنْۢبِكَ" میں امت مسلمہ کے خواص کی طرف اشارہ ہے۔ جن کے لیئے حضور کو شفاعت و مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں معاذ اللہ حضور کی خطاؤں کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کی ذات معصوم اور پاک ہے جن کی زبان وحی ترجمان اور جن کا سینہ الم نشرح کا گنجینہ ہو جو شفیع المذنبین ہوں جن کے معاملہ کو خدا اپنا معاملہ اور جن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمائے ان کے متعلق گناہ و خطا کی نسبت کا تصور بھی گناہ اور خطا ہے :۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

ـــ اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

"اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔"

آیت نمبر ۲۳ :ـــــ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :ـــــ بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں

معاف فرما دے۔

ترجمہ مولانا محمود حسن :۔۔۔۔۔۔ ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے "۔

یہاں بھی مترجمین نے خطاؤں کو حضورؐ کی ذات سے منسوب کر دیا۔ ان غیر محتاط مترجمین کے تراجم سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضورؐ سے پہلے بھی گناہ سرزد ہوتے رہے اور بعد میں بھی اور خدا نے اس آیت میں ان کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے لیکن امام احمد رضا کے محتاط قلم نے عصمتِ انبیاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ایمان افروز ترجمہ کیا ہے جو ان کے عدیم المثال فہم قرآن پر دلالت کرتا ہے۔

امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

" بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے "۔

اس آیت کے تفسیری حاشیہ میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی، تفسیر خازن اور تفسیر روح البیان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :۔

" یعنی تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے "۔

آیت نمبر ۲۴ :۔۔۔۔۔۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾ (پارہ ۲۷ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود حسن :۔۔۔۔۔ " قسم ہے تارے کی جب گرے "۔

مولانا محمود حسن کے ترجمہ میں ستارے گرنے کا بیان ہے جس کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا عام قاری کے لیے ناممکن کی حد تک مشکل ہے۔

نیز اس ترجمہ سے کلامِ خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقام مصطفیٰؐ کی رفعت و عظمت بھی واضح نہیں ہوتی لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند اہلِ ذوق اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ انتہا درجہ کی عقیدت و محبت کا مرقع نظر آتا ہے۔ " نجم " کے مطلب کے ساتھ اِس کی مراد بھی واضح کر دی گئی ہے چونکہ سورہ النجم میں حضورؐ کی سیر آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے۔ اس لیئے (متذکرہ ترجمہ کے مطابق) ذکرِ معراج سے ہی ابتدا کی گئی ہے۔ اس طرح حضورؐ کی جلالت و عظمت نمایاں ہو جاتی ہے جسے ایک عام قاری بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہی تفسیر حضرت امام جعفرؓ سے منقول ہے (کما فی المظہری والمعالم وغیرہما) متذکرہ آیت کا ترجمہ امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح کیا ہے :۔

" اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترے "۔

آیت نمبر ۲۵ :۔۔۔۔۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰)

ترجمہ مولانا محمود حسن :۔۔۔۔۔ " اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو "۔

ترجمہ امام احمد رضا :۔۔۔۔۔ " اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی "۔

یہ آیت حضرت مریم کی عصمت و تقدیس کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ اب دونوں تراجم پر نظر ڈالیئے۔ مولانا محمود حسن

کا ترجمہ بلا شبہ درست لفظی ترجمہ ہے لیکن ہر زبان کا اپنا اپنا انداز و اسلوب بیان ہوتا ہے۔ مترجم کا فرض یہ ہے کہ وہ اصل زبان کا صحیح مفہوم سمجھ کر اسے اس زبان کے اسلوب بیان میں ڈھالے جس میں وہ عبارت کو منتقل کر رہا ہے۔ عربی زبان میں "حصن" کا لفظ محفوظ کرنے، روکنے اور قلعہ کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہ تمام معانی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت کے ہیں۔ امام احمد رضا نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے "فرج" کے لفظی معنی بلاشبہ جائے شہوت ہیں لیکن اردو میں یہ لفظی ترجمہ کچھ زیب نہیں دیتا۔ امام احمد رضا نے جو مرادی ترجمہ کیا ہے اس میں عربی کی اصل روح بھی برقرار ہے اور اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب بھی قائم ہے۔

آیت نمبر ۲۶ ـــــــ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ ـ (پارہ ۳۰۔ سورۃ الضحیٰ)

ترجمہ مولانا محمود حسن : ـــــــ "اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"۔

مولانا محمود حسن کے ترجمہ میں لفظ "بھٹکنا" قابل غور ہے۔ اردو زبان کی سب سے بڑی لغت "جامع اللغات" میں اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں۔ "گمراہ ہونا"۔ "آوارہ پھرنا"۔ ایک طرف خدا کا ارشاد ہے۔ "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى" (پارہ ۲۷ رکوع ۵)۔ "تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے"۔ پھر ان کے متعلق یہ فرمانا کہ "ہم نے تجھے بھٹکتا پایا"۔ مترجم نے ایک لفظی معنی کے پیچھے پڑ کر یہ نہ سوچا کہ ان کے قلم سے کس عظیم القدر ہستی کا دامنِ عصمت چاک ہو رہا ہے۔ ایک لفظ کے ہر جگہ ایک ہی معنی نہیں ہوتے۔ اس آیت میں "ضال" کے معنی بے پناہ محبت کرنے اور محبت میں محو یا خود رفتہ ہونے کے ہیں۔ قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے متعلق جو "ضال" کا لفظ آیا ہے "اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ" (پارہ ۱۳ رکوع ۵) اس کا بھی دراصل یہی مفہوم ہے کہ آپ بڑے عرصہ سے یوسف علیہ السلام کی محبت میں برگشتہ اور خود رفتہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضاؒ نے آیت زیر بحث کے ترجمہ میں اپنی بے مثال لغت دانی اور حب رسول ﷺ کا عظیم ترین ثبوت دیا ہے۔

امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"۔

کنز الایمان کے ادبی کمالات

پچھلے صفحات میں انتہائی اختصار سے تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں چند آیات کے تراجم بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا کا ترجمہ علمی، لغوی اور اعتقادی لحاظ سے باقی تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔ اب ذرا امام احمد رضا کے ترجمہ کے ادبی کمالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور یہ ذہن میں رکھیئے کہ جن حضرات کے تراجم تقابل کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ امام احمد رضا نے ان سے بہت پہلے یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج ہے مگر انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کر رہا ہے۔

بخوف طوالت صرف چند آیات کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ امام احمد رضا کے ترجمہ میں کتنے ادبی اوصاف موجود ہیں اور انہوں نے اپنے کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے کتنا پاکیزہ ترجمۂ قرآن اردو کے حوالے کر کے اس کے احساس تہی مائیگی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح مشہور صوفی شاعر اور عارف باللہ جناب خواجہ میر دردؔ دہلوی علیہ الرحمۃ کی درج ذیل پیش گوئی کا صحیح مصداق ثابت ہوئے ہیں۔

"اے اردو گھبرانا نہیں تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے۔ خوب پھلے پھولے گی تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ (ایسا) آئے گا کہ قرآن و حدیث تیری آغوش میں آکر آرام کریں گے۔"

(میخانۂ درد صفحہ ۱۵۳ مولفہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی)

تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں ذیل میں چند آیات کے ترجمے ملاحظہ فرمائیے۔

آیت نمبر۱: ——— وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (پارہ ۱ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ——— "اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔"

ترجمہ امام احمد رضا ——— "ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں۔"

آیت نمبر۲: ——— يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ط (پارہ ۱۲۔ رکوع ۱۱)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔"

آیت نمبر۳: ——— سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (پارہ ۱۸ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کئے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں۔"

آیت نمبر۴: ——— وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ (پارہ ۱۹ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا۔"

آیت نمبر۵: ——— فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝ (پارہ ۱۹ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیڑ۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "تو اب ہوگا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا۔"

آیت نمبر۶: ——— وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ——— "اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے تھے۔"

ترجمہ امام احمد رضا ——— "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو۔"

آیت نمبر۷: ——— إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ (پارہ ۲۹ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا حریص۔"

آیت نمبر۸: ——— وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود حسن: ——— "اور گھن کے باغ۔"

ترجمہ امام احمد رضا : ——— "اور گھنے باغیچے"

آیت نمبر ۹ : ——— وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود حسن : ——— "اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے"

ترجمہ امام احمد رضا : ——— "اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں"

آیت نمبر ۱۰ : ——— فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۲۳)

ترجمہ مولانا محمود حسن : ——— "اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط"

ترجمہ امام احمد رضا : ——— "ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں"

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا ہے یہ ایک وسیع موضوع ہے جس پر تفصیلی بحث کسی آئندہ فرصت میں ہو سکتی ہے۔

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
میرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

بہر حال ان چند مثالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے امام احمد رضا کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علماء میں ہوتا ہے جن کی قامت پر "رسوخ فی العلم" کی قبا راست آتی ہے قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا۔ اسی مسلسل تدبر و تفکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآن پاک سے خاص مناسبت ہو گئی۔

ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے۔ جس کی چند جھلکیاں پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"قرآن پر ظلم" نامی کتاب کے مقدمہ میں اس مختصر سی تمہید کے بعد کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سکون و راحت اور آخرت میں نجات و مغفرت حاصل کرنے کا ذریعہ اس دین کی پیروی ہے جسے اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا قاسمی صاحب یوں شعلہ افشانی کرتے ہیں "اس کے ساتھ یہ ایک تکلیف دہ اور افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہر زمانے میں اپنے کو مسلمان کہنے والوں میں ایسے گمراہ لوگ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو زبان سے کتاب و سنت کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنی طرف سے کچھ عقیدے اور احکام نکال لیتے ہیں پھر انہیں ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی غلط تفسیر اور حدیثوں کی مہمل تاویل کرتے ہیں ایسے ہی گمراہ لوگوں میں نام نہاد بریلوی مکتب فکر کے لوگ ہیں" الخ فاقول آپ نے دوسروں کو تو دل کھول کر گمراہ کہا قرآن و حدیث کی غلط تفسیر و مہمل تاویل کر کے اپنی طرف سے عقیدے اور احکام نکالنے کا الزام دیا قطع نظر اس کے کہ یہ الزام ہرگز صحیح نہیں یہاں آپ سے آپ ہی کے امام کی عبارتیں پیش کر کے پوچھنا یہ ہے کہ کیا آپ اور آپ کے امام الطائفہ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتے۔ اب ہم وہ عبارتیں ذکر کرتے ہیں جن سے بعونہ تعالیٰ یہ ثابت ہو کہ یہ الزام انہیں پر عاید ہیں اور بزدلانہ زبان انہوں نے ہمارے اوپر تھوپے ہیں۔ امام الطائفہ اپنی کتاب "تقویت الایمان" میں رقمطراز ہیں:۔

"جس کا نام محمد یا علی ہے کسی چیز کا مختار نہیں" ص ۲۷ نیز کہتے ہیں "اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی" ص ۱۲ اور اسے آیت سے ثابت بتایا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ امام الطائفہ کا یہ دعویٰ اس آیت مذکورہ سے کس طرح ثابت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فالمدبرات امرا یعنی قسم ان کی جو کاموں کی تدبیر کریں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس جگہ قسم سے مراد ملئکہ ہیں اور علامہ بیضاوی نے بطور احتمال فرمایا کہ اس قسم سے مراد کاملین کی روحیں ہیں جو شدت کے ساتھ جسموں سے جدا ہوتی ہیں اور جلد عالم ملکوت میں پہنچتی اور حظائر قدس کی طرف بڑھ کر تدبیر امور کرتی ہیں۔ ان کی عبارت زیر آیت کریمہ "والنازعات" یہ ہے۔ او صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع عن الابدان غرقا ای نزعا شدیدا من اغراق النازع فی القوس فتنشط الی عالم الملکوت وتسبح فیه فتسبق الی حظائر القدس فتصیر بشرفها وقوتها من المدبرات اھ ملتقطا۔ اقول دونوں توجیہوں پر خواہ ملئکہ مراد ہوں خواہ ارواح کاملین، تصرف غیر اللہ ثابت اور امام الطائفہ کا دعویٰ باطل و للہ الحمد نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایت فرماتا ہے کہ انہوں نے فرمایا انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله ج وابرئ الاکمه والابرص واحی الموتی باذن الله الآیة ـــــــــــــــ یعنی میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے۔ اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اب بتاؤ غلط تفسیر کا الزام کس کے سر ہے۔ امام الطائفہ کے اس قول سے ان آیات و احادیث کی جن میں انبیاء و اولیاء کے تصرف کی تصریح ہے تعطیل لازم آتی ہے کہ نہیں۔ قرآن و سنت کا نام لیں اور قرآن و سنت کو

جھٹلائیں۔ سچ کہا زبان سے کتاب و سنت کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں" اگر کسی کے لئے تصرف کی قدرت ثابت کرنا شرک ہے جیسا کہ اس کی مذکورہ عبارتوں کا مفاد ہے کما لا یخفی بلکہ خود اس نے تصریح کی ہے۔ کہ جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلے کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے۔ تو بتائیے ان ائمہ اعلام اساطین دین و فقہاء و محدثین کے لئے کیا حکم ہوگا جو تصرف ثابت کر گئے اگر وہ مشرک ہیں (تمہارے زعم پر) تو مشرک کی خبر دیانات میں نامعتبر تو قرآن و سنت (جو دین کی اصل ہیں اور ہمیں انہیں سے پہنچے ہیں) کا اعتبار کیوں کر ہوگا اور جب یہ نامعتبر ٹھہرے تو دین کس چیز کا نام رہ گیا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ جانے دو اپنے مستند ابن تیمیہ کو کیا کہو گے جو یہ تصریح کر گئے ولان الامة لا یصلون، مابینهم وبین ربهم الا بواسطة الرسول لیس لاحد طریق غیره ولا سبب سواه وقد اقامه الله مقام نفسه فی امره ونهیه واخباره وبیانه فلا یجوز ان یفرق بین الله ورسوله فی شئ من هذه الامور (الصارم المسلول)

کتنا عظیم تصرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا کہ ساری امت کا واسطۂ عظمیٰ خدا کے دربار میں انہیں قرار دیا بلکہ خدا کے امر و نہی و خبر و بیان میں خدا کا نائب ٹھہرایا۔ لو لو کتنا بڑا شرک اس نے کیا۔ رہا حدیثوں کی مہمل تاویل کا الزام تو سنو۔ امام الوہابیہ نے شفاعت کی تین قسمیں کہیں اور تیسری کو جائز مانا کہتا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا سو اس پر شرمندہ ہے آگے کہتا ہے" سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگذر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے" آگے لکھا" سو اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں" (ص ۲۸ وص ۲۹) اقول۔ اس کے زعم پر اس قسم کی شفاعت کیوں کر ہو سکتی ہے۔ وہ تو کہہ چکا" سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے" ص ملتقطاً ثانیاً اس کا یہ کہنا" اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے" الخ اپنے منہ آپ قرآن و سنت کو جھٹلانے کا اقرار ہے کہ نہیں؟ سچ ہے" اپنی طرف سے عقیدے و احکام نکال لیتے ہیں" الخ شفاعت بالوجاہت کے معنی اپنی طرف سے گڑھ کر اس کا انکار کرتے اور بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتے ہوئے خود کہا" اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے کسی کام کے لئے کچھ سامان اور اسباب جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں" للہ انصاف:۔ تو یہاں کیوں سبب کی حاجت ہو گئی مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اللہ کی قدر ہی نہ جانی۔ امام الطائفۃ الوہابیہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ جس نے چوری کو اپنا پیشہ بنا لیا اللہ اس سے درگذر نہ فرمائیگا تو نصوص شفاعت کی طرح نصوص عفو و درگذر بھی مخصوص ہو گئیں یہ تخصیص بھی اسمٰعیلی وحی باطنی میں اتری ہے یا اس پر کوئی دلیل ہے؟ جب گناہ کے پیشہ وروں سے درگذر نہیں تو لاجرم وہ بھی مثل شفاعت اس کے زعم اسی کے لئے ہوا جس نے گناہ کو اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا تو یہ درگذر دنیا ہی میں ہو گی اس لئے کہ شرمساری گناہ پر توبہ ہے اور توبہ دنیا ہی میں ہو گی کما لا یخفی، احادیث شاہد ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑے بڑے گنہ گاروں کو برزخ میں نوازتی ہے اور قیامت میں بھی وہ غفور و رحیم جسے چاہے طفیل نبی رحیم و کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ شرح الصدور میں وہ احادیث بکثرت ہیں ہم ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ ذکر کریں اخرج الطبرانی فی الکبیر والحکیم الترمذی فی نوادر الاصول والاصبهانی فی الترغیب عن عبد الرحمن بن سمرة قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم قال انی رأیت البارحة عجبا رأیت رجلا من امتی جاءه ملك الموت یقبض روحه فجاءه بره لوالدیه فرده عنه ورأیت رجلا من امتی بسط علیه عذاب القبر فجاءه وضوءه۔ فاستنقذه من ذالك ورأیت رجلا من امتی قد احتوشته ملائكة العذاب فجاءته صلاته فاستنقذته من ایدیهم ورأیت رجلا من

امتی یلہث عطشا کلما ورد حوضا منع منہ فجاءہ صیامہ فسقاہ وأرواہ ورأیت رجلا من امتی یتقی وہج النار وشررہا بیدہ عن وجہہ فجاءتہ صدقتہ فصارت ستراً علی وجہہ وظلاً علی رأسہ ورأیت رجلاً من امتی قد ہوت بہ صحیفتہ من قبل شمالہ فجاءہ خوف من اللہ فأخذ صحیفتہ فجعلہا فی یمینہ ورأیت رجلاً من امتی قائماً علی شفیر جہنم فجاءہ وجلہ من اللہ فاستنقذہ من ذلک ومضی ورأیت رجلاً من امتی علی الصراط یزحف احیاناً ویحبو احیاناً فجاءتہ صلاتہ علی فأخذت بیدہ فأقامتہ ومضی علی الصراط ورأیت رجلاً من امتی انتہی الی ابواب الجنۃ فغلقت الابواب دونہ فجاءتہ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ ففتحت لہ الابواب وادخلتہ الجنۃ الخ ملخصاً

یعنی طبرانی کبیر اور حکیم ترمذی نوادر الاصول میں اور اصبہانی ترغیب میں عبدالرحمٰن بن سمرہ سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور فرمایا آج رات میں نے عجیب منظر دیکھا میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح کھینچنے کو آیا ہے تو اس کے والدین کے ساتھ اس کے حسن سلوک نے اسے رد کر دیا (یعنی علم الٰہی میں اس کی موت معلق تھی صحف ملائکہ میں معلق نہ تھی) اور میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جس پر عذاب قبر بچھا دیا گیا تو اس کے وضو نے آکر اسے بچالیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ پیاس سے ہانپ رہا ہے جب کسی حوض پر جاتا ہے روکا جاتا ہے تو اس کا روزہ آیا اور اسے اس نے سیراب کیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ آگ کی گرمی اور لپیٹ کو اپنے چہرے سے ہاتھ کے ذریعہ بچانا چاہتا ہے تو اس کا صدقہ آیا جو اس کے چہرے کی آڑ اور سر کا سایہ بن گیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے نامہ اعمال نے اسے بائیں جانب گرا دیا ہے تو اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اپنے نامہ اعمال کو دائیں ہاتھ میں لے لیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے تو اس کے پاس اس کا اللہ سے لرزنا آیا جس نے اسے بچالیا اور میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی گھٹنوں کے بل اور کبھی کولھوں کے بل چل رہا ہے تو اس کا میرے اوپر بھیجا ہوا درود آیا جس نے اس کی دستگیری کی اور اسے کھڑا کر دیا تو وہ پل پر گذر گیا اور میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ جنت کے دروازوں پر پہنچا ہے تو دروازے اس پر بند ہو گئے بس تو کلمہ طیبہ آیا اور اس کے لئے دروازے کھول کر اسے جنت میں لے گیا یہ حدیث ذکر کرکے علامہ سیوطی نے فرمایا۔

قال القرطبی ہذا حدیث عظیم ذکر فیہ اعمالاً خاصۃ تنجی من اہوال خاصۃ یعنی یہ حدیث عظیم ہے جس میں خاص اعمال کا ذکر ہے جو خاص مصیبتوں سے بچاتے ہیں۔ الحمد للہ یہ حدیث برزخ و قیامت میں عفو و درگذر کی جامع ہے ان احادیث کا کیا جواب ہوگا؟ ایک سوال اور پوچھ لوں آگے چل کر خود کہا "وہ خود بڑا غفور و رحیم ہے۔ سب گناہ اپنے ہی فضل سے کھول دیگا اور سب گناہ اپنی ہی رحمت سے بخش دے گا" یہ کھلا اقرار ہے کہ اللہ ہر گنہگار کو بخشنے پر قادر ہے خواہ وہ ہمیشہ کا گنہگار ہو یا نہ ہو تو بھلا یہ گنہگاروں کی تفصیل اور یہ تین صورتیں پھر شفاعت کا تیسری صورت میں حصر یہ سب پاپڑ کیوں بیلے! اپنے منہ پر خود طمانچہ مار لیا کہ دلیل تخصیص کیا تھی وللہ الحمد کفی اللہ المومنین القتال اسی پر بس کروں۔ ورنہ امام الطائفہ کے کلام میں معارضہ و تناقض بہت ہے۔ اور اسی طرح اس کے پیروان امام کے کلام میں۔ ناظر منصف اسی کو دیکھ کر یہ سمجھ لیگا کہ واقعی یہ لوگ اپنی طرف سے کچھ عقیدے اور احکام نکال لیتے ہیں پھر انہیں ثابت کرنے کے لئے قرآن کی غلط تفسیر اور حدیثوں کی مہمل تاویل کرتے ہیں۔ آخر میں عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند کی بھی سنتے چلئے۔ مولینا ارشد القادری صاحب کی کتاب زلزلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مصنف ایک طرف تو حضرت اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان اور بعض اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے یہ دکھلاتے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیا کے حق میں علم غیب اور تصرف وغیرہ کے عقیدے کو علمائے دیوبند نے شرک و بدعت اور خلاف توحید کہا ہے اور دوسری طرف یہ دکھلاتے ہیں کہ خود اپنے بزرگوں کے حق میں یہ سارے عقائد علمائے دیوبند کے یہاں موجود ہیں" آگے لکھا "ہم اگرچہ حلقہ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ ہم دفاع کریں تو کیسے۔ دفاع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا" آگے چل کر کہا "ہم

اپنا دیانتدارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علماء دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام دلیل و شہادت کے ساتھ اس کتاب میں عاید کیا گیا ہے وہ اٹل ہے" عامر عثمانی کا یہ مشورہ بھی ملاحظہ ہو کہ ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاوٰی رشیدیہ اور فتاوٰی امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دیدی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں" الخ آگے چل کر قاسمی رقمطراز ہیں کہ "قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے جنہیں تفسیر لکھنے والے علماء نے بیان فرمایا ہے الخ

بعد میں ان علوم کا ذکر کیا ہے جو قرآن فہمی میں شرط ہیں پھر قرآن مجید سمجھنے کا غلط طریقہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ آدمی میں شرطیں موجود نہ ہوں اور محض ترجمہ کی مدد سے مفسر بن جائے یا ہوں مگر وہ غلط عقیدہ و نظریہ کے لئے شرطوں کی مخالفت کرے ایسے کو تفسیر بالرائے کا مرتکب بنایا ہے اور اس پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کا ذکر کیا ہے

أقول آپ تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے مگر کچھ خبر بھی ہے امام الطائفۃ الوہابیہ کیا کہتا ہے سنئے وہ صاف کہتا ہے کہ "اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے بہت علم نہیں چاہیئے" الخ

الحمد للہ آپ نے اپنے امام کے کلام کو خود ہی رد کر دیا اور اپنے کلام سے اسے ان سب وعیدوں کا مستحق بھی بنا دیا کہ یہ وعید جس طرح تفسیر بالرائے کے مرتکب پر ہے بدرجۂ اولیٰ اس پر بھی ہے جو اسے جائز بتائے۔ ہمیں تو خوشی ہے کہ چاہ کن را چاہ درپیش کی مثل صادق آئی رہا یہ کہ کون سچا ہے آپ یا آپ کا امام اس کا فیصلہ کسی وہابی سے کرائیے۔ رہا آپ کا امام احمد رضا و مولینا نعیم الدین علیہما الرحمۃ والرضوان کے بارے میں یہ کہنا "مگر ان کے ترجمہ کو دیکھ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی اعتقاد و نظریہ کو اصل قرار دیکر ترجمہ کیا ہے اور جو کچھ کمی رہ گئی تھی اسے ان کے معتقد مولوی نعیم الدین مرادآبادی نے حاشیہ چڑھا کر پوری کر دی ہے" صریح افترا و بہتان ہے یہاں بھی آپ نے اپنے الزام کو دوسروں کے سر تھوپا ہے۔ ابھی ابھی خوب مبرہن ہو چکا ہے کہ امام الطائفہ نے اپنے دل سے کیسے کیسے عقائد گڑھے ہیں اور انبیاء اولیاء اور اپنے پیروں کے ساتھ کیسی دو رنگی چلا ہے اور غلط تفسیر و مہمل تاویل کے نمونے بھی گذر چکے ہیں اور آیات و احادیث کی تکذیب کی مثالیں بھی دی جا چکی ہیں۔ آگے چل کر معترض ترجمہ رضویہ و تفسیر نعیمی کی خامی بیان کرنے چلا ہے کہتا ہے کہ اس ترجمہ و تفسیر کی بنیادی خامی یہی ہے کہ مولوی احمد رضا خاں اور مولوی نعیم الدین نے قرآن مجید کے اس ترجمہ و مفہوم کو نظر انداز کر دیا ہے جسے مستند مفسرین لکھتے آئے ہیں" چلئے ابھی کھلا جاتا ہے کہ اس دعوے میں کتنی صداقت ہے۔ اب ہم بعونہ تعالےٰ معترض کے پہلے اعتراض کا جواب دیں جو اس نے شاہداً کا ترجمہ "حاضر و ناظر" کرنے پر کیا ہے فنقول وما للہ التوفیق مناسب ہے کہ پہلے شہادۃ و شاہد وغیرہ کے جو معانی لغت میں بیان ہوتے ذکر کئے جائیں کہ شاہد کی حقیقت آشکارا ہو جائے۔ قاموس میں ہے۔

الشہادۃ خبر قاطع وقد شہد کعلم وکرم وقد لتسکن ہاءہ وشہدہ کسمعہ شہوداً حضرہ فہو شاہد وشہد لزید بکذا أدی ما عندہ من الشہادۃ فہو شاہد واستشہدہ سألہ أن یشہد والشہید وتکسر شینہ الشاہد والأمین فی شہادۃ والذی لا یغیب عن علمہ شئی والقتیل فی سبیل اللہ لأن ملئکۃ الرحمۃ تشہدہ أو لأن اللہ تعالیٰ وملئکتہ شہود لہ بالجنۃ أو لأنہ ممن یستشہد یوم القیامۃ علی الأمم الخالیۃ أو لسقوطہ علی الشاہدۃ أی الارض أو لأنہ حی عند ربہ حاضر أو لأنہ یشہد ملکوت اللہ وملکہ وأشہد بکذا أی أحلف و شاہدہ عاینہ وامرأۃ مشہد حضر زوجہا والتشہد فی الصلاۃ م والشاہد من أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللسان والملک ویوم الجمعۃ والنجم وما یشہد علی جودۃ الفرس من جریہ ومن الأمور السریع وصلاۃ الشاہد صلوۃ المغرب والمشہود یوم القیامۃ أو یوم الجمعۃ أو یوم عرفۃ وشہد اللہ أنہ لا الٰہ الا اللہ أی علم اللہ، او قال

اللہ او کتب اللہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ ای اعلم و ابین و اشھدہ احضرہ الجاریۃ حاضت وادرکت و اُشْہِدَ مجہولًا قتل فی سبیل اللہ کاستشہد والمشہدۃ والمشہدۃ محضر الناس وشہود الناقۃ آثار موضع منتجہا من دم او سلی اھ ملتقطًا من القاموس ناظر دیکھیے شہادت، شہود، شاہد، شہید کے معانی میں حضور غالب ہے۔ ہم ان معانی کو ذیل میں درج کریں شَہِدَ و شہدہ حاضر ہوا۔ شاھد حاضر شہد لزید بکذا زید کے لئے گواہی دی۔ شہادت کے لئے حضور ضروری فقہاء کرام کی عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ تنویر و در مختار کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں شہید، شاہد، شہادت میں امانت والا۔ جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا اسے شہید اس لئے کہتے ہیں کہ ملائکہ رحمت اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں یا اس لئے کہ اللہ اور اس کے فرشتے اس کے لئے جنتی ہونے کے گواہ ہیں یا اس لئے کہ وہ اگلی امتوں پر قیامت کے دن گواہ ہوگا یا اس لئے کہ وہ شاہدہ زمین پر گرتا ہے زمین کو شاہدہ کہا گیا اس لئے کہ وہ قیامت کے دن گواہی دے گی قال تعالیٰ یومئذٍ تحدث اخبارھا اس کے تحت تفسیر عزیزی میں ہے آں روز باوجود شدت زلزلہ و کمال بے تابی و بے قراری سخن گوید زمین از خبرہائے خود یعنی اعمال نبی آدم را اظہار کند و گوید کہ فلاں کس بر من نماز گذارد و روزہ داشت و کارہائے نیک کرد و فلاں کس خون ناحق کرد و زنا بعمل آورد و در ذری نمود الخ یا اس لئے کہ وہ اللہ کی ملکوت و ملک کا مشاہدہ کرتا ہے شاھد عاینہ کسی چیز کا مشاہدہ و معاینہ کرنا امرأۃ مشھد وہ عورت جس کا شوہر حاضر ہو شاھد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام داسی میں تمہیں نزاع ہے نیز فرشتہ یوم جمعہ ستارہ۔ گھوڑے کی جودت کی علامت جسے مجازاً شاہد کہا گیا بجلد ہونے والا کام اسے بھی مجازاً شاہد بمعنی حاضر سے تعبیر کیا گیا گویا وہ جلد ہونے کی وجہ سے حاضر ہی ہے صلوٰۃ الشاھد مغرب کی نماز۔ المشھود جمعہ یا عرفہ یا قیامت کا دن و اشھدہ کسی کو حاضر کرنا۔ اشھدت الجاریۃ لڑکی کا بلوغ کو پہنچنا۔ المشھدۃ لوگوں کے حاضر ہونے کی جگہ۔ دیکھو ان تمام معانی میں حضور ملحوظ ہے اور یہ معانی لغت میں غالب ہیں تو لاجرم شہود کا حقیقی معنی حضور ٹھہرا اس لئے کہ یہی معنی عند الاطلاق متبادر ہوتے ہیں اور تبادر امارات حقیقت سے ہے جیسا کہ فتح القدیر اور رد المختار سے مستفاد ہے اور نسمات الاسحار حاشیہ منار للشامی میں ہے۔ التبادر من امارات الحقیقۃ ملتقطاً لہٰذا کہنے دو کہ شاہداً کا ترجمہ حاضر و ناظر ٹھیک لغوی معنی کے مطابق ہے بلکہ شرعاً بھی یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اسی لئے قرآن عظیم میں جا بجا شہود کے مشتقات بمعنی حضور وارد ہیں فمن شہد (حضر) منکم الشھر الایۃ جو رمضان کو پائے تو اس مہینے کے روزے رکھے ولیشھد عذابھما الایۃ اور زانی مرد و عورت کے کوڑے مارے جانے کو مسلمانوں کی ایک جماعت اگر دیکھے ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی و کنت شھیداً علیھم الایۃ (رقیبا امنعھم مما یقولون) جلالین میں یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان پر نگہبان تھا۔ جب تک ان میں تھا۔ للہ الحمد ان آیات کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ شہود بمعنی حضور حقیقت لغویہ ہی نہیں بلکہ شرعیہ بھی ہے بلکہ پچھلی آیت نے تو خاص شاھداً کا فیصلہ کر دیا کہ جب شھیداً بمعنی نگہبان ٹھہرا اور اس کے لئے حضور ضروری اور وہ اسم فاعل کے معنی میں ہے کما لا یخفی تو شاھداً بھی بمعنی نگہبان و حاضر ہے۔ یہیں سے ظاہر کہ حاضر شاہد کا اسلامی معنی ہے اور عبارات علماء کرام سے عنقریب مزید ظاہر ہو جائے گا اب ذرا یہ بتائیے کہ آپ کا اسے امام احمد رضا کا ذاتی نظریہ قرار دے کر ان پر کھلی خیانت کا الزام لگانا اور اس کے اسلامی معنی ہونے سے انکار کرنا کس درجہ کی بدترین خیانت ہے جسے آپ نے اس کے سر دھرا ہے جس کا دامن بحمدہ ہر خیانت سے پاک ہے یہ تو تمہیں اور تمہارے امام ہی کو مبارک ہو جس نے اپنے گڑھے ہوئے عقاید کے لئے کتنی آیات و احادیث کو جھٹلایا اور اپنے مہا ائن ہونے کا ثبوت دیا۔ آگے آپ یوں گویا ہوئے ہیں "اس ترجمے میں لفظ شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر لکھا ہے جبکہ یہ تمام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے" یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کیا جناب نے تمام تفاسیر دیکھ لی ہیں اگر ایسا ہے تو ڈبل خیانت مبارک ہو کہ جناب نے ان تفسیروں کی عبارتوں کو نظر انداز کر دیا جن سے آپ کا مطلب نہیں نکلتا اور پھر منہ بھر کے یہ جھوٹ بول دیا کہ یہ تمام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے تمام مفسرین تو تمام مفسرین کسی ایک معتمد سنی صحیح العقیدہ مفسر کی تفسیر کے خلاف ثابت کر دکھاؤ اور اگر نہ دکھائیں

تو یہ قرآنی فتوائے مبارک ہو اَلَا لعنۃ اللہ علی الکاذبین پھر یہ امر کس قدر دلچسپ ہے۔ کہ آپ نے اپنے دعوی کے ثبوت میں دو ترجمے ترجمہ شاہ رفیع الدین و ترجمہ شاہ عبد القادر پیش کئے ہیں کیا جناب کے نزدیک ترجمہ و تفسیر کا مفہوم ایک ہی ہے اور اس سے زیادہ پرلطف آپ کا یہ کہنا کہ "شاہ صاحب نے بھی شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر نہیں کیا ہے بلکہ گواہ کے مرادف بتانے والا کرکے یہ سمجھایا ہے کہ نبی اکرم اس معنی میں گواہ ہیں کہ آپ سیدھا راستہ بتاتے ہیں" اوّلاً بتانے والا گواہ کے مرادف ہرگز نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بتانے والا عام ہے گواہ و غیر گواہ دونوں کو شامل ہے اور گواہ خاص ہے۔ تو یہاں وحدت یعنی من کل وجہ متحقق نہیں اور مترادفین میں وحدت معنی من کل وجہ کا اعتبار ہے۔ علامہ عبد الحق خیر آبادی علیہ الرحمہ شرح مرقات میں فرماتے ہیں المعتبر فیہما وحدۃ المعنی من کل وجہ فالمتحدان لا من کل وجہ کالناطق والفصیح لیسا مترادفین۔

مگر شاہ صاحب علیہ الرحمہ چونکہ امام الطائفہ کے بزرگوں میں ہیں اس لئے ان کی بات بنانے کے لئے اپنے مبلغ علم کے مطابق کچھ کہنا ضرور تھا ثانیاً بتانے والا گواہ کے مرادف ہے اس پر کسی مستند کی شہادت اگر نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہرگز نہ لاسکو گے تو یہ سنئے چلو کہ تم تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو مستند تفسیروں کی مخالفت کا الزام دیتے تھے اپنے گھر کی تو خبر لو کہ تمہارے زعم پر تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا دامن بھی اس سے داغدار ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ ثالثاً یہ ایک ہی رہی کہ "نبی اکرم اس معنی میں گواہ ہیں کہ آپ سیدھا راستہ بتاتے ہیں" کیوں صاحب گواہ باین معنی کس لغت میں آپ نے دیکھا آیا کسی عالم کا یہ قول ہے یا بات یہ ہے کہ آپ خود ہی چلتی پھرتی لغت ہیں یا بات یہ ہے کہ گواہ میں جناب نے حضور ضروری سمجھا تو اندھیرے میں یہ دور کی سوجھی کہ کسی طرح سرکار کے حاضر ہونے کا انکار ہو جائے مگر یہ تو بتلایئے کہ جس نے راستہ دیکھا ہی نہ ہو وہ کیا راستہ بتائے گا۔ ایمان والے تو یہی سمجھتے ہیں کہ سرکار راہ دیدہ منزل شناس ہیں۔ ہاں کوئی کسی اندھے کے پیچھے ہولے کل حزب بما لدیہم فرحون پھر آپ نے بیضاوی و خازن و ابن کثیر و نسفی کے ارشادات کو ذکر کرکے یوں منہ کھولا ہے "مسلمانو سوچو بلند پایہ مفسرین شاہد کے معنی گواہ لے رہے ہیں دوسری آیتوں سے مطابقت بھی اسی معنی کے مراد لینے میں ہے۔ مگر فاضل بریلوی سب کے خلاف محض اپنے غلط عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر کر رہے ہیں" الخ ھذیانہ۔ اقول۔ یہ سارا واویلا بیکار ہے اوّلاً اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ شاھداً سے " گواہ بلالحاظ معنی دیگر مراد ہے تو تمہیں کیا مفید اور ہمیں کیا مضر۔ اجی گواہ کے لئے بھی تو حضور ضروری۔ فقہاء کرام کے ارشادات دیکھنے کی فرصت نہ ملی ہو تو ہم سے سنو۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے وشرائط التحمل ثلثۃ۔ العقل الکامل وقت التحمل والبصر ومعاینۃ المشہود بہ اسی میں ہے وركنها لفظ اشهد لا غير لتضمنه معنى مشاهدة۔ رد المحتار میں اس کے تحت ہے وھی الاطلاع علی الشیء عیاناً۔ نیز آگے اسی میں ہے ولا یشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الخ

دیکھو یہ عبارتیں تصریح فرما رہی ہیں کہ شہادت میں بینائی اور امر مشہود بہ کو آنکھوں دیکھنا شرط ہے اور صاف بتا رہی ہیں کہ معاینہ مشہود بہ اصل ہے اور اصول سے عدول بے دلیل جائز نہیں۔ اسی لئے اس کا رکن لفظ اشہد ٹھہرا کہ وہ مشاہدہ و معاینہ کو متضمن ہے لاجرم ثابت کہ شاہد و حاضر میں منافات نہیں تو جو شاہد مانے گا وہ ضرور حاضر مانے گا اور تم نہیں مانتے تو بولو کہ شاھداً کے منکر ہوئے کہ نہیں ضرور ہوئے تو پھر کس منہ سے بے گناہوں پر مخالفت کی تہمت دھرتے ہو۔ کیا قرآن کو ماننا اسی کا نام رہ گیا ہے۔ کہ نام کو لفظ بولے جاؤ اور معنی کا انکار کئے جاؤ یہیں سے ثابت ہو گیا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر مفسرین کی مخالفت کا الزام محض بہتان ہے وللہ الحمد۔ ثانیاً تمہاری ہی منقولہ عبارتوں سے ظاہر کہ یہاں شاہداً علی الناس یعنی من بعثت الیہم محض گواہ کے معنی میں نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن و کافر دونوں کے اعمال کے گواہ ہیں تو باعتبار مومنین شاھداً کا صلہ لھم اور باعتبار کفار کے علیھم ہونا چاہیے اور یہاں علی من بعثت الیھم مطلق فرمایا لاجرم یہاں رقیباً کے معنی کی تضمین ماننا پڑے گی کہ سبب کے لحاظ سے شاھداً کا علیٰ کے ذریعہ متعدی ہونا صحیح ہو جائے۔ تمہارے ہی مبلغ علم تفسیر بیضاوی میں ہے۔ و ھذہ الشھادۃ وان کانت لھم لکن لما کان الرسول علیہ السلام کالرقیب المھیمن علیھم عدی بعلی اور تفسیر نسفی میں ہے لما کان الشہید کالرقیب جیء بکلمۃ الاستعلاء کقولہ تعالی کنت انت الرقیب علیھم۔

دیکھو یہ دونوں علماء صاف بتا رہے ہیں کہ اگرچہ شہادت مومنین کے لئے ہے
تو صلہ لام ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر رقیب و نگہبان ہیں اس لئے علیٰ سے متعدی کیا گیا لہذا کہنے دو کہ اسی لئے مفسرین
کرام نے نگہبانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطلقاً علیٰ من یعثت الیھم فرما دیا کا جوم علامہ ابو السعود نے اسی لئے فرمایا ترجمہ: یعنی ہم نے بھیجا گواہ ان لوگوں
پر جن کے لئے تجھے نبی بنایا گیا کہ تو ان کی حالتوں پر نگاہ رکھتا اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی تصدیق و تکذیب و ہدایت و گمراہی کی شہادت کا حامل
ہے اور قیامت کے دن تو اس شہادت کو ادا فرمائے گا بحمدہ تعالیٰ یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں اور اپنی امت پر نگہبان و رقیب
بھی ہیں اور دونوں وجوہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ظاہر و باہر و للہ الحمد اسی لئے تفسیر کبیر میں فرمایا قالثھا انہ شاھد فی الدنیا
باحوال الاٰخرۃ من الجنۃ والنار والصراط والمیزان وشاھد فی الاٰخرۃ باحوال الدنیا من الطاعۃ والمعصیۃ والاصلاح والفساد
یعنی تیسری توجیہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آخرت کے احوال پر یعنی جنت و دوزخ و پل صراط و میزان پر حاضر ہیں اور آخرت میں دنیا کے احوال
طاعت و معصیت و صلاح و فساد پر حاضر ہیں۔ دیکھو کیسی صریح عبارتیں ہیں کہ سرکار حاضر و ناظر ہیں یہیں سے ظاہر کہ جسے تم اپنی دلیل سمجھے تھے وہ تو ہماری
دلیل ہے وللہ المنۃ اب بتائیے جن نصوص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا اثبات ہو انہیں ان کی نفی کی دلیل بنانا خصم کا مال ہتھیانا
نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ پھر اسی کے سر خیانت کا الزام چوری اور سینہ زوری ہی تو ہے۔ کہنے کو تو کہہ دیا مگر یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کسے کیسے لپیٹے گا اور سنو
علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں انا فرطکم فانا شہید کی توجیہ میں فرماتے ہیں۔ ای اشھد علیکم باعمالکم فکانی باق معکم
یعنی میں تمہارے اعمال کی گواہی دوں گا تو میں تمہارے ساتھ باقی ہوں۔ نیز اسی میں ہے۔ میں ان شہیدوں کے لئے کل گواہی دوں گا یعنی ان کی شفاعت
کروں گا اور گواہی دوں گا کہ انہوں نے اپنی جانیں اللہ کے لئے دیں مطلب یہ ہے کہ میں ان کا نگہبان ہوں کہ ان کے احوال پر منظر رکھتا ہوں اور انہیں معاصی
سے بچاتا ہوں۔ نیز اسی میں ہے والشاھد من اسماءہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ یشھد للانبیاء بالتبلیغ ویشھد علی امتہ ویزکیھم او ھو
بمعنی الشاھد للحال کانہ الناظر۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شاہد ہے اس لئے کہ وہ قیامت میں انبیاء کے لئے تبلیغ کی گواہی دیں گے اور اپنی امت
کے لئے گواہی دیں گے اور انہیں عدل (صالح شہادت) فرمائیں گے یا اس معنی کو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ دیکھو کیسا صاف ارشاد
ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ بولو کس کس کا عقیدہ غلط بتاؤ گے اور اگر یہ خیانت ہے تو بولو کسے کسے خائن بتاؤ گے اور سنو علامہ اسمٰعیل حقی
رومی تفسیر روح البیان میں ویکون الرسول علیکم شہیدا کے تحت فرماتے ہیں " ومعنی شھادۃ الرسول علیھم اطلاعہ علی رتبۃ کل
متدین بدینہ وحقیقتہ التی ھو علیھا من دینہ وحجابہ الذی ھو محجوب عن کمال دینہ فھو یعرف ذنوبھم و
حقیقۃ ایمانھم واعمالھم وحسناتھم وسیاتھم واخلاصھم ونفاقھم وغیر ذلک بنور الحق۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فتح العزیز میں بعینہ یہی فرما رہے ہیں ترجمہ یعنی
قیامت میں تمہارے رسول تم پر گواہ ہوں گے اس لئے کہ وہ مطلع ہیں نور نبوت سے اپنے دین سے ہر متدین کے رتبہ پر کہ وہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا
ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ حجاب جس کی بدولت وہ ترقی سے محجوب رہا کیا ہے تو وہ جانتے ہیں۔ تمہارے گناہوں کو اور تمہارے درجات
ایمان کو اور تمہارے اچھے برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو لہذا ان کی شہادت امت کے حق میں دنیا و آخرت میں بحکم شرع مقبول و واجب
العمل ہے۔ اب بتاؤ شاہ صاحب کے عقیدہ و دیانت کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ بحمدہ تعالیٰ عبارات علماء کرام سے مسئلہ خوب روشن ہو گیا اور
از انجا کہ کسی عبارت میں خلاف کی حکایت نہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے درمیان اجتماعی ہے ہم نے جو عبارتیں لکھیں وہ معترض کی عبارتوں کے
علاوہ ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ ہم نے ثابت کیا کہ وہ تمام عبارتیں ہمارے مدعیٰ کی واضح دلیل ہیں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ معترض ایسے مسئلہ میں خلاف کرتا ہے اور
بے گناہ پر خیانت اور جمہور کے عقیدے کی مخالفت کا الزام دھرتا ہے اور خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ الزام کس کے سر ہے رہی یہ بات کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اگر
اس میں اب بھی معترض کو شک باقی ہے تو شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی یہ شہادت بھی سنتا چلے۔ وہ اقرب السبل میں فرماتے ہیں " وبا چندیں

اختلافات وکثرت مذاہب، کہ در علمائے امت است یک کس دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبۂ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی است"۔ اب آنکھوں کی پٹی اتار کر بغور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو کہ یہ شیخ محقق کیسا صاف تحریر فرما رہے ہیں کہ اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات حقیقی کے ساتھ جس میں نہ مجاز کا شائبہ نہ تاویل کا وہم دائم و باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں کہ ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور طالبان حقیقت اور متوجہان درگاہ کے لئے فیض رساں و مربی ہیں مگر تم سے بعید نہیں کہ تم یہ سب دیکھ کر بھی اوندھے ہو جاؤ کہ آخر تمہارا امام الطائفہ تقویت الایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جھوٹ دھر چکا" یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" ص۵۵ خیانت اسے کہتے ہیں کہ احادیث وارشادات علماء کو ہضم کر کے یہ کہا اور اسے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا، وَلَا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اچھا۔ اگر حاضر و ناظر تمہاری چڑ ہے تو یہی سہی۔ تمہاری ہی منقولہ عبارت اخیرہ میں یہ فقرہ وارد ہے وقیل شاھد علی الخلق اور کہا گیا کہ خلق پر حاضر ہے۔ اس فقرہ کے بارے میں کچھ اور سہی۔

دل اعداء کو رضا تیز نمک کی دھن ہے   اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

اولاً۔ فقرہ جناب کے نزدیک لائق استناد ہے کہ نہیں ثانیاً مستند ہے تو سبحان اللہ چشم ما روشن۔ دل ما شاد اور مستند نہیں ہے تو کیوں جبکہ آپ یہ تمام عبارتیں اس دعویٰ پر لائے ہیں کہ آیت میں شاھد بمعنی گواہ وارد ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنی لیاقت علمی سے جناب نے گواہ کو حاضر کے منافی سمجھ لیا اور آیتوں میں مطابقت کا جملہ اس معنی پر کر دیا ثالثاً مستند ہونے کی تقدیر پر یہ بتاتے چلو کہ مخلوق پر سرکار کے شاہد ہونے کے کیا معنی ہیں رابعاً حاضر تو چڑ ہے تو بلا محالہ گواہ کہو گے اور مخلوق پر گواہ ہونے کے کیا معنی یہی نا کہ سرکار گواہ ہیں کہ ہر شئے سرکار کی رسالت کا اقرار کرتی ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت اور گواہ میں حضور اصل اور اصل سے بے دلیل عدول ناجائز تو اب مخلوق پر گواہ ماننے سے لا محالہ حاضر علی الخلق ماننا لازم۔ اب بتائیے کہ جس سے بھاگے وہیں پلٹے کہ نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں الفرار علی ما منہ الفرار و للہ الحمد والمنۃ علی اتمام الحجۃ واکمال النعمۃ۔ خامساً عجب نہیں کہ اصل سے عدول کر جائیں اور یوں منہ کھولیں کہ حضور کوئی ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ سرکار دور ہی سے سن لیں یا اللہ تعالےٰ کے بتانے سے آپ شاہد ہوں میں کہوں گا کہ دور ہی سے سن لینے کی ٹھہرا دُگے تو دیکھو سر پر تقویت الایمانی شرک سوار ہوتا ہے جو "بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا اس واسطے کہ ان سے کوئی حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جبھی ان کو اس طرح سے پکارا" اور حضور کی نفی جب بھی نہ ہو گی کہ دور سے سننے کے لئے لا محالہ روح کا اتصال ضروری اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت اور روحانیت سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں رہی دوسری شق یعنی اعلام الٰہی تو اس حضور کے ماسوا میں حصر کرنا کیا معنی حالانکہ شاہد ہونے کے لئے حاضر ہونا اصل ہے

سادساً کوئی دور نہیں کہ کہہ بیٹھو کہ یہ قول ہمارا مستند کیوں ہو کہ اسے (قیل) سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہوتا ہے اقول۔ یہ کوئی کلیہ نہیں کہ جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہی ہو بعض مرتبہ عدم شہرت کی بنا پر قیل کہہ دیتے ہیں حالانکہ قول ضعیف نہیں ہوتا۔ جلالین آیت کریمہ من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فلیمد دبسبب الی السماء ثم لیقطع الآیۃ کے معنی یہ بتائے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہرگز نہ فرمائے گا تو وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکائے اور اسے اپنی گردن میں باندھ کر خود کو پھانسی دے لے اس پر صاوی نے فرمایا ترجمہ: یعنی پہلا طریقہ آیت کی تفسیر میں مشہور ہے اسی لئے مفسرین اسی پر چلے اور کہا گیا ہے کہ جسے گمان ہو کہ اللہ ہرگز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ فرمائے گا تو کوئی تدبیر کرے کہ آسمان تک پہنچ جائے پھر ان سے نصرت کو بند کر دے اور دیکھ لے کیا اس کی تدبیر اس کے غیظ کو دور کر دیگی کسی عاقل کے نزدیک یہ تفسیر ضعیف نہیں بلکہ بہت مناسب ہے اسی لئے علامہ صاوی نے صرف یہی اشارہ کیا کہ یہ معنی مشہور نہیں ہیں

اور اسے ضعیف نہیں بتایا اور کبھی قول احسن کو بھی قیل سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اسی صاوی میں ہے قولہ (زائدۃ) الحاصل اَن من الاولیٰ ابتدائیۃ والثانیۃ فیہا ثلثۃ اَوجہ قیل زائدۃ وقیل ابتدائیۃ وقیل تبعیضیۃ وھو الاحسن۔ دیکھیے یہاں قول مختار کو قیل سے تعبیر کیا اور قول احسن کہا جس سے صاف ظاہر کہ اس کا مقابل قول ضعیف نہیں اس لئے کہ احسن کا مقابل حسن ہوتا ہے نہ کہ ضعیف۔ معلوم ہوا کہ یہ کلیہ نہیں کہ جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہو۔ تو محض بلا دلیل قیل سے تمسک کر کے اس قول کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔ اور وہ کیوں کر ضعیف ہوگا جب کہ اجلۂ علماء یہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر اور اپنی روحانیت مقدسہ سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ علامہ صاوی وَسِرَاجًا مُّنِیرًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یحتمل اَن المراد بالسراج الشمس وھو ظاھر ویحتمل اَن المراد بہ المصباح وحینئذ یقال انما شبہ بالسراج ولم یشبہ بالشمس مع ان نورھا اتم لان السراج یسھل اقتباس الانوار منہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم یقتبس منہ الانوار الحسیۃ والمعنویۃ ـــــــ یعنی احتمال ہے کہ سراج سے مراد آفتاب ہو اور یہ ظاہر ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد چراغ ہو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ سراج سے تشبیہ دی اور آفتاب سے نہ دی حالانکہ اس کا نور اتم ہے اس لئے کہ چراغ سے انوار لینا آسان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انوار حسی و معنوی کا لئے جاتے ہیں، علامہ علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں۔ ترجمہ: یعنی چمکتا آفتاب اس میں یہ عظیم تنبیہ ہے کہ سورج انوار حسیہ میں سب سے بلند ہے اور تمام اس سے مستفیض ہیں اسی طرح نبی علیہ السلام سب انوار معنویہ سے افضل ہیں اور تمام ان سے مستفید ہیں اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کا واسطہ اور دائرہ کائنات کے مرکز ہونے کا حکم رکھتے ہیں جیسا کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری (اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) سے مستفاد ہے۔ شفاء و مطالع المسرات میں کعب احبار و سعید بن جبیر و سہل بن عبد اللہ تستری سے مروی کہ مثل نورہ الخ میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ و اللفظ للمطالع قال کعب وابن جبیر وسہل بن عبد اللہ المراد بالنور الثانی ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقولہ تعالٰی مثل نورہ اَی نور محمد وحقیقۃ النور ھو الظاھر بنفسہ المظھر لغیرہ یعنی اللہ کے قول مثل نورہ کا معنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال ہے اور نور کی حقیقت یہ ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ اسی مطالع المسرات میں ہے ترجمہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہی سے تمام انوار خواہ آپ کی صورت ظاہری سے سابق ہوں یا اس سے لاحق ہوں لئے گئے بغیر مانع و بے حجاب و کلفت اور جتنا بھی حضور کے نور سے اقتباس کیا جائے استمداد ناپید نہ ہوگی بلکہ وہ تو ہر سابق و لاحق میں وہ فضل کے چراغ ہیں تو ہر ضیا ان کی ضیا سے صادر ہوتی ہے۔ نیز شرح شفا ملا علی قاری میں ہے وقد انکشف بہ الحقایق الالٰھیۃ والاسرار الاحدیۃ والانوار الصمدیۃ وبہ اشرقت الکائنات وخرجت عن حیز الظلمات۔ یعنی حضور کے دم سے حقایق الٰہیہ و اسرار ربانیہ و رموز صمدانیہ ظاہر ہوئے اور انہیں کے نور سے کائنات روشن ہوئی اور عدم کی ظلمتوں سے نکلی۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ یہ عبارات علماء کرام صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں ساری و جاری ہے اور اس کی ادنیٰ مثال محسوسات میں آفتاب ہے کہ وہ تمام اجرام نیرہ میں اعلیٰ ہے اور چاند ستارے سب اسی سے روشن ہوتے ہیں سب میں اسی کا نور جاری ہے اور اسی کی روشنی متعدد جگہ بیک وقت حاضر ہو جاتی ہے۔ پھر اس ذات مقدسہ کے حاضر و ناظر ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے جس کے نور معنوی سے نہ صرف سورج بلکہ کائنات ظاہر ہوئی کیا ان بصیرت کے اندھوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج سے بھی کم ہیں یا سورج ان کے نزدیک خدا ہے والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ بھلا جس کے نور سے کائنات پیدا ہو اور جس کا نور سارے جہاں میں جلوہ گر ہوا سے روح کائنات کے سوا اور کیا کہا جائے اسی لئے تو اس کے اسماء طیبہ میں روح الحق وارد ہوا۔ اس پر امام اعلام محمد ابن مہدی ابن احمد بن علی بن یوسف فاسی کا کلام سننے کے قابل ہے۔ وروحہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو انسان عین الارواح وابوھا واصل وجودھا واول صادر عن اللہ عز وجل وایضا ھو صلی اللہ علیہ وسلم روح اللہ الموضوع فی الوجود الذی لولا رحمۃ وثباتہ ولولاہ لاضمحل وذھب۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تمام روحوں کی آنکھ کی پتلی اور ان کی

اصل اور ان کے وجود کی بنیاد اور اللہ کی پہلی مخلوق ہے اور نیز حضور علیہ السلام اللہ کی روح ہیں جو وجود میں وضع کی گئی ہے جس سے اس کی بقا ہے اگر حضور نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو　　جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے۔

بھلا جب وہ کائنات کی روح ٹھہرے اور قالب کی زندگی کے لیئے روح کا تن میں حاضر ہونا ضروری تو لا محالہ وہ ضرور حاضر و ناظر ہیں بلکہ افراد ممکنات میں ان کی حقیقت جاری و ساری ہے جیسا کہ عنقریب شیخ محقق کی شہادت اس پر گزریگی تو اب کوئی پاگل ہی کہے گا کہ مرے جسم میں میری جان نہیں۔ علماء کرام شارع علیہ السلام کے امین ہیں۔ میزان شعرانی میں ہے۔ العلماء أمناء الشارع اور پر ظاہر کہ ان ارشادات میں رائے کو دخل نہیں تو لاجرم یہ ارشادات اقوال صحابہ کا مفاد ہوئے اور اصول حدیث میں مقرر ہوا کہ صحابی کا وہ قول جس میں رائے کو دخل نہ ہو وہ حدیث مرفوع (حدیث رسول) کے حکم میں ہے۔ اب ایک صحابی جلیل کی تصریح بھی سنتے چلئے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب عم رسول اللہ علیہ السلام نے حضور کی مدح میں آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے۔

من قبلها طبت فی الظلال	وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر	أنت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد	ألجم نسرًا وأهله الغرق
تنقل من صالب إلی رحم	اذا مضیٰ عالم بدا طبق
وأنت لما ولدت أشرقت	الأرض ونارت بنورك الافق
فنحن فی ذلك الضیاء !!	وفی النور وفی سبل الرشاد نخترق

یعنی حضور آپ دنیا سے پہلے جنت کے سایوں میں اور صلب آدم میں طیب و طاہر تھے۔ پھر حضور دنیا میں آئے۔ اس وقت حضور نہ بشر تھے نہ مضغۂ گوشت نہ جما ہوا خون بلکہ صلب نوح علیہ السلام میں نطفہ تھے جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار ہوا۔ جب کہ نسر صنم اور اس کے پجاریوں کو طوفان نے گھیر لیا تھا۔ حضور آپ منتقل ہوتے رہے صلب سے رحم میں۔ جب ایک نسل گزرتی دوسری ظاہر ہوتی اور جب آپ پیدا ہوتے زمین آپ کے نور سے جگمگا اٹھی اور آسمان منور ہو گئے تو ہم اسی ضیا اور اسی نور اور رشد و ہدایت کے رستے میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ ارشاد دو وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ ایک تو یہی کہ اس میں رائے کو دخل نہیں اور صحابی کا ایسا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اشعار حضور کے سامنے حضور کی اجازت سے پڑھے گئے۔ شرح شفا میں ہے ترجمہ یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان شعروں کو ابوبکر شافعی اور طبرانی نے روایت کیا خُرَیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ تو میں ان کے حضور میں آیا جب حضور علیہ السلام تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ میں اسلام لایا اور میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے سنا یا رسول اللہ میں حضور کی مدح سرائی کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہو اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ اشعار حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھے گئے اور جو قول و فعل حضور کے عہد مبارک میں ہو پھر حضور اسے مقرر رکھیں وہ محدثین کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حدیث قرار پاتا ہے کما سرحوا بہ فی اصول الحدیث تو لاجرم یہ ارشاد عباس حدیث نبوی ہوا جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہی نور دنیا سے پہلے جنت میں تھا پھر اسی نور کا لمعہ اپنے آباء کرام و امہات

عظام کے اصلاب وارحام میں چمکا اور اسی نور کے جلووں نے آسمان و زمین کو جگمگایا۔ بحمدہ تعالیٰ اب تو حضور علیہ السلام کی حدیث تقریری سے ثابت ہوگیا کہ سرکار اپنی روحانیت سے حاضر و ناظر اور اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر ہیں۔ تم تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خیانت کا الزام دیتے تھے اب بتاؤ یہ دریدہ دہنی کہاں تک پہنچی۔ مگر کوئی عجب نہیں کہ تمہارے امام کا شرک بھی تمہارے الزام کی طرح خدا و رسول کو بھی نہیں چھوڑتا چنانچہ ہم اس کی مثالیں دے چکے اجی آپ کہاں ہیں۔ حضور کی روحانیت مقدسہ تو اس مقام کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے جسے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر ائمہ اعلام مرتبہ جمع و فرق سے تعبیر کرتے ہیں۔ شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں فرمایا ''وانشراح صدر مقامیست عالی کہ تمامہ و کمال جز در ذاتِ بابرکات آنحضرت سید السادات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات وجود و ثبوت ندارد و کمل اولیا را نیز از ارباب تمکین بقدر ادراک بہ شرف متابعت وے نصیبہ ازاں حاصل استِ و ازینجا گفتہ اندکہ الصوفي كائن بائن نہ از فرق در جمع ایشاں خللے چنانکہ محجوبا نرا باشد و نہ جمع را بر فرق غلبہ چنانکہ مجذوبا نرا بوداھ'' یعنی شرح صدر وہ مقام عالی ہے کہ نہ تمام و کمال حضور ہی کی ذات میں موجود ہے اور اولیاء کاملین ارباب تمکین کو بھی حضور کے شرف پیروی سے اس مرتبہ سے بہرہ حاصل ہے اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ صوفی شامل بہ خلق واصل بہ خالق ہوتا ہے نہ ان کے شمول سے ان کے وصول میں خلل ہو جیساکہ محروموں کے لیئے ہوتا ہے نہ وصول کو شمول پر غلبہ جیساکہ مجذوبوں کے لیئے ہوتا ہے۔ دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ سرکار بوجہ اتم واکمل بارگاہِ الٰہی میں حضور سے موصوف ہیں اور حضور کی روح پاک مخلوق میں بھی حاضر ہے۔ ہم اس قول کی تائید میں شفا سے حدیث ذکر کریں ''عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم كانت روحه نوراً بين يدی اللہ تعالیٰ قبل ان يخلق ادم بالفی عام يسبح ذلك النور وتسبح الملئكة بتسبيحه الخ'' یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور علیہ السلام کی روح اللہ کے حضرت قربت میں نور تھی آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے یہ نور تسبیح کرتا اور ملئکہ اس کے ساتھ تسبیح کرتے۔ اسی لیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امام حضرت اللہ کہا گیا۔ عارف جزولی نے دلائل الخیرات میں فرمایا ''وامام حضرتك'' یعنی درود بھیج اے اللہ اپنی بارگاہ کے امام پر۔ اس پر علامہ فاسی مطالع المسرات میں فرماتے ہیں (وامام حضرتک) ''الذی هو المقتدی به والمتمسك به باسبابه فی الوصول الی محل قربك ومشاهدتك والحضرة ماخوذة من الحضور والاضافة علے معنی فی كامام المسجد الخ'' ''یعنی جو تیرے محل قرب و مشاہدہ تک پہنچنے کے لیئے مقتدا ہیں اور جن کا دامن پکڑا جاتا ہے اور حضرت ماخوذ ہے حضور سے اور اضافت بمعنی ''فی'' ہے جیسے امام المسجد میں'' نیز علامہ نسفی فرماتے ہیں ''وسراجاً وحجة ظاهرة لحضرتنا''۔ یعنی ہم نے تجھے اپنی بارگاہ کا چراغ چمکتا اور رہنما بنا کر بھیجا۔ بحمد اللہ اب تو علامہ نسفی کی ارشاد فرمائی ہوئی اس وجہ پر آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہوا کہ وہ روح پر فتوح حاضر بارگاہِ الٰہی ہے اور اس بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کی امام و پیشوا ہے۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گزرا کہ حضور کی روح حضرت الٰہی میں نور تھی جو نور تسبیح کرتا اور ملئکہ اس کی تسبیح پر تسبیح کرتے اور ملا علی قاری کے کلام میں حدیث گزری ''اول ما خلق الله نوری'' اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا تو لاجرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ پر ''امام حضرة الله'' ہوئے اور قرآن اپنی جمیع وجوہ پر حجت ہے تو جب سرکار سب کے حق میں سراج حضرة اللہ و امام حضرة اللہ باذن اللہ ٹھہرے تو ضرور عالم ارواح کے شاہد و رقیب و مربی و نقیب ہوئے اور جب عالم ارواح کے مربی ہوئے تو بالضرورۃ عالم اجساد و اشباح کے بھی مربی قرار پائے۔ اسی لیئے تو ان کے حق میں فرمایا گیا۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ہم نے تمہیں سب جہانوں کی رحمت بنا کر بھیجا۔ اس معنی پر سرکار کے معجزات شاہد
ہیں۔ لاجرم اسی لیئے شیخ محقق جو معترض کے بھی مستند ہیں فرماتے ہیں "ہم چنانکہ احادیث در تکثیر طعام یسیر نیز کثیر است واین
ہر دو اثر تربیت وولی نعمی آں سید کائنات است کہ ہم چنانکہ بحسب روحانیت مربی ومکمل قلوب وارواح است در عالم جسمانیت
نیز پرورندہ وخورش دہندہ ابدان واشباح است" اھ مدارج النبوۃ۔ یعنی جس طرح کہ تھوڑے سے پانی کی افزائش کے بارے میں
بہت سی حدیثیں آئی ہیں اسی طرح تھوڑے کھانے کو بڑھانے کی حدیثیں بہت ہیں اور یہ دونوں اُس سید کائنات کی تربیت
کا اثر ہیں کہ جو روحانیت کے اعتبار سے قلوب وارواح کے مربی ہیں اور عالم جسمانیت میں اجساد واشباح کے پالنے بڑھانے
والے بھی ہیں اور جو عالم ارواح واشباح کا مربی ہو بھلا وہ شاهد علی الخلق کیوں نہ ہوگا۔ کہیے اب بھی اس قول کے ضعف
پر جمے گا اور حسب شاهدا سے اور سراجا منیرا سے بحمد اللہ سرکار عالی مدار علیہ التحیۃ والثناء کا حاضر وناظر ہونا ثابت
ہولیا تو اب بتائیے کہ خدا کو معاذ اللہ کیا کیا الزام نہ دیجئے گا منے فرع محکم آمد نے اصول شرم بادت از خدا واز رسول۔
اجی یہ تو کہو کہ محمود حسن دیوبندی کو کیا کہو گے جو گنگوہی کے بارے میں کہہ گئے ع خدا اُن کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے۔ حدیث
میں آیا ان اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر۔ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر مرد سے بھی فرماتا ہے۔ یہ میرے
سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ جسے تم شرک کہتے ہو تمہارے اکابر کے منہ سے اپنوں کے حق میں وہی کہلوا کے
ظاہر فرما دیا کہ حق وہی ہے جسے یہ چھپا رہے ہیں اور باطل وہی ہے جسے یہ گا رہے ہیں بلکہ خود تم سے شاهدا علی الخلق
لکھوا لیا۔ اب تم اپنے ہی لکھے کو رد کر کے اپنے آپ کو جھٹلاؤ تو جھٹلاؤ۔ کذلک العذاب ولعذاب الآخرۃ اکبر
لو کانوا یعلمون۔ اب ہم سرکار کے حاضر بارگاہ ہونے پر میزان کی حقیقت کے جاری وساری ہونے پر میزان و مدارج
النبوۃ اشعۃ اللمعات کی عبارتیں مزید وضاحت کے لیئے لکھیں وبہ التوفیق۔ میزان میں سیدی علی خواص سے افادہ فرمایا کہ التحیات
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم اس لیئے ہوا کہ غافلوں کو اللہ متنبہ فرما دے کہ ان کا نبی حضرت الٰہی میں حاضر
ہے وہ حضرت الٰہیہ سے کبھی جدا نہیں ہوتا تو وہ بالمشافہ اسے سلام سے مخاطب کریں۔ میزان کی عبارت یہ ہے وسمعت
سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یقول انما امر الشارع المصلی بالصلاۃ والسلام علی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینبہ الغافلین علی شهود نبیهم فی تلك الحضرة فانه لا یفارق
حضرۃ اللہ تعالیٰ ابدا فیخاطبونہ بالسلام مشافهۃ اھ مدارج النبوۃ میں فرمایا "در بعضی کلام بعضی عرفا
واقع شدہ کہ خطاب از مصلی بملاحظہ روح مقدس وسریان وے در ذراری موجودات خصوصاً در ارواح مصلیین است
وبالجملہ دریں حالت از شهود وجود وحضور از آنحضرت غافل وذاہل نہ باید بود بامید درود وفیوض از روح پر فتوح وے صلی اللہ
علیہ وسلم" اھ اشعۃ اللمعات میں قدرے تفصیل کے ساتھ فرمایا۔ "ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابداں
است در جمیع احوال واوقات خصوصاً در حالت عبادت وآخر آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں احوال بیشتر وقوی تر است
وبعضی از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در
ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شهود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت
متنور وفائز گردد" اھ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کے نصب العین اور عابدوں کے قرۃ العین ہیں۔ تمام احوال
اوقات خصوصاً حالت نماز میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت وانکشاف ان احوال میں بیشتر وقوی تر ہوتے ہیں اور بعض

عرفاء نے کہا ہے کہ یہ خطاب یعنی (السلام علیک الخ) حقیقت محمدیہ کے ذرات موجودات وافراد ممکنات میں ساری ہونے کی وجہ سے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں حاضر ہیں تو مصلی کو چاہیئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس کے مشاہدے سے کبھی غافل نہ ہوتا کہ اسرار قرب وانوار معرفت سے متنور وفائز ہو۔ نیز شیخ محقق نے تحصیل البرکات میں یہی مضمون افادہ فرمایا ہے فلیراجع۔ یہی وجہ ہے کہ درمختار وعالمگیری ومراقی الفلاح میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ نمازی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا قصد کرے گویا کہ وہ اللہ کو تحیت کر رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر رہا ہے اور خود پر اور اولیاء پر سلام بھیج رہا ہے۔ ترجمہ! یعنی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا قصد کرے کہ بطور انشاء وہی اس کی مراد ہوں گویا کہ وہ اللہ کو تحیت کرتا ہے اور اپنے نبی پر اور خود پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے نہ کہ اس کی خبر دینے کا قصد کرے (یعنی اس واقعہ کی خبر وحکایت کا قصد نہ کرے جو معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے واقع ہوا ردالمختار) اسے ذکر کیا مجتبیٰ میں اور ظاہر اس کا یہ ہے (علینا) کی ضمیر حاضرین کے لیئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت نہیں ہے اھ ترجمہ درمختار۔ نیز مسلک متوسط علامہ رحمۃ اللہ سندی ومنسک متقسط ملا علی قاری میں ہے ترجمہ! یعنی زائر مدینہ پاک میں داخل ہونے کے وقت سے روضۂ پاک میں پہنچنے تک اپنے ظاہر وباطن سے متواضع رہے اور اس شہر کی حرمت کی تعظیم کرے اور اس میں جلوہ گر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وہیبت سے مملو ہو اور ان کی عظمت کا لحاظ رکھے گویا کہ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے مقام مراقبہ ومرتبۂ مشاہدہ میں دیکھ رہے ہیں نیز اسی میں ہے (متمثلا صورته الكريمة فى خيالك مستشعرا بأنه عليه الصلاة والسلام عالم بحضورك وقيامك وسلامك) أى بل بجميع افعالك وأحوالك ومقامك وارتحالك وكأنه حاضر جالس بازائك۔ یعنی اے زائر حضور کی بارگاہ میں یوں کھڑا ہو کہ ان کی صورت کریمہ تیرے خیال میں جمی ہو اور تو یہ سمجھ رہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے سلام وقیام کو دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں بلکہ وہ تیرے تمام افعال واحوال واقامت ورحلت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ تیرے سامنے جلوہ افروز ہیں۔ ہم نے عالم کا ترجمہ "دیکھ رہے ہیں" کیا اس لیئے کہ علم یہاں علم مشاہدہ ہے اور اس پر قرینہ فقرۂ سابقہ ہے کأنه یراه گویا کہ وہ اسے دیکھ رہے ہیں اور کأنه حاضر الخ ہے کما لا یخفی اب کلام اس طرف منجر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت بیداری میں جائز ہے کہ نہیں فأقول ہاں بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت جس طرح خواب میں ہوتی ہے اسی طرح بیداری میں ممکن بلکہ واقع ہے اور علماء کی ایک جماعت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جاگنے میں دیکھنا اور بعض مشکلات کے بارے میں ان سے سوال اور ان کی کشود کے طریقے دریافت کرنا اور احادیث کی تصحیح کرنا ثابت ہے۔ بلکہ عرفاء کی ایک جماعت تو فرماتی ہے کہ اگر ایک لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہم سے محجوب ہو جائے ہم اپنے کو مسلمانوں میں نہ گنیں۔ المعتقد علامۂ فضل رسول میں شرح منظومۂ بجرسے نقل کیا ترجمہ! یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت بیداری میں بالاتفاق ممکن ہے اور واقع ہے۔ اس لیئے کہ ابن ابی جمرہ نے ایک جماعت سے ذکر کیا کہ انہوں نے اسی پر محمول کیا ہے اس روایت کو کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پھر جاگتے میں دیکھا اور انہوں نے بعض اشیاء سے اپنی تشویش کے بارے میں حضور سے عرض کیا تو حضور نے انہیں ان کی کشود کے طریقے بتائے تو ویسا ہی نہ کم نہ زیادہ۔ شارح بجر نے کہا کہ اس امر کا منکر اگر کرامات اولیاء کو جھٹلانے والا ہے تو اس سے بحث نہیں اس لیئے کہ وہ اسے جھٹلاتا ہے جسے سنت نے

ثابت فرمایا اور اگر کرامات اولیاء کو مانتا ہے تو یہ رویت بھی اسی سے ہے۔ اس لیئے کہ ان کے لیئے خلاف عادت عالم علوی و
سفلی میں بہت سی اشیاء سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ مدارج النبوۃ میں شیخ محقق نے من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ
کی توجیہات میں ایک توجیہہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ بشارت بعض مقربان درگاہ وسالکان راہ کے لیئے ہو جو گاہ بیگاہ
نعمت دیدار سے مشرف ہوتے ہیں حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جاگتے میں بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں وھذا
لفظہ " وتواند کہ این بشارت باشد بعضے مستعدان و مقربان درگاہ وسالکان راہ راکہ گاہ وبیگاہ باین نعمت مشرف شدہ
اندحال بجائے رسد کہ در یقظہ نیز باین سعادت مشرف شوند، پھر آخر میں اس بحث کا (کہ آیا یہ رویت عینیت حس و غلبۂ حال و
بیخودی میں ہوتی ہے اور دیکھنے والے اس کو بیداری گمان کرتے ہیں یا حقیقتہ بیداری میں ہوتی ہے) تصفیہ فرماتے ہوئے
فرما دیا وبالجملہ دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از موت مثال است چنانکہ در نوم مرئی می شود در یقظہ نیز می نماید وآن شخص
شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہماں متمثل می گردد در یک آن متصور بصور متعددہ عوام را در منام وخواص را در یقظہ الخ
یعنی بالجملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بعد وصال مثال ہے جس طرح سوتے میں نظر آتی ہے جاگتے میں بھی جلوہ فرما ہوتی ہے اور
وہ شخص شریف جو مدینے میں قبر میں زندہ وآسودہ ہے وہی ایک آن میں متعدد صورتوں کے ساتھ متمثل ہو جاتا ہے عوام کے
لیئے سوتے میں اور خواص کے لیئے جاگتے میں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ شیخ محقق نے کتنا صاف فرمایا کہ وہ روح پاک آن واحد میں
عوام وخاص سب کے لیئے خواب وبیداری میں حاضر ہو جاتی ہے۔ بحمدہ تعالیٰ شیخ نے جو معترض کے بھی مستند ہیں ہمارے
حق میں فیصلہ فرما دیا۔ نیز اسی مدارج النبوۃ میں فرمایا " وبسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت وے
نمودہ وعرض کردہ یا رسول اللہ فلاں این حدیث از حضرت تو روایت کردہ است پس فرمودہ آنحضرت نعم او لا در رویت کہ در یقظہ
است بعضے مشایخ نیز ہم چنیں استفادۂ علوم نمودہ اند واللہ اعلم یعنی بہت سے محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان احادیث
کی تصحیح کی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں اور عرض کیا یا رسول اللہ فلاں نے آپ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ تو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں یا نہ فرمایا یہ سب کچھ اس رویت میں جو جاگتے میں انہیں نصیب ہوئی۔ بعض مشایخ نے بھی اسی
طرح حضور سے علوم کا استفادہ فرمایا ہے۔ نیز میزان شعرانی میں ہے وقد بلغنا عن الشیخ ابی الحسن الشاذلی وتلمیذہ
الشیخ أبی العباس المرسی وغیرھما أنھم کانوا یقولون لو حجبت عنا رؤیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم طرفۃ عین ما عددنا أنفسنا من جملۃ المسلمین الخ یعنی ہمیں شیخ ابوالحسن شاذلی اور ان کے شاگرد
شیخ ابوالعباس مرسی وغیرہما سے خبر پہنچی کہ وہ کہتے تھے کہ اگر ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت پلک جھپکنے بھر کو محجوب ہو
جائے ہم خود کو مسلمانوں میں شمار نہ کریں۔ دیکھو کیسی تصریح ہے کہ بعض اللہ والے انھیں ہر جگہ حاضر وناظر دیکھتے ہیں و للہ
الحمد والمنۃ اھ۔ اس مقام پر اگر اسمعیل دہلوی کی صراط مستقیم کی شہادت نہ دوں تو مزہ ہی گیا۔ الفضل ما شھدت
بہ الاعداء۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ پھر سنو۔ وہ اپنے پیروں کے لیئے کیا گا رہی ہے " بالجملہ ائمہ این طریق
وا کابر این فریق در زمرۂ ملائکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از جانب ملاء اعلیٰ ملہم شدہ در اجرائے آں می کوشند پس احوال این
کرام بر احوال ملائکہ عظام قیاس باید کرد " دیکھو کیسا صاف کہہ رہی ہے اور بیکدست میاں اسمعیل اور تمام وہابیہ کے منہ پر
طمانچہ مار رہی ہے کہ میاں تم کیسے رسول اللہ کو حاضر وناظر نہیں مانتے جب کہ تمہارے پیروں کی یہ حالت ہے کہ وہ ملائکہ کی طرح
مدبر عالم ہیں۔ ارے جب وہ مثل ملائکہ ٹھہرے اور ملائکہ اپنے امور کی تدبیر کے لیئے متعدد جگہ حاضر ہو جاتے ہیں تو وہ بھی ضرور ان

کی طرح حاضر ٹھہرے۔ پھر یہ کیسا دھرم ہے کہ امتی کے لیئے یہ فضیلت مانو اور نبی کے لیئے شرک گاڑ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فقیر عاجز صراط مستقیم کی عبارت لکھنے کے بعد یہ قصد ہی کر رہا تھا کہ اب معترض کی باقی موشگافیوں کی خبر لی جائے کہ اچانک حاشیہ نور الایضاح مصنفہ اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند کی ورق گردانی کرتے ہوئے ان کی اس عبارت پر نظر پڑ گئی۔ لکھتے ہیں قولہ (حجب) فمثلہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ کمثل شمع فی حجرۃ أغلق بابھا فھو مستور عمن ھو خارج الحجرۃ ولکن نورہ کما کان بل أزید ولھذا حرم نکاح أزواجہ بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یجری احکام المیراث فیما ترکہ لأنھما من احکام الموت اھ حاشیہ نور الایضاح صـ۱۷ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بعد وصال ایک شمع کی ہے جو کمرہ میں ہو اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستور ہیں جو حجرہ شریفہ کے باہر ہیں لیکن ان کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حرام ہوا اور آپ کے مال میں میراث کے احکام جاری نہ ہوتے اس لیئے یہ دونوں ترا حکام موت سے ہیں۔ دیکھو کیسی کھلی تصریح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرقد انور میں جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے۔ یہی تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اس نور کا ظہور جیسے کل تھا ویسے آج بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر ہیں۔ وللہ الحجۃ السامیۃ۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ کوئی دور نہیں کہ معترض کو یہ شبہ گزرے کہ اعزاز علی کی عبارت سے ہمارا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایک شمع سے دی جو حجرہ میں بند ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہر جگہ ظاہر کیوں ہوگا بلکہ وہ تو اسی حجرۂ شریفہ میں بند ہو گیا۔ یہ شبہ معترض ہی کی عقل کے لائق و شایان۔ أقول أولاً یہ ظاہر کہ لکن دفع وہم و استدراک کے لیئے آتا ہے چونکہ محشی کی تمثیل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ وہ نور ازہراب مستعد ہو گیا جیسا کہ حجرہ میں بند شمع کا نور پوشیدہ ہو جاتا ہے اس لیئے محشی نے لکن نورہ کما کان الخ لیکن حضور کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا اور صاف بتا دیا کہ وہ نور ایسا نہیں کہ حجابات کثیفہ سے رک جائے۔ ثانیاً اگر یہ مانو تو مستدرک منہ اور مستدرک علیہ میں فرق نہ ہوگا نیز محشی پر یہ الزام آئے گا کہ صاحب نور الایضاح نے فرمایا تھا کہ (غیر انہ حجب عن القاصرین الخ) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں تمام نعمتوں اور عبادتوں سے لطف اندوز ہیں مگر قاصرین کی نظر سے پوشیدہ ہیں اس قول پر محشی کی وہ تمثیل صحیح نہ ہوگی کہ جب تمہارے طور پر وہ نور حجرۂ شریفہ میں بند ہے اور ظاہر نہیں ہے تو اب قاصر نظروں کی کیا تخصیص رہی۔ ومن ھنا ظھر ان التشبیہ فی قولہ ولکن نورہ کما کان الخ فی الظھور والبقاء معالا البقاء فحسب فسقط ما اوردہ البعض عن المعترض وللہ الحمد۔ ثالثاً محشی کا قول (بل ازید) اس شبہ کا کافی رد ہے کہ وہ نور جب قبر شریف میں محصور ہو گیا تو ازید کب رہا بلکہ انقص ہو گیا ھذا خلف یہ تو محشی کے مفروضے کے خلاف ہے بحمدہ مانعین کے مستند کی عبارت سے استدلال تام ہوا وللہ الحجۃ القاھرۃ اب معترض صاحب کی بقیہ موشگافیوں کی خبر لیں واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ لکھتے ہیں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ فتح، سورۂ مزمل سورۂ احزاب میں شاہد اور سورۂ بقرہ سورۂ نساء میں شہید

کہا گیا ہے اصول تفسیر کا تقاضہ ہے کہ تمام مقامات پر شاہد اور شہید کے ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ایک دوسرے کے خلاف نہ ہوں کیوں کہ اللہ کا کلام تضاد سے پاک ہے مگر ترجمہ رضویہ میں سورۂ احزاب اور سورۂ فتح میں شاھد کا ترجمہ حاضر وناظر لکھا ہے اور سورۂ بقرہ میں شہید کا ترجمہ نگہبان وگواہ لکھا ہے" اقول ہم پہلے ثابت کر آئے کہ شاہد و حاضر میں منافات نہیں اور جو شاہد مانے گا وہ ضرور حاضر مانے گا اس لیئے کہ شہادت میں حضور شرط ہے اور وہی اصل ہے اور اصل سے عدول بے دلیل جائز نہیں نیز ہم یہ دکھا آئے کہ شہیداً میں نگہبان وگواہ معترض کی مبلغ علم تفسیر بیضاوی وتفسیر نسفی میں فرمایا گیا ہے اور یہ بھی گزر چکا کہ اسی طرح شاہداً میں رقیباً کی تضمین ضروری ہے جس طرح شہیداً میں مانی گئی۔ اس پر تفسیر ابوالسعود وجمل کی عبارتیں گزریں۔ اب اگر یہی لیاقت علمی ہے کہ حاضر وگواہ کو ایک دوسرے کے خلاف سمجھ لیا جائے تو قرآن میں تضاد کا الزام محض امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے سر نہ رہے گا بلکہ النسفی و بیضاوی و دیگر مفسرین کے سر بھی جائے گا۔ معترض صاحب بتائیں کہ ان مفسرین کرام کو کیسے کیسے الزاموں سے خراج تحسین پیش کریں گے پھر اس میں کون سی آفت ہے کہ ایک شخص شاہد بھی ہو حاضر بھی ہو نگہبان بھی ہو جب کہ شاہد و نگہبان کے لیئے حضور ضروری ہے۔ ارے صاحب آپ جیسے گستاخانِ رسول کیلئے قرآن فرماتا ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (الآیۃ) گونگے بہرے، اندھے۔ کہیں یہاں بھی تضاد گا ٹھیے گا۔ آگے آپ نے آیۂ کریمہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کا ترجمہ رضویہ لکھا ہے جو یہ ہے "اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں کے گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان وگواہ" پھر لکھتے ہیں "یہاں شہید کا ترجمہ نگہبان و گواہ لکھا ہے اور "شہداء" کا ترجمہ صرف گواہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نگہبان کا لفظ محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لیئے، بڑھایا ہے ورنہ جب شہید کا ترجمہ گواہ ہو گیا تو پھر نگہبان کس کا ترجمہ ہے" جی ہاں بیضاوی و نسفی سے بھی پوچھئے کہ آپ نے رقیباً کی تضمین کیوں مانی ہے اور انہیں بھی یہی الزام دیجئے کہ انہوں نے ایسا محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لیئے کیا ہے ورنہ جب شہید کا معنی صرف گواہ ہو گیا تو رقیب و نگہبان کس کا معنی ہے بلکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے دو نا روئیے کہ حضرت آپ تو ہمارے امام الطائفہ کے بزرگوں میں ہیں، آپ نے تو ہمارے امام الطائفہ کی ایک نہ رکھی۔ ہائے آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ "بلکہ می تواں گفت کہ شہادت درینجا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی است تا از حق بیروں نہ روید چنانچہ واللہ علی کل شیء شہید و در مقولہ حضرت عیسیٰ کہ کنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء شہید و چوں ایں نگہبانی و اطلاع طریق تحمل شہادت است وتحمل شہادت برائے اداء شہادت می باشد در احادیث ایں شہادت را بگواہی روز قیامت تفسیر فرمودہ اند بیانا لحاصل المعنی لا تفسیرا للفظ یعنی کہا جاسکتا ہے کہ شہادت یہاں بمعنی گواہی نہیں بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی ہے تاکہ راہ حق سے باہر نہ جاؤ جیسا کہ واللہ علی کل شیء شہید (اللہ ہر شئے پر نگہبان ہے) میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقولہ کنت علیہم شہیداً میں (یعنی میں ان پر نگہبان تھا) اور جب کہ اطلاع ونگہبانی تحمل شہادت کا وسیلہ ہے اس لیئے احادیث میں شہادت کو گواہی سے تفسیر فرما دیا حاصل معنی کے بیان کے لیئے نہ کہ لفظ کی تفسیر کے لیئے۔ آگے چل کر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں ذکر کرنیکے بعد یوں منہ کھولیں گے "جب حدیث سے شہید کے معنی گواہ متعین ہو گئے تو پھر کسی دوسرے معنی کو مراد لینا رسول دشمنی نہیں تو کیا ہے" شاہ صاحب کی عبارت سے خصوصاً فقرہ مذکورہ بیانا لحاصل المعنی لا تفسیرا للفظ سے اپنی ساری

تقریر کا جواب پیشگی لیجئے اور یہ بتانے چلئے کہ جب حدیث سے شہید کے معنی گواہ متعین ہو گئے تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے کیونکر فرما دیا "بلکہ می تواں گفت الخ" کیوں جی اپنے ہی منہ سے شاہ صاحب کو رسول دشمن کہنے سے پہلے کہیں کلیجہ تو منہ کو نہ آئیگا۔ آگے تحریر کرتے ہیں "پھر شہداء میں نگہبان اس لیئے نہ بڑھایا کہ پوری امت کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا اقول اولاً یہ اعتراض بھی حسب سابق بیضاوی و دیگر مفسرین بلکہ خود شاہ صاحب پر لگا کہ انہوں نے بھی شہداء میں نگہبان کی تضمین نہ مانی ثانیاً اس کا جواب اپنی مبلغ علم بیضاوی و نسفی ہی سے لیجئے۔ بیضاوی میں ترجمہ ہے! یعنی تاکہ تم ان دلائل سمعیہ میں جو تمہارے لیئے نصب کی گئیں اور اس کتاب میں غور کر کے جو تمہارے اوپر اتری جان لو کہ اللہ نے کسی کے حق میں نہ بخل کیا نہ ظلم فرمایا بلکہ باتیں آشکارا فرما دیں اور رسول بھیجے تو انہیں تبلیغ فرمائی اور نصیحت کی۔ نسفی میں ہے والشھادۃ قد تکون بلا مشاھدۃ کالشھادۃ بالتسامع فی الاشیاء المعروفۃ الخ اور شہادت کبھی بغیر مشاہدہ کے ہوتی ہے جیسے سن کر شہادت دینا جانی پہچانی ہوئی باتوں میں۔ خود شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: "ولہذا چوں امم دیگر در مقام رد شہادت ایشاں خواہند گفت کہ شما ازچہ رو شہادت می دہید حالانکہ در وقت ما نبودید و حاضر واقعہ نہ شدید ایشاں جواب خواہند گفت کہ ما را خبر خدا بوساطت پیغمبر خود رسید و نزد ما بہتر از دیدن و حاضر شدن گردید و در شہادت علم یقینی بہ مشہود علیہ می باید بہر طریق کہ حاصل شود" دیکھو علامہ بیضاوی و علامہ نسفی و شاہ صاحب سب کس قدر صاف فرما رہے ہیں کہ امت کی شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہے۔ ان کی اخبار و احادیث سن کر یہ شاہد ہوں گے اور شاہ صاحب نے تو یہ بھی فرما دیا کہ یہاں حضور سے سن لینا مشاہدہ و معائنہ سے امت کے حق میں بہتر قرار پایا بلکہ خود حدیث میں اس امر پر دلالت موجود کہ امت کی شہادت شہادت بالتسامع ہے۔ افسوس کہ پھر بھی معترض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور امت کی شہادت میں فرق نہ سوجھا نیز آپ تحریر کرتے ہیں: "سورۂ نساء کی آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا میں بھی یہی حرکت کی ہے" اقول یہ اگر نازیبا حرکت ہے تو آپ کے زعم پر بیضاوی و نسفی اور خود شاہ صاحب نے بھی سورۂ بقرہ میں یہی حرکت کی ہے کہ گواہ کے معنی میں نگہبان کی تضمین کر دی ہے بلکہ شاہ صاحب نے تو یوں فرمایا ہے "بلکہ می تواں گفت کہ شہادت در اینجا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است" تو تمہارے زعم پر تو شاہ صاحب کی بات اور زیادہ سخت ہو گی کہ انہوں نے شہادت کو بمعنی گواہی نہ رکھا بلکہ بمعنی نگہبانی متعین فرما دیا" تو پھر کسی دوسرے معنی کو مراد لینا رسول دشمنی نہیں تو کیا ہے تو آپ کے زعم پر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ معاذ اللہ زیادہ مجرم ہوئے کہ انہوں نے اس معنی کا انکار فرما دیا جو آپ کے زعم پر حدیث سے متعین ہو گئے بخلاف دوسروں کے کہ انہوں نے اس معنی کو مقرر رکھا ہاں نگہبان کی تضمین اس میں کر دی جو آپ کو ناگوار ہے۔ اب اگر آپ واقعی منصف مزاج ہیں تو بیضاوی و نسفی اور خصوصاً شاہ صاحب پر بھی نفریں کیجئے۔ فقرۂ سابقہ کے متصل ہی آپ یوں منہ کھولتے ہیں، جبکہ دوسرے مفسرین و مترجمین صرف گواہ مراد لے رہے ہیں"، مفسرین کرام نے کیا مراد لیا وہ تو پہلے ہی کھل گیا۔ شیخ محقق کی شہادت اور سنتے چلو۔ فرماتے ہیں" و آں حضرت را نیز شاہد و شہید خوانده وما ارسلنٰک الا شاھدًا یعنی عالم و حاضر بحال امت الخ مدارج النبوۃ۔ ہم کہیں اور سب کہیں "جھوٹوں پہ خدا کی لعنت"، اور سنئے لکھتے ہیں "لغت میں شاہد کا ترجمہ حاضر بھی لکھا گیا ہے اس لیئے آیت میں اگر شاہد کا ترجمہ حاضر لکھ دیا گیا تو لغت کے اعتبار سے صحیح ہونا چاہیے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جب لفظ دو معنوں میں مشترک ہو" الخ اَقُولُ ہم ثابت کر آئے کہ شاہد کا معنی حقیقت لغویہ بلکہ شرعیہ ہے تو "حاضر و گواہ" میں شاہد کے مشترک ہونے کا دعویٰ باطل اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے ثابت ہوا کہ شہادت میں حضور شرط داخل ہے تو شاہد بمعنی گواہ حاضر کا ایک فرد ہوا

نہ کہ شاہد و حاضر منافی ہوئے غرضیکہ آپ کی اگلی اور پچھلی دونوں راہیں بند ہیں۔

قولہ اس لیئے شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر کر کے اللہ کی صفت خاص میں پیغمبر کو شریک ماننا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

اقول جس طرح اللہ کی صفت میں کسی کو شریک ماننا شرک ہے اسی طرح مخلوق کی صفت میں اللہ کی شرکت ماننا کفر ہے بحمدہ تعالے ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر کے معانی حقیقیہ اللہ کے شایان شان نہیں اس لیئے کہ وہ تمام معانی لوازم اجسام ہیں تو وہ اس کیلئے ہو سکتے ہیں جو جسم ہو تو اُسے ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا اسے جسم کہنا ہے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا یہاں سے ظاہر کہ اہلسنت پر اللہ کی صفت خاص میں پیغمبر کو شریک ماننے کا الزام محض بہتان ہے بلکہ درحقیقت آپ نے خود اللہ تعالی کے لیئے مخلوق کی صفت ثابت کی ہے اور یہ آپ کی کوئی نئی نہیں بلکہ آپ کے امام الطایفہ نے بھی خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر کہہ کر اس کی توہین کی ہے پھر اسی منہ سے توحید پرست بنتے ہو اور دوسروں کو مشرک بتاتے ہو۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی اور اگر تمہارے نزدیک یہ اللہ کی صفت خاصہ ہی ہے تو ان سے پوچھو جنہیں تم بھی امام و مقتدا مانتے ہو جو تمہارے امام الطایفہ کے بزرگوں میں ہیں کہ یا حضرت آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امت کے مراتب پر مطلع مان کر اور انہیں تمام امت پر نگہبان بتا کر شرک کیوں کیا اور ہمیں بتاؤ کہ جب تمہارے اور تمہارے امام الطایفہ کے فتوے سے وہ مشرک ہوئے تو تم انہیں امام و مقتدا مان کر کافر ہوئے کہ نہیں قولہ "یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین شاہد کے معنی گواہ لے رہے ہیں" پھر وہی رٹ۔ ہم پھر کہیں گے کہ مفسرین صرف گواہ مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ رقیب کی تضمین مان رہے ہیں جیسا کہ گزرا اور اگر وہ صرف گواہ ہی مراد لے رہے ہیں تو تمہیں کیا مفید ہے ہم نے بحمدہ ثابت کیا کہ دونوں طرح ہمارا مدعا ثابت ہے گواہ کہو یا نگہبان و للہ الحجۃ البالغۃ۔

قولہ "اور قرآن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد و شہید کہا گیا ہے اور امت محمدیہ کو شہداء کہا گیا ہے جو شاھد کی جمع ہے تو اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر ہوں تو امت کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے جو عقل و نقل کے خلاف ہے" ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور امت کی شہادت میں فرق بتا آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں حضور و مشاہدہ ملحوظ ہے تو حضور کی شہادت بہ معاینہ ہے اور امت کی شہادت بہ معائنہ نہیں بلکہ حضور کی شہادت پر شہادت بالتسامع ہے اسی لیئے مفسرین کرام نے شہید میں رقیب کی تضمین مانی اور شاہد کی تفسیر مراقبہ و مشاہدہ سے کی ہے جیسا کہ تفسیر ابو السعود و جمل سے گزرا علامہ صاوی کا فرمان اور سنتے چلو کہ باذن اللہ ہمارا دعوی مزید مؤکد ہو اور ذہن معترض میں ابھرنے والے سوال کا پیشگی جواب بھی ہو جائے۔ آیت کریمہ وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشاھدین (یعنی جب ہم نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی رسالت فرمائی تو آپ سینا کی جانب غربی میں نہ تھے اور آپ شاہدین میں سے نہ تھے) کے تحت فرماتے ہیں۔ وھذا بالنظر الی العالم الجسمانی لاقامۃ الحجۃ للخصم واما بالنظر الی العالم الروحانی فھو حاضر رسالۃ کل رسول وما وقع لہ من لدن ادم الی ان ظھر بجسمہ الشریف ولکن لا یخاطب بہ اھل العناد۔ خلاصہ یہ کہ ارسال رسل اور ان کے زمانوں کے واقعات پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر و موجود نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے یعنی ان واقعات پر نبی کریم کا جسمانی حضور نہ تھا اور عالم روحانی کے اعتبار سے نظر کی جائے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اپنے زمانے تک ہر رسول کی رسالت اور تمام واقعات پر حاضر ہیں۔ یہاں تک کہ حضور نے اپنی جسمانیت مطہرہ کے ساتھ ظہور فرمایا لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہل عناد کو

خطاب نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی اگر اپنے دعوی پر مجبور ہیں کہوں گا کہ تمام امت کی شہادت اگرچہ بالتسامع ہے مگر فضل الہٰی سے اولیاء کے لیئے شہادت بالمعاینہ کچھ دور نہیں اور ان کے لیئے اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں حضور مَعَ المشاهده مانا جائے تو یہ ہمارے دعوی کا عین مؤید ہوگا کہ انکا یہ کمال کمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے بلکہ عین کمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ علماء فرماتے ہیں الکرامۃ من جنس المعجزۃ کرامت معجزہ ہی کی جنس سے ہے اور بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے طفیل بہت سے اولیاء کو حضور مع المشاهده کی فضیلت حاصل ہے۔ صاوی میں علامہ شعرانی کی القواعد الکشفیۃ سے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سہل تستری رضی اللہ عنہما کی بابت نقل فرمایا۔ وکان علی کرم اللہ وجہہ یقول الخ لاعرف العھد الذی عھد الی ربی وکان سھل التستری یقول انی لاعرف تلامذتی من ذلک الیوم ولم ازل اربیھم فی الاصلاب حتی وصلوا الی یعنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے کہ مجھے وہ عہد یاد ہے جو اللہ نے مجھ سے عالم ارواح میں فرمایا تھا اور حضرت سہل تستری فرماتے کہ اس دن سے اپنے شاگردوں کو پہنچانتا ہوں اور ان کی تربیت اصلاب آباء میں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ تک پہنچے۔

روح البیان میں ہے قال الغزالی رحمۃ اللہ تعالٰی والرسول لہ الخیار فی طواف العالم مع ارواح الصحابۃ رضی اللہ عنھم لقد راٰہ کثیر من الاولیاء یعنی غزالی نے فرمایا رسول کو صحابہ کی روحوں کے ساتھ عالم کے طواف کا اختیار ہے بہت سے اولیاء نے حضور کو صحابہ کے ساتھ دیکھا ہے بہجۃ الاسرار شریف میں سرکار غوث اعظم سے نقل کیا کہ آپ فرماتے ہیں پروردگار تعالٰے وتقدس کی قسم نیک بخت وبدبخت سب مجھ پر پیش ہوتے ہیں اور میری نظر لوح محفوظ میں ہے۔ میں دریائے علم ومشاہدہ الہٰی کا غوطہ خور ہوں۔ میں تم سب پر اللہ کی حجت و نائب رسول اللہ اور ان کا وارث ہوں۔ عزۃ ربی ان السعداء والاشقیاء لیعرضون علی عینی فی اللوح المحفوظ انا غائص فی بحر علم اللہ ومشاھدتہ انا حجۃ اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووارثہ فی الارض۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں اس عبارت کا فارسی ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ بعزت پروردگار کہ نیک بختان وبدبختان ہمہ عرض کردہ می شوند برمن ونظر من در لوح محفوظ است منم غواص دریائے علم ومشاہدہ الہٰی من حجت خدا وتدم برتمامہ شما ونائب رسول اللہ ووارث اویم اھ۔ شیخ محقق کی عبارت اگرچہ بعینہ بہجۃ الاسرار کی عبارت کا ترجمہ ہے مگر ہم نے پھر بھی اسے پیش کیا اس لیئے کہ شیخ محقق معترض کے بھی مستند ہیں اور یہی شیخ محقق بہجۃ الاسرار سے اخذ واستناد فرماتے ہیں جیسا کہ مدارج النبوۃ میں نظر کرنے سے ظاہر ہے۔

ہر چند کہ ہمیں امت کے حضور مَعَ المشاهده ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی اس لیئے کہ خود معترض کی منقولہ روایات سے اور اقوال علماء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی شہادت میں فرق خود روشن ہو گیا تاہم ہم نے معترض صاحب کی یہ بالکل ہٹ بھی پوری کردی وللہ الحمد۔ اب معترض صاحب نے یہ جو لکھا کہ تمام امت کو حاضر وناظر ماننا پڑتا ہے جو عقل ونقل کے خلاف ہے،، اولاً اس دعوی کے متعلق یہ بتاتے چلیں کہ انہوں نے اس دعویٰ پر قرآن وحدیث واقوال علماء سے دلیل کیوں قائم نہ کی نیز وہ کون سی دلیل عقلی ہے جس سے یہ دعوی ثابت ہے؟ کیوں نہ بتایا۔ ثانیاً جب کہ یہ دعوی مسلمات سے نہیں تو اس دعوی پر دلیل نہ قائم کرنا اور خصم کو یہ وہم دلانا کہ یہ امر مسلمہ ہے جبھی تو دلیل نہ قائم کی بدترین جہالت۔ صریح فریب اور امانت علمی میں خیانت ہے کہ نہیں؟ ثالثاً اپنا چاک گریباں تو دیکھئے۔ اجی صراط مستقیم میاں اسمٰعیل دہلوی کے پیروں کے لیئے کیا کہہ چکی۔ وہ تو انہیں ملائکہ مدبرات الامر کے زمرہ میں گنا چکی اور تدبیر امور کے لیئے ملائکہ بیک وقت ہر جگہ حاضر ہو جاتے ہیں

اور میاں جی ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کے لیئے خاص بتا چکے اور اس طرح اپنی توحید مزعوم میں روافض سے مل چکے جو حضرت علی کی نسبت حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ مشرکین کے بھی مشابہہ ہو گئے جو رام کو ہر شے میں رما ہوا جانتے ہیں والعیاذ باللہ العلی العظیم دیکھو تقویت الایمان صـ۱۷ لاجرم اپنے مشائخ طریقت اور ملائکہ کو خود ہی معاذ اللہ خدا کے برابر کر دیا کیوں معترض صاحب یہ تو عقل و نقل کے خلاف نہیں بلکہ عین اسلام ہوگا۔ اسی منہ سے مسلمانوں کو مشرک گردانتے ہو۔

شرم بادت از خدا و از رسول ۔۔۔ نے فروعت محکم آمد نے اصول

قولہ اور حدیث میں بھی رسول اکرم اور ان کی امت کو گواہ کہا گیا ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اس لیئے شاہد کا ترجمہ گواہ متعین ہو گیا۔ اقول جی ہاں اور شاہ صاحب نے بلکہ می تواں گفت کہ شہادت دریں جا بمعنی گواہی نیست کہہ کر آپ کے اس متعین کا انکار فرمایا ہے۔ انصاف کے پکے شاہ صاحب کو اپنے زعم پر کافر و گمراہ کہیں تو ہم جانیں۔ قولہ شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر کرنے میں قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی مخالفت لازم ہوتی ہے جس سے بچنا فرض ہے۔ اقول۔ شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر نہ کرنے میں صراط مستقیم کی زبردست نفریں کا سامنا ہے کہ مشائخ طریقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا دیا اور کرنے میں تم سب پر تقویت الایمان کا شرک سوار ہوتا ہے جس سے بچنا فرض ہے۔ بچ نکلو تو جانیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بحمدہ تعالیٰ شاھداً کے ترجمہ پر تمام اعتراضات معترض کا جواب شافی ہو گیا۔

قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ پر اعتراض

معترض صاحب نے قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ رضویہ پر بھی اعتراض کا منہ کھولا ہے۔ ترجمۂ رضویہ درج ذیل ہے۔

”تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں“

معترض صاحب کو لفظ ”ظاہر صورت بشری“ پر اعتراض ہے۔ ان کی معترضانہ تحریر عنقریب آئیگی۔ سر دست ہمیں ان کلمات سے کام ہے جو معترض نے بطور تمہید کہے ہیں۔ معترض نے کہا ”بریلوی فرقے کی طرف سے علماء اہل سنت کے بارے میں یہ بار بار کہا جاتا رہا ہے کہ وہ پیغمبروں کی بشر اور بھائی کہہ کر توہین کرتے ہیں“ اقول وباللہ التوفیق چہ خوش۔ اپنی پردہ پوشی کا کیا خوب انداز ہے۔ عبارت ایسی اختیار کی جو ناظر کو خواہ مخواہ یہ وہم دلاتے کہ یہ بیچارے علمائے دیوبند اس الزام سے بری ہیں۔ جی ہاں بے شک توہین رسول تمہارا اور تمہارے اکابر کا شیوہ ہے۔ منجملہ تنقیص شان رسالت کے یہ بھی ہے کہ تمہارے امام الطائفہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف بھائی کہا ہے اور جگہ محبوبان خدا کو تمام انسانوں کے ساتھ عجز و نادانی میں شریک بتا کر اپنے جیسا بشر قرار دیا ہے تقویت الایمان میں کہا ”ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم چھوٹے“ صـ۸۱ سو بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے“ صـ۸۰ نیز کہا ”جو بشر کی سی تعریف ہے سو وہی کرو اس میں بھی اختصار ہی کرو“ صـ۸۵ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار سے تشبیہہ دی اس کی عبارت یہ ہے ”جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار اسی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں“ صـ۸۵ و صـ۸۶ نیز اسی تقویت الایمان میں ہے ”ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان“۔ نیز سب انبیاء کے لیئے لکھ مارا ”سب انبیاء اس کے روبرو ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں“ بحمدہ تعالیٰ معترض نے جیسے یہ کہہ کر بریلوی فرقہ کی طرف سے الخ چھپانا چاہا تھا ہم نے اسے بے نقاب کر دیا خود معترض کی پردہ پوشی ان عبارتوں کی قباحت کی کھلی دلیل ہے ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ لہٰذا ہمیں ان کے رد کی چنداں حاجت

نہیں وللہ الحمد۔ اسی منہ سے اپنے کو علمائے اہل سنت کہتے ہو۔ یہ منہ اور مسور کی دال قولہ لیکن جب بریلویوں کے مجدد ترجمہ کرتے کرتے ان آیتوں پر پہنچے جن میں پیغمبروں کو بشر اور بھائی کہا گیا ہے تو عجب کش مکش اور الجھن میں پڑ گئے کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے اس لیئے درمیانی چال چلی کر ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دئے الخ ھذیا نانہ۔ اقول اولاً معترض صاحب کی یہ عادت بن گئی ہے کہ دعوی کر دیتے ہیں اور دلیل نہیں دیتے جیسے ان کا دعوی مسلمات میں سے ہو۔ یہاں بھی یہی کیا ہے کہ دعوی کر دیا کہ "الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے" اور وجہ نہ بتائی۔ ہم بتائیں معترض صاحب کی یہ لیاقت علمی ہے کہ انہوں نے آیۂ کریمہ قل انما انا بشر مثلکم کو اپنے دعوے کی دلیل سمجھ لیا ہے۔ جبھی تو جھک کے کہا کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الخ حالانکہ آیۂ کریمہ میں حضور سے فرمایا گیا کہ تم تواضعاً فرما دو میں تم جیسا ہوں نہ کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم کہیں کہ حضور ہم جیسے بشر ہیں اور ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں جبکہ اللہ عزوجل حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء اے نبی کی بیبیو! تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیئے فرماتے ہیں تم میں کون مجھ جیسا ہے لست کاحد منکم میں تم میں کسی کی طرح نہیں تو یہ خوش فہمی معترض صاحب پر الزام کی رجسٹری کر رہی ہے وللہ الحمد ثانیاً معترض نے کہا "اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے" بحمدہ تعالےٰ معترض نے خود اپنے منہ قبول دیا کہ یہ ترجمہ رضویہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے اس لیئے کہ ناظرین کرام پر یہ روشن کہ یہ کہنا کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں" اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ترجمہ غلط نہ ہو اور ہر سمجھ والے پر ظاہر کہ غلط اور صحیح کے درمیان واسطہ نہیں تو جو غلط نہ ہوگا ضرور صحیح ہوگا تو اب ناظرین کرام خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ معترض نے یہ کہہ کر کہ اس لیئے درمیانی چال چلی الخ اپنا رد خود ہی کر لیا اور اپنی سمجھ دانی سب کو کھول کر دکھا دی ع

خدا جب دین لیتا ہے خرد بھی چھین لیتا ہے

کذلک العذاب ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون

اب معترض صاحب بہادر ترجمہ رضویہ لکھنے کے بعد یوں منہ کھولتے ہیں "اس ترجمہ پر کئی اعتراض واقع ہوتے ہیں اول یہ کہ قرآن مجید میں انما انا بشر مثلکم اصل عبارت ہے۔ معمولی عربی جاننے والا سمجھتا ہے کہ انما حصر کے لیئے ہے اور بشر کے معنی آدمی اور مثل کے معنی جیسے اور کم کے معنی تم ہیں اس لیئے صحیح ترجمہ یہ ہوا بس میں تمہارے جیسا آدمی ہوں اسی لیئے شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہارے اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے "میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم" ان حضرات کے علاوہ اردو ترجمہ کرنے والوں نے اسی جیسا ترجمہ کیا ہے اس لیئے فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا اور وہ بھی بریکٹ کے بغیر بہرحال غلط ہے۔ اقول اولاً آپ کا یہ زعم کہ "فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا بہرحال غلط ہے" بالکل غلط اور مہمل ہے آپ پہلے یہ کہہ کر کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے" اپنے منہ آپ قبول چکے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ ہاں اپنی لیاقت علمی سے اسے درمیانی بتا رہے ہیں تو آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ یہ ترجمہ غلط ہے نہ صحیح ہے بلکہ درمیانی ہے۔ یہیں سے آپ کے اعتراض کی حقیقت ظاہر کہ خود ہی کچھ کہتے ہیں اور خود ہی اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ ثانیاً جناب کا تراجم کو ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے پر دلیل بنانا صحیح نہیں یوں کہیے کہ ترجمۂ رضویہ ان دو مشہور تراجم کے خلاف ہے تو ایک بات بھی ہوتی مگر صاحب بہادر ہر غیر مشہور کا غلط ہونا ضروری نہیں۔ ہم صادی سے اس کی مثال دے چکے فتنبہ کرتمہ۔ ثالثاً ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ بیان

کی ہے کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دئے اور اسی کی دلیل آیت کریمہ کے مفردات کے معانی بیان کر کے دی ہے سبحٰن اللہ* آپ عربی بھی پڑھانے لگے۔ یہ منہ اور مسور کی دال پھر اس عربی پڑھانے میں کیسی صریح غلطی کی کہ کُمْ کے معنی تم۔جی اگر کم کا معنی تم ہے تو (تمھارے) کس کا ترجمہ ہے۔ یہیں سے ظاہر کہ جناب کو معمولی عربی بھی نہیں آتی کہ سمجھ لیتے کہ کُم یہاں محل جر میں مضاف الیہ ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے ہوا نہ کہ تم اقول وباللہ التوفیق۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ظاہر صورت بشری'' کلام پر زائد ہے اس لئے کہ بوظاہر کہ اِنما انا بشر مثلکم (میں تم جیسا بشر ہوں) میں تشبیہ ہے اور تشبیہ کے ارکان چار ہیں۔مشبہ۔مشبہ بہ۔اداۃ تشبیہ اور وجہ تشبیہ۔ اب میں تم جیسا بشر ہوں'' میں بشریت حضور مشبہ اور لوگوں کی بشریت مشبہ بہ اور جیسا اداۃ تشبیہ ہے۔ رہی وجہ تشبیہ تو وہ لفظاً میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے اور محذوف میں حقیقت میں لفظ ہے۔ شرح جامی میں ہے۔ حا المحذوف لفظ حقیقۃ الخ اور محذوف حقیقۃً لفظ ہے۔معترض صاحب۔ اب بتائیں کہ یہ ترجمہ میں زیادتی ہوئی۔یا اس محذوف وجہ تشبیہ کا اظہار ہوا جو جزو تشبیہ ہے اور جس کے بغیر کلام صحیح نہیں۔ اسی منہ سے عربی پڑھانے چلے تھے، پھر یہ کہ آیت کریمہ میں بشر مثلکم خود اس وجہ تشبیہ کے محذوف ہونے پر قرینہ ہے جو یہ سمجھا رہا ہے کہ تشبیہ ظاہر بشریت میں ہے نہ کہ باطن وروح میں مگر سمجھنے کا قرینہ تو چاہیے۔ معترض صاحب اب بتائیں کہ جب کہ وجہ تشبیہ یہاں ضروری اور اس پر خود قرینۂ لفظیہ موجود تو شاہ رفیع الدین وشاہ عبدالقادر علیہما الرحمۃ کے ترجمے میں اور ترجمۂ رضویہ میں سوائے اس خصوصیت کے کہ ترجمۂ رضویہ میں وجہ تشبیہ صراحۃً مذکور ہے اور ان دو میں نہیں کیا فرق ہوا ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

یہ تو اس صورت پر تھا جب بشریت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشبہ بنائیں اب اگر کہو کہ بشر خود معنی وجہ تشبیہ ہے تو اس صورت میں ظاہر صورت بشری'' اس وجہ تشبیہ کی تفسیر ہوگی کہ یہاں بشریت میں تشبیہ محض باعتبار ظواہر اور اعراض بشری کے ہے نہ کہ باعتبار کل وجوہ کے بلکہ ذہین وفطین پر روشن کہ یہ بشر کے وجہ تشبیہ ہونے کی طرف اشارہ کے ساتھ اس کے معنی کا بطرز لطیف بیان بھی ہے اس لئے کہ بشر میں ظہور ملحوظ ہے شرح شفاء میں ہے وسموا البشرَ الظہور جلودھم لأن البشرۃ ظاھر الجلد۔ یعنی انسان کو بشر اس کے جلد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں اس لئے کہ بشرہ ظاہر جلد ہے تو اسے زیادتی کہنا زیادتی ہے۔ کوئی معقول آدمی ہوتا تو امام احمد رضا کا شکر گزار ہوتا کہ ایسا ترجمہ فرمایا کہ جس نے شبہات کا ازالہ کر دیا اور اس خصوصیت کو سمجھتا کہ ان کا ترجمہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ مختصر اور جامع تفسیر بھی ہے جو اس کے دیکھنے والوں کو بڑی بڑی کتابوں میں دیدہ ریزی کی مشقت سے بچالیتی ہے مگر معترض صاحب سے اس کی کیا امید ع

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے !

اب چلو میں تمھارا جی رکھنے کو یہ تسلیم کر لوں کہ تمہارے بقول ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دئے مگر اے عقلمند ہر زیادتی ناجائز نہیں ہوتی۔ زیادتی وہ ناجائز ہوتی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس پر صحت کلام موقوف ہو۔ وہ حقیقت میں زیادتی ہی نہیں چہ جائیکہ ناجائز ہو۔ اور یہاں تم جسے زیادتی سمجھے ہو وہ زیادتی ضروری ہے اور خود اس کی ضرورت اس کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور سے فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم یعنی تم فرما دو میں تم جیسا بشر ہوں اور حضور کی ازواج مطہرات سے فرمایا یانساء النبی لستن کاحد من النساء۔ اے نبی کی بیویو تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو بھلا کوئی ایمان والا کہہ سکتا ہے کہ نبی تو ہم جیسے بشر ہوں اور نساء نبی جنہیں ساری فضیلت وبرتری نساء نبی ہو کر ملی وہ کسی کی طرح نہ ہوں

اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لست کھیئتکم۔ میں تمہاری ہئیت پر نہیں۔ لست کاحد منکم میں تم میں سے کسی جیسا نہیں
أیکم مثلی۔ تم میں کون مجھ جیسا ہے تو کیا کوئی یہ کہے گا کہ سرکار نے بشریت کا انکار فرما دیا والعیاذ باللہ۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر
اس تعارض کا کیا تدارک ہوگا ظاہر کہ یہاں ترجیح کی طرف راہ نہیں تو لامحالہ تطبیق ضروری اور وہ اسی طرح ہوگی کہ مثلیت
کا اقرار باعتبار ظاہر جسمیت واعراض کے ہو اور مثلیت کا انکار باعتبار باطن و روح محمدی کے ہو۔ دور کیوں جاؤ۔ اسی آیت
کو لیلو جسے تم لوگ بشر کہنے کی دلیل بنائے ہوئے ہو خود اس میں اس پر دلیل موجود ہے ہم سے سنو۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
کے متصل ہی فرمایا گیا۔ یُوحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ یہ ارشاد خود فرق
کی روشن دلیل ہے اور اس وجہ تطبیق کی طرف راہ نما ہے جو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر صورت بشری فرما کر افادہ
فرمائی اس لیئے کہ یہ ظاہر کہ وحی ایسا باطنی امر ہے کہ اس کی خبر ما وشما کو تو کیا ہوتی۔ صحابۂ کرام نے بھی اس کے نزول کو نہ
دیکھا بلکہ منزل دنی میں جو وحی ہوئی اس سے تو خود وحی لانے والے جبریل امین بھی بے خبر ہیں۔ قال تعالٰی فَاَوْحٰٓی اِلٰی
عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی۔ تو اللہ نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی۔ جو وحی کی آیت کریمہ میں عبدہ سے مراد حضور
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اَوْحٰی کی ضمیر اسم جلالت کی طرف راجع ہے کما افادہ فی الشفاء عن جماعۃ من المفسرین
وایدہ تو جب وحی ایسا باطنی امر ہے تو لامحالہ اس باطن کیلئے اسی جیسا باطن سرکار کیلئے ضروری جو تمام بشر کے بواطن سے
اعلٰی ہو اور جب وہ باطن سرکار کیلئے ثابت تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اس باطن و روح کے اعتبار سے بشر سے جدا
ہونا ضروری امر ہوا اور تشبیہ محض باعتبار ظاہر کے رہ گئی اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا ابابکر لم یعرفنی
حقیقۃ غیر ربی کذا فی مطالع المسرات۔ یعنی اے ابوبکر میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے کسی نے نہ جانا اور
یہی مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمان سے جو ارشاد ہوا کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا
نبی مرسل۔ اللہ کے ساتھ میرا ایک وہ وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش نہ کسی نبی مرسل کی مجال اس پر شرح
شفا میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کا فرمان واجب الاذعان سننے کے قابل ہے۔ فرمایا ہے والتحقیق أن المراد بالنبی المرسل
ذاتہ الاکمل فانہ فی مقام جمع الجمع یفنی عن ذاتہ ومقاماتہ ویستغرق فی مشاهدہ ذات اللہ وصفاتہ
یعنی تحقیق یہ ہے کہ مراد نبی مرسل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ کاملہ ہے اس لیئے کہ حضور مقام جمع الجمع میں اپنی
ذات و مقامات سے فنا ہو کر اللہ کی ذات و صفات کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ علامہ علی قاری کے اس ارشاد
سے معلوم ہوا کہ سرکار ابد قرار علیہ افضل الصلاۃ واکمل السلام کے لیئے ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خود انہیں کی بشریت حاضر
نہیں ہوتی بھلا جس کا باطن ایسا ارفع و اعلٰی ہو اس میں سوائے مشابہت ظاہری کے اور کیا متصور ہو۔ لاجرم اسی لیئے
علمائے کرام نے مشابہت صرف حضور علیہ السلام کے ظاہر میں رکھی وہ بھی بایں معنی کہ حضور پر بعض اعراض و امراض بشری
طاری ہوتے ہیں نہ کہ حسن و صورت میں کہ وہ تو سب سے اعلٰی ہے اور جس طرح ان کا باطن سب سے ارفع ہے اسی طرح
تمام انبیاء کے بواطن تمام بشر سے اعلٰی ہیں، شفا میں ہے فظواهرهم واجسادهم وبنیتهم متصفۃ باوصاف البشر
طارئ علیها ما یطرا علی البشر من الاعراض والاسقام والموت والفناء ونعوت الانسانیۃ وارواحهم
بواطنهم متصفۃ باعلی من اوصاف البشر متعلقۃ بالملا الاعلی متشبهۃ بصفات الملئکۃ سلیمۃ من التغیر
والافات لا یلحقها غالبا عجز البشریۃ ولا ضعف الانسانیۃ الخ یعنی انبیاء کے ظواہر اور ان کے اجسام اوصاف

بشری سے متصف ہیں ان پر وہ طاری ہوتا ہے جو بشر پر طاری ہوتا ہے یعنی اعراض و امراض و موت اور انسانی احوال اور ان کی ارواح و بواطن ان اوصاف سے متصف ہیں جو بشر کے اوصاف سے اعلیٰ ہیں اور صفات ملئکہ کے مشابہ ہیں تغیر و آفات سے محفوظ ہیں کہ انہیں عجز بشریت اور ضعف انسانیت نہیں لاحق ہوتا۔ نسیم الریاض شرح شفا میں ہے۔ (فجعلوا من جهة الاجسام والظواهر مع البشر) أي موافقين لهم في صورتها (ومن جهة الارواح والبواطن مع الملائكة) أي متصفين بصفاتهم وهذا دليل على أن ظاهره صلى الله عليه وسلم بشري وباطنه ملكي ولذا قالوا ان نومه عليه الصلاة والسلام لا ينقض وضوءه كما صرحوا به ولا يقاس عليه غيره من الأئمة كما توهم وتوضؤه صلى الله عليه وسلم استحبابا أو تعليما للامة أو لعروض ما يقتضيه نیز اسی میں ہے لانه صلى الله عليه وسلم بشري الظاهر ملكوتي لا يتحلى باحوال البشر الا اذا امره الله تعالىٰ بها ليتأسى به أمته وتتشرف بما رضيه له فعده صلى الله عليه وآله وسلم من البشر كعد الياقوت من الاحجار۔ یعنی انبیاء کرام اپنے ظواہر و اجسام کی جہت سے بشر کے ساتھ کئے گئے یعنی ظاہر صورت بشری میں بشر کے مشابہ ہوئے اور اپنی ارواح و بواطن کی جہت سے ملئکہ کے ساتھ رکھے گئے یعنی ان کی صفات سے متصف ہوئے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکوتی ہے اسی لیئے علماء نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں اور آپ پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ کسی کو وہم ہوا اور نیند سے حضور کا وضو فرمانا استحبابی امر ہے یا امت کو تعلیم کے لیئے ہے یا کسی ایسے امر کا عارض ہوتا ہے جو وضو کا مقتضی ہے اس لیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں بشری ہیں باطن میں ملکوتی ہیں اور آپ بشری احوال سے اسی وقت متصف ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے تاکہ امت ان کی ریت پکڑے اور ان خصال حمیدہ سے مشرف ہو جو اللہ نے حضور کے لیئے پسند فرمائے تو حضور کو بشر میں شمار کرنا ایسا ہے جیسا کہ یاقوت کو پتھر میں گننا۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ ان عبارتوں سے کیسا روشن کہ تشبیہ محض ظاہر کے اعتبار سے ہوسکتی ہے اور باطن کے اعتبار سے نہیں ہوسکتی۔ معترض بہادر یہ سنتے چلیں کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ترجمہ جسے انہوں نے اردو کے ترجموں کی بنا پر غلط بتایا تھا وہ علماء کے نزدیک نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ ایسا مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں تو وہ جو ہم نے کہا تھا کہ ہر غیر مشہور غلط نہیں ہوتا محض تنزل تھا اور اردو کے ترجموں کی ہی حد تک تھا۔ نیز ان ارشادات کے پیش نظر ترجمۂ رضویہ کو دیگر تراجم پر فوقیت ظاہر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تو اس کے مقابل دیگر تراجم کو لانا جہل ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ معترض میں ہمت ہے تو اب ان علماء کو وہ الزام دے جو سرکار امام احمد رضا کو دیئے۔ کوئی بعید نہیں کہ انہیں بھی کہنے کی جرأت کر بھاگو۔ مگر پہلے اپنوں کی تو خبر لو۔ سنو یہ شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کیا فرما رہے ہیں۔ وللآخرة خير لك من الاولى کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں "یعنی البتہ ہر حالت آخر بہتر باشد ترا از معاملت اول تا آنکہ بشریت ترا اصلاً وجود نماند و غلبۂ نور حق بر تو علی سبیل الدوام حاصل شود" اھ یعنی ہر آئندہ حالت تیرے لیئے معاملۂ گزشتہ سے بہتر ہوگی یہاں تک کہ تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے اور ہمیشہ کے لیئے تیرے اوپر نور حق کا غلبہ ہو۔ معترض صاحب یہ تو بہت اونچی ہوگئی۔ آپ نے تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو محض اتنی سی بات پر کہ انہوں نے "ظاہر صورت بشری" فرما دیا یہ الزام دے دیا کہ معاذ اللہ سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خدا ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں "دوسرے ظاہر صورت بشری میں تو پیارے پیغمبر دوسرے

انسانوں کی مانند انسان ہیں حقیقت میں کیا ہیں یہ نہیں تبلایا اگر انسان کے علاوہ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق مانا جائے تو توہین ہوئی ہے۔ کیونکہ انسان تمام مخلوقات سے درجہ میں بلند ہے اس لیئے سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں بشر ہیں حقیقت میں خدا ہیں الخ

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔ کافر سب کو کافر ہی سمجھتا ہے مگر شاہ صاحب تو معترض کے طور پر بشریت حضور ہی سے منکر ہو گئے۔ اب انہیں بھی الزام دے ورنہ ان کے بچاؤ کی کیا تدبیر ہے بتائیے۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر　　اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

ابھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اور سنیئے۔ یہ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی قصیدہ بردہ کی شرح عطر الوردہ میں رقمطراز ہیں۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

(ترجمہ) جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اس عیب سے پاک ہیں کہ ان کی خوبیوں میں بالذات اور کوئی ان کا شریک ہو بلکہ تمام خوبیوں کے آپ مستقل مالک ہیں اور وں میں جو خوبیاں ہیں آپ کی خوبیوں کا ظل ہے کیوں کہ وہ آپ ہی سے مستفاد ہیں" الخ معترض صاحب یہ تو تمہیں اور کڑوی لگنی چاہیے کہ اس میں تو سرے سے تشبیہ ہی کی نفی ہے مگر دیوبندی کی شرم رکھنے کو کچھ فتویٰ صادر نہ کرو گے یہی ذوالفقار علی اس کتاب کے آخر میں اپنے قصیدۂ نعتیہ میں کہتے ہیں۔ ع ما مثل احمد فی الوجود کرما یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل وجود میں کوئی کریم نہیں۔ ظاہر ہے کہ کرم ایک باطنی وصف ہے جس میں حضور کے مثل کی نفی کی ہے۔ للہ الانصاف۔ جب حضور کے وصف باطنی میں کوئی آپ کا مثل نہیں تو اب مثلیت سوائے ظاہر کے کا ہے میں رہ گئی کیوں معترض بہادر اب کیا یہی ٹھہرائی ہے کہ ہم کہیں تم نہ کہو۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے میلاد گوہر کے اشعار نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ "ان شعروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا اوتار ظاہر کیا گیا ہے اگر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم نہیں کرتے تو انھوں نے ترجمہ میں "ظاہر صورت" کے الفاظ کیوں بڑھائے"۔ بحمدہ تعالےٰ ہم نے ثابت کیا کہ "ظاہر صورت"، کی قید ضروری جس پر صحت کلام موقوف اور اسی سے آیات واحادیث کے درمیان تطبیق حاصل اور اپنے مفید مطلب عبارات خصوصًا شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا فرمان واجب الاذعان اور آخر میں ذوالفقار علی دیوبندی کی عبارت پیش کی۔ کسی کے خلاف شرع شعر سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر کیا الزام۔ نہ اس "ظاہر صورت"، سے اس شعر کو تسلیم کرنا لازم اور اگر معترض کے نزدیک یہی ہے "ظاہر صورت"، کی قید سے مذکورہ اشعار کا تسلیم کرنا لازم ہے تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور اس دیوبندی سے بھی پوچھے کہ اے شاہ صاحب اگر تم ان کو تسلیم نہیں کرتے تو تم نے کیوں کہا کہ "تیری بشیریت کا اصلاً وجود نہ رہے اور اے دیوبندی صاحب تم نے حضور کے مثل کی نفی کیوں کی۔ معترض بہادر بھرے دیکھے تیر چلا گئے۔ تنبیہ۔ میلاد گوہر سے معترض نے یہ شعر بھی نقل کیا۔

ادب سے زباں تھام کر رہ گیا میں۔ حبیب خدا کو خدا کہتے کہتے اس شعر میں کوئی حرج نہیں اس سے معترض کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا تو اسے ذکر کرنا طرفہ جہالت ہے۔ نیز اس شعر کو بھی معترض نے جائے اعتراض میں رکھا ہے جو یہ ہے۔

ندا بھی کہ سرکار تشریف لاؤ　　دو عالم کے مختار تشریف لاؤ

یہ شعر ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ وہابیہ نہ مانیں تو ہماری بلا سے جہنم میں جائیں۔ پھر لکھتے ہیں "اگر کوئی صاحب کہدیں کہ "ظاہر صورت" اس لیئے بڑھایا گیا ہے تاکہ کوئی دھوکہ نہ کھا جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی پناہ بالکل دوسرے انسانوں

کی مانند کمالات سے سے خالی ہیں یہ کہنا جہالت ہے کیونکہ جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے وہ آپ کے فضائل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ایمان نہیں ان کے لیئے یہ وضاحت بیکار ہے" اقول اولاً۔ ہرگز بیکار نہیں اس لیئے کہ ایمان والوں میں زیرک و نادان سبھی ہیں اور نادان کے لیئے یہ وضاحت ضروری اگرچہ زیرک کے لیئے ضروری نہیں اور بے ایمان کے لیئے یہ قید اس کے منہ میں لگام لگانے کے لیئے ہے۔ ثانیاً۔ معترض نے خود ہی صاف کہہ دیا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جن کا فضائل حضور پر ایمان ہے۔ معترض بہادر اسمعیل دہلوی تو سب بندوں کو بڑے یا چھوٹے عجز و نادانی میں برابر کہہ چکے اور یہ کہہ کر فضائل نبی سے منکر چکے اور تم خود قبول کر چکے کہ جس کا قرآن مجید پر ایمان ہے الخ تو بولو تم اور تمھارا امام بے ایمان ہوئے کہ نہیں پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے الخ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ آگے کہتے ہیں کہ "سوال ہوتا ہے کہ اگر ترجمہ میں صرف بشر لے آتے تو حرج کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کافروں کا طریقہ بتلا چکے ہیں الخ اقول۔ جی کافروں کا طریقہ نہیں تو آپ کے نزدیک مومنوں کا طریقہ ہوگا۔ ذرا بتایئے کون سی آیت کون سی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں نے سرکار کو اپنا جیسا بشر کہا قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ پھر لکھا "رسول اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر اور کائنات وجنت ودوزخ رزق وخیر کا مالک وقاسم بتا چکے ہیں اور حضور کو اپنا مجازی رب اور اپنے کو ان کا بندہ کہہ چکے ہیں" الخ قولہ " اور رسول اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر" اللہ اللہ بقلم خود توحید پرستوں کو حضور کے مظہر الٰہی ہونے پر بھی اعتراض ہے جن کی یہ شان ہے کہ من رَّانی فقد راٰی الحق جس نے مجھے دیکھا اُس نے اپنے اللہ کا جلوہ دیکھا۔ معترض بہادر اگر بندے کا مظہر صفات الٰہی ہونا ناجائز ہے تو تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔ اللہ کے اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو جاؤ کا کیا مطلب ہوگا اور مشکوٰۃ کی اس مشہور حدیث کا کیا معنی بیان کیا جائے گا جس میں وارد ہوا وَلَا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔ یعنی بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک میں اسے چاہتا ہوں تو جب میں اسے چاہتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پیر نہیں تو پھر حدیث کا کیا مطلب ہے معترض صاحب یہ بتائیں۔ معترض بہادر جب اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پیر نہیں تو سوائے اس کے کیا کہئے گا کہ بندہ اللہ کے صفات سمع و بصر و قدرت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اچھا معترض بہادر ہماری نہ مانو تو اپنے امام کی سنو۔ وہ صراط مستقیم میں رقم طراز ہیں کہ "پس حق اگرچہ فی حد ذاتہا مستغنی از مظاہر است لیکن بنا بر اقتضائے حکمت الٰہیہ باوجود استغنا در مظاہر مختلفہ کہ عبارت از مخلوقات است ظہور نمودہ الخ" ملتقطاً لو تم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے صفات کا مظہر کہنے پر معترض ہو امام الطایفہ نے تو ساری مخلوق کو مظاہر صفات کہہ دیا۔ ہماری تائید ہوئی۔ وللّٰہ الحمد۔ معترض بہادر اب امام الطایفہ کو کیا کہتے ہیں۔ کذلک العذاب ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ قولہ "اور کائنات وجنت ودوزخ رزق وخیر کا مالک وقاسم بتا چکے ہیں" الخ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک وقاسم ہیں۔ ان کے رب نے انہیں مالک بنایا۔ قال تعالٰی انا اعطینٰک الکوثر۔ بے شک اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا فرمائی۔ مدارج النبوۃ میں فرمایا۔ مراد بداں خیر کثیر است در دنیا و آخرت الخ۔ مراد اس سے دنیا و آخرت کی کثیر نعمتیں ہیں۔

رہی یہ بات کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ لکھ چکے ہیں تو یہ بے شک صحیح ہے۔ یقیناً ہر اہل ایمان کے لیئے بندۂ سرکار مدینہ ہونا فخر ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خود کو ان کا بندہ کہنا معاذ اللہ انہیں خدا کہنا ہے یہ معترض اور اس کی جماعت کی عقل کے شایان ہے قرآن میں ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرمایا گیا۔ وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم یعنی تم میں جو عورتیں بے شوہر ہیں ان کو بیاہ دو اور تمہارے بندوں اور باندیوں میں جو لائق ہیں ان کا نکاح کر دو معترض بہادر اب یہی الزام خدا کو دو وَلَاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لیس علے المسلم فی عبدہ وَلَا فرسہ صدقۃ مسلمان پر اس کے بندے اور اس کے گھوڑے پر زکوۃ نہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور باقی سب صحاح میں ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ نے مجمع صحابہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو جمع فرما کر علانیہ برسر منبر فرمایا کنت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وکنت عبدہ و خادمہ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں حضور کا بندہ تھا اور حضورؐ کا خدمت گار تھا۔ یہ حدیث وہابیہ کے امام الطائفہ اسمعیل دہلوی کے دادا اور زعم طریقت میں پردادا جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں بحوالہ ابوحنیفہ و کتاب الریاض النضرۃ لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی۔ مثنوی شریف میں قصۂ خریداری بلال رضی اللہ تعالے عنہ میں ہے۔ سیدنا صدیق اکبر نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کی شعر گفت ما دو بندگان کوئے تو۔ کردمش آزاد ہم بر روئے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے قل یعبادی الذین اسرفوا علےٰ انفسھم لَا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا۔ انہ ھو الغفور الرحیم اے محبوب تم اپنی تمام امت سے یوں خطاب فرماؤ کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا۔

مہربان :۔ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

بندۂ خود خواند احمد در رشاد　　　جملہ عالم را بخواں قل یعباد

طرفہ یہ کہ وہابیہ کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی حاشیۂ شمائم امدادیہ میں قرآن کریم کا یہی مطلب ہونے کی تائید کر گئے کہ تمام جہان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ ہے۔ معترض بہادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق اعظم اور مولینا روم علیہ الرحمہ کو بھی کیا شرک کا الزام دیں گے۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہیں گے اور اپنے حکیم الامت تھانوی صاحب کے لیئے کیا کہیں گے۔ اور شیخ محمود حسن دیوبندی رشید احمد گنگوہی کے لیئے کہہ رہے ہیں۔ ع۔ عبید سود کا انکے لقب تھا یوسف ثانی (مرثیہ گنگوہی یعنی رشید احمد گنگوہی کے کالے غلام بھی یوسف ثانی ہیں۔ ان کے لیئے بھی جواب سوچ رکھیں۔ آگے معترض صاحب بہادر منہ کھولتے ہیں۔ اور بعض معتقد تو کھلے طور پر بشریت سے انکار کر چکے ہیں۔ اسی گروہ کے ہمنوا رانا الہ آبادی کہتے ہیں" شعر

تجھے کہہ سکوں بشر میں یہ کہاں مری حقیقت　　　میں زمیں پہ مر رہا ہوں تیری عرش تک رسائی

بہت برے ہیں وہ لوگ جو حضور کی بشریت سے منکر ہیں۔ خارج از اسلام ہیں۔ وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں ہم اہلسنت نہ بشریت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور تمہاری طرح نہ انہیں ایسا بشر کہنے کے قائل جو عجز و نادانی میں دوسروں کے برابر ہو۔ ہمارے نزدیک دونوں مردود جو ان کی بشریت کا منکر ہو وہ بھی اور جو انہیں اپنے جیسا کہے۔ وہ بھی لیکن معترض

بہادر آپ نے دعوی پر بطور سند جو شعر پیش کیا ہے۔ اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر یہ انکار بشریت ہے تو شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا یہ فرمانا کہ نِری بشریت کا اصلا وجود نہ رہے بدرجۂ اولی انکار ہوگا۔ حالانکہ چہ می گویند علماء ملت دیوبندیہ۔ آگے پھر جناب نے ماہر القادری کے دو شعر نقل کئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

محمد مصطفےٰ کی شان رفعت اور ہی کچھ ہے — بظاہر تو بشر ہیں اور حقیقت اور ہی کچھ ہے

پردۂ میم ہٹ گیا وصل حبیب ہوگیا۔ — نور سے نور جا ملا صل علی محمدٍ

پہلا شعر ہمارے نزدیک بالکل درست ہے اور اقوال علماء کا جو ابھی گزرے عین مفاد ہے۔ ہاں دوسرا شعر البتہ ابہام سے خالی نہیں ضرور خلاف احتیاط ہے جس سے بچنا ضروری۔ واللہ سبحنہ وتعالےٰ اعلم۔ پھر لکھتے ہیں "ان لوگوں نے ذاتی وعطائی کی منطق کے ذریعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صفات خداوندی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے،، الخ

معترض بہادر شروع سے آخر تک یہی الزام طرح طرح سے دہراتے جارہے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک خدا ہیں اور ہر مرتبہ ناکام ہوئے اور وہ الزام خود اپنوں کے سر لاد چکے ہیں۔ اب کہ نئی صورت میں یہ الزام دیا ہے اور اس مرتبہ بھی عقل کو ہاتھ سے دیا ہے۔ صاحب بہادر۔ اللہ کی کوئی صفت عطائی نہیں کہ کسی کی دین ہو اس کی ہر صفت ذاتی ہے تو عطائی کو بھی اللہ کی صفت کہنا یہ وہ شرک ہے جس سے تم اپنے زعم میں بھاگے تھے یہ دیکھو وہ تمہارے سر پر آرہا کیونکہ جب اللہ کی صفت بھی عطائی ٹھہری اور عطائی غیر کی دین ہوتا ہے تو لازم ہوا کہ اللہ سے اوپر بھی کوئی ہو جس نے اسے صفات بخشیں والعیاذ باللہ العلے العظیم اور یہ عین شرک اور قاطع توحید ہے لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا وَلَاحول وَلَا قوۃ اِلا باللہ العلی العظیم ذاتی اور عطائی کی تقسیم تو بے شک صحیح ہے اور اس کا اعتبار اجلۂ علماء نے کیا ہے بلکہ خود معترض صاحب بہادر سے ہم قبلوا دیں گے کہ یہ تقسیم صحیح ہے۔ انشاء الکریم۔ ناظرین کرام انتظار کریں۔

اخ کے ترجمہ پر اعتراض

اب معترض صاحب بہادر آیۂ کریمہ کذبت قوم نوح المرسلین اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون کا ترجمۂ رضویہ جو یہ ہے "نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں"، لکھ کر یوں منہ کھولتے ہیں "اخ کا ترجمہ بھائی ہے جیسے تمام ترجمہ کرنے والوں نے لکھا ہے الخ اقول شائد معترض بیچارے کی نظر اردو کے ترجموں کی حد تک ہے جن میں اخ کا ترجمہ بھائی کر دیا گیا ہے۔ انہیں کیا خبر کہ اخ اور معانی کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً صدیق دوست اور صاحب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کما فی القاموس والصراح۔ عالم کو اخو العلم کہتے ہیں۔ قال الشاعر اخو العلم حی خالد بعد موتہ۔ یعنی علم والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے اپنی موت کے بعد۔ کیوں معترض صاحب اخ کا ترجمہ بھائی ہے تو یہ ترجمہ تو آپ کے نزدیک صحیح ہوگا کہ علم کا بھائی کہا جائے۔ کبھی کسی شے پر اخ یا اخت کا اطلاق اس شے کے شے دیگر کے ساتھ کسی امر میں مشارکت کی وجہ سے بھی کرتے ہیں۔ علمی کتابوں میں اس قسم کے اطلاقات بکثرت ہیں۔ کما لایخفی۔ اور اسی قبیل سے عرب کا محاورہ ہے کہ وہ عربی کو اخو العرب کہتے ہیں جس کا بامحاورہ ترجمہ عربوں کا ہم قوم ہی ہے یہاں لازم نہیں کہ اخو العرب تمام عرب کا بھائی ہو معلوم ہوا کہ ہر جگہ اخ کا ترجمہ بھائی نہیں ہوتا مگر ہمارے پنساری کے پاس سوائے ہلدی کی ایک گرہ کے اور رہے ہی کیا۔ وہ ہلدی کی گرہ یہ ہے کہ اخ کا ترجمہ بھائی ہے الخ مگر انہیں کون

سمجھائے کہ اخوھم یہاں بھائی کے معنی میں نہیں۔ اس لیئے کہ یہ امر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں ہر شخص کے بھائی نہ تھے اور یہاں آیت کریمہ میں اخوھم فرمایا گیا جو بمعنی بھائی تمام قوم کی نسبت صحیح نہیں تو لاجرم اخوھم اخا العرب کا اخ اور اس کی نظیر ٹھہرا اور اس لفظ سے الواحد منھم ان میں کا ایک مراد ہوا۔ عام ازیں کہ قوم میں وہ فرد کسی کا نسبی بھائی ہو یا نہ ہو۔ مگر معترض بہادر نخواہ مخواہ نوح علیہ السلام کو سب کا بھائی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر ان کے امام الطائفہ کے دھرم پر بڑے بھائی جو ٹھہرے۔ معترض صاحب میری نہ مانیں۔ اپنی مبلغ علم بیضاوی کی تو مانیں۔ اسی بیضاوی میں والی عاد اخاھم ھودًا کے تحت ہے۔ (ھودًا) عطف بیان لاخاھم والمراد بہ الواحد منھم کقولھم یا اخا العرب للواحد منھم الخ یعنی اخاھم سے مراد ان میں کا ایک ہے جیسے عرب کہتے ہیں۔ اے برادر عرب اپنے میں سے ایک کے لیئے معترض بہادر نصوص کا اپنے حقیقی معنی پر چھوڑنا واجب ہے کما قد عرف فی محلہ تاہم علامہ بیضاوی کیا یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ مراد اس سے ان میں کا ایک ہے آخر یہ کہنے کی کیا ضرورت درپیش ہوئی یہی نا کہ یہاں اخ بمعنی بھائی سب کی نسبت صحیح نہیں معترض بہادر اب اپنا اعتراض قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ پر بھی جڑ دیجئے کہ اخ کا معنی تو بھائی ہے۔ آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ المراد بہ الواحد منھم الخ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اب معترض صاحب آگے لکھتے ہیں "مگر بریلویوں کے مجدد پیغمبروں کو بھائی کہنا توہین قرار دے چکے ہیں" الخ بے شک پیغمبروں کو بھائی کہنا توہین ہے۔ یہ بات ہر ذوق ایمانی والا جانتا سمجھتا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کوئی بات اپنے دل سے گڑھ کر نہیں فرماتے۔ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں ان سے پہلے ان کے پیشرو علماء وہی فرما چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی ان کے سلف موجود ہیں سنو یہ علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرما رہے ہیں وَ اعبد واللہ ربکم واکرموا اخاکم اراد لنفسہ صلے اللہ علیہ وسلم ھضما لنفسہ أی أکرموا من ھو بشر مثلکم لما اکرمہ اللہ تعالےٰ بالوحی یعنی اللہ کو پوجو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو تواضعاً مراد لیا یعنی اس کی تعظیم کرو۔ جو بشریت میں تم جیسا ہے اس لیئے کہ اللہ نے اس کو وحی سے عظمت بخشی ہے۔ دیکھو کیسا صاف بیان ہے کہ حضور نے تواضعاً خود کو بھائی فرمایا اور ہر ایمان والا جانتا ہے کہ آقا اپنے لیئے جو چاہے تواضع کے بطور فرمائے۔ غلام کو اس میں دخل کرنے کی کیا مجال۔ لاجرم مدارج النبوۃ میں فرمایا ترجمہ یہاں ادب کا ایک اصول ہے جسے بعض اصفیا و اہل تحقیق نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر جناب ربوبیت سے نبی کی شان میں کوئی خطاب یا عتاب یا سطوت و سلطنت و استغنا و تعلی کا اظہار ہو یا جانب نبوت سے عبودیت و انکسار و مسکینی و افتقار کا مظاہرہ ہو تو ہمیں نہ چاہیے کہ اس میں دخل کریں اور اشتراک ڈھونڈیں بلکہ حد ادب پر دم بخود ٹھہریں۔ آقا کو پہنچتا ہے کہ بندہ سے جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے اور استعلاء و استیلا فرمائے۔ اور بندہ بھی آقا کے حضور فروتنی و بندگی کرتا ہے دوسرے کی کیا مجال کہ اس مقام میں دخل کرے اور حد ادب سے باہر جائے اور یہ مقام بہت سے ضعیف العقل اور جاہلوں کی لغزش اور ان کے ضرر کا سبب ہے اور اللہ ہی سے حفاظت و اعانت ہے۔ معترض بہادر یہ لیجئے ہم نے امام طاہر فتنی کی مجمع بحار الانوار سے دکھا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو صحابہ کا بھائی کہنا تواضع تھا اور مدارج النبوۃ سے ثابت کیا کہ انبیاء جو کچھ تواضعاً فرمائیں اس میں ہمیں دخل جائز نہیں۔ بحمدہ تعالےٰ حدیث سے آپ کے استدلال کی راہ مسدود ہوئی۔ اب معترض صاحب بہادر کسی معتبر کتاب سے علامہ طاہر فتنی کے خلاف ایک عبارت ہی لاکر دکھائیں اور اگر نہ لاسکیں تو اپنا عجز مان کر اس مسئلہ کا اجماعی ہونا تسلیم کریں اور یہ بتاتے چلیں

کہ فارق اجماع کا حکم کیا ہے ؟۔ اب سابقہ عبارت کے متصل ہی لکھتے ہیں " اس لیے قرآن مجید میں اُخ کا ترجمہ ہم قوم کیا ہے جو محض جاہلوں اور کم علموں کو دینا ہے ورنہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اگر پیغمبر کو بھائی کہنا توہین ہے تو ہم قوم یعنی اپنی قوم تبلانا بھی توہین ہونا چاہیئے" الخ ۔ ہم نے ثابت کیا کہ نبی کو بھائی صرف امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ہی کے نزدیک نہیں بلکہ متقدمین کے نزدیک بھی توہین ہے ۔ اب قاضی بیضاوی پر جنہوں نے اخوھم سے ہم قوم مراد لیا ہے اور ان علماء پر جنہوں نے بیضاوی کے قول کو مقرر کیا یہی اعتراض جڑئیے اور انہیں بھی دھوکہ بازی کا الزام دیجئے ۔ نہیں بلکہ خدا سے بھی کہیئے کہ اس نے نبی کو کافروں کا ہم قوم بتا کر نبی کی توہین کیوں کی ؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ معترض بہادر کو ابھی یہی تمیز نہیں کہ بعض بات خود توہین ہوتی ہے اور اس کا اطلاق جائز نہیں ہوتا اور پیغمبر کو بھائی کہنا ایسا ہی ہے کہ اس کا اطلاق ہی نبی پر جائز نہیں جیسا کہ مجمع بحار الانوار سے مستفاد ہوا اور بعضی بات خود توہین نہیں ہوتی بلکہ اگر معرض توہین میں کہی جائے تو توہین ہوتی ہے اور یہاں اخوھم جس سے قطعاً ہم قوم مراد ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کیا اور قاضی بیضاوی کی شہادت اس پر دی معرض توہین میں نہیں کہا گیا بلکہ اس سے کافروں پر ہی طعن مقصود کہ انہوں نے اپنے ہی قوم کے ایک جانے پہچانے ہوئے کی جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا تکذیب کی ۔ معترض بہادر کی یہ ابلہ فریبی دیدنی ہے کہ انہوں نے ایسی بات کو جو توہین نہیں ہے اپنی بات بنانے کے لیئے اسے بھی توہین بنا لیا ۔

ذنب کے ترجمہ پر اعتراض

معترض بہادر اب سورۂ فتح کی آیت کریمہ انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر ویتم نعمتہ علیك الخ کا ترجمہ رضویہ جو یہ ہے "بے شک ہم نے تمہارے لیئے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے" الخ ملخصا بقدر الحاجۃ لکھ کر یوں منہ کھولتے ہیں " اس ترجمہ میں لام کو سببیہ مان کر تمہارے سبب سے کہنا درست ہو سکتا ہے مگر ما تقدم من ذنبك وما تاخر میں گناہ بخشے ، تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے اور مفہوم بھی نہیں ہو سکتا ، جی ہاں الفاظ اتنے ہی ہیں جتنے آپ کو سوجھیں اور مفہوم وہی ہے جو آپ کی سمجھ دانی میں سما جائے اور جو اس میں نہ آئے وہ مفہوم ہو ہی نہیں سکتا ۔ معترض بہادر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی دشمنی سلف کی دشمنی ہے ۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سلف کا ارشاد ہوتا ہے ۔

علامہ ہبۃ ابن سلامۃ الناسخ والمنسوخ میں فرماتے ہیں ۔ وقد اختلف المفسرون فی قولہ تعالیٰ لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر قال جماعت ما تقدم من ذنبك قبل الرسالۃ وما تاخر بعدھا وقال الاخرون ما تقدم من ذنبك وما تأخر من ذنوب امتك لانہ تیب بہ علیٰ ادم وھو الشافع لامتہ فیمتن بذلک علیہ وقال اخرون ما تقدم من ذنب ابیك ابراھیم وما تاخر من ذنوب النبیین فیہ تیبہ ایضاً علیھم الخ یعنی مفسرین کرام کا آیۂ کریمہ لیغفر اللہ الخ کے معنی میں اختلاف ہے ۔ ایک جماعت نے کہا کہ رسالت سے پہلے اور اس کے بعد کے خلاف اولیٰ امور مراد ہیں اور دوسروں نے کہا کہ خدا آپ کے اگلوں اور آپ کے پچھلوں کے گناہ بخش دے ۔ اس لیئے کہ آپ کے سبب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی ۔ اور آپ اپنی امت کے شفیع ہیں تو اللہ اس فضیلت سے آپ پر احسان فرما رہا ہے ۔

ہاور دوسروں نے کہا کہ آپ کے باپ ابراہیم اور ان کے بعد کے نبیوں کے خلاف اولیٰ امور بخش دے۔ اس لیئے کہ حضور کے طفیل ان کی توبہ قبول ہوئی۔ شفاء و شرح شفاء ملا علی قاری میں ہے۔ ترجمہ یعنی کہا گیا کہ مراد اس سے خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے اس بنیاد پر کہ مضاف محذوف ہے اور کچھ نے کہا کہ مراد اس سے آدم علیہ السلام کی سابقہ لغزشیں اور آپکی امت کے گناہ ہیں اس بنیاد پر کہ اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہی دلالت بمعنی لاجلک ہے (یعنی تمہارے سبب سے الخ) اس قول کی حکایت فقیہ امام ابو اللیث سمرقندی جو اکابر حنیفہ میں سے ہیں اور امام عبد الرحمن سلمی صوفی صاحب طبقات الصوفیہ اور تصوف میں تفسیر کے مؤلف نے ابن عطا سے کی۔ امام مکی نے فرمایا کہ یہاں جو خطاب نبی علیہ السلام سے ہے وہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہے اضافت میں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یا مضاف کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔ معترض صاحب بہادر یہ دیکھئے۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی سلمی ابن عطاء اور مکی سے کیا نقل فرماتے ہیں اور یہ علماء مذکورین کس طرح اسے وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ بتا رہے ہیں اور علامہ قاضی عیاض اور علی قاری دیگر وجوہ کی طرح کیوں کر اس وجہ کو بھی مقرر رکھ رہے ہیں اور اپنے اس صنیع جمیل سے بتا رہے ہیں کہ قرآن اپنی جمیع وجوہ پہ حجت ہے۔ کما فی التفسیر الکبیر والزرقانی علی المواھب وغیرھما۔ معترض صاحب بہادر اب تو کھل گیا کہ جسے آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ الفاظ کا ترجمہ بھی نہیں ہو سکتا وہ وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ ہے جسے ایسے جلیل القدر علماء نے افادہ فرمایا ہے۔ معترض صاحب بہادر اب تو کھل گیا کہ جسے آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ الفاظ کا ترجمہ بھی نہیں ہو سکتا وہ وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ ہے جسے ایسے جلیل القدر علماء نے افادہ فرمایا ہے۔ معترض صاحب بہادر اب کہیے یہ اعتراض تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر نہیں علماء پر نہیں بلکہ خود قرآن پر ہو گیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور آپ کی قرآن فہمی اور پیروی سلف کا بھرم کھل گیا مگر یہ کہ ؏

؏ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

اب معترض بہادر اپنے دعوائے مذکورہ کی دلیل دے رہے ہیں۔ کیوں کہ جب سب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف ہی ہو گئے تو سب جنتی ہو گئے۔ کسی کی تخصیص بھی مترجم نے نہیں کی ہے۔ پھر جہنمی کوئی نہ ہو گا۔ اس لیئے صحیح ترجمہ و مفہوم وہی ہے جو دوسرے مترجمین و مفسرین نے اختیار کیا ہے" اھ اقول بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے دکھا دیا کہ قول مفسرین کرام کی ایک جماعت کا ہے جسے امام علام ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامۃ اور امام قاضی عیاض اور علامہ علی قاری نے منجملہ دیگر اقوال کے مقرر کہا۔ معترض بہادر ان پر بھی اعتراض جڑو اور انھیں بھی پڑھاؤ کہ "صحیح مفہوم وہی ہے جو دوسرے مفسرین نے اختیار کیا ہے"۔ معترض بہادر آپ سے یہ کون کہہ گیا کہ یہ حکم سب اگلوں اور پچھلوں کے لیئے ہے۔ خواہ مومن و موحد ہوں یا کافر و ملحد ہوں۔ اجی یہ حکم انہیں کے لیئے ہے جو کفر و شرک سے دور ہوں بے شک ان کا مآل کار مغفرت ہے جیسا کہ تمام علماء اہلسنت نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور وہ مغفرت سرکار کے طفیل میں ہے آگے معترض بہادر اپنی پرانی عادت کے مطابق شاہ رفیع الدین علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لکھ کر کہتے ہیں "دیکھئے شاہ صاحب نہ تو لام کو سببیہ مان رہے ہیں اور نہ اگلوں اور پچھلوں کے گناہ مراد لے رہے ہیں جی ہاں ابن عطاء سمرقندی سلمی مکی ابن سلامۃ قاضی عیاض ملا علی قاری ایک ایک کو شاہ صاحب کا ترجمہ دکھائیے اور کہیئے۔ دیکھئے شاہ صاحب نہ تو لام کو سببیہ مان رہے ہیں اور نہ الخ پھر شاہ عبد القادر علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لکھ کر کہتے ہیں کہ" اس جیسا ترجمہ اور دوسرے حضرات نے

بھی کیا ہے"۔ ہاں ان سب علماء کو ان حضرات کے ترجمے دکھائیے اور ان سے کہیے کہ آپ سب پر ہمارے حضرات کی پیروی لازم ہے، یہ منہ اور پیروی سلف کا دعویٰ ؏ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ آگے کہتے ہیں "اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں پھر تمام پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے کس لیئے ہے اس کا جواب دینے کے لیئے وہ طریقہ غلط ہے جو طریقہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا ہے، ترجمہ میں تبدیلی کردی" الخ ملتقطا ان مفسرین کرام سے بھی فرمایئے کہ اس اعتراض کا جواب دینے کے لیئے وہ طریقہ غلط ہے جو تم نے اختیار کیا۔ قرآن میں حذف مضاف مان کر الفاظ بڑھائے اور تحریف کا الزام انھیں بھی دیجیئے جو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو دے چکے آگے معترض بہادر نے تفسیر بیضاوی سے آیت کریمہ کی دوسری توجیہہ نقل کی ہے جو ہماری مذکورہ توجیہہ کے منافی نہیں ہے۔

نبی کے ترجمہ پر اعتراض

اب باذنہ تعالیٰ معترض بہادر کے دوسرے اعتراض کی خبر لیں جو انھوں نے لفظ نبی کے ترجمہ رضویہ پہ کیا ہے۔ علم غیب کی بحث چھیڑی ہے۔ کہتے ہیں۔ نبی کا ترجمہ خان صاحب علیہ الرحمہ نے ہر جگہ "غیب کی خبر دینے والا ہی کیا ہے" ہو سکتا ہے کہ کسی لغت میں "نبی کے معنی غیب کی خبر دینے والا لکھے ہوں"۔ معترض بہادر کسی لغت میں لکھا ہو کا کیا مطلب لغت کی کتابوں میں یہی لکھا ہے مگر آپ کو لغات دیکھنے کی فرصت کہاں ہے۔ ہم سے سنیئے۔ قاموس میں ہے۔ النبیءُ المخبر عن اللہ تعالیٰ وترك الھمز المختار صراح میں ہے نَبِیٌّ پیغامبر الخ قاموس اور صراح کی عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اللہ کی طرف سے خبر دینے والے اس کے پیغامبر کو کہتے ہیں نیز المعجم الوسیط میں ہے النّبیءُ المخبر عن اللہ عزّوجلّ۔ رہی یہ بات کہ نبی اللہ کی طرف سے کیسی خبر دیتا ہے۔ معترض بہادر سوچو تو نبی جو کچھ فرماتا ہے وہ ترک ہو تو نبی کے آنے اور اس کے بتانے کی حاجت ہے بھلا بتاؤ تو صحیح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جنت و دوزخ تمام امور دین اگر غیب نہیں تو غیب پھر کس چیز کا نام ہے۔ بے شک یہ غیب ہے اور بے شک نبی اللہ کی طرف سے غیب ہی لاتا ہے لاجرم المنجد میں اسی لیئے کہا (النُّبُوَّۃُ والنّبوۃ) الاخبار عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ۔ الاخبار عن اللہ وما یتعلق بہ تعالیٰ (النبیُ والنّبی) المخبر عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ۔ المخبر عن اللہ وما یتعلّق عن اللہ تعالیٰ۔ اس کا ترجمہ اپنے ہی مبلغ عبد الحفیظ بلیاوی سے سنیئے وہ مصباح اللغات میں رقم طراز ہیں۔ (النّبوۃ والنبوۃ) اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا۔ پیشین گوئی کرنا۔ خدا کی طرف سے پیغمبری۔ معترض بہادر کاش اپنے بلیاوی صاحب کی مصباح اللغات ہی دیکھ لیتے۔ معترض صاحب اب اس کا ثبوت لیئے چلیئے کہ وہ معنی جو لغت میں بیان ہوئے شرعاً بھی معتبر ہیں۔ سنیئے علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں ھو بمعنی فاعل من النبأ الخبر لانہ انبأ عن اللہ۔ یعنی بمعنی فاعل کے بناء بمعنی خبر سے ہے۔ اس لیئے نبی اللہ سے غیب کی خبر دیتا ہے اور سنیئے علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمۂ فتح الباری میں فرماتے ہیں والنبیءُ بالھمزۃ المخبر عن اللہ و قیل بمعنی مفعول ای اخبرہ اللہ تعالیٰ بامرہ وقیل اشتق من النبیّ لرفعۃ منازلھم وقیل النبیّ الطریق سمّی بذلك لانہ الطریق الی اللہ تعالیٰ الخ ملتقطاً۔ یعنی نبی بالہمزہ اللہ سے خبر دینے والا اور کہا گیا کہ مفعول کے معنی

ہیں ہو۔ یعنی اللہ نے اسے اپنے راز کی خبر دی اور کہا گیا کہ نبیؐ بمعنی نبۂ سے مشتق ہے انبیاء کے بلند منازل و مراتب کی وجہ سے اور کہا گیا کہ نبی راستہ ہے۔ نبی کا نبی نام اس لیئے رکھا گیا کہ وہ اللہ کا راستہ ہے کیوں معترض بہادر تمھارے نزدیک تو نبی موٹی موٹی باتیں بتانا ہوگا جو سب کو معلوم ہوں۔ اللہ نے اسے ایسی ہی باتیں بتائی ہوں گی جبھی تو وہ اور سب عجز و نادانی میں شریک ہو گئے اور انھیں معمولی باتوں کی بناء پر اللہ کے یہاں نبی کی منزل بلند ہو گئی اور معاذ اللہ وہ بایں نادانی اللہ کا راستہ ہو گیا۔ ما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اور سنئے شفاء و شرح شفاء میں ہے۔ فالنبوۃ فی لغۃ من همز ماخوذۃ من النبأ وھو الخبر وقد لاتھمز علی ھذا التاویل والمعنی ان اللہ اطلعہ علی غیبہ ای بعض مغیباتہ وغیبہ المختص بہ من عند ربہ الخ ملتقطًا۔ یعنی نبوۃ نباء بمعنی خبر سے اس کی لغت میں جو اسے مہموز پڑھے۔ اور کبھی ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی اسی معنی میں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو غیب پر مطلع فرمایا یا بعض غیب پر مطلع فرمایا یا ان غیوب پر مطلع فرمایا جو نبی کا اس کے رب کی طرف سے خاصہ ہے۔ زرقانی میں ہے۔ النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب۔ نبوت غیب پر اطلاع ہے۔ آگے لکھتے ہیں "مگر شریعت کی اصطلاح میں نبی اللہ کے ایسے بندے کو کہتے ہیں جس پر وحی اترتی ہو" الخ اس کا جواب اب لیئے چلئے کہ نبی بمعنی غیب کی خبر دینے والا و غیب جاننے والا یہ معنی بھی شرعی ہے جیسا کہ عبارت علماء بلکہ خود قرآن سے روشن ہوا۔ ثانیاً آپ کے کلام سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ معنی مذکور کے شرعی ہونے کے منکر ہیں حالانکہ علماء بیان فرما رہے ہیں بلکہ خود قرآن اس معنی کا اثبات فرما رہا ہے۔ معترض بہادر اپنے سینے پر دم کیجئے۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین ثالثاً۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک الایۃ سے روشن ہے کہ وحی غیب کی ہوئی اور وحی خود غیب ہے جسے حاضران بارگاہ رسالت نے بھی اترتے نہ دیکھا۔ تو وہ تعریف جو نبی کی آپ نے بے سوچے سمجھے لکھی ہے۔ وہ نبی کے معنی مذکور کے کیا منافی ہوئی بلکہ نبی اور رسول کی دونوں تعریفوں سے صاف ظاہر کہ غیب جاننا دونوں کا مفہوم و ماہیت ہے کہ نبی اور رسول وہ ہو ہی نہیں سکتا جو غیب نہ جانے۔ یہ خود ظاہر ہے مگر آپ کو سمجھ کہاں (شعر) ولیس یصح فی الاعیان شیئ اذا احتاج النہار الی دلیل۔ آگے لکھتے ہیں "اب خان صاحب کو شرعی اصطلاح سے ضد تھی تو نبی کا ترجمہ نبی ہی کر دیتے" الخ۔ مذکورہ بالا بیان سے خوب روشن ہو گیا کہ شریعت سے ضد کس کو ہے۔ اپنا الزام دوسرے کے سر دھرتے ہوئے ذرا بھی تو شرمایئے۔ ہاں یوں کہیئے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو آپکی گھڑی ہوئی شرعی اصطلاح جس سے نبی کی نبوت ہی نہیں رہتی۔ ایسی اصطلاح سے ضرور ضد ہے، پھر لکھتے ہیں "جب نبی کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والا ہے پھر اصل لفظ کی کیا ضرورت باقی رہی" اقول۔ نبی کے مقدمہ فتح الباری میں یہ معنی بیان ہوئے۔ اللہ کی طرف سے غیب کی خبر دینے والا۔ اللہ نے جسے اپنے راز کی خبر دی بلند رتبے والا۔ اللہ کا راستہ اور ان معانی میں باہم منافاۃ نہیں تو یہ سب نبی سے مراد ہو سکتے ہیں۔ لہذا امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے آپکے بقول آپ کی شرعی اصطلاح سے ضد کی بناء پر ایک معنی کی تصریح فرما دی اور باقی معانی مراد لیئے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے کلام کو سمجھنے کی قابلیت بھی نہیں چلتے ہیں اعتراض کرنے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے لکھا مگر یہاں بھی اپنا مصنوعی عقیدہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ذرہ ہر ایک کے پیش نظر رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم ما کان و ما یکون ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ہر نبی کو علم ما کان و ما یکون عطا ہوا اور بحمد اللہ ہمارا جو عقیدہ ہے وہی قرآن و حدیث کا ارشاد ہے۔ وہی ائمہ اعلام فرمان واجب الانقیاد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ

وھدی ورحمۃ وبشری للمؤمنین۔ ترجمہ۔ اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یہاں اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ورحمت وبشارت وقال اللہ تعالیٰ ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شیئ۔ قرآن وہ بات نہیں جو بنالی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شیئ کا صاف صاف جدا جدا بیان وقال تعالیٰ ما فرطنا فی الکتاب من شیئ اقول وباللہ التوفیق۔ جب قرآن مجید ہر شیئ کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجہ کا مفصّل اور اہلسنت کے مذہب میں شیئ ہر موجود کو کہتے ہیں۔ تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتاب لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرورۃ یہ بیانات محیطہ اس کے مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھئے دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وکل صغیر وکبیر مستطر، چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے وقال اللہ تعالیٰ احصیناہ فی امام مبین۔ ہر شیئ ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی وقال اللہ تعالیٰ ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیروں میں اور نہ کوئی تر نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے۔ تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون اور جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض اور عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وللہ الحجۃ السامیہ اور جب کہ یہ علم قرآن عظیم کے تبیانا لکل شیئ ہونے نے دیا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ وصف تمام قرآن مجید کا ہے نہ ہر آیت نہ ہر سورۃ کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیک یا منافقین کے بارے میں فرمایا جائے لا تعلمھم ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم کی احادیث صریحہ صحیحہ کثیرہ شہیرہ اس عموم واطلاق کی اور تاکید وتائید فرما رہے ہیں۔ صحیحین بخاری ومسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا۔ کوئی چیز چھوڑ نہ دی یاد رہا جسے یاد رہا بھول گیا جو بھول گیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ سے ہے قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ ایک بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ابتداء آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمایا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا۔ بھول گیا جو بھول گیا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد غروبِ آفتاب تک خطبہ فرمایا۔ بیچ میں ظہر وعصر کی نمازوں کے سوا کچھ کام نہ کیا۔ فاخبرنا بما کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا۔ اس میں سب کچھ ہم سے بیان فرما دیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا۔ ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرۂ ائمہ حدیث میں باسانید عدیدہ و طرق متنوعہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم سے ہے۔ اور حدیث ترمذی معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فرأیتہ عزوجل وضع کفہ بین کتفی فوجدت بردانا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شیئ وعرفت۔ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اس نے اپنا دستِ قدرت میری پشت پر رکھا کہ میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اس وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح سألت محمد ابن اسمٰعیل عن ھذا الحدیث فقال صحیح یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا فرمایا صحیح ہے۔ اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسی معراج منامی کے بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض۔ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے سب کچھ میرے علم میں آگیا۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں "پس دانستم ہر چہ در آسمانہا وہر چہ در زمینہا بود عبارت است از حصول عامۂ علوم جزوی وکلی واحاطہ آں" امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابویعلیٰ وابن منیع وطبرانی ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ فی السماء الا ذکرلنا منہ علما۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔ طبرانی معجم کبیر اور نعیم بن حماد کتاب الفتن اور ابونعیم حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الی القیامۃ کانی انظر الی کفی ھذہ جلیانا من اللہ جلاہ لنبیہ کما جلاہ للنبیین من قبلہ۔ بے شک اللہ عزوجل نے میرے سامنے دنیا اٹھائی تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس روشنی کے سبب جو اللہ نے اپنے نبی کے لئے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کے لئے روشن کی تھی۔

اس حدیث سے روشن کہ جو کچھ زمین میں اور سمٰوٰت وارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا۔ ان سب کا علم اگلے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی عطا کیا گیا۔ اور حضرت عزوجل نے اس عالم ماکان ومایکون کو اپنے محبوبوں کے پیشِ نظر فرما دیا مثلاً شرق سے غرب تک، ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے۔ خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہزارہا برس پہلے ان سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ ایمانی نگاہ میں نہ یہ قدرتِ الٰہی کے اوپر دشوار نہ عزت وجاہتِ انبیاء کے مقابل بیسیار مگر وہابی بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ وہ ایک پیڑ کے پتے گن دے وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرک اکبر کہنا چاہیں اور علماء اعلام اور ائمہ کرام ان سے سندیں لائیں انھیں مقبول ومسلّم کہتے آئیں جیسے امام خاتم الحفاظ جلالۃ الملۃ والدین علامہ سیوطی مصنف خصائص کبری وامام شہاب الدین محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ وامام ابوالفضل شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی شارح وعلامہ شہاب احمد محمد مصری خفاجی صاحب۔

نسیم الرّیاض، شرح شفاء قاضی عیاض و علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی صاحب شرح مواہب وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ انھیں مشرک نہ کہیں تو اپنی توحید کیونکر نباہیں الخ۔ یہ کلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی کتاب کامل النصاب ابناء المصطفیٰ بحال سیّد و اخفیٰ سے اقتباس کر لایا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اعتراض معترض کا خود جواب دیں اور سنیّوں کا منہ اُجالا اور دشمنوں کا منہ کالا ہو۔ معترض صاحب بہادر بتائیں کہ کس کس کا عقیدہ مصنوعی بتائیں گے۔ ذرا قرآن و حدیث کے ارشادات آنکھوں کے سامنے رکھ کر کہئے خدا اور رسول کو کیا کیا نہ سنائیں گے۔ اور سنتے چلیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں۔ فاض علیّ من جنابہ المقدّس صلی اللہ علیہ وسلّم کیفیۃ ترقی العبد من حیزہ الی حیز القدس یتجلّی لہ کل شیئ کما اخبر عن ھٰذا المشھد فی قصّۃ المعراج المنامی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے اوپر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقام قدس تک کیوں کر ترقی کرتا ہے کہ اس کے لئے ہر شئ روشن ہو جاتی جیسا کہ حضور نے اس مقام کی معراج خواب کے قصے میں خبر دی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ارشاد گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت سے ہر دین دار کے درجہ پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا اور وہ حجاب کیا ہے جس سے وہ ترقی سے محجوب رہا۔ معترض بہادر ان بزرگوں کے لئے کیا فتویٰ ہے اور سنیں امام الطائفہ وہابیہ کی خبر لیں۔ وہ صراط مستقیم میں اپنے پیر کے لئے رقم طراز ہے۔ پارۂ از مضامین ہدایت آگیں از زبان غیب ترجمان حضرت ایشاں شنیدہ الخ ملتقطاً۔ للہ انصاف! پیر کی زبان تو زبان غیب ترجمان ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر دینے والا کہہ دیا جائے تو شرک شرک پکارو۔ نیز اسی نام نہاد صراط مستقیم میں اپنے پیر کی نسبت لکھا "تا اینکہ روزے حضرت جل و علا دست راست ایشاں را بدست قدرت خاص خود گرفتہ چیزے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع و بدیع بود پیش روئے حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا ایں چنیں دادہ ام چیزے دیگر ہم خواہم داد"۔ یعنی ایک دن اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل کے پیر کا داہنا ہاتھ اپنے دست قدرت میں لیا اور امور قدسیہ کی کوئی شئ جو نہایت رفیع و بدیع تھی ان کے روبرو کی اور فرمایا کہ میں نے تمھیں اتنا دیا اور بھی کچھ دوں گا۔ معاذ اللہ ربّ العٰلمین! کیوں معترض بہادر صاحب اپنے پیر کے لئے اللہ سے حقیقی مکالمہ ثابت کرنا تو عین ایمان ہے۔ پیر کا عالم قدس کی اشیاء غیبیہ کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا یہ تو تمہارے امام کے نزدیک شرک نہیں ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا غیب کی خبر جاننا بھی شرک ہے۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

پیر کا یہ مرتبہ کیوں نہ بتائیں کہ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے مکر کے اوپر انھیں ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر گردان کے ان کی نبوت سے منکر ہو چکے ہیں۔ اور اسی نام نہاد صراطِ مستقیم میں پیر کی نبوت کی تمہید جما چکے اور اس پر ایمان لا چکے لکھتے ہیں۔ اوّل و افضل آں معاملات اینست کہ حضرت ایشاں جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ در منام دیدند و آنجناب سہ خرما بدست مبارک خود حضرت ایشاں را خورانید بوضعیکہ یک یک خرما بدست مبارک خود گرفتہ در دہن حضرت ایشاں می نہادند و بعد ازاں کہ بیدار شدند در نفس خود اثری ازاں رویائے حقہ ظاہر و باہر یافتند و ہمیں واقعہ ابتداء سلوک طریق نبوّت حاصل شد بعد ازاں روزی جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا را بخواب دیدند پس جناب علی مرتضیٰ حضرت ایشاں را بدست مبارک خود غسل دادند و خوب شستند و شو کردند مثل شستن و شو کردن آباء مر اطفال خود را و جناب حضرت فاطمۃ الزہراء لباسے پس فاخرہ بدست مبارک خود ایشاں را پوشانیدند پس بسبب ہمیں واقعہ کمالات طریق نبوت

نہایت جلوہ گر گردید الی قولہ وعنایت رحمانی وتربیت یزدانی بلا واسطۂ احدی متکفل حال ایشاں شد۔
ناظرین کرام دیکھیں یہ وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی علی مرتضیٰ ہیں جن کے لیے تقویۃ الایمان میں کہا تھا۔ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں" لیکن جب اپنے پیر کی بات آئی تو وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تصرف والے ہو گئے کہ خواب میں تشریف لا کر کھجوریں بھی کھلائیں اور اسمٰعیل کے پیر کو راہِ نبوت کا سالک بھی بنائیں اور علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء ایسی مختار ہوئیں کہ پیر جی کو نہلا گئے اور لباس فاخرہ پہنا گئے تو ان کے اوپر طریق نبوت کے کمالات نہایت جلوہ گر ہو گئے۔ اور براہ راست عنایت رحمانی ان کی کفیل حال ہو گئی اور نبوت کس چیز کا نام ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ معترض بہادر ایسے امام کا دم بھر وا در پھر دوسروں کا عقیدہ مصنوعی بتاؤ۔ ع
شرم تم کو مگر نہیں آتی

رہا آپ کا ہماری نسبت یہ کہنا کہ حضور عالم الغیب ہیں بالکل افتراء ہے۔ عالم غیب مثل رحمٰن وقیوم وقدوس وغیرہ اسماء خاصۂ بذات باری میں سے ہے اس کا اطلاق غیر خدا کے لیے ہم اہلسنت کے نزدیک حرام وناجائز ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء واولیاء کے لیے علم غیب کا حکم ہی ثابت نہ ہو، بے شک وہ بعطاء الٰہی انبیاء کرام کے لیے اور ان کے فیض متابعت سے اولیاء کرام کے لیے ثابت ہے۔ بحمد اللہ ہم نے اس کا ثبوت حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلمات سے دیا بلکہ خود امام الطائفہ کے اپنے پیر کے حق اس قول بذنہ از بول سے بھی دیا۔ معترض بہادر ابھی اگر کچھ چاہتے ہیں تو ٹھہریں۔ معترض کا یہ کہنا کہ "بس فرق رہے کہ اللہ کا علم غیب ذاتی ہے اور حضور کا علم غیب عطائی ہے" اقول وبحول اللہ احوال۔ بس یہی فرق ہرگز نہیں بلکہ بہت سارے فرق ہیں باذن اللہ انھیں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی کتاب مستطاب انباء المصطفیٰ سے نقل کروں۔ فرماتے ہیں افسوس ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی ہے[۱] اور علم خلق عطائی[۲] وہ واجب[۳] یہ ممکن[۴] وہ قدیم[۵] یہ حادث[۶] وہ نامخلوق[۷] یہ مخلوق[۸] وہ نامقدور[۹] یہ مقدور[۱۰] وہ ضروری البقاء[۱۱] یہ جائز الفنا[۱۲] وہ ممتنع التغیر[۱۳] یہ ممکن التبدل[۱۴] ان عظیم تفرقوں کے باوجود احتمال شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنون کو ۱ھ معترض صاحب بہادر یہ پورے چودہ فرق ہوئے منجملہ ان کے ایک فرق یہ بھی ہے مگر آپ یہی گا رہے ہیں کہ بس یہی فرق ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور حضور کا علم غیب عطائی ہے اولاً منہ بھر کے جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی۔ ثانیاً یہی فرق قاطع شرک ہے اور سارے مذکورہ تفرقوں کا جامع ہے اس لیے علم الٰہی عطائے غیر سے نہیں اور غیر کا علم اس کی عطا سے جیسا کہ ظاہر ہے تو علم الٰہی نہ ہوگا مگر ذاتی اور ذاتی نہ ہوگا مگر واجب قدیم نامخلوق الخ اور غیر کا علم نہ ہوگا مگر عطائی اور عطائی نہ ہوگا مگر حادث تو اس تفرقہ کو جناب نہ ماننا اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ "اس سے شرک کے دروازے کھلتے ہیں" اس کے متعلق سوا اس کے کیا کہوں کہ اس تقسیم نے تو شرک کے دروازے کھولے بلکہ توڑ دیئے۔ ہاں معترض بہادر آپ حضرات نے علم عطائی ماننے پر آنکھیں میچ کر شرک کا منتانہ گیت گا کہ کفر وضلالت کے لیے سب رستے کھول دیئے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ معترض صاحب بہادر ذرا قرآن تو اٹھا کر دیکھئے اللہ عزوجل کی عطا کے جلوے نظر آئیں گے۔ وقال تعالٰی وعلمک مالم تکن تعلم تمہیں وہ سب سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے۔ وقال عزوجل الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا انہیں گزشتہ وآئندہ کا بیان بتایا۔ وعلم اٰدم الاسماء کلھا۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام سکھا دیئے۔ نیز فرماتا ہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احد الا من ارتضیٰ من رسول۔ غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر سواء اپنے
پسندیدہ رسولوں کے کسی کو قابو نہیں دیتا۔ ان آیتوں سے اللہ کے بندوں کے لیئے علم عطائی ثابت ہوا اور علم الٰہی کا کسی کی
عطا سے نہ ہونا نص قطعی و دلیل عقلی سے ظاہر۔ تو بحمد اللہ عطائی و ذاتی کی تقسیم خود قرآن پاک سے مستفاد ہوئی۔ معترض صاحب
آپ کے شرک کی نبضیں کدھر ہیں۔ لاجرم اسی لیئے علامہ نووی و ابن حجر ہیثمی مکی نے فرمایا۔ واللفظ للاخیر معناہ لا تعلیم
ذلک استقلالا وعلم احاطۃ بکل المعلومات الا اللہ اما المعجزات والکرامات فباعلام اللہ لھم علمت وکذلک
ما علم باجراء العادۃ۔ یعنی آیت سے غیر خدا سے نفی علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے
جاننا اور ایسا علم کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو جائے یہ اللہ کے سواء کسی کو نہیں رہے انبیاء کے معجزات و اولیاء کے
کرامات یہاں تو اللہ کے بتائے سے علم ہوا ہے یونہی وہ باتیں کہ عادات کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔ معترض
صاحب اب اپنے شرک کا الزام ان جلیل القدر علماء کو بھی دے دیجیئے۔ آگے لکھتے ہیں "کوئی ان سرپھروں سے پوچھے کہ
ذاتی علم غیب تو غیر خدا کو ہو ہی نہیں سکتا پھر قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ مضمون کیوں بیان کیا جارہا ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی علم
غیب نہیں رکھتا"۔ جی ہاں مذکور الصدر علماء کرام کو بھی سرپھرا کہیئے اور ان سے بھی پوچھیئے کہ ذاتی علم غیب تو غیر خدا کو ہو ہی نہیں
سکتا الخ اور ذرا آپ عقلمند اپنی قرآن فہمی کا بھرم رکھتے ہوئے ہمیں یہ بتا دیجئے کہ علم عطائی پر آپ جیسے توحید پرست مشرک
گاتے ہیں یا تو مذکورہ بالا آیتوں پر آپ حضرات کا ایمان رہا۔ آگے لکھتے ہیں کہ "دراصل حقیقت یہ کہ عالم الغیب اللہ کی صفت
ہے۔ سبحان اللہ یہ لیاقت علمی ملاحظہ ہو کہ عالم الغیب اللہ کی صفت ہے۔ اجی صاحب بہادر عالم الغیب صفت محضہ
نہیں ذات موصوف بعلم کا نام ہے۔ پھر لکھتے ہیں "کسی دوسرے کے لیئے اس صفت کا استعمال درست نہیں" صفت کے
استعمال کا کیا مطلب ہاں یوں کہیئے کہ کسی دوسرے کے لیئے اس اسم صفت کا استعمال درست نہیں"
بے شک عالم الغیب کا استعمال غیر اللہ کے لیئے روا نہیں مگر علم غیب بعطاء الٰہی اللہ کے بندوں کے لیئے ثابت اور
اشرف علی نے تو حفظ الایمان میں حضور جیسا علم ہر صبی و مجنون و تمام حیوانات و بہائم کے لیئے مانا۔ اور رشید و خلیل نے براہین
قاطعہ میں شیطان و ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا والعیاذ باللہ۔ معترض صاحب اپنے ان بزرگوں
کو کیا کہے گا۔ آگے لکھتے ہیں "اور غیبی خبروں کا دینا یہ ایک الگ مسئلہ ہے"۔ جی اس مسئلہ کا کیا نام ہے کیا یہ علم عطائی نہیں۔
ناظرین کرام دیکھیں کہ اب تو معترض صاحب بھی ان کہی لو لینے نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر بطور معجزہ
غیبی خبریں اللہ کے حکم و اجازت سے بتلاتے ہیں اور معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے الخ۔
ناظرین کرام اس فقرہ پر غور فرمائیں کہ اللہ کے پیغمبر بطور معجزہ غیبی خبریں اللہ کے حکم سے الخ۔ آیا یہ علم عطائی کا اقرار نہیں
ضرور ہے کہ بتلانا علم کو مستلزم ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر اللہ کی عطا سے غیب جانتے غیب بتاتے ہیں۔ اور
یہ غیب جاننا بتانا ان کا معجزہ ہوتا ہے۔ حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ معترض نے علم عطائی کو خود قبول دیا و للہ الحمد۔ رہا
معترض کا یہ کہنا کہ "معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا" میں کہتا ہوں کہ ایک معجزہ پر ہی کیا موقوف کوئی فعل کسی کا اپنا نہیں
ہوتا۔ سب کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے خلقکم وما تعملون۔ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کاموں کو۔ پھر جناب
نے خود ہی کہا کہ غیبی خبریں اللہ کے حکم و اجازت سے بتلاتے ہیں۔ آپ ہی بتائیں جب معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا
تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ اس فعل کی ان کی طرف نسبت کس معنی کی ہے۔ نیز اللہ عزوجل حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے لیئے فرماتا ہے کہ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ رسول انھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تعلیم کو نبی کا فعل بنایا آپ فرما رہے ہیں کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا کہئے جناب نے قرآن عظیم کو جھٹلایا کہ نہیں اب بتایئے اپنے حق میں کیا فتوی ہے جناب کا اور سنتے چلئے قاسم نانوتوی تحذیر الناس میں رقم طراز ہے "معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانۂ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے۔ مثل عنایات خاصہ گہ وبیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ بتلایئے آپ تو فرماتے ہیں کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے اور آپ کے قاسم العلوم والخیرات معجزہ کی نسبت یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے، تو آپ کے طور پر قاسم نانوتوی نے اللہ کے فعل کو نبی کے قبضہ میں بنایا۔ کہیئے "حالا چہ می گویند علماء ملت دیوبندیہ"؟ اس لیئے معجزہ کی وجہ سے کسی پیغمبر میں خدائی صفت ماننا صحیح نہیں ہوسکتا۔ علم عطائی کو خدائی صفت پاگل ہی کہے گا۔ پھر فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محی الموتی یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا نہیں کہیں گے"! جی۔ نہ کہنے کی کیا دلیل! آپ نے ابھی خود کہا کہ "مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے"، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاء (زندہ کرنے) کی طرف نسبت کی جب مبداء اشتقاق ثابت تو اس مشتق کے اطلاق سے کون سی چیز مانع ہوگئی۔ اب اگر عرف اس اسم کے خاص بذات باری ہونے کا دعویٰ کیجئے تو اولاً اس میں نظر کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں محیا وارد ہوا ہے کما فی دلائل الخیرات وشرحہ مطالع المسرات للقاضی عیاض اور اگر خصوصیت مان لی جائے تو حاصل یہی ہوگا محی الموتی کا اطلاق خدا کے غیر کے لیئے نہ کیا جائے نہ یہ کہ حکم احیاء بعطائے الٰہی کسی کے لیئے ثابت نہ ہو۔ آخر خود آپ بھی کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے حکم سے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے پھر یہ کیسی جہالت بے خرد کہ نفی اطلاق کو نفی حکم کی دلیل بنایا چاہتے ہیں۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر لکھتے ہیں کہ "مردوں کو زندہ کرنا اللہ کا کام"۔ جی ہاں! بے شک اور اس کے حکم سے انبیاء واولیاء بھی مردے زندہ فرمایا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیئے فرمایا و تبرئ الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتے ہو اور میرے اذن سے دوسروں کو زندہ کردیتے ہو مگر آپ نے یہی ٹھہرائی ہے کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا قرآن عظیم کو جھٹلاتے کہاں شرمائیں کہ آخر تو تمہارے نزدیک جھوٹے معبود کا کلام ہے۔ معاذ اللہ رب العالمین لیکن محمود حسن دیوبندی کی تو سنیئے وہ گنگوہی جی کو رو رہے ہیں اور اپنے دل سے ایمان کو دھو رہے ہیں۔ مردوں کو زندہ کیا۔ زندوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پھر لکھتے ہیں کہ علم غیب بھی بطور معجزہ کسی وقت کسی پیغمبر کو جزوی طور پر دے دیا جاتا ہے۔ جی! اس وقت آپ اپنی پوتھی کھولے بیٹھے رہتے ہوں گے اور اس میں وقت درج کرتے رہتے ہوں گے جبھی تو یہ غیب کی خبر لا رہے ہیں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر لکھتے ہیں اس سے علم غیب کلی دائمی ہمہ وقتی کا مستقل دعویٰ کرنا عقل و نقل کے صریحاً خلاف ہے۔ اولاً کلی سے مراد اگر علم محیط حقیقی تفصیلی، غیر متناہی بالفعل ہے تو یہ ہم پر صریحاً افتراء ہے۔ ہم بعطائے الٰہی حضور علیہ السلام اور انبیاء واولیاء کے لیئے بعض علم غیب ہی ثابت کرتے ہیں مگر ایسا بعض نہیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی تخصیص نہ ہو بلکہ معاذ اللہ حضور جیسا علم ہر صبی ومجنوں کو بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو حاصل

ہو جیسا کہ اشرف علی نے کہا نہ ایسا بعض حضور علیہ السلام کے لیئے جانیں جو شیطان و ملک الموت کے علم سے کم ہو۔ جیسا کہ رشید احمد گنگوہی نے مانا نہ ایسا جیسا تم نے لکھ مارا کہ کسی وقت کسی پیغمبر کو جزوی طور پر دے دیا جاتا ہے یعنی ہر پیغمبر کو نہیں ملتا کسی کو دیا جاتا ہے کسی کو نہیں وہ بھی کسی وقت وہ بھی جزوی طور پر۔ ہاں ہاں! معترض بہادر سنو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے بعض علوم غیبیہ ہی مانتے ہیں مگر وہ بعض ایسا وسیع ہے کہ روز اوّل سے روز آخر تک شرق سے لے کر غرب تک، فرش سے لیکر عرش تک سب کو شامل ہے اور تمام مخلوق کے علوم اس وسیع سمندر سے گویا ایک قطرہ ہیں

؎ فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللّوح والقلم

اب اس شعر کا ترجمہ آپ کے ذہن دوزی کیلئے ذوالفقار علی دیوبندی کی "عطر الوردہ" سے پیش کروں۔ وہ لکھتے ہیں مجھ سے محتاج کی شفاعت آپ کو اس لیئے دشوار نہیں ہے کہ بے شک دنیا اور اس کی سوت جس کا دنیا کے ساتھ جمع ہونا محال ہے منجملہ آپ کی عطا کے ہے نہ آپ ہوتے، نہ دنیا و آخرت پیدا ہوتی قال اللہ تعالیٰ لولاك لما اظہرت الربوبیۃ ولولاك لما خلقت الافلاك اور منجملہ آپ کے علوم و معلومات کے علم لوح و قلم ہے جب آپکی وسعت جاہ کا یہ حال ہے تو مجھ جیسے بے قدر کی شفاعت آپ کو کیا دشوار ہے اھ ہاں ہمہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خلق کے علوم کو علم الٰہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے کہ علوم خلق متناہی اور علم الٰہی غیر متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بالجملہ ہم علم ذاتی محیط حقیقی تفصیلی غیر متناہی بالفعل کو اللہ کے ساتھ جانتے ہیں اور علم عطائی و اجمالی انبیاء و اولیاء کیلئے ثابت مانتے ہیں اس کی تشریح انباء المصطفیٰ و خالص الاعتقاد والدولۃ المکیۃ وغیرھا۔ رسائل امام احمد رضا و دیگر کتب اہل سنت میں ہے اسی بعض علم پر وہابیہ کو کل علوم غیبیہ کا دھوکہ ہوتا ہے اور شور مچاتے ہیں کہ اللہ سے مساوات کر دی۔ بس ان کے نزدیک کل علم الٰہی علم ماکان وما یکون ہی سے کیوں نہ ہو کہ وہاں تو پیڑ کے پتے گن دینے کا نام خدائی ہے ماقدروا اللہ حق قدرہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ثانیاً دائمی ہمہ وقتی سے کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد قدیم ہے تو حاشا للہ ہم انبیا کے علم کو قدیم نہیں کہتے اور اس الزام سے برأت کو یہی کافی ہے کہ ہم انبیاء کے لیئے علم عطائی مانتے ہیں اور جو عطائی ہوگا حادث ہوگا ہاں یہ علوم ان کے قبضے میں رہتے ہیں ان سے سلب نہیں کیے جاتے اس پر خود قاسم نانوتوی کی گواہی گزر چکی وللہ الحمد۔ آگے لکھتے ہیں اس لیئے ایسا دعویٰ کرنے والوں کے دعووں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ناظرین کرام آپ نے معترض کے کلام میں اب تک جتنے تضاد دیکھے ہوں گے وہ محتاج بیان نہیں اب خود ہی غور فرما لیجئے کہ پھر بھی معترض کو آنکھ میں دھول جھونکتے شرم نہیں آتی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مثال کے طور پر لکھتے ہیں سورۃ والضحیٰ کے ترجمہ رضویہ صفحہ ۸۷۰ مولوی نعیم الدین کے حاشیہ ۲ پر لکھا ہے اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے یہ صورت مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی جب اس کی تفسیر میں بیان کیا کہ علوم غیب آپ کو دے دیئے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مکہ معظمہ ہی میں عالم الغیب ہو چکے تھے مگر ارشد القادری رضوی کا بیان ہے آپ کو ۲۳ سال کی مدت میں بتدریج علم غیب کلی حاصل ہوا معترض صاحب بہادر آپ کیا سمجھے۔ ہم سے سنیئے۔ عطر تفسیر تو وہ ہے جو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بطور ترجمہ لکھا کہ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" یہ توجیہہ منجملہ ان دس توجیہوں

کے ہے بلکہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے مفسرین کرام سے نقل فرمایا ہے۔ یوں ہی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اسے منجملہ توجیہات دیگر سے نقل کیا ہے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے اس پر بطور نتیجہ جو مرتب ہوا اسے بیان فرما دیا ہے اس میں کون سا ایسا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ معًا سارے علوم آپ کو عطا ہو گئے کہ آپ تضاد گانے لگے۔ اپنے اور اپنے اکابر کے اوپر سے تضاد اٹھایئے پھر دوسروں کی فکر کیجئے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الدولۃ المکیہ میں فرماتے ہیں۔

اَحاطہ احد من الخلق معلومات اللہ تعالٰی علی جھۃ التفصیل التام محالٌ شرعًا و عقلاً بل لو جمع علوم جمیع العالمین اولاً و آخرًا لما کانت لہ نسبۃ ما اصلاً الی علوم اللہ سبحانہ و تعالٰی حتی کنسبۃ حصّۃ من الف الف حصص قطرۃ الی الف الف بحر۔ الخ کسی مخلوق کا معلومات الٰہیہ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلے سب کے جملہ علوم جمع کر دیئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصّہ کو دس لاکھ سمندروں سے۔

معترض بہادر اب دلچسپ لطیفہ کے عنوان سے پھر لطیفے چھوڑ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں بریلوی حلقہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان و ما یکون اور عالم الغیب کلی عطائی ماننے کو تعریف سمجھتے ہیں اور دوسروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ خدا کی صفت عالم الغیب رسول اکرمؐ کے لیئے استعمال نہ کرکے توہین رسالت کر رہے ہیں الخ بے شک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان و ما یکون جانتے ہیں اور اس پر قرآن و حدیث کے روشن دلائل اور علماء کرام کے اقوال بینات رکھتے ہیں ان میں چند بطور نمونہ گزرے اور ان کے ساتھ ساتھ مستند ان معترض کے اور خود امام معترض کے اقوال گزرے۔ فتذکر رہی یہ بات کہ عالم الغیب کلی عطائی الخ اولاً معترض بہادر اپنی اردو ملاحظہ کیجئے اجی جناب! یہ جملہ غلط ہے آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ حضور علیہ السلام کے لیئے علم غیب کلی عطائی الخ۔ اسی پر آپ حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اردو پڑھانے کا اور ان کا استاد بننے کا خواب سوجھا کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی۔ آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی۔ سبحان اللہ! اس سے مرتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔ ملاحظہ ہو براہین قاطعہ ص۲۶۔ ناظرین کرام اس خباثت بھرے خواب کو سن کر انصاف کریں کہ اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الخلق نے دیوبندیوں سے اردو سیکھی اور ذرا خط کشیدہ جملہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی۔ کو بھی بغور دیکھیں کتنی اچھی اردو ہے اسی منہ سے یہ مسلمان بنتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط ثانیاً بالکل جھوٹ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق نہیں کرتے ہاں بعطائے الٰہی علم غیب جمیع ما کان و ما یکون کا ثابت کرتے ہیں اور جمیع ما کان و ما یکون کو علوم الٰہیہ غیر متناہیہ بالفعل سے کوئی نسبت نہیں جیسا کہ گزرا مگر تمہارے امام کے نزدیک خدا تو یہ ہے کہ ایک پیڑ کے پتے گن دے تو تم آپ ہی سارا علم الٰہی اتنا سمجھو اور دوسروں پر الزام دو کہ "عالم الغیب کلی ماننے کو تعریف سمجھتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ط ثالثاً معترض بہادر رہا تمہارا یہ کہنا کہ اور دوسروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ رسول اکرم صلعم کیلئے خدائی صفت عالم الغیب الخ جی ہم وغیرہ نے کون سی کتاب میں یہ الزام لگایا ہے۔ آپ نے کس مصلحت سے کتاب کا ذکر نہ کیا خیر اب ہی۔ ہماری کسی کتاب سے اس کا ثبوت دیجئے اور اگر نہ دے سکیں اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ دے سکیں گے تو اپنے جھوٹے ہونے کا

اقرار نامہ لکھ کر داد انصاف دیجئے اَلَا لَعنۃُ اللّٰہِ علے الکاذبین۔ معترض بہادر ہم بتائیں کہ خدا کی صفت غیر کے لیئے کس نے ثابت کی سنو! براہین قاطعہ مصدقہ رشید احمد گنگوہی میں خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا "الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط روئے زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے معترض بہادر یہ دیکھو قطب عالم جناب رشید احمد گنگوہی شیطان و ملک الموت کے لیئے وسعت علمی جسے تم شرک کہتے ہو اور کلی سمجھے ہو نص سے ثابت مان رہے ہیں اور اسی منہ سے سرکار کے لیئے اسی وسعت علم ماننے کو شرک بتا رہے ہیں کیوں جناب دنیا و جہان میں کہیں ایسا شرک دیکھا ہے جو ایک کے لیئے شرک ہو اور دوسرے کے لیئے ایمان ہو۔ ہاں! ہاں! وہ شرک گنگوہ دیوبند کے بازاروں میں ملتا ہے اب ذرا بتایئے جتنی وسعت علم سرکار کے لیئے شرک بتائی بالضرور وہ خدا کے لیئے خاص ہوئی کہ نہیں ضرور ہوئی۔ اور اسی منہ سے وہ شیطان اور ملک الموت کے لیئے ثابت کی۔ تو لَاجَرَم شیطان و ملک الموت کے لیئے خود ہی خدا کی صفت مانی والعیاذ باللہ العلے العظیم۔ معترض بہادر اپنا عیب دوسرے کو لگاتے شرم نہیں آتی۔

ع بے حیا باش وہرچہ خواہی کن۔

آگے خود ہی کہتے ہیں مگر خود ہی ان کے مولوی نعیم الدین صاحب ہر مومن کے لیئے علم غیب مانتے ہیں ترجمہ رضویہ کے حاشیہ ۵ صہ ۳ پر لکھتے ہیں۔

"غیب وہ ہے جو حواس وعقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو یہ علم غیب ذاتی ہے اور یہی مراد ہے آیت عندہ مفاتح الغیب الخ میں اور ان تمام آیات میں جن میں علم غیب کی غیر خدا سے نفی کی گئی ہے اس قسم کا علم غیب یعنی ذاتی جس پر کوئی دلیل نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل ہو جیسے صانع عالم اور اس کے صفات اور نبوات اور اس کے متعلقات احکام و شرائع اور روز آخر اور اس کے احوال۔ بعث نشر۔ حساب جزا وغیرہ کا علم جس پر دلیلیں قائم ہوں اور جو تعلیم الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے اس دوسری قسم کے غیوب سے جو ایمان سے علاقہ رکھتے ہیں ان کا علم و یقین ہر مومن کو حاصل ہے اگر نہ ہو آدمی مومن نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں اولیاء انبیاء پر جو غیوب کے دروازے کھولتا ہے وہ اسی قسم کا غیب ہے"

اس عبارت میں جس قسم کے علم غیب کو انبیاء و اولیاء کے لیئے مانا گیا ہے اسے ہر مومن کے لیئے عام کہا گیا ہے جو کہ ایک امر واقعہ ہے اس کا انکار کون کرتا ہے اگر ایسا ہی علم غیب عالم الغیب کہہ کر ثابت کیا جاتا ہے پھر تو نزاع محض لفظی رسمی رہ جاتا ہے۔ الخ الھذیان۔ اَقُوْلُ۔ معترض بہادر صدر الافاضل مولینا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ۔ (مومن کیلئے علم غیب مان رہے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے اگر اس میں آپ کے نزدیک کچھ قباحت شرک ہے تو خدائے تعالیٰ پر اعتراض کیجئے۔ وہ فرماتا ہے یؤمنون بالغیب الخ۔ پر ظاہر کہ ایمان بے علم کے ہو ہی نہیں سکتا اس لیئے کہ ایمان تصدیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم مع التسلیم کا نام ہے اور تصدیق خبر کے اذعان و یقین کو کہتے ہیں اور خبر کا یقین بے علم خبر نہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یؤمنون بالغیب فرما کر مومنوں کے لیئے بطفیل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غیبی خبروں کا علم عطا فرما دیا اور بتا دیا

کہ بے علم غیب عطائی ایمان متحقق ہی نہیں ہوگا مگر معترض بہادر عطائی تو تمہاری چڑ ہے تو بتاؤ تمہارا ایمان کہاں رہا۔ ثانیاً۔
آپ کا کہنا کہ اس عبارت میں جس قسم کے علم غیب کو انبیاء و اولیاء کے لیئے مانا گیا ہے اسے ہر مومن کے لیئے عام کہا گیا ہے جو کہ ایک امر واقع ہے اس کا کون انکار کرتا ہے الخ الحمد للہ حق وہ ہے جو سر پر چڑھ کہ بولے اب تو آپ نے بھی علم عطائی کو تسلیم کر لیا اور انبیاء و اولیاء کے لیئے اس کے عموم کو مان لیا۔ اب ذرا یہ بتائیے کہ وہ جو آپ نے کہا تھا کہ "اس ذاتی و عطائی کے طلسم نے کیا ہی دروازے کھولے ہیں،، اس کے پیشِ نظر جناب کا کیا فتویٰ ہے آپ بقول خود اپنے طلسم کو تسلیم کر کے مشرک ہوئے کہ نہیں رہا یہ کہنا کہ اس کا کون انکار کرتا ہے اِس کا جواب آپ ہی کے مقولہ سے ظاہر کہ اِس کا انکار وہ کرتا ہے جو ذاتی و عطائی کے فرق کو نہیں مانتا عطائی کو بھی شرک کہتا ہے اور وہ آپ حضرات ہیں اور آپ کا امام الطائفہ ہے جو جگہ جگہ اپنی تقویتہ الایمان میں عطائی پر بھی حکم شرک جڑتا ہے مگر بات یہ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پھر یہ کہ ابھی ابھی ہر مومن کے لیئے علم غیب ماننے پر آپ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ پر اعتراض کر چکے ہیں اور اسی کو آگے چل کر امر واقع بتا چکے ہیں۔ چہ خوش۔ جس بات کا اقرار کیجئے اسی پر اعتراض جڑئیے۔ کیا اب بھی نہ سوجھا کہ اس کا انکار کون کرتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے معترض صاحب لکھتے ہیں "اگر ایسا ہی علم غیب عالم الغیب کہہ کر ثابت کیا جاتا ہے پھر تو نزاع محض لفظی و رسمی رہ جاتا ہے اقول۔ بالکل سفید جھوٹ اور صریح فریب ہے اولاً تم تو ذاتی و عطائی کے فرق ہی کے منکر ہو اور اسے شرک کہتے ہو پھر تمہارا علم عطائی تسلیم کرنا کیا معنی۔ ثانیاً تمہیں علم ما کان و ما یکون پر جو معلومات الٰہیہ غیر متناہیہ بالفعل کا قطعاً بعض ہے علم کلی کا دھوکہ ہے ابھی ابھی کہہ چکے کہ عالم الغیب کلی الخ اور اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہو اور یہی سارا طائفہ مانتا ہے اور اسی پر خدا سے مساوات کا الزام دیتا ہے ثالثاً علم ثابت بھی کرتے ہو تو ایسا جس میں حضور علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں ایسا علم تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے جیسا کہ حفظ الایمان میں اشرف علی نے کہا اور جو شیطان و ملک الموت کے علم سے کم ہو جیسا کہ براہین قاطعہ میں لکھ مارا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بایں ہمہ کیونکر آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو اور کہتے ہو کہ پھر تو نزاع محض الخ اِنَّ اللہ لا یھدی کید الخائنین اللہ خائنوں کے مکر کو راہ نہیں دیتا بحمد اللہ یہی کے ترجمہ رضویہ اور مسئلہ علم غیب میں معترض کی تمام واہیات کا جواب شافی تمام ہوا۔ و للہ الحمد و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی آلہ و صحبہ و بارک و کرم۔

آیت ووجدک ضالا فھدی کے ترجمہ پر اعتراض

معترض بہادر اب پھر لطیفہ چھوڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں "مولوی احمد رضا خان بریلوی سورہ والضحیٰ کی آیت وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کا ترجمہ کرتے ہیں" "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" اور سورہ شعراء رکوع ۲ کی آیت ۱۹ و ۲۰ کا ترجمہ کرتے ہیں "موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی" ضلالت کے دونوں معنی صحیح ہیں محبت کی وارفتگی اور راہ سے بے خبری ہمیں یہاں دکھانا یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ضالاً کا ترجمہ محبت کی وارفتگی کر کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیئے ضالین کا ترجمہ راہ سے بے خبری کر کے دورخی کیوں اختیار کی ہے ملاحظہ ہو مفسر قرآن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورہ شعراء کی اسی آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں آیت مع تفسیر نقل ہوئی ہے۔ (فعلتہا اذا وانا من الضالین) من الجاھلین بنعمتک علیّ۔ یعنی میں نے وہ کام کیا۔ جب کہ

مجھے تیرے احسان کی خبر نہ تھی اور یہی ابن عباس والضحیٰ کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (ووجدک یا محمد ضالاً
بین قوم ضلال (فھدیٰ) فھداک بالنبوۃ الخ کذا فی تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس یعنی اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو گمراہوں میں پایا تو نبوت سے ہدایت دی۔ معترض بہادر دیکھو یہاں بین قوم ضلال فرمایا اور یہاں
یوں نہ فرمایا اور سنئے علامہ قاضی عیاض شفاء میں آیت کریمہ ووجدک ضالاً میں مفسرین کرام سے متعدد وجوہ نقل فرماتے ہیں۔
ترجمہ! یعنی کہا گیا (ضالاً) کی تفسیر میں آپکو نبوت سے بے خبر پایا تو نبوت کی طرف راہ دی یہ طبری کا قول ہے اور کہا گیا کہ
اللہ نے آپکو گمراہوں میں پایا تو ان کی گمراہی سے محفوظ رکھا اور امت کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت کی راہ دکھائی۔ یہ
سدی سے اور بہت ساروں سے منقول ہوا اور کہا گیا کہ آپ اپنی شریعت سے بے خبر تھے تو اللہ نے آپکو آپکی شریعت
بتائی اور ضلال یہاں بمعنی حیرت ہے اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت گزیں ہوا کرتے۔ اس طریقے کی طلب میں
جس پر وہ اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ اللہ نے آپکو اسلام کی طرف ہدایت دی۔ یہ قشیری کے قول کا مفہوم ہے اور
کہا گیا کہ آپ حق کو اجمالاً جانتے تھے تو اللہ نے آپکو اس کی تفصیل بتائی۔ یہ قول علی بن عیسیٰ کا ہے اور کہا گیا کہ اللہ نے
آپ کے امر نبوت کو آشکارا کیا قطعی دلیلوں سے۔ اور کہا گیا کہ آپ کو مکہ میں اقامت اور مدینہ کو ہجرت کے بارے میں متردد
پایا تو آپ کو مدینہ کو ہجرت کا حکم فرمایا اور کہا گیا کہ اللہ نے آپکو ہادی پایا تو آپ کے ذریعہ گمراہوں کو ہدایت دی اور حضرت جعفر
صادق نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ میں نے اے محبوب! تمہیں اپنی محبت ازلی سے بے خبر پایا تو تمھارے اوپر اپنی معرفت
کی منت رکھی تا کہ تم میری محبت کو جانو اور ابن عطا نے فرمایا کہ میں (اللہ) نے تجھے اپنی معرفت کا محب و طلب گار پایا
تو اپنی طرف راہ دی اور یہ وہ توجیہہ ہے جو امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ترجمہ میں اختیار فرمائی) اور ضال محب کو کہتے ہیں
جیسا کہ اللہ کے قول انک لفی ضلالک القدیم میں یعنی آپ یوسف کی پرانی محبت میں مبتلا ہیں اور اس بات میں برادران
یوسف نے دین کی گمراہی مراد نہ لی اس لیئے کہ اگر یہ بات اللہ کے نبی کے لیئے کہتے کافر ہو جاتے اور ایسا ہی ہے ان
کے (ابن عطا کے) نزدیک اللہ کے قول ان لنراھا فی ضلال مبین میں یعنی ہم زلیخا کو یوسف کی کھلی محبت میں گرفتار
دیکھتے ہیں اور جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس قرآن کے بیان میں متحیر پایا جو آپ پر اترا تو آپ سے بیان فرمایا
اور کہا گیا کہ آپ کو اللہ نے کنز مخفی پایا کہ آپ کی نبوت کو کوئی نہ جانتا تھا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو ظاہر فرمایا تو
نیک بختوں کو آپکی معرفت بخشی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشکل ہے اور یہ
مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ کام بغیر قصد کے کیا (یعنی قبطی کو گھونسہ مار کر قتل کرنے کا قصد نہ تھا) یہ قول ہے ابن
عرفہ کا اور ازہری نے فرمایا کہ معنی یہ ہے کہ میں بے خبروں میں سے تھا۔ معترض بہادر یہ دیکھئے ضالاً میں امام علامہ
قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے دس توجیہات نقل فرمائیں منجملہ ان کے وہ توجیہہ بھی ہے جو امام احمد رضا نے اختیار فرمائی
اور سورۂ شعراء کی آیت کریمہ فعلتھا اذاً وانا من الضالین میں صرف دو توجیہیں نقل فرمائیں جس سے ظاہر کردہ
رائے جو آپ نے دی ہے کہ یہی توجیہہ سورۂ شعراء میں کیوں نہ کی اور دو دوسری کیوں اختیار کی وہ رائے کسی کی نہیں ورنہ
امام قاضی عیاض جیسے کثیر الاطلاع ضرور اسے نقل فرماتے مزید اطمینان کے لیئے مدارک۔ جلالین۔ صاوی کی شہادت
دیتا ہوں۔ مدارک میں فرمایا (فعلتھا اذاً أی إذ ذاک وأنا من الضالین) أی الجاھلین بأنھا تبلغ القتل
والضال عن الشئ ھو الذاھب عن معرفتہ أو الناسین من قولہ أن تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما

الآخرتی فدفع وصف الکفرعن نفسہ ووضع الضالین موضع الکافرین جلالین میں فرمایا (فعلتھا اذً) أی حینئذٍ (وأنا من الضالین) عما آتانی اللہ بعد ھامن العلم والرسالۃ۔ صاوی میں فرمایا أی فلیس علی فیما فعلتہ فی تلک الحالۃ لوم لانتفاء التکلیف حینئذٍ أو المعنی من المخطئین لا من المتعمدین۔ یہ دیکھو مدارک پھر جلالین وصاوی میں اس آیت میں انہی دو وجوہ کا پتا چلتا ہے جو شفاء میں ابن عرفہ اور ازہری سے نقل ہوئی۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک وجہ اور مستفاد ہوئی اسی لیے مدارج النبوۃ تفسیر عزیزی میں منجملہ دیگر توجیہات کے وہی ابن عطاء والی توجیہہ جسے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اختیار فرمایا ہے۔ جب ذکر فرمائی تو اس کی نظیر میں آیہ کریمہ إنک لفی ضلالک القدیم اور آیہ کریمہ انا لنراھا فی ضلال مبین انہیں دو آیتوں کا ذکر فرمایا (تفسیر عزیزی میں آیہ اول الذکر پر اکتفا فرمایا ہے) جیسا کہ شفاء میں انہیں دو آیتوں سے نظیر پیش کی بھلا سورۃ شعراء کی آیت میں یہ توجیہہ منقول ہوتی تو کوئی تو اس کو نظیر میں پیش کرتا۔ معترض صاحب اب یہی اعتراض حضرت ابن عباس حضرت جعفر صادق ابن عطاء وغیرہم ائمہ کرام پر کرو گے کہ جو توجیہات ضالاً میں ان ائمہ نے فرمائیں ان میں سے اکثر شعراء کی آیت میں ان سے منقول نہیں۔ یہاں بس وہی دو تین وجوہ منقول ہیں بلکہ شفاء و مدارج النبوۃ و تفسیر عزیزی کے مصنفین پر بھی اعتراض کرو کہ انہوں نے اس توجیہہ کو برقرار رکھا جس سے تمہاری مزعومہ دورخی لازم آئی۔ آگے لکھتے ہیں تمام پیغمبروں کی محبت وعظمت فرض ہے اور اہانت کفر ہے۔ درجوں کا فرق الگ چیز ہے مگر ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ ایک جملہ ایک پیغمبر کے حق میں توہین ہو۔ دوسرے کے حق میں تعریف ہو۔ محبت وایمان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دونوں جگہ یکسانیت اختیار کرتے إلخ اقول۔ آپ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر موسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام رکھنا چاہتے ہیں اجی جناب امام احمد رضاؒ نے جو کچھ فرمایا وہی مفسرین کرام کا ارشاد ہے ان کے فرمان کی روشنی میں اپنی بات تولیے۔ کبرت کلمۃ تخرج من أفواھھم إن یقولون إلا کذبا۔ بڑی ہے وہ بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ نرا جھوٹ بولتے ہیں۔ رشید وخلیل واشرف علی وقاسم نانوتوی کی عبارتیں تو توہین نہ ہوں اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا قول جو مفسرین کرام کے ارشاد کا عین مفاد ہے۔ وہ تمہارے نزدیک توہین قرار پائے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

منہ بھر کے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو تو توہین کا الزام دے دیا مگر حسب سابق یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کس کس کے سر گیا۔ اور رکھیے نہ سہی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بچاؤ کی تدبیر بھی نہ سوجھی۔

ع یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر　　اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

لیجیے ثبوت پیش ہے کہ شاہ صاحبؒ نے بھی دو رخی اختیار کی ہے۔ تفسیر عزیزی میں سورۃ والنازعات کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا تتمہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"ودر ینجا تتمۂ قصہ محذوف است یعنی پس حضرت موسیٰ بسوئے فرعون رفتند واو را فرمان الٰہی رسانیدند و فرعون در جواب ایشاں اول چنیں گفت کہ آیا تو ہماں شخصی نیستی کہ در حالت بچگی ما ترا پرورش کردہ بودیم وعمرہا در گنہ راہ بندی با آں کار خود کردہ رفتی کہ میدانی و ناسپاس نعمتہائے ما شدی ترا ایں مرتبہ از کجا حاصل شد کہ خود را ہادی و مرشد من قرار دادہ آمدی حضرت موسیٰ علیہ السلام در جواب فرمودند آرے من ہماں کسم و کاریکہ بودم در آں وقت نادان و جاہل

بودم" الخ معترض بہادر ذرا اس خط کشیدہ فقرہ کو آنکھیں کھول کر خوب غور سے دیکھو اور سنو۔ سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ وبعض گفتہ اند کہ مراد از ضلال محبت در مرتبۂ عشق است چنانکہ پسران حضرت یعقوب علیہ السلام فرط عشق ایشاں را با حضرت یوسف علیہ السلام بایں لفظ تعبیر کردہ اند اِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ومراد از ہدایت آنست کہ طریق وصول محبوب را بتو نشاں وادیم" اھ یہ دیکھئے شاہ صاحب ضلالت میں یہی وجہ نقل فرما رہے ہیں اور اسے مقرر کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن اپنی جمیع وجوہ پر محبت ہے کما فی السنادقانی علی المواهب وغیرہ معترض بہادر شائد آپ کو اب تک امام الطایفہ کے بزرگوار خاندان کی تفسیر دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا اب شائد دیکھیں تو یوں چلائیں کہ انہوں نے کب اس وجہ کو مقرر رکھا ہے وہ تو یوں فرما رہے ہیں "و ارباب تفسیر کہ ایں معنی را کماینبغی ندانستہ اند در تفسیر ایں گراہی دور دور رفتہ اند" اولاً یہ کہ کر شاہ صاحب نے کم وبیش آٹھ توجیہات علاوہ توجیہہ مذکورہ ذکر کی ہیں کیا یہ سب غلط و نامقرر ہیں؟ ثانیاً شاہ صاحب ؒ نے یوں فرمایا ہے کہ ارباب تفسیر کہ ایں معنی را کماینبغی ندانستہ اند الخ اور یہ توجیہہ مذکورہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان فرمودہ ہے کیا ان کے بارے میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایں معنی را کماینبغی ندانستہ اند؟ یا یوں کہا جائے گا کہ شاہ صاحب نے جو معنی بیان فرمائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی اور رسوم جاہلیت سے بے زار اور رب ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ تھے اور ملت ابراہیمی کی تلاش میں بے تاب تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو ملت ابراہیمی کے اصول سے آگاہ کیا۔ وہ حضرت ابن عطاء رضی اللہ عنہ کو ضرور معلوم تھے مگر پسند اپنی اپنی۔ انہیں یہ توجیہہ پسند آئی۔

ع وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

ثالثاً وہ کہتے ہیں در تفسیر ایں گراہی دور دور رفتہ اند۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہماری مختار توجیہہ وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی باقی وجوہ دور کی ہیں وہ بھی مراد ہو سکتی ہیں کیوں معترض بہادر تمہارے طور پر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے دور کی احتیار کرنے کی اجازت دی کہ نہیں

رابعاً سوچو تو سمجھ میں آجائے کہ اس توجیہہ میں اور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی توجیہہ میں علت و معلول کا ارتباط ہے اگر محبت نہ ہوتی تو طریقہ عبادت کی طلب کہاں ہوتی اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ یہ توجیہہ دور کی ہرگز نہیں۔ وللہ الحجۃ السامیۃ۔ خامساً وجوہ دیگر سے پہلے جو توجیہہ خود انہوں نے بیان فرمائی اور جس کا مختصر ترجمہ ابھی گزرا اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے آپکو اس طریقہ کا طلب گار پایا جس پر آپ اس کی عبادت کریں یہاں تو یہ معنی بتائے اور وہاں قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یوں فرمایا کہ درآں وقت نادان و جاہل بودم۔ ایک کو کہ محبت و ایمان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دونوں جگہ یکسانیت اختیار کرتے در نہ الخ۔ آگے معترض بہادر لکھتے ہیں کہ ترجمۂ رضویہ اس قسم کی تلبیسات سے بھرا پڑا ہے الخ اور اس کا فیصلہ معترض نے پڑھنے والوں پر چھوڑا ہے۔ ہم بھی انہیں پر چھوڑتے ہیں۔

ناظرین کرام خود فیصلہ کر لیں کہ جس شخص کو اعتراض کی ہوس میں ائمۂ کرام اساطین دین اور خود اپنے بزرگوں کا کلام نظر نہ آئے اور آنکھیں میچ کر منہ کھول سب پر اعتراض کر بیٹھے اس کا کیا ٹھکانہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات

امام احمد رضا اپنے وقت کے جیّد عالم تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بیک وقت بہت سی خصوصیات کو جمع فرما دیا تھا، ایک طرف آپ بہترین فقیہ تھے۔ تو ساتھ ہی آپ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ آپ کی نظر علم تفسیر و تاویل اور احادیث نبوی پر بہت گہری تھی۔ اور آپ کی علمیّت اور اصابت رائے کے اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے بھی قائل تھے۔ آپ کی سب سے بڑی اور امتیازی خصوصیت "عشق رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ ساری زندگی آپ نے "مدح رسول" میں صرف کی اور اس کا زندہ ثبوت آپ کا وہ نعتیہ کلام ہے جو "حدائق بخشش" کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہوا ہے۔ آپ مدحِ رسول کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیتے ہیں اور اصحاب ثروت کی مدح سرائی کو فضول فرماتے ہیں۔

کروں مدح اہلِ دُوَل رضؔا پڑے اس بلا میں مری بلا　　　میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کی ساری زندگی جہاد بالقلم میں صرف ہوئی اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا۔ اس کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا۔ اور بغیر کسی کی پرواکئے جس بات کو حق سمجھا اس کو برملا کہا متحدہ برصغیر میں دو ہی مکتب فکر علماء تھے دیوبندی یا اہل سنت۔ آپ علماءِ اہل سنت کے قائد تھے۔ چونکہ جانبین سے تنقید ہوتی تھی۔ اس واسطے امام احمد رضا کا قلم بھی اس میدان میں خوب چلتا تھا۔ آپ نے دیوبندیوں کے جواب میں کثیر تعداد میں رسائل لکھے اور خوب لکھے۔

آپ کی تصانیف میں بعض کتابیں عربی میں ہیں اور ان میں "دولت مکیہ" بہترین کتاب ہے اور اکثر اردو میں ہیں۔ فقہ میں "فتاوی رضویہ" اپنا جواب آپ ہے اور اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نظر فقہی جزئیات پر کتنی وسیع تھی۔ اسی طرح جب کسی اختلافی مسئلہ پر بحث کی ہے تو دل کھول کر دلائل دیتے ہیں "سبحٰن السبوح" "الامن والعلیٰ" "خالص الاعتقاد" وغیرہ قابلِ دید کتابیں ہیں۔ اور حضرت کی علمیّت پر بہترین شاہد عدل ہیں۔

ترجمہ قرآن

حضرت کا سب سے بڑا کارنامہ "ترجمہ قرآن" ہے کاش ایسا ہوتا کہ آپ نے جس عمدگی کے ساتھ ترجمہ فرمایا اس پر حواشی بھی لکھتے لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ اب میں آپ کے ترجمہ قرآن سے چند خصوصیات کا ذکر کروں گا۔ جن کو ترجمۂ قرآن میں السطور میں ادا کرنا حضرت کا ہی حق ہے اور حق یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ قرآن کا حق ادا کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں۔ کہ امام احمد رضا کو سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی ذات پاک سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ آپ نے محبت نبوی کا ترجمہ قرآن میں بھی پورا پورا ملحوظ رکھا ہے اور جہاں کہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوا ہے۔ ترجمہ میں ادب و محبت کو سمو دیا ہے۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ سورہ فیل کے پہلے الفاظ کا ترجمہ عام طور پر مترجمین حضرات نے کیا ہے۔ "کیا تو نے نہ دیکھا" لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ "اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا" اسی طرح قرآن مقدس میں لفظ "قُل" کا ترجمہ عام طور پر "کہو" سے کیا گیا ہے۔ مگر امام احمد رضا نے شان فصاحت و بلاغت قرآن کا پورا خیال رکھ کر ادب نبوی کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ ترجمہ کرتے ہیں "تم فرماؤ" پارہ چوتھا سورۃ آل عمران کے ان الفاظ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کا ترجمہ کتنا صحیح اور دلکش ہے "جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے"۔ یہ اور اس طرح کی بیشمار آیات کے ترجمہ کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مرحوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اور ہر مسلمان پر آنحضرت کی توقیر کا خیال رکھنا اسی طرح فرض ہے۔ جس طرح نماز و روزہ فرض ہے بلکہ یہ فرض تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" جو کسی نے کہا ہے تو اس کا مفہوم صرف کسی ایک وصف میں ہی نہیں بلکہ جمیع اوصاف عالیہ میں آنحضرت کا مقام یہی ہے مثلاً علم میں "بعد از خدا" اگر کسی کا علم جامع اور کامل ہے۔ تو وہ حضور کا علم ہے۔ خدا کے بعد اگر کوئی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے۔ تو وہ آپ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ خدا کے کلام کے بعد اگر کسی کے کلام کا مرتبہ ہے تو وہ آپ کا کلام ہے۔ کتاب الٰہی کے بعد اگر کوئی چیز حجت اور سند دین میں ہو تو وہ صرف آپ کی سنتِ مطہرہ ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو صرف شریک فی الالوہیت نہیں ٹھہرایا۔ باقی کمالاتِ عطائیہ جتنے تھے۔ وہ سب آپ کو دیئے گئے۔

امام احمد رضا نے "عشقِ رسول" (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کسی مقام پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور آپ کی جمیع تصانیف خاص کر ترجمہ قرآن کا مطالعہ ہی بنظرِ غائر کافی ہے اور اس دعوے کے ثبوت کے لئے سب سے بڑا شاہد ہے۔ سورۂ النجم کی پہلی آیت "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى" کا ترجمہ کیا ہے"۔ اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترا" حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمتہ نے حاشیہ میں ان احتمالات کو بیان کر دیا۔ جو النجم کے لفظ سے نکلتے تھے مثلاً بعض نے ثریا بعض نے نجوم اور بعض مفسرین نے قرآن مراد لیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے ان مفسرین کی تاویل کو اختیار فرمایا جنہوں نے نجم سے مراد سرورِ انبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو لیا ہے سورۂ الرحمٰن کی پہلی آیات کے معانی پر غور کیجیے۔ دیگر مترجمین نے عام ترجمہ کیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا کی بصیرت علمی کہاں پہنچی اور دریائے علم سے کیسے موتی نکال لائی آیات اور اُن کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن کا بیان انہیں سکھایا ہے۔ کس خوش اسلوبی سے ترجمہ کیا ہے۔ چونکہ عام ترجموں سے یہ ترجمہ ذرا اپنے رنگ میں ادا کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کسی کو شک ہو۔ اس لئے میں چند اشارات کئے دیتا ہوں خلق الانسان میں الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے اور نوع انسانی میں فرد کامل چونکہ سرورِ انبیاءؐ ہیں اس لئے انسان سے مراد آنحضرت کی ذات کو لینا عین اصول گرامر کے مطابق ہے اسی البیان پر الف لام استغراقی ہے اور استغراق کا عموم "بیان" کی جمیع اقسام کو حاوی ہوگا۔ اور اسی اصولی وجہ کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا نے ترجمہ میں مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ میں آئندہ کسی دوسرے مضمون میں انشاء اللہ مزید روشنی ڈالوں گا۔ لیکن ان مختصر گذارشات سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ امام احمد رضا بہترین مفسر اور اعلیٰ درجہ کے محدث اور فقیہ تھے۔ اور ان کا سینہ "عشقِ رسول" سے منور تھا۔ اور اگر یہ عربی مقولہ سچ ہے اور بظاہر کوئی وجہ بھی اس کے غلط ہونے کی نظر نہیں آتی کہ "يَتَرَشَّحُ مِنَ الْاِنَاءِ مَا فِيْهِ" یعنی برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے۔ جو اس میں ہو۔ تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ امام احمد رضا کی جمیع تصانیف "محبتِ رسول" کی آئینہ دار ہیں۔ اور جو شخص بھی امام احمد رضا کی تصنیفات کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کرے گا۔ میرے اس دعوے کی انشاء اللہ تائید کرے گا۔

مکتوب (اُردو ترجمہ)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی توفیق سے اعمالِ صالحہ پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں اور جس کے فضل وکرم سے نیکیوں کو شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے اور درُود وسلام ہوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اس کی مخلوق کے سردار پر جن کا نام نامی "محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے جو رؤف ورحیم ہیں۔ آپ کی جملہ آل اور آپ کے تمام صحابہ پر۔

امّا بعد! امتِ مسلمہ کو اپنی طویل تاریخ میں روزِ اوّل سے آج تک کئی نازک مرحلوں سے گزرنا پڑا اور ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا جو ازحد خوفناک اور پریشان کُن تھے۔ ابتدا میں عرب کے مشرک قبائل نے یہ چاہا کہ اپنے کثیر التعداد جتھوں اور بہادر شہسواروں کی قوت سے اسلام کے چراغ کو بجھا دیں لیکن انھیں اپنے مقصد میں رسوا کن ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر جزیرۂ عرب کے مغرب سے قیصر اور مشرق سے کسریٰ نے اپنی عساکرِ قاہرہ، جو مہلک ہتھیاروں سے مسلح تھیں اور اپنے بے پناہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس جواں ہمت امت کی بیخ کنی کے لیے داؤ پر لگا دیا لیکن اسلام کے جانباز مجاہدین نے اپنی تعداد کی کمی اور وسائل کی کمزوری کے باوجود انھیں شرمناک ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ چند صدیاں گزرنے کے بعد سارا یورپ اسلام اور فرزندانِ اسلام کے خلاف بھڑک اٹھا، یورپ کے ممالک کے بادشاہ، وہاں کی حکومتوں کے رؤسا اور اس برّ اعظم کے نوجوان نصرانیت کے جھنڈے تلے مجتمع ہو گئے اور صلیبی جنگوں کی آگ کو بھڑکا دیا جو کئی قرنوں تک شعلہ زن رہی۔ حالات کی تند وتیز لہروں کے سامنے امتِ مسلمہ یوں ثابت قدم رہی جس طرح فولادی چٹان خوفناک طوفانوں کے درمیان سربلند رہتی ہے، ان کی اس واضح کامیابی کا راز ان کی قوتِ ایمانی اور اُن کا باہمی اتحاد تھا۔ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھے جہاں اختلاف اور انتشار اپنے قدم نہیں جما سکتے تھے۔

لیکن آج حالات بڑے المناک اور شرمناک حد تک تبدیل ہو چکے ہیں، تمام مسلم ممالک ایسے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں جن سے ان کی سلامتی اور بقا کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ہر اسلامی ملک کی سرحدیں غیر محفوظ ہیں۔ اسرائیل کے جنگی طیارے اپنے ہوائی اڈوں سے اڑتے ہیں اور عالمِ عرب کے جس خطہ میں چاہتے ہیں بموں کی بارش برسا دیتے ہیں اور اس میں انھیں قطعاً کوئی خوف نہیں ہوتا کہ ان کی مزاحمت کی جائے گی یا ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ یہ ساری کارروائی اطمینان سے کر لینے کے بعد وہ بخیر وعافیت اپنے ہوائی اڈے پر واپس آ جاتے ہیں کیا تلخ اور خوفناک حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کے لیے وہ حادثات کافی نہیں جو گزشتہ چند ماہ میں لبنان اور اس کے دارالسلطنت بیروت میں وقوع پذیر ہوئے۔ خصوصاً ہزاروں معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا قتل عام جو ستمبر کے تیسرے ہفتہ میں ان دو کیمپوں میں ہوا جہاں فلسطینی پناہ لیے ہوئے تھے۔ اس وحشیانہ قتل اور معصوموں کی خونریزی کی کوئی مثال آپ پیش کر سکتے ہیں؟

کبھی آپ نے سوچا کہ ان متواتر مصائب کی وجہ کیا ہے؟ ان وحشیانہ حملوں کا سلسلہ کیوں زور شور سے جاری ہے، رات اور دن کیوں مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے ان مصائب وآلام کا سبب صرف ہماری بے اتفاقی اور باہمی انتشار ہے اور اس مہلک بیماری کا علاج بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔

اسلامی ممالک کے بیدار مغز سلاطین اور ان کی حکومتوں کے دانشمند حکام اور ان کے سراپا اخلاص قائدین نے تو یہ عزم کر لیا ہے کہ وہ ان تمام محرکات کو ختم کر دیں گے جو اتحادِ امت کے لیے تباہ کن ہیں، یہ لوگ دل کی گہرائیوں سے اس بات کے متمنی ہیں کہ وہ عہد سعید ایک مرتبہ پھر لوٹ آئے جب تمام مسلمان ایک امت تھے۔ لیکن مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو ان المناک اور تکلیف دہ حالات میں بھی مسلمانوں کے دلوں میں انتشار اور عداوت کی تخم ریزی میں کوشاں ہے، صد حیف! وہ ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد

الریاض سے ایک ایسا فتویٰ صادر کرانے میں بھی کامیاب ہوگئے ہیں کہ ان قرآنی نسخوں کو بھی جلا دیا جائے جن میں عالم ربانی شیخ محمد احمد رضا خان کا ترجمہ ہے اور جس کے حاشیہ پر صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین قدس سرہما کی تفسیر ہے۔

اس فتویٰ نے پاکستان میں بسنے والے اہلسنت وجماعت کے حلقوں میں جو امت کا سوادِ اعظم ہے، بڑی سخت بے چینی اور ہلچل پیدا کردی ہے ان کے دل کانپ اٹھے ہیں اور ان کی روحوں پر غم و اندوہ چھا گیا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ ترجمہ اور یہ حواشی اُردو زبان میں ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ادارۃ البحوث العلمیہ کے اکثر ارکان اردو زبان نہیں جانتے، ایک خاص گروہ نے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو کبھی قبول نہ کرے، اس ترجمہ اور ان حواشی کو جھوٹے اور غلط رنگ میں رنگ کر ادارۃ البحوث العلمیہ کے اراکین کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنی چرب زبانی اور عیّاری کے باعث ان سے یہ فتویٰ صادر کرانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

ہم کہتے ہیں اور جو ہم کہتے ہیں اس کی سچائی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے شرک کفر اور آیات کے معانی میں تحریف کا بہتان ایسے دو ربّانی عالموں پر لگایا ہے جنھوں نے اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ، اپنا علم، اپنی دانش اور اپنی قابلیت اللہ کی بات کو بلند کرنے کے لیے اور ہندوستان میں بسنے والے بُت پرستوں کو دعوتِ توحید پہنچانے کے لیے صَرف کیا اور وہ بہت سے بت پرستوں کو شرک کے گھپ اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور کی طرف لانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس مخصوص گروہ نے اپنے دل سے جھوٹی تہمتیں گھڑیں اور ظلم و کذب بیانی سے ان پاک نفوس پر الزام لگایا۔

ہم اعضاء ادارۃ البحوث کے معزز اراکین سے پہلے اجازت طلب کرتے ہیں کہ ہم ان کی خدمت میں حقیقتِ حال بیان کریں اور پھر ان سے درخواست کریں کہ وہ دقّتِ نظر سے اس کو دیکھیں اور ان دو علماء کے عقائد کا غور سے مطالعہ کریں اس طرح ان پر حقیقت نفس الامر تک رسائی آسان ہو جائے گی اور ان پر یہ منکشف ہو جائے گا کہ اس گروہ نے جن کی باتوں پر ادارۃ البحوث کے معزز اراکین نے اعتماد کیا ہے خیانت کی ہے اور دھوکہ دیا ہے اور اسلام کے قلعہ کی فصیل میں شگافوں کو وسیع کرکے دشمنانِ دین کی خدمت کی ہے اور یہ خدمت ان مشکل دنوں میں جبکہ ساری امت اپنی بقا کی سلامتی کے لیے سرگرم عمل ہے اور اسے باہمی اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ یہ مٹھی بھر اہلِ غرض لوگ اس امر میں اپنی کوششیں صرف کر رہے ہیں کہ ان شعوب کے درمیان جو اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم جھکائے ہوئے ہیں ان کے درمیان اور مملکت عربیہ سعودیہ کے درمیان اختلاف اور انشقاق کی خلیج کو وسیع کردیں۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حقیقت حال سے پردہ اٹھانے کی ابتدا کرتے ہیں، انھوں نے سب سے پہلے تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کے مطبوعہ مصحف کے صہ۳ پر ایک عبارت ہے، اس پر اعتراض کیا ہے، انھوں نے کہا کہ یہ عبارت شرک سے لبریز اور خرافات و تحریفات سے ملوث ہے۔ ہم پہلے وہ آیت کریمہ لکھتے ہیں پھر اردو میں اس کا ترجمہ تحریر کریں گے پھر اس اردو ترجمہ کا عربی میں ترجمہ کریں گے پھر آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ اس کے معانی میں غور و خوض کریں پھر ہمیں بتائیں کہ اس ترجمہ میں شرک کہاں ہے اور وہ خرافات کہاں ہے؟

آیت کریمہ یہ ہے:۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (۱:۴)

اُردو میں اس کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ "ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں"

یعنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ ہم صرف تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی سے مدد نہیں طلب کرتے۔

معزّز اراکین! کیا اس ترجمہ میں شرک کا شائبہ اور کفر کی بُو تک کا بھی آپ سراغ لگا سکتے ہیں؟ کیا یہ تعبیر اللہ تعالیٰ کے منشاء کے عین مطابق نہیں! یہ الزام لگانا کہ یہ ترجمہ شرک سے آلودہ ہے، بہت بڑی تہمت ہے۔

اب ہم آپ کی توجہ اس حاشیہ کی طرف مبذول کراتے ہیں جو اس ترجمہ کے بارے میں لکھا گیا ہے، اسے بھی آپ شرک و تحریف کی تہمت سے پاک و صاف پائیں گے۔ محشی علّام نے بایں الفاظ اس کی تشریح کی ہے۔

" اس میں رد شرک بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کسی کے لیے نہیں ہوسکتی۔ ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بالواسطہ ہو یا بے واسطہ، ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام احباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہیئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے۔"

(اس کے بعد اس اردو عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا گیا)

یہ عبارت اس بات کی سچی گواہی دے رہی ہے کہ محشی نہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک سمجھتا ہے اور نہ اپنے رب سے استعانت میں کسی کو شریک بناتا ہے۔ اس کا یہ پختہ ایمان ہے کہ حقیقی مدد فرمانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اعانت جو بظاہر کسی اور سے حاصل ہوتی ہے اس میں بھی مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جو محشی یہ صاف اور روشن عقیدہ رکھتا ہے اس پر شرک کی تہمت ظلم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔ جن لوگوں نے اس عقیدۂ حقہ کو اپنی طرف سے کوئی اور رنگ دے کر پیش کیا ہے، انھوں نے بیک وقت دو جرموں کا ارتکاب کیا ہے، پہلا یہ کہ انھوں نے ایک مؤمن اور موحد پر شرک اور آیات قرآنی کے معانی میں تحریف کی جھوٹی تہمت لگائی ہے اور دوسرا انھوں نے ادارۃ البحوث کے معزز ارکان کو دھوکہ دیا ہے اور جو اعتماد معزز ارکان نے ان پر کیا ہے اس میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔

غیر اللہ کی طرف اعانت کی نسبت جبکہ قائل کا یہ عقیدہ ہو کہ مؤثر حقیقی فقط اللہ تعالیٰ ہے شرک نہیں کیونکہ یہ نسبت قرآن کریم میں مذکور ہے۔

" جب قوم نے ذوالقرنین کو مالی تعاون کی پیشکش کی تاکہ وہ ان کے لیے ایک بند بنا دے تو ذوالقرنین نے جواب دیا: ما مکّنی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوۃ (۱۸: ۹۵) اور وہ بولا، وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے، میں بنا دوں گا تمھارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے: استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کہ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ اس کے علاوہ اور متعدد آیات کریمہ ہیں۔"

دوسرا اعتراض انھوں نے اس اقتباس پر کیا ہے جو ص۵ پر درج ہے:۔

انھوں نے کہا کہ مترجم اور محشی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء و رُسل بشر نہیں ہیں، یہ ایک صاف جھوٹی تہمت ہے۔ دونوں کا عقیدہ ہے، کہ انبیاء و رسل بشر ہیں اور ابو البشر آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، ایسے نابغۂ روزگار عالم انبیاء و رسل کی بشریت کا کیسے انکار کرسکتے ہیں، جبکہ قرآن کریم گواہی دیتا ہے اور صراحتہً بیان کرتا ہے کہ انبیاء بشر ہیں، در حقیقت یہ دونوں عالم انبیاء کی بشریت پر پختہ عقیدہ رکھتے ہیں اور جو شخص انبیاء و رسل کی بشریت کا انکار کرتا ہے وہ ان کے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہے، جس طرح امام احمد رضا خان نے اپنے فتاویٰ رضویہ جز ششم میں بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے لیکن یہ دونوں عالم اس بات کو مستحسن سمجھتے ہیں جب انبیاء کو بشر کہا جائے تو احترام و تکریم کے کسی لفظ کا اضافہ کیا جائے جیسے خیر البشر، سید البشر، افضل البشر، صرف کلمہ بشر کا استعمال ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب اپنی قوموں کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے اور شرک کی تمام ممکنہ صورتوں سے دست کش ہونے کی دعوت دیتے تو کفار ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور بڑی درشتی اور گستاخی کے ساتھ انھیں بایں الفاظ جواب دیتے: ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اٰباؤنا فاتوا بسلطان مبین (ابراہیم: ۱۰)

ترجمہ: " انھوں نے جواب دیا نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح تم یہ چاہتے ہو، روک دو ہمیں ان بتوں سے جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل۔"

سورۂ مومنون میں حضرت نوح اور ان کی قوم کا مکالمہ اس طرح منقول ہے: ولقد ارسلنا نوحًا الی قومہ فقال یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ افلا تتقون وقال الملأ الذین کفروا من قومہ ماھذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم (المؤمنون: ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: "اور ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر، کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے؛ تو کہنے لگے وہ سردار جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے، نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر۔"

اس سورۃ المؤمنون کی آیات ۳۳، اور ۳۴ ملاحظہ فرمائیں جن میں قوم عاد یا ثمود کا جواب مذکور ہے: وقال الملأ من قومہ الذین کفروا وکذبوا بلقاء الاٰخرۃ واترفنٰھم فی الحیٰوۃ الدنیا ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منہ ویشرب مما تشربون۔ ولئن اطعتم بشرًا مثلکم انکم اذًا لخاسرون (۳۳، ۳۴)

ترجمہ: "تو بولے اس نبی کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر کیا تھا اور جنھوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انھیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند، یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو۔ اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے"۔

قرآن کریم میں ان کے علاوہ بہت سی آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کج رو اور گمراہ امتوں کے جواب ذکر کیے ہیں جو انھوں نے اپنے رسولوں کو دیے تھے۔ ان جوابات میں اللہ کے نبیوں کی توہین اور اس کے رسولوں کی تنقیص کسی اہل نظر پر مخفی نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کے احترام و تکریم کا حکم دیا ہے خصوصًا سید الانبیاء امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا "وتعزروہ وتوقروہ" امام راغب اصفہانی مفردات قرآن میں "تعزروہ" کے کلمہ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "التعزیر النصرۃ مع التعظیم" یعنی تعظیم و تکریم کے ساتھ کسی کی امداد کرنا۔ صاحب لسان العرب اس کلمہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ عزرہٗ، فخمہ وعظمہ، کسی کی رفعت شان اور احترام و تعظیم کی جائے تو عرب کہتے ہیں "عزرہٗ"۔ یہی لغت کا امام ہے "توقروہ" کی تشریح کرتا ہے۔ وقّر الرجل بجلہ والتوقیر التعظیم والترزین۔ کسی کی توقیر و تبجیل کرنا، کسی کی عزت و تکریم کرنا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم کی تعظیم و تکریم کا مکرر حکم دیا ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص بے ادبی کی نیت سے بارگاہ رسالت میں آواز بھی بلند کرے گا تو بطور سزا اس کے تمام اعمال ضائع کر دیے جائیں گے خواہ ان کی تعداد کتنی زیادہ ہو اور ان کی شان بڑی اونچی ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ بارگاہ رسالت میں "راعنا" کا لفظ مت استعمال کریں۔ اگرچہ لغت عرب میں اس کلمہ کے معنی میں تنقیص کا کوئی واہمہ نہیں لیکن یہی لفظ عبرانی زبان میں ایسے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جو حضور کی شان رفیع کے شایاں نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بارگاہ رسالت میں ایسے لفظ کو استعمال کرنے سے روک دیا جس کا کسی زبان میں بھی ایسا مفہوم ہو جس میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔ علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:-

فیہا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملۃ التی فیہا التعریض للتنقیص والغض۔ یعنی اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بارگاہ رسالت میں ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے جن میں اشارۃً بھی تنقیص اور بے ادبی کا احتمال ہو۔

تیسرا اعتراض اس حاشیہ پر ہے جو صـ۱۲۶ پر مکتوب ہے

معزز اراکین ادارۃ البحوث! ہم پہلے آپ کی خدمت میں اردو عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ آپ اسے پڑھیں اور دقتِ نظر سے اس کا مطالعہ کریں۔ پھر ہمیں اس جملہ یا سطر کی نشاندہی کریں کہ جن میں شرک اور انحراف کا پہلو پایا جاتا ہے۔

"مسئلہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ مقامات متبرکہ جو رحمتِ الٰہی کے مورد ہوں وہاں توبہ کرنا اور طاعت بجا لانا، ثمرات نیک اور سرعتِ قبول کا سبب ہوتا ہے (فتح العزیز) اس لیے صالحین کا دستور رہا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے موالد اور مزارات پر حاضر ہوکر استغفار اور طاعت بجا لاتے ہیں عرس و زیارات میں بھی یہ فائدہ متصور ہے (اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ پیش کیا گیا ہے)

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات کو بعض پر فضیلت دی ہے اس میں عبادت اور طاعت کرنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور وہاں جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرف قبولیت سے جلد نوازی جاتی ہے جیسے مسجد حرام۔ اس کو وہ فضیلت اور بزرگی حاصل ہے کہ سارے جہان کی مساجد میں سے کوئی مسجد اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی اور مسجد حرام میں بھی ایسے مقامات ہیں جہاں دعا کی قبولیت کی امید دوسرے مقامات سے زیادہ ہوتی ہے جیسے ملتزم، میزابِ رحمت، رکن یمانی اور حجر اسود کا درمیانی حصہ اور مقام ابراہیم۔ اسی طرح مسجد نبوی کو فضیلت و بزرگی حاصل ہے، اسی طرح مسجد قبا کی ایک امتیازی شان ہے جو اسے دوسری مساجد سے ممتاز کرتی ہے محشی نے اپنی اس تعلیق میں اسی مسلمہ امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور انھوں نے یہ بات اپنے دل سے نہیں گھڑی بلکہ شیخ جلیل، محدث کبیر مولانا شاہ عبدالعزیز کے ارشاد سے استناد کیا ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحبزادے اور خلف الرشید ہیں حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی کے، جن کی مساعی جمیلہ کے طفیل ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کو ضعف اور افسردگی کے بعد نیا شباب اور نئی نمو و تازگی نصیب ہوئی۔

احادیث نبوی بھی محشی کے اس قول کی تصحیح اور تائید کرتی ہیں۔

۱۔ روی مسلم عن ابن عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاتی مسجد قباء راکبا و ماشیا ویصلی فیہ رکعتین۔

ترجمہ: "امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد قبا میں تشریف لے آتے کبھی سوار ہوکر اور کبھی پیدل اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔"

۲۔ عن عبد اللہ بن دینار ان عبد اللہ بن عمر کان یاتی قباء کل سبت وکان یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم یاتیہ کل سبت"

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ہر ہفتہ کے دن قبا میں تشریف لے آتے اور فرمایا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ حضور ہر ہفتہ کو یہاں تشریف لے آتے۔"

صحیح مسلم کے مشہور شارح امام نووی ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فی هذه الاحادیث بیان فضله وفضل مسجده والصلوٰة فیه وفضیلة زیارته وانه یجوز زیارته راکبا وماشیا وهکذا جمیع المواضع الفاضلة یجوز زیارتها راکبا و ماشیا۔

ترجمہ: "یعنی ان احادیث سے قبا کے گاؤں، اس کی مسجد اور اس مسجد میں نماز کی فضیلت کا بیان ہوا نیز اس کی زیارت کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی زیارت کے لیے سوار ہوکر یا پیدل آنا جائز ہے، اسی طرح تمام وہ مقامات جنھیں فضیلت بزرگی حاصل ہے ان کی زیارت بھی جائز ہے خواہ سوار ہوکر آئے یا پیدل چل کر۔"

محشی علام نے زیارت قبور کا جو مسئلہ یہاں بیان کیا ہے تو یہ امر مسنون ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع کی زیارت کے لیے

تشریف لاتے اور اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے اور شہداء اُحد کے مقابر کو بھی اپنی زیارت کے شرف سے بہرہ اندوز فرماتے۔

ہم یہاں چند سطور اخبار العالم الاسلامی سے نقل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک ہفتہ وار رسالہ ہے جو رابطہ عالم اسلامی کے شعبہ صحافت ونشر کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے اس کے ۹۰ء سوموار ذیقعدہ ۱۴۰۲ ہجری کے شمارہ میں ایک مقالہ ہے جس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ایمان افروز تذکرہ ہے۔ مقالہ نگار اپنے ایمان افروز مقالہ کا اختتام ان عنبرین سطور سے کرتا ہے:۔

"وهتف الرسول عليه السلام وقد وسعت نظرته الحانية ارض المعركة بكل من عليها من رفاق مصعب وقال ان رسول الله يشهد انكم شهداء عند الله يوم القيامة ثم اقبل على اصحابه الاحياء حوله وقال ايها الناس زوروهم وأتوهم وسلموا عليهم فوالذى نفسى بيده لا يسلم عليهم مسلم الى يوم القيامة الا ردوا عليه السلام"

ترجمہ: "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شفقت بھری نگاہیں حضرت مصعب اور ان کے رفیق شہیدوں پر ڈالیں جو اُحد کے میدان میں پڑے ہوئے تھے اور بلند آواز سے فرمایا، اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم قیامت کے دن اللہ کے نزدیک شہداء ہو، پھر اپنے صحابیوں کی طرف توجہ مبذول فرمائی جو حضور کے ارد گرد کھڑے تھے۔ اور فرمایا اے لوگو! ان شہیدوں کی زیارت کیا کرو، ان کے پاس آیا کرو، انھیں سلام دیا کرو پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو مسلمان بھی ان کو سلام عرض کرے گا وہ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔"

جب شہداء کے زائرین کا یہ حال ہے تو ان لوگوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو قبور انبیاء خصوصاً سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ واجمل السلام کی مرقد منور ومبارک کی زیارت کے لیے آتے ہیں، کیا کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ صلحاء کی قبور کے زائرین پر شرک اور بدعت کی تہمت لگائے جبکہ اللہ کا رسول اس کی اجازت دیتا ہے اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت کا شوق دلاتا ہے اور ان کی زیارت کرنے والوں کو ایسی بشارت دیتا ہے جس سے دل شاداں وفرحاں ہو جاتا ہے۔

اہل سنت وجماعت میں سے جو مسلمان انبیاء وصلحاء کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں، کسی کے دل میں ہرگز یہ خیال نہیں گزرتا کہ اصحاب قبور خدا ہیں (العیاذ باللہ) اور عبادت کے مستحق ہیں یا وہ از خود کسی قسم کے تصرف کی قدرت رکھتے ہیں، اگر کسی نے ان دو بزرگ عالموں کے بارے میں آپ کو یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں اور کسی کو اس کا مدمقابل بناتے ہیں تو اس نے دروغ گوئی کی ہے اور بہتان تراشا ہے یہ دونوں عالم تو عمر بھر یہ گواہی دیتے رہے لا الہ الا اللہ، اور ہر سانس کے ساتھ یہ اعلان کرتے رہے ان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ اگر بعض لوگ زیارت قبور سے روکتے ہیں تو ان کے نزدیک قبر کی زیارت کرنے والا زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی قرار دیا جائے گا۔ کسی کے لیے اس پر شرک اور کفر کا فتویٰ لگانا کیونکر جائز ہے۔ یہ تو حد سے سراسر تجاوز ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۴۔ چوتھا اعتراض اس عبارت پر ہے جو ص ۲۳ پر درج ہے اور اس کا تعلق مندرجہ ذیل آیت سے ہے:۔

ولمّا جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلمّا جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين (۲: ۸۹)

حاشیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

شانِ نزول: سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے قبل یہود اپنی حاجات کے لیے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے اور اس طرح دعا کیا کرتے (اللّٰهم افتح علينا وانصرنا بالنبي الامي۔

یارب! ہمیں نبی امی کے صدقے فتح ونصرت عطا فرما۔
(اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ لکھا گیا ہے)
معترضین دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ عبارت شرک اور خرافات سے لبریز ہے کیونکہ اصل میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک سے وسیلہ پکڑ کر کفار پر غلبہ حاصل کیا کرتے اور یوں دعا کرتے اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی۔
معزز اراکین ادارۃ! محشی علام نے یہ روایت اپنی طرف سے نہیں گھڑی بلکہ اس نے علماء اسلام کی معتبر کتب تفسیر سے اس کو نقل کیا ہے۔
السید محمود آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:۔
"نزلت فی بنی قریظة ونضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ وقالوا اللّٰھم انا نسئلك بحق نبیك الذی وعدتنا ان تبعثه فی اٰخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون"۔
ترجمہ! "یہ آیت بنی قریظہ اور بنی نضیر (یہود) کے بارے میں نازل ہوئی، وہ اوس وخزرج قبائل سے جنگ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضور کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں مانگتے... اور یوں دعا مانگتے اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں تیرے اس نبی کے حق کا واسطہ دے کر جس کو آخری زمانہ میں مبعوث کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ہمیں آج ہمارے دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کرتا، اور انھیں فتح نصیب ہوتی۔
اسی طرح علامہ ابو عبداللہ القرطبی اس آیت کے ضمن میں اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں:۔
قال ابن عباس کانت یھود خیبر تقاتل غطفان لما التقوا ھزمت یھود فعادت یھود بھذا الدعاء وقالوا انا نسئلك بحق النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی اٰخر الزمان الا تنصرنا علیھم قال فکانوا اذا التقوا دعوا بھذا الدعاء فھزموا غطفان۔
ترجمہ: "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خیبر کے یہودی غطفان سے جنگ آزما تھے۔ جب مقابلہ ہوا تو یہود کو شکست ہوئی۔ پھر یہودیوں نے اس طرح دعا مانگی۔ اے اللہ! ہم اس نبی امی کے حق کا واسطہ دے کر جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ تو اسے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا، سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں ان دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ یہ دعا مانگنے کے بعد جب انھوں نے غطفان سے جنگ کی تو غطفان شکست کھا کر بھاگ گئے۔
مولانا محمود حسن (دیوبندی) نے بھی بعینہ یہی روایت اپنے حاشیہ قرآن میں نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔
"قرآن کے اترنے سے قبل جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل کافروں پر غلبہ عطا فرما"۔
(پھر اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا)
اگر ایسی روایت کا نقل کرنا شرک ہے تو یہ علماء جنھوں نے اس روایت کو اپنی تفاسیر میں تحریر کیا ہے وہ سب اس بات کے مستحق ہیں کہ ان پر کفر وشرک کا فتویٰ لگایا جائے اور ان کی کتابوں کو نذر آتش کرنے کے احکام صادر کیے جائیں۔
بڑے افسوس کی بات ہے کہ جرم ایک ہو اور اس کی سزائیں علیحدہ علیحدہ ہوں۔
صفحہ ۴۶ کی جس عبارت پر اعتراض کیا گیا ہے اس کا مقصود بھی یہی ہے۔
۵۔ پانچواں اعتراض اس حاشیہ پر کیا گیا ہے جس کا تعلق اس آیت کریمہ سے ہے:

واذ قال موسٰی لقومہٖ یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء (۵ : ۲۰)
محشی علام نے اس آیت پر یہ حاشیہ رقم کیا ہے :-
"اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کی تشریف آوری نعمت ہے اور حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس کے ذکر کرنے کا حکم دیا کہ وہ برکات و ثمرات کا سبب ہے۔ اس سے محافل میلاد مبارک کے موجب برکات و ثمرات اور محمود و مستحسن ہونے کی سند ملتی ہے"
(اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ ذکر کیا گیا)
نعمت کے باعث منعم کا شکر واجب ہو جاتا ہے۔ جو شکر ادا نہیں کرتا اس سے وہ نعمت بسا اوقات چھین لی جاتی ہے۔ اسی لیے حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ جو نعمت ان کے پروردگار نے ان پر کی ہے اس کو یاد کریں اور وہ نعمت یہ ہے کہ اس نے ان میں انبیاء مبعوث فرمائے اسی طرح وہ اس نعمت جلیلہ کا شکر ادا کر سکیں گے۔ اگر بنی اسرائیل میں انبیاء کی بعثت ایک نعمت جلیلہ ہے اور اس کو یاد رکھنا ان پر لازم کیا گیا ہے تو سید الانبیاء والمرسلین کی بعثت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
بلاشبہ حضور کی بعثت اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک رفیع الشان نعمت ہے اور ہر مؤمن پر فرض ہے جس کو اس نعمت سے حصہ ملا ہے کہ وہ اس کو فراموش نہ کرے بلکہ اس کو ہمیشہ یاد کرتا رہے اور اس رب کریم کا شکر ادا کرنے میں کوشاں رہے جس نے اپنے حبیب کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور اس کی تشریف آوری سے ہمیں دین حنیف اور شریعت بیضاء سے سعادت مند کیا۔ اس نبی کریم کے حکیمانہ کلمات اور قیمتی پند و نصائح سے شرک اور گمراہی کے پنجوں سے ہمیں نجات ملی، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی ارفع و اعلیٰ نعمت ہے؟
جو شخص اس نعمت پر اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتا پس وہ کس طرح نعمت کو یاد کرے گا اور کس پر اپنے خالق کا شکر ادا کرے گا۔
ادارۃ البحوث العلمیہ کے معزز اراکین! محافلِ میلاد کے انعقاد کا یہی مقصد ہے، مسلمان وہاں جمع ہوتے ہیں اپنے رب کریم کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے حبیب اور نبی کو مبعوث فرما کر ان پر اپنا عظیم احسان فرمایا پھر اللہ تعالیٰ کے رسول پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں جس طرح ان کے رب نے ان کو حکم دیا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔ اور اس سے اس امر کی توفیق مانگتے ہیں کہ رشد و ہدایت کا جو پیغام لے کر ان کا رسول اس کی بارگاہ سے آیا ہے اس کی پیروی کی انہیں توفیق نصیب ہو۔ پھر کوئی عالم تقریر کرتا ہے اور اپنی اس تقریر میں خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو اس کے عذاب سے ڈراتا ہے اور اس کی پیروی کرنے والوں کو اس کی رحمت کی بشارت دیتا ہے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت پیدا ہو رہے ہیں اور نہ ہم میں سے کسی کا یہ عقیدہ ہے کہ اس مبارک رات میں ہی محفل میلاد منعقد ہو سکتی ہے اور اس سے آگے یا پیچھے اس کا انعقاد جائز نہیں۔ محافلِ میلاد کے منعقد کرنے میں ایک اور زبردست فائدہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑیں کٹ جاتی ہیں کیونکہ جب ہم میلاد شریف کا دن مناتے ہیں اور اپنی تقریروں میں یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت فلاں مہینہ میں فلاں روز ہوئی تو گویا ہم سارے اہل علم کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ حضور اپنی کمال شان اور رفعتِ منزلت کے باوجود خدا نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ازلی ہے، سرمدی ہے، قدیم ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہم پلہ ہے، پس اس شخص کے لیے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے یہ کیونکر روا ہے کہ وہ ایک مومن پر کفر کی تہمت لگائے کیونکہ وہ اپنے نبی کریم کی ولادت پر ایک اجتماع کرتا ہے تاکہ اس احسانِ عظیم کا شکر جو اس کے ذمہ واجب ہے اسے ادا کرے۔ اس آیت کے متعلق جو حاشیہ محشی علام نے لکھا ہے اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جس نے ان پر شرک و بدعت کی تہمت لگائی ہے اور ان کی طرف ایسی چیز منسوب کی جو ان کے

دل میں کھٹکی تک نہیں، پس ایسے شخص سے بارگاہِ الٰہی میں باز پرس کی جائے گی اور یہ باز پرس بہت سخت ہوگی۔

ہم چاہتے ہیں کہ معزز اراکین ادارۃ البحوث کی توجہ اس تعلیق کے آخری جملہ کی طرف مبذول کرائیں تاکہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اس سے محافلِ میلادِ مبارک کے موجبِ برکات و ثمرات اور محمود و مستحسن ہونے کی سند ملتی ہے۔"

(اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ کیا گیا)

اس آخری جملہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ محشی علام کے نزدیک محافلِ میلاد کا انعقاد ضروریاتِ دین سے نہیں کہ جو اس کا انعقاد نہ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ اور اس طرح یہ بھی واضح ہوا کہ یہ امر فرائض و واجباتِ شریعت سے نہیں تاکہ جو اس کا تارک ہو، وہ فاسق قرار پائے زیادہ سے زیادہ یہ بات محمود و مستحسن ہے امورِ مستحسنہ اور اعمالِ محمود کو تکفیر کا معیار مقرر کرنا ایک ناپسندیدہ جسارت ہے ایک طرف اتحاد اور اتفاق کی دعوت اور ساتھ ہی اتحاد کی بنیادوں پر کدالیں مارنا، ایک عجیب و غریب بات ہے۔

٦۔ اب ہم اس حاشیہ کے بارے میں بحث کریں گے جس کا تعلق مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ہے:۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔ قل ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر افلا تتفکرون (٦ : ٥٠)

یہ آیت بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے گویا عقیدہ توحید کا یہ ستون ہے اور دینِ فطرت کی بنیاد ہے جو اس سے سرِ مو ہٹا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا اور آتشِ جہنم میں جا گرا۔

شیخ فاضل کی تعلیق اس آیت کے بارے میں بڑی سود مند ہے۔ اس کا مطالعہ ان تہمتوں کو ردّ کرنے کے لیے کافی ہے جو محشی علام پر لگائی گئی ہیں، ایک انصاف پسند شخص کو کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرات اعضاء سے درخواست ہے کہ وہ اس کو دقتِ نظر سے پڑھیں، انھیں حق عیاں نظر آئے گا اور محشی کا عقیدۂ توحید واضح اور نکھر کر سامنے آجائے گا جس کے قریب شک و شبہ کا گزر ممکن نہیں، کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات پوچھتے جو حضور کے منصبِ نبوت اور شانِ رسالت سے کوئی مناسبت نہ رکھتے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت اتاری، حاشیہ کی عبارت درج ذیل ہے:۔

"آپ فرما دیجیے کہ میرا دعویٰ یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال و دولت کا سوال کرو اور میں اس کی طرف التفات نہ کروں تو رسالت سے منکر ہو جاؤ، نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے کہ اگر میں تمھیں گذشتہ یا آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت ماننے میں عذر کر سکو، نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ کھانا پینا، نکاح کرنا قابلِ اعتراض ہو۔ تو جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا ان کے بارے میں سوال بے محل ہے اور اس کی اجابت مجھ پر لازم نہیں میرا دعویٰ نبوت و رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی براہین قائم ہو چکیں تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

(اس کے بعد اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا)

ہمیں امید ہے کہ اس حاشیہ کے پڑھنے کے بعد اور غور و فکر کرنے کے بعد آپ ہم سے اس بات میں اتفاق کریں گے کہ آیت کا مفہوم اور مقصود یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا جو مطلب ہے اس سے سرِ مو انحراف نہیں کیا گیا۔

ہم اس گروہ سے پوچھتے ہیں جنھوں نے اس بلیغ ترجمہ اور بدیع حاشیہ کے بارے میں شور و غوغا برپا کر رکھا ہے اور ایسے متقی اور پاکباز عالم پر شرک اور گمراہی کی تہمت لگائی ہے انھوں نے کس دلیل سے استناد کیا ہے اور کس حجت پر اعتماد کیا ہے۔ محشی نے مشرکین کے نامعقول

سوالوں کا بطلان ثابت کرنے کے بعد ایک اور شبہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو اس موضوع کے بارے میں اٹھایا جاتا ہے، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امور غیبیہ میں سے تعلیم الٰہی کے باوجود کسی چیز کو نہیں جانتے۔ یہ نظریہ بھی غلط اور باطل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ یہ نظریہ منصب نبوت اور اس کے فرائض کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اس لیے مبعوث کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان حقائق پر مطلع کرے جس کو وہ اپنے ظاہری اور باطنی حواس سے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح عقلِ انسانی بھی ان کے ادراک کی طاقت نہیں رکھتی۔ جس طرح وحی، ملائکہ، آسمانی کتب اور جن آیات میں احکام الٰہی کا ذکر ہے ان پر عمل کرنے کی صحیح صورت، اور وہ امور جو قیامت کے دن وقوع پذیر ہوں گے یہ ساری چیزیں امور غیبیہ ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو تعلیم دی اور حضور نے اللہ کی مخلوق تک ان حقائق غیبیہ کو پہنچایا۔ جس طرح یہ بات حق ہے کہ غیب کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا اسی طرح یہ امر بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بعض امورِ غیبیہ پر مطلع کیا اور اس کے رسول نے اہل ایمان کو ان کی استعداد کے مطابق آگاہ کیا۔ یہی چیز ہے جس کے بارے میں جمہور علمائے اسلام نے صراحتً بیان کیا ہے۔ نصوص قرآنیہ اس کی تائید کرتی ہیں اور احادیث نبویہ بکثرت اس کی تاکید کرتی ہیں۔ اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا ہے کہ مترجم اور محشی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور غیبیہ میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر جانتے ہیں تو اس کا یہ گمان باطل ہے اس کا کوئی وجود نہیں بلکہ یہ حد درجہ قبیح بہتان ہے اسی طرح اس شخص نے بھی فحش غلطی کا ارتکاب کیا جس نے یہ گمان کیا کہ مترجم اور محشی کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کمًا یا کیفًا علومِ الٰہیہ کے برابر ہیں، دونوں حضرات نے اپنی تصانیف میں بار بار اس حقیقت کو صراحت سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور حضور علیہ السلام کے علوم متناہی ہیں، اور حضور کے علومِ متناہیہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علومِ غیر متناہیہ کی طرف اس سے بھی کم ہے جو نسبت چڑیا کی چونچ میں ایک قطرۂ آب کو سارے جہان کے بحارِ ذخّار سے ہے۔

اے معزز اراکین! آپ یقین کیجیے کہ جس گروہ نے آپ کے سامنے یہ ترجمہ اور اس کا حاشیہ پیش کیا ہے انھوں نے اپنے علمی فریضہ کی ادائیگی میں امانت کا ثبوت نہیں دیا اور اس دینی فریضہ کو ادا کرنے میں ایک عظیم خیانت کا ارتکاب کیا ہے، انھوں نے اس سازش سے یہ چاہا ہے کہ پاکستان کے مؤمن اور موحد عوام کے درمیان اور اس مملکت عربیہ سعودیہ کے درمیان اختلاف اور انشقاق پیدا کریں جو مسلمانوں کو آپس میں متحد اور متفق کرنے میں حد درجہ حریص ہے اور مغفور و مرحوم ملک فیصل شہید کے زمانہ سے لے کر آج کے دن تک لگاتار کوشاں اور سرگرم ہے کہ اہل ایمان کے درمیان اتفاق ومحبت کے جذبات پیدا ہو جائیں۔

۷۔ ساتواں اعتراض اس حاشیہ پر کیا گیا ہے جو صفحہ ۴۰۹ پر درج ہے۔

پہلے اردو تعلیق کا مطالعہ فرمائیے۔

> "قاموس میں ہے کہ ایام اللہ سے اللہ کی نعمتیں مراد ہیں، حضرت ابن عبّاس، ابی بن کعب، مجاہد وقتادہ نے بھی ایام اللہ کی تفسیر (اللہ کی نعمتیں) فرمائیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ ایام اللہ سے وہ بڑے بڑے وقائع مراد ہیں جو اللہ کے امر سے واقع ہوئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں پر انعام کیے جیسا کہ بنی اسرائیل کے لیے من و سلوٰی اتارنے کا دن، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا میں راستہ بنانے کا دن (خازن، مدارک، مفردات) ان ایام اللہ میں سب سے بڑی نعمت کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ومعراج کے دن ہیں ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے اسی طرح اور بزرگوں پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوئیں یا جن ایّام میں واقعات عظیم پیش آئے جیسا کہ دسویں محرم کو کربلا کا واقعہ ہائلہ، ان کی یادگاریں قائم کرنا بھی تذکیر بایام اللہ میں داخل ہے۔ بعض لوگ میلاد شریف، معراج شریف، اور

ذکر شہادت کے ایام کی تخصیص میں کلام کرتے ہیں، انھیں اس آیت سے نصیحت پذیر ہونا چاہیئے۔"

(اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ لکھا گیا ۹)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ان ایام کی یاد جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نعمتیں فرمائیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انعام کیے، اگر بنی اسرائیل کا فرعون کی غلامی کی ذلت سے آزاد ہونا، سلامتی کے ساتھ بحر احمر کو عبور کرنا، ان پر من وسلویٰ کا نازل ہونا، موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا عطا ہونا بنی اسرائیل پر ایام اللہ ہیں، ان کو یاد رکھنے اور ان پر شکر کرنے کا انھیں حکم دیا گیا ہے تو ہمارے نبی کریم کی بعثت، حضور پر قرآن کے نزول، شب معراج، شب ہجرت، فتح مکہ کے دن، حجۃ الوداع کا دن اور دیگر ایسے بابرکت واقعات جنھوں نے تاریخ انسانی کا رخ موڑ دیا، یقیناً اللہ تعالیٰ کے ان ایام میں بزرگ ترین اور اشرف ترین دن ہیں جن کو یاد رکھنا اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا سبب ہے بلکہ اس کے حکم کی بجا آوری ہے۔

شاید معترضین نے ان آیت کریمہ کو سمجھنے کے لیے معمولی سی کوشش بھی نہیں کی، تمام تہذیب یافتہ اقوام کے لیے ایسے دن ہیں جنکی تاریخی اور قومی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور وہ ان دنوں کو منایا بھی کرتے ہیں جیسے غلامی کی زنجیروں سے آزادی حاصل کرنے کا دن، اپنے دشمنوں پر فتح مبین حاصل کرنے کا دن اور یہ محافل ہر قوم کے بہادر اور حریت شعار فرزندوں کی قربانیوں، جانبازیوں کی یادوں کو تازہ کرنے کا سبب بنتی ہیں اور یہ یاد دہانیاں قوم میں ایک نئی روح پھونک دیتی ہیں اور ان کی رگوں میں جوش و نشاط اور زندگی کی لہر دوڑا دیتی ہیں، حکومت عربیہ سعودیہ بھی ہر سال ماہ ذی الحجہ کی چار تاریخ کو اپنے قومی دن کے منانے کا اہتمام کرتی ہے، اسی طرح پاکستان میں ہم ۱۴/ اگست کا دن مناتے ہیں اور یہ ہماری جدید تاریخ کا وہ درخشاں و تاباں دن ہے جب برصغیر ہند کے مسلمانوں نے دو صدیوں تک انگریز کی غلامی کی تلخیوں کو چکھنے کے بعد ان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالا اور آزادی حاصل کی، اس دن کو منانے میں پاکستان کے موحد اور مومن عوام اور ان کی اسلامی حکومت بے نظیر جوش و خروش سے شریک ہوتی ہے اسی طرح دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ایسے ایام ہیں جن کو ان کی تاریخی اور قومی اہمیت کے پیش نظر وہاں کے عوام اور حکومتیں منایا کرتی ہیں اور کبھی کسی کے دل میں یہ خیال نہیں گزرا کہ ایسے دن منا کر وہ شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں یا شریعت اسلامیہ کے احکام سے منحرف ہو رہے ہیں ہم نے ان معترضین سے کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے اس وجہ سے امت مسلمہ پر شرک اور انحراف کا فتویٰ صادر کیا ہو۔

جب ان تاریخی اور قومی ایام کو منانا جائز ہے بلکہ ایک قابل تعریف اور مستحسن فعل ہے اور اعتراض کرنے والے حضرات بھی بڑے جوش و خروش سے ان میں شرکت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بزرگ تر اور اشرف ترین نعمت کے دنوں کو منانا کیونکر شرک، غوایت اور عقائد اسلامیہ سے انحراف ہو گیا، ہم اس اندھے تعصب سے خدا کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

۸۔ آٹھواں اعتراض اس حاشیہ پر کیا گیا ہے جو ص ۴۷۳ پر درج ہے اور جس کا تعلق مندرجہ ذیل آیت سے ہے:۔

قال الذین غلبوا علیٰ امرھم لنتخذن علیھم مسجدا (۱۸ : ۲۱)

(ترجمہ) "کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے۔"

محشی علام نے اس آیت پر یہ حاشیہ رقم فرمایا ہے:۔

جس میں مسلمان نماز پڑھیں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں (مدارک)

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔

مسئلہ :۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار میں برکت حاصل ہوتی ہے اس لیے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصولِ برکت کے لیے جایا کرتے ہیں اور اس لیے قبروں کی زیارت سنت اور موجب ثواب ہے "
(اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ لکھا گیا)

محشی علام کا یہ قول ان کا من گھڑت نہیں بلکہ انھوں نے علماء ربانیین سے اس کو نقل کیا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ضمن میں اسے لکھا ہے :۔

لنبنین علیٰ باب کھفھم مسجدا یصلی فیہ المسلمون و یتبرکون بمکانھم

ترجمہ :" کہ ہم ان کی غار کے دروازے پر مسجد بنائیں گے مسلمان اس میں نماز ادا کریں گے اور ان کے قرب سے تبرک حاصل کریں گے "

اسی طرح امام ابوالبرکات النسفی نے اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں یہ تفسیر بیان کی ہے اور علامہ سید محمود آلوسی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحقیقِ حق کا حق ادا کر دیا ہے۔ انھوں نے اس مقام پر وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا گیا ہے، اور لکھا ہے کہ احادیث کا معنیٰ یہ ہے کہ نفسِ قبر پر مسجد تعمیر کی جائے یا قبر کو مسجود الیہ بنایا جائے اور اس کے جواز کا کسی نے قول نہیں کیا اور یہاں ان لوگوں کا ان پر مسجدیں بنانا اس انداز سے نہیں جو ممنوع ہے اور جس کا قائل ملعون ہے اس کے بعد ان کی عبارت پیشِ خدمت ہے۔

وانما ھو اتخاذ مسجد عندھم قریبًا من کھفھم .... ومثل ھذا الاتخاذ لیس محظورا اذ غایۃ ما یلزم علی ذلک ان یکون نسبۃ المسجد الی الکھف الذی ھم فیہ کنسبۃ المسجد الی المرقد المعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم (روح المعانی)

(یعنی انھوں نے مسجد ان کے غار کے قریب بنائی تھی اور اس طرح کی مسجد بنانا شریعت میں ممنوع نہیں، اس سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ اس مسجد کی نسبت ان کی غار کی طرف کر دی جائے جس طرح مسجد نبوی کی نسبت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے مرقد معظم کی طرف کی جاتی ہے۔

علامہ آلوسی کی اس روشن عبارت سے حق واضح ہو گیا، شک دور ہو گیا اور بعینہٖ یہی چیز ہے جس کو فاضل محشی نے بیان کیا ہے اور ان کی عبارت علمائے کرام کی تصریحات سے بالکل ہم آہنگ ہے اس لیے کسی شخص کے لیے کیونکر روا ہے کہ وہ ایسے فاضلِ جلیل پر شرک اور تحریف کی تہمت لگائے۔

۹۔ نواں اعتراض اس حاشیہ پر ہے جس کا تعلق مندرجہ ذیل آیات سے ہے :۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد (۱۸ : ۱۱۰)

انبیاء و رسل کی بشریت کی بحث ابھی گزر چکی ہے۔ ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مترجم اور محشی دونوں کا یہ اعتقاد ہے جس طرح تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ انبیاء بشر ہیں اور ابوالبشر آدم علیہ السلام کی ذریّت سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی خوبیوں سے ممتاز کیا ہے اور ایسے فضائلِ حمیدہ سے متصف کیا ہے کہ کسی غیر نبی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کمالات و محامد میں ان کا شریک ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں منصب نبوّت پر فائز کیا ہے، ان پر وحی نازل کی ہے ان کی رسالت پر ایمان لانے کو ضروریاتِ دین میں شمار کیا ہے ان کی اطاعت اور ان کی قولی فعلی سنتوں کی اتباع کو اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے اب کسی غیر نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان چیزوں سے کسی چیز کا اپنے لیے دعویٰ کرے، جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے یا اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے یا علی الاطلاق اس کا اتباع واجب ہے اس نے افترا کیا خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو گمراہ کیا اور راہِ حق سے بھٹک گیا۔

محشی علام نے اس حاشیہ کے پہلے جملہ میں یہ چیز صراحت سے بیان کی ہے کہ بشری عوارض اور حالات نبی پر بھی طاری ہوتے ہیں وہ بھوک پیاس محسوس کرتا ہے، وہ زخمی ہوتا ہے وہ بیمار ہوتا ہے، جس طرح یہ عوارض و حالات دوسرے انسانوں کو لاحق ہوتے ہیں لیکن نبوت کی حیثیت سے کوئی شخص بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا خواہ معاشرہ میں اس کا مقام کتنا اونچا ہو اور اس کی قدر و منزلت کتنی بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انبیاء ورسل کی تکریم و تعظیم کریں جو شخص ان کی توہین کرتا ہے اور ان کی تنقیصِ شان کا ارادہ کرتا ہے وہ خائب و خاسر ہوتا ہے۔ کفّار کو جب ان کے نبی قبولِ حق کی دعوت دیتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی طرف بلاتے تو وہ انکار کرتے، سرکشی کرتے اور غصّے سے لال پیلے ہو کر ان کو بڑے درشت اور سخت لہجہ میں یوں جواب دیتے ما انتم الّا بشر مثلنا۔ کہ تم ہماری طرح ہی بشر ہو۔ وہ اپنے نبی کے لیے بشر کا لفظ توہین اور تنقیص کے لیے استعمال کرتے اس لغزش سے بچنے کے لیے ہمیں علمائے ربانیین نے یہ حکم دیا اور تاکید کی کہ ہم جب بشر کا لفظ انبیاء کے لیے استعمال کریں تو کسی ایسے کلمہ کا اضافہ کریں جو تعظیم اور تکریم پر دلالت کرتا ہو۔

۱۰۔ دسواں اعتراض اس حاشیہ پر ہے جس کا تعلق سورۂ نمل کی آیت ۶۵ سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قل لا یعلم من فی السّمٰوٰت والارض الغیب الّا اللہ وما یشعرون ایّان یبعثون (۲۷: ۶۵)

اس تعلیق پر اعتراض کیا گیا کہ یہ شرک اور تحریفات سے آلودہ اور لبریز ہے۔ پہلے ہم آپ حضرات کی خدمت میں وہ تعلیق اُردو میں پیش کرتے ہیں پھر اس کا عربی ترجمہ پیش کریں گے اور پھر ادارۃ البحوث کے معزز فضلاء سے اس تعلیق کے بارے میں ان کی رائے دریافت کریں گے۔

"وہی جاننے والا ہے غیب کا۔ اس کو اختیار ہے جسے چاہے بتلائے۔ چنانچہ اپنے پیارے انبیاء کو بتاتا ہے جیسا کہ سورہ آلِ عمران میں ہے۔ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ یعنی اللہ کی شان نہیں کہ تمہیں غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اور بکثرت آیات میں اپنے پیارے رسولوں کو غیبی علوم عطا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا۔ خود اسی پارے میں اس سے اگلے رکوع میں وارد ہے وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتٰب مبین۔ یعنی جتنے غیب ہیں آسمان وزمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں۔"

(اس کے بعد اس کا عربی ترجمہ پیش کیا گیا)

ہم نے ابھی ابھی علمِ غیب کے مسئلے پر بالتفصیل بحث کی ہے اور ہم نے مترجم و محشی کی اس مسئلہ کے بارے میں رائے ذکر کی ہے، کہ غیب کا علم اللہ جل جلالہ کے ساتھ مختص ہے اور کوئی بھی اسے نہیں جان سکتا، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کا علم سکھائے۔ ہم نے اس بارے میں بھی گفتگو کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذاتِ خود غیب کو نہیں جانتے بلکہ غیب میں سے جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اپنے حبیب کو اس کی تعلیم دے دیتا ہے اور یہ بھی ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم متناہی ہیں اور حضورؐ کے علمِ متناہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی علم کے ساتھ اس نسبت سے بھی بہت قلیل ہے جو ایک قطرۂ آب کو دنیا بھر کے سمندروں کے پانی کے ساتھ ہے۔ پس شرک کہاں آیا۔

اے بزرگ اراکین ادارۃ البحوث! بخدا اس شخص کے بارے میں فرمائیے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے، قدیم ہے۔ اور اس کے نبی کا علم ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے ہے اور اسی طرح قدیم بھی نہیں حادث ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا علم کسی حد تک ختم نہیں ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک محدود حد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کیا اُسے مشرک کہنا جائز ہے؟

۱۱۔ اب آخر میں ہم اس دلخراش تنقید کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتے ہیں جس کا تعلق اس حاشیہ سے ہے جو سورۂ یاسین کی آیت ۱۲ پر لکھا گیا ہے۔ شاید اس دلخراش تنقید کا محل بدعت کی مختلف اقسام کا بیان ہے لیکن یہ بھی ایک مسلّمہ امر ہے کہ یہ تقسیم محشی نے خود اختراع نہیں کی بلکہ جیّد علماء اسلام سے نقل کی ہے مثلاً امام نووی، علامہ علی القاری، علامہ ابن عابدین اور ان کے علاوہ بیشمار محققین۔ پہلے آپ کی خدمت میں ردالمحتار کی عبارت پیش کرتا ہوں:۔

انها قد تكون محرّمة وقد تكون واجبة كنصب الادلة للرد على اهل الفرق الضالّة وتعلّم النحو لفهم الكتاب والسنة ومندوبة كاحداث نحو رباط ومدرسة وكل احسان لم يكن في الصدر الاوّل ومكروهة كزخرفة المساجد ومباحة كالتوسّع بلذيذ المآكل والمشارب والثياب كما في شرح الجامع الصغير للمناوي عن تهذيب النووي ومثله في الطريقة المحمدية للبركلي۔

ترجمہ: "علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ بدعت کبھی حرام ہوتی ہے کبھی واجب، جس طرح گمراہ فرقوں کے پیدا کیے ہوئے شبہات کو دور کرنے کے لیے دلائل پیش کرنا یا کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے نحو کا پڑھنا۔ اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے کوئی سرائے یا مدرسہ تعمیر کرنا یا ہر وہ نیک کام جو صدرِ اوّل میں نہیں کیا گیا اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جس طرح مساجد کو بمبالغہ آراستہ کرنا اور کبھی مباح ہوتی ہے جس طرح لذیذ کھانوں اور مشروبات میں توسیع اور خوبصورت لباس، جس طرح امام مناوی نے شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے اور اسی طرح برکلی نے طریقۂ محمدیہ میں بیان کیا ہے۔

امام نووی نے اپنی مشہور کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں کلمہ بدعت کی یوں توضیح کی ہے:۔

البدعة بكسر الباء في الشرع هي احداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي منقسمة الى حسنة وقبيحة وقال الشيخ الامام المجمع على امامته وجلالته وتمكنه في انواع العلوم وبداعته ابو محمد عبد العزيز بن عبد السلام رحمة الله عليه ورضي عنه في آخر كتاب القواعد البدعة منقسمة الى واجبة ومحرّمة ومندوبة ومكروهة ومباحة۔

ترجمہ: "بدعت بکسر باء، شریعت میں ایسی چیز کو پیدا کرنا جو حضورؐ کے عہد ہمایوں میں نہ تھی اس کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیّئہ۔ الشیخ الامام جن کی امامت، جلالتِ شان اور ہر قسم کے علوم میں مہارت و پختگی پر سب علماء کا اجماع ہے یعنی ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ، کتاب القواعد کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ بدعت کو ان اقسام کی طرف تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ بدعت جو واجب ہے، وہ بدعت جو حرام ہے، وہ بدعت جو مکروہ ہے اور وہ بدعت جو مباح ہے۔"

فاضل محشی نے علماء علام کی تحقیق کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بدعت سیئہ وہ ہے جس سے کوئی سنتِ نبوی مٹتی ہو اور اس کے روشن آثار ختم ہوتے ہوں۔

صدقات مالیہ اور اعمالِ حسنہ کا ایصالِ ثواب فوت شدہ مسلمانوں کے لیے ہرگز بدعت نہیں بلکہ یہ سنت ہے جس کا حکم حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو دیا۔ امام بخاری، مسلم نے اپنی صحیحین میں صحیح اسناد کے ساتھ متعدد حدیثیں روایت کی ہیں، ان میں سے ایک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے ایک کنواں اپنی والدہ کے لیے کھدوا دیا جن کا انتقال بغیر وصیت کے ہوگیا اور اس کنوئیں کا نام "بئر اُمِّ سعد" رکھا گیا۔ اس حاشیہ میں جن امور کا ذکر ہے مثلاً تیجہ، چالیسواں، گیارہویں وغیرہ سے ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں ہیں کیونکہ صدقہ کرنے والوں کو مختلف اوقات میں ایصالِ ثواب کے لیے فرصت ملتی ہے بعض وہ ہیں جن کو تیسرے دن

فرصت ملتی ہے۔ بعض کو ساتویں دن، بعض ایسے ہیں جن کو چالیسویں دن اور کسی کو کسی اور دن یہ فرصت مہیا ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی سہولت کے مطابق اپنی فرصت کے اوقات میں اس امرِ مسنون پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ بایں ہمہ اہل سنت میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ موتی کے لیے ایصالِ ثواب صرف فلاں فلاں مخصوص دن میں ہوتا ہے، نہ اس سے پہلے ایصالِ ثواب جائز ہے اور نہ اس دن کے بعد۔ آپ حضرات پر ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مخفی نہیں ہے جسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا: قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیّت فی القبر الّا کالغریق المتغوّث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب اوام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا (الحدیث) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قبر میں میت کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ڈوبنے والے فریاد کرنے والے کی ہوتی ہے وہ رسمی دعا کا شدت سے انتظار کرتا ہے جو اسے اپنے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔ پس جب اسے یہ دعا پہنچتی ہے تو دنیا و ما فیہا سے یہ دعا اسے محبوب ہوتی ہے۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایک خاص باب رقم کیا ہے جس کا عنوان ہے "باب وصول ثواب الصدقات الی المیّت" یعنی وہ باب جس میں میّت کی طرف صدقات کے ثواب کے پہنچنے کا ذکر ہے۔ اس عنوان کے نیچے انھوں نے متعدد احادیث درج کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:۔

"ما روتہ ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رجلاً قال للنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسہا انی اظنّہا لو تکلمت تصدقت افلہا اجرٌ ان تصدقتُ عنہا قال نعم"

ترجمہ: "اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یارسول اللہ! میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور میرا گمان ہے اگر وہ بات کرتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا، حضورؐ نے فرمایا ہاں"

امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فی ھذا الحدیث جواز الصدقۃ عن المیت واستحبابھا وان ثوابھا یصلہ وینفعہ وینفع المتصدق ایضًا وھذا کلہ اجمع علیہ المسلمون۔

ترجمہ: "اس حدیث سے میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا جواز اور اس کا مستحب ہونا ثابت ہوا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ کا ثواب اس کو پہنچائے اس کو نفع دیتا ہے، صدقہ کرنے والے کو بھی نفع پہنچتا ہے اور یہ ساری بات وہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔"

اس صفحہ پر چند سطریں اور امام نووی لکھتے ہیں:۔

وفیہ ان الدعاء یصل ثوابہ الی المیت وکذلک الصدقۃ وھما مجمع علیہما۔

اس سے ثابت ہوا کہ دعا کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اسی طرح صدقہ کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اور یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن پر سب کا اجماع ہے۔

البتہ اس حاشیہ کی چند آخری سطروں میں تحریکِ وہابیہ کے بارے میں کچھ سختی ودرشتی پائی جاتی ہے لیکن اس کی ایک خاص وجہ ہے یہ حواشی ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ ہوا لکھے گئے اس وقت تحریک وہابیہ میں بڑا تشدد پایا جاتا تھا، ان کا دعویٰ یہ تھا کہ عقیدہ توحید پر صرف وہی قائم ہیں، باقی ساری امتِ اسلامیہ سیدھے راستے سے بھٹک گئی ہے اور اس نے شرک اور بدعت کو اختیار کر لیا۔ العیاذ باللہ، اور

یہ ایک طبعی امر ہے کہ اس کا ردِّ عمل بھی شدید ہوا۔ حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے کبار علماء نے بھی ایسی کتابیں اور رسائل تالیف کیے جن میں انھوں نے حرکتِ وہابیہ پر شدت اور سختی سے تنقید کی، اگر آپ چاہیں تو مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تالیف الشہاب الثاقب کا مطالعہ فرمائیں۔ لیکن آج حالات اچھے ہو رہے ہیں۔ الحمدللہ! اب سختی کی جگہ فراخدلی اور سُوءِ ظن کی جگہ حسنِ ظن نے لے لی ہے اور اس تبدیلی کے پھل بڑے شیریں ہوں گے۔ اس کے نتائج اسلام اور اہل اسلام کے لیے نفع بخش ہوں گے۔

مرحوم مغفور الملک الفیصل پہلے اسلامی راہنما تھے جنھوں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور ان کی بکھری ہوئی صفوں کو منظم کرنے کی ضرورت کا احساس کیا۔ انھوں نے عالمِ اسلام کے گوشہ گوشہ میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی۔ انھوں نے بڑی بلند آواز سے یہ فریاد کی اور یہ فریاد ان کے شفیق اور کریم دل کی گہرائیوں سے بلند ہوئی تھی اس لیے تمام مسلمان عوام اور اسلامی حکومتیں ان کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مملکتِ سعودیہ کے اس فرمانروا کے اس مبارک اقدام سے اختلاف و انشقاق کی شدت میں کمی آنی شروع ہوئی اور حسد اور بُغض کے انگارے ٹھنڈے ہونے لگے۔

صد حیف! کہ اس فرمانروا کو اپنی زندگی کا عزیز مقصد پورا کرنے سے پہلے موت کا پیغام آ گیا لیکن انھوں نے اپنے پیچھے ایسے روشن اور چمکدار آثار چھوڑے کہ ان کے بعد تختِ شاہی پر جو بھی متمکن ہوا وہ ان آثار کی پیروی کرتا رہا۔ اس عزیز اور قیمتی آرزو کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ آج بھی اپنی امکانی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔ حالات کی اس رفتار کے ساتھ ہمارے دل مطمئن ہو گئے تھے، اور حالات بہتر سے بہتر صورت اختیار کرنے لگے تھے، یہاں تک کہ یہ دھماکا ہوا، اس کی شدید کڑک سے ہم گھبرا گئے اور طرح طرح کے اندیشوں نے از سرِ نو ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور ہم از راہِ حیرت و حسرت اپنے آپ سے یہ سوال کرنے لگے کہ کیا امت اپنے بلند مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے گی اور ان کا باہمی اتحاد عملی صورت اختیار نہیں کر سکے گا اور وہ جانکاہ اور بابرکت کوششیں جو ملک فیصل اور ان کے دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت کرنے والے بھائی نے کیں اور جو اب ان کے خلف الرشید جلالۃ الملک فہد بن عبدالعزیز اطال اللہ بقاءہ وایام سلطنتہ بڑی گرم جوشی سے کر رہے ہیں کیا یہ سب ضائع ہو جائیں گی۔؟

خبردار! یہ ایک خطرناک سازش ہے۔ جس کے تار و پود کو گناہ کار ہاتھوں نے بُنا ہے۔ اے عالمِ اسلام کے قائدین! ہوشیار رہو جاؤ۔ اے امتِ مسلمہ کے عوام بیدار ہو جاؤ، اسلام کے دشمن اور تمھارے دشمن کمین گاہ میں بیٹھے تاڑ رہے ہیں اور تم پر یکبارگی ہلہ بول دینے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

خواجہ حمید الدین سیالوی

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ۔ سیال شریف

مدیریہ سرگودھا

(الباکستان)

فقہیات

○ امامِ احمد رضا کی پیاری پیاری باتیں

از افادات عالیہ امام احمد رضا فاضل بریلوی

○ امامِ احمد رضا اور سراج الفقہاء

(ماخوذ) مولانا سراج احمد صاحب۔ قصبہ مکھن بیلوی

○ امامِ احمد رضا کی فقاہت

مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری (پاکستان)

○ امام احمد رضا کا فقہی مقام

مولانا غلام رسول سعیدی مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

○ امام احمد رضا اور سہولیات شرعیہ

الحاج محمد علی رضا قادری۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی

○ امام احمد رضا فقیہ ہندوستان

مولانا عبدالقدوس مصباحی۔ جودھپور بھارت

امام احمد رضا کی پیاری پیاری باتیں

سوال: کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے۔

ارشاد: غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

سوال: سفر کے لئے کون کون دن مخصوص ہیں۔

ارشاد: پنجشنبہ، شنبہ، دوشنبہ۔ حدیث شریف میں ہے بروز شنبہ قبل طلوع آفتاب جو کسی حاجت کی طلب میں نکلے اس کا ضامن میں ہوں۔ اسی سلسلہ تقریر میں فرمایا بحمد اللہ دوسری بار کی حاضری حرمین طیبین یہاں سے جانے اور وہاں سے واپس آنے میں انہیں تین دنوں میں سے ایک دن میں روانگی ہوئی تھی اور بفضلہ تعالیٰ فقیر کا یوم ولادت بھی شنبہ ہے۔

سوال: حضور میرے بھتیجہ پیدا ہوا ہے۔ اس کا کوئی تاریخی نام تجویز فرمائیں۔

ارشاد: تاریخی نام سے کیا فائدہ نام وہ ہوں جن کے احادیث میں فضائل آئے ہیں۔ میرے اور میرے بھائیوں کے جتنے لڑکے پیدا ہوئے۔ میں نے سب کا نام محمد رکھا اور بات ہے کہ یہی نام تاریخی بھی ہو جائے۔ حامد رضا خاں کا نام محمد ہے اور ان کی ولادت ۱۲۹۲ھ میں ہوئی اور اس نام مبارک کے عدد بھی بانوے ہیں۔ ایک دقت تاریخی نام میں یہ ہے کہ اسمائے حسنیٰ سے ایک یا دو جن کے اعداد موافق عدد نام قادری ہوں عدد نام دو چند کر کے پڑھے جاتے ہیں وہ قادری کو اسم اعظم کا فائدہ دیتے ہیں۔ تاریخی نام سے مقدار بہت زیادہ ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کسی کی ولادت اس ۱۳۲۹ھ میں ہوئی تو اس کے مطابق عدد کے اسمائے حسنیٰ ۲۶۵۸ بار پڑھے جائیں گے اور محمد نام ہوتا تو ایک سو چوراسی بار دونوں میں کس قدر فرق ہوا۔ (پھر اس نام اقدس کے فضائل میں یہ چند حدیثیں ذکر فرمائیں)۔

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو میری محبت کی وجہ سے اپنے لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ باپ اور بیٹے دونوں کو بخشے گا۔ ایک روایت میں ہے قیامت کے دن ملائکہ کہیں گے کہ جن کا نام محمد یا احمد ہے جنت میں چلے جاؤ۔ ایک روایت میں ملائکہ اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں۔ جس میں کسی کا نام محمد یا احمد ہے۔ ایک روایت میں ہے جس مشورے میں اس نام کا آدمی شریک ہو اس میں برکت رکھی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھروں میں دو یا تین محمد ہوں۔

سوال: عورتوں کی نماز باریک کپڑوں سے ہوتی ہے یا نہیں۔

ارشاد: آزاد عورتوں کو سر سے پاؤں تک تمام بدن کا چھپانا فرض ہے۔ مگر چہرہ یعنی پیشانی سے ٹھوڑی اور ایک کنپٹی سے دوسری کنپٹی تک (جس میں سر کے بالوں یا کان کا کوئی حصہ داخل نہیں نہ ٹھوڑی کے نیچے کا) یہ تو بالاتفاق نماز میں چھپانا فرض ہے اور گٹوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں ان میں اختلاف روایت ہے۔ ان کے سوا اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ نماز میں قصداً کھولے اگرچہ ایک آن کو یا بلا قصد بقدر ادائے رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی دیر تک کھلا رہے تو نماز نہ ہوگی اور باریک کپڑے جن سے بدن نظر آئے یا رنگت

دکھائی دے یا سر کے بالوں کی سیاہی چمکے نماز نہ ہوگی۔

سوال:۔ اس وقت وہ حافظ صاحب حاضر ہیں۔ جنہوں نے اس وہابی خیال کے شخص کو بیش کیا تھا علم غیب میں کچھ دریافت کیا تھا حضور وہ شخص جب یہاں سے گیا تو راستہ ہی میں کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت مد ظلہم کی باتیں میرے دل نے قبول کیں اور اب میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کا مرید ہوں گا۔

ارشاد:۔ دیکھو نرمی میں جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں۔ ان سے بھی ابتداءً بہت نرمی کی گئی ہے مگر چونکہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہو گئی تھی اور مصداق ثم لا یعودون ہو چکے تھے اس لئے حق نہ مانا اس وقت سختی کی گئی کہ رب عزوجل فرماتا ہے۔ یا یھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم۔ اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ۔ لازم ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں۔ ایک شخص خدمت اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے لئے زنا حلال فرما دیجئے۔ صحابہ کرام نے انہیں قتل کرنا چاہا کہ خدمت اقدس میں سخت گستاخی کے الفاظ کہے۔ حضور نے منع فرمایا اور ان سے فرمایا قریب آؤ۔ وہ قریب حاضر ہوئے اور قریب فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے زانو زانوئے اقدس سے مل گئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے۔ عرض کی نہ فرمایا تیری بیٹی سے عرض کی نہ فرمایا تیری بہن سے عرض کی نہ فرمایا تیری پھوپھی سے عرض کی نہ فرمایا تیری خالہ سے عرض کی نہ۔ فرمایا جس سے تو زنا کرے گا آخر وہ بھی کسی کی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ ہوگی۔ یعنی جو بات اپنے لئے نہیں پسند کرتا۔ دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے۔

دست اقدس ان کے سینے پر مار کر دعا کی کہ الٰہی زنا کی محبت اس کے دل سے نکال دے۔ وہ صاحب کہتے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تھا تو زنا سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی اور اب اس سے زیادہ کوئی چیز مجھے مبغوض نہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی کا اونٹ بھاگ گیا۔ لوگ اس کو پکڑنے کو اس کے پیچھے دوڑتے ہیں جتنا دوڑتے ہیں وہ زیادہ بھاگتا ہے۔ اس کے مالک نے کہا کہ تم لوگ ٹھہر جاؤ۔ اس کی راہ میں جانتا ہوں۔ سبز گھاس کا ایک مٹھا لے کر چمکارتا ہوا اونٹ کے قریب گیا اور اسے پکڑ لیا اور بٹھا کر اس پر سوار ہو لیا۔

فرمایا اگر اس وقت تم اس کو قتل کر دیتے تو جہنم میں جاتا۔

سوال: حضور میرے کچھ روپے ایک صاحب پر ہیں وہ نہیں دیتے۔

ارشاد:۔ اس زمانہ میں قرض دینا اور یہ خیال کرنا کہ وصول ہو جائے گا۔ ایک مشکل خیال ہے۔ میرے پندرہ سو روپے لوگوں پر قرض ہیں۔ جب قرض دیا یہ خیال کر لیا کہ دیدیا تو خیر ورنہ طلب نہ کروں گا۔ جن صاحبوں نے قرض لیا دینے کا نام نہ لیا پھر خود ہی فرمایا جب یوں قرض دیتا ہوں تو کیوں نہیں ہبہ کر دیتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا جب کسی کا دوسرے پر دین ہو اور اسکی میعاد گذر جائے تو ہر روز اسی قدر روپیہ کی خیرات کا ثواب ملتا ہے۔ جتنا دین ہے۔ اس ثواب عظیم کیلئے میں نے قرض دیئے ہبہ نہ کئے کہ پندرہ سو روپے روز میں کہاں سے خیرات کرتا۔

سوال: حضور حافظ کتنوں کی شفاعت کرے گا۔ سنا گیا ہے کہ اپنے اعزہ سے دس شخصوں کی۔

ارشاد: ہاں اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس سے مشرق سے مغرب تک روشن ہو جائے اور شہید پچاس شخصوں کی، حاجی ستر کی اور علماء بے گنتی لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ حتیٰ کہ عالم کے ساتھ جن لوگوں کو کچھ بھی تعلق ہوگا اس کی شفاعت کریں گے۔ کوئی کہے گا میں نے وضو کیلئے پانی دیا تھا۔ کوئی کہے گا میں نے فلاں کام کیا تھا۔ لوگوں کا حساب ہوتا جائیگا اور وہ جنت میں بھیجے جائیں گے۔

علمار کا حساب کب کا ہو چکا ہوگا اور وہ روکے جائیں گے عرض کریں گے الٰہی لوگ جا رہے ہیں۔ ہم کیوں روکے گئے ہیں۔ فرمایا جائے گا تم آج میرے نزدیک فرشتوں کی مانند ہو۔ شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت سے لوگ بخشے جائیں گے۔ ہر سنی عالم سے فرمایا جائے گا۔ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر اگرچہ آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں۔

سوال: عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں، باپ، نانا، نانی، دادی، دادا، ماموں، چچا وغیرہ کھائیں یا نہیں۔

ارشاد: سب کھا سکتے ہیں کلوا و تصدقوا او بحر و العقود الدریۃ میں ہے ۱۰ احکامہا احکام الاضحیہ

سوال: کیا عدت کے اندر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

ارشاد: عدت میں نکاح تو نکاح نکاح کا پیام بھی دینا حرام ہے۔

سوال: حضور نوشہ کا وقت نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔

ارشاد: خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں سب حرام و ناجائز ہیں۔

سوال: حضور ولیمہ کا کھانا شریعت کے کس حکم میں داخل ہے اور اس کا تارک کیسا ہے۔

ارشاد: ولیمہ بعد زفاف سنت اور اس میں صیغۂ امر بھی وارد ہے۔ عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا اولم ولو بشاۃ ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی دنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ دونوں معنی متحمل ہیں اور اول اظہر۔

سوال: جس شہر کے لوگوں میں سے ایک بھی ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ نکاح سے پہلے اول روز جیسا رواج ہے کھلا دیتا ہے تو ان سب کے لئے کیا حکم ہے۔

ارشاد: تارکان سنت ہیں مگر یہ سنن مستحبہ سے ہے۔ تارک گنہگار نہ ہوگا۔ اگر اسے حق نہ جانے۔

سوال: کیا حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں ایک ہزار برس قیام فرمایا۔

ارشاد: نہیں بلکہ تقریباً سولہ سو برس تک تشریف فرما رہے۔

سوال: اس شخص پر جو قصاص میں قتل کیا گیا نماز پڑھی جائے۔

ارشاد: ہاں! خودکشی کرنے والے اور اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا ان کے جنازہ کی نماز نہیں۔

سوال: کھانا کھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے۔

ارشاد: داہنا پاؤں کھڑا ہو اور بایاں بچھا اور روٹی بائیں ہاتھ میں لیکر داہنے ہاتھ سے توڑنا چاہیئے۔ ایک ہاتھ سے توڑ کر کھانا اور دوسرا ہاتھ نہ لگانا متکبرین کی عادت ہے۔

سوال: قیامت کب ہوگی اور ظہور امام مہدی کب۔

ارشاد: قیامت کب ہوگی اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کے بتائے سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت ہی کا ذکر کرکے ارشاد فرماتا ہے۔ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً ۝ الا من ارتضیٰ من رسول۔ اللہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے امام قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی کہ اس غیب سے مراد قیامت ہے جس کا اوپر کی متصل آیت میں ذکر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بعض علمار کرام نے بلاحظہ احادیث حساب لگایا کہ یہ امت سن ہزار ہجری سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام سیوطی نے اس کے انکار میں رسالہ لکھا الکشف عن تجاوز ھذہ الامۃ الالف اس میں ثابت کیا کہ یہ امت ایک ہزار ۱۰۰۰ھ سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام جلال الدین کی وفات ۹۱۱ھ میں ہے۔ آپ نے حساب سے خیال فرمایا۔ کہ ۱۵۰۰ھ میں خاتمہ ہوگا۔ بحمد اللہ تعالیٰ ابھی ۲۶ برس

گذر گئے اور ہنوز قیامت تو قیامت اشتراط کبری میں سے کچھ نہ آیا۔ امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں مگر ان میں کسی وقت کا تعین نہیں اور بعض علوم کے ذریعے سے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے اور ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں۔

سوال: میلاد شریف میں جھاڑ فانوس فروش وغیرہ سے زیب وزینت اسراف ہے یا نہیں۔

ارشاد: علماء فرماتے ہیں: لاخیر فی الاسراف ولا اسراف فی الخیر جس شے سے تعظیم ذکر شریف مقصود ہو ہرگز ممنوع نہیں ہو سکتی۔ امام غزالی نے احیاء العلوم شریف میں سید ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ایک بندہ صالح نے مجلس ذکر شریف ترتیب دی اور اس میں ایک ہزار شمعیں روشن کیں ایک شخص ظاہر بیں پہونچے اور یہ کیفیت دیکھ کر واپس جانے لگے۔ بانی مجلس نے ہاتھ پکڑا اور اندر لیجا کر فرمایا کہ جو شمع میں نے غیر خدا کیلئے روشن کی بجھا دیجئے کوششیں کی جاتی تھیں اور کوئی شمع ٹھنڈی نہ ہوئی۔

سوال: تحیۃ الوضو کی کیا فضیلت ہے۔

ارشاد: ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ اے بلال کیا سبب ہے کہ میں جنت میں تشریف لے گیا تو تم کو آگے آگے جاتے دیکھا۔ عرض کی یا رسول اللہ جب میں وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز نفل پڑھ لیتا ہوں فرمایا یہی سبب ہے۔

سوال: حضور ایک بی بی تنہا حج کرنا چاہتی ہیں اور سفر خرچ قلیل اور خود علیل اس صورت میں کیا حکم ہے۔

ارشاد: عورت کو بغیر محرم حج کو جانا جائز نہیں

سوال: حضور طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے۔

ارشاد: طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکنا۔ بیعت اس شخص سے کرنا چاہیئے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

اولاً سنی صحیح العقیدہ ہو ثانیاً کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔ ثالثاً اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔ کہیں منقطع نہ ہو۔ رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔ (اسی سلسلہ بیان میں ارشاد ہوا کہ لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں۔ بیعت کے معنی نہیں جانتے بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ ان مرید نے عرض کی یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے اور حضرت یحییٰ منیری ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا۔

سوال: آمدنی کی قلت اور اہل وعیال کی کثرت سخت کلفت ہے۔

ارشاد: یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَاب ۔۔ ۵ بار اول وآخر ۱۱ بار درود شریف بعد نماز عشاء قبلہ رو باوضو، ننگے سر ایسی جگہ کہ جہاں سر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ سر پر ٹوپی بھی نہ ہو پڑھا کرو۔

سوال: قبرستان میں جوتا پہن کر جانے کا کیا حکم ہے۔

ارشاد: حدیث میں فرمایا تلوار کی دھار پر پاؤں رکھنا مجھے اس سے آسان ہے کہ مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔ دوسری حدیث میں فرمایا اگر میں انگارے پر پاؤں رکھوں یہاں تک کہ وہ جوتے کا تلا توڑ کر میرے تلوے تک پہونچ جائے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔ یہ وہ فرما رہے ہیں کہ واللہ اگر مسلمان کے سر اور سینے اور آنکھ پر قدم اقدس رکھ دیں تو اسے دونوں

جہان کا چین بخش دین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح القدیر اور طحطاوی اور ردالمختار میں ہے المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام۔

قبرستان میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے کہ وہ ضرور قبروں پر ہو گا۔ بخلاف راہ قدیم کے کہ قبریں اسے چھوڑ کر بنائی جاتی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب قبرستان میں جوتا پہن کر نکلے فرمایا یاصاحب سبتیین الق سبتینیک لاتوذ صاحب القبر ولا یوذیک اے بال صاف کئے ہوئے جوتے والے اپنے جوتے پھینک نہ تو صاحب قبر کو ستا نہ وہ تجھے ستائے ایک شخص کو لوگ دفن کر کے چلے گئے منکر نکیر نے سوال شروع کیا۔

ایک شخص جوتا پہنے اس طرف سے نکلا اس کے جوتے کی آواز سن کر مردہ اس طرف متوجہ ہوا اور قریب تھا کہ جو سوال منکر نکیر کر رہے تھے اس کے جواب سے قاصر رہتا۔ مرنے کے بعد زندگی سے کہیں زیادہ ادراک ہو جاتا ہے۔

غزوہ بدر شریف میں مسلمانوں نے کفار کی نعشیں جمع کر کے ایک کنوئیں میں پاٹ دیں حضورؐ کی عادت کریمہ تھی۔ جب کسی مقام کو فتح فرماتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے تشریف لیجاتے وقت اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انہیں نام بنام آواز دے کر فرمایا۔ ہم نے تو پالیا جو ہم سے ہمارے رب نے سچا وعدہ (یعنی نصرت کو) فرمایا تھا کیوں تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ (یعنی نار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ احیاً والارواح فیھا یارسول اللہ کیا حضور بے جان جثوں سے کلام فرماتے ہیں فرمایا ما انتم باسمع منھم تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انہیں طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں تو کافر تک سنتے ہیں۔ مومن تو مومن ہے اور پھر اولیا۔ کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے (پھر فرمایا) روح ایک پرندہ ہے اور جسم پنجرہ۔ پرند جس وقت تک پنجرہ میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے جب پنجرہ سے نکل جائے اس وقت اس کی قوت پرواز دیکھئے (فرمایا) اپنے مردوں کو بزرگوں کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سبب ان کا ہم نشیں بھی بدبخت نہیں ہوتا۔ ولہذا حدیث میں فرمایا ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین اپنے مردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو۔ میں نے حضرت میاں صاحب قبلہ قدس سرہ کو فرماتے سنا۔

ایک جگہ کوئی قبر کھل گئی اور مردہ نظر آنے لگا۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں۔ اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ یہاں قبر پانی کے صدمے سے کھل گئی۔ دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھیں۔ اب جو دیکھیں تو دو اژدہے اس کے بدن سے لپٹے اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھنبھوڑ رہے ہیں۔ حیران ہوئے کسی صاحب دل سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا وہاں بھی یہ اژدھا ہی ہے مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قرب تھا۔ اس کی برکت سے وہ عذاب رحمت ہو گیا تھا۔ وہ اژدہے درخت گل کی شکل ہوئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھول۔ اس کی خیریت چاہو تو وہیں لے جا کر دفن کر دو۔ وہیں لیجا کر رکھا۔ پھر وہی گلاب کے پھول۔

ایک بار حضرت سیدی اسماعیل حضرمی قدس سرہ العزیز کہ اجلا اولیا رکرام سے ہیں۔ ایک قبرستان میں گزرے امام محب الدین طبری کہ اکابر محدثین سے ہیں ہم رکاب تھے۔ حضرت سیدی اسماعیل نے ان سے فرمایا اتومن بکلام الموتی کیا اس پر آپ ایمان لاتے ہو کہ مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں۔ عرض کی ہاں فرمایا۔ اس قبر والا مجھ سے کہہ رہا ہے انا من حشو الجنۃ میں جنت کی بھرتی میں سے ہوں۔ آگے چلے وہاں چالیس قبریں تھیں۔ آپ بہت دیر تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ دھوپ چڑھ گئی۔ اس کے بعد آپ ہنسے اور فرمایا تو بھی انہیں میں ہے۔ لوگوں نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کی حضرت یہ کیا راز ہے۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا فرمایا۔ ان قبور پر عذاب ہو رہا تھا۔ جسے دیکھ کر میں روتا رہا اور حضرت عزت میں میں نے ان کی شفاعت کی۔ مولیٰ تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی اور

ان سے عذاب اٹھا لیا۔ ایک قبر گوشے میں تھی جس کی طرف میرا خیال نہ گیا تھا۔ اس میں سے آواز آئی یا سیدی انا منھم انا فلانۃ المغنیہ اے میرے آقا میں بھی انہی میں سے ہوں۔ میں فلاں ڈومنی ہوں مجھے اس کے کہنے پر ہنسی آگئی اور میں نے کہا انت منھم تو بھی انہیں میں ہے اس پر سے عذاب اٹھا لیا گیا تو یہ حضرات سراپا رحمت ہیں۔ جس طرح گذر ہو رحمت ساتھ ہے۔

سوال: یہ صحیح ہے کہ شب معراج مبارک جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرش بریں پر پہونچے نعلین پاک اتارنا چاہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی ایمن میں نعلین شریف اتارنے کا حکم ہوا تھا۔ فوراً غیب سے ندا آئی اے حبیب تمہارے مع نعلین شریف رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت و عزت زیادہ ہوگی؟

ارشاد: یہ روایت محض باطل وموضوع ہے۔

سوال: شب معراج جب براق حاضر کیا گیا حضور آبدیدہ ہوئے حضرت جبریل نے سبب پوچھا۔ فرمایا آج میں براق پر جارہا ہوں کل قیامت کے دن میری امت برہنہ پا پل صراط کی راہ طے کرے گی۔ یہ تقاضائے محبت و شفقت امت کے موافق نہیں۔ ارشاد باری ہوا۔ یونہی ایک ایک براق بروز حشر تمہارے ہر امتی کی قبر پر بھیجیں گے یہ روایت صحیح ہے یا نہیں۔

ارشاد: بالکل بے اصل ہے ایسی ہی اور بھی بہت سی روایات بالکل بے اصل اور بے ہودہ ہیں کیا کہا جائے۔

سوال: حضور اگر دوا بات پی کر بال سیاہ ہو جائیں تو یہ بھی خضاب کے حکم میں ہے۔

ارشاد: اس میں کچھ حرج نہیں دوا کھانے سے سپید بال سیاہ نہ ہو جائیں گے بلکہ وہ قوت پیدا ہوگی کہ آئندہ سیاہ نکلیں گے تو کوئی دھوکا نہ دیا گیا نہ خلق اللہ کی تبدیل کی گئی۔

سوال: حضور تانبے یا لوہے کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے۔

ارشاد: مرد و عورت دونوں کے لئے مکروہ ہے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی جائز رکھی جائے جو اس سے بیش بہا ہے اور تانبے وغیرہ کی مکروہ۔

ارشاد: چاندی کی انگوٹھی تذکیر آخرت کے لئے جائز رکھی گئی ہے کہ سونا چاندی جنتیوں کا زیور ہے۔ تانبے وغیرہ کا وہاں کیا کام (پھر فرمایا) ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی ارشاد فرمایا مالی اری فی یدك حلیۃ الاصنام کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بتوں کا زیور دیکھتا ہوں۔ انہوں نے اتار کر پھینک دی۔ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا مالی اری فی یدك حلیۃ اھل النار کیا ہوا کہ تمہارے ہاتھ میں دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔ انہوں نے اتار کر پھینک دی اور عرض کیا یا رسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں ارشاد فرمایا اتخذہ من الورق ولا تتمہ مثقالا چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال پوری نہ کرو۔

سوال: انگوٹھی کو کس ہاتھ میں پہننا چاہیئے۔

ارشاد: بائیں ہاتھ میں آیا ہے اور داہنے میں بھی لیکن بہتر یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی بنصر (وہ انگلی جو چھنگلیا کے پاس ہے) میں پہنے۔

سوال: کیا خطبہ نکاح بھی کھڑے ہو کر قبلہ رو پڑھنا چاہیئے۔

ارشاد: ہاں کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور قبلہ رو ہونا کچھ ضرور نہیں سامعین کی طرف منہ ہونا چاہیئے۔ خطبۂ جمعہ بھی تو قبلہ کی جانب پشت کر کے پڑھا جانا مشروع ہے۔

سوال: نوشہ کے ابٹن ملنا جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد : خوشبو ہے جائز ہے۔

سوال : نکاح کے بعد چھوارے لٹانے کا جو رواج ہے یہ کہیں سے ثابت ہے یا نہیں۔

ارشاد : حدیث شریف میں لوٹنے کا حکم ہے اور لٹانے میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہ حدیث دارقطنی وبیہقی طحطاوی سے مروی ہے۔

سوال : اگر جوان عورت سے مرد ضعیف نکاح کرنا چاہے تو خضاب سے بال سیاہ کر سکتا ہے یا نہیں۔

ارشاد : بوڑھا بیل سینگ کاٹنے سے بچھڑا نہیں ہو سکتا۔

سوال : حضور کی قسم کھا کر خلاف کرنے سے کفارہ لازم آئے گا یا نہیں۔

ارشاد : نہیں۔

سوال : قسم حضور کی کھانا جائز ہے۔

ارشاد : نہیں۔

سوال : کیا بے ادبی ہے۔

ارشاد : ہاں۔

سوال : جوان غیر محرم عورت کے سلام کا جواب دینا چاہیئے یا نہیں۔

ارشاد : دل میں جواب دے۔

سوال : وضو کی حالت میں جھوٹ بولا یا غیبت کی یا فحش بکا تو وضو میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔

ارشاد : مستحب یہ ہے کہ پھر وضو کر لے اگر نماز اسی وضو سے پڑھ لی خلاف مستحب کیا۔

سوال : حضور یہ مشہور ہے الولایۃ افضل من النبوۃ۔

ارشاد : یوں نہیں بلکہ یوں ہے ولایۃ النبی افضل من نبوتہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے کہ ولایت کی توجہ الی اللہ ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق۔

سوال : حضور قرب قیامت کی علامات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

ارشاد : ان کے بارے میں صحیح حدیثیں بھی آئی ہیں اور حسن وضعیف و موضوع بھی مگر دجال کا خروج امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، آفتاب کا مغرب سے طلوع یہ سب احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ جس روز آفتاب مغرب سے نکلے گا وہی وقت در توبہ بند ہونے کا ہوگا۔ انہیں ایام میں دابۃ الارض کعبہ معظمہ کے قرب میں زمین سے نکلے گا۔ اور گھوڑے کی طرح پھیری لیکر غائب ہو جائے گا۔ تیسری مرتبہ جب نکلے گا تو داہنے ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور بائیں ہاتھ میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی جو علم الٰہی میں مسلمان ہوگا۔ اس کی پیشانی پر عصا سے نورانی نشان کر دے گا اور جو کافر ہوگا۔ انگشتری سے کالا داغ لگا دے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے ایک دسترخوان پر چند آدمی بیٹھے ہوئے کھانا کھاتے ہوں گے یہ کہے گا کہ وہ کافر ہے وہ کہے گا کہ یہ مسلمان پھر نہ کوئی مسلمان کافر ہو سکے گا اور نہ کافر مسلمان (پھر فرمایا) قیامت تین قسم کی ہے۔ قیامت صغریٰ یہ موت ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ دوسری قیامت وسطیٰ وہ ایک قرن کے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے اور دوسرے قرن کے نئے لوگ پیدا ہو جائیں۔ تیسری قیامت کبریٰ وہ یہ کہ آسمان و زمین سب فنا ہو جائیں گے۔

سوال : سید کے لڑکے کو اس کا استاد تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں۔

ارشاد: قاضی جو حدود الہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجود یکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ لگائے گا۔ لیکن حکم ہے سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے۔ اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد۔

سوال: شعبان میں نکاح کرنا کیسا ہے۔

ارشاد: کوئی حرج نہیں ہاں یہ آیا ہے لا نکاح بین العیدین دو عیدوں کے درمیان نکاح نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن اگر عید پڑے تو ظاہر ہے کہ جمعہ و عیدین کے درمیان فرصت کہاں ہو سکتی ہے۔

سوال: جانوروں کو کھلانے پلانے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

ارشاد: ہاں حدیث میں ارشاد ہوا فی کل ذات کبد رطبۃ اجر ہر تر جگہ میں اجر ہے۔ ہر جاندار کو آرام پہونچانے میں ثواب ہے۔

سوال: حضور ایک روایت ہے، کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص دو سو برس تک فسق و فجور میں مبتلا رہا اور بعد انتقال اس کی مغفرت فرما دی گئی اس وجہ سے کہ اس نے توریت شریف میں نام پاک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھ کر چوم لیا تھا۔

ارشاد: ہاں صحیح ہے ان کا نام مطیع تھا۔ پھر فرمایا اس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی رحمت چاہے تو کروڑوں برس کے گناہ دھو دے۔ غلامی ہونا چاہیئے۔ سرکار کی ایک نیکی سے معاف فرما دے بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے اور اگر عدل فرمائے تو کروڑوں برس کی نیکیاں ایک صغیرہ کے عوض رد فرما دے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ کوئی بغیر اللہ کی رحمت کے اپنے اعمال سے جنت میں نہیں جا سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا ولا انت یارسول اللہ آپ بھی نہیں یا رسول اللہ ارشاد فرمایا ولا انا ان یتغمدنی رحمۃ — اور میں بھی جب تک میرا رب رحمت نہ فرما دے۔ گناہ نہ سہی۔ استحقاق کس بات کا ہے۔ دنیا ہی کا قاعدہ دیکھیئے اگر اجیر ہے مزدوری کرے گا۔ اجرت پائے گا۔ اور اگر عبد ہے مملوک ہے کتنی ہی خدمت کرے کچھ نہ پائے گا۔ ہم سب تو اسی کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اس کی رحمت ہی رحمت ہے۔ آپ ہی بندوں کو توفیق دی۔ آپ ہی بندوں کو اسباب دیئے آپ ہی احسان فرمایا اور فرماتا ہے بدلہ ہے ان کے عملوں کا نعم العبد کیا۔ اچھا بندہ ہے۔ ایوب علیہ السلام کتنے عرصہ تک بلا میں مبتلا رہے اور صبر بھی کیسا جمیل فرمایا۔ جب اس سے نجات ملی عرض کیا الٰہی میں نے کیسا صبر کیا ارشاد ہوا اور توفیق کس گھر سے لایا۔ ایوب علیہ السلام نے عرض کیا بے شک اگر تو توفیق نہ عطا فرماتا تو میں صبر کہاں سے کرتا۔

سوال: فاسق اگر مصافحہ کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد: اگر وہ کرنا چاہے تو جائز ہے ابتداء نہ چاہیئے۔

سوال: زمزم شریف بھی تین سانسوں میں پینا چاہیئے۔

ارشاد: ہاں ہر چیز کا یہی حکم ہے حدیث میں ارشاد ہوا مصوہ مصاولا تعبوہ عبافان منہ الکباد چوس چوس کر پیو غٹ غٹ کر کے بڑے بڑے گھونٹ نہ لگاؤ۔

سوال: حضور میں آج کل بہت پریشان ہوں۔ گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہے۔ قرضدار بہت ہو گیا ہوں۔

ارشاد: اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک ہر نماز کے بعد ۱۱۔۱۱ بار اور صبح و شام سو سو بار روزانہ اول و آخر درود شریف اسی دعا کی نسبت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر تجھ پر مثل پہاڑ کے بھی قرض ہوگا تو اسے ادا کر دے گا۔

سوال: حضور رجال الغیب ملائکہ سے ہیں۔

ارشاد: نہیں جنوں یا انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ آپ نے رجال پر خیال نہیں کیا ملائکہ پاک ہیں رجال اور نساء ہونے سے۔
سوال: رجال الغیب کیوں کہلاتے ہیں۔
ارشاد: غائب رہتے ہیں اس وجہ سے۔
سوال: عربی زبان مرنے کے وقت سے ہو جاتی ہے۔
ارشاد: اس کی بابت تو کچھ حدیث میں ارشاد نہیں ہوا۔ حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب کتاب ابریز کے شیخ فرماتے ہیں منکر نکیر کا سوال سریانی میں ہوگا اور کچھ لفظ بھی بتائے۔
سوال: عبرانی اور سریانی ایک ہی ہیں۔
ارشاد: عبرانی اور ہے سریانی اور ہے۔ عبرانی میں انجیل نازل ہوئی اور سریانی میں توریت ہے۔
سوال: کھانا کھاتے وقت بولنا کیسا ہے۔
ارشاد: کھانا کھاتے وقت التزام کرلینا نہ بولنے کا یہ عادت ہے۔ مجوس کی اور مکروہ ہے اور لغو باتیں کرنا یہ ہر وقت مکروہ اور ذکر خیر کرنا یہ جائز ہے۔
سوال: نوکر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے یا نہیں۔
ارشاد: جتنی تاکید کر سکتا ہے اتنی نہ کرے تو مواخذہ ورنہ نہیں۔
سوال: اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس کا ولی نکاح میں کون ہو سکتا ہے۔
ارشاد: باپ اور باپ کے بعد دادا اور دادا نہ ہو تو بھائی بھائی نہ ہو تو بھتیجا بھتیجا نہ ہو تو چچا پھر چچا کا بیٹا الخ
سوال: نابالغ لڑکے کا باپ طلاق دے تو ہو گی یا نہیں۔
ارشاد: نہیں ہو سکتی۔
سوال: حضور جب اس کو نکاح کا اختیار ہے تو طلاق کا بھی ہونا چاہیئے۔
ارشاد: نکاح کرا دینے کا مالک ہے کہ وہ نفع ہے طلاق کا نہیں کہ وہ ضرر ہے۔
سوال: فتاوٰی عالمگیریہ کس کی تصنیف ہے۔
ارشاد: مولانا نظام الدین صاحب کی جو سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کو جمع کر کے تصنیف کرائی اور اس میں کئی لاکھ روپیہ صرف کیا کثیر کتب خانہ جمع کیا تمام کتابوں میں دیکھ دیکھ کر یہ فتاوٰی تصنیف ہوا۔
سوال: قیامت اور حشر کا فرق۔ قیامت وہ ہے جس میں سب موجودات فنا کئے جائیں گے اور حشر میں پھر از سر نو پیدا کئے جائیں گے اگر برزخ کا زمانہ قیامت حشر تک کے زمانہ کا کوئی نام ہے یا نہیں اور قیامت کے کتنے عرصہ بعد حشر ہوگا۔
ارشاد: وہ ساعت ہے کبھی اسے بھی قیامت کہتے ہیں ورنہ قیامت وحشر ایک ہیں۔ ساعت وحشر کے درمیان جو زمانہ ہے اسے ما بین النفختین کہتے ہیں۔ حشر چالیس برس بعد ہوگا۔
سوال: درجات فقر ترتیب وار ارشاد ہوں کہ جب طالب سلوک کی راہ چلتا ہے۔ تو اول کون سا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر کون سا۔
ارشاد: صلحاء۔ سالکین قانتین واصلین اب ان واصلوں کے مراتب ہیں۔ نجباء۔ نقباء۔ ابدال بدلہ۔ اوتاد۔ امامین۔ غوث۔ صدیق۔ نبی رسول۔ تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں۔ باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل ہے۔
سوال: تفریحاً جھولا جھولنا کیسا ہے۔

ارشاد: شارع عام پر نہ ہو مکان میں ہو کچھ حرج نہیں یہ تو بدن کی ریاضت ہے بعض امراض میں اطباء مفید بتاتے ہیں۔

سوال: حضور عورتوں کو بھی جائز ہے۔

ارشاد: کوئی نامحرم نہ ہو اور گھر کے اندر ہوں اور گانا نہ گائیں تو ان کے واسطے بھی جائز۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مجھے اپنے نکاح کی کوئی خبر نہ تھی۔ میں اپنے مکان میں جھولا جھول رہی تھی۔ کہ میری ماں مجھ کو اٹھا کر لے گئیں۔

سوال: حضور والا یہ صحیح ہے کہ کعبہ معظمہ جنت میں جائیگا۔

ارشاد: ہاں کعبہ معظمہ اور تمام مسجدیں۔

عرض: اور حضور روضہ اقدس۔

ارشاد: روضہ اقدس افضل ہے یا کعبہ۔

عرض: روضہ اقدس۔

ارشاد: پھر جب مفضول جائے گا تو افضل کے جانے میں کیا شبہ صرف روضہ اقدس ہی نہیں بلکہ تربتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی۔

سوال: حضور قبرستان میں باآواز بلند قرآن عظیم پڑھنا کیسا ہے۔

ارشاد: ایسی آواز سے مستحسن ہے کہ اموات سنیں اور دل بہلے نہ اتنی کر بہرا آواز سے مردے کو بھی پریشان کرے۔

سوال: وقت دفن اذان کیوں کہی جاتی ہے۔

ارشاد: دفع شیطان کے لئے حدیث میں ہے۔ اذان جب ہوتی ہے۔ شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے۔ الفاظ حدیث میں یہ ہے کہ روحا تک بھاگتا ہے اور روحا مدینہ طیبہ سے ۳۶ میل ہے اور وہ وقت ہوتا ہے۔ دخل شیطان کا جس وقت منکر نکیر سوال کرتے ہیں من ربک تیرا رب کون ہے۔ یہ لعین دور سے اشارہ کرتا ہے۔ اپنی طرف کہ مجھ کو کہہ دے جب اذان ہوتی ہے بھاگ جاتا ہے وسوسہ نہیں ہوتا۔ پھر سوال کرتے ہیں ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ اس کے بعد سوال کرتے ہیں ما تقول فی ھذا الرجل ان کے بارے میں کیا کہتا ہے اب نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چونکہ امتحان کا وقت ہے۔ اس لئے ھذا النبی نہ کہیں گے ھذا الرجل کہیں گے۔

سوال: حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں۔

ارشاد: جمہور کا مذہب یہی ہے اور صحیح بھی یہی ہے کہ وہ نبی ہیں۔ زندہ ہیں خدمت بحر انہیں سے متعلق ہے اور الیاس علیہ السلام بر (خشکی) میں ہیں (پھر فرمایا) چار نبی زندہ ہیں کہ ان کو وعدہ الٰہی ابھی آیا نہیں یوں تو ہر نبی زندہ ہیں۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق بے شک اللہ نے حرام کیا زمین پر کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو خراب کرے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کو محض تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے موت طاری ہوتی ہے۔ بعد اس کے پھر ان کو حیات حقیقی حسی دنیوی عطا ہوتی ہے۔ خیر ان چاروں میں سے دو آسمان پر ہیں اور دو زمین پر خضر و الیاس علیہما السلام زمین پر ہیں اور ادریس و عیسیٰ علیہما السلام آسمان پر۔

سوال: حضور ان پر بھی موت طاری ہوگی۔

ارشاد: ضرور کل نفس ذائقۃ الموت (پھر فرمایا) جب یہ آیت نازل ہوئی کل من علیہا فان ؕ جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہوں گے فرشتے خوش ہوئے کہ ہم بچے کہ ہم زمین پر نہیں۔ جب دوسری آیت نازل ہوئی کل نفس ذائقۃ الموت ملائکہ نے کہا اب ہم بھی گئے۔

سوال: حضور بسم اللہ کرانے کی کوئی عمر شرعاً مقرر ہے۔

ارشاد: شرعاً کچھ مقرر نہیں۔ ہاں مشائخ کرام کے یہاں چار برس چار مہینے چار دن مقرر ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کی عمر جس دن چار برس چار مہینے چار دن کی ہوئی۔ تقریب بسم اللہ مقرر ہوئی۔ لوگ بلائے گئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما ہوئے۔ بسم اللہ پڑھانا چاہی۔ مگر الہام ہوا کہ ٹھہرو حمید الدین ناگوری آتا ہے۔ وہ پڑھائے گا۔ ادھر ناگور میں قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ جلد جا میرے ایک بندے کو بسم اللہ پڑھا۔ قاضی صاحب فوراً تشریف لائے اور آپ سے فرمایا صاحبزادے پڑھیئے بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ نے پڑھا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم اور شروع سے لیکر پندرہ پارے تک حفظ سنا دئے۔ حضرت قاضی صاحب اور حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا۔ میں نے اپنی ماں کے شکم میں اتنے ہی سنے تھے اور اسی قدر ان کو یاد تھے وہ مجھے بھی یاد ہو گئے۔

سوال: مسمریزم کیا ہے۔

ارشاد: اصل اس کی تفیح تصور ہے۔ روح کی قوتوں کو ظاہر کرنا روح کی بہت قوتیں ہیں۔ سبع سنابل شریف میں ہے۔ تین صاحب جا رہے تھے۔ دور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے۔ حواری حاضر ہیں ایک فاحشہ ناچ رہی ہے شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیر اندازی میں مشاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق و فجور کو درہم برہم کرنا چاہیئے کیا تدبیر کی جائے۔ ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کردو کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے دوسرے نے کہا اس ناچنے والی عورت کو قتل کرد و تیسرے صاحب نے کہا اسے بھی قتل نہ کرو کہ وہ خود نہیں آئی۔ راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کرو۔ یہ رائے پسند ہوئی۔ انہوں نے تاک کر شمع کی لو پر تیر مارا شمع گل ہو گئی اب نہ وہ راجہ رہا اور نہ وہ فاحشہ نہ مجمع نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری جب صبح ہوئی تو دیکھا۔ ایک الو مرا پڑا ہے۔ اور اس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب اسی الو کی روح کر رہی تھی۔ (پھر فرمایا) نمرود کے دروازے پر ایک درخت تھا۔ جس کا سایہ بالکل نہ تھا۔ جب ایک شخص اس کے نیچے آتا اس کے لائق سایہ ہو جاتا۔ دوسرا آتا تو دو کے لائق ہو جاتا غرض ایک لاکھ تک آدمی اس کے سایہ میں رہ سکتے اور جہاں ایک لاکھ سے ایک بھی زیادہ ہوا سب دھوپ میں۔

اسی کا ایک حوض تھا صبح کو لوگ آتے کوئی اس میں پیالہ بھر دودھ ڈالتا کوئی شربت کوئی شہد جس کو جو پسند آتا یہاں تک کہ وہ بھر جاتا اور سب چیزیں خلط ہو جاتیں۔ اب جس کو حاجت ہوتی پیالہ ڈالتا جو شے جس نے ڈالی ہوتی وہی اس کے جام میں آجاتی۔ یہ کافر وہ بھی کیسے بڑے کافر کا استدراج تھا۔ اسی واسطے اولیاء کرام فرماتے ہیں کشف و کرامت نہ دیکھو استقامت دیکھو کہ شریعت کے ساتھ کیسا ہے حضرت خواجہ شیخ بہاء الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام ہیں آپ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت تمام اولیاء سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں حضور سے بھی کوئی کرامت دیکھیں۔ فرمایا اس سے بڑی اور کیا کرامت ہے کہ اتنا بڑا بھاری بوجھ گناہوں کا سر پر ہے اور زمین میں دھنس نہیں جاتا۔

سوال: اگر عورت حج کو جانا چاہتی ہے اور شوہر اس کا اس کو منع کرے کسی عذر سے تو جا سکتی ہے بغیر اجازت شوہر کے یا نہیں۔

ارشاد: اگر محرم ساتھ ہے اور حج اس پر فرض ہے تو جائے گی ورنہ نہیں۔

سوال: شوہر کسی کام کو کرنے کا حکم کرے اور وقت نماز اتنا ہے کہ اگر اس کے حکم کی تعمیل کرے تو پھر نماز کا وقت باقی نہیں رہے گا تو اس صورت میں عورت نماز پڑھے یا حکم شوہر بجا لائے۔

ارشاد: نماز پڑھے ایسا حکم ماننا حرام ہے۔

سوال: ایام حمل میں طلاق دینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو عدت اس کی کیا ہے۔

ارشاد: حمل میں طلاق نہ دی جائے اگر دیگا ہو جائے گی۔ عدت وضع حمل ہے۔

" صفر کے آخری چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی۔ بنا بر اس کے اس روز کھانا و شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں کہیں اس دن نحس و نا مبارک جان کر گھر کے پرانے برتن توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ و چاندی کہ اس کے روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مریضوں کو استعمال کراتے ہیں۔ یہ جملہ امور بر بنائے صحت پانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لاتے جاتے ہیں۔ لہٰذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں اور فاعل عامل اس کا بر بنائے ثبوت یا عدم ثبوت گرفتار معصیت ہوگا یا قابل ملامت و تادیب۔

ارشاد: آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور حدیث مرفوع میں آیا ہے۔ آخر اربعاء من الشہر یوم نحس مستمر اور مروی ہوا ابتدائے ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسی دن تھی اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ و اضاعت مال ہے بہر حال یہ سب باتیں بے اصل و بے معنی ہیں۔

سوال: سنت جمعہ اگر خطبہ شروع ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں تو بعد نماز جمعہ پڑھے یا نہیں۔

ارشاد: پڑھے اور ضرور پڑھے۔

سوال: عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد: مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جب کہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کرے۔

سوال: عورت کو فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد: جائز ہے۔

سوال: لڑکے کے عقیقہ کا گوشت لڑکے کے والدین اور دادا دادی اور نانا نانی کو کھانا چاہیئے یا نہیں۔

ارشاد: سب کو درست ہے۔

سوال: عید الاضحیٰ کے روز عقیقہ جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد: جائز ہے۔

سوال: مچھلی اور ٹڈی ذبح کیوں نہیں کی جاتی۔

ارشاد: ذبح کرنے سے خون نکالنا مقصود ہوتا ہے اور مچھلی و ٹڈی میں خون نہیں۔

سوال: دفع وبا کے لئے اذان درست ہے۔ یا نہیں۔

ارشاد: درست ہے فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا لکھا ہے۔

سوال: اذان دینی واسطے بارش کے درست ہے یا نہیں۔

ارشاد: درست ہے اذ لاخطر من الشرع اذان ذکر الٰہی ہے اور بارش رحمت الٰہی اور ذکر الٰہی باعث نزول رحمت الٰہی۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجت سے زیادہ صرف کرایہ کی غرض سے خرید کئے آیا اس صورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں ان کی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہو اس کے اوپر (۲) جو مکانات کی زینت کیلئے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کر کے مکان سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اس صورت میں کیا حکم ہے۔

ارشاد: مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہوں اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور سے مل کر

قدر نصاب ہو۔ (۲) برتن وغیرہ اسباب خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں۔ زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے۔ سونا چاندی کیسے ہی ہوں پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے سکہ ہو یا پتر یا ورق دوسرے چرائی پر چھوڑے جانور تیسرے تجارت کا مال باقی کسی چیز پر زکوٰۃ نہیں۔

سوال: ایک عورت لڑکا جنی اور نفاس سے آٹھ دن میں فارغ ہو گئی۔ اب اس کے واسطے روزے نماز کا کیا حکم ہے اور چوڑی وغیرہ چاندی یا کانچ کی یا وہ چارپائی یا مکان پاک رہا یا ناپاک یا چالیس دن کی قید لگائی جائے گی۔

ارشاد: یہ جو عوام جاہلوں عورتوں میں مشہور ہے کہ جب تک چلہ نہ ہو جائے زچہ پاک نہیں ہوتی محض غلط ہے خون بند ہونے کے بعد ناحق ناپاک رہ کر نماز روزے چھوڑ کر سخت کبیرہ گناہ میں گرفتار ہوتی ہیں۔ مردوں پر فرض ہے کہ انہیں اس سے باز رکھیں نفاس کی زیادہ حد کیلئے چالیس دن رکھے گئے ہیں نہ یہ کہ چالیس دن سے کم کا ہوتا ہی نہیں اس کے کم کیلئے کوئی حد نہیں اگرچہ بچہ جننے کے بعد صرف ایک منٹ خون آیا اور بند ہو گیا عورت اسی وقت پاک ہو گئی۔ نہائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے اگر چالیس دن کے اندر اسے خون عود نہ کرے گا تو نماز روزے سب صحیح رہیں گے۔ چوڑیاں، چارپائی، مکان سب پاک ہے فقط وہی چیز ناپاک ہو گی جسے خون لگ جائے گا۔ بغیر اس کے ان چیزوں کا ناپاک سمجھ لینا ہندوؤں کا مسئلہ ہے۔

سوال: کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں مکروہ ہے یا حرام۔

ارشاد: ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلقاً حرام ہیں تو جن بعض کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں۔ ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہیئے مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم الحیوان میں بالاتفاق اس کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے قاموس میں ہے الاربیان بالکسر سمک کالدود صحاح وتاج العروس میں ہے الاربیان بیض من السمک کالدود یکون بالبصرہ مراح میں ہے اربیان نوعی از ماہی۔ منتہی الارب میں ہے اربیان نوعے از ماہی است کہ آنرا بہندی جھینگہ می گویند۔ مخزن میں ہے روبیان واربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان وماہی لیک وبہندی جھینگہ مچھلی نامند۔ تحفۃ المومنین میں ہے بفارسی ماہی روبیان نامند۔ تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے۔ روبیان اسم لضرب من السمک مکیر ببحر العراق والقام احمر کثیر الارجل نحو اسرطان لکنہ اکثر لحما۔ حیوۃ الحیوان الکبری میں ہے الروبیان ہو سمک صغیر جدا احمر تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقاً حلال ہونا چاہیئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔ والطافی لیس نوعا برأسہ بل وصف تعبیری کل نوع اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں۔ امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں۔ ردالمحتار میں ہے وفی معراج الدرایہ ولو وجدت سمکۃ فی حوصلہ طائر توکل عند الشافعی ولا توکل لانہ کالرجیع ورجیع الطائر عندہ نجس وقلنا انما یغیر وجیعا اذا تغیر وفی السمک الصغار التی تقل من غیران یشق جوفہ فقال اصحابہ لا یحل کلہ کان رجیعۃ نجس وعند سائر الائمۃ یحل مگر فقیر نے جواہر اخلاطی میں تصریح دیکھی کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر حیث قال السمک الصغار کلھا مکروہۃ کراہیۃ التحریم ہو الاصح جھینگے کی صورت عام مچھلیوں سے بالکل جدا اور کنکھجے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ماہی سقنقور حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی پر پیدا ہوتا ہے اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نص معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہو گی بہر حال ایسے شبہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی اولی ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں۔ فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اس درخت اور طاق کے پاس

جاکر ہر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر۔

ارشاد: یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقت و بطالات ہیں۔ ان کا ازالہ لازم ما انزل اللہ بہا من سلطن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

سوال: موسم سرما میں زوال کس وقت ہوتا ہے اور موسم گرما میں کس وقت اگر موسم سرما میں زوال بہ حساب قمری بارہ بجے سے پیشتر ہوتا ہے تو بارہ بجے سے پہلے جو شخص نماز ظہر پڑھے گا اس کی نماز ہوگی یا نہیں۔

ارشاد: دھوپ گھڑی سے تو ایسا ہی ہے کہ زوال ہمیشہ ٹھیک بارہ بجے ہوتا ہے نہ کبھی پیشتر ہو نہ بعد مگر گھڑیوں کے اعتبار سے وقت بلدی سے صرف چار دن ۱۶ اپریل ۱۵ جون یکم ستمبر ۲۵ دسمبر کے سوا کسی دن ٹھیک بارہ بجے زوال نہیں ہوتا گھڑیوں کی چال روزانہ ایک سی ہے اور آفتاب کی چال کبھی ایک سی نہیں اوج ۴ جولائی سے حضیض ۳ جنوری تک تیز ہوتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے زیادہ قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ زیادت بھی یکساں نہیں بلکہ آئندہ زیادہ پہلی زیادت سے زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ حضیض پر غایت سرعت پر پہونچتا ہے پھر حضیض ۴ جنوری سے اوج ۳ جولائی تک چال سست ہوتی ہے ہر روز پہلے دن سے کم قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ کمی بھی ایک سی نہیں بلکہ ہر آئندہ کمی پہلی کمی سے کم ہوتی ہے یہاں تک کہ اوج پر پہونچ کر نہایت درنگ ہو جاتا ہے پھر وہی دورہ آغاز پاتا ہے اور اس سبب سے کہ ہندوستان میں عام طور پر ریلوے وقت رائج ہے یہ چار دن بھی برابری کے باقی نہ رہے بلکہ بلاد شرقیہ میں بقدر تفاوت طولین تمام تعدیلات ناقص ہوں گی۔ اور بلاد غربیہ میں تمامی تعدیلات اسی قدر بڑھ جائیں گی۔ مثلاً بریلی کے لیے اگر خاص شہر کا وقت دیا جائے تو بلاشبہ یہی چاروں برابری کے ہوں گے۔ جن میں زوال جیبی گھڑی اور دھوپ گھڑی دونوں سے ٹھیک بارہ بجے ہوگا اور اگر ریلوے سے وقت دیا جائے تو بقدر تفاوت طولین ۱۲ سیکنڈ ۱۲ منٹ ہے۔ تمامی تعدیلات زائد ہو جائیں گی تو اب چار دن برابری کے جن میں دونوں وقتوں سے زوال ٹھیک بارہ بجے تھا۔ ۱۲ سیکنڈ ۱۲ منٹ پر ہوگا و علی القیاس تعمیم نفع کیلئے

جدول نصف النہار حقیقی و شروع وقت ظہر بریلی

تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت	منٹ
یکم جنوری	۱۲	۱۵	۷	۱۲	۲۳	۱۹	۱۲	۱۱	۴ جولائی	۱۲	۱۶	۱۰	۱۲	۹
۲	۱۲	۱۶	۱۱	۱۲	۲۲	۲۴	۱۲	۱۰	۸	۱۲	۱۷	۱۳	۱۲	۸
۴	۱۲	۱۷	۱۵	۱۲	۲۱	۲۹	۱۲	۹	۱۵	۱۲	۱۸	۱۶	۱۲	۷
۶	۱۲	۱۸	۱۹	۱۲	۲۰	۸ مئی	۱۲	۸	۹ اگست	۱۲	۱۷	۱۹	۱۲	۶
۹	۱۲	۱۹	۲۲	۱۲	۱۹	۲۴	۱۲	۹	۱۶	۱۲	۱۶	۲۱	۱۲	۵
۱۱	۱۲	۲۰										۲۴	۱۲	۴
۱۴	۱۲	۲۱	۲۵	۱۲	۱۸	۲ جون	۱۲	۱۰	۲۱	۱۲	۱۵			
۱۶	۱۲	۲۲	۲۹	۱۲	۱۷	۸	۱۲	۱۱	۲۵	۱۲	۱۴	۲۷ ستمبر	۱۲	۳
۱۹	۱۲	۲۳	یکم اپریل	۱۲	۱۶	۱۳	۱۲	۱۲	۲۸	۱۲	۱۳	۳۰	۱۲	۲
۲۳	۱۲	۲۴												
۲۷	۱۲	۲۵	۴	۱۲	۱۵	۱۵	۱۲	۱۲	یکم ستمبر	۱۲	۱۲	۳ اکتوبر	۱۲	۱
یکم فروری	۱۲	۲۶	۸	۱۲	۱۴	۱۸	۱۲	۱۳	۴	۱۲	۱۲	-	۱۲	۰
۲۵	۱۲	۲۵	۱۱	۱۲	۱۳	۲۳	۱۲	۱۴	۴	۱۲	۱۱	۱۰	۱۱	۵۹
۳ مارچ	۱۲	۲۴	۱۵	۱۲	۱۲	۲۷	۱۲	۱۵	۷	۱۲	۱۰	۱۴	۱۱	۵۸
۱۸ اکتوبر	۱۱	۵۷	یکم دسمبر	۱۲	۱	۱۵ دسمبر	۱۲	۷	۲۶	۱۲	۱۲			
۲۴	۱۱	۵۶	۴	۱۲	۲	۱۷	۱۲	۸	۲۷	۱۲	۱۳			
۵ نومبر	۱۱	۵۶	۶	۱۲	۳	۱۹	۱۲	۹	۲۸	۱۲	۱۳			
۱۶	۱۱	۵۸	۹	۱۲	۴	۲۱	۱۲	۱۰	۲۹	۱۲	۱۴			
۲۵	۱۱	۵۹	۱۱	۱۲	۵	۲۳	۱۲	۱۱						
۲۸	۱۲	۰	۱۳	۱۲	۶	۲۵	۱۲	۱۲	۳۰	۱۲	۱۵			

ایک جدول نصف النہار حقیقی و شروع وقت ظہر بریلی بحذف سیکنڈ کہ ایک زمانہ کے لیے کارآمد ہو ریلوے وقت سے دیا جاتا ہے کہ اس وقت وہی رائج ہے ان وقتوں سے اگر ۱۲ منٹ کم کر دیں تو اصل وقت بریلی کا ہوگا۔

رامپور و دیگر بلاد کے لیے بھی یہ نقشہ بحسب زیادتی یا کمی وقت بریلی موافق نقشہ جات رمضان المبارک معدل کر لینے سے ایک زمانہ تک کے لیے ابتدائی وقت ظہر معلوم کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہوگا۔ نماز ظہر میں گھڑیوں میں ۱۲ بجے کا کچھ اعتبار نہیں مگر نصف النہار کے بعد نماز ہوگی اور قبل پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ ۲۸ نومبر کو بریلی میں ریلوے ٹائم سے ٹھیک بارہ بجے نصف النہار ہے پھر بعد کو ہوا کرے گا۔ یہاں تک یکم فروری کو ۱۲ ت ۲۶ منٹ پر ہو کر گھٹنا شروع ہوگا۔ حتّٰی کہ ۸ مئی کو ۱۲ ت ۸ منٹ پر ہوگا۔ پھر گھٹتے گھٹتے ۷ راکتوبر کو ٹھیک ۱۲ بجے ہو کر گھٹتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲ بجے سے پہلے وقت ہو جائے گا یہاں تک کہ ۲۴ اکتوبر کو منتہائی نقصان ۱۱ ت ۵۶ منٹ پر آکر بڑھنا شروع ہوگا اور ۲۸ نومبر کو پھر ٹھیک ۱۲ بجے زوال ہوگا تو ۷ راکتوبر سے ۲۸ نومبر تک جس شخص نے ٹھیک ۱۲ بجے یا کچھ پہلے مگر نصف النہار کے بعد نماز پڑھ لی نماز ہوگی جس نے وقت سے پہلے پڑھی اس کی نہ ہوئی۔

سوال: آجکل عموماً بہت لوگ مساجد میں دنیوی باتیں کرنے بلکہ بعض بعض بے باک تو قہقہہ آپس میں دل لگی کرتے ہیں اور کوئی مسجد کا ادب نہیں سمجھتے کہ یہ خانہ خدا ہے ان کے واسطے کیا حکم ہے اور مسجد میں باتیں کرنے کی مذمت اور چپ چاپ رہنے کی بھلائی معہ حدیث شریف بیان فرمائی جائے تاکہ ایسے لوگ عبرت حاصل کریں۔

ارشاد: مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو ایسا کھاتی ہیں جیسا آگ لکڑی کو اور مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیری لاتا ہے اس کی حدیثیں بارہا بیان ہوئیں مگر کون سنتا ہے اللہ ہدایت دے۔

سوال: نیاز اور فاتحہ میں کیا فرق ہے اور نیاز فاتحہ کے دینے کا مستحب طریقہ اور یہ کہ جس کی نیاز یا فاتحہ دلائی جائے اس کو ثواب کس طرح سے پہونچائے اور سوائے اس کے اور مسلمانوں کو کس طرح کہہ کر ثواب پہونچائے۔ .. محبین

ارشاد: مسلمان کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے وغیرہ کے ساتھ پہو عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اولیاء کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ و آیت الکرسی اور تین بار یا سات بار یا گیارہ بار سورہ اخلاص اول و آخر ۳ ر ۳ بار یا زائد بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کریں کہ الٰہی میرے اس پڑھنے اور کھانا کپڑا جو بھی ہوں تو ان کے نام بھی شامل کرلے اور اس پڑھنے اور ان چیزوں کے دینے پر جو ثواب مجھے عطا ہو اسے میرے عمل کے لائق نہ دے اپنے کرم کے لائق عطا فرما اور اسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہونچا اور ان کے آباء کرام اور مشائخ عظام و اولاد امجاد و مریدین و اور میرے باپ ماں اور فلاں اور فلاں اور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جتنے مسلمان ہو گزرے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے سب کو

سوال: بعض لوگ بعد دفن میت کے حافظ قرآن کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم و بیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں پس اس طرح کی اجرت دیکر قبروں پر پڑھوانا چاہیئے یا نہیں۔

ارشاد: تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب پہونچے اس کا طریقہ یہ ہے حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کاج کیلئے نوکر رکھ لیں پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ کر آیا کرو یہ جائز ہے۔

سوال: جس جانور کو ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی پہلی دفعہ میں اس کی گردن اس کے جسم سے علیحدہ ہوگئی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کی کھال اس کے سر سے کچھ لگی رہی تو کیا حکم ہے۔

ارشاد: دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

سوال: جس شخص کے ذمہ نماز قضا دس یا بارہ یا چودہ سال کی ہو وہ شخص کس طریقہ سے نماز قضا پھیرے جو طریقہ آسان ہو اور تمام فرمایئے مع نیت ادا و ذکر کے کہ نماز وتر پڑھی جائے گی یا نہیں جواب عام فہم ہو۔

ارشاد: قضا ہر روز کی نماز کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں دو فرض فجر کی چار ظہر، چار عصر تین مغرب چار عشاء کے اور تین وتر اور قضا میں یوں نیت کرنی ضروری ہے نیت کی میں نے سب میں پہلی بار یا سب میں پچھلی فجر کی جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی یا پچھلی ظہر کی جو مجھ سے قضا ہوئی اور ابھی تک میں نے اسے ادا نہ کیا اس طرح ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نمازیں کثرت سے ہیں وہ آسانی کیلئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہیئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہونچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس رکوع سے سر اٹھائے اس طرح سجدہ میں ایک تخفیف کثرت قضا والے کے لئے یہ ہو سکتی ہے۔ دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط سبحٰن اللہ تین بار کہہ کر رکوع کرے مگر وتروں کی تینوں رکعت میں الحمد اور سورۃ دونوں ضرور پڑھی جائیں تیسری تخفیف یہ کہ پچھلی التحیات کے بعد دونوں درود دوں اور دعا کی جگہ صرف اللھم صل علی محمد و آلہ کہہ کر سلام پھیر دے۔ چوتھی تخفیف یہ کہ وتروں کی تیسری رکعت میں دعا قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار رب اغفرلی کہے۔

سوال: مردہ کے نام کا کھانا جو امیر و غریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہیئے اور کس کو نہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ مردہ کے نام کا کھانا مصلی امیر غریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔

ارشاد: مردہ کا کھانا صرف فقراء کیلئے عام طور پر دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات۔

امام احمد رضا اور سراج الفقہاء

قدوۃ الفضلاء سراج الفقہاء بیان فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی میں یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھا دی گئی تھی کہ! مولانا احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہ العزیز) کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔ ان کی تصنیفات کو علم و تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا وہ تو صرف چند مروّجہ رسومات و بدعات کے مجوّز ہیں۔ ان کی علمیت کا مدار یہی امور ہیں اور ان کی تصنیفات صرف میلاد، قیام میلاد، فاتحہ، عرس، گیارہویں، نذر و نیاز اور نداء غیر اللہ وغیرہ "امور بدعیہ" سے متعلق ہیں۔ چنانچہ عام طلبہ کی طرح میں بھی ان کے نام تک سے متنفر تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے ان کے تبحّر علمی کی باتیں سُن رکھی تھیں جنھیں ہمارے حلقے میں مریدین کی عقیدت اور غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عنایت شامل حال تھی کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے سراج الفقہاء ایسی شخصیت کے ذہن میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔

"حسن اتفاق سے مجھے رسالۂ میراث کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے (ذوی الارحام کی صنف رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی۔ میں نے اس کے حل کے لیے دیوبند، سہارن پور، دہلی اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلی بخش جواب نہ آیا۔ سب نے "مسامحت" پر ہی اکتفا کیا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیج دیا۔ ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آگیا۔ انھوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے۔

اب آپ حضرت سراج الفقہاء کا استفتاء اور فقیہ اجلّ، اعلیٰ حضرت امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کا وہ انقلاب آفریں نادر و غیر مطبوع فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

بخدمت مجدد مأتہ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیت عند اتحاد الجہۃ سے ترجیح۔ مگر ردالمحتار عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت سے ترجیح منصوص (مذکور) اور قوت قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی صنف رابع میں قاعدہ مفتی بہ تحریر فرما دیں تاکہ رسالہ میں لکھوں۔ بیّنوا توجروا۔

تفصیل سوال از مرتب

ذوی الفروض وہ رشتے دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں ان کی تعداد ۱۲ ہے۔ عصبات وہ رشتے دار ہیں جو ذوی الفروض سے باقی ماندہ مال لیں اور تنہا ہوں تو سب مال لے لیں۔ ذوی الارحام وہ قریبی ہیں جو نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں، چوتھی قسم وہ افراد ہیں جو میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی طرف منسوب ہوں مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور جو افراد ان کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوں۔ سوال مذکور اسی چوتھی قسم کی اولاد میں تقسیم میراث سے متعلق ہے۔

سراجی میں ہے (۱) جو شخص میت کے زیادہ قریب ہو خواہ اس کا تعلق باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے زیادہ حقدار ہے۔

۲۔ کئی شخص قرب میں مساوی ہوں اور حیز قرابت بھی متحد ہو یعنی سب باپ کی طرف سے متعلق ہوں یا سب ماں کی طرف سے تو قوی قرابت والا مستحق ہوگا مثلاً میت کی تین پھوپھیوں کی اولاد تھی۔ ایک پھوپھی اس کے والد کی سگی بہن تھی، دوسری پدری تیسری مادری اگرچہ یہ تمام اولاد درجے میں برابر ہے اور جہت بھی ایک ہے لیکن پہلی پھوپھی کی اولاد کی قرابت قوی ہے اس لیے صرف وہی وارث ہوگی۔

۳۔ کئی شخص قرب درجہ اور قوت میں برابر ہوں جہت بھی ایک ہو تو عصبہ کی اولاد مستحق ہوگی مثلاً سگے چچا کی بیٹی اور سگی پھوپھی کا بیٹا باقی ہو تو کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔

۴۔ چچا اور پھوپھی میں سے کسی ایک کا تعلق قوی ہو تو اس کی اولاد ظاہر الروایۃ میں وارث ہوگی۔ مثلاً پھوپھی باپ کی سگی بہن ہے اور چچا صرف باپ کی طرف سے بھائی ہے تو وراثت پھوپھی کی اولاد کو ملے گی۔ سوال مذکور کے الفاظ "بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیۃ عند اتحاد الجہتہ سے ترجیح" اسی تفصیل کی طرف مشیر ہیں۔

۵۔ متعدد اشخاص قرب درجہ میں مساوی ہوں لیکن ان کی جہت قرابت مختلف ہو یعنی بعض باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں مثلاً چچا کی اولاد، اور بعض ماں کی طرف سے مثلاً ماموں یا خالہ کی اولاد تو "سراجی" کے مطابق "فلا اعتبار لقوۃ القرابۃ ولا لولد العصبۃ فی ظاهر الروایۃ" ص ۷۴ مطبع سعیدی کراچی، یعنی اب نہ تو قوت قرابت کا اعتبار ہے اور نہ ولد عصبہ کا۔

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قول مذکور نقل کر کے فرماتے ہیں۔

لکن ذکر بعدہ فی معراج الدرایۃ عن شمس الائمۃ ان ظاهر الروایۃ ان ولد العصبۃ اولی، اتحد الحیز او اختلف فبنت العم لابوین اولی من بنت الخال وانہ وافقہ التمرتاشی ثم قال وفی ضوء السراج الاخذ بروایۃ شمس الائمۃ اولی اھ (رد المحتار جلد ۵ ص ۵۲۶ مطبع کبری مصر ۱۳۲۶ھ)

معراج الدرایۃ میں شمس الائمہ سے مروی ہے کہ ظاہر الروایہ میں ولد عصبہ اولیٰ ہے جہت متحد ہو یا مختلف لہٰذا سگے چچا کی لڑکی ماموں کی لڑکی سے اولیٰ ہے تمرتاشی نے اس کی موافقت کی۔ ضوء السراج میں ہے کہ شمس الائمہ کی روایت کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔"

اس کے علاوہ علامہ شامی نے اور بہت سی کتابوں کے حوالے ذکر کیے۔

سوال مذکور میں "مگر ردالمحتار میں عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت عصبہ سے ترجیح منصوص" کے الفاظ سے تفصیل سابق کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ شامی نے "العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" میں فرمایا

فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمہ ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانہا اقوی فتامل وراجع (ج ۲ ص ۳۴۱)

جس نے ولد عصبہ کو ولد ذی رحم پر ترجیح دی اسے لازم ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دے"۔ سوال مذکور کے الفاظ "اور قوت قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی" کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

یہاں دو مسئلے ہیں اول بحالت اختلاف حیز بھی ولد وارث کو ترجیح ہے یا نہیں۔ دوم اگر ہے تو قوت قرابت مرجح ہے یا نہیں مسئلہ اولی کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاوی خیریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ فرمایا گیا اور ترجیح متون کی التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات تو معتمد یہی ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریۃ سائل فاضل ہداہ اللہ تعالی کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا۔ اس کی عبارات تمامہا عقود میں منقول ہیں۔ ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیئہ نے ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی وصاحب ہدایہ ومتن کنز وملتقی واکثر شرح کنز وہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لیے ہے علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اس کو اختیار کیا۔

اقول اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس ادرنہ نے اپنی کتاب "حل المشکلات" تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام" اھ بالتلخیص۔ (سگے چچا کی بیٹی کو ۲/۳ اور (والدہ کے مادرزاد بھائی) ماموں کی بیٹی کو ۱/۳ دیا جائے گا۔ کیونکہ والد اور والدہ کے فریقین میں قرابت کی قوت اور ولد عصبہ ہونا معتبر نہیں۔)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجات حسین بن عبد الواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ وزبدۃ الفرائض مولوی عبد الباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اسی طرف ہی جاتا چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے۔ اول کی عبارت یہ ہے

وان کان واسطۃ قرابتہم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام ولا اعتبار لقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ "(اگر قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی باپ کی قرابت کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت کو دیا جائے گا قوت قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہیں۔)

عبارت دوم کی یہ ہے واگر ہم بدرجۂ قرابت برابر باشند در حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اب بوند وبعض از جانب ام دریں ہنگام در ظاہر الروایت مر قوت قرابت وولد عصبہ را اختیار نہ باشد پس ولد عم اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی، اخیافی اولی نبود کہ ترقی قرابت، وولد عم را اعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولی نباشد کہ ولد عصبہ

را اعتبار نیست بر قیاس آنکه عمہ اعیانی از خالہ علاتی یا اخیافی اولیٰ نبود باوجود آنکہ عمہ اعیانی ذو قرابتین است۔ و ولد وارث از جہتین اب و اُم ؔزیرا کہ پدر او جدؔ صحیح است۔ ام او جدہ صحیحہ است۔"

اسے ظاہر الروایۃ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ مدقق علائی نے درمختار میں اس کو مختار رکھا یوں کہ قول متن "و اذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث" میں و اتحد الجہۃ کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا فلو اختلف فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث۔" علامہ سید محمد مصری طحطاوی نے اِسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ ان اختلف حینئذ لقرابۃ فلا عبرۃ للاقوی ولا لولد العصبۃ"؛ علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقیٰ پر تقریر کی۔

یہ عبارات ہیں جو اس قول پر نظرِ حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔ فاقول ظاہر عبارت خیر یہ ہے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ وکنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقیٰ و سراجیہ اس پر ہیں فلہذا علامہ حامد آفندی نے اِسے مسئلہ متون قرار دیا۔ مگر اولاً وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے۔ ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہے ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ہذا ظاہر الروایۃ کما فی السراجیۃ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الہدایۃ۔

ثانیاً شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی و عنایہ امام اکمل و بنایہ امام عینی و غایۃ البیان اتقانی و نتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہے۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔ غالباً یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر خلاف فرما دیا تو ظاہراً اغلب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثالثاً کنز کی عبارت یہ ہے۔ "و ذو رحم وھو قریب لیس بذی سہم و عصبۃ (الی ان قال) و ترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثاً وعند اختلاف جہۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام۔" ذو رحم وہ قریبی ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو ان کی ترتیب عصبات کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ سے ہوگی پھر اصل کے وارث ہونے سے اور جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا۔) حضرت شامی نے اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اس بنا پر اِسے متون و شروح کی طرف نسبت کیا جانا بتایا ہے۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفاً ہے۔" وھو ظاہر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جہۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ"

اقول یہ جملہ دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف و احوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے ورنہ اختلاف کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے۔ و علی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف و اتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق کے معارض ہے۔

رابعاً مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں۔ "اذا استوی وارثان فی درجۃ واحدۃ فاولٰھم من ادلی بوارث واقربھم اولی من ابعدھم۔" (جب دو قریبی ایک درجہ

میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے (میت کی طرف) منسوب ہونے والا اولیٰ ہوگا اور (ذوی الارحام) میں سے اقرب کو العدپر ترجیح ہو گی)

خامسًا اسی طرح متن تنویر الابصار میں تمام اقسام ذکر کر کے فرمایا واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث واذا اختلف الفروع والاصول اعتبر محمد فی ذالک الاصول وقسم علیہم اثلا ثاالخ اس نے بھی صاف کر دیا کہ بعد استواء درجہ تقدم ولدِ وارث کا حکم عام ہے اس کے بعد مسئلہ اختلافِ جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ والوثتہ یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری، کنز و تنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی ومنظور افادۂ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (جہت) سے خاص ھکذا ینبغی ان یفھم کلام الکرام۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ” واذا استووا فی درجۃ “ کے بعد درمختار کا ہ واتحدت الجھتہ“ زائد کرنا قول اول کی طرف انکا میل خلاف متن ہے۔

سادسًا ہدایہ، وقایہ، نقایہ واصلاح عزران تینوں میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں۔ قدوری، کنز، تنویر کا حال معلوم ہوا، سراجیہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں۔ اس کا مرتبہ فتوٰی غایت درجہ شرح کا ہے جیسے منیہ و اشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاوٰی ہیں کما بیناہ فی فتاوانا متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ نے حفظ مذہب کے لئے لکھے جیسے مختصرات طحاوی و کرخی و قدوری۔ سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ محض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے ” ان المصنف لما خرج من فرغانۃ الی بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبۃ الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین واستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحا لھا“ مصنف جب فرغانہ سے بخارا گئے وہاں دو ورق میں ” فرائض “ قاضی علاء الدین سمرقندی پائے۔ مصنف نے انھیں پسند کیا اور ان کی شرح کے طور پر سراجی لکھنا شروع کی (باب ذوی الارحام شریفیہ شرح سراجی ص۱۰۹ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۹۰۵ء) تو نہ رہی مگر ایک ملتقی اس میں بے شک یہ قول مصرح ہے حیث قال ” یرجحون بقرب الدرجۃ ثم بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثًا عند اتحاد الجھتہ “ تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی پر ہی ہیں۔

سابعًا۔ شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا اور شروح کنز نے مسئلہ متن مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہو گیا وللہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی فتاوٰی امام تمرتاشی و مجمع الفتاوٰی و فتاوٰی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ و مذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصر و تاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے علیہ الفتوٰی، جامع المضمرات میں ہے ہو الصحیح، معراج الدرایۃ میں ہے ہو الاولی بالاخذ، علامہ محقق خیر الدین رملی نے اس پر فتوٰی دیا۔

اقول بلکہ مبسوط امام سرخسی جلد ثلاثین ص۷ میں ہے:-

” اجمعنا انہ لو کان احد ھما ولد عصبۃ او صاحب فرض کان اولی من الاخر انتھی (ای یقدم علی من لیس بعصبۃ ولا صاحب فرض)

اور پھر مبسوط امام سرخسی اس کا فی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انھوں نے تمام کتب ظاہر الروایۃ کو جمع فرمایا ہے۔ اس میں انہوں نے صرف ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی

طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے۔

ان کان احدھما ولد عصبۃ او ولد صاحب فرض فعند اتحاد الجھۃ یقدم ولد العصبۃ وصاحب الفرض وعند اختلاف الجھۃ لا یقع الترجیح بھذا بل تعتبر المساواۃ فی الاتصال بالمیت وبیانہ فیما اذا ترک ابنۃ عم لاب وام اولاب ابنۃ عمۃ فالمال کلہ لابنۃ العم لانھا ولد عصبۃ ولو ترک ابنۃ عم وابنۃ خال او خالۃ فلابنۃ العم الثلثان ولابنۃ الخال او الخالۃ الثلث لان الجھۃ مختلفۃ ھٰھنا ولا یترجح احدھما بکون ولد عصبۃ وھذا فی روایۃ ابی عمران عن ابی یوسف فاما فی ظاھر المذھب ولد العصبۃ اولی سواء اختلفت الجھۃ او اتحدت لان ولد العصبۃ اقرب اتصالا بوارث المیت فکان اقرب اتصالا بالمیت۔

فان قیل فعلی ھذا ینبغی ان العمۃ تکون احق بجمیع المال من الخالۃ لان العمۃ ولد العصبۃ وھو اب الاب والخالۃ لیست ولد عصبۃ ولا ولد صاحب فرض لانھا ولد اب الام قلنا لا کذالک فان الخالۃ ولد ام الام وھی صاحبۃ فرض فمن ھذہ الجھۃ یتحقق المساواۃ بینھما فی الاتصال بوارث المیت الا ان اتصال الخالۃ بوارث ھو ام فتستحق فریضۃ الام واتصال العمۃ بوارث ھو اب فتستحق نصیب الاب فلھذا کان المال بینھما اثلاثا۔

(اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو تقدیم حاصل ہوگی۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوی معتبر ہوں گے مثلاً ایک شخص سگے چچا یا علاتی چچا (باپ کے پدری بھائی) کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا، تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے اور اگر ایک چچا کی بیٹی اور ایک ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ گیا تو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی کو ایک تہائی ملے گا۔ کیونکہ یہاں جہت مختلف ہے دونوں میں سے ایک کو ولد عصبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔ یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ابو عمران کی روایت ہے لیکن ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد کیونکہ ولد عصبہ کا میت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔

سوال اس بنا پر چاہیئے کہ پھوپھی خالہ کی نسبت تمام مال کی زیادہ حق دار ہو کیونکہ پھوپھی دادا ایسے عصبہ کی اولاد ہے جب کہ خالہ نہ عصبہ کی اولاد ہے نہ صاحب فرض کی کیوں کہ وہ نانا کی اولاد ہے۔ جواب اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اور وہ ذات فرض ہے۔ اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے۔ وہ ماں (نانی) ہے لہٰذا ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا تعلق اس وارث کے ذریعہ ہے جو باپ (دادا) لہٰذا باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لیئے ان میں مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (دو حصے پھوپھی کے لیئے ایک حصہ خالہ کے لیئے) بعینہٖ یہی مضمون تمام تکملۂ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ اتصالا بالمیت تک اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول کے جواب کا بھی افادہ فرمایا۔

اقول ولا یقدح مع تحقق المساواۃ ان العمۃ اذا کانت لاب وام کانت ولد الوارث من کلا الجھتین ویستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولا نظر الیھا عند اختلاف الحیز کما مر جوابہ

قاطبۃً نعم رأیتنی کتبت علی ہامش تکملۃ البحر ما نصہ۔

اقول لا یتمشّٰی اذا کانت الخالۃ اخت الام لا ب فانہا لاحظّ لہا من ولدیۃ وارث اصلا لا یقال انہا اقوی من الخالۃ لام فاذا مات عن خالۃ لاب واخری لام احرزت الاولی جمیع المال ولاشیئ للاخری والخالۃ لام لایحجبہا العمۃ لاستوائہما معہا فی ولدیۃ الوارث فاذا لم تحجب الاضعف وجب ان لا تحجب الاقوی لانی اقول انما قوتہا قوۃ قرابتہا فان الانتماء بالاب اقوی من الانتماء بالام وھذہ قوۃ لا نظر الیہا عند اختلاف الجہۃ فتبقی ولدیۃ العمۃ للوارث قوۃً بلامعارض فیلزم ان تحجب الخالۃ لاب وھو باطل فعلم ان ولدیۃ الوارث ایضا لاتلاحظ فی الجہات المختلفۃ۔

اقول وباللّٰہ التوفیق توریث الخالۃ مع العمۃ اثلاثا عند الفقہاء رحمہم اللّٰہ تعالٰی لاقامۃ العمۃ مقام العم والخالۃ مکان الام قال شمس الائمۃ اعلم بان العمۃ بمنزلۃ العم والخالۃ بمنزلۃ الام وقال اھل التنزیل العم بمنزلۃ الاب والخالۃ بمنزلۃ الام ووجہ قولہم ان الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم اجتمعوا علی ان للعمۃ الثلثین وللخالۃ الثلث اذا اجتمعتا ولا وجہ لذالک الا بان یجعل العمۃ کالاب باعتبار ان قرابتہا قرابۃ الاب والخالۃ کالام باعتبار ان قرابتہا قرابۃ الام وجہ قول علمائنا ان الاصل ان الانثی متی اقیمت مقام ذکر فانہا تقوم مقام ذکر فی درجتہا۔ والذکر الذی فی درجتہا ھو العم وھو الوارث فتجعل العمۃ بمنزلۃ العم۔ والخالۃ لو اقیمت مقام ذکر فی درجتہا وھو الخال لم ترث مع العمۃ فلھذہ الضرورۃ اقمناہا مقام الام فالعمۃ ترث الثلثین والخالۃ الثلث بھذا الطریق بمنزلۃ ما لو ترک اُمًا وعمًا (مختصرًا) فاذا کان الامر علی ھذا اسقط تقدم العمۃ لولدیۃ العصبۃ فانہا قد اقیمت مقام العصبۃ فضلًا علی الولدیۃ ولم تحجب الخالۃ لاقامتہا مقام الام والام لا تحجب بالعم وفی ھذہ الحالات کلھن سواء قدرأینا ان مثل الاقامۃ تمنع الحجب بما ھو اقوی اسبابہ وھو اقرب درجۃ الا تری ان من خلف بنتا وبنات ابن فلھن السدس تکملۃ للثلثین لاقامتھن مقام البنت لا یحجبھن بعد درجتھن عن درجۃ البنت وکذالک اذا مات عن بنتین وبنت ابنٍ و بنت ابن ابن وابن ابن ابن لانہما اقیمتا فی درجۃ الذکر کی تتعصب بہ فھذا ھو السرّ فی وراثۃ الخالۃ لاب مع العمات واللّٰہ تعالٰی اعلم ثم اقول لایذھبن عنک ان ھذہ الاقامۃ تقتصر علی الذات ولا تتعدی الی الاولاد فاولاد الخالۃ لا یجعلون کاولاد الام الا تری ان ذکورھم لایساوون اناثھم بل للذکر مثل حظ الانثیین وھذا کولدیۃ العصبۃ لاتسری من الولد الی ولد الولد کما فی ردالمحتار وغیرہ عن سکب الانہر وغیرہ فابن بنت العم لا یقدم علی بنت ابن العمۃ او الخال او الخالۃ فاحفظ۔

(اقول مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ سگی پھوپھی دو جہتوں سے وارث (دادا اور دادی) کی اولاد ہے یہ بات خالہ میں نہیں ہو سکتی (کیونکہ وہ صرف ایک وارث نانی کی اولاد ہے) اس لیے کہ یہ قوت قرابت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمام ارباب فرائض نے تصریح کی۔ میں نے تکملۃ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ

اقول یہ جواب اس وقت نہیں بن سکتا جب خالہ ماں کے والد کی طرف سے بہن ہو کیونکہ وہ قطعًا وارث کی اولاد نہیں

(لہٰذا پھوپھی کے مقابل یہ خالہ محروم ہونی چاہیے)

سوال :- یہ خالہ اس خالہ سے اقوی ہے جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی دو خالائیں چھوڑ کر فوت ہو جائے تو تمام مال پہلی کو ملے گا اور دوسری محروم ہوگی۔ پھوپھی دوسری خالہ کو محروم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ولد وارث ہونے میں شریک ہے۔ پھوپھی جب اضعف کو محروم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ اقوی (پہلی خالہ) کو بھی محروم نہ کرے۔

جواب :- پہلی خالہ کی قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے منسوب ہونا ماں کے توسط سے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا پھوپھی کے ولد وارث ہونے والی قوت معارض کے بغیر باقی رہے گی اور لازم آئے گا کہ پھوپھی خالہ کو محروم کر دے حالانکہ یہ غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ جہات مختلفہ میں ولدیت وارث بھی معتبر نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لیے تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماموں کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔ شمس الائمہ نے فرمایا کہ پھوپھی چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے اور اہل التنزیل نے کہا چچا بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہ بھی کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت کے نزدیک اجتماع کے وقت پھوپھی کے لیے دو تہائی اور خالہ کے لیے ایک تہائی۔ اس کی وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ پھوپھی کو باپ کی طرح قرار دیا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ سے ہے اور خالہ کو ماں کی طرح کہ اس کی قرابت ماں سے ہے۔ ہمارے علماء کے قول (کہ خالہ ماں کی طرح ہے) کی وجہ یہ ہے کہ قاعدے کی مدد سے عورت کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیا جائے تو اپنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کو ہم مرتبہ مرد ماموں کے قائم مقام کیا جائے تو پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی۔ اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا۔ لہٰذا اس طریقے سے پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی مال ملے گا۔ جیسا کہ ماں اور چچا وارث ہوتے (مختصراً) جب معاملہ اس طرح ہے تو پھوپھی کو ولدیت عصبہ کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اسے ولدیت کی بجائے عصبہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ خالہ کو ماں کی جگہ رکھا گیا ہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اقامت کی وجہ سے قرب درجہ ایسا قوی سبب بھی محروم نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص ایک لڑکی اور چند پوتیاں چھوڑ گیا (نصف مال لڑکی کو) اور چھٹا حصہ پوتیوں کو ملے گا تاکہ دو ثلث پورے ہو جائیں کیونکہ انہیں لڑکی کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ لڑکی کے درجے سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو لڑکیاں ایک پوتی اور ایک پوتے کی لڑکی اور ایک پوتے کا لڑکا چھوڑ گیا۔ پوتی اور پوتے کی لڑکی کو مرد کے درجے میں رکھا جائیگا تاکہ اس کے ذریعے عصبہ بن جائیں یہی وجہ ہے کہ خالہ (ماں کی سوتیلی بہن باپ کی طرف سے) پھوپھی کے ساتھ وارث بنتی ہے۔

ثم اقول ـ قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہوگا۔ اولاد کا یہ حکم نہیں ہے چنانچہ خالہ کی اولاد، ماں کی اولاد کی طرح نہیں ہوگی۔ دیکھئے خالہ کی اولاد میں مرد اور عورتیں برابر نہیں بلکہ مرد کو عورت کی نسبت دو گنا حصہ ملے گا (جب کہ اولاد ام میں مذکر و مونث برابر ہوتے ہیں) اس کی مثال ولدیت عصبہ ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل ہوگی جیسے کہ رد المحتار وغیرہ سکب الانہر وغیرہ سے ہے۔ بنابریں چچا کی لڑکی کا لڑکا پھوپھی ماموں یا خالہ کے بیٹے کی بیٹی سے مقدم نہ ہوگا۔

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر روایت اور مذہب فرمایا اور تصریحات صریحہ صرف اسی کیلئے ہیں خصوصاً اکثر تصحیحات علیہ الفتوی تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط دو ذاہب ، رد محتار و تصحیح علامہ

قاسم ہیں ہے ۔ اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ثانیہ جب کہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتیٰ بہ میں ولدیتِ وارث معتبر ہے۔ آیا قوتِ قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفادِ اطلاقِ روایت بنایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوت قرابت ولدیت وارث سے اقوی ہے۔ جب یہ معتبر ہے تو اس کا اعتبار بدرجۂ اولیٰ ہے۔ عبارتِ عقود سائل فاضل کے پیشِ نظر ہے۔ فقیر نے اپنے نسخۂ عقود پر یہاں پر حاشیہ لکھا ہے۔

قولہ یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا وانھا اقوی اقول قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لا نظر لقوۃ القرابۃ عند اختلاف الحیز فلا تقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لاُم ولا الخالۃ العینیۃ علی العمۃ لاُم۔ وکون قوۃ القرابۃ اقوی من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لا یوجب اعتبارھا عند اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل جریانہ لا یستلزم جریان الاقوی فیہ مع انعدام المحلیۃ لہ۔ والحق ان لا معنی لقوۃ القرابۃ فی حیز الا کون قریب ذا جھتین کالعینی او ذا جھۃ اقوی کالعلاتی مع الاخیافی وظاھر ان اجتماع الجھتین فی حیز لا یلغی الحیز الاٰخر واذا کان نفس احد الحیزا عنی الابوی اقوی من الاٰخر اعنی الامی ثم لم تورث قوتہ الغاء الحیز الاٰخر فکیف تورث قوۃ جھتہ الغاء الاٰخر وتعلیل قوۃ القرابۃ انما ھو فی الحیز الواحد لا تقدیم ذی حیز علی ذی حیز آخر لقوۃ قرابۃ فی حیزہ والا یقدم الحیز الابوی مطلقا علی الامی مطلقا وایضا لو نظر الی قوۃ القرابۃ لعاد نقضا علی المقصود فان الاقوی غیر معتبر عند اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاھرۃ فکیف تعتبرون فیہ الاضعف ویؤول الامر الی الغاء کلا الترجیحین وھو خلاف ما قررتم انہ صحیح مفتی بہ وانما الجواب ما قدمت ان الاقوی لم یعتبر لعدم المحل فلا یلغی الاٰخر مع حصول المحلیۃ وذلک لان ولدیۃ العصبۃ تسقی من العصوبۃ تقضی علی غیرھا مطلقا وان کان من غیر حیزھا کالعم یحجب الخال فکذا ولدیۃ العصبۃ وبھذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقوی کما ذھب الیہ العلامۃ الشامی ووجوب اسقاط الاضعف لسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضروری ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دی جائے جب کہ وہ (ولد عصبہ ہونے سے) زیادہ قوی ہے (عقود) اقول روایاتِ ظاہرہ متفق ہیں کہ اختلاف حیز کے وقت قوت قرابت معتبر نہیں۔ لہٰذا سگی پھوپھی کو اس خالہ پر ترجیح نہ ہوگی جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہے۔ اسی طرح سگی خالہ کو اس پھوپھی پر ترجیح نہیں جو باپ کی ماں کی طرف سے بہن ہے۔ ایک جہت میں قوت قرابت کے ولدیت وارث سے زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلاف جہت کے وقت بھی معتبر ہو کیوں کہ قوت قرابت اس صورت میں ناقابلِ اعتبار ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اضعف اگر بہ محل معتبر ہو تو ضروری نہیں کہ اقوی بے محل بھی معتبر ہو۔

حق یہ ہے کہ ایک جہت میں قوت قرابت کا معنی یہ ہے کہ ایک قریب دو جہتین رکھتا ہو (باپ کی طرف سے بھی متعلق ہو ماں کی طرف سے بھی) جیسے سگا رشتے دار یا ایک قوی جہت رکھتا ہو۔ جیسے باپ کی طرف کا رشتے دار ماں کی طرف کے

رشتے دار سے قوی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک جانب دو جہتوں کا اجتماع دوسری جانب کو محروم نہیں کر سکتا۔ جب باپ جانب قوی ہونے کے باوجود دوسری جانب ماں کو محروم نہیں کرتا تو اس کی جانب سے حاصل ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم کر سکے گی۔ قوت قرابت ایک ایک جانب میں معتبر ہے۔ اس کی وجہ سے ایک جانب کو دوسری جانب پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ باپ کی جانب کو ماں کی جانب پر مطلقاً تقدیم حاصل ہو (وھو باطل) نیز قوت قرابت کا اعتبار مقصود کے لیئے نقصان دہ ہوگا۔ کیونکہ اختلافِ جہت کے وقت تمام روایات ظاہرہ کے مطابق اقوٰی معتبر نہیں۔ تو آپ حضرات اضعف (ولد بنۃ عصبہ) کا کیوں اعتبار کرتے ہیں۔ نتیجتاً دونوں ترجیحیں (قوت قرابت اور ولد عصبہ کے لحاظ سے) لغو ہو جائیں گی۔ اور یہ بات خود تمہاری تقریر کے خلاف ہے (کہ ولد عصبہ کو ترجیح ہے) کہ وہ صحیح اور مفتی بہ ہے جواب وہی ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ اقوی کا اس لیئے اعتبار نہیں کہ اس کا محل نہیں لہٰذا دوسری ترجیح برمحل ہوتے ہوئے لغو نہ ہوگی۔ یہ اس لیئے کہ ولد عصبہ کو عصوبت سے حصہ ملتا ہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقاً ترجیح ہوتی ہے مثلاً چچا (عصبہ ہے) ماموں (غیر عصبہ) کو محروم کر دے گا۔ اسی طرح ولد عصبہ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہو جاتے ہیں۔ (۱) اقوی کا اعتبار ضروری ہے جیسے علامہ شامی نے کہا (۲) اقوی ساقط ہے تو اضعف کا ساقط ہونا ضروری ہے جس طرح ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔

اس حاشیہ نے بحمدہٖ تعالیٰ کشف شبہ کر دیا۔ اس وقت مبسوط شمس الائمہ سرخسی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے۔ بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط کا نص ملخص یہ ہے :۔

«فی ظاھر المذھب ولد العصبۃ اولی سواء اختلفت الجھۃ او اتحدت (الیٰ ان قال) فان کان قوم من ھؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال او الخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام او العمات لام فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا سواء کان من کل جانب ذو قرابتین او من احد الجانبین ذو قرابۃ واحدۃ۔ ثم ما اصاب کل فریق فیما بینھم یترجح جھۃ ذی قرابتین علیٰ ذی قرابۃ واحدۃ»

ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگر ماں کی جانب سے ایک جماعت ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی لڑکیاں، اور ایک جماعت باپ کی طرف سے مثلاً پھوپھیاں یا سوتیلے چچا (باپ کے مادری بھائی) کی لڑکیاں تو مال فریقین میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائیگا۔ (ایک حصہ پہلے فریق کو اور دو حصے دوسرے فریق کو دیئے جائیں گے) خواہ ہر جانب دو دو قرابتیں ہوں یا ایک جانب صرف ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کا حصہ ان میں تقسیم کیا جائے گا ذو قرابتین کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنفِ رابع کا قانون صحیح و معتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابۃ ثم ولد الوارث

وبعد هذه الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم ۔

اقرب بہرحال مقدم ہے پھر اگر جہت مختلف ہو تو ولد وارث کو اور اگر متحد ہو تو اقوی پھر ولد وارث کو ترجیح ہوگی ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا ۔

بحمد ن المصطفیٰ النبیّ الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتبہ

(عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہٗ)

حضرت سراج الفقہاء مولانا سراج احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس جواب کو دیکھنے کے بعد مولانا احمد رضا قدس سرہٗ کے متعلق میرا انداز فکر یکسر بدل گیا ۔ اور ان کے متعلق ذہن میں جماتے ہوئے تمام خیالات کے تار و پود بکھر گئے ۔ ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد و نظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں ۔

اسی دور میں احمد پور کے ایک مشہور فقیہ مولوی نظام الدین سے میری گفتگو ہوئی ۔ یہ مولانا تفقہ میں اپنے ہم عصر علماء سے ممتاز تھے اور کسی کو اپنا ہمسر تصور نہیں کرتے تھے ۔ عقیدہ کے اعتبار سے غیر مقلد تھے ۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے پر گفتگو ہوئی کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہاء پر عمل نہ کرنا چاہیے ۔ اعلیٰ حضرت کے رسالہ " الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی " کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے انھیں سنائے تو کہنے لگے " یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے افسوس کہ میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا " پھر فقہ کے چند مسائل کے جوابات رسالہ رضویہ سے سنائے تو کہنے لگے " علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے " حضرت سراج الفقہاء فرماتے ہیں میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ علامہ شامی کی بحث کو بیان فرما کر اپنی بحث کا اظہار کر کے فرمایا ۔ الحمد للہ میرا فہم ظاہر الروایہ آیا ۔ بقولہ اس وقت میرے پاس مبسوط نہ تھی ۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ صرف اطلاق سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی ۔ وللہ الحمد

ناظرین اب حضرت سراج الفقہاء کے دو مکتوب ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کے خیالات کی واضح نشاندہی ہوتی ہے ۔ یہ دونوں مکتوب مکرمی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ہیں ۔

مکتوب نمبر ا

مکرم و محترم مولانا صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ ملا شکریہ ! اعلیٰ حضرت مجدد مائتہ حاضرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمیت و فقاہت پر مجھ سے مضمون لکھوانا ۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب تک سارے علوم عقلیہ و نقلیہ میں باکمال نہ ہو فقہ میں ناقص ہے اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہر علم میں کمال تھا ۔

مولوی نظام الدین نفیبہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علماء دیوبندی وغیرہ سے (اپنے) آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاوی رشیدیہ کے اس فتوی پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہا پر عمل کرنا نہ چاہیئے۔ میں نے رسالہ "الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی"، مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو کہا یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے۔ افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر بے فیض رہا۔ پھر چند مسائل فقہ کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں۔ یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔

میں اس کے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ شامی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں میں نے جب رسالہ زبدہ سراجیہ فی علم المیراث والمیقات والوصیۃ، تصنیف کیا تو صنف رابع ذوی الارحام میں رسائل میراث جو سراجی کے خوشہ چیں ہیں سب نے لکھا کہ اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت اور ولد بنت عصبہ سے ترجیح نہیں ہے مگر شامی نے فتوی دیا کہ عم عمہ کی جہت سے ولد العصبہ خال خالہ کی جہت والے غیر عصبہ کے ولد کو محروم کرتا ہے۔ علامہ شامی نے العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ،، میں فرمایا جن کے نزدیک ولد عصبہ کو ترجیح ہے انھیں قوت قرابت کو بھی مرجح ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔

اس کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں میں نے استفتاء بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ تنقیح حامدیہ پر میں نے اس کے برخلاف تحقیق لکھی مگر اس وقت مبسوط سرخسی میرے پاس نہ تھی۔ الحمد للہ نص صریح ظاہر الروایہ میری تحقیق کے مطابق اسی میں آئی ہے۔ یہ ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا فرمودہ۔ جس پہ ہر محقق اندازہ لگا سکتا ہے کہ فقاہت میں کتنے رفیع القدر تھے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی ظاہر الروایہ ان کی مؤید تھی۔

آپ نے جس فن میں قلم اٹھایا اس کے ائمہ کو مبہوت کر دیا۔ دیکھو رسالہ "حاجز البحرین" رد نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث رسالہ فوز مبین رد حرکت زمین وغیرہ میں فتوی میراث میں مجھے سائل فاضل ہداہ اللہ کا خطاب دے کر دعا کی جو میری ہدایت کا باعث بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی سے ملی تھی اسی وقت سے جاتی رہی۔ الحمد للہ کل الحمد

مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء

حررہ سراج احمد مکھن بیلوی

مفتی سراج العلوم۔ خان پور

مکتوب ۲

میں نے تصنیف رسالہ کے وقت صنف رابع ذوی الارحام کا مسئلہ جو معرکۃ الآرا تھا ہر ادارہ دیوبند، سہارن پور، دہلی وغیرہ کی طرف ارسال کیا کسی سے جواب حل نہ آیا۔ آخر کار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پتا ان کے رسائل سے معلوم ہوا تو ان کی خدمت میں وہ مسئلہ پیش کیا۔ سبحان اللہ حضرت کی وسعت علم و فہم پر قربان جائیے کہ مسئلہ کا ایسا حل فرمایا کہ تمام اختلافات کتب اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور دیگر فوائد علمیہ کثیرہ پر مشتمل پایا جس سے علمائے متقدمین کی یاد تازہ ہوئی اور قلب کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ وہ مسئلہ ذیل ہے۔

مسئلہ اولی ترجیح ولد العصبۃ عند اختلاف الجہتہ میں دو قول بیان فرما کر قول اول عدم ترجیح کا ظاہر اطلاق متون و شروح ہونا علامہ شامی سے نقل فرمایا کہ کنز کی عبارت والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جہۃ القرابۃ فلقرابۃ

الاب ضعف قرابۃ الام میں جملہ اخیرہ عام ہے کہ ولد عصبہ ہو یا نہ ہو عند اختلاف الجہتہ قرابت اب کو ضعف قرابت ام ہے بقولہ وہو ظاہر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا عند اختلاف جہتہ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ یعنی ترجیح ولد العصبہ کو ہوگی۔ اسی طرح درمختار نے فرمایا لیکن اعلیٰ حضرت نے یوں بیان فرمایا۔ اقول یہ جملہ ان دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے ورنہ اختلاف جہتہ کے وقت قرب درجہ کو بھی ترجیح نہ ہوا اور وہ بالاجماع باطل وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں۔ وہاں بھی اختلاف واتحاد سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق کے معارض ہے۔

مسئلہ ثانیہ میں علامہ شامی کی بحث کو بیان فرماکر اپنی بحث کا اظہار کر کے فرمایا الحمد للہ میرا فہم مطابق ظاہر الروایۃ آیا بقولہ اس وقت میرے پاس مبسوط نہ تھی اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ صرف اطلاق سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی۔ و للہ الحمد۔

نیز ذوی الارحام میں جب تخلیص الطوائف بمع تصحیح مشکل کام تھا۔ میں نے قاعدہ طائفہ بندی کر کے آسان کر دیا۔ جہاں میر سید شریف نے شرح سراجی میں صرف ایک بطن کے اختلاف میں ایسی لغزش کھائی کہ عبارت شرح میں غلط تشریح کی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کمال فہم دیکھو کہ فتاویٰ رضویہ میں بطون کثیرہ کی مثال بمع تخلیص الطوائف تقسیم مع التصحیح کرتے ہوئے جواب نکالا۔ اس کو میں نے اپنے قاعدہ طائفہ بندی سے حل کیا جواب صحیح آیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ کوئی مدعی اس مثال کو بغیر دیکھے میرے قاعدہ طائفہ بندی کے نہیں نکال سکتا۔

افسوس صد افسوس کہ مجھے اعلیٰ حضرت کے وصال سے دو سال پہلے ان کا پتا معلوم ہوا۔ صرف ایک مسئلہ رابع ذوی الارحام مذکور کو حل کرا سکا۔ اور باقی صنف ثانی ذوی الارحام ان سے حل نہ کرا سکا۔ ان کے بعد صنف ثالث کا فتویٰ خود کی تصدیق و تردید کے لیے حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب اور مولانا امجد علی صاحب سے مراسلات کرتا رہا۔ اب تک کوئی جواب حل نہ آیا۔ لہٰذا اپنے رسالہ میراث میں اپنا فتویٰ لکھ کر فلیجر کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ اعلیٰ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا تھا جس پر ان کا فتاویٰ رضویہ شاہد عدل اور برہان قوی ہے۔ آج ہمیں ایسا عالم دین نظر نہیں آتا جس سے ہم علمی الجھن دور کرائیں۔ اب ان کا فتاویٰ رضویہ ہے وہ بھی مکمل نہیں چھپا۔

اگر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی علم حدیث میں وسعت علمی دیکھنی ہو تو رسائل "تقبیل الابہامین" و "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث کے رد میں ملاحظہ کریں جس سے مولوی نذیر حسین طفل مکتب نظر آتا ہے۔ اسی طرح وسعت علمی علوم معقولات فلسفہ، ریاضی وغیرہ میں رسالہ "نزہبین" حرکت زمین کے رد میں دیکھو کہ نظام بطلیموسی فیثاغورسی کی ایسی تطبیق دی کہ نیوٹن جو فلسفۂ حال کا امام مانا جاتا ہے شاگردِ نظر آتا ہے۔

مورخہ ۲۸۔ اپریل ۱۹۶۹ء

سراج احمد مفتی

مدرسہ دار العلوم خان پور۔

امام احمد رضا کی فقاہت

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات　　تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ذیل میں دنیائے اسلام کے بطل جلیل، چودہویں صدی کے مجدد و فقیہہ اعظم یعنی اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے "فقہی مقام" پر کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ آپ سچی توحید و رسالت کے حقیقی علمبردار اور اسلام کی صحیح ترین تصویر یعنی مقدس حنفیت کے سرگرم مبلغ و بیباک ترجمان تھے۔ مگر افسوس کہ سنیوں نے اپنے اس محسن کے علمی کارناموں کو نہ کما حقہٗ محفوظ کیا اور نہ دنیا والوں کو اس نابغۂ عصر کی علمی عظمت سے آشنا کرانے کی زحمت ہی گوارا کی۔ دوسری طرف مخالفین نے اس آسمان علم و عرفان کی طرف دھول اڑانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مذکورہ حقائق کے باوجود اعلیحضرت علیہ الرحمہ کا نام ان کے عظیم علمی کارناموں کی وجہ سے، زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ نے مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی پیوند کاری کرنے والوں سے قلمی جہاد کیا نیز علمائے حق و علمائے سوء میں پہچان کرائی اور ایسے "مصلحین" کے تعاقب میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے جنہوں نے نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور جو بات بات پر سچے اور پکے مسلمانوں کو بھی مشرک اور بدعتی وغیرہ ٹھہراتے رہتے تھے آپ نے براہین قاطعہ سے اُن کے سارے مزعومہ دلائل کے تار پود بکھیر کر رکھ دیے۔

خالقِ کائنات جل جلالہٗ کی صفات کو جب علماء نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ماپنا شروع کر دیا اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات عالیہ کی حدود ایسی متعین کرنے لگے جن کی ایک امتی کہلانے والا ہرگز جسارت نہیں کر سکتا تو اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عَلم بلند کیا اور کسرِ شان کرنے والوں کے دلائل فاسدہ و خیالات کاسدہ کا عمر بھر ردِ بلیغ کرتے رہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی "جرم" ہے۔ جس کی پاداش میں وہ آج تک بعض حلقوں میں سبّ و شتم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

آپ بزرگوں کے اس درجہ مؤدب تھے کہ چھ سال کی عمر میں بغداد شریف کی سمت معلوم ہونے پر، پھر کبھی اس طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔ کسی بزرگ کا نام مناسب القاب اور دعائیہ کلمات کے بغیر کبھی نہ لکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" کہنا غلط بتایا اور سمجھایا کہ درود شریف کا (صلعم۔ ص۔ علیہ) وغیرہ اشارات سے اختصار کرنا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، کے خلاف فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ کے قبیل سے ہونے کی بنا پر دلیل محرومی ہے۔

آپ کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ کی بجائے رضؓ اور دیگر بزرگوں کے ناموں پر

٭رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ رح لکھنا ناپسندیدہ تھا کیونکہ یہ بدعتِ قبیحہ بزرگوں کی شان گھٹانے والوں کی ایجاد ہے۔

اگر آپ فرقِ باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیریں کرنے والوں کا محاسبہ و محاکمہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علماء اس عبقریٔ اسلام کی علمی عظمت کو برملا تسلیم کرتے لیکن کسی بھی مجدد کو ایسی جھوٹی عزت کی کبھی خواہش نہیں ہوتی چونکہ آپ بھی عظمت خداوندی اور ناموسِ مصطفوی ﷺ کے سچے نگہبان تھے اسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی زندہ قوم میں اس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہو جاتا تو وہ قوم اس کے علوم و فنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتی بلکہ تمام دنیا کو اس کے افکار و نظریات پڑھنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی۔ علمائے اہلسنت کی بے حسی کا اندازہ کون کر سکتا ہے جبکہ اس یگانۂ روزگار و نابغۂ عصر کے اکثر علمی شاہکار زیورِ طبع سے محروم اور زینتِ طاق نسیاں بنے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس فقیہ اعظم کے فتاویٰ کی بعض جھلکیاں پیش کرتے ہیں جن سے ان کے فقہی مقام اور درجہ امامت کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔

۱۔ مسئلہ تقبیل الابہامین

۱۳۰۱ھ میں اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت رح سے بایں الفاظ سوال ہوا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ" سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟"

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت کہ آپ کی عمر انتیس ۲۹ سال تھی، ایسا جواب تحریر فرمایا کہ چشمِ فلک نے ایسا جامع جواب اس مسئلے کا نہ دیکھا ہوگا۔ اولاً مقاصد الحسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمۃ، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقایہ، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور تکملہ مجمع بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے اس فعل کا استحباب ثابت کیا۔

اس مسئلہ تقبیل ابہامین میں اعلیحضرت قدس سرہٗ نے علم اصولِ حدیث کو جس طرح بیان کر کے رکھ دیا اور تقبیل ابہامین کے بے جا انکار کرنے والوں کی راہِ فرار بند کی ہے اور انہوں نے اس موضوع پر جو دریا بہائے ہیں اس سے ان کی فضیلت علمی کا صحیح اندازہ، اصل کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے کہ یہ انتیس سالہ مفتی، گویا علم کا ایک بحرِ بیکراں، گلشن مصطفوی ﷺ کا بلبلِ نغمہ خواں اور مخالفین کے حق میں برہانِ الٰہی کی تیغ براں تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ مجددِ دوراں بھی تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

۲۔ سماعِ موتیٰ

بعض علمائے دیوبند نے، اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے اور حنفیت کا دم بھرتے ہوئے معتزلہ کے اتباع میں ادراک و سماع موتیٰ کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں اُن کے ایک مولوی صاحب کا فتویٰ سیدنا اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ امعان سے گزرا۔ بزرگانِ دین کو اینٹ پتھروں کی طرح ٹھہرائے جانے پر مجددِ دین و ملت نے جب کہ آپ کی عمر شریف تینتیس ۳۳ سال تھی ایسا مسکت جواب تحریر فرمایا کہ بزرگانِ دین یعنی اولیائے عظام اور علمائے اسلام کی مقدس ارواح کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اُن کے ناموس کا وہ دفاع کیا کہ مسلمانوں کے گلوں میں احسان کی ہیکلیں ڈال دیں۔ اس معرکۃ الآراء جوابی فتوے کا تاریخی نام "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" ہے۔

اس تحریر پر اہلسنت کے بے مثل مفتی نے تصانیف علمائے اہلسنت کی روشنی میں پینتیس ۳۵ ایسے اعتراضات کئے جو مخالفین کے کسی عالم سے آج تک رفع نہ کئے جا سکے۔ پھر اکابر خاندانِ عزیزی کے اقوال سے ان کے خیالات کا رد کیا

ساتھ ہی منکرین جو "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" سے غلط استدلال کرنے بیٹھ جاتے تھے اُن کے بیانات پر مفصل و مدلل تبصرہ کرکے اُن کے دعوے کو دلیل سے بیگانہ ثابت کیا۔

منکرین سماعِ موتیٰ، مسئلہ یمین کو اپنی ڈھال بناتے تھے لیکن اس وارث علوم پیمبر نے "الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین" کے نام سے جواب دے کر اُسے رسالہ "حیات الموات" کا گویا تکملہ بنا دیا۔ اس میں منکرین کے تمام پیش کردہ دلائل کو دعوے سے لاتعلق ثابت کیا۔ کتب حدیث، فقہ، تفسیر اور اصول کے حوالہ جات کی روشنی میں پچاس سے زائد دلیلوں اور سو سے زائد قاہر اعتراضوں سے وہ ردِّ بلیغ فرمایا کہ لب کشائی کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ الحمد للہ کہ مجدد دین وملت کا یہ مبارک رسالہ اولیائے اکرام کی کرامتوں عظمتوں کا مظہر تقریباً چوراسی سال سے لاجواب ہے اور تاقیامت لاجواب رہے گا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

۳۔ جمع بین الصلوٰتین

۱۳۱۳ھ میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سفر و حضر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غیر مقلد حضرات اِس کے قائل اور عامل ہیں نیز میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ اِس مسئلے پر بحث کی اور حنفی مسلک کو احادیث کے خلاف قرار دیا تھا لہٰذا حضرت فاضل بریلوی نے جبکہ آپ صرف اکتالیس برس کے تھے، محدث کہلانے والے میاں صاحب کے دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھا اور ایسا عالمانہ، مجددانہ رد کیا کہ میاں صاحب اور ان کے تلامذہ میں سے آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان روشن و واضح دلائل کا جواب دے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں یہ مبارک فتویٰ ص۲۰۷ سے ص۳۰۵ تک "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" کے نام سے بڑے سائز کے اٹھانوے۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ نوٹ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نوٹ بالکل نو ایجاد چیز تھی۔ مفتیان عظام سے اِس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تھا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کے مفتیٔ احناف مولانا جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے جزئیہ کا کماحقہ، حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر اَلْعِلْمُ اَمَانَةٌ فِیْ اَعْنَاقِ الْعُلَمَاءِ کہہ کر پیش کیا۔

اعلیٰحضرت کا یہ پوری دنیائے اسلام پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے اِس مسئلے کو اس کی صحیح سورت میں دنیا کے سامنے بدلائل قاہرہ و باہرہ معہ حکم جزئیات واضح فرمایا۔ آپ جب دوسری دفعہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مطہرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں حاضری دے رہے تھے۔ ان دنوں وہاں "الدولۃ المکیہ" کا آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہو چکا تھا۔ آپ کی علمیت کے پیش نظر موقع غنیمت جان کر ایک روز مولٰنا عبداللہ مرداد اور مولٰنا محمد احمد حبلاوی نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کر دیا جس میں بارہ سوالات تھے جو معہ جوابات "کفل الفقیہ الفاہم" کے نام سے شائع ہوئے۔ علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے، پوری دنیائے اسلام کے علمائے اکرام عش عش کر اُٹھے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسے عامل کے فیض سے حصہ پایا۔ ۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو اعلیٰحضرت "کفل الفقیہ" کے بیضہ کی تصحیح کے لیے کتب خانہ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جیّد عالم بیٹھے مسودہ کفل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ (یعنی مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ) جب وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰحضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ

او باع کاغذة بالف یجوز ولا یکرہ"

یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے ۔ تو بھڑک اُٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے "اَیْنَ جَمَالُ ابْنُ عَبْدُ اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا النَّصِّ الصَّرِیْحِ۔ حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے ؟

جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی علیہ الرحمہ مفتی حنفیہ تھے تو اُن سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا ۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے ۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں ۔ موجودہ مفتی حنفیہ مولینا عبداللہ بن صدیق کا اشارہ انھیں کی جانب تھا ۔

سوانح اعلیحضرتؒ امام احمد رضا صفحہ ۲۲)

۵۔ تیمم کی تعریف و ماہیتِ شرعیہ

۱۱۔ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا :۔ "تیمم کی تعریف و ماہیت شرعیہ کیا ہے ؟" علوم شرعیہ کے اس بحر بیکراں نے وہ جواب دیا جو فتاوٰی رضویہ شریف کی جلد اوّل کے صفحہ ۵۸۶ سے صفحہ ۸۵۰ تک جہازی سائز کے (دو سو چونسٹھ) صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے پر دلائل کے انبار ، حوالے قطار اندر قطار ، غرضیکہ علم فقہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے ۔ پہلے تیمم کی سات تعریفیں بیان فرمائیں ۔

مسئلہ تیمم کے متعلق تمام کتب فقہ کی متعلقہ عبارات ، اِن پر سیر حاصل تبصرہ ، اُن کی مطابقت و موافقت دکھانا اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہہ ایسے محققانہ انداز سے کرنا جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سب تائید ربانی کی کرشمہ سازیاں و گہرباریاں ہیں ۔ ائمہ دین و علمائے امت کی متعلقہ جملہ تصریحات کے پیش نظر مفتی نے اپنے کمال اور زور استدلال سے میدانِ فقہ میں نیا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا جس کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ کم ترک الاوّل للاٰخر۔

جلیل القدر فضلاء کی تصانیف میں تیمم صحیح ہونے کے لیئے پانی نہ ملنے کی دس بیس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو مگر دیگر مایۂ ناز کتب میں بھی یکجا ایسے عذر چالیس پچاس سے تجاوز نہ کر سکے لیکن امام اہلسنت فاضل بریلوی کی باری آئی اور آپ نے پانی سے عجز کی صورتیں گنائیں تو ترتیب وار پونے دو سو (۱۷۵) بتائیں والحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔

اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس ایک مسئلہ تیمم میں جس قدر دلائل پیش کئے ، تمام کتب فقہ کی روشنی میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور اس سے جو آپ کی علمیت ثابت ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا کہ بے شک اعلیٰ حضرتؒ مرکزِ دائرہ تحقیق اور اہلِ سنت کے امام ہیں ۔ موافقین و مخالفین کی فقہی تصانیف موجود ہیں اُنہیں سامنے رکھ کر دیکھیے ۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے بغض و عناد کی بنا پر اعلیٰ حضرتؒ کے لیئے کوئی خواہ کچھ بھی کہتا پھرے لیکن اس چودھویں صدی میں کسی عالم کا آپ سے سبقت لے جانا یا مساوی ہونا دور کی بات ہے حقیقتاً کوئی بلحاظ علمیت آپ کی گردِ راہ کو بھی نہ پا سکا ۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ سُنی مسلمان جو امام اہلِ سنّت ، مجدد مائتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلکِ اسلاف کو اپنا کر حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے نئے دینوں گمراہوں کے پھندوں سے بچے ہوئے ہیں ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ

رحمۃ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّاب o وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ o

۶۔ مسئلہ امکانِ کذب

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ) نے معتزلہ، کرامیہ مزداریہ اور ظاہریہ وغیرہ فرقِ ضالّہ کے اتباع میں، امکانِ کذب باری کا نظریہ اپنے رسالہ "یکروزی" میں لکھ کر ایک کفریہ بدعت کو رواج دیا ــــ جو روحِ اسلام اور شریعتِ محمدیہؐ کے بالکل خلاف ہے۔

علمائے اہل سنت اور خاندان عزیزی کے خوشہ چیں اہل علم حضرات نے تصنیف و تالیف اور مباحثوں مناظروں کے ذریعے، مصنف یکروزی اور ان کے ہم خیال علماء کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ یہ نظریہ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نظر آنے لگا اور مکذبین باری تعالیٰ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے زبان و قلم کو روک لیا۔

سالہا سال بعد اگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ) اپنی رسوائے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" میں اس مسئلہ کو دوبارہ زیرِ بحث نہ لاتے اور اس کی علمبرداری نہ کرتے تو یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی اپنے ہندوستانی موجدوں کے ساتھ زندہ درگور ہو گیا ہوتا اور ایک زبردست فتنہ کا دروازہ بند ہو جاتا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس میدان میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ اپنے ایک مہری دستخطی فتوے میں صاف تصریح کر دی کہ وقوعِ کذب کے قائل کو تفسیق و تضلیل سے مامون رکھنا چاہیے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

چونکہ شریعتِ محمدیہؐ میں امکانِ کذب کی قطعاً گنجائش نہیں لہٰذا عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے دینِ مصطفویؐ پر یوں غضب ڈھایا کہ خلفِ وعید کو امکانِ کذب کی نوع ٹھہرایا۔ حالانکہ محققین نے خلفِ وعید کا بھی انکار کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اسے جائز ٹھہرایا ہے وہ اس کا صرف امکان نہیں بلکہ وقوع مانتے ہیں۔ یوں گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان وقوعِ کذبِ باری کے قائل ٹھہرتے ہیں۔

جب یہ نئے مکذبین باری تعالیٰ، شانِ خداوندی میں جھوٹ جیسے عیب کا دھبہ لگا رہے تھے تو چاروں طرف سے علمائے اہلسنت نے ان کا محاسبہ کیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ منکرین تنزیہ و تقدیسِ باری تعالیٰ شانہ، کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ۱۳۰۷ھ میں شہر میرٹھ سے جناب ابو محمد صادق علی مدّاح صاحب نے اس مسئلہ کی صحیح صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے امام اہلسنت مجدّدِ دین و ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفتیٰ بھیجا۔

اُس وقت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی عمر صرف پینتیس ۳۵ سال تھی آپ نے جو معرکۃ الآرا جواب دیا وہ ترانوے ۹۳ سال سے لاجواب اور "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" کے تاریخی نام سے مشہور و معروف ہے جس نے اس خلافِ اسلام عقیدہ کے اگلے پچھلے سارے علمبرداروں کے سب حیلے حوالے ملیا میٹ کر دیئے اور مکذبینِ تقدیسِ باری کے بلند بانگ دعاوی کا شیش محل، اس کے منصۂ شہود پر آتے ہی بلبلے کی طرح مٹ گیا۔

۷۔ فقہ کا مقام

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے نچوڑ کا نام فقہ ہے۔ فقہ پر اُسی کو عبور حاصل ہو سکتا ہے جو تمام اسلامی علوم سے بہرہ مند ہو۔ اگر ایک عالم دین اعلیٰ درجے کا مفسر یا محدّث

ہے۔ تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ بلند پایہ فقیہہ بھی ہو لیکن اس کے برعکس جو بلند پایہ اور وسیع النظر فقیہہ ہے وہ لازمی طور پر بہترین مفسّر، اعلیٰ درجے کا محدث اور لاجواب متکلّم بھی ہوگا۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار سراج امتِ مصطفویؐ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم فقیہی مقام سے کون منکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمیّت کو جملہ ماہرینِ علوم و فنون یعنی علمائے اُمت و سادات ملّت نے سراہا اور آپ کے تاجِ فضیلت کی گواہی دی ہے مثلاً:

۱۔ امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ" یعنی تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچے ہیں۔ (صدقت یا سیدی)

۲۔ خاتم الحفّاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: من مناقب ابی حنیفۃ الّتی انفرد بھا انّہ اول من دون علم الشریعۃ و رتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک ابن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احد" (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہؒ) یعنی امام ابوحنیفہؒ کے اُن خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدوّن کیا اور اسے (ابواب پر) ترتیب دی۔ پھر امام مالک بن انس (رحمۃ اللہ علیہ نے) مؤطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی۔ اِس میدان میں ابوحنیفہؒ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "سبحان اللہ ھو من العلم والورع وایثار الدار الآخرۃ بمحل لا یدرکہ احد (مناقب ابی حنیفہؒ از ذہبی)۔ سبحان اللہ! وہ (امام اعظمؒ) تو علم، ورع اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اِس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

۴۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: "ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ" (مناقب ابی حنیفہؒ از ذہبی) میری آنکھ نے ابوحنیفہؒ کی مثل نہیں دیکھا۔

۵۔ جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی۔ "انہ واللہ لا علم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ وعن رسولہ" (تاریخ امام طحاویؒ) بیشک خدا کی قسم، امام ابوحنیفہؒ اس امت میں خدا اور رسولؐ سے جو کچھ وارد ہوا اُس کے (قرآن و حدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

تمام فقہا و مجتہدین کے بادشاہ، جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ اُن سرمایۂ روزگار ہستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کئے ہیں جو آج آسمانِ علم کے شمس و قمر ہیں۔ ان میں مفسّر، محدث، فقیہہ، جرح و تعدیل کے امام اور عارفِ کامل وغیرہم سب شامل ہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ فقیہہ اعظم ہیں۔ اِسی جامعیت کے پیشِ نظر سب ان کے مدّاح ہیں۔

آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک اُمتِ محمدیہؐ کے اکثر مفسّر، محدث اعظم اور فقیہہ آپ کے ہی خوشہ چین اور مقلد ہیں اور بہت تھوڑے حضرات دیگر ائمہ ثلاثہ کے۔ یہ مدلّل وضاحت محض اس وجہ سے کی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ فقیہہ کا علمی مقام محض ایک مفسّر یا محدث سے بہت بلند ہوتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمیت نیز علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف پر آپ

کا عبور اور زبردست طرزِ استدلال کی ہلکی سی جھلک ان کی صرف چھ تصانیف کی روشنی میں دکھائی ہے۔ ان کے علاوہ اُن کی سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں فتوے اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فقہی مقام حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا کوئی معاصر آپ کا اِس میدان میں مدِّ مقابل نہیں، نہ اِس ملک میں نہ بیرونِ ملک

جن چھ کتب کا اجمالی خاکہ، قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے اُن میں سے حیات الموات، منیر العین اور حاجز البحرین سے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر فی الحدیث کا بخوبی پتا لگ جاتا ہے۔ حیات الموات کے ذریعے منکرین سماعِ موتیٰ کی جہاں ہر ایک دلیل کا مسکت جواب دیا وہاں منیر العین کے ذریعے آپ نے احادیث کو ضعیف ہے ضعیف ہے کی رٹ لگا کر رد کرنے والوں کو بھی ہمیشہ کے لیئے ساکت و صامت کر دیا۔

''حاجز البحرین''، کو پڑھیئے تو غیر مقلدوں کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی بھی اعلیحضرتؒ کے سامنے یوں نظر آرہے ہیں جیسے کوئی چڑیا باز کے پنجوں میں گرفتار ہو۔'' سبحان السبوح '' سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے متکلم تھے۔

''حسن التعمم''، میں جو مسئلہ تیمم کے متعلق متقدمین و متاخرین فقہاء کے اکثر اقوال جمع کر کے فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اُس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ فقہ میں آپ کی پرواز، نادرِ روزگار معاصرین کے فہم و ادراک سے بھی بلند و بالا تھی۔

مکہ مکرمہ کے ایک فاضل جلیل، عالم نبیل، محافظ کتب حرم سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہما نے مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ دیکھ کر فرمایا تھا ''واللہ اقول والحق اقول انہ لو راٰھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ لجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اس فتویٰ کو امام ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اِس مولف (اعلیحضرتؒ) کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ) کے زمرے میں شامل فرماتے۔

ابھی تک ہم نے اِس مقالے میں اعلیحضرت قدس سرہٗ کا تبحر جو ان کی بعض تصانیف سے ظاہر ہو رہا ہے۔ دکھانے کی غرض سے اجمالی خاکہ پیش کیا ہے مگر بتوفیقہٖ تعالیٰ ہم اِس سے آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں یعنی اب دکھانا یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین فقہا کے درمیان اعلیحضرتؒ کا مقام کیا ہے؟ چونکہ یہ مقام بہت اہم اور نازک ہے لہٰذا علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جہاں احقر اپنی علمی بے مائیگی کے سبب ٹھوکر کھا جائے تو اصلاح فرما دیں۔ پہلے فقہ کی تعریف اور فقہا کے درجے بیان کر دینا ضروری ہے۔

فقہ: ''العلم بالاحکام الشرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیہ'' (تنویر الابصار) یعنی احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل سے اخذ کیے گئے ہوں۔

اصول فقہ: ''النظر فی ادلۃ الشریعۃ من حیث توخذ الاحکام والتکالیف'' (مقدمہ ابن خلدون) یعنی دلائل شرعیہ میں اس طرح غور و خوض کرنا کہ اُن کے ذریعے احکام و تکالیف معلوم ہو سکیں۔

فقیہ: ''لیس الفقیہ الا المجتہد عندھم واطلاق علی المقلد الحافظ للمسائل مجازاً'' (ردالمحتار جلد اوّل) یعنی اصولیین کے نزدیک فقیہ بھی مجتہد ہوتا ہے اور مسائل کے یاد کرنے والے مقلد پر فقیہ کا اطلاق مجازی ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ فقہائے کرام کے حسب ذیل چھ۶ طبقے ہیں :

۱۔ **مجتہدین فی الشرع :** جو احکام شرعیہ کی روشنی میں اصول و قواعد مقرر فرماتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ

۲۔ **مجتہدین فی المذہب :** جو اصول و قواعد میں مجتہد فی المذہب کے تابع ہوتے ہیں لیکن استخراج مسائل کی اہلیت رکھنے کے سبب بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کر جاتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ

۳۔ **مجتہدین فی المسائل :** یہ اصول و فروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور کسی مسئلے میں امام کی مخالفت کے مجاز نہیں لیکن جس مسئلے کے متعلق امام کا فیصلہ نہ پایا جائے وہاں اپنے امام کے مقرر کردہ اصول و قواعد کے تحت اُس کا استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ **اصحاب تخریج :** انہیں اصول اور اُس کے قواعد و ضوابط پر تو پورا عبور ہوتا ہے لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس لیے انہیں صرف مجمل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے جیسے جصاص، ابو بکر رازی اور کرخی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۵۔ **اصحاب ترجیح :** یہ حضرات بھی ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بلحاظ قوت دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے صاحب قدوری و صاحب ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ **ممیزین :** یہ حضرات بھی اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں رکھتے۔ ہاں جملہ اقسام کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے اور بلحاظ قوت و صحت کے دلائل میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں جیسے صاحب کنز و صدر الشریعۃ وغیرہ۔

ان مذکورہ چھ۶ طبقوں کے علاوہ باقی سب مقلدین محض ہیں۔ اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ اعلیٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے کس طبقے میں شامل ہیں یا مقلد محض ؟ و باللہ التوفیق۔

۸۔ کتا مثل خنزیر نجس عین ہے یا نہیں ؟

بنارس سے مولوی عبد الحمید صاحب نے کتے کے نجس ہونے نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے تصفیہ طلب کیا۔ فقیہ اعظم کا راہوار قلم ایسا حرکت میں آیا کہ میدان تحقیق میں سرپٹ دوڑتا ہی چلا گیا۔

نفس مسئلہ ابتداء میں یوں بیان فرمایا "فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور (کتا) سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح اصح و معتمد و مؤید بدلائل قرآن و حدیث و مختار ماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ میرٹھ ص۴۹) اس کے بعد بقدر کفایت، احادیث سے دعویٰ کو ثابت کر کے میدانِ فقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ فقہائے قدیم و جدید کی تصانیف سے پچاس متون و شروح، فتاویٰ و مختصر کی عبارتیں نقل فرمایا۔ چونکہ اس مسئلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، لہٰذا فریق ثانی کی طرف توجہ فرمائی اور کشفِ حقائق و شرح دقائق کی غرض سے متعدد کتب کی عبارتوں کو پیش فرما کر مختلف وجوہ سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کیا۔

۹۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

> کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضاؔ
> مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے !

صحیح احادیث کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع، بے ادبی اور خلافِ سنت ہے لیکن بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروی ہے۔ علمائے

کرام نے اِس کی نا دلیلیں کرتے ہوئے مختلف جواب دیے ہیں جو یکجا کرنے پر آٹھ بنتے ہیں۔ اُن جوابات پر امام اہلسنت و جماعت اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح فرمائی۔ ہمیں امید ہے کہ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۱۳۳) کے مطالعہ کے بعد قارئین کے سامنے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمِ حدیث میں وسعتِ نظر صحیح اندازِ فکر اور تائید ربانی کی بھرپور جھلک سامنے آجائیگی۔

۱۰۔ قوانین العلماء

ایک شخص تیمم کرکے نماز پڑھ رہا ہے نماز سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے پانی پر مطلع ہوا۔ اِس مسئلے میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالے کی طرح ڈالی جس کو "قوانین العلماء فی تیمم علم عند زید الماء" کے نام سے موسوم کیا۔ اِس میں علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف سے متعلقہ عبارتیں نقل کرکے اُن کی آپس میں مطابقت اور مخالفت وغیرہ ظاہر کرکے ہر ایک پر مکمل بحث فرمائی اور صدہا امور کا اضافہ فرمایا جن سے تمام مختصر اور مفصل فقہی کتابوں یعنی متون و شروح کا دامن خالی ہے۔

غرضیکہ فضلِ خدا و عطائے مصطفیٰ (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے امام اہل سنت نے میدانِ تحقیق میں وہ بے نظیر کمال دکھایا ہے کہ ایسے چھوٹے سے مسئلہ پر اتنا جامع اور مکمل و مدلل بیان چشمِ فلک نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔

اِس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے نظریات کی جو نشان دہی فرمائی گئی اس کا بیان ضروری نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تیمم کرکے نماز پڑھ رہا ہے دوسرے کے پاس پانی ہے۔ اِس کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا ہے؟ چنانچہ کافی[۱] خانیہ[۲]، خزانۃ المفتین[۳]، نہایہ[۴]، حلبی[۵]، خزانہ اور برجندی میں ہے: "لا یجوز التیمم قبل الطلب" خواہ امید نہ تھی یا بعد نماز طلب کا جواب نفی میں ملا، کسی صورت کا استثنیٰ نہیں کیا۔

علاوہ بریں امام صفا[۸]، قدوری[۹]، ہدایہ[۱۰]، تبیین[۱۱]، منیہ[۱۲]، غنیہ[۱۳] اور ہروی علی الکنز[۱۴] میں ہے۔ صلی بالتیمم قبل الطلب لا یجزیہ" یہ اس سے بھی صریح تر بیان ہوا اسی طرح مبسوط[۱۵]، شرح[۱۶] وقایہ اور جواہر[۱۷] اخلاطی وغیرہ میں ہے: "ان لم یطلب وصلی لم یجز ولفظ الجواھر شرع فی الصلوۃ قبل الطلب لا یجوز" یعنی پانی مانگے بغیر پڑھ لی تو نماز نہ ہوئی۔

مذکورہ احکام کہ نماز نہ ہوئی یا تیمم نہ ہوا، دونوں متحد ہیں کیونکہ تیمم نہ ہونے کی صورت میں بھی نماز نہ ہوتی۔ اِسی طرح حلبہ[۱۸] میں ہے: "لا یصح التیمم الا بعد المنع"

لیکن صحیح، معتمد اور ظاہر الروایۃ وہ حکم ہے جو امامِ اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ تیمم کے تحت زیادات[۱]، جامع کرخی[۲] محیط سرخسی[۳]، خانیہ[۴]، وجیز[۵]، شرح وقایہ[۶]، حلبہ[۷]، عالمگیریہ[۸]، بحر[۹] اور غنیہ[۱۰] کی عبارتوں سے ثابت کیا کہ بطلان نماز کا مذکورہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ صرف غلبۂ ظنِ عطا سے نہ تیمم باطل نہ نماز لیکن اگر بعد میں ظنِ عطا کی خطا ظاہر ہوجائے تو تیمم و نماز دونوں صحیح و تام ہیں۔ اس صریح تعارض کی نشاندہی کرکے مؤخر الذکر حکم کو بدلائل ترجیح دینا اور اوّل الذکر کی محققانہ اصلاح فرمانا صرف اعلیٰحضرتؒ ہی کا حصہ ہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

اس کے بعد اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے قوانین پیش فرمائے جو قابلِ اصلاح تھے۔ مثلاً:

۱۔ سب سے پہلے امام صدر الشریعۃ کا قانون پیش کیا اور اس پر تین وجہ سے کلام کیا۔

۲۔ پھر صاحب بحر الرائق کا قانون نقل کرکے اُس پر گیارہ وجہ سے کلام کیا۔

۳۔ بعدہٗ علامہ حلبی کا قانون پیش کرکے اُس پر نو وجہ سے کلام کیا۔

۴۔ آخر میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "قوانین رضوی" کے عنوان سے اپنا قانون پیش فرمایا کہ دنیائے اسلام کی مایہ ناز علمی ہستیاں انگشت بدنداں رہ گئیں اور شکرِ خدا بجا لائے کہ ایسے عظیم الشان امام کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ اعلیٰحضرت نے اپنے اس قانون کو ۲۲۶ اقسام پر منقسم کیا یعنی بالسوال عطا ۲۴ اور مابدونہ عطا ہوا۔ تو مجموعہ عطا ۵ ہوا۔ بالسوال وعدہ ۷۲ اور مابدونہ وعدہ ۹۶۔
تو مجموعہ وعدہ ۱۶۸ ہوا۔ بالسوال سکوت ۹۹۔ بالسوال منع ۹۹۔ خاموشی مابدونہ ۶۔ جملہ اقسام کا مجموعہ ۲۲۶ ہوا۔ ان سب کو انیس [۱۹] قاعدوں کے تحت دس اقسام میں محصور کر دکھایا۔ (سُبحان اللہ)

۱۱۔ الطلبۃ البدیعہ

اگر کوئی جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے تو ان سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمّم کرے اور وضو اگرچہ مضر نہیں اور اس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت میں بھی اس کی وسعت ہے لیکن اصلاً وضو نہ کرے کیونکہ وہی تیمّم جو جنابت کے لیے کرے گا وہ حدث کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۸۰۴)

امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ میں یوں فرمایا ہے: اذا کان للجنب ما یکفی للوضوء لا للغسل بیتیمم ولا یجب علیہ التوضی عندنا خلافا للشافعی اما اذا کان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضو یجب علیہ الوضو فالتیمّم للجنابۃ بالاتفاق واذا کان للمورث مایکفی لغسل بعض اعضائہ فالخلاف ثابت ایضاً۔ اھ۔

چونکہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے لہذا علمائے مابعد اپنی اپنی تصانیف میں اس پہ بحث کرتے آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا خاتمہ کرنے کی غرض سے ایک رسالہ "الطلبۃ البدیعہ فی قول صدر الشریعۃ" کے نام سے لکھا اور بدائع[۱]، حلبی[۲]، شامی[۳]، ملک العلماء[۴]، کافی[۵]، زیلعی[۶]، فتح[۷]، حلیہ[۸]، بحر[۹]، شرنبلالی[۱۰]، چلپی[۱۱] اور طحاوی وغیرہ متعدد کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو اور وضو کر سکے تو وضو بھی نہ کرے، دونوں کے لیے تیمّم کافی ہے، احناف کا یہی مسلک ہے۔

امام اہلسنت نے اس دعویٰ پر ساٹھ دلائل قائم کیے اور انہیں تبیین الحقائق[۱]، حلیہ[۲]، اختیار شرح مختار[۳]، کنز الدقائق[۴]، تنویر الابصار[۵]، جواہر الفتاویٰ[۶]، نوازل[۷]، خزانۃ المفتیین[۸]، خلاصہ[۹]، کافی[۱۰]، غنیہ[۱۱]، فتح القدیر[۱۲]، شرح نقایہ[۱۳]، برجندی[۱۴]، بحر الرائق[۱۵]، مبسوط[۱۶]، بدائع[۱۷]، درمختار[۱۸] اور ردالمحتار[۱۹] وغیرہ بلکہ خود شرح وقایہ[۲۰] کے متعدد حوالوں سے محققانہ انداز پر جو داد تحقیق دی اور جس جودت طبع کا مظاہرہ کیا وہ صرف اعلیٰحضرت ہی کا حصّہ ہے۔ اس کے بعد مسلک احناف کی تائید میں بعض نصوص پیش کیے۔ پھر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں حضرت صدر الشریعہ کے اس قول پر جو کلام کیا یا تاویلات و توجیہات فرمائی ہیں اُن کو نمبروار نقل کر کے ہر فقیہہ کی بحث اور تاویل و توجیہہ پر تصریحاتِ علمائے کرام اور خود ان ہی کی تصانیف کی روشنی میں کلام کیا ہے۔

جناب مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے اسی قول صدر الشریعہ کی تردید کرتے ہوئے نرالی تحقیق پیش کی جس کا پچیس [۲۵] وجہ سے امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے رد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعۃ کے مذکورہ قول کی صحیح

تاویلات پیش کر کے عبارت کو اس طرح منشرح کیا کہ سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہو۔

فقہائے کرام کے درمیان حضرت صدر الشریعہ کا مذکورہ قول ایک مدت سے موضوع بحث اور ناقابل قبول بنا ہوا تھا لیکن بارگاہ رضوی سے اُس کی وہ محققانہ شرح ہوئی کہ انگشت نمائی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس قول کے اجمال کی وہ تفصیل کی کہ اب یہ احناف کے مفتی بہ مسئلہ کے مطابق ہوگا۔

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں " وھذا کما تری بحمد اللہ تعالیٰ احق باسم الشرح من اسم التاویل اذ لیس فیہ صرف لفظ عن معناہ اصلا وانا جعلہ ہدیۃ لروح الامام صدر الشریعۃ جعلہ اللہ تعالیٰ لاصلاح احوالی ومغفرۃ ذنوبی ذریعۃ "۔ اھ

اس قول کے زیر بحث آنے سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ اعلیحضرتؒ کی خداداد علمیت، محققانہ شان اور تائید ربانی منظر عام پر آگئی۔

۲۔ مذکورہ بحث کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔

۳۔ مذکورہ مسئلہ کی بعض ایسی صورتیں مع احکام بھی مذکور ہوگئیں جن کے بیان سے دیگر فقہی کتابوں کا دامن تہی ہے

۴۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنابت وحدث کی حالت میں تیمم کرنے کی جملہ صورتوں کو سولہ مسائل کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کر دیا جنہیں "ضابطہ رضوی" کے نام سے موسوم کرنا بے جا نہ ہوگا۔

۱۲۔ مسئلہ لمعہ

جنب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہوگیا پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے۔ اب جو پانی ملے اسے وضو اور رفع حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں۔ یہ مسئلہ لمعہ ہے۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وہ تفصیلی تحقیق معہ حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اُس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ملے گا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لمعہ کی صورتیں معہ احکام مندرج ہیں۔ سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں جن کا شمار پندرہ ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے امام اہلسنت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کی شکل میں ظاہر کیا جس نے علیحدہ علیحدہ گن کر لمعہ کی اٹھانویں ۹۸ صورتیں بیان فرمائیں اور ہر ایک صورت کا مدلل شرعی حکم واضح کیا چونکہ بعض صورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے۔ لہٰذا اٹھانویں ۹۸ صورتوں کے احکام کی تعداد تیس ۳۰ بیان فرمائی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے جو اختلافات واضطرابات ہیں۔ متعلقہ عبارتیں نقل کر کے انہیں رفع کیا گیا۔ پھر مصنف نے تمام فقہاء سے بہتر اور جامع اپنا ضابطہ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں جب نجاست حکمیہ اور حقیقیہ کا اجتماع ہو جائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدر کفایت موجود ہو۔ نیز جب حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا اجتماع ہو جائے اور پانی اتنا ہے کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں سے متعلق عبارات علماء نقل کر کے اُن پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ترجیح محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ کے قول کو ہے۔

آخر میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت واقعیہ کا یوں اظہار فرمایا ہے جو خاصہ غور طلب اور فکر انگیز ہے:۔

" الحمد للہ کتاب مستطاب "حسن التعمم لبیان حد التیمم"، مسودہ فقیر سے اٹھارہ جزو سے زاید میں باحسن وجوہ تمام ہوئی

جس میں صد ہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدرجہا وراء ہیں مگر فیضِ قدیر۔ عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اٹھیں ع — ترك الاول للاخر۔

کتنے مسائل جلیلہ معرکۃ الآراء بحمدہٖ تعالیٰ کیسی خوبی و خوش اسلوبی سے طے ہوئے وللہ الحمد۔ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں...... بہرحال جو کچھ ہے میری طاقت سے وراء اور محض فضل میرے ربّ کریم پھر میرے نبی رؤف و رحیم کا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۸۴۹)

۱۳۔ رقّت وسیلان

رقّت وسیلان کی فقہی تعریف اور احکام کے بارے میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "الدّقّۃ والتبیان لعلم الرّقّۃ والسّیلان" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس میں بھی تحقیق کے وہ نرالے جوہر دکھائے گئے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ کو زیربار احسان کر کے دنیائے اسلام کے تمام اہلِ علم حضرات کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس مسئلے کا ایسا محققانہ تفصیلی اور جامع بیان دیگر کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

بخوفِ طوالت ذیل میں ہم صرف اُن امور کے عنوان ہی پیش کرتے ہیں جن پر اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاداتِ علمائے کرام کے تحت معرکۃ الآراء بحث کی ہے۔ معنیٰ طبیعت — پانی کی طبیعت رقّت وسیلان ہے — معنیٰ رقّت وسیلان — مذکورہ امور پر بحث کرنے کے بعد وضاحت سے ثابت کیا کہ رقت دو۲ قسم کی ہوتی ہے:

(۱) رقت بالفعل (۲) رقت بالقوّۃ — پھر ان کے متعلق احکام پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

شرع میں جس حد کی رقّت معتبر ہے اُس کے متعلق عباراتِ علماء تین۳ قسم کی ہیں۔ آپ نے تین مقدمات پیش کر کے اُن عبارتوں کی محققانہ اصلاح فرمائی۔ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مسئلہ کی صورت کو واضح کیا یعنی:

رقیق بے جرم ہے اور کثیف ذی جرم — بے جرم سے مراد — تحقیقِ معنیٔ رقیق — اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رقیق کی جو بے مثل تعریف بیان کی اِس سے علمائے کرام کی کتنی ہی عبارتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ غرضیکہ اس تعریف سے بیس۲۰ فائدے حاصل ہوئے جن کی تفصیل اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

رقّت کا کثافت میں تبدیل ہونا غلبۂ غیر سے ہوتا ہے لیکن — غلبہ کس امر میں مراد ہے — غلبہ اجزاء سے مراد — مذکورہ معانی میں کس کو ترجیح ہے؟۔

تمام اہلِ ضابطہ اور عامۃ الشراح کے ارشادات کی روشنی میں محققانہ و فاضلانہ بحث فرمائی ہے۔

پھر واضح کیا کہ: — طبخ کی حقیقت کیا ہے؟ — طبخ میں منع کس وجہ سے ہے؟ — مختلف کتابوں کی روشنی میں بے مثال تحقیق فرمائی۔

تغیرِ اوصاف کے متعلق متون کی مراد بیان کرنے میں شروح کا اختلاف ہے۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شروح کے بیانات نقل کرنے کے بعد اُن کی اصلاح فرمائی اور متون کی اصل مراد ظاہر کی۔

اظہارِ حقیقت

قارئین کرام! مندرجہ بالا مختصر و تعارفی سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام اہلِ سنّت مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ آسمان فقہ کے مہر درخشاں ہیں یہاں پر یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگرچہ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ امام اعظم، سراج امت محمدیہ،

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن اُن کے بعض فتوے تحقیق وتدقیق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جن سے اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے۔

بعض نئے مسائل یا ایسے مسئلے جن پر تصانیفِ علمائے کرام کے متون و شروح میں تفصیلی بحث نہیں کی گئی جب وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو اِس شان سے دادِ تحقیق دی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح دلائل کو ایک لڑی میں پروتے چلے گئے اور آپ کی تحقیقات کے مطالعہ کے دوران یہ واضح ہوتا ہے کہ جملہ مندرجات ہر وقت پیشِ نظر رہتے تھے اور حل طلب مسائل پر ان سب کی روشنی میں تبصرہ اور بحث فرمائی جاتی تھی۔ جن مسائل یا دلائل میں فقہاء کا اختلاف ہے وہاں مدلل طور پر ایک کی اصلاح اور دوسرے کی ترجیح یا صحت کو ثابت کیا ہے۔

غرضیکہ جب اور جس مسئلہ میں امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم میدانِ تحقیق میں اُترا تو اس کی برق رفتاری اور سلامت روی کے پیشِ نظر آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجیب میں اجتہاد و استنباطِ مسائل کی پوری پوری قدرت تھی اور اس مقام رفیع پر متمکن ہونے کی ان میں بہت حد تک صلاحیت پائی جاتی تھی۔ اگرچہ من کل الوجوہ آپ مجتہد نہیں تھے اور نہ انہیں مجتہد ہونے کا دعویٰ تھا بلکہ وہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل بند سمجھتے تھے۔

امام احمد رضا کا فقہی مقام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مقام پیش کرنا حقیقتاً اُس شخص کا کام ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فقہی کارناموں، آپ کے معاصرین اور متقدمین فقہاء کی کاوشوں پر گہری نظر رکھتا ہو۔ مجھ جیسے ہیچ مداں شخص کو جسے اپنی علمی بے بضاعتی کا مکمل اعتراف ہے۔ اعلیحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فقہی مقام پر لکھنے کا مکلّف کرنا یقیناً زیادتی ہے۔ تاہم محسنِ اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ سے جو مجھے عقیدت و محبّت ہے۔ اس کے اقتضاء نے مجھے یہ جراءت رندانہ عطا کی کہ میں اپنی محبت و عقیدت کو صفحاتِ قرطاس پر پیش کر سکوں۔ اِس مرحلہ پر اگرچہ عقل و خرد روکتی رہی لیکن عشق زنجیروں میں کبھی جکڑا نہیں گیا اور ہوش کا جیب و دامن کبھی شوق کے ہاتھوں سلامت نہیں رہا۔

اعلیحضرت کے فقہی مقام پر کچھ تفویضِ قلم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اختصاراً" اعلیحضرت کا ایک سوانحی خاکہ تحریر کیا جائے پھر فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء کو بیان کیا جائے تاکہ قارئین کرام فقہ اور طبقات فقہا کی روشنی میں اعلیحضرت کی فقہی بصیرت کا اندازہ کر سکیں۔

مختصر سوانح

اعلیحضرت عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء بروز اتوار شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام محمدؐ اور تاریخی نام المختار ہے۔ جدّ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ خود اعلیحضرت نے اپنی ولادت کا سنِ ہجری اِس آیۂ کریمہ سے مستنبط کیا ہے۔ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ط یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی پسندیدہ روح سے انکی مدد فرمائی۔

چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاوّل کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور ایک مجمع عظیم میں میلاد شریف پڑھا۔ اُردو، فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی۔ پھر تمام دینیات کی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا نقی علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مکمل کی۔ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ وغیرہا تمام علوم دینیہ کی تکمیل کر لی۔ اور چودہ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ میں دستارِ فضیلت کو اعزاز بخشا۔ اور اسی دن مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب بالکل صحیح تھا۔ والد صاحب نے جودتِ ذہنی دیکھ کر اسی وقت سے افتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ تمام عمر درس و تدریس، افتاء و تصنیف میں بسر ہوئی۔ رسولُ اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے والہانہ عشق تھا۔ ذکر و فکر کی ہر مجلس میں تصورِ رسالت

سے ذہن شاداب رہتا تھا۔ آپنے دینِ متین کے ہر گوشہ کو محبّتِ رسول میں سمو دیا۔ عشق و محبّت کی پاکیزہ لطافتوں کو جن لوگوں نے بدعت کا نام دیا۔ اُنہیں سُنّت و بدعت کا فرق سمجھایا۔ عظمتِ رسول میں تنقیص کرنے والوں کا عاشقانہ عیرت سے احتساب کیا۔ علم و عمل کے ہر پہلو میں عظمتِ رسول کو اجاگر کیا۔ عرب و عجم کے علماء نے آپ کی تکریم کی۔ ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور شرق و غرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری ہو گیا۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعۃ المبارک دو بج کر ۳۸ منٹ پر آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُدھر موذن نے حیّ علی الفلاح کی صدا بلند کی۔ اِدھر آپ نے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی جس وقت آپ کا وصال ہوا۔ اُسی وقت بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا احمد رضا کا۔

فقہ کی تعریفات اصولیین فقہاء اور متصوفین تینوں طبقوں نے فقہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لیئے یہ تینوں تعریفیں پیش کرتے ہیں۔

اُصولیّین کی تعریف فقہ احکام شرعیّہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو دلائل تفصیلیہ سے مکتسب ہو اور اس تعریف کے اعتبار سے فقہ مجتہدین کا خاصّہ ہے۔

فقہاء کی تعریف فقہ مسائل فرعیّہ کے حفظ کو کہتے ہیں۔ عام ازیں کہ ان مسائل کا اکتساب دلائل تفصیلیّہ سے کیا گیا ہو یا اقوال مجتہدین سے۔ اِس تعریف کے اعتبار سے مقلدین کے علم کو بھی فقہ کہہ سکیں گے۔

متصوفین کی تعریف فقہ دنیا سے اعراض کرنا۔ آخرت کی طرف رغبت کرنا۔ دین پر بصیرت رکھنا۔ عبادت پر مواظبت کرنا اور خلائق کو نصیحت کرنا ہے۔ اِس تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف عالم باعمل اور متقی کامل پر صادق آئے گی۔ (محصل از شامی)

فقہ اصولیین کے آئینہ میں اصولیین کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف صرف مجتہدین پر صادق آتی ہے۔ ہم اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اجتہادِ مطلق کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت کی شخصیت میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ نے بیشمار ایسے قواعد مقرر فرمائے کہ اگر وہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سامنے پیش کیئے جاتے تو وہ یقیناً اُن کی تحسین فرماتے۔ آپ نے متعدد ضوابط ارقام فرمائے۔ جو کتب فقہ میں کہیں نہیں ملتے لیکن ان کا وجود نا گزیر ہے۔ کیونکہ فقہ کی بے شمار جزئیات اپنے انطباق کیلئے ان قواعد و ضوابط کی مرہونِ منت ہیں ہم انشاء اللہ اس مضمون میں ان قواعد و ضوابط کی نشاندہی کریں گے چونکہ اعلیٰحضرت الشاہ احمد رضا خان صاحب نے ان تمام قواعد کا کتاب و سُنّت سے اکتساب کیا ہے۔ اِس لیئے یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت اجتہادی شان کی حامل تھی۔ اور جس شخص نے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی فقہی تحقیقات کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے اِس کے لیئے یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آپ کے سامنے ایسی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جن سے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ عظمت کا اندازہ ہو سکے گا اور آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر ثابت ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن آپ کی تحریروں سے اجتہاد کا رنگ

جھلکتا ہے اور آپ کی تقریروں سے استنباط کی جھلک آتی ہے۔

رنگ اجتہاد عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرض ۱، واجب ۲، مستحب ۳، مباح ۴، حرام ۵، مکروہ تحریمی ۶، مکروہ تنزیہی ۷۔ لیکن اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کی تفصیل ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ **فرض** جس فعل کا لزوم ثبوتاً اور دلالۃً قطعی ہو اور اس کا انکار کفر ہو اور اس کا ترک موجب استحقاق عذاب ہو۔ خواہ ترک دائماً ہو یا نادراً

۲۔ **واجب** جس فعل کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو۔ اس کا انکار کفر نہ ہو لیکن اس کا ترک موجب استحقاقِ عذاب ہو خواہ ترک دائماً ہو یا نادراً۔

۳۔ **سنت مؤکدہ** جس فعل کا تاکد مواظبت رسول سے ثابت ہو۔ اس کا عادۃً ترک کرنا موجب استحقاقِ عذاب ہو اور نادراً ترک کرنا موجب استحقاقِ عتاب خواہ یہ ترک عادۃً ہو یا نادراً۔

۴۔ **سنت غیر مؤکدہ** جس کام کا ترک کرنا موجب استحقاقِ عتاب ہو خواہ ترک کرنا عادۃً ہو یا نادراً۔

۵۔ **مستحب** جس کام کے کرنے پر ثواب ہو۔ اور ترک کرنے پر نہ ثواب ہو نہ عتاب خواہ ترک عادۃً ہو یا نادراً۔

۶۔ **مباح** جس کام کا کرنا نہ کرنا برابر ہو۔ نہ فعل پر عتاب نہ ترک پر خواہ ترک عادۃً ہو یا نادراً

۷۔ **حرام** جس کام سے رکنے کا لزوم ثبوتاً و دلالۃً قطعی ہو۔ اس کا انکار کفر ہو۔ اور اس کا فعل موجب استحقاقِ عذاب ہو۔ خواہ فعل دائماً ہو یا نادراً۔

۸۔ **مکروہ تحریمی** جس کام سے رکنے کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو۔ اس کا انکار کفر نہیں۔ لیکن اس کا فعل موجب استحقاقِ عذاب ہے خواہ فعل دائماً ہو یا نادراً۔

۹۔ **اساءت** جس کام کا عادۃً کرنا موجب استحقاقِ عذاب ہو اور نادراً کرنا موجب عتاب ہو۔

۱۰۔ **مکروہ تنزیہی** جس کام کا کرنا مطلقاً موجب استحقاقِ عتاب ہو۔ خواہ عادۃً کیا جائے یا نادراً۔

۱۱۔ **خلاف اولیٰ** جس کام کا کرنا موجب استحقاقِ ثواب ہو۔ اور نہ کرنا نہ موجب استحقاقِ عذاب ہو نہ عتاب خواہ عادۃً کیا جائے یا نادراً۔

یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزارہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی۔ ضرور ارشاد فرماتے۔ کہ یہ عطر مذہب و طراز مذہب ہے۔ انتہیٰ کلام الشریف

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ صفحہ ۱۷۳ ج اول تا صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح تیمم کے بارے میں اعلیٰحضرت نے تین سو گیارہ امور بیان فرمائے۔ جن میں سے ایک سو اکیاسی سے تیمم جائز ہے اور ان ایک سو اکیاسی ۱۸۱ میں سے چوہتر ۷۴ وہ ہیں جنہیں فقہاء متقدمین نے بیان فرمایا اور ایک سو سات ۱۰۷ وہ ہیں جن کو اعلیٰحضرت نے اپنے اجتہاد سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔ اسی طرح ایک سو تیس ۱۳۰ اشیاء سے تیمم کے

عدم جواز کو بیان فرمایا جنہیں سے اٹھادن اشیاء فقہاء متقدمین نے بیان فرمائی ہیں۔ اور بہتر اشیاء کا عدم جواز اعلیٰحضرت نے اپنے استنباط سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر بیان فرمایا ہے (محصل از فتاوی رضویہ صفحہ ۶۹۲ تا صفحہ ۷۰۱ ج اوّل)

ہم نے یہ دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور وہ بھی انتہائی اختصار اور اجمال کے ساتھ ورنہ فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز کی بارہ ضخیم مجلدات اس قسم کی تحقیقات سے بھری پڑی ہیں، جن کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ اعلیٰحضرت کے دماغ میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجتہدانہ ذہانت ہے۔ آنکھوں میں حضاف کی عنبیاء ہے۔ عقل ابوبکر رازی کی ہے۔ اور حافظہ قاضی خاں کا معلوم ہوتا ہے۔

فقہاء کے پیمانے سے

فقہاء کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف اس شخص پر صادق آتی ہے جسے کم از کم تین فرعی مسائل محفوظ ہوں۔ خواہ اس کے پیش نظر ان مسائل کے دلائل بھی ہوں یا ان کی بناء صرف اقوال مجتہدین پر ہو۔ اس اعتبار سے اعلیٰحضرت کا فقہ میں بہت اونچا مقام ہے۔ تمام مسائل فرعیہ مع دلائل شرعیہ آپ کو ہمیشہ مستحضر رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی فتوی نویسی املا کی صورت میں ہوتی تھی۔ تمام سوالات ایک ہی بار پڑھ کر سنا دیئے جاتے اور پھر آپ ان کا نمبروار جواب لکھواتے (ملخص از دیباچہ فتاوی رضویہ ج سوم صفحہ ق)

مولوی محمد حسین میرٹھی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اعلیٰ حضرت کی عیادت کو گیا۔ آپ بستر علالت پر لیٹے ہوئے تھے اس وقت گرد اگرد چار لکھنے والے بیٹھے ہوئے تھے۔ چاروں نے سوالات سنائے۔ پھر آپ نے چاروں کو بیک وقت جواب املاء کرانا شروع کیے۔ بایں طور کہ ایک جملہ پہلے کے لیے بولتے پھر دوسرے کے لیے پھر تیسرے کے لیے اور پھر چوتھے کے لیے چاروں اپنا اپنا جواب لکھتے رہتے۔ جب تک باقی تینوں کو املاء کراتے۔ پہلا لکھ چکتا۔ پھر اس سے ابتدا فرماتے۔ علیٰ ھذا القیاس چاروں کو بیک وقت جوابات لکھواتے۔ (محصلہ دیباچہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ا ج سوم)

آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بلشمار علمی تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اس میں بے شمار ایسے فتاویٰ موجود ہیں جن میں آپ نے مسئلہ کو نہ صرف دلائل سے مبرہن کیا بلکہ اقوال ائمہ سے بھی مزین کیا۔ مثلاً حرمت سجدہ تحیہ کے ثبوت میں آپ نے متعدد آیات، چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ پیش فرمائی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنے کے جواز پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ اور اس کو دو بابوں میں منقسم فرمایا۔ پہلے باب میں آیات اور ساٹھ ۶۰ حدیثیں نقل فرمائیں۔ اور دوسرے باب میں چوالیس ۴۴ آئمہ اور دو سو اٹھارہ ۲۱۸ حدیثیں ذکر فرمائیں۔ جواز استمداد پر تینتیس ۳۳ حدیثیں اور متعدد اقوال ذکر فرمائے۔ انوار الانتباہ میں ندائے یا رسول اللہ کے جواز پر احادیث کے علاوہ پینسٹھ ۶۵ اقوال علماء سے استشہاد فرمایا۔ غرضیکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جملہ تصنیفات کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ فقہ میں ایک عظیم مقام رکھتے تھے اور آپ نے مسائل کا استنباط اور استخراج دلائل شرعیہ اور اقوال ائمہ سے یکساں طور پر کیا ہے۔

فقہ صوفیہ کے آئینہ میں

متصوفین فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں :۔
دنیا سے اعراض کرنا، آخرت کی طرف رغبت کرنا، دین پر بصیرت رکھنا۔ عبادت پر مداومت کرنا اور خلق خدا کو وعظ و نصیحت کرنا۔ آیئے اب اس تعریف کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت میں عکس فقہ دیکھیے۔

اعراض دنیا اور رغبت آخرت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ، کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر علم و حکمت سے نوازا تھا، اتنا ہی استغناء کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت نام نہاد

علماء اپنے علم و فن کو جنسِ تجارت بنا کر حکامِ برطانیہ سے نذرانے وصول کر رہے تھے۔ اور اہلِ ثروت حضرات سے رابطہ قائم کر کے اپنی تصانیف کو کثیر تعداد میں چھپوا کر اپنے بتدع عقائد کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کی حمیتِ دینی کا یہ عالم تھا کہ حکامِ برطانیہ تو بجائے خود رہے اپنے ہم مسلک اور معتقد نوابوں اور رئیسوں کی مسلسل درخواستوں اور شدید تقاضوں کے باوجود کبھی ان سے ملاقات کے لیئے جانا منظور نہیں کیا اور نہ ہی فرمایا۔

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کے استغناء پر عظیم ترین شہادت یہ ہے کہ آپ کی بے شمار علمی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیاتِ مبارکہ میں طبع نہ ہو سکیں۔ حالانکہ بڑے بڑے رئیس آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ اگر آپ ارکانِ دولت کی طرف ذرا بھی توجہ اور التفات فرماتے تو کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ آپ کی تمام تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوتیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے منصب کے شایانِ شان کوئی وسیع دار العلوم بھی تعمیر نہیں کیا۔ حالانکہ دوسرے فرقہ والوں نے رئیسوں کے تعاون سے قلعہ نما مدارس بنا لیئے۔ کیونکہ اس کام کے لیئے نوابوں اور رئیسوں سے ملاقات، اِن سے مروت و محبت، ان کی خاطر مدارات، عزت و تکریم ضروری ہے اور ان لوگوں میں فساق و فجار اور نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے مزاج و فطرت میں اللہ تعالیٰ نے زہد اور استغناء رکھا تھا۔ آپ سے یہ متصور ہی نہ تھا کہ کسی پاک باز دولت مند کی طرف بھی متوجہ ہوتے۔ چہ جائیکہ ہر کس و ناکس کی طرف مال و دولت ہی ہیں۔ دنیا کی ہر چیز سے آپ کو نفرت تھی اور دنیا کی جس شئے سے بھی آپ کو تعلق یا علاقہ رہا تو وہ دنیا کی وجہ سے نہ تھا بلکہ دین کے سبب سے تھا چنانچہ آپ خود ایک موقعہ پر بطور تحدیث نعمت کے فرماتے ہیں کہ الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لیئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحمی عمل نیک ہے۔ اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضہ ہے (الملفوظ حصہ چہارم ص۲۶)

معلوم ہوا کہ زہد و تقویٰ کو آپ نے اس درجۂ کمال پر پہنچایا کہ وہ آپ کی طبیعت کا مقتضیٰ بن گیا اور جب انسان اپنی طبعی اور جبلی خواہشات کو فنا کر کے انہیں رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے تو اُسے فنا فی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جب رضاءِ الٰہی اعلیٰ حضرت کا اقتضاء بن گئی تو معلوم ہوا کہ آپ کو فنا فی الذات کا مرتبہ حاصل تھا الحمد للہ علیٰ ذالک۔

دین پر بصیرت

دین عقائد اور اعمال کا نام ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان دونوں پر مجددانہ بصیرت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں جن عقائد و اعمال پر زائغین اور مبتدعین کے زیغ و بدعت کی دھند چھا گئی تھی آپ نے علمِ ربانی اور نور یزدانی کی فیض آفرینیوں اور ضیاء پاشیوں سے اس دھند کو زائل کر کے حق کو صیقل کر دیا جس طرح حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فتنۂ اکبری کے قلع قمع کے لیئے چن لیا تھا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے فتنۂ نجدیت کے ابطال کے لیئے منتخب فرما لیا۔ نجدی بدعات سے جو مسائل دھندلا چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کی آب و تاب کو زندہ فرمایا۔ استحالہ کذب باری تعالیٰ سبحانہ، ختم نبوتِ سید المرسلین، فضائل نبوت اور ناموسِ رسالت وغیرہ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں مبتدعین اپنی اہواء باطلہ کا نشانہ بنا رہے تھے اس طوفانِ بد تمیزی میں اعلیٰ حضرت عزتِ دینی کی چٹان بن کر ابھرے اور بدعت کی طوفانی لہروں کا منہ پھیر دیا۔

عقائدِ اسلام کے جو ارکان مرجھا چکے تھے۔ اِن کے احیاء کے لیئے آپ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں اُن میں سے چند یہ ہیں۔

سبحان السبوح، تمہید ایمان، حسام الحرمین، الکوکبۃ الشہابیہ، خالص الاعتقاد، انباء المصطفیٰ، تجلی الیقین، اور اعمالِ صالحہ کے احیاء کے لیئے فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں آپ کی مجددانہ بصیرت پر شاہد عادل ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجددانہ شان کا اندازہ ایک مثال سے کیا جاسکتا ہے کہ امتناع کذب پر تمام متقدمین علماء نے پانچ دلیلیں قائم فرمائیں اور اکیلے اعلیٰ حضرت نے اصل مسئلہ پر پچیس دلیلیں قائم فرمائیں۔ چنانچہ سبحان السبوح ص۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ بتوفیق مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ ان مختصر سطور میں بلحاظ ایجاز کذب باری عزاسمہ کے محال صریح اور توہم امکان کے باطل وقبیح ہونے پر صرف تیس۳۰ دلیلیں ذکر کرتا ہے۔ جن میں خمسہ اولیٰ کلمات طیبات ائمہ کرام، علماء عظام علیہم رحمۃ الملک المنعام میں ارشاد والعلام ہوئیں اور باقی پچیس باری اجل عزوجل کے فیوض ازل سے عبد اذل کے قلب پر القا کی گئیں۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اعلیٰ حضرت کی تمام تحقیقی مجلدات اِس شانِ افادیت سے مالا مال ہیں۔ جب آپ کسی مسئلہ پر رضوی جلال سے مدلل تقریر کرتے یوں معلوم ہوتا کہ دلائل وبراہین کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب ہے۔ جو ہر نقشِ باطل کو مٹاتا چلا جاتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ط

عبادت پر مواظبت

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، باوجود علمی، تبلیغی اور تصنیفی مصروفیات کے عبادت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ آپ نہ صرف فرائض وواجبات بلکہ مستحبات ونوافل وظائف واوراد، ذکر واذکار، بیعت وارشاد تمام شعبہ ہائے عبادت کو محیط تھے۔ بچپن سے زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت کو اِس طرح اختیار فرمالیا تھا۔ کہ تبلیغ واشاعت کی طرح عبادت وریاضت بھی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ چنانچہ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کے تحت اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بحمد اللہ" مجھے بچپن سے دشمنانِ خدا سے نفرت رہی ہے، نہ صرف مجھے بلکہ میرے بچوں کے بچوں کو بھی ان سے عداوت ہے۔ اور اِسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوگیا۔ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ ط بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کیئے جائیں۔ تو خدا کی قسم ایک ٹکڑے پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا ہوگا۔ اور دوسرے حصہ پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تحریر ہوگا۔ اور بحمد اللہ ہمیشہ ہر بدمذہب پر فتح حاصل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اور یہ سب حضرت جدّا مجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکات ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ ایک مکان میں دو یتیم رہتے تھے۔ اِس کی دیوار گرنے والی تھی جس کے نیچے اِن کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ السلام نے اُس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اِس واقعہ کے بارے میں فرمایا وَکَانَ اَبُوْہُمَا صَالِحًا ط (ان کا باپ صالح تھا) جس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ باپ اُن کی چودھویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی برکات کا اِس طرح ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے۔ دیکھیئے کب تک اِس سلسلہ میں برکات رہیں۔ اثناء گفتگو میں فرمایا آٹھ دس برس ہوئے۔ رجب کے ماہ میں حضرت والد ماجد سے خواب میں مشرف بہ ملاقات ہوا۔ فرمایا! اے احمد رضا اس بار رمضان میں تمہیں بیماری ہوگی۔ روزہ نہ چھوڑنا۔ بحمد اللہ جب سے روزے فرض ہوئے کبھی نہ سفر میں نہ مرض میں کسی حالت میں روزہ نہیں چھوڑا، خیر رمضان میں بیمار ہوا اور بہت بیمار ہوا۔ لیکن بحمد اللہ روزے نہ چھوڑے۔" (محصولہ الملفوظ ج سوم ص۸۷ تا ص۸۹)

وعظ و نصیحت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وعظ وارشاد سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ کئی گم کردہ راہ آپ کے پند ونصائح سے صراطِ مستقیم اور جادۂ استقامت پر آگئے۔ عقائد واعمال ہر باب میں آپ نے خلق کی ہدایت فرمائی۔ ہم آپ کے سامنے صرف ایک مجلس کی تبلیغ کا انتخاب پیش کر رہے ہیں۔ صرف اسی سے آپ کی

ساری عمر کے مواعظ ونصائح کی تاثیرات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۸ رجب ۱۳۳۷ھ بروز جمعہ بوقتِ عصر آپ لوگوں کو بدمذہبوں کی صحبت سے احتراز کرتے پر وعظ فرما رہے تھے اور آپ کے ارشادات سن کر کتنے ہی آدمی اپنے افعالِ بد پر لعنت ملامت کر رہے تھے اور کبھی کسی گوشہ سے توبہ واستغفار کی بھی آواز آجاتی تھی۔ اس وقت کسی صاحب نے اُٹھ کر اپنے جلیس سے کہا کہ آپ کو بدمذہبوں کی صحبت میں اکثر دیکھا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت خوش قسمتی سے تشریف فرما ہیں۔ مناسب ہے توبہ کر لیجئے۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر آگرے۔ اور صدق دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا بھائیو! یہ نزولِ رحمت کا وقت ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے گناہ خفیہ ہوں وہ خفیہ اور جن کے اعلانیہ ہوں وہ اعلانیہ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو استقامت باکرامت عطا فرمائے۔ جو لوگ ڈاڑھی منڈواتے ہوں یا کترواتے ہوں یا ڈاڑھی چڑھاتے ہوں یا اس پر خضاب سیاہ لگاتے ہوں۔ اور جو لوگ اس قسم کے دوسرے اعلانیہ گناہ کرتے ہوں، وہ اس کی پوشیدہ توبہ کریں۔ نجانے اعلیٰ حضرت کے ان چند فقرات میں خدا نے کیا تاثیر رکھی تھی کہ تمام لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور ایک کہرام سا مچ گیا۔ لوگ آنسوؤں کی بارش سے اپنے گناہ کی سیاہی کو دھو رہے تھے۔ اور پے تابانہ اعلیٰ حضرت کے قدموں پر گر گر کر اپنے ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کر رہے تھے اور اعلیٰحضرت خود بھی گریہ وزاری سے بے حال ان لوگوں کیلئے دعائے مغفرت فرما رہے تھے۔ بعد میں اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ اس دن اٹھائیس ۲۸ لوگوں نے اپنے ظاہری گناہوں سے توبہ کی اور اکثر ۱۱۰ آدمیوں نے اپنے باطنی گناہوں سے توبہ کی (ملخصاً الملفوظ حصہ دوم ج ۱۳۱ تا ص ۱۳۶)

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت میں اعراضِ دنیا، رغبتِ آخرت، دینی بصیرت، عبادت پر مواظبت اور رشد و ہدایت تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور انہیں اوصاف کے حامل شخص کو صوفیہ کی اصطلاح میں فقیہہ کہتے ہیں اور ان اوصاف کے کمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو اصطلاحِ تصوف کے اعتبار سے بھی فقہ میں بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ خلاصہ یہ کہ فقہ کی تین تعریفیں ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت تینوں اعتبار سے فقہ میں فائق مقام رکھتے ہیں۔ حفظِ مسائل کے علی درجہ الکمال حامل ہیں علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے بہترین جامع ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اہلِ علم نے کسی معنی کے اعتبار سے فقہ کا اطلاق نہیں کیا مگر اعلیٰ حضرت میں وہ معنی متحقق ہے وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِکَ۔

طبقاتِ فقہاء

فقہ کی تعریف کے بعد اب ہم آپ کے سامنے طبقات فقہاء پیش کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام پر مزید روشنی پڑے گی۔

۱۔ **مجتہد فی الشرع**: یہ وہ لوگ ہیں۔ جو قواعد و اصول مقرر فرماتے ہیں اور احکام فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں اور اصول و فروع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ جیسے ائمہ اربعہ ہیں۔

۲۔ **مجتہدین فی المذہب**: یہ صرف اصول میں امام کے تابع ہوتے ہیں اور ادلہ اربعہ سے فروع کے استخراج پر قدرت رکھتے ہیں اور مسائل فرعیہ میں بعض جگہ امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ جیسے اصحاب ابی حنیفہ وغیرہم۔

۳۔ **مجتہدین فی المسائل**: یہ اصول و فروع میں امام کے تابع ہوتے ہیں اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی۔ ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ **اصحابِ تخریج**: انہیں اجتہاد پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔ لیکن اصول اور اس کے ماخذ پر مکمل عبور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی، جصاص، اور کرخی وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۵۔ **اصحابِ ترجیح**: یہ بعض روایتوں کو دوسری بعض روایتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن قدوری،

اصحاب ابی حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مراد امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ ہیں (رحمہم اللہ)

اور صاحب ہدایہ (رحمہا اللہ تعالیٰ)

۶۔ **ممیزین** : یہ وہ لوگ ہیں جو روایات میں سے صحیح، اصح، قوی، ضعیف اور ظواہر و نوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور ان میں روایات کو باہم متمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے صاحب کنز اور صاحب وقایہ وغیرہما۔

۷۔ **محض مقلدین** : یعنی وہ لوگ جنہیں امور مذکورہ میں سے کسی پہ قدرت نہیں ہوتی (ماخوذ از عقد رسم المفتی للشامی ص۱۳ تا ص۱۵)

طبقاتِ فقہاء کی روشنی میں امام احمد رضاؒ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں پہلے چھ طبقوں میں سے ہر طبقہ کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت میں مجتہدین فی المسائل کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں جو ایسے نئے مسائل پیدا ہوئے جن پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی روایت موجود نہ تھی۔ آپ نے اصول و فروع میں اتباعِ امام اعظمؒ کے ساتھ ان تمام مسائل کا استخراج کیا۔ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں اس کی بکثرت امثلہ موجود ہیں۔

امام احمد رضاؒ کی فقہی تحقیقات

فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی فقہی تحقیقات کی چند مثالیں پیش کی جائیں۔ جن سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی ایک جھلک سامنے آجائے۔ آپ کی فقہی تحقیقات مختلف انواع پر منقسم ہیں۔ بعض مسائل میں انہوں نے فقہاء متقدمین کی عبارتوں میں اضطراب کو رفع کر کے تطبیق بین الاقوال فرمائی ہے۔ بعض مواقع پر جو گوشے متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے ہیں، انہیں اجاگر کر کے حق کو آشکارا کیا ہے۔ معاصر فقہا میں جن حضرات نے فقہی مسائل میں لغزشیں کھائیں ہیں اُن پر اَن گنت وجوہ سے متنبہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بیشمار (عنوان) ہیں۔ جن کی وقت اجازت نہیں دیتا۔ فی الحال ہم زیرِ نظر تین عنوانوں پر گفتگو کرتے ہیں۔

تطبیق بین الاقوال

وضو میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہاء متقدمین کی عبارتوں میں زبردست اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی نے غنیہ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کو حرام قرار دیا۔ مدقق علائی نے درمختار میں مکروہ تحریمی بتایا۔ بحرالرائق نے اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیا۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں خلافِ اولیٰ ہونے پر جزم کیا۔ غرضیکہ اسراف فی الوضو کے بارے میں فقہا کے چار قول ہیں۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ۔ اور بظاہر یہ چاروں متضاد اقوال ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کمال تحقیق سے اِن چاروں اقوال کے علیحدہ علیحدہ محمل بیان کئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

- حرام :۔ وضو میں سُنّت سمجھ کر بلا ضرورت پانی خرچ کیا جائے۔
- مکروہ تحریمی :۔ بلا اعتقادِ سُنّیت و بلا ضرورت وضو میں پانی اس طرح خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو۔
- مکروہ تنزیہی :۔ نہ تو سُنّیت کا عقیدہ ہو نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ۔ لیکن عادتاً بلا ضرورت پانی خرچ کرتا ہو۔
- خلافِ اولیٰ :۔ نہ اعتقادِ سُنّیت ہو نہ اضاعت ہو نہ بلا ضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو بلکہ نادراً بلا ضرورت پانی خرچ کرے۔

اس تحقیق کے بعد مزید اضافہ کے طور پر فرمایا کہ اگر ان چاروں وجہ کے علاوہ کسی غرض صحیح سے وضو میں تین تین دفعہ سے زیادہ پانی خرچ کیا۔ تو وہ بلاشبہ جائز اور صحیح ہے اور اس کی چار صورتیں بیان فرمائیں۔

۱- بدن سے گندگی اور میل کا ازالہ اور تنظیف کی خاطر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے۔
۲- شدت گرمی سے بچنے اور بدن کو ٹھنڈک پہنچانے کی غرض سے تین بار میں زیادتی کی جائے۔
۳- دو یا تین بار میں شک پڑ جائے تو ازالہ ریب کی خاطر مقدار اقل پر بناء کر کے ایک بار اور دھوئے۔
۴- وضو نورٌ علیٰ نور کے قصد سے تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے۔

الغرض تطہیر کے قصد سے اگر تین مرتبہ دھونے پر زیادتی کرے تو اس کی چار صورتیں ہیں اور وہ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، اور خلاف اولیٰ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور ان صورتوں کے بغیر اگر غرض صحیح سے بمطابق مؤخر الذکر چار صورتوں کے زیادتی کی جائے تو بلا کراہت جائز اور بلا ریب صحیح ہے۔ (محصلہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۱۶۶ تا ص۲۰۸)

علامہ سید طحطاوی اور امام احمد رضاؒ

فقہاءِ کرام کا ضابطہ ہے کہ جو چیز بیماری کے سبب جسم سے خارج ہو۔ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ دُرِّ مختار میں ہے۔

وکذا کل ما یخرج من وجع ولو من اذن وثدی وسرۃ

نواقض وضو میں سے ہر وہ شئے ہے کسی بیماری کے سبب سے خارج ہو اگرچہ کان، پستان یا ناف سے ہی خارج ہو۔

اس قاعدہ پر علامہ سید طحطاوی نے یہ مسئلہ متفرع کیا۔ کہ زکام سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ زکام میں بیماری کے سبب پانی ناک سے خارج ہوتا ہے چنانچہ وہ درِّ مختار کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

ظاھرہ یعم الانف اذا زکم۔ اس عبارت کا ظاہر ناک کو بھی شامل ہے جب کہ زکام ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ زکام سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور سید احمد طحطاوی پر یہ بات مخفی رہ گئی کہ فقہا کا مذکورہ قاعدہ مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں ہے کہ جب بیماری کے سبب سے جو چیز بدن سے خارج ہوتی اس میں خون یا پیپ کی آمیزش کا شائبہ ہو۔ چنانچہ منیہ، غنیہ، حلیہ، تحفہ، کافی، بحرالرائق، تبیین الحقائق، خلاصہ، وجیز، فتح القدیر، وغیرہا کتب فقہ میں اس تقیید پر تصریح موجود ہے۔ قاعدہ مذکورہ کی وضاحت کے علاوہ، اعلیٰ حضرت نے زکام سے وضو نہ ٹوٹنے پر دو مستقل دلیلیں ارقام فرمائیں۔ ہم ان کی تلخیص ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۱- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ بلغمی رطوبات خواہ دماغ سے نازل ہوں یا پیٹ سے صاعد ہوں۔ طاہر ہیں۔ ان کا خروج ناقض وضو نہیں ہے اور زکام میں ناک کے راستے سے بلغمی رطوبات کا اخراج ہوتا ہے پس اُن کا خروج نقض وضو کا سبب نہیں ہے۔
۲- فقہاء کرام کا قاعدہ ہے کہ نجاست کا خروج موجب حدث ہے اور جو نجس بالخروج نہ ہو۔ وہ حدث نہیں ہے اور زکام کی رطوبات چونکہ نجس بالخروج نہیں ہیں۔ اس لیئے وہ موجب حدث نہیں ہیں۔

(خلاصہ فتاویٰ رضویہ ج اوّل ص۳۴، ص۴۰)

علامہ شامیؒ اور امام احمد رضاؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارک میں اذان دی ہے یا کہ نہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی کیونکہ امام ترمذی کی روایت سے اسی طرح ثابت ہے اور بعض علماء نے اس استدلال کو رد کر دیا۔ کیونکہ طریق ترمذی سے امام احمد نے روایت کیا کہ حضور نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا تھا پس روایت ترمذی میں حضور کی طرف اذان کا اسناد الی السبب کے قبیل سے ہے۔ لہٰذا آپ کا اذان دینا ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ علامہ شامی ردالمحتار ج۱ ص۲۶۷ پر فرماتے ہیں۔

وھما یکثر السؤال عنه ھل باشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاذان بنفسہ وقد اخرج الترمذی انہ علیہ السلام اذن فی سفر وصلی باصحابہ وجزم بہ النووی ولکن وجد فی مسند احمد من ھذا الوجہ فامر بلالا فاذن فعلم ان فی روایۃ الترمذی اختصارا وان معنی قولہ اذن امر بلالا

عام طور پر لوگ پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں۔ اور امام ترمذی نے روائیت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی اور صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھی اور اس پر امام نووی نے اعتماد کیا لیکن امام احمد نے اسی طریق سے روایت کیا کہ حضور نے حضرت بلال کو اذان دینے کا امر فرمایا تھا پس معلوم ہوا کہ روایت سابقہ کا بھی یہی محمل ہے

اس مقام پر علامہ شامی نے ملا علی قاری اور دوسرے علماء کی طرح اس پر جزم کیا کہ حضور نے اذان نہیں دی۔ اور ترمذی کی روائیت میں اسناد مجازی ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک مرتبہ اذان دی ہے اور اس کو اسناد مجازی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ تحفہ امام ابن حجر مکی میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی، اور اذان کے تشہد میں فرمایا کہ اشھد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور یہ نص مفسر ہے کہ جو کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ اگر آپ نے اذان خود نہ فرمائی ہوتی تو اشھد انی رسول اللہ کے بجائے اشھد ان محمدا رسول اللہ کے الفاظ وارد ہوتے اور علامہ شامی نے خود صفہ ۲۶۷ جلد اول پر تحفہ کی اس روایت کو ذکر کر کے اس کی صحت کو بیان کیا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج دوم صفحہ ۳۴۴ مع توضیح)

مولانا عبد الحئی لکھنوی اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

علماء احناف کے نزدیک سود کے تحقق کے لیئے اتحاد قدر و جنس شرط ہے۔ یعنی دو چیزیں جب پیمانہ یا وزن میں برابر ہوں اور ان کی جنس ایک ہو، تو ان میں تفاضل حرام ہے اور جو چیزیں مکیل موزون کے قبیل سے نہ ہوں بلکہ عددی ہوں۔ مثلاً انڈے یا پیسے تو ان میں تفاضل جائز ہے۔ کیونکہ ان میں سود کی علت یعنی قدر مذکور متحقق نہیں ہے، بناء بریں نوٹ بھی چونکہ فلوس (پیسوں) کی طرح عددی ہے لہٰذا اس میں بھی تفاضل جائز قرار پایا۔ مولانا عبد الحی لکھنوی اس اصول سے تو متفق ہیں کہ عددی چیزوں میں سود نہیں ہوتا چنانچہ فلوس (پیسوں) میں وہ بھی کہتے ہیں کہ تفاضل جائز ہے۔ لیکن نوٹ میں ان کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نوٹ میں تفاضل حرام ہے اور سود خالص ہے۔ چنانچہ انہوں نے نوٹ میں سود کے تحقق پر ایک فتویٰ تحریر کیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب یہ فتویٰ آیا تو آپ نے اس فتوے کو ایک سو بیس ۱۲۰ وجوہ سے رد کر دیا۔ ہم آپ کے سامنے مولوی عبد الحئی کا فتویٰ اور اس پر اعلیٰ حضرت کے ایک سو بیس ۱۲۰ وجوہ ابطال میں سے چند وجوہ پیش کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے اعلیٰ حضرت کا فقہی تدبر اور وسعت نظر قارئین کے سامنے آجائے گی۔

فتویٰ

(ھو المصوب)

"نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں، مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپیہ کا کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔ اور نوٹ سو روپیہ کا اگر کوئی شخص قرض لے۔ تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے۔ دونوں امر مساوی

سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا۔ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں ہے۔ اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خرید لے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپے کے دیوے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے۔ گو عینیت خلقیہ نہیں۔ بلکہ عینیت عرفیہ ہے۔ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جاتے۔ کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے ان میں صفت ثمنیت آگئی ہو۔ پس ہر گاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائیگا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔"

(فتاویٰ عبدالحیٔ جلد دوم فتویٰ ۲۶)

علامہ عبدالحیٔ کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ ثمن خلقی یعنی سونا چاندی میں بوجہ موزوں ہونے کے تفاضل حرام ہے اور نوٹ بھی ثمن خلقی یا اس کے حکم میں ہیں۔ اس وجہ سے اس میں بھی تفاضل حرام ہے۔ نوٹ کے ثمن خلقی (سونا چاندی) ہونے پر انہوں نے یہ دلیل دی کہ سو کا نوٹ ہلاک کر دینے پر سو چاندی کے روپے دینے پڑتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ نوٹ ثمن خلقی یعنی عین چاندی ہے نیز انہوں نے کہا کہ پیسے ثمن عرفی ہیں۔ ان میں تفاضل جائز ہے۔ اور پیسوں کے ثمن عرفی ہونے پر یہ دلیل دی کہ کوئی شخص کسی کو ایک چاندی کا روپیہ ادھار دیتا ہے۔ تو ادائیگی کے وقت اگر اسے ایک روپیہ کے بجائے، ایک روپیہ کے پیسے دیئے جائیں تو وہ اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنے روپوں کے بجائے اِن پیسوں کو قبول نہ کرے۔

مولانا عبدالحیٔ صاحب کی دلیل کا رکن اوّل یہ ہے کہ نوٹ ثمن خلقی (سونا چاندی) یا اس کے حکم میں ہے۔ بہرحال نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا تو بداہۃً باطل ہے۔ کیونکہ نوٹ اور سونا چاندی دونوں میں ذاتیات اور عوارض کے اعتبار سے تباین ہے۔ رہا اس کے حکم میں ہونا تو اس پر اعلیٰحضرت نے کئی وجوہ سے کلام کیا۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ نوٹ کے لیئے سونے چاندی کے جمیع احکام ثابت ہیں یا فی الجملہ مثلاً تمول وغیرہ اگر جمیع احکام مراد ہوں تو قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کے زیورات برتن اور لباس ہائے فائدہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اور نوٹ کا نہ کوئی لباس بنتا ہے، نہ زیور، نہ برتن اور اگر بعض احکام کے اعتبار سے یہ سونے چاندی کے حکم میں ہے کہ جس طرح سونا چاندی مال و دولت ہے۔ اِسی طرح نوٹ بھی مال و دولت ہے۔ تو یہ حکم پیسوں میں بھی مشترک ہے کیونکہ پیسے بھی مال و دولت ہیں۔ پھر نوٹ میں تفاضل کا حرام ہونا اور پیسوں میں جائز ہونا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ دلیل کا رکن ثانی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سو روپے کا نوٹ پھاڑ دے تو اُسے سو روپے (چاندی کے) دینے پڑیں گے۔ معلوم ہوا کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی یعنی، چاندی ہے۔" (یہ اس وقت کی بات ہے جب چاندی کا روپیہ ڈھلتا تھا۔ اب تو اس دلیل کا بطلان اور واضح ہو گیا ہے۔" (اسعد)

پس معلوم ہوا کہ نوٹ چاندی کا عین ہے۔ کیونکہ وہ تاوان میں نوٹ کے عوض چاندی کے روپیہ لے رہا ہے۔ الجواب اِس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ نوٹ گھوڑے کا بھی عین ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کسی کا سو روپیہ کا گھوڑا اہلاک کر دے تو مالک تاوان میں اِس سے سو کا نوٹ لے گا۔ معلوم ہوا کہ نوٹ گھوڑے کا عین ہے کیونکہ وہ تاوان میں گھوڑے کے عوض نوٹ لے رہا ہے ثانیاً یہ اصول ہی غلط ہے۔ کہ سو کا نوٹ ضائع کر دینے پر سو (چاندی کے روپے) دینے واجب ہوں گے۔ کیونکہ جائز ہے کہ وہ اسے تاوان کی صورت میں سو کا دوسرا نوٹ ہی دے دے۔ یا ایک ایک کے سو نوٹ دے یا اٹھنی، چونی اور پیسوں کی شکل میں اسے سو روپیہ پورے کر دے۔

دلیل کارکن ثالث یہ ہے کہ پیسے ثمن عرفی ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک روپیہ ادھار دے تو اسے حق ہے کہ وہ اس کے بدلے میں ایک روپے کے پیسے قبول نہ کرے۔

الجواب ، مولوی عبدالحئی صاحب کی خیالی دنیا میں ممکن ہے یہ رواج ہو۔ ورنہ واقع اور نفس الامر میں ایسا کوئی قانون رائج نہیں ہے۔ ایک روپیہ اور سونے پیسے کی مالیت میں فرق کرنا نہ صرف یہ کہ بداہتہً باطل ہے بلکہ انتہائی مضحکہ خیز۔ فتاوی مذکور میں مولانا عبدالحئی صاحب کو ایک اور شبہ لاحق ہوا ہے کہ اگر نوٹ میں تفاضل جائز رکھا جائے۔ تو لوگ سود کے کاروبار کے لیے نوٹ میں تفاضل کے جواز کو حیلہ بنالیں گے۔ اور نوٹ کے حیلہ سے سود کھانا شروع کر دیں گے۔

الجواب ۔ یہ شبہ مشترک ہے۔ کیونکہ پیسوں میں تفاضل کے جواز کو آپ بھی مانتے ہیں۔ پس جنہیں سود کھانا ہوگا۔ وہ پیسوں کے حیلہ سے سود کھانا شروع کر دیں گے۔ (ماخوذ از کفل الفقیہ ص ۱۳۴ تا ص ۱۶۵)

جناب مولوی عبدالحئی لکھنوی کے زیر نظر فتوی پر اعلیٰحضرت نے ایک سو بیس [۱۲۰] وجوہ سے گرفت کی ہے۔ ہم نے ان میں سے کل پانچ [۵] وجوہ پیش کی ہیں۔ تفصیل کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ ہم نے یہاں پر اس کی ایک جھلک دکھلائی ہے۔ جس سے آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاصرین پر آپ کی زبردست ہیبت طاری تھی۔ کیونکہ اس رسالہ کی اسی وقت طباعت ہو گئی تھی۔ اور آج تک کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی اور امام احمد رضا

مولوی رشید احمد گنگوہی کی تحقیق یہ ہے کہ نوٹ اس سونے چاندی کی رسید ہے۔ جو حکومت کے پاس محفوظ ہے اور یہ نوٹ سونا چاندی بھی ہے۔ نیز نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ یہ مبیع نہیں ہے۔ اپنی اس تحقیق کو گنگوہی صاحب نے ایک فتویٰ میں بیان کیا ہے۔ اعلیٰحضرت نے ان کی اصل تحقیق کا بیس [۲] وجوہ سے رد کیا ہے۔ ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لیے مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ اور اس پر اعلیٰحضرت کے کلام کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب لکھتے ہیں۔

> نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے۔ جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے۔ مثل تمسک کے۔ اس واسطے نوٹ میں نقصان آجاوے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں۔ اور اگر گم ہو جاوے بشرطِ ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے نقصان یا فنا ہو جاوے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکوٰۃ نہیں، اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے۔ اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے۔ کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ فقط
>
> بندہ رشید احمد گنگوہی (فتاوی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۴۹)

اعلیٰحضرت نے جو اس فتوے پر کلام کیا ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے۔ اولاً نوٹ کو رسید قرار دینا بداہتہً باطل ہے کیونکہ رسید کسی معین شخص یا ادارے کے لیے ہوتی ہے مثلاً زید نے مال کی رسید دی ہے تو اب اس رسید کی رو سے صرف زید مال دینے کا ذمہ دار ہے نا کہ ہر کس و ناکس جس کو بھی رسید دی جائے وہ اس رسید پر مال ادا کر دے۔ بخلاف نوٹ کے ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ و دیہات میں اس کے عوض اس کی مالیت کے مطابق رائج سکہ مل جائے گا۔ جس طرح مال کی ہر جگہ قیمت لگتی ہے اسی طرح نوٹ کی ہر جگہ قیمت لگتی ہے معلوم ہوا کہ نوٹ مال کی رسید نہیں بلکہ خود مال متقوم ہے۔ بیچا اور خریدا جاتا ہے۔

ثانیاً۔ یہ فتوٰی خود مناقض بنفسہٖ ہے۔ کیونکہ پہلے کہا کہ یہ نقدین (سونا چاندی) کی رسید ہے۔ چند سطر بعد کہا کہ یہ خود نقدین ہے (ہم نے ان متضاد عبارتوں پر خط کھینچ دیا ہے۔ (سعیدی)

ثالثاً۔ نوٹ کو تمسک قرار دیا اور اس پر زکوٰۃ بھی لازم کر دی۔ حالانکہ زکوٰۃ مال پر ہوتی ہے اور تمسک مال نہیں ہے۔

رابعاً۔ نوٹ کے مبیع نہ ہونے پر زکوٰۃ کی بناء کی ہے۔ گویا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فلہٰذا وہ تمام تجار جن کے پاس لاکھوں روپے کا بکاؤ مال ہوتا ہے۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو گئے۔

خامساً۔ کاغذ کو مبیع ہونے کے منافی قرار دیا۔ کیا کاغذ کی دنیا میں خرید و فروخت نہیں ہوتی یا مولوی صاحب کے گاؤں میں ابھی تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کاغذ بھی بکتا ہے۔ (ماخوذ از کفل الفقیہ ص۱۲۳ تا ص۱۳۳)

مولوی اشرف علی تھانوی اور امام احمد رضا

اشرف علی تھانوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ جس طرح اذان میں نام مقدس پر انگوٹھے چومے جاتے ہیں۔ کیا اس طرح اقامت میں بھی نام اقدس پر انگوٹھے چومنا جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اقامت تو بجائے خود اذان میں بھی انگوٹھے چومنا جائز نہیں۔ اعلیٰحضرت نے اس جواب کو تیس سے زائد وجوہ سے رد کیا۔ ہم ذیل میں تھانوی صاحب کا فتوٰی اور اس پر اعلیٰحضرت کے تعاقب کی ایک جھلکی پیش کرتے ہیں۔

فتوٰی اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے۔ وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل اس عبارت کے لکھتے ہیں۔ وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئی انتہی (شامی جلد اول ص۲۶۷) مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ یہ عبارت شامی کی ہے۔ ونقل بعضھم ان القھستانی کتب علی ھامش نسختہ ان ھذا مختص بالاذان واما فی الاقامۃ فلم یوجد بعد الاستقصاء التام (ج۱ ص۲۶۷)

(فتاوٰی امدادیہ ج۴ ص۵۷)

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) تقبیل ابہامین حدیث موقوف سے ثابت ہے اور اس بات میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں اور جب تقبیل ابہامین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے ثابت ہے۔ تو یہ عمل کے لیئے کافی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلفاءِ راشدین کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔

(۲) صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا، جیسا کہ تھانوی صاحب نے اس فتوٰی میں کہا کہ تقبیل ابہامین فی الاذان کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتب رجال میں جا بجا مذکور ہے۔ یعتبر بہٖ ولا یحتج بہٖ اور فضائل اعمال میں احادیث معتبر بالاجماع کافی ہیں۔ اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔

(۳) تھانوی صاحب نے اذان میں انگوٹھے چومنے کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ جس جگہ کی عبارت نقل کی ہے۔ اس سے متصل شامی نے بیان کیا کہ اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ اور استحباب کو قہستانی نے فتاوٰی صوفیہ

اور کنز العباد سے بھی نقل کیا۔ ملاحظہ ہو۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشہادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و عند الثانیۃ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابہامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائداً لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد اھ قہستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیہ	جب اذان میں پہلی بار اشہد ان محمدا رسول اللہ سنے تو کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھنے کے بعد کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر پس اس شخص کی نبی علیہ السلام جنت میں قیادت فرمائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد قہستانی ۔ اور فتاوی صوفیہ میں ہے ۔

اس عبارت کو تھانوی صاحب صاف گول کر گئے تاکہ اذان میں انگوٹھے چومنے کو بدعت قرار دینے کا جواز پیدا ہو سکے اور قہستانی کی وہ مجہول نقل ذکر کر دی جس میں انہوں نے یہ ذکر کیا کہ مجھے اقامت میں انگوٹھے چومنے کی روایت نہیں ملی ۔

(۴) تھانوی صاحب نے سلب کلی کر دیا ۔ کہ اذان میں تقبیل کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ۔ حالانکہ ایک ہزار سے زیادہ کتب فقہ میں یہ روایت موجود ہے ۔

(۵) قہستانی کی نقل مجہول ہے اور خود شامی نے ج ۲ ص ۵۱۲ پر تصریح کی ہے ۔ نقل مجہول مقبول نہیں ہوتی لا یکفی فی النقل لجہالۃ ۔

(۶) علی التنزل اگر اس نقل کو قبول بھی کر لیا جائے تو یہ نفی روایت ہے ۔ روایت نفی تو نہیں ہے اور تھانوی صاحب کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ نفی ثابت کرنے کے لیئے روایت نفی کی ضرورت ہے ۔ نفی روایت کی نہیں ۔

(۷) کسی فعل کو مکروہ ثابت کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ اس فعل پر نہی خاص موجود ہو ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں ۔

لا یلزم منہ ان یکون مکروہا الا بنھی خاص لان الکراہۃ حکم شرعی فلا بد لہ من دلیل ۔	بغیر نہی خاص کے کوئی فعل مکروہ نہیں ہوتا ۔ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے ۔ اس کیلئے دلیل خاص ضروری ہے ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۸۴)

پس اقامت میں تقبیل سے روکنے کے لیئے نہی بالخصوص ضروری ہے ۔ ویدونہ خرط القتاد محض ثبوت کی روایت کا نہ ملنا ۔ اس کی کراہت کے لیئے کافی نہیں ۔ صاحب بحرالرائق فرماتے ہیں ۔ لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہۃ اذ لابد لہا من دلیل خاص ۔ ترکِ مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی ۔ کیونکہ اس کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے پس نفی روایت سے کچھ نہیں بنتا ۔ جب تک کہ روایت نفی نہ ہو ۔

(بحرالرائق ج ۲ ص ۱۷۶)

(۸) اقامت میں نامِ اقدس سن کر انگوٹھے چومنا نام اقدس کی تعظیم ہے اور اس کا منشاء بھی موجود ہے ۔ پس اقامت میں نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا ادب و تعظیم کی قبیل سے ہے ۔

محقق علی الاطلاق ابن ہمام فرماتے ہیں۔

کل ما کان ادخل من الادب والاجلال کان حسنًا

ہر وہ کام جو ادب اور تعظیم میں داخل ہو۔ حسن ہے۔

امام ابن حجر مکیؒ جوہر منظم میں فرماتے ہیں۔

تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالیٰ فی الالوہیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم ط

تمام انواع تعظیم سے نبی علیہ السلام کی تعظیم کرنا جن میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں مشارکت نہ ہو۔ اہلِ بصیرت کے نزدیک امر مستحسن ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اذان میں تقبیل مذکور ثابت ہے۔ اور اقامت میں جائز اور مستحسن ہے۔ جائز اس لیئے ہے کہ اس کی نفی ثابت نہیں ہے۔ اور مستحسن اس وجہ سے ہے کہ یہ تعظیم رسول کا ایک فرد ہے اور تعظیمِ رسول کم از کم مستحسن ہے۔ (محصلہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۸۳ تا ص ۴۹۶)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور امام احمد رضا

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ مصدقہ گنگوہی میں سنّت اور بدعت کا ایک فقہی ضابطہ بڑے فخر کے ساتھ درج کیا ہے۔ اعلیٰحضرت نے اسی ضابطہ کا کئی وجہ سے احتساب کیا ہے۔ ہم انبیٹھوی صاحب کا ضابطہ بیان کرنے کے بعد اعلیٰحضرت کے احتساب کا کچھ ملخص پیش کریں گے

مولوی انبیٹھوی صاحب لکھتے ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو۔ خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہو یا نہ ہو وہ سب سُنّت ہے۔ اور وہ بوجوہ شرعی ان قرون میں موجود ہے۔ اور جس کے جواز کی دلیل نہیں، تو خواہ ان قرون میں بوجودِ خارجی ہو یا نہ ہو وہ سب بدعتِ ضلالۃ ہے۔ اس قاعدہ کو خوب سمجھ لینا ضروری ہے۔ مؤلف اور اس کے اشیاع نے اس کی ہوا بھی نہ سونگھی۔ اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اس جوہر کو اس کتاب میں فرورۃً رکھتا ہوں۔ کہ موافقین کو نفع اور مخالفین کو شاہد ہدایت حاصل ہو الخ ملخصًا (براہین قاطعہ ص ۲۸ تا ص ۲۹)

امام احمد رضا کا تعاقب

مولوی انبیٹھوی صاحب نے اپنے کلام میں جوازِ شرعی کی دلیل کے، وجود و عدم کا سنّت و بدعت میں حصر عقلی کر دیا۔ پس استحباب اباحت اور کراہت تنزیہی ان تمام احکام کی نفی ہو گئی۔ کیونکہ جس امر کے وجود کی دلیل شرعی پائی گئی وہ سنّت ہے۔ استحباب اور اباحت کے ثبوت کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اور جس امر کے جواز کی دلیل شرعی نہ پائی گئی وہ بدعت و ضلالت ہو گا۔ پس کراہت تنزیہی کا رفع ہو گیا۔

(محصلہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۵۸ تا ص ۱۵۹)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فقہ کی جس قدر انواع پر کام کیا ہے۔ اگر ان تمام کا احصاء کیا جائے تو اس کے لیئے بھی ایک عظیم دفتر کی ضرورت ہے۔ یہ مختصر مقالہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں کی تمام فقہی خصوصیات کو پیش کرنے سے یقیناً قاصر ہے۔ تاہم اعلیٰ حضرت کی فقہی تحقیقات میں سے چند انواع کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے: تاکہ اس کا مطالعہ قارئین

کو اعلیٰ حضرت کے فقہی تبحر سے ایک حد تک روشناس کر سکے۔

امام احمد رضا کا فقہی مقام

جن امور کو اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت میں اصولیین فقہاء اور متصوفین تینوں کی تعریفات کے اعتبار سے فقہ کی معنویت پائی جاتی ہے طبقاتِ فقہاء کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کا موازنہ کریں، تو پتا چلتا ہے کہ قواعد شرعیہ وضع کرنے کی وجہ سے آپ میں طبقہ اولیٰ یعنی ائمہ اربعہ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ غیر منصوص مسائل کو قواعدِ امام سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف اور طحاوی کی طرح طبقہ ثالثہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ روایات میں ترجیح اور تفصیل کے سبب سے طبقہ رابعہ اور خامسہ کے فقہاء سے کسی طرح کم نہیں۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں فقہاء سابقین کی تصریحات سے زیادہ مسائل متفرع کئے ہوں جو امور متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے انہیں انتہائی لطافت کے ساتھ واضح کر کے دلائل و براہین سے مزین کیا۔ معاصرین فقہاء کی غلطیوں پر انہیں ان گنت وجوہ سے متنبہ فرمایا۔ فقہی مباحثہ میں جو طبعی و ریاضی کے مسائل آ گئے۔ تو ان پر ایسا اچھوتے انداز میں بحث کی ہے کہ فارابی اور ریشخ بھی دبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کی نظر سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فقہ میں وہ مقام حاصل کیا۔ جس کی نظیر صدیوں تک پیچھے نہیں ملتی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

امام احمد رضا اور سہولیات شرعیہ

محترم الحاج محمد علی رضا صاحب قادری، ضلع مظفر پور بہار کے انسپکٹر آف اسکولز ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں بغداد شریف، کربلائے معلی، نجف اشرف کی زیارتوں سے مشرف ہو کر براہ تبوک مدینہ منورہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد فریضۂ حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر وطن لوٹے۔ مذہبی دلچسپی بے پناہ ہے بلکہ صورۃً و سیرتاً اور قلباً و قالباً سُنّی مسلمان ہیں۔ (ادارہ)

اسلام کے احکام و عقائد ہر دور میں یُسر و تسہیل کے حامل رہے ہیں۔ ہر آسمانی کتاب میں عزیمت و رخصت کا تذکرہ ضرور رہا ہے جب اسلام اپنے منازل و مراحل طے کرتا ہوا آخری منزل تکمیل میں داخل ہوا اور "الیوم اکملت لکم دینکم" الخ کے مژدہ جانفزا سے دنیا کو نوازا اور آخرالانبیاء صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات نے دنیا کے سامنے "تحفہ قرآن" پیش فرمایا۔ پھر اپنے کلام بلاغت نظام "انا رحمتہ مھداۃ" سے دنیا والوں کو رحمت و رافت کا نغمہ سنایا۔ یعنی میں دنیا میں رب رحیم کی طرف سے بندوں کے لیئے "ہدیہ رحمت" ہوں۔ اسی ارشاد رحمت کا فطری تقاضہ و منطقی نتیجہ ہے کہ اسلامی شریعت کی بنا یُسر و تسہیل پر رکھی گئی ہے۔ اس دعوٰی کا ثبوت قرآن عظیم میں بھی ہے اور احادیث کریمہ میں بھی۔

قرآن کریم میں شرعی سہولتیں

سورہ بقرہ دوسرا سپارہ سیقول کے اندر روزہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ربانی ہے۔ "یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ اس آیت کریمہ کے سباق و سیاق شاہد ہیں کہ روزہ کے سلسلہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ روزہ صرف اسی امت پر فرض نہیں کیا گیا۔ روزہ کی فرضیت کوئی انوکھی و نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس امت مرحومہ کے پہلے جتنی اُمتیں گزری ہیں ان پر بھی روزہ فرض کیا گیا تھا۔ یہ اسلوب بیان و طرز ادا شرعی آسانی و دینی تیسیر کا غماز ہے۔ کیوں کہ بظاہر اس فرض کی ادائیگی مشقت خیز ہے۔ بھوک و پیاس کی سوزش یقیناً عُسر و سختی کا پہلو رکھتی ہے۔ اِس احساس مشقت کو حکیمانہ انداز سے دفع کیا گیا ہے کہ تنہا تم ہی پر تو روزہ فرض نہیں ہوا بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔ آخر وہ بھی اولاد آدم ہی تھیں۔ انھوں نے اس فرض کو کس طرح ادا کیا۔ اگر واقعی اس کی ادائیگی ناقابل برداشت مشقت ہوتی تو وہ امتیں کبھی اس فریضہ سے عہدہ برآنہ ہوتیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ صیام کو مشقت آفرین سمجھنا فریب نفس ہے۔ جو مسلمانوں کو اس سے عظیم تر جہنم کی مشقت میں دھکیل دینا چاہتا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ جس مالک نے سال بھر انواع و اقسام کے کھانے کھلائے ہیں اگر اس نے امتحاناً ادائے شکر کے لیئے گنتی کے چند دن کھانا پینا چھوڑ دینے کا حکم صادر فرمایا ہے تو گیارہ مہینے کے عیش کے مقابل ایک مہینہ کا روزہ رکھ لینا وہ بھی صرف دن بھر کوئی مشقت کی چیز نہیں، بلکہ آخرت کے لحاظ سے آسانی ہی آسانی ہے۔

۲- اِس ضمن میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ روزہ تو فرض کیا گیا ہے لیکن اس فرضیت کے ساتھ یہ آسانی بھی عطا کی گئی ہے کہ جب تم مریض ہو یا مسافر اور اِس حالت میں روزہ رکھنا دشوار ہو تو روزہ نہ رکھو، پھر جب صحت یاب ہو جاؤ یا مقیم تو چھوٹے ہوئے روزے رکھ لو۔ اس بیان کے بعد آیت تیسیر ہے۔ سطور بالا میں جس کی تلاوت کی گئی ہے۔ مقصود بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے، حاکم علی الاطلاق ہے، بادشاہ ذوالجلال و بے نیاز ہے وہ جو چاہے حکم دے کوئی روکنے والا نہیں۔ اِس مالکانہ و حاکمانہ شان کے باوجود اِس اندازِ تلطف سے فرضیت صیام کو پیش کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ بندوں کے ذہن میں شریعت اسلامی کے تیسیری پہلو کو جاگزیں کرنا ہے۔

دوسری آیت کریمہ جس کو پیش کر رہا ہوں وہ سورۂ حج سترہویں پارہ میں ہے۔ "وما جعل علیکم فی الدّین من حرج" اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی (بلکہ ضرورت کے موقعوں پر تمہارے لئے سہولت کر دی جیسا کہ سفر میں نماز کا قصر اور روزے کے افطار کی اجازت اور پانی نہ پانے یا پانی کے ضرر کرنے کی حالت میں غسل اور وضو کی جگہ تیمم۔ تو تم دین کی پیروی کرو۔) (تفسیر خزائن العرفان کی تفسیری عبارتیں ہیں۔)

اس طرح سورۂ توبہ اور سورۂ نور میں عذرمندوں، بیماروں، کمزوروں، اندھوں، لنگڑوں سے دفع حرج و شرعی آسانیوں کا بیان ہے۔ ان آیات سے روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ شریعت مصطفویہ سہولت عبادت کا اہتمام نام ہے۔ یہ تو اس عنوان پر قرآن حکیم سے ربانی شان ربوبیت کی جھلک ہے۔ اب نبوت و رسالت کے ارشاد کی تجلیاں بھی مشاہدہ فرمائیں۔

شرعی سہولت و تیسیر اور ارشادات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مالک عرش و فرش حبیب کبریا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس عنوان پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو حدیث پاک کی مشہور و متداول کتاب "مشکوٰۃ شریف" کے باب "ما علے الولاۃ من التیسیر" میں ملاحظہ فرمائیں۔

فرمان رسالت کا خلاصہ

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب آپ کسی صحابی کو کسی دینی امر کے لئے کہیں بھیجتے تو فرماتے "بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا" یعنی جہاں جا رہے ہو وہاں لوگوں کو طاعات و عبادات پر مثوبات و اجور کی بشارت دینا۔ انہیں معاصی کے ارتکاب پر ڈرانے، خوف دلانے میں اتنا مبالغہ نہ کرنا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ہی آس توڑ بیٹھیں اور قانطین محض بن جائیں اور لوگوں پر دینی امور میں سہولت و آسانی سے پیش آنا۔ اور انھیں حدود شریعت سے زیادہ تنگی و صعوبت میں نہ ڈالنا۔

ایک دفعہ حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ روانہ کرتے وقت یہ ہدایت فرمائی۔ "یسرا ولا تعسرا۔ وبشرا۔ ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا" لوگوں کے ساتھ آسانی و سہولت سے پیش آنا۔ تنگی و دشواری پیدا نہ کرنا۔ مژدہ رساں و مبشر بننا منفر نہ ہونا۔ تم دونوں متفقانہ فیصلہ کرنا۔ آپس میں اختلاف پیدا نہ کرنا

قرآن حکیم واحادیث نبویہ کی روشنی میں علمائے کرام وفقہائے عظام اور شریعت اسلامی کے شارحین نے قوانین شریعت کے ہر باب میں دینی سہولت و شرعی آسانی کے چہرہ زیبا کی جھلک دکھائی ہے۔

سرزمین ہند کی عظیم شخصیت

چودھویں صدی میں خاک ہند نے ایک ایسی ذات کا تعارف پیش کیا ہے جو صرف ہندی ہی نہیں بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ایک منفرد، بے سہیم و عدیل ذات تھی جس کو عقیدت

لبش و بنانہ آ گئیں حضرات امام احمد رضا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جن کی سب سے بڑی ریاضت شریعت کا اظہار تھا۔ جن کا سلوک تھا تو سلوک شریعت۔ جن کی یادداشت تھی تو حفاظتِ شریعت و دین کی پاسبانی۔ جن کے اورادو وظائف تھے تو احکام شریعت اور شرعی عقائد و احکام اور ملاوٹ سے بچانا۔ شرعی تیسیر کو تیسیری صورت سے پیش کرنا۔ شرعی تعزیر کو اسی کے رنگ میں بیان کرنا۔ اپنی طرف سے بے جا نرمی و گرمی کو نہ آنے دینا۔ کسی مصلحت دینوی کو مصالح دینی سے غلط ملط نہ ہونے دینا۔ ان اوصاف کو دیکھتے ہوئے دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی قبائے منصب افتا امام احمد رضا ہی کے علمی قد زیبا کو ان کے دور میں زیب دیتی ہے۔

امام احمد رضا کے اکابر معاصرین

آپ کے زمانے میں اپنے اور غیر بڑے بڑے علماء تھے۔ ان حضرات نے بھی فتاوے لکھے ہیں مگر کسی کے فتاوے فتاوٰئ رضویہ کے کسی جز کے سامنے موازنتاً پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اگر میری یہ رائے غلط اور عصبیت آمیز ہے تو بڑا احسان و کرم ہوگا۔ اگر دور حاضر کا کوئی مکتبِ فکر اپنے اکابر کے فتووں کو میزان موازنہ میں تول کر ثابت فرما دے کہ ان کے بڑوں کے فتوے کی ترازو کا پلہ جھکا ہوا ہے۔ جھکا ہوا نہ سہی برابر ہی ہو۔ اس کا ثبوت پیش فرمائے۔

ہم نے ان فتووں کو جہاں تک دیکھا ہے اس میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ درست ہے، جائز ہے، بدعت ہے، شرک ہے اگر کسی نے کچھ کاوش بھی کی ہے تو جزیہ مسئولہ کے ثبوت کے لیے کسی ایک دو فقہی کتابوں سے کچھ عربی عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ مگر ان میں علمی مباحث کہاں؟ فنی و فقہی گہرائی و گیرائی ناپید۔ عقلی و سمعی دلائل کی بحر نہ خاری تو دور کی بات ہے ساحلی و سطحی نمود بھی نہیں۔ اگر ان ایمانی و علمی مناظر کی دل کشی و تجلیوں سے آپ چشم و دل کو روشن و پر نور کرنا چاہتے ہیں تو اس دل آویزی و دل کشی کے لیے صرف اعلیٰحضرت ہی کا علمی دربار ہے۔ "دونہ خرط القتاد" آئیے، دربار رضا کی علمی تنویروں کا مشاہدہ فرمائیے۔

"العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ"

امام احمد رضا کے فتاوے جو درحقیقت عطیات۔ نبویت ہیں جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں۔ اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ "کتاب الطہارت باب التیمم" پیش نظر ہے۔ اسی سے شرعی سہولتوں کے چند اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

شریعت کی رحمت

فتاوٰئ رضویہ باب التیمم صفحہ ۶۱۱ مطالعہ فرمائیں مرقومہ ذیل عبارتیں وہیں سے نقل کی گئی ہیں۔

تنبیہ: رحمت للعالمین بالمومنین رؤف، رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی رحمت دیکھئے۔ صرف پانی کے ایک میل دوری پر ہماری مشقت کا اتنا لحاظ فرمایا کہ اس کے لیے وضو بلکہ بحال جنابت غسل کی ضرورت نہ رکھی۔ تیمم جائز فرما دیا۔ اگرچہ آدمی خود اپنے شہر میں ہو۔ بلکہ سفر میں جس طرف جانا ہے اسی طرف میل بھر ہو۔ جب بھی یہاں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ میل خود ہی طے کرے گا۔ ہاں جس طرف جانا ہے اُدھر ہی پانی ہے اور جانے میں وقت کراہت نہ آجائے گا تو مستحب ہے کہ وہاں پہنچ کر پانی ہی سے طہارت کر کے نماز پڑھے۔ الخ

(دوسرا اقتباس صفحہ ۶۱۳)

تنبیہ: شریعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھئے۔ ہمارے ایک ایک پیسے پر لحاظ فرمایا گیا۔ نہانے کی حاجت ہے اور وہاں قابل غسل پانی کی قیمت ایک پیسہ ہو اور جس کے پاس ہے وہ دو پیسے مانگتا ہے۔ پیسہ زیادہ نہ دو اور تیمم کر کے نماز پڑھ لو۔ ایسی رحمت والی شریعت کے کسی حکم کو کڑا سمجھنا یا شامت نفس سے بجا نہ لانا کیسی ناشکری و بے حیائی ہے۔ مولیٰ عزوجل صدقہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا اس فقیر عاجز اور سب اہل سنت کو کامل اتباع شریعت کی توفیق بخشے اور اپنی رحمت سے قبول فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔"

(تیسرا اقتباس صفحہ ۶۱۵)

شریف زادی و پردہ نشین کہ باہر نکلنے کی قطعاً عادی نہیں۔ اگر گھر میں پانی نہ رہے نہ باہر سے کوئی لا دینے والا ہو تو رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے امید ہے کہ اسے اجازت تیمم ہو اور پانی پانے پر اعادہ کی بھی حاجت نہ ہو۔

عادت پردہ میں عورات کے اقسام اور دوبارہ تیمم ان کے احکام: تفصیل اس کی یہ کہ عورات چند قسم ہیں ایک وہ کہ دن دھاڑے مونہہ کھولے بے تکلف بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہ مطلقاً مردوں کی مثل ہیں مگر چادر نہ پائیں۔

اقول اگرچہ خود بدلحاظی سے پھرنے کی عادی ہوں کہ وہ حرام ہے اور شرع حرام کا حکم نہیں دیتی۔ دوسری وہ کہ برقعہ اوڑھ کر دن کو آتی جاتی ہیں۔ یہ بھی معذور نہیں ہو سکتیں۔ مگر ایسی حالت میں کہ برقع یا چادر نہ پائیں۔ تیسری وہ کہ رات کو چادر اوڑھ کر دوسرے محلوں تک جاتی ہیں۔ جس طرح رام پور و بدایوں کے بہت گھروں کی رسم سنی گئی۔ ان کے لیئے دن میں شاید عذر ہو سکے۔ شب میں ہرگز نہیں۔ مگر یہ کہ کنوئیں پر مردوں کا مجمع ہو اور یہ مجمع میں چادر اوڑھ کر شب کو بھی نہ جا سکتی ہوں

چوتھی وہ کہ شب کو چادر کے ساتھ بھی دور نہ جا سکے۔ صرف اس کی عادی ہو کہ گھر سے نکل کر سامنے کے دروازے میں دو قدم رکھ کر چلی جائے۔ اس کے لیئے اگر کنواں ایسا ہی قریب ہے اور اس پر مرد نہیں تو عذر نہیں اور اگر کنواں دور ہے یا وہاں مردوں کا اجتماع ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ معذور ہے۔

پانچویں وہ کہ گھر سے باہر قدم رکھنے کی مطلقاً عادی نہیں۔ جس طرح بحمد اللہ تعالیٰ بریلی میں شریف زادیوں کا دستور ہے۔ یہ ہر طرح معذور ہے اور کیوں کہ اسے مجبور کیا جائے گا۔ حالانکہ اس نے کنواں دیکھا تک نہیں نہ اس تک راہ جانتی ہے نہ کسی سے پوچھ سکے گی نہ اس کے قدم اٹھیں گے "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" عادت چھڑانے میں حرج ہے۔ خصوصاً وہ نیک عادت کہ کمال حیا پر مبنی ہو اور حیا جتنی زائد ہو اسی قدر بہتر"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" الحیا خیر کلہ"

حیا سراسر بہتر ہے۔ رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی عن عمران بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابہ جمیعا"

اوپر گذرا کہ شریعت مطہرہ نے ہمارے ایک پیسے کا لحاظ فرمایا کہ پانی بیچنے والا پیسہ کی جگہ دو مانگتا ہو نہ دو اور تیمم کر لو۔ ان شریف زادیوں کو اگر کوئی دس روپے بلکہ باعتبار حیثیت ہزار روپے دے اور کہے کنوئیں سے پانی بھر لاؤ۔ ان سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ وللہ الحمد تو یہ اس پر کیوں کر مجبور کی جائیں۔ یہ ہے وہ جو براہ تفقہ ذہن فقیر میں آیا۔

"ولا اقول انہ حکم اللہ عزوجل بل ارجوا ان یکون حکمہ تعالیٰ فلینظر فیہ العلماء الذین لھم عین یبصرون بھا ولھم قلوب یفقھون بھا واللہ یھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل"

شریعت مطہرہ نے جو بھی سہولتیں، رخصتیں عنایت کی ہیں اس میں رحمت بالائے رحمت، کرم بالائے کرم یہ ہے کہ متقی و عاصی اطاعت گزار، عصیان شعار سب کے لیئے باب رحمت کشادہ ہے۔ سب کے لیئے عام ہے۔ استفادہ سے کسی کو بھی روکا نہیں گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی" فتاویٰ رضویہ باب التیمم" کے حواشی و تراجم کی کچھ عبارتیں نقل کی جا رہی ہیں مطالعہ فرمائیں۔

فتاویٰ رضویہ صفحہ ۶۲۲ کا حاشیہ جو اصل کتاب کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ ہے۔ شریعت مطہرہ نے جو رخصتیں عنایت فرمائی ہیں۔ مثلاً مسافر روزہ قضا کر سکتا ہے۔ چار رکعتیں فرض کی دو پڑھے گا۔ پانی میل بھر دور ہو تو نمازی تیمم کرے۔ ان میں مطیع و عاصی سب شریک ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے کسی ناجائز کام کے لیئے سفر کیا ہو وہ بھی قصر کرے گا۔ اور روزہ قضا کر سکے گا اور جو معاذ اللہ زنا سے جنب ہوا اور پانی نہ پایا تیمم کریگا"

اسی طرح کا دوسرا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جو صفحہ ۶۱۵ پر ہے جس میں ایک ظالم وغاصب کے لیئے بھی وہی رعایت ہے جو ایک نیک شعار، اتقاء پرور کے لیئے ہے۔

پانی پینے کی سبیل سے وضو کی اجازت نہیں۔ اگر صرف وہی پانی ہو۔ تیمم کرلے اور اگر کوئی شخص ظلم وغصب کا عادی ہو تو اسے بھی تیمم ہی کا حکم ہوگا۔ یہ نہ فرمایا جائے گا کہ تو تو غاصب ہے اسے غصباً لے کر وضو کر۔

شرعی سہولت کی کچھ اور نظیریں

۱۔ مسافر ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین بھیگی ہوئی اور ناپاک ہے۔ کہیں نماز پڑھنے کی جگہ نہیں۔ اگر جلدی کرکے وہاں سے نکل سکتا اور پاک زمین نماز کے لیئے پا سکتا ہو تو ایسا ہی کرے۔ اور اگر دیکھے کہ جب تک وقت جاتا رہے گا تو وہیں اشارے سے پڑھ لے اور اس نماز کا پھیرنا بھی ضرور نہیں

۲۔ جو ایسی جگہ ہو جہاں نہ پانی نہ پاک مٹی وہ نمازوں کے وقت نماز کی صورت ادا کرے۔ حقیقتاً نماز کی نیت نہ ہو۔ پھر قدرت پانے پر ان نمازوں کی قضا پڑھے۔

۳۔ اگر کیچڑ کے سوا تیمم کو کچھ نہ ملے تو اگر وقت میں وسعت ہے، کپڑا یا اپنا پاؤں۔ مثلاً اس سے سان لے۔ جب خشک ہو جائے تو اس سے تیمم کرے۔

یہ جزیئے۔ باب التیمم فتاویٰ رضویہ کے حاشیائی ترجمے ہیں۔ صفحہ ۷۰۲، ۷۰۴، وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا کی افتائی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ پونے دو سو صورتیں، پانی سے عجز کی گنا دیں جن کے بعد تیمم روا ہے۔ اس کے علاوہ ایک سو اکیاسی ایسی شمار کرادیں جن سے تیمم کرنا جائز ہے اور ایکسو تیس ۱۳۰ ایسی چیزیں بتا دیں جن سے تیمم ناجائز ہے۔

اس کے علاوہ ان چیزوں کا بھی بیان ہے جن سے تیمم کے جائز و ناجائز ہوتے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ جن حضرات کو دینی ذوق ہے اور مذہبی علوم کی آگہی سے دلچسپی انہیں میرا مشورہ ہے کہ غیر جانبداری اور انصاف کی نگاہ سے فتوئے رضویہ کا براہ راست مطالعہ فرمائیں تو ہم سے زیادہ مستفید و شرعی مسائل سے بہرور ہوں گے۔ میں قطعاً عربی داں نہیں ہوں صرف مختصر فارسی شناس و اردو آموز ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ بدو شعور سے علاقہ، بستی، محلہ، اہل خانہ کو قدیم مسلک اہل سنت وعقیدہ وعمل میں ''سبیل مومنین'' کا پابند پایا۔ وہی پابندی میں نے بھی اختیار کی اور اسی پر بحمدہٖ تعالیٰ اب تک قائم ہوں اور اسی پر قائم رہنے کی دعا کرتا ہوں۔ عرصۂ دراز سے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے ترجمہ قرآن کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کی اردو تفسیر کے ساتھ برابر پڑھ رہا ہوں اور یہ سعادت بھی اس لیے حاصل ہے کہ میں اسی کلام پاک میں تلاوت کرتا ہوں جو رضوی ترجمہ ونعیمی تفسیر سے مترجم ومفسر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قارئین کی خدمات میں قدرِ قلیل اپنے تاثر کو پیش کیا ہے ورنہ میری علم بضاعت ہی کیا تھی کہ اس منفرد، اپنے زمانہ کے یکتا و دُرِ بے بہا و گوہر نایاب سزاوارِ امامیت پر اپنے قلم خام کو جنبش دیتا۔ جن کی جناب فلکِ رکاب کے سامنے عرب وعجم، حل وحرم کے بڑے بڑے علماء عہد کا قلم سرنگوں ہے، میری زندگی اسکول وکالج کی زندگی رہی ہے اور آج بھی ہے، جو کچھ ہوسکا ہے مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے آمین اور قارئین بھی صرف نظر سے کام لیں۔

امام احمد رضا فقیہ ہندوستان

ابتدائے آفرینش سے سنت الٰہیہ جاری ہے کہ جب بھی اس خاکدان گیتی پر کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا چھائی الحاد و بے دینی کا دور دورہ ہوا تو اس نے اپنے ایسے مقرب اور برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا جنہوں نے کفر و شرک کی دھجیاں اڑادیں اور الحاد و بے دینی کی جگہ کلمۂ توحید بلند فرما کر ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔
ان مقدس اور برگزیدہ ہستیوں میں انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی باعصمت ذات والا صفات ہیں۔ جو حسب تقاضا و ضرورت مطلع رسالت و نبوت پر طلوع ہوتی اور تیرہ و تاریک فضا میں انوار بکھیرتی رہیں، لیکن جب باب نبوت و رسالت پر آہنی قفل ڈال دیا گیا اور کفر و شرک، الحاد و بے دینی نے سر اٹھایا تو حضرات صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور فقہائے کرام اس کی سرکوبی فرماتے رہے۔ فقہائے کرام میں ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم افق فقاہت پر طلوع ہوئے۔ ظلم و عدوان سہے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن بڑی بیباکی، بلا لحاظ لومۃ لائم کلمۂ حق بلند فرماتے رہے اور ان کی زبان حال پکار پکار کہتی رہی۔ ؎

دار ہو سولی ہو پہاڑوں کی نشیب نغمہ اپنا ہر بلندی سے سنا سکتے ہیں ہم

انیسویں صدی اپنے نصف مراحل طے کر چکی تھی، سرزمین ہند ماتم کناں اور غمگسار تھی۔ اس کی فضائے بسیط میں آہ و فغاں کے نالے بلند تھے۔ ذرہ ذرہ رحمت باری کا منتظر، شمال و جنوب کا کونہ کونہ سسک رہا تھا۔ مشرق و مغرب کا گوشہ گوشہ سوگوار تھا، عقیدت مند بے چین و بے قرار تھے۔ حق پرستوں کی صدائے حق جبر و اکراہ کے ہنگاموں میں دبائی جا رہی تھی۔ ناموس رسالت پر مرمٹنے والے ماہی بے آب تھے۔ ایک طرف اغثنی یا رسول اللہ، المدد یا غوث کے دل ہلا دینے والے نعرے حرمت نبوت پر بازی لگا دینے والوں کے دلوں میں ہیجان برپا کر رہے تھے تو دوسری طرف شرک و بدعت، الحاد و کفر کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی! غرض ایسی ہولناک فضا میں حق پرستوں کی صدائے حق رنگ لائی۔ آہ و فغاں باب اجابت سے ٹکرائی۔ سرزمین بریلی رشک ثریا ہی، اقبال مندی کا ستارہ چمکا، شب دیجور کے تار تار بکھر گئے۔ پو پھٹی، خورشید ولایت اور ماہتاب مجددیت و فقاہت افق بریلی پر نمودار ہوا اور اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت فقید المثال فقیہ مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ بوقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو مطلع شہود پر جلوہ گر ہوئے۔
اعلیٰ حضرت کے آبا و اجداد فضل و کمال کے تاجدار اور علم و عمل کے شہنشاہ تھے۔ آپ کی پانچویں پشت میں حضرت مولانا محمد اعظم خاں صاحب علیہ الرحمہ زہد و اتقاء میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے۔ شاہزادہ کا تکیہ محلہ معماران بریلی میں قیام پذیر تھے ان کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ کاظم علی خان صاحب علیہ الرحمہ ہر جمعرات کو آپ کے در پر حاضری دیتے اور گراں قدر رقوم قدموں پر

نثار کرتے۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت مولانا شاہ محمد اعظم خاں علیہ الرحمہ کڑاکے کی سردی میں آگ کے پاس رونق افروز تھے سردی کی کوئی سرمائی پوشاک نہیں۔ حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں علیہ الرحمہ نے اپنا بیش بہا دوشالا اتار کر والد ماجد کے جسم اطہر پر ڈال دیا۔ حضرت نے انتہائی استغنا اور بے پروائی سے اتار کر آگ میں رکھ دیا۔ حضرت حافظ صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کاش یہ دوشالا کسی اور کو عطا کر دیا جاتا۔ ادھر چشم ولایت نے وسوسہ گردیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحب نے بھڑکتی آگ سے دوشالا نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کاظم الفقیر کے یہاں دھکڑ پھکڑ کا معاملہ نہیں۔ لے اپنا دوشالا۔ دیکھا تو دوشالا صاف شفاف جوں کا توں نکلا۔ اپنا تار بھی متاثر نہیں ہوا۔

یہ کرامت مظہر ہے اس معجزہ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کا جبکہ مختار دو عالم علیہ السلام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دعوت میں کھانا تناول فرما کر دست اختیاری حضرت انس کے دسترخوان میں مس فرمایا تو اس کی اثر پذیرائی یہ ہوئی کہ حضرت انس کا وہی دسترخوان جو کثرت استعمال سے میلا ہو گیا تھا ایک مرتبہ کسی دعوت میں حضرت انس نے دسترخوان کو دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ دہکتی آگ سے دسترخوان کا ایک ریشہ بھی نہیں جلا بلکہ ایسا صاف و شفاف ہو کر نکلا کہ میل کا نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ یہ آبائی فیضان تھا اعلیٰ حضرت پر کہ افق تجدید پر ماہتاب اور مطلع فقاہت پر آفتاب بنکر چمکے۔ اعلیٰ حضرت جب اپنے استاد سے ناظرہ کلام پاک تعلیم حاصل کر رہے تھے استاد زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھ رہے تھے۔ آپ کے جد امجد علیہ الرحمہ نے یہ کیفیت دیکھ کر آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور قرآن پاک کے اوراق الٹ کر ملاحظہ فرمایا تو واقعی کتابت کی غلطی سے بجائے زیر زبر لکھا ہوا تھا اور صحیح وہی تھا جسے اعلیٰ حضرت پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کے جد امجد نے ارشاد فرمایا بیٹا! مولوی صاحب جو پڑھا رہے تھے اسے تم نے کیوں نہیں پڑھا عرض کی! ارادہ کرتا تھا کہ استاد کی تعلیم کے مطابق پڑھوں لیکن بجائے زبر زیر زبان زد ہو جاتا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایام طفولیت ہی سے غلط روی سے محافظت کی گئی اور صحت و صراط مستقیم پر چلنا ودیعت کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ دوست و دشمن نے دیکھا کہ آپ رشد و ہدایت کے بدر کامل بن کر چمکے اور ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر گامزن فرمایا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی فقاہت پر اولین شہادت اور مستند ثبوت یہ ہے کہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے فارغین عموماً اور عادۃً افتاء کے فرائض منصبی سے ناآشنا ہوتے ہیں لیکن آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر بہ عمر ۱۴ سال مسند افتاء پر رونق افروز ہوئے اور سب سے پہلا مسئلہ رضاعت پر تحریر فرمایا جو بالکل صحیح اور درست تھا۔ ذہن میں مسائل فقہ کا استحضار اس قدر تھا کہ سائل عرض خدمت کرتا اور آپ برجستہ محقق اور مدلل جواب باصواب عنایت فرما دیتے بلکہ بیک وقت کئی سوالات عرض خدمت کر دیئے جاتے اور آپ ہر ایک سوال کا جواب بالترتیب وافی و کافی مرحمت فرما دیتے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی فقاہت کا انمول ذخیرہ اور بے مثال گنجینہ "فتاویٰ رضویہ" ہے جو بارہ جلدوں میں اور ہر جلد قریب ہزار صفحات اور ہزار مسائل فقہ پر مشتمل ہے۔ جس کا ہر ہر مسئلہ فقاہت اعلیٰ حضرت کا مظہر اتم ہے اور ایک بحر ذخار ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے فتاویٰ رضویہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد دوسری کتب فقہ متون و شروح کے مطالعہ کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ مثلاً فتاویٰ رضویہ جلد سوم مرد کی شرمگاہ کے اعضاء کو نو ثابت کرنا آپ کی فقہ دانی پر ایسی شہادت ہے جو آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ پر درخشاں اور تابندہ ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلے چالیس مستند و معتبر کتب فقہیہ اور فتاویٰ کے حوالہ سے ۸ شرمگاہ کے اعضاء کو مدلل و محقق فرمایا۔ پھر دقیق نظر سے ایک اور عضو شرمگاہ پر دلائل مثبت فرما کر ثابت کیا کہ مرد کی شرمگاہ کے اعضاء ۹ ہیں چونکہ کتب فقہ میں نو ہی کا ذکر

لہٰذا ذکر عدم کو مستلزم نہیں اور نہ اُن میں استحباب کا ذکر اور نہ تحدید تعداد پر کوئی دلیل موجود۔

نیز رسالہ الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب" میں غائب کی نماز جنازہ کے عدم جواز کو چھیاسی معتبر و مستند کتب فقہیہ متون و شروح کی ۲۳۰ عبارتوں سے آراستہ فرمایا پھر احادیث مبارکہ سے مدلل فرما کر نجاشی بادشاہ پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کی ایسی نفیس تاویلات کیں کہ مسئلہ راسخ و منقح ہو جاتا ہے اور مجال دم زدن اور گنجائش شکوک و شبہات نہیں رہ جاتی

حضرات فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ درحالت قیام دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی اور درحالت رکوع انگلیوں کا بسوئے قبلہ ہونا نیز رکوع میں الصاق کعبین (دونوں ٹخنوں کا ملانا) مسنون ہے۔ مگر صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے فرمایا کہ اگر رکوع میں حقیقتہً الصاق کعبین ہو تو پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے انحراف اور قیام میں چار انگلیوں سے زیادہ کشادگی لازم آئے گی۔ جس سے وہ فعل مسنون فوت ہو جائے گا اور نیز دونوں ٹخنوں کو حقیقتہً ملانے میں حرکت کثیر لازم آئے گی۔ لہٰذا انہوں نے الصاق کعبین کو مجاز پر محمول فرمایا یعنی ہر ٹخنہ کو دوسرے کی جانب جھکا دینا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل کر دینا۔

اس پر اعلیٰ حضرت اپنی فقہی بصیرت سے ایسی تحقیق انیق فرماتے ہیں کہ الصاق کعبین کو اس کے معنی حقیقی پر محمول کرنے کے باوجود درحالت قیام دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی اور رکوع میں انگلیوں کے قبلہ رو ہونے کی، مسنونیت علی حالہ باقی رہتی ہے اور حرکت کثیرہ نہیں لازم آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ پاؤں کو خلقی حالت پر رکھا جائے اور پنجوں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی ہو تو ایڑیوں کے درمیان کم اور ٹخنوں کے مابین بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے اور پھر یہ کہ ٹخنے ابھرے ہوتے ہیں تو پھر رکوع میں تھوڑی حرکت اور تھوڑے سے جھکاؤ سے ایک ٹخنہ دوسرے سے مل جائے گا اور انگلیوں کا انحراف قبلہ سے بالکل نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی بہت موٹا ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ نہ رکھ سکے اور اس نے بالشت بھر فاصلہ رکھا تو وہ اِس سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اِس کے لیئے الصاق کعبین مسنون نہیں۔ اگر الصاق کعبین کریگا تو حرکت کثیرہ کے ساتھ ساتھ انگلیوں کا قبلہ سے انحراف لازم آئے گا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہی صورت خاص صاحب مفتاح الصلوٰۃ کے خیال مبارک میں ہو جس پر انھوں نے الصاق کعبین کو معنی مجازی پر محمول فرمایا ہو۔

کتنی فقہی باریک بینی سے اعلیٰ حضرت نے صاحب مفتاح الصلوٰۃ کے اقوال کی بھی تاویل فرما دی اور اصل مسائل کو منقح فرما دیا کہ مجال شکوک و شبہات نہیں رہ جا ہے۔

اِسی طرح غسل میّت کے باب میں مسئلہ ہے کہ بعد موت بسبب انعدام محل مسلک نکاح ختم ہو جاتا ہے اور شوہر اجنبی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ اس پر تعارض واقع ہوا کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو غسل دیا جس سے شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت تحقیق فرماتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی کا حضرت خاتون جنت کو غسل دینا معنی مجازی پر محمول ہے یعنی غسل تو حقیقتہً حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی نے دیا تھا اور حضرت مولیٰ علی نے چونکہ غسل دینے کا حکم دیا یا اسباب غسل مہیا فرمایا اس لیئے مجازاً غسل کی نسبت حضرت مولیٰ علی کی طرف کر دی گئی مثلاً کہا جاتا ہے۔ قتل الامیر فلانا و قاتل الملک القوم الفلانی۔ یعنی حقیقتاً تو فلاں کو جلاد نے قتل کیا ہے لیکن چونکہ امیر قتل کا حکم دیتا ہے۔ اس لیئے قتل کی نسبت امیر کی طرف کر دی گئی۔ اِسی طرح کسی قوم سے قتال و جنگ بادشاہ وقت کے سپاہی اور اس کی فوج کرتی ہے لیکن چونکہ بادشاہ کے حکم سے کرتی ہے لہٰذا قتال کو بادشاہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای امر بالتاذین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی یعنی چونکہ اذان کا حکم حضور نے دیا لہٰذا اذان کا کہنا حضور کی جانب منسوب ہوگیا اور اگر غسل کی نسبت حقیقتاً مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہو تو بھی تعارض سرے سے رفع ہوجاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اِس کی تحقیق یوں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ابدالآباد تک باقی ہے کبھی ختم نہ ہوگا لہٰذا حضرت مولیٰ علی نے واقعی حضرت خاتون جنت کو غسل دیا۔ اِسی لیئے منقول ہے کہ جب مولیٰ علی پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا تو حضرت مولیٰ علی نے جواباً ارشاد فرمایا اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فاطمۃ زوجتک فی الدنیا والآخرۃ۔ اے ابن مسعود کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ فاطمہ دنیا و آخرت میں تیری بیوی ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ حضرت خاتون جنت کے وصال کے بعد بھی مولیٰ علی ان کے لیئے اجنبی نہ ہوئے اور رشتہ زوجیت منقطع نہیں ہوا۔ لہٰذا اِس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے نزدیک بھی بیوی کو شوہر کا غسل دینا ناجائز تھا۔

اسی لیئے حضرت مولیٰ علی نے یہ نہیں فرمایا کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے بلکہ اپنی خصوصیت کی جانب ارشاد فرمادیا۔

یہ ہے اعلیٰ حضرت کی فقاہت اور فقہی بصیرت و تحقیق کی چند مثالیں جن کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم   جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کو خوفِ طوالت کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے اور انھیں دو مثالوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔

اعلیٰ حضرت کی رفعتِ فقاہت کے سامنے غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئے "مولانا احمد رضا خان صاحب قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا نہ موافق کو ضرورت افزائش اور نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش" اختلاف مسلک کے باوجود آپ کی فقاہت کا اعتراف برملا کیا چنانچہ "معارف" اعظم گڈھ رقمطراز ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب اپنے وقت کے زبردست عالم مصنف اور فقیہ تھے انھوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ اِن علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ہزارہا فتووں کے جوابات بھی انھوں نے دیئے ہیں۔ ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحوں کے ہیں۔ ان کی نظر بڑی وسیع ہے دو جلدیں پہلے شائع ہوچکی ہیں۔ اب تیسری جلد سنی دارالاشاعت مبارکپور نے شائع کی ہے۔ اِس جلد میں ۲۴۸ مسائل ہیں۔ ابھی ان کے فتاوے کی آٹھ جلدیں اور باقی ہیں۔ ان فتاوے میں بعض پیدا شدہ مسائل کے متعلق بھی فتوے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظری سے دیا ہے۔ بہر حال مولانا کے مخصوص خیالات (مسئلہ تکفیر) سے قطع نظر ان کے فتاوے اس قابل ہیں کہ اِن کا مطالعہ کیا جائے۔ ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے (معارف اعظم گڈھ فروری سنہ ۱۹۶۲ء) والحق ماشہدت بہ الاعداء۔ حق وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دے دیں۔

رُوحانیات

امام احمد رضا اور تعلیماتِ تصوّف

جناب اعجاز مدنی : ایم۔اے ڈیپ' ایل بی لپ سائینس' لائبریرین برہانی کالج بمبئی

امام احمد رضا اور رُوحانی قدریں

مولانا شبنم کمالی پوکھریروی ' صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوام دربھنگہ بہار (ہندوستان)

امام احمد رضا اور حزم وَ اتقاء

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی (فاضلِ اشرفیہ)

امام احمد رضا اور تعلیماتِ تصوف

حضرت امام احمد رضا کی جتنی بھی سوانح عمریاں اب تک لکھی گئی ہیں ان تمام میں حضرت کا عالمانہ وقار پورے آب و تاب کیساتھ پیش کیا گیا ہے ایسے لگتا ہے جیسے عہد جدید کا علامہ سیوطی شریعت مطہرہ کے تمام رموز و نکات کو نہ صرف اپنی فہم و بصیرت سے بیان کر رہا ہے بلکہ مجتہدانہ طور پر مشکل مسائل کو حل بھی کر رہا ہے اور پھر بھی بات خلاف قرآن و سنت ثابت نہیں ہوتی۔ اعلیحضرت ۱۰ شوال بروز ہفتہ (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء) کو پیدا ہوئے ان کے والد مولوی نقی علی خاں بھی بڑے عالم اور بزرگ شخص تھے۔ نوجوانی کی عمر میں (۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء) گویا ۲۱ سال کی عمر میں دونوں باپ بیٹے بیک وقت "شاہ آل رسول مارہروی" سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت اور سند حدیث حاصل کی۔ مولوی رحمان علی مولف تذکرہ علمائے ہند رقمطراز ہیں کہ "اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ساتھ (۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد دحلان مفتی شافعیہ اور عبدالرحمان سراج مفتی حنفیہ سے حدیث فقہ، اصول تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم علیہ السلام میں ادا کی، نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا "انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین" (بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہوں۔) اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادری کی اجازت اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے سند مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمۃ تک گیارہ واسطے ہیں" مکہ معظمہ میں جب کہ آپ مسجد خیف میں تنہا و یکتا رات کے وقت ٹھہر گئے تھے اور رات کا بڑا حصہ عبادت و ریاضت میں صرف کیا تھا۔ اسی رات آپ کو مغفرت کی بشارت ہوئی۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے وسیلے سے ہم گنہگاروں کی بھی اللہ اپنے پیارے حبیب کے صدقہ میں مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ان دو واقعات کو جو حرمین شریفین میں پیش آئے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ثابت ہو! اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے مادرزاد ولی تھے۔ اس لئے تعلیم و تعلم میں علم فقہ و فتویٰ نویسی میں، علم تصوف اور سلوک و مجاہدہ میں مناظرہ و مکاشفہ میں، دلائل و گفتگو میں تقریر و تحریر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے امام احمد رضا ان گنے چنے صاحب علماء و فضلاء میں تھے جن پر پروردگار عالم نے اپنے رسول محترم و مکرم کے صدقے میں آپ پر اپنی عنایات و مہربانی، عزت و منفعت تمام کی تھی۔ جیتے جی آپ کی بڑی عزت ہوئی اور بعد پردہ فرمانے کے بھی آپ کا روضہ پر انوار مرجع خلائق و بخشش خلائق بنا ہوا ہے۔ مزار اقدس پر بھی وہ رعب علمی و جلال خسروی ہے کہ کلیجہ کانپنے لگتا ہے مگر افسوس ہے سوانح نگاروں پر جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی صوفیانہ زندگی، عشق رسول و سوز جگر حزن و ملال اور کیفیت قلبی، سرور باطنی احتیاط ظاہری کا کہیں پر ذکر تک نہ کیا۔ جہاں علماء کا اجتماع۔ فتویٰ کی بھرمار، علمی موشگافیاں خواہ مخواہ کی لن ترانیاں عشوہ طرازیاں اور وہ بات ہی نہیں جس کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ مولانائے محترم کی زندگی کا سب سے زیادہ آبدار پہلو عاشق رسول ﷺ ہونا ہے اور ایک ظاہر دار نظر میں عالم ہونا اور اپنے ہمعصروں سے معاصرانہ چشمک کر کے داد حاصل کرنا تھا۔ میرے خیال میں مولانا کے جتنے بھی عقیدتمند آج تک پیدا ہوئے سب کے سب مدارس کے فارغ علمائے دین تھے۔ ان میں کوئی معتقد تمند مجذوب کوئی

عاشق سرگرداں و پریشاں نہیں تھا۔ ایسا صاحب جلال و جمال آقا و مولا نظام الدین نہیں تھا جو اپنے پیر و مرشد کی اندرونی کیفیات انہماک عبادت، خلوص تقویٰ و طہارت اور بے چینی و درد فرقت کی کیفیات کو پیش کر سکتا جیسا کہ ایک مرتبہ اہل مجلس سے مخاطب ہو کر کہا تھا مفہوم یہ ہے کہ حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وجہ ذوق و شوق درد و عشق اور جذب الٰہی و خدا مستی میں مستور ہے۔ فرماتے ہیں ایک بار حضرت شیخ کبیر حجرہ میں والہانہ گشت لگاتے تھے اور چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ بابا فرید بیتاب ہو کر کہنے لگے میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کیلئے جیتا ہوں آپ ہی کیلئے مرتا ہوں

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم ‏ ‏ ‏ ‏ خاک شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی ‏ ‏ ‏ ‏ از بہر تو میرم از برائے تو زیم

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے۔ پھر یہی شعر پڑھتے اور حجرے کا چکر لگاتے دیر تک یہی کیفیت رہی۔ اسی طرح سیرت فخر العارفین شریف جسے حضرت قبلہ و کعبہ مولانا و مولوی حکیم سید سکندر شاہ صاحب قدس سرہ کا مزار اقدس کانپور میں ہے نے اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ و کعبہ مولانا و مولوی عبدالحئی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس چاٹگام شریف میں ہے۔ ان کی حیات مبارکہ اور ملفوظات عالیہ کی روشنی میں ایک ایسی سوانح عمری مرتب کی ہے۔ جو خود اپنی مثال آپ ہے۔

چنانچہ ان دو واقعات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے سوانح نگاروں کو چاہیئے کہ پیش کردہ حسب بالا طریقہ پر امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات پاک قلمبند کریں اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پوری کتاب علم و حکمت، عرفان و بصیرت اور تصوف کے بیش بہا خزانے سے مالا مال ہے۔ حضرت قبلہ عبدالحئی شاہ صاحب فرماتے ہیں تصوف کا راستہ تواضع، عاجزی، اور فروتنی کا ہے۔ تعظیم طلب اور مجلس پسند لوگوں کا نہیں گستاخی معاف ہو میں نے کسی کی دل شکنی نہیں کی کیچڑ نہیں اچھالی ہے عرض صرف یہ کیا ہے کہ اعلیٰحضرت کی شایان شان صوفیانہ زندگی کی عکاسی ابھی تک نہیں کی گئی جو کچھ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے وہ سب علمی اکھاڑے کی باتیں ہیں۔ ان کتابوں میں کہیں بھی سلوک کی پگڈنڈی نظر نہیں آتی جو انتشار پسند ذہنوں کو تقویت پہنچا سکے چاہے وہ ملک العلماء ظفرالدین بہاری کی حیات اعلیٰحضرت ہو یا مولانا بدرالدین احمد صاحب کی سوانح اعلیٰ حضرت۔

اولیاء اللہ کے مناقب و فضائل اس لئے تحریر کرنا ضروری ہیں کہ ہر دور میں ان کی حیات مبارکہ سالکوں کو تقویت پہنچاتی ہیں ان کے موثر ترین حالات بلکہ افضل ترین عبادات، اہل کمال کی مصاحبت اور مقربان درگاہ ذوالجلال کی ہم نشینی ہے کیونکہ ان کی استقامت احوال کا مشاہدہ سالک کو ہمت بخشتا ہے جس سے سخت عبادتیں اور دشوار ریاضتیں جو اس طریق سلوک میں لازم ہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ان بزرگوں کے معائنہ جمال سے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے شک و شبہ کی ظلمت جو علت بعد و حجاب ہے زائل ہو جاتی ہے لیکن کاملوں کی دولت، صحبت اور عارفوں کے مشاہدہ جمال سے محروم ہونے کے بعد ان کے حالات کا مطالعہ اور ان کے آثار کی پیروی، ہمت فرمائی اور ظلمت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جیسی کہ ان کی صحبت و ہم نشینی۔ نصیحت و عبرت کے علاوہ اس کے بہت سے فوائد و منافع ہیں۔ اول یہ کہ اولیاء اللہ کا وجود ایک ایسی رحمت ہے جس میں سب شامل ہیں اور ایک ایسی نعمت ہے جس سے ہر شخص واصل ہے پس واما بنعمة ربك فحدث (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو) کے بموجب ان کے مناقب و فضائل کا ذکر جو درحقیقت اس نعمت عظمیٰ و عطیہ کبریٰ کا شکریہ ہے ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ان صفاتیوں سے اعتقاد و محبت واجب و لازم ہے۔ رباعی:

ہر کس کہ کمالِ اولیاء را نہ شناخت　　این نعمت خاص بے بہا را نہ شناخت
پس شکر نگفت و حب ایشاں نگزید　　می داں بہ یقیں کہ او خدا را نہ شناخت

بہت غور و فکر کے بعد ہم نے اسی لئے یہ پیشکش کی ہے عارفین و عاشقین عارف باللہ سے کہ وہ امام احمد رضا کی سیرت مقدسہ خالص اس انداز میں مرتب کریں جیسی کہ "تذکرۃ الاولیاء ہے" "سیرۃ فخر العارفین شریف ہے۔ یا جیسا کہ صوفیہ کی پاک زندگیوں پر اکثر تذکرے تحریر میں لائے گئے ہیں۔ صوفیہ کی زندگی پر کسی کامل صوفی و ولی کو ہی لکھنا چاہیئے یہ عالم کا کام نہیں۔ سلوک کا راستہ ہی دوسرا ہے عشق رسول ﷺ وجذب الٰہی میں جن کیفیات سے خود صاحب سلسلہ کو گذرنا پڑتا ہے وہی بہتر جان سکتا ہے کہ مذکور کا مقام اتقا کتنا ارفع و افضل ہے۔ صوفی کی نظر سے حجابات الٰہی اٹھے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہی خود بہتر اندازہ لگا سکتا ہے اور بہتر طور پر اپنے سے افضل صاحب مقام حضرات کی پاک زندگیاں پیش کر سکتا ہے تصوف کا علم قیاس پر مبنی نہیں بلکہ یقین کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے سلسلہ قادریہ، رضویہ برکاتیہ کے بزرگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کا تذکرہ صرف خالص علمی انداز میں مرتب نہ کریں بلکہ صوفیانہ زندگی کو بھی پیش کریں اور تمام محاسن و مناقب کا کما حقہ جائزہ لیں تب ہی بات قارئین کی سمجھ میں آئے گی کہ ایسے دور ابتلاء میں بھی کیسے کیسے قطب وقت چھپے بیٹھے تھے۔ دنیا انہیں مقتدر علمائے دین سے جانتی تھی لیکن باطن میں کیسے فنا فی اللہ باقی باللہ تھے۔

حضرت امام احمد رضا خالص قادریہ سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ آپ کی عالمانہ شخصیت تو اظہر من الشمس ہے لیکن آپ کی صوفیانہ زندگی ادب و احترام رسول و اولیاء اللہ بھی جانتے ہیں۔ ان پر خوب ظاہر ہے۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم پیران پیر حسنی حسینی غوث الصمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی، مقبول ہر دو جہانی شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ، کی تعلیمات پر بصدق دل عمل کیا ہے اور غایت درجہ احترام بھی کیا ہے۔ آپ تا دم زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے۔ آپ نے مجلس قطب ربانی سے بہت کچھ روحانی فیض حاصل کیا جیسا کہ پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ اے عالم ہزار مہینوں کا راستہ طے کر کے آتا کہ تو مجھ سے ایک قول سنے اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، پارسائی اور احوال پر نظر نہ رکھے۔ تاکہ تو مجھ سے اپنا نصیب لے سکے۔ میری مجلس میں ملائک اولیاء اور غیب کے لوگ آتے ہیں تاکہ وہ مجھ سے بارگاہ کبریا میں تواضع کے آداب سیکھیں۔ حق تعالیٰ نے کوئی ولی پیدا نہیں کیا جو بصورت زندگی جسمانی اور بصورت موت روحاً میری مجلس میں شریک نہ ہوا ہو۔ آپ کے آداب آپ کا نصیب آپ کا مقام ولایت اور جو کچھ بھی آپ کو مقام جلیلہ ملا ہے وہ صاحب سلسلہ کی دعاؤں اور برکتوں کا نتیجہ ہے۔ اعلیٰ حضرت پر حضرت غوث اعظمؓ کی بڑی نظر تھی اس لئے نہیں کہ وہ بہت بڑے عالم تھے بلکہ اس لئے کہ وہ بزرگوں کا حد درجہ ادب کرتے تھے اور سر نیاز جھکا دیا کرتے تھے تمام علمائے دین اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور گرہ میں باندھ لیں کہ جسے بھی ملا ہے اور جو کچھ بھی ملا ہے وہ سب ادب کا نتیجہ ہے تواضع و انکساری کا پھل ہے اپنے آپ کو اتنا ذلیل و حقیر سمجھئے کہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگیں۔ ایسے گمنام رہیئے کہ پڑوسی بھی نہ جاننے پائیں کہ آپ مقبول بارگاہ ہیں۔ ایک دوسرے سے حسد و رقابت چھوڑ دیئے اور جیسا صاف اور سیدھا راستہ خود ہمارے امام نے طے کیا ہے بالکل ویسی ہی زندگی گذار دیئے تب جا کر آپ کو بشارتیں نصیب ہوں گی۔ اور تب آپ مجلس رسول ﷺ میں شمولیت کی سعادت حاصل کر سکیں گے۔ علم عمل کے لئے ضروری ہے۔ پاک زندگی گذارنے کے لئے شاہراہ کا کام دیتا ہے لیکن اسے غرور نفس کیلئے استعمال کرنا اور ایک خلقت کو ذلیل و خوار کرتے پھرنا اہل اللہ کا مسلک نہیں ہے اسی لئے غالباً کہا گیا کہ دین میں اخلاص اتنا ہی ضروری ہے جیسا کہ بیعت میں عقیدت علمائے شہرت پسند کیلئے حضرت خواجہ خواجگان کا قول ہے "بہتے پانی کی آواز سنتے ہو کیسے شور برپا کرتی ہے مگر جونہی دریا میں پہنچتی ہے خاموش ہو جاتی ہے۔ خاموشی بھی بڑی نعمت ہے کاش نام و نمود کے متوالے ریاکار اشخاص اس قول جمیل سے سبق حاصل کریں۔ سالک کو تو اپنے پیر سے نسبت رکھنا

چاہیئے لیکن دوسرے بزرگوں سے بھی اسی طرح احترام و عقیدت سے پیش آنا چاہیئے جس طرح اپنے سلسلے کے بزرگوں سے عقیدت رکھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے پیر و مرشد کی حد درجہ تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کے روضہ اقدس پر بہت پر اثر عالمانہ وصوفیانہ تقریر کیا کرتے تھے جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلیحضرت اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کی دیکھ بھال کیلئے بذات خود دے آئے اور فرمایا کہ حضرت ان کتوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی۔ جانتے ہیں یہ دو کتے کون تھے آپ کے دونوں صاحبزادگان، جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند تھے۔ اور دوسرا تو زمانہ ہوا غریق رحمت ہو گئے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس سلسلہ میں بھی ہوں پیر و مرشد کے انتخاب سے قبل یا بیعت کرنے کے بعد پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ خدمت بجالانا چاہیے۔ شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا چاہیئے صوم وصلوٰۃ و تزکیہ نفس و مجاہدہ کی حتی المقدور سعی پیہم کرتے رہنا چاہیئے جب تک کہ آدمی کی جان میں جان ہے اور یہی بیعت ہے اب سوال یہ ہے کہ بیعت کسے کہتے ہیں۔ بیعت کہتے ہیں مرشد کے ہاتھ پر بک جانے کو مرید بیعت کے بعد خریدا ہوا غلام ہے اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فردوسی سلسلہ کے بہت ہی جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کے مکتوبات تصوف کی تعلیمات کی شاندار عکاسی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے مرید حج سے واپس جہاز میں آرہے تھے، جہاز راستہ ہی میں آندھی کی نذر ہو گیا اور طوفانی موجوں سے گرداب ہلاکت میں پھنس کر پاش پاش ہو گیا۔ مرید سمندر میں غرق ہونے لگے اچانک حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیجئے۔ آپ کو سمندر کی غرق کر دینے والی لہروں سے بچاتے ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا میں یہ ہاتھ ہرگز نہ دوں گا۔ اس لئے کہ میں اپنے شیخ کے ہاتھوں میں دے چکا ہوں کہنے لگے حضرت ڈوب جاؤ گے تب مرید صادق نے کہا پرواہ نہیں ہے۔ ہم اصحاب حسین رضی اللہ عنہ کی طرح ہمت و استقلال کا ثبوت دیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے اور پھر حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور اپنے مرید کو پانی سے نکالا اور ساحل پر پہنچایا۔ یہ محض من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔ آپ کا معاملہ اگر اپنے شیخ سے استوار ہو۔ عقیدہ مضبوط ہو تو یقیناً امداد غیبی ملتی ہے۔ مدد کرنے والا چاہے شیخ نہ رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پالنے والا اور مصیبت کے وقت ان کی مدد کرنے والا ہے۔ یقیناً آڑے وقتوں میں محض اپنے دوستوں کی لاج رکھنے کیلئے سفر و حضر میں، دکھ و درد میں، ابتلاء و آزمائش میں، زندگی کے ہر سانحہ ہر موڑ پر مدد فرماتا ہے۔ مگر اولیاء اللہ کی پہچان کہاں ہے لوگوں کو۔ اللہ نے اپنے خاص بندوں کو بہت چھپا رکھا ہے۔ اولیائے متاخرین و سابقین اپنی ولایتوں کو بوقت ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے۔ لیکن آج تمام ولیوں کو بے پردگی کا حکم نہیں ہے۔ وقت پڑنے پر بھی کرامتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہوتی بھی ہیں مگر پہچانی نہیں جاتیں۔ دیگر دلیلیں وعلتیں ایسی نمایاں ہوتی ہیں کہ دست غیب ثابت نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی میں بیشتر کرامتیں ظاہر ہوئیں مگر کسی کے بات سمجھ میں آئی اور کوئی محض شمس العلما کہہ کر رہ گیا اصل میں بقول امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فرماتے ہیں۔ جو چیزیں کہ اولیاء اللہ کی معرفت سے روکتی ہیں۔ ان میں سے اشد حجاب شہود و مماثلت و مشاکلت ہونا ہے۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے۔ اس پردے سے اللہ تعالیٰ نے اکثر اولین و آخرین کو چھپایا ہے حکمت الہیہ اس کی مقتضی ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اعتقاد پر ساری خلق کا اتفاق نہ ہو۔ اور اس میں ایک سر خفی ہے کہ اگر ساری خلق اس ولی کی مصدق ہوتی تو تکذیب مکذبین پر صبر کرنے کا اجر اسے کیونکر ملتا۔ جو شخص کسی شخص معین کی تکفیر کرتا ہے گویا وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انجام اس کا آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کو آگ میں رہتا ہے۔ شہود مماثلت و مشاکلت نے اکثر علمائے دین کو مجتہد زمانہ امام عالی وقار کے مزاج عارفانہ کو سمجھنے نہ دیا اور ان کے معاصرین نے ان کا جب بھی موقعہ ملا مذاق بھی خوب اڑایا۔ گالیاں بھی خوب دیں اور لعنت و ملامت بھی جی بھر کر کی۔ ایک مرتبہ آپ کے مرید و حبیب نے آپ سے پوچھا کہ آپ غیر مقلدین کو برا بھلا کیوں لکھتے ہیں اور انہیں برانگیختہ کر دیتے ہیں کہ وہ آپ ہی کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا میاں میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ دشنام طراز، کینہ جو، بدخصلت اور بدمذہب لوگ میرے، آقا و مولا فخر موجودات سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے ذہن

ہٹالیں۔ اور احمد رضا کو جی بھر کر کوسیں۔ میرے لئے یہی بہت بڑی سعادت ہے کہ طائف کے طرفداروں کو میں نے اپنے پیچھے لگا لیا وہ جتنا چاہیں مجھے لہولہان کریں میں کچھ نہ بولوں گا۔ گویا سیدنا حضرت علیؓ کی طرح اپنے نفس کے لئے کسی سے بدلہ نہ لینے کی قسم کھالی تھی۔ یہ واقعہ آپ کے اخلاق حمیدہ کی تابندہ مثال ہے کہ آپ نے اپنے نفس کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ کسی کو اپنے مفاد کے لئے تباہ و برباد نہیں کیا۔ بڑے تھے مگر علم کے غرور میں سیدھے سادے پر خلوص مسلمانوں سے کبھی نخوت و تکبر کا برتاؤ نہیں کیا۔ جس سے بھی ملے خندہ پیشانی سے ملے بزرگوں کی عزت کی۔ دوست احبا کے اصرار پر نعتیں کہیں، خوب خوب مجلسیں پند و نصیحت کی گرم رکھیں اور چھوٹوں پر شفقت کی۔ اپنے مریدوں کیسا تھ بھی آپ کا سلوک نہایت والہانہ و عاشقانہ تھا۔ آپ ان میں ان کی ذات و صفات کیمطابق، عمل و فضل کے موجب، غربت و امارت کے بطور کبھی بھی حد امتیاز نہ برتتے تھے۔ سلوک سب سے یکساں تھا مگر ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ مجھی کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ خوب سمجھتے تھے کہ گناہ کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ کسی مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنے سے پہنچتا ہے اہل معرفت کی عبادت نفس کی نگہداشت ہے۔ یہ ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی ہیں۔ جن پر سختی سے ہر مومن کو کاربند و پابند ہو جانا چاہیئے۔

امام احمد رضاؒ ایک بہت بڑے عالم، فاضل، فقیہ، محدث ہونے کے باوجود جو تصوف کو اتنی اہمیت دی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ طریقت کو شریعت کے مخالف نہیں سمجھتے تھے بلکہ طریقت ہی کو شریعت کا جامع ترین اسوہ متصدقہ خیال کرتے تھے۔ ہمارے مذہب میں جتنے بھی مقتدر اولیائے کرام، صوفیہ اور مشائخ گذرے ہیں کسی نے بھی قرآن و سنت نیز احکام شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اپنے ملفوظات میں ایمان شکن نظریات پیش کئے ہیں۔ موجودہ دور کے ترقی پسند پڑھے لکھے، تربیت یافتہ، آزاد خیال حضرات صرف اس لئے تصوف پر تنقید فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے آج کے نام نہاد روحانی اچکوں کو صوفی سمجھ لیا اور ان کے مسلک کو مسلک اولیا اصحاب الصفہ کا دھرم سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ اصحاب الصفہ ہی تھے جن کے لئے حضور سرور کائنات ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم پر میرے ماں باپ قربان تمہاری خبر گیری کیلئے مجھے اللہ کا خاص پیغام آیا ہے اور مجھے سخت تاکید کی گئی ہے اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بذات خود تصوف کیا ہے۔ میں غیر ضروری تفصیل میں نہ جاؤں گا کہ صوفی کسے کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی و عملی معنیٰ کیا ہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ صالحین کے مذہب کو جتنا نفرت انگیز اور حقارت خیز آج دیکھا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ یہی وہ واحد نجات کا راستہ ہے جس پر زندگی بھر خود نبی کریمؐ قائم و دائم رہے اور آج صرف انہی مخلصین لہ الدین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ساتھ ساتھ گامزن رہتی ہے اور سالکوں کو راستہ دکھاتی ہے میرے خیال میں فرقہ ناجیہ صرف صوفیہ کا طبقہ ہے جو منتشر ہونے کے باوجود الگ سے پہچانا جا سکتا ہے تصوف پر عبدالوہاب شعرانی کے معرکتہ آلارا خیالات سنیئے۔ طبقات میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف عبارت ہے ایک علم سے کہ جب اولیاء اللہ کے دل کتاب و سنت پر عمل کرنے سے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ علم ان کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو جو شخص کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے اس کے لئے اس عمل کی برکت سے ایسے علوم و آداب و اسرار و حقائق ظاہر ہوتے ہیں جن کے بیان سے زبانیں عاجز ہیں پس تصوف خلاصہ ہے۔ بندے کے عمل کا احکام شریعت کے ساتھ جب کہ اس کے عمل سے کشش اور حظوظ نفس دور ہو جائیں جیسے علم معانی و بیان خلاصہ ہے علم نحو کا، سو جو شخص علم تصوف کو مستقل علم ٹھہراتا ہے وہ سچ کہتا ہے اور جو کوئی اس کو عین احکام شریعت قرار دیتا ہے وہ بھی سچا ہے بڑے بڑے مقتدر فقہا صلحا کے پاس صوفیہ کا کیا مقام تھا۔ امام شعرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار سے ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے امام شعرانی کا قول نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ قوم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ طریق اللہ عزوجل کی تعلیم کیلئے وہی شخص لیاقت رکھتا ہے جس کو علم شریعت میں تبحر حاصل ہوا ہو۔ شریعت کے منطوق و مفہوم اور خاص و عام، ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ علم لغت میں تبحر رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ عربی زبان کی مجازات، استعارات وغیرہ سے واقف ہو پس ہر صوفی فقیہہ ہے اور ہر فقیہہ صوفی نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنے بیٹے کو رغبت دلاتے تھے کہ اس زمانے کے صوفیہ کے ساتھ صحبت رکھے اور فرماتے تھے کہ بیشک یہ لوگ اخلاص میں اس مقام کو پہنچے ہیں کہ ہم اس کو نہیں پہنچے۔ اعلیحضرت

رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوفی فقیہ ہیں۔ اور ایسی زبردست نورانی شخصیت کے مالک ہوئے ہیں کہ دور دراز سے لوگ سفر کر کے ان سے ملاقات کو آئے اور فیض حاصل کیا۔ اگر وہ کتنے ہی بڑے فقیہ ہوتے مگر صوفی نہ ہوتے تو آج اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے نام کو اتنا بلند نہ کرتا جتنا کہ آج ہو چکا ہے کچھ دنوں تک بہت پرچار ہوتا بعد میں کوئی آپ کا یا بریلی شریف کا نام تک نہ جانتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احوال اہل اللہ گو پردہ خفا میں ہیں مگر جن کے ظاہر ہیں خوب ظاہر ہیں۔ ہر کس و ناکس سر جھکانے پر مجبور ہے۔ یہ محض صوفیہ کا والہانہ انداز محبت ہے اور خالص فنائیت فی اللہ و رسول ہے جس نے چہار سمت ان کی شہرت کا آوازہ بلند کیا ہے اعلیٰ حضرت کے ملفوظات اور تصوف پر بیشتر تصانیف اس امر کی شاہد ہیں کہ آپ کا دل تصنع سے پاک اور محض نام و نمود کا دلدادہ نہ تھا۔ جن لوگوں نے آپ کی تصنیفات (۱) الاہلال لفیض الاولیاء بعد وصال (۲) انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار (۳) ازہار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار (۴) طوالع النور فی حکم سراج علی القبور (۵) مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم (۶) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۷) اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ (۸) سلطنۃ المصطفیٰ فی کل الوریٰ (۹) مدی الحیران فی نفی الفئ عن شمس الاکوان۔ اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (۱۱) الصمصام الحیدری (۱۲) شرح العقائد (۱۳) حاشیہ مفتاح السعادۃ (۱۴) حاشیہ صواعق المحرقہ (۱۵) حاشیہ احیاء العلوم۔ (۱۶) حاشیہ یحییٰ الاسرار (۱۷) حاشیہ کشف الظنون (۱۸) الفوز بالآمال فی الاوفاق والاعمال۔ وغیرہم۔ پڑھی ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کے سینے میں کس حد تک شیخ یحییٰ منیری کی تڑپ تھی۔ بابا فرید کا سوز دل تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء کی سی شان محبوبیت تھی۔

امام احمد رضا نے مقال العرفاء میں شریعت و طریقت پر بحث کی ہے جو کچھ ہم نے کہا ہے اگر اس میں ذرہ برابر بھی کم و بیش آپ ان کی تحریر میں پائیں تو جو چاہیں سزا دیں اگر نہ مان لیں کہ قبلہ و کعبہ مجدد اعظم صوفی فقیہ تھے اور مقرب بارگاہ تھے فرماتے ہیں شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے شریعت ہی پر طریقت کا دار و مدار ہے۔ شریعت ہی اصل کار اور محک و معیار ہے شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے جس حقیقت کو شریعت رد فرما دے وہ حقیقت نہیں بیدینی اور زندقہ ہے۔

تصوف میں عشق رسول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ فرقہ وہابیہ اور دیوبند تحریک کے بڑے بڑے زبان درازوں کا گستاخ و بے ادب فتنہ پردازوں کا امام احمد رضا نے اپنی تحریروں میں بہت دندان شکن جواب دیا ہے مثلاً کرامت اللہ خاں صاحب کے استفتار کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ الامن والعلیٰ تحریر کیا تھا اور مقام رسول اور بخشش الٰہ کی بڑی پرخلوص وضاحت کی تھی۔ فرمایا اللہ اور رسول نے دولتمند کر دیا۔ اللہ و رسول نگہبان ہیں۔ اللہ و رسول بے والیوں کے والی ہیں۔ اللہ و رسول مالوں کے مالک ہیں۔ اللہ و رسول زمین کے مالک ہیں۔ اللہ و رسول کی طرف توبہ۔ اللہ و رسول کی دہائی۔ اللہ و رسول دینے والے ہیں۔ اللہ و رسول سے دینے کی توقع۔ اللہ و رسول نے نعمت دی۔ اللہ و رسول نے عزت بخشی جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم / حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے حافظ و نگہبان ہیں۔ حضور کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں۔ حضور کے آگے گڑگڑا رہے ہیں۔ حضور ساری زمین کے مالک ہیں۔ حضور سب آدمیوں کے مالک ہیں۔ حضور تمام امتوں کے مالک ہیں۔ دنیا کی ساری مخلوق حضور کے قبضہ میں ہے۔ مدد کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ نفع کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ جنت کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ دوزخ کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ آخرت میں عزت دینا حضور کے ہاتھ ہے۔ قیامت میں کل اختیار حضور کے ہاتھ ہے۔ حضور مصیبتوں کو دور فرمانے والے۔ حضور سختیوں کو ٹالنے والے... حضور کے خادم رزق آسان کرتے ہیں۔ حضور کے خادم بلائیں ہٹاتے ہیں۔ حضور کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں۔ حضور کے خادم تمام کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ اولیاء کے سبب بلا دور ہوتی ہے اولیاء کے سبب روزی ملتی ہے۔ اولیاء کے سبب مدد ملتی ہے۔ اولیاء کے سبب بارش ہوتی ہے اولیاء کے سبب زمین قائم ہے۔

خاصان خدا کا کیا مقام ہے۔ اگر سوال کا جواب صاحب شریعت سے مل جائے تو پھر کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے فخر موجودات

سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے" بیشک اللہ عزوجل دوست رکھتا ہے اپنے خلق سے اتقیا اصفیا ابرار کو جن کے بال پریشان منہ غبار آلود، پیٹ دبلے ہیں۔ جب وہ امرا کے یہاں آنے کی اجازت چاہیں تو ان کیلئے آنے کی اجازت نہ دیجائے۔ اگر مالدار عورتوں سے نکاح کا پیغام کریں۔ تو ان سے نکاح نہ کریں۔ غایب ہوں تو ان کی تلاش نہ کریں۔ آجائیں تو ان کے آنے سے خوش نہ ہوں بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کریں۔ مرجائیں تو ان کے جنازے میں حاضر نہ ہوں۔ زمین والوں میں مجہول ہیں مگر آسمان والوں میں معروف ہیں اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو ضرور ان کی قسم کو سچی کردے۔ اللہ کے محبوب بندے زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز کو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں اس لئے ان کو اپنے آپ پر قیاس کرکے ذلیل نہ کیا کرو۔ سوچنے اور امتحان لینے والا خالص مٹی کا پتلا ہے وہ بقول جنید بغدادیؓ کے ابھی تک جنید تک نہیں پہنچا۔ تو اللہ تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے لہذا ثابت کرو کہ علم و عرفان، بصیرت و بصارت کی پہلی منزل خود مقام صوفیہ ہے مرید اگر اپنے پیر کے تصور میں اگرانہاک و استقامت حاصل کرے تو پھر اسی نور سے اللہ اور رسولؐ کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ شخصیت کا افتراق سہی مگر ارواح کا اتصال ضرور ہے اسی نسبت کو حاصل کرنے کیلئے اکابر صوفیہ اہل اولیائے سلاسل میں نسبت حاصل کرنے پر زور دیا ہے ایک مثل بہت مشہور ہے مگر بات بہت صحیح ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں ہوتا اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے افکار و احوال صوفیہ و مشائخ کا مذہب ہونے کے باوجود اپنے اندر کافی گہرائی و انفرادیت رکھتے ہیں مثلاً دست غیب سے متعلق فرمایا اور جو اللہ سے ڈرے اس کیلئے اللہ نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو" حضرت کو اسی بات کا بڑا غم و افسوس رہا کہ مومن کا خشیت و ہیبت الٰہی پر عمل نہیں رہتا۔ ورنہ کشایش رزق کا ہرگز قلق نہ ہوتا۔ اس قدر کشادگی سے دامن بھر جاتا کہ سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔ دوسری جگہ منصب ولایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اطباق ائمہ کا علماء کا جمہور کا، سواد اعظم کا جس کو ولی مان رہا ہے وہ بیشک ولی ہے لیکن آگے چل کر فرمایا کہ خلاف شریعت ہر وقت کے بکتے رہنے والے کو حالت سکر کا عذر سمجھ کر معاف نہیں کیا جاسکتا اور نہ ولی سمجھا جاسکتا ہے مرتبہ غوثیت کی توجیہات علم لدنی پر مبنی ہیں اس لئے کہ اس قسم کی باتیں صرف سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہوسکتی ہیں کہیں کسی کتاب میں اس طرح کی بحث پڑھنے کو نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ غوث کو مراقبے سے حالات منکشف نہیں ہوتے بلکہ انہیں ہر حال میں یوں ہی مثل آئینہ پیش نظر ہے وہ دنیا کو ہتھیلی میں رائی کے دانے کے مانند دیکھتے ہیں ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب عبداللہ اور وزیر دست راست عبدالرب و وزیر دست چپ عبدالملک۔ اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا۔ اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ۔ غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر راست پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ممتاز ہوئے اور ان کے دو وزیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے اسی طرح یہ سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؓ تک آیا اور بعد میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ غوث ہوئے اب ان کے بعد جتنے غوث ہوئے سب ان کے نائب ہوئے۔ اب حضرت غوث اعظم تنہا غوثیہ کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور غوث اعظم بھی ہیں۔ اور سید الافراد بھی۔ حضور کے بعد جتنے اب ہوں گے۔ حضرت امام مہدی تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے پھر امام مہدی تک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) غوثیت کبریٰ عطا ہو گی۔ آپ نے علامہ سیوطی اور امام قسطلانی کے مباحث کے بعد فرمایا کہ بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم بالصواب ایک اور جگہ فرمایا ثواب و عذاب جسم و روح دونوں کو ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جنہیں پسند کرتا ہے ان کی دعا جلد قبول نہیں کرتا گو کہ وہ روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ لیکن پروردگار عالم جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے جبرئیل اس مومن بندے کا رونا اور میری طرف اس کا منہ اٹھا کے دعا مانگنا اچھا

لگتا ہے لیکن فاسق و فاجر کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ عرش و کرسی کی طرف اس کا منہ اٹھانا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا اسے دیکھنا پسند نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کی اگر دعائیں قبول نہ ہوتی ہوں۔ تو دل برداشتہ نہ ہوا کریں اور نہ ہی ناصبوری کے عالم میں ناشکری کے کلمات زبان پاک سے نکالیں اس لئے کہ مشیت الٰہی بقول حضور کے خود اسی بات کی متقاضی ہے لہٰذا صبر کریں اور تقدیر الٰہی پر راضی رہا کریں۔ اعلحضرت کے ملفوظات، تصوف کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ اس چھوٹے سے مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمام تر اہم باتیں ناظرین کی خدمت میں پیش کر سکوں اگر اللہ توفیق دے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کے افکار و احوال بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہیئے اور تمام پند و نصائح کو گرہ میں باندھ لینا چاہیئے کہ یہی فلاح دین و دنیا اور آخرت میں کام آنے والے سہارے ہیں۔

صوفی کے راستے میں نادم تربیت سب سے زیادہ کانٹے شیطان بچھاتا ہے اس کے بہکاوے ایسے پرفریب ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے الہام و عرفان سمجھ کر جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتے اور سیدھی راہ سے دور جا پڑتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس ضمن میں غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے مریدوں کی حکایت بیان کر کے فرمایا کہ بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے دھاگے کی لگام ڈالتا ہے واقعہ یہ ہے کہ جتنا علم وسیع ہوتا جاتا ہے۔ سالک سمندر کی طرح پھیل کر گہرا اور وسعت والا ہو جاتا ہے جب تک انسان میں تمیز حرام و حلال پوری طرح واضح نہ ہو جائے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ بعض حرام ناجائز قسم کے افعال و اعمال بھی مسلمان لاعلمی کی وجہ سے مباح اور حلال سمجھ کر کرتا رہے گا اور گنہگار ہوتا رہے گا۔ اس لئے راہ سلوک کے متوالوں کو چاہیئے کہ تمام تر ضروری علم حاصل کریں یاد رہے کہ غیر ضروری دنیاوی علم کو حاصل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات تضیع اوقات ثابت ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء عطائے خلافت کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ حضرت اخی سراج کو اتنا محبوب رکھنے کے باوجود آپ نے خلافت عطا نہ کی تا وقتیکہ آپ نے شریعت مطہرہ کا تبحر حاصل نہیں کر لیا۔ شیخ کے پردہ فرمانے کے بعد مرید کو کس طرح حاضری دینا چاہیئے اس کے بارے میں بھی بہت عمدہ ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا مرید کو چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھنا چاہیئے حیات میں مرید جیسا ادب کرتا ہے۔ سامنے سے حاضر ہو کر باادب کھڑا ہونا چاہیئے اور جگہ کھڑا ہونے میں پیر کو مڑ کر دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے قبر میں جس سمت چہرہ کھلا ہوتا ہے اس سمت مرید کو بھی کھڑا ہونا چاہیئے ایک جگہ حضرت شیخ سعدی کے قول نصیحت کو اعلیٰ حضرت نے بڑی اہمیت دی اور فرمایا کہ کیا وجہ ہے مرید عالم فاضل اور صاحب شریعت و طریقت ہونے کے دامن مراد نہیں بھر پاتا غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ اکثر علمائے دین اپنے آپ کو پیر سے افضل سمجھتے ہیں۔ یا علم کا غرور اور کچھ ہونے کی سمجھ، کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ ورنہ سعدی علیہ الرحمۃ کا مشورہ سنیں۔ فرماتے ہیں بھر لینے والے کو یہ چاہیئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہے، مگر اپنے کمالات کو دروازے پر ہی چھوڑے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پائے گا اور جو اپنے آپ کو بھرا سمجھے گا تو "اناء کہ پر شد دگر چوں برد" بھرے برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جا سکتی۔

بزرگان دین کے اعراس مقدس کے تعین کی بابت فرمایا کہ اولیائے کرام کی ارواح طیبہ کو ان کے وصال شریف کے دن قبور کریمہ کی طرف توجہ زیادتی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ وقت جو وصال کا ہے اخذ برکات کے لئے زیادہ مناسب ہوتا ہے آپ قادری ہونے کے باوجود چشتیہ سلسلے کے تمام بزرگان دین کی بے پناہ عزت و احترام کرتے تھے۔ ایک جگہ فرمایا حضرت خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ آپ سچی اور تلبی ارادت کو فیض کی کنجی سمجھتے تھے اور مرشد کی توجہ سے بیڑا پار جانتے تھے۔ تصوف میں ان دونوں باتوں کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے۔ مرید ہوا مگر پیر سے ارادت نہ ہوئی ہرگز فیض نہ ہوگا۔ زندگی بھر خدمت کی لیکن نفس ساتھ ساتھ چلتا رہا ہرگز پیر کی نظر نہ ہوگی۔ بے لوث خدمت کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا ارشاد پاک ہے جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے لئے بہتر ہے نفع نہ پائیگا۔ علی بن ہیتی کے مرید علی جوسقی سے مخاطب ہو کر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ارشاد فرمایا تھا۔ اپنے تمام حوائج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے۔ یعنی اگر شیخ کا شیخ بھی سامنے موجود ہے

تب بھی اپنے شیخ کی نظرِ کرم کا محتاج رہے دربدر کا ہرجائی کہیں سے بھی کچھ نہیں پاتا۔ آدابِ مریدین میں حضرت مجددِ اعظم نے بہت فیوض و برکات کے کلمات لکھے ہیں مثلاً ایک جگہ فرمایا۔ "شیخ کے حضور خاموش رہنا افضل ہے ضروری مسائل پوچھنے میں حرج نہیں آپ نے تاکیداً کہا کہ شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری جگہ مشغول ہوگا۔ اور یہ حقیقتاً ممانعت ذکر نہیں بلکہ تکمیل ذکر ہے کہ وہ جو کریگا بلا توسل ہوگا اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہوگا وہ بتوسط ہوگا یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔ اصل کار حسن عقیدت ہے یہ نہیں تو کچھ نفع نہیں اور صرف حسن عقیدت ہے تو خیر اتصال تو ہے۔ پرنالہ کے مثل تم کو فیض پہنچے گا حسنِ عقیدت ہونا چاہیئے" مجاذیب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ " وہ خود سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی سلسلہ نہیں ان سے آگے پھر نہیں چلتا "۔ یعنی مجذوب اپنے سلسلہ میں منتہی ہوتا ہے۔ اپنا سا کوئی دوسرا مجذوب پیدا نہیں کرسکتا وجہ غالباً یہ ہے کہ مجذوب مقام حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے اور بقا حاصل کرلیتا ہے۔ اس لئے غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کرامت کسی بھی ولی کی کسبی نہیں ہوتی۔ سب کی کرامتیں وہبی ہوتی ہیں۔ باقی جو کچھ ہوتا ہے بھان متی اور شعبدہ بازی ہے اللہ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے " وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ضرور ہم انہیں راہ دکھائیں گے سچی جدوجہد ہونا چاہیئے۔ سچ تو یہ ہے طلب صادق کبھی خالی نہیں جاتی۔ اولیاء اللہ کی سچے دل سے پیروی کرنا اور مشابہت کرنا کسی دن ولی اللہ کردیتا ہے۔ اس لئے کہ جو کسی کا تشبہ کرتا ہے اللہ اس کو بھی اسی گروہ میں شامل کردیتا ہے۔ من تشبہ بقوم فہو منہم۔ چونکہ محض مشابہت میں سالک رہا ہے اس لئے ولی اللہ نہ بن سکے گا یہی وجہ ہے کہ نام نہاد صوفی کالی کملی والے سے بہت دور غار ہلاکت میں جا پڑے ہیں۔ اللہ ایسے کذب اور تصنع سے محفوظ رکھے۔ نبوت اور ولایت کا فرق بھی سمجھ لیجئے۔ فرماتے ہیں ولایت کی توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق۔ نبوت اسی طرح سے غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔ تصوف میں قلب اور نفس کی اصلاح کا ایک خاص معنی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں قلب حقیقتاً اس مضغہ گوشت کا نام نہیں بلکہ وہ ایک لطیفہ غیبیہ ہے جس کا مرکز مضغہ گوشت ہے یہ سینے کے بائیں جانب ہے اور نفس کا مرکز زیر ناف ہے۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور تصوف پر ان کے فکر انگیز ملفوظات بہت گہرے مطالعہ و مشاہدہ کی دین ہے اس احتیاط و توازن کے ساتھ آپ نے کلمات حکمت فرمائے ہیں کہ ذرہ برابر تنقید کی گنجائش نہیں۔ اگر سالک صدق دل سے آپ کی راہ پر سفر اختیار کرے اور بزرگوں سے سچی نسبت پیدا کرے تو اس کی منزل اس دور ابتلا و آزمائش میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہے اعلیٰحضرت کی تمام تر تصنیفات انتہائی ادق اور مشکل عربی و فارسی زبان میں تحریر ہوئی ہیں نیز اردو بھی کافی مشکل ہے ضرورت ہے اس بات کی ایک اہل سنت و جماعت کی ضمنی کمیٹی مقرر ہو اور وہ کمیٹی ان تمام کتابوں کو تشریحات و توضیحات اور فرہنگ کے ساتھ شائع کرے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی تحریروں میں اسلامی دنیا کے سینکڑوں مفکروں دانشوروں، فقہا و صلحا و محدثین نیز علم الکلام و فلسفہ کے علماء اور اولیاء کے اسمائے گرامی استعمال کئے ہیں۔ الگ سے ان بزرگوں کی مختصر سوانح عمریاں بھی توضیحات کے ساتھ ساتھ شائع کی جانی چاہئیں۔

تصوف جیسے اسرار الہیہ و علوم غیبیہ پر اعلیٰحضرت کی نہ صرف نثری تخلیقات شاہد ہیں بلکہ شعری تخلیقات میں بھی بہت زیادہ جواہر پارے ہیں۔ ہم نے شاعری کا بھی بہ نظر غائر مطالعہ کیا لیکن چونکہ موضوع سے ہٹ کر تھا۔ اس لئے اس مضمون میں اشعار سے اقتباسات پیش نہیں کئے گئے بہرحال امام احمد رضا صرف مجدد و عالم ہی نہیں کامل ولی اللہ ہوئے ہیں اور ہمارے درمیان آج بھی اسی طرح موجود ہیں، جس طرح آپ اپنی جسمانی حیات میں فیوض و برکات کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ صرف پردہ ہے جو نظر کا ہے ورنہ آج بھی وہ ہماری مدد کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ بصد خلوص استغاثہ پیش کیا جائے۔ اور مزار پر انوار سے کسب فیض کیا جائے۔ اللہ مدد کرنے والا ہے کوشش صحیح ہونی چاہیئں ؎

اپنی نظر ہی پردہ ہے دیدار کے لئے   ورنہ کوئی حجاب نہیں یار کے لئے

امام احمد رضا اور رُوحانی قدریں

ہر بندہ مومن کا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ تمام روحوں کا خالق اللہ عزّ وجلّ ہے۔ ازل سے ابد تک کی تمام روحوں میں سب سے افضل سب سے اعلیٰ اور سب سے بزرگ روح یعنی روح اعظم محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جماعت ملائکہ میں حامل وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام روح القدس، روح الامین کے لقب کے ساتھ مشرف ہیں۔ اور وحی ربانی یعنی قرآن حکیم روح افزا، حیات آفرین کلام ہے جیسا کہ ارشاد حقانی ہے۔

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ———— (سورہ شوریٰ)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں وحی بھیجی (اے سید عالم خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روح افزا چیز (یعنی قرآن پاک جو دلوں میں زندگی پیدا کرتا ہے) اپنے حکم سے۔

اب مذکورہ بالا باتوں میں ترتیب دی جائے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ خالق ارواح اللہ حی وقیوم نے ایک روح افزا چیز یعنی وحی مقدس کو جو سراپا روح ہے۔ حضرت جبرئیل روح الامین کے ذریعہ روح سرکار دو عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ارسال فرمایا۔ اگر چشم عقیدت سرمہ سنیت سے منور ہے تو اس کی بصیرت میں سرکار دو عالم کا وجود گرامی پیکر روح اور سراپا نور نظر آئے گا۔ کیونکہ حی وقیوم رب تبارک وتعالیٰ نے حضورؐ ہی کے واسطہ سے بے جان دلوں اور مردہ قوموں کو زندگی عطا کرنے کے لئے یہ سلسلہ روحانی قائم کیا ہے

آپ اسے مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھیے کہ قرآن حکیم یقیناً آب حیات وپیام روح افزا ہے لیکن اس آب حیات اور روح افزا پیغام سے اگر مردہ دلوں کو زندگی عطا ہوئی، کشت قلوب میں تروتازگی پیدا ہوئی۔ قلوب انسانی کی بے جان اور خشک زمینوں میں شادابی وشگفتگی کی روح پرور بہاریں آگئیں تو وہ یقیناً اسی آسمان رحمت کی موسلا دھار بارش کا فیضان تھا۔ جو قرآن حکیم یعنی پیام روح افزا کے نزول کی منزل آخری ہے وہ آسمان رحمت اور سائے کرم کون ہیں۔ بے شک وشبہ وہ آسمان رحمت نبی مکرم رحمت عالم روح مجسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی ارواح عالم کے لئے سبب ناز اور نبوت ورسالت کے لئے باعث صد افتخار ہے۔ حضور پیکر نور ابتدائے خلقت ہی سے سراپا روح ہیں جن کی روحانیت کبریٰ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی روحانیت نے مشاہدہ فرمایا اور اس کی تعبیر اشعار کے ذریعہ اس طرح فرمائی ہے

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی روح ہے پاک ہے نورانی ہے

رب تعالیٰ حی وقیوم ہے، قرآن حکیم نعمت روح افزا، جبریل امین روح قدس ہیں اور مہبط وحی سرکار دو عالم پیکر روح اب ذرا اس سلسلہ روحانی سے وابستگی کی زود اثر تاثیر ملاحظہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے حی و قیوم رب سے صحیح عقیدہ کا رابطہ قائم کر لیا۔ پھر جبریل امین سے صحیح ایمانی تعلق استوار کیا پھر سرکار روح اعظم نور اکبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان و ایقان کا رشتہ درست و مستحکم کر لیا پھر قرآن حکیم کو شرح صدر سے آب حیات تسلیم کر لیا ان کی زندگی اور روحانیت کی دل کش تصویر قرآن حکیم کے آئینہ مصفٰی میں ملاحظہ فرمایئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۔

اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے اور ان سے نہ نکل سکے۔ (ترجمہ)

مردہ سے کافر اور زندہ سے مومن مراد ہے کیونکہ کفر قلوب کے لئے موت ہے اور ایمان حیات ہے۔ نور سے مراد ہے جس کی بدولت آدمی کفر کی تاریکیوں سے نجات پاتا ہے۔ قتادہؓ کا قول ہے کہ نور سے کتاب اللہ یعنی قرآن مراد ہے جس سے لوگوں میں چلتا ہے اور بینائی حاصل کر کے راہِ حق کا امتیاز کر لیتا ہے۔ کفر و جہل و تیرہ باطنی کی یہ ایک مثال ہے جس میں مومن و کافر کا حال بیان فرمایا گیا کہ ہدایت پانے والا مومن اس مردہ کی طرح ہے جس نے زندگی پائی اور اس کو نور ملا جس سے وہ مقصود کی راہ پاتا ہے اور کافر اس کی مثل ہے جو طرح طرح کی اندھیریوں میں گرفتار ہوا ان سے نکل نہ سکے ہمیشہ حیرت میں مبتلا ہے۔

یہ دونوں مثالیں ہر مومن و کافر کے لئے عام ہیں۔ اگرچہ نزول خاص شخص کے سلسلہ میں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شان نزول مروی ہے۔ جس کے بیان کی سلسلہ مضمون میں چنداں حاجت نہیں۔

روحانیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش نظر رکھیے۔ آگ سے قریب ہونے والا انسان گرمی اور تپش محسوس کرتا ہے اور جس کو آگ چھو لے وہ جلن اور سوزش سے بے تاب ہوتا ہے۔ جو چیز آگ میں جاتی ہے وہ جل جاتی ہے بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو آگ کا رنگ و روپ اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسے لوہا جب یہ آگ میں داخل ہوتا ہے تو کچھ دیر کے بعد آگ ہی کی طرح سرخ ہو جاتا ہے آگ اس میں حلول نہیں کرتی بلکہ اپنے اثر و کیفیت سے متکیف بنا کر شکل و صورت بدل دیتی ہے۔ یہ ایک ناقص مثال ہے جو محض افہام و تفہیم کے لئے پیش کی گئی ہے بے تشبیہ و بے تمثیل اللہ عزوجل اور اس کے کلام روحی نظام اور اس کے حبیب سراپا روح و نور سے جو جتنا قریب ہوتا جاتا ہے وہ روحانی حقائق و لطائف کے آثار کو الف سے کیف اختیار کرنے والا اور اثر قبول کرنے والا ہوتا جاتا ہے۔ اسی تکیف کا حال یہ ہوتا ہے کہ عالم روحانی کی سیر کرنیوالے حضرات یہ نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں۔ "اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا"

روح کی اثر آفرینی اور اس کی سرایت کی شان قرآن حکیم میں سورہ طٰہٰ شریف کی اس آیت سے معلوم کیجئے۔ "قَالَ مَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا اے سامری اب تیرا کیا حال ہے تو نے ایسا کیوں کیا اس کی وجہ بتا تو سامری بولا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا یعنی میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور ان کو پہچان لیا وہ اسپ حیات پر سوار تھے میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں ان کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی خاک لوں تو فرشتے کے نشان سے ایک مٹھی بھری پھر اُسے بچھڑا میں ڈال دیا جس کو میں نے بنایا تھا اور میرے جی کو یہی بھلا لگا اور یہ فعل میں نے اپنی ہی ہوائے نفس سے کیا کوئی دوسرا اس کا باعث و محرک نہ تھا (مفہوم)

غور فرمائیں روح الامین اسپ حیات پر سوار ہیں۔ گھوڑے کے سُم سے زمین مس ہوئی۔ اس مَس نے زمین کے اس حصہ خاکی کو زندگی بخش دی بلکہ دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا بنا دیا۔ جبھی تو اس خاک نے بچھڑے میں زندگی کا اثر رونما کر دیا۔ آپ نے روح کی اثر آفرینی

وحیات بخشی کی شان ملاحظہ فرمائی۔ کیا آپ اسے ایک چراغ سے سینکڑوں چراغ کا روشن ہونا نہ کہیں گے اگر آپ ایسا کہنے پر مجبور ہوں اور کہے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہ ہو تو آپ کے پردہ ذہن پر اس تصور کا نقش جیسی بھی مزور ابھر چکا ہوگا کہ واقعی ایک چراغ روح سے ہزاروں لاکھوں ہی نہیں بلکہ بے شمار روحانی چراغ روشن ہوئے ہیں ہوتے آ رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

روح کی حیات بخشی کی دوسری مثال سورہ حجرات شریف کی اس آیت کریمہ سے ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔

اب تفسیر خزائن العرفان سے اس کی شان نزول کے متعلق واقفیت حاصل کیجئے۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تشریف لے جاتے تھے۔ انصار کی مجلس پر گزر ہوا۔ وہاں تھوڑا سا توقف فرمایا۔ اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو ابن ابی (رئیس المنافقین) نے ناک بند کر لی۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ حضور تو تشریف لے گئے ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ گئیں اور ہاتھا پائی کی نوبت پہنچی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرا دی اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی"

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں محبان رسول اور شاتمان رسول کے درمیان جو آج تقریری، تحریری اور فعلی جنگ جاری ہے۔ یہی جنگ صدر اول میں بھی تھی۔ یہاں بھی محبان رسول یعنی سرکار دو عالم کی تعظیم و محبت کرنے والے حضرات تعظیم و تکریم رسول ہی کی خاطر نبرد آزما ہیں اور دشمنان رسول اہانت رسول پر اڑے ہوئے مورچہ بند ہیں۔ ابن ابی اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تلخی و ترشی پھر دونوں کی قوموں کے درمیان جنگ کی نوبت عقیدت رسول و نفرت رسول، احترام رسول و اہانت رسول کی خاطر تھی۔ یہی عین حقیقت ہے۔ یہی جنگ صدر اول سے آج تک برابر ہوتی آ رہی ہے۔

مقام حیرت و تعجب یہ ہے کہ نہ تو خالق کائنات نے اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس عقیدت سے روکا اور نہ ان کے اس ارشاد کو غلو ٹھہرایا کہ اے عبداللہ بن رواحہ یہ تم نے کیا کہہ دیا پیشاب تو ہر کسی کا ناپاک و بدبودار ہوتا ہے۔ تم نے دراز گوش کے پیشاب کو مشک سے بہتر خوشبودار کیسے کہہ دیا۔ وحی الٰہی آئی بھی تو یہ کہ ایک منافق بد عقیدہ کی وجہ سے تم اہل ایمان ہو کر بھی حمایت قومی میں لڑ پڑے۔ حضور نے بھی واپس آکر صلح کرا دی اور حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے اس اظہار عقیدت پر کچھ بھی ناگواری کا اظہار نہ فرمایا۔

خیر یہ تو محض ایک ضمنی بات تھی۔ اصل استدلال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ کا ارشاد مبنی بر حقیقت تھا۔ ان کا دن رات کا مشاہدہ تھا کہ حضور کا جسم مبارک معدن عطر و گلاب ہے جس راستہ اور جس گلی سے حضور گذر جاتے ہیں وہ راستہ اور گلی خوشبو سے بس جاتی ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ یوں ظاہر فرماتے ہیں ؎

وہ تھا بدن یا کوئی گل تر پھر اس کی خوشبو وہ روح پرور
جدھر سے گذرا بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہو کر

خود اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ جن کی روحانی خدمات کا بیان موضوع تحریر ہے دیکھیئے کتنے پیارے اور دل کش انداز میں اس حقیقت کو پیش فرماتے ہیں ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر گلاب — ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گذر کی ہے

غور فرمائیے جس ذات کے پسینے کی خوشبو سے زمین، ہوا، غبار، راہ اور کوچہ خوشبودار ہو جائے اس ذات کریم نے اگر دراز گوش کے سراپا کو معطر فرما دیا ہو اور اس کے پیشاب کی حقیقت بدل کر مشک سے بہتر ہو گئی ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اسی سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس طرح حضور کی خوشبو دوسروں کو خوشبودار بنا دیتی تھی جس طرح آپ کا نور دوسروں کو بھی پرنور کر دیتا تھا۔ اسی طرح آپ کی نورانیت بھی ہر اس شخص کو جو مدارجِ قرب میں جتنا آپ سے قریب ہوتا گیا۔ اسی انداز قرب کے مطابق اسے روحانی طاقتوں سے نوازا جاتا رہا۔ چودہ سو سالہ اسلامی زندگی کے ہر دور پر غائرانہ نظر ڈالیئے تو مسلسل بلا انقطاع روح بخشی کا یہ روح پرور ایمانی منظر آنکھوں کے سامنے جگمگاتا نظر آئے گا۔

روح اور روحانیت کوئی مادی چیز نہیں ہے بلکہ ایک جوہر لطیف امر ربی اور عالم امر کی خالص حقیقت مجردہ ہے کسی روح کو ناپنے اور وزن کرنے کے لئے دنیاوی پیمانہ اور ترازو کا استعمال محال ہے اس کے ناپ و تول کے لئے صرف قرآنی پیمانہ اور ترازو ہی واحد ذریعہ ہے اور بس۔ یہ حقیقت بالکل عیاں اور واضح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحب ہیبت و جلال اور سلطان ذی وجاہت سے جتنا ہی دور ہو گا اس کے دل میں دہشت و رعب کی اتنی ہی کمی ہو گی۔ اہل اقتدار، خود مختار، مطلق العنان شخصیت سے علیٰ حسب مراتب دوری بے خوفی نا ترسی اور غفلت و بے پروائی کا سبب ہو گی۔

اہل مرتبت اور صاحبِ سلطنت امراء وحکام سے دور رہنے کی حالت میں لوگ اس کے متعلق کتنے بڑے گستاخ، دشنام طراز اور شیخی باز ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر و آشکارا ہے مگر یہی لوگ جب وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ نہیں بلکہ علاقائی سطح کے افسروں کے حضور جاتے ہیں تو زبان خشک، بدن ساکن و ساکت، یارائے سخن مفقود ہوتا ہے اس میں راز کیا ہے۔ وہی حاضرانہ اور غائبانہ حضوری و غیبوبت، نزدیکی اور دوری اور قرب و بعد کے عالم میں قلبی حالتوں کا مختلف ہونا ہے۔

رب تعالیٰ سے جن خوش نصیبوں کو بلا تشبیہ جتنا قرب حضوری حاصل ہو جاتا ہے اتنا ہی ہیبت و جلال الٰہی کا تسلط بڑھتا ہے روحانیت نکھرتی جاتی ہے: خوف خدا و خشیت الٰہی کے آثار پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں، کیا گفتار و کردار، کیا نشست و برخاست سبھی صبغۃ اللّٰہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ وہ ذات پاک تو بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ کا اعلان موجود ہے! انسان خواہش و حرص، ہوا و ہوس کا پتلا ہے۔ نفس امارہ کی تاریکیوں کی وجہ سے حجاب در حجاب میں ہے اس حجاب کو چاک کر کے جیسے جیسے وہ حضوری کی دولت سے مالا مال ہوتا جاتا ہے۔ اس بشارت کا مصداق بنتا جاتا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔

بے شک پرہیز گار باغوں اور نہروں میں ہیں۔ سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے کے حضور (یعنی اس کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔

صحابہ کرام حضوری و ذکر الٰہی اور حب رسالت پناہی کے پیکر تھے۔ اس لئے ان کے خوف و خشیت کا بیان جابجا قرآن حکیم میں موجود ہے یہی وہ پیمانہ و میزان اور معیار ہے جس سے قیامت تک کے صاحب روحانیت کے روحانی مقام کو جانا پہچانا جا سکتا ہے۔ ساتویں پارہ کی ابتدائی آیت تلاوت کیجئے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا (یعنی قرآن شریف) تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے

ابل رہی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے۔

اور یہ ان کی رقتِ قلب کا بیان ہے کہ قرآن حکیم کے دل میں اثر کرنیوالے مضامین سن کر رو پڑتے ہیں۔ چنانچہ نجاشی بادشاہ کی درخواست پر حضرت جعفرؓ نے اس کے دربار میں سورہ مریم اور سورہ طٰہٰ کی آیات پڑھ کر سنائیں تو نجاشی بادشاہ اور اس کے درباری جن میں اس کی قوم کے علماء موجود تھے سب زار و قطار رونے لگے اسی طرح نجاشی کی قوم کے ستر آدمی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضور سے سورہ یٰسین سن کر بہت روئے اور کہا اے رب ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے برحق ہونے کی شہادت دی تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل کر جو روزِ قیامت تمام امتوں کے گواہ ہوں گے۔ (یہ انہیں انجیل سے معلوم ہو چکا تھا)

اب آپ کا ذوقِ ایمانی ہی صحیح فیصلہ کرے گا کہ قلب کی یہ رقت آنکھوں کی یہ گہر افشانیاں کس خشیت ربانی اور کس سلطان عشق کی فرمانروائی کا پتا دے رہی ہیں۔ یقیناً یہ کسی بلند و بالا روحانی مقام و منزل کی آئینہ دار ہیں جو قرب حقیقی کی لذت پا لینے کے بعد ہی میسر ہوتی ہیں۔

کشتِ نظر کی سیرابی کے لئے سورہ مومنون کی ایک آیت تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیجئے۔

"وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ"

ترجمہ اور تشریح ساتھ ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

"اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں زکوٰۃ و صدقات یا یہ معنی ہیں کہ اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے صدیق کی نور دیدہ ایسا نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو روزے رکھتے ہیں صدقہ دیتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں"۔

محل غور ہے کہ یہ حضرات عبادت کے باوجود اس قدر لرزاں و ترساں ہیں آخر کیوں؟ یہ اس لئے کہ مقام قرب و مرتبہ حضوری کا تقاضہ ہی ہے یہ ان کی پاکیزگی روح کی علامت ہے اس کے برعکس ہم سیہ کاروں عصیاں شعاروں کا حال یہ ہے کہ دن رات بدی کرتے ہیں اور بے خوف رہتے ہیں یہ بُعد و دوری و غیبوبت کا اثر ہے۔

سورۂ زمر شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔

یہاں بھی ترجمہ و تشریح ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ کریں۔

"اللہ تعالیٰ نے اتاری سب سے اچھی کتاب قرآن شریف جو عبارت میں ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ کوئی کلام اس سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھ سکتا مضمون نہایت دل پذیر ہے باوجودیکہ نہ نظم ہے نہ شعر، نرالے ہی اسلوب پر ہے اور معنی میں ایسا بلند مرتبہ کہ تمام علوم کا جامع اور معرفت الٰہی جیسی عظیم الشان نعمت کا رہنما کہ اول سے آخر تک یہ کتاب حسن و خوبی میں ایک سی ہے۔ دوہرے بیان والی کہ اس میں وعدہ کے ساتھ وعید اور امر کے ساتھ نہی اور اخبار کے ساتھ احکام ہیں۔ اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل یادِ خدا کی طرف رغبت میں نرم پڑتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے کہ ذکر الٰہی سے ان کے بال کھڑے ہوتے۔ جسم لرزتے ہیں اور دل چین پاتے ہیں"۔

مقام غور و فکر ہے کہ دلوں اور کھالوں کا نرم پڑ جانا بالوں کا کھڑا ہو جانا، جسم کا لرزاں، قلب کا ترساں اور آنکھوں کا گریاں ہونا یہ تمام چیزیں

روح کے اعلیٰ مقام کی طرف اشارہ کرتی ہیں آج ہم میں شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ہوں گے جن میں قرآن حکیم کو پڑھ کر یا سن کر یہ کیفیت پیدا ہوتی ہو ایسا محض اس لئے ہے کہ ہماری روحیں دنیاوی آلائشوں سے ملوث ہیں اور اسفلیت کے پست ترین مقام تک پہونچی ہوئی ہیں الا ما شاء اللہ ہیں نے آپ کے سامنے روحانیت کا ایک معیار قرآنی پیش کر دیا اسی معیار قرآنی پر ہر اسلامی دور میں اولیائے کرام، اصفیائے عظام اور ائمہ انام قافلہ در قافلہ لباس روحانیت میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ سرزمین ہند میں ان ذوات قدسیہ کا کارواں مسلمانی حکومت میں اور اس کے بعد بھی دعوت فکر و عمل دیتا نظر آتا ہے۔ ان حضرات کی روحانی خدمتیں روز روشن کی طرح آشکار ہیں۔ تفصیل کا موقعہ نہیں بلکہ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اسی پاکباز جماعت کے ایک فرد کامل اپنے عہد میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تھے جو میری تمہید عرفانی اور معیارِ قرآنی کے مطابق روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ان کی خدماتِ روحانی اظہر من الشمس ہیں ذیل میں چند ایسے اقتباسات آپ کی تصانیف سے درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے آپ کے مقام روحانیت کی بلندیاں آپ کی روحانی خدمتیں چشم بصیرت پر آشکار و ہویدا ہوتی ہیں۔

روحانیت کے نام پر اہل تصوف نے جو غلطیاں کی ہیں اور ان میں جو خامیاں آگئی ہیں۔ اس کی اصلاح اعلیٰحضرت نے جس انداز میں فرمائی ہے وہ وہی کر سکتا ہے جو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ "فتاویٰ افریقہ" میں اعلیٰحضرت سے ایک سوال کیا گیا کہ بیعت (مرید ہونا) فلاح کے لئے ضروری ہے یا نہیں کیا بیعت کے بغیر بھی فلاح مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں ایک تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اعلیٰحضرت نے ہر گوشہ کو واضح کیا ہے فلاح کس کو کہتے ہیں اور اس کی کتنی صورتیں ہیں۔ اس پر قلم اٹھاتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں۔

(فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۲۸) "اول فلاح ظاہر۔ حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر داروں کو مطلوب۔ جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصود۔ ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کر لیا اور متقی و مفلح بن گیے۔ اگرچہ باطن ریا و عجب و حسد و کینہ و تکبر و حب مدح و حب جاہ و محبت دنیا و طلب شہرت و تعظیم امراء و تحقیر مساکین و اتباع شہوات و مداہنت و کفران نعم، و حرص و بخل، و طول امل، و سوءِ ظن و عنادِ حق و اصرار باطل، مکر و عذر و خیانت و غفلت و قسوت و طمع و تملق و اعتماد خلق و نسیان خالق و نسیان موت و جرأت علی اللہ و نفاق و اتباع شیطان، و بندگی نفس و رغبت بطالت، و کراہت عمل و قلت، خشیت و جزع و عدم خشوع و غضب للنفس و تساہل فی اللہ و غیرہا مہلکات آفات سے گندہ رہا ہو جیسے مزبلہ پر زر لفت کا خیمہ اوپر زینت واندر نجاست پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری اصلاح پر قائم رہنے دیں گی۔ حاشا معاملہ پڑنے دیجئے کون سی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے۔ کون سی ناکردنی ہے کہ اٹھا رکھیں گے اور پھر بدستور صالح عوام کی کیا گنتی آج کل بہت علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے۔" اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ"

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے جن چالیس عیوب و نقائص کا ذکر فرمایا ہے اور جن سے بچنا فلاح ظاہر کے لئے لازمی قرار دیا ہے ان سے وہی شخص جو حسب مراتب قربِ الٰہی و حب سرکار دو عالم ﷺ سے تعلق خاص رکھتا ہو اور ان عیوب کی نشان دہی وہی کر سکتا ہے جو مقام روحانیت سے بہترین واقفیت رکھتا ہو۔ جس کا قلب خوف الٰہی اور خشیت ربانی سے لرزاں و ترساں ہو۔

پیر بننے کے لئے علم کی شدید ضرورت ہے اس ضمن میں بحث کرتے ہوئے "فتاوی افریقہ صفحہ ۱۳۲" پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں (پیر بننے کی تیسری شرط) عالم ہو اقول علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف، کفر و اسلام و ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بد مذہب نہیں کل ہو جائے گا فَمَنْ لَّمْ یَعْرِفِ الشَّرَّ یَقَعْ فِیْہِ صدہا کلمات و حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل براہ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان سے قول و فعل کفر صادر ہوا اور بے اطلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے تو بہ بھی کر لے مگر وہ جو سجادہ مشیخت پر ہادی و مرشد بنے بیٹھے ہیں ان کی عظمت کہ خود ان کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے۔ وَاِذَا قِیْلَ

لہٗ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم۔"

اعلیحضرت رضؓ کی یہ واضح ہدایت اور بے لاگ روحانی تحریر جہاں آج کل کے جاہل اور بے عمل پیروں کے ضمیروں کو جھنجھوڑ رہی ہے وہیں عام مسلمانوں کی صحیح رہبری بھی کر رہی ہے ساتھ ہی مقام اعلیحضرت کی نشان دہی بھی کر رہی ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے "فتاوی افریقہ" ہی میں صفحہ ۱۳۹ پر علم و یقین کی روشنی میں روحانی اور ایمانی فیصلہ اس طرح فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

"فلاح تقوی اقول اس کے لئے مرشد خاص کی ضرورت بایں معنی نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے جیسا کہ اوپر گذرا۔ فلاح ظاہر ہے اس کے احکام واضح ہیں۔ آدمی اپنے علم سے یا علما سے پوچھ کر متقی بن سکتا ہے۔ اعمال قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر مجددود اور کتب ائمہ مثل امام ابو طالب مکی و امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعت خاص بھی اس کی راہ کشادہ اور اس کا دروازہ مفتوح یہ جبکہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو وہم او پر بیان کر آئے کہ غیر متقی سنی بھی بے پیرا نہیں۔ متقی کیونکر بے پیرا یا معاذ اللہ مرید شیطان ہو سکتا ہے اگرچہ کسی خاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کہ یہ جس راہ میں ہے اس میں مرشد عام کے سوا مرشد خاص کی ضرورت ہی نہیں تو جتنا پیر اسے درکار ہے حاصل ہے تو اولیاء کا قول دوم کہ جس کے لئے شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے اس سے متعلق نہیں ہو سکتا اور قول اول کہ بے پیرا فلاح نہیں پاتا تو بداہتہً اس پر صادق نہیں۔ افلاح تقوی بلا شبہ فلاح ہے اگرچہ فلاح احسان اس سے اعظم و اجل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۔

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچے تو ہم تمہاری برائیاں مٹا دیں گے اور تمہیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے یہ بلاشبہ فوز عظیم ہے۔

سماع بالمزامیر آلات سرود مثل طبلہ و سارنگی و بربط و ستار کے ساتھ قوالی کا سننا یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام اور علمائے عظام اس مسئلہ میں یا تو خود ملوث نظر آتے ہیں یا قول و فعل میں تضاد کے شکار ہیں یا خاموشی ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ بہت کم ہی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کے آئینہ میں حقانیت و صداقت کی مقدس تصویر پیش کرنے کی کوشش یا جرأت کی ہے۔ اعلیحضرت رضؓ نے اس اہم مسئلہ پر جو روحانی اور حقانی فتوی تحریر فرمایا ہے وہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ناموس شریعت کے مقابلہ میں کسی کی کوہ قامت شخصیت یا لبادہ تصوف انہیں ذرہ برابر بھی راہ حق سے منحرف نہ کر سکا۔ یہیں پر خدا ترسی، خشیت الہی اور تقرب خدا اور رسول کا دل نشین منظر سامنے آتا ہے اور یہیں ان کی روحانیت کا مقام بلند اپنی فہم و فراست کے مطابق سمجھ میں آتا ہے۔

احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۳۳ میں ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ کو ایک سوال کیا گیا ہے جو مسئلہ ۱۸ کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ سوال و جواب دونوں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال:۔ بہ عالی خدمت امام اہل سنت مجدد دین و ملت معروض کہ آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے میں چلا گیا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں۔ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول اور دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرین جلسہ گناہ گار ہوئے یا نہیں اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس طرح۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی

آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہوں میں تخفیف ہو۔ نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا اور البتہ عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا۔ اُن کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔ صفحہ ۴۳ میں فرماتے ہیں۔ بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادہ بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل پھر کجا محرم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے۔ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے۔ اقرار لاتے یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اور اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی ومولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنا بہم فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں "مزامیر حرام است" الخ

زیارت قبور، ایصال ثواب، فاتحہ اور عرس کے جواز اور استحسان میں قطعی کلام نہیں لیکن خلاف شرع امور کا ان میں داخل کرلینا کس قدر معصیت کا سبب ہے اس پر اہل نظر کی توجہ لازمی ہے۔ اعلحضرت نے قبروں کا سجدہ بالکل ہی حرام فرمایا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۲۱۳ سے واضح ہے اس کے علاوہ الملفوظ جلد دوم صفحہ ۱۰۶ میں عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت خصوصاً اجمیر شریف جانے کے ارادہ سے اجمیر پہونچنے پھر واپس ہونے تک جس انداز میں ممانعت فرمائی ہے وہ اعلحضرت ہی کا حصہ ہے۔ سوال ہے کہ "حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں" جواب دیتے ہیں "غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بہ واجبات ہے۔

آخر میں اعلحضرت رض مزارات کی زیارت کے سلسلہ میں عورتوں کے لئے یہ فیصلہ فرماتے ہیں "لہٰذا ان کے لئے طریقہ اسلم احتراز ہی ہے اس ضمن میں اعلحضرت کا ایک اور فتوای ملاحظہ فرمائیں فتاوٰی رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۶۵ مسئلہ نمبر ۱۳۵ پیش نظر ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے واسطے زیارتِ قبور درست ہے یا نہیں۔

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا آگاہ ہو جاؤ اب تم لوگ قبروں کی زیارت کرو۔ علماء کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد النہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی البحر الرائق مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدید حزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام۔ اقول۔ قبور اقربا پر خصوصاً بہ حال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم لنساء ہے اور مزارات اولیائے کرام پر حاضری میں احدی الشناعتین (فتنہ میں مبتلا ہونا یا تجدید حزن) کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط نا جائز تو سبیل اطلاق منع ہے۔ لہذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا

البتہ حاضری وخاکبوسی آستانِ عرش نشان سرکارِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظم مندوبات بلکہ قریب واجبات ہے اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاوی رضویہ جلد چہارم صفحہ ۸ سے مسئلہ ۵ ملاحظہ کیجئے جو مزارات اولیاء کے سلسلہ میں ایک قابل غور اور لائق عبرت فتوٰی ہے۔

سوال: پیر مرشد کے مزار کا طواف کرنا اور مزار اور مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور مزار سے الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانۂ کعبہ ہے مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیئے علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شریعت میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی قَالَ اللهُ تَعَالیٰ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — (حکم نہیں ہے مگر اللہ ہی کا) ہاتھ باندھے الٹے پاؤں واپس آنا ایک طرز ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے واللہ تعالیٰ اعلم

اعلیٰ حضرت کی تصانیف اور فتاوی کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ منہاجِ شریعت اور منوال سنت سے کہیں بھی یک سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ اس بات کا مکمل خیال رکھا ہے کہ جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کہا جائے جو شے مباح ہے اس کو بلاوجہ ناجائز کہنے والوں پر سخت سرزنش فرمائی ہے اس طرح غیر شرعی امور کو داخل عمل کرنے والوں پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اگر کسی نے فاتحہ کی چیز کو سامنے رکھ کر ہی فاتحہ کرنے کو ضروریات دین میں سے سمجھا کہ اس کے بغیر فاتحہ درست نہیں تو اس کی تنبیہ اس طرح فرمائی کہ یہ شریعت مطہرہ پر افترا ہے ایسے شخص کے لئے توبہ لازم ہے۔ ساتھ ہی سامنے رکھنا ناجائز کہنے والوں پر بھی اپنی خفگی کا اظہار یوں کیا کہ یہ شریعت پر اپنی طرف سے زیادتی ہے ایسے شخص کے لئے بھی توبہ واجب ہے اس لئے کہ شے سامنے ہو یا سامنے موجود نہ ہو ہر حال میں فاتحہ درست اور جائز ہے۔ اس طرح قبروں کے اوپر عود، لوبان یا چراغ جلانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے اس کے علاوہ بے ضرورت اور بے وجہ چراغ روشن کرنے کو اسراف بے جا کہا لیکن صاحب مزار کی روح مبارک کی تعظیم کے لئے یا زائرین کی سہولت کے لئے یا قرآن کریم کی تلاوت کے لئے اگر قبروں سے ہٹ کر روشنی کا نظم کیا جائے تو یہ امر جائز قرار دیا کیونکہ شریعت میں اس سے ہرگز ممانعت نہیں۔ بلکہ یہ امر پسندیدہ اور بہتر ہے۔ بلکہ باعث خیر و برکات ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اس قسم کے سیکڑوں مسائل ہیں جن پر بے خوفی کے ساتھ عالمانہ محققانہ انداز میں بحث فرمائی اور مومنوں کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ اولیائے کرام اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھنے والے پھر بھی اپنے کو عالم یا مومن کہنے والے بہت سے فریبی انسان ایسے ہیں جو اصلاح قوم کے بہانے امر جائز اور مستحسن بلکہ مستحب اور مسنون کو بھی فنا کرنے اور مٹانے کے درپے نظر آتے ہیں اور ان چیزوں کے لئے ناجائز و حرام کا فتوٰی آسانی کے ساتھ دے دیتے ہیں کچھ بھی خدا کا خوف دل میں نہیں لاتے اسی طرح کچھ جاہل صوفی، بے علم پیر اور نادان حضرات اغراض فاسدہ کی تکمیل اور شکم پری یا حصول زر کی خاطر خلاف شرع اور ناجائز امور کو بھی عملی طور پر کار خیر یا ناجائز قرار دیتے ہیں، خوف الٰہی و حساب محشر سے دور رہ کر اپنی لگن میں مگن نظر آتے ہیں یہ دونوں حضرات غلطی پر ہیں۔ اول الذکر حضرات توہین رسالت اور اہانت ولایت کی بنا پر ایمان سے دور اور کفر سے قریب تر ہیں بلکہ کفر کا طوق اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ آخر الذکر حضرات عصیاں شعار، معصیت کیش اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے بنتے نظر آتے ہیں۔

ان دونوں جماعتوں کی درست ہدایت اور ایماندارانہ رہنمائی کا فریضہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے قول و فعل و تحریر کے ساتھ جس طرح انجام دیا ہے اُسے آپ کی روحانی خدمات ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز مت کہو، مباح و مستحسن کو

حرام مت کہو اور حرام کو نواکہ تر بنانے کے لئے حلال قرار مت دو۔ کفر کا ایمان اور ایمان کا شرک نام مت رکھو۔ تصانیف اعلیحضرت مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے تو محض اختصار سے کام لیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے مقام روحانیت کی بلندی کو سمجھنے کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم رسالہ انوار بشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ صفحہ ۷۰۲ وصل ہفتم حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند طریقۂ آداب ملاحظہ فرمائیں جس کی جانب صحیح رہ نمائی وہی کر سکتا ہے جو اپنے عہد میں روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

(۴) جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ کہ پیادہ ہولو روتے، سر جھکاتے آنکھیں نیچی کئے اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ ؎

جائے سراست ایں کہ تو پا می نہی	پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کر چلنا	ارے سر کا موقعہ ہے او جانیوالے

(۵) جب قبہ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

(۶) جب شہر اقدس تک پہونچو جلال و جمال محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور میں غرق ہو جاؤ۔

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمد للہ۔

(۱۸) الحمد للہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اُس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ بہ آواز حزیں و صوت درد انگیں و دل شرمناک و جگر چاک چاک معتدل آواز سے نہ بلند و سخت (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنت کے خلاف ہے اگرچہ وہ تمہارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیساکہ ابھی تصریحات ائمہ سے گذرا)

(۳۸) روضہ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

مندرجہ بالا ہدایتوں پر غایرانہ نظر ڈالیئے اور اپنی فہم و فراست کو جمع کر کے فیصلہ کیجئے۔ ایسی ہدایتیں کیا کوئی عامی شخص یا وہ عالم جو روحانیت سے خالی ہو کبھی سوچ بھی سکتا ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ ارشادات اسی شخص کے ہو سکتے ہیں جو مقام قرب کی منزلوں کو جانے ہوئے سمجھے ہوئے بلکہ دیکھے ہوئے ہو۔ خود وہ شخص اللہ عزوجل اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب خاص رکھتا ہو اور مقام قرب کے آداب سے پوری طرح واقف ہو، روحانیت کی منزل خصوصی کا علم رکھتا ہو اور مرتبہ روحانی پر فائز ہو۔

معزز قارئین کرام! میں نے تمہیدی طور پر روحانی قدروں کو واضح کرنے کے بعد اعلیحضرت کی روحانی قدروں کا ایک مختصر تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ عقلمندوں کے لئے اشارہ کافی ہے اور نمونہ کے لئے چند مثالیں بھی بہت ہیں۔ اعلیحضرت کی تصانیف جلیلہ کے مطالعہ کے بعد ہر صاحب علم اس فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے عہد اور دور میں روحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ اور آپ کی روحانی خدمات روز روشن کی طرح واضح ولایح ہیں۔ کاش ہم ان کے نقش قدم پر اور تعلیمات پر عمل کر کے اپنی آخرت کو تاباں و فروزاں بنا سکیں۔

خالق کائنات سے دعا ہے کہ ابد الآباد تک ان کی روح مقدس پر رحمت و عنایت کی بارش نازل فرمائے اور ان کی ہدایتوں ضیائے ایمانی میں ہمیں عمل خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

امام احمد رضا اور حزم و اتقاء

ماۃ حاضرہ کے مجدد اعظم دنیائے اہل سنت کے بطل عظیم اعلٰحضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو ایک مجاہد پیکر مصلح امت۔ مجدد ملت اور اہل باطل کے لئے باعث قہر ونکبت کی حیثیت سے کون نہیں جانتا اور بہ حقیقت بھی ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں اصلاح و تجدید دین اور احقاق حق و ابطال باطل کا عنصر جتنا نمایاں ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک مصلح و مجدد کو ذاتی طور پر بھی جن محاسن و محامد اور فضائل و مناقب سے آراستہ ہونا چاہیئے۔ امام احمد رضا کی ذات ان میں بھی منفرد دکھائی نظر آتی ہے۔ خصوصاً زہد و تقوٰی اور حزم و احتیاط کی شمع آپ کی بزم حیات میں اتنی فروزاں ہے کہ دیگر اوصاف سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی آپ کی ولایت و عظمت میں کسی شک وارتیاب کی گنجائش باقی نہیں رہتی، آیئے چند واقعات و شہادات کی روشنی میں اس حیثیت سے بھی حضرت امام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مرد حق آگاہ زہد و ورع، تقوی و طہارت اور حزم و احتیاط کے کس بلند مقام پر فائز ہے۔

سب سے پہلے عہد طفولیت کا ایک عبرت انگیز واقعہ ملاحظہ ہو۔

ابھی تقریباً ساڑھے تین برس کی عمر ہے، ایک نیچا کرتا پہنے باہر سے دولت خانہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے کچھ بازاری عورتوں (طوائفوں) کا گذر ہوا۔ ان پر نظر پڑتے ہی ساڑھے تین برس کے امام نے اپنا لمبا کرتا اٹھایا اور دامن سے آنکھیں چھپالیں یہ غیورانہ انداز دیکھ کر ان عورتوں نے تضحیکانہ طور پر کہا۔ "واہ میاں صاحبزادے" نظر کو ڈھک لی اور ستر کھول دیا"

اس پر اعلٰحضرت نے برجستہ فرمایا۔" پہلے نظر بہکتی ہے۔ تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔ اب تو ان سب عورتوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور پھر کچھ بولنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ساڑھے تین برس کی عمر میں فکر و شعور اور عفت و پرہیز گاری کی اس قدر بلندی کم تعجب خیز نہیں۔ آپ نے اس جواب کے اندر شریعت و طریقت کے ایسے پنہاں نکتے منکشف فرما دیئے۔ جن کا ادراک آج بوڑھے ہونے کے بعد بھی مشکل سے ہوتا ہے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارہ بلندی

امام احمد رضا جب وصال یار کی تیاریاں کر رہے تھے اور قریب تھا کہ اس دار فانی سے رخصت ہو کر سرکار مدینہ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کریں۔ جس کی تڑپ نے کبھی آپ کو ستایا تو یوں نغمہ سنج ہوئے۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے   کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

اور حضرت سرکار آسی علیہ الرحمہ نے اسی موقع کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

آج پھولے نہ سمائیں گے، کفن میں آسی   ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

اعلیٰ حضرتؒ کے برادر زادہ اور تلمیذ و خلیفہ حضرت علامہ مولینا حسنین رضا صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ (مولائے قدیران کے سائے کو ہمارے سروں پر دراز تر فرمائے) وقت وصال موجود تھے، فرماتے ہیں کہ ایک بجکر چھپن منٹ پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ گھڑی سامنے رکھ دو، گویا کہ پہلے ہی سے وقت معلوم ہے اور اب شدت سے وقت معین کا انتظار ہے۔ اور کیوں نہ واقف ہوں کہ بارگاہ نبوت کے محبوب خاص تھے ورنہ جانکنی کا وقت اور سامنے گھڑی ہونے کی خواہش چہ معنی دارد؟

پھر فرمایا۔ تصاویر ہٹا دو۔ لوگوں نے سوچا یہاں تصاویر کا کیا کام؟ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ خود ہی فوراً ارشاد فرمایا "یہی لفافے، کارڈ اور روپے پیسے وغیرہ (جس میں تصویریں ہوتی ہیں)

یہاں حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا احتیاط و تقویٰ قابل دید نی ہے کہ حدیث میں ہے" جس گھر میں تصویر اور کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے" مگر سکوں کو بدرجہ مجبوری اس حکم سے الگ رکھا گیا ہے جیسا کہ اکثر علماء عظام کا قول ہے۔ لیکن اعلحضرت نے اس مبارک و مسعود وقت میں اسے بھی گوارا نہ کیا اور احتیاط و تقویٰ کی روح پیش فرمادی اور کلیتاً تصویر کے شائبے سے بھی اجتناب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ ٹھٹھا، قہقہہ اور کھل کھلا کر ہنسنے سے اجتناب فرماتے تھے اور فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیرا پر عمل پیرا تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نماز با جماعت کی شدت سے پابندی فرماتے اور ہمیشہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ اس لئے کہ حدیث پاک میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور مسائل نماز میں کمال احتیاط اور آداب کا پورا خیال فرماتے جیسا کہ جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے:۔

ایک مرتبہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ایک کوری ہانڈی جس میں بدایونی پیڑے تھے، پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کیسے تکلیف کیا؟

نووارد: حضور سلام کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔

امام صاحب: (تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور پھر دریافت کیا) کہیے کوئی کام۔

نووارد: کچھ نہیں یونہی مزاج پرسی کے لئے حاضر بارگاہ ہو گیا ہوں۔

امام صاحب: عنایت و نوازش (قدرے سکوت کے بعد پھر فرمایا) کیا کچھ فرمایئے گا۔

نووارد: کچھ نہیں۔

اس کے بعد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے وہ شیرینی کی ہانڈی مکان میں بھجوادی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد ان صاحب نے ایک تعویذ کی درخواست کی۔ اس پر امام احمد رضا کا انداز بدل گیا اور فرمایا۔ میں نے تو پہلے ہی تین بار دریافت کیا مگر آپ نے کچھ نہ بتایا، اچھا تشریف رکھئے۔

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے بھانجے علی احمد خاں کے پاس سے جو کہ تعویذ بانٹتے تھے۔ ایک تعویذ منگا کر ان صاحب کو دیا اور ساتھ ہی مٹھائی کی وہ ہانڈی بھی گھر میں سے منگا کر فرمادیا کہ اس کو بھی ساتھ لیتے جایئے۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ حضور اس کو قبول کر لیں۔ مگر امام احمد رضا نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ہمارے یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے۔ آخر کار وہ صاحب اپنی شیرینی واپس لیتے گئے۔

کھانے کے معاملے میں بھی امام احمد رضا بڑے محتاط واقع ہوئے تھے اور آپ کا کھانا اس کے مصداق تھا کہ "خوردن برائے زیستن نہ زیستن برائے خوردن است" یعنی کھانا صرف جینے کے لئے ہے نہ کہ جینا ہی کھانے کے لئے ہے۔

چنانچہ امام احمد رضا کی غذا عام طور پر زیادہ سے زیادہ ایک چھوٹی پیالی بکری کا شوربا وہ بھی بغیر مرچ کا، اور ایک یا ڈیڑھ سوجی کا بسکٹ اور

کبھی چکی کے پسے ہوئے آٹے کی چند چپاتی. بلکہ کبھی تو اس میں بھی ناغہ ہو جاتا اور رمضان المبارک میں افطار کے بعد صرف پانی پر اکتفا فرماتے اور سحری کے وقت صرف ایک چھوٹے پیالے میں فیرنی اور چٹنی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد رضا کو آشوب چشم کی شکایت ہوگئی۔ اس دوران متعدد بار ایسا ہوا کہ امام احمد رضا نے کبھی قبل نماز کبھی بعد نماز مجھ کو پاس بلایا اور کہا کہ سید صاحب دیکھیئے حلقہ چشم سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کرکے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ دکھتی آنکھ سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناقض وضو ہے۔ مگر اس میں اس قدر احتیاط کہ دوسرے کو آنکھ دکھا کر کیفیت دریافت کرنا۔ امام احمد رضا ہی مقام احتیاط ہے۔ اس لئے کہ شرعاً کوئی اتنے اہتمام کا مکلف نہیں۔

ایک مرتبہ آپ کو مٹی کے تیل کی ضرورت درپیش ہوئی۔ تو جہانگیر خاں رضوی تیل فروش سے فرمایا کہ مجھ کو ایک پیپا مٹی کے تیل کی حاجت ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد جہانگیر صاحب نے ایک پیپا مٹی کا تیل لاکر حاضر کر دیا۔ امام احمد رضا نے دریافت فرمایا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ تو عرض کیا حضور ویسے اس کی قیمت اتنی ہے مگر آپ کم کرکے اتنی عنایت فرما دیں۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا نہیں جو قیمت عوام سے لیتے ہو وہی مجھ سے بھی لو اس پر انہوں نے عرض کیا حضور! آپ میرے بزرگ ہیں عالم ہیں آپ سے بھلا عام بھاؤ کیسے لوں۔ اس پر انہوں نے فرمایا میں علم نہیں بیچتا اور پھر وہی عام قیمت عنایت فرمائی۔

ایک مرتبہ شام کے وقت حسب معمول پان میں تاخیر ہوگئی۔ دیر میں ایک بچہ پان لیکر حاضر خدمت ہوا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور تقریباً مغرب کے بعد دو گھنٹے ہو چکے تھے اور یہ گزر چکا کہ امام احمد رضا افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے تھے۔ لانے والے بچے سے فرمایا۔

"اتنی دیر میں لایا اور اس کو ایک چپت بھی رسید کر دی"۔

واقعہ تو گزر گیا مگر امام احمد رضا نے بعد میں سوچا کہ میں نے غلطی کی کہ اس بچے کو ایک چپت رسید کر دی۔ لہٰذا رہا نہ گیا اور سحری کے وقت اسی بچہ کو بلایا اور فرمایا کہ شام میں نے چپت مار دی تھی۔ حالانکہ قصور تمہارا نہیں بھیجنے والے کا تھا۔ لہٰذا اب اس غلطی کا تدارک اس طرح ہوگا کہ تم بھی میرے سر پر چپت مارو۔ اور سر سے ٹوپی اتار کر اصرار فرمایا۔ حاضرین یہ تماشا دیکھ کر مضطرب و پریشان ہو گئے۔ بچہ بھی عالم حیرت میں مبتلا ہو گیا اور عرض کیا حضور میں نے معاف کیا۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا۔ تم نابالغ تمہیں معاف کرنے کا کیا حق؟ تم چپت مارو۔ مگر وہ نہ مار سکا۔ اس کے بعد اپنا بکس منگا کر اس سے مٹھی بھر کر پیسے نکالے اور فرمایا میں تم کو یہ اتنے پیسے دوں گا تم چپت مار دو، مگر وہ بچہ کہتا رہا حضور میں نے معاف کیا۔ آخر کار جب امام احمد رضا نے یہ دیکھا کہ بدلہ نہیں لے رہا ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر مبارک پر بہت سی چپتیں لگائیں اور پھر اس بچہ کو پیسے دیکر رخصت فرمایا۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اپنے تمام افعال واعمال میں سنت تیامن (یعنی داہنے سے شروع کرنا) کا بہت خیال فرماتے۔ سوائے ان افعال میں جن میں شرعاً ممانعت وارد ہے، جیسے استنجا کرنے یا ناک صاف کرنے وغیرہ افعال۔

قبلہ کا بھی بہت احترام فرماتے کبھی قبلہ کی طرف نہ تھوکتے اور نہ پاؤں پھیلاتے یہاں تک کہ کبھی قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے مسجد سے واپس نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قبلہ کی طرف منہ کرکے مسجد سے نکلتے۔ کبھی اگر وظائف و اوراد میں مشغول ہوکر شمالاً وجنوباً ٹہلتے تو لوٹتے وقت وسطی در سے قبلہ رو ہوکر نکلتے۔ ایسا نہیں کہ کنارے کی کسی در سے تشریف لاتے۔

ستر عورت کے بارے میں بھی بہت محتاط تھے، یہاں تک کہ اگر کسی کا گھٹنا کھلا ہوتا تو اس کی طرف نظر تک نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ چند فوجی نیکر پہنے حاضر ہوئے۔ امام احمد رضا نے ان کی طرف نگاہ نہ فرمائی اور فوراً ایک کپڑا ان کے زانو پر ڈالنے کے لئے دیا پھر ان کی طرف نگاہ کی اور صرف حسب ضرورت بات کی۔

سادات کرام کے بارے میں تو امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے واقعات بڑے ہی حیرت انگیز اور رقت آمیز ہیں۔ آپ ان سے بے پناہ محبت فرماتے اور نہایت ہی احترام و ادب کے ساتھ پیش آتے۔ تفصیلی واقعات تو سوانح کی کتابوں میں مرقوم ہیں، سردست میں یہاں ان کے بارے میں امام احمد رضا کا ایک نہایت ہی باریک اور زبردست احتیاط پیش کر رہا ہوں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کسی سید کو حد لگائے تو یہ نہ خیال ہو کہ میں سزا دے رہا ہوں بلکہ تصور یہ ہو کہ محترم شاہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے دھو رہا ہوں۔

جناب مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی کا بیان ہے کہ امام احمد رضا نماز میں اس قدر احتیاط اور جزئیات مسائل کا ایسا اہتمام فرماتے کہ عام تو عام، اکثر علماء اس پر عمل کرنا تو در کنار اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ایک سال امام احمد رضا کی مسجد میں بیس رمضان المبارک سے میں معتکف ہوا۔ جب چھبیس ۲۶ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو امام احمد رضا نے بھی اعتکاف فرما لیا۔ قبل اعتکاف ایک دن کا واقعہ ہے کہ عصر کے وقت حضور امام احمد رضا تشریف لائے اور نماز پڑھا کر تشریف لے گئے۔ میں مسجد کے اندر کونے میں چلا گیا تھوڑی دیر میں ایک صاحب آئے اور مجھ سے کہنے لگے آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ میں نے کہا کہ ابھی حضور کے پیچھے پڑھی ہے تو ان صاحب نے تعجب سے کہا کہ حضور تو اب پڑھ رہے ہیں۔ میں نے بھی سنا تو نہایت تعجب کیا اور یقین نہ ہوا۔ اس لئے کہ نماز عصر کے بعد کوئی نماز داخل نہیں اور امام احمد رضا نے ہم لوگوں کے سامنے نماز پڑھی اور پڑھائی ہے اور ابھی مغرب کا وقت نہیں۔ پھر اگر کوئی غلطی ہو گئی ہوتی تو سب کو اعادہ کرنے کا حکم فرماتے، غرض مجھ کو بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے پھر کہا دیکھ لیجئے پڑھ رہے ہیں تب میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو واقعی نماز پڑھ رہے تھے منتظر کھڑا رہا جب سلام پھیرا تو میں نے عرض کیا حضور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ابھی نماز پڑھائی ہے اور پھر پڑھ رہے ہیں۔ نوافل کا بھی اس وقت سوال نہیں۔ تو امام احمد رضا نے ارشاد فرمایا کہ قعدہ اخیرہ میں بعد تشہد حرکت نفس سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے آپ لوگوں سے نہیں کہا اور گھر میں جا کر بند درست کرا کر اپنی نماز احتیاطاً پھر سے پڑھ لی۔

یہ ایسا واقعہ ہے کہ اکثر لوگ اس کی سمجھ سے بھی قاصر ہیں۔ ایک بزرگ نے مجھ سے اس واقعہ کو سن کر اس کی بہت قدر کی۔ یہ بزرگ پیر عبدالحمید شاہ صاحب بغداد ہیں بڑودہ تشریف لائے تھے اور جامع مسجد میں ایک روز نماز مغرب پڑھائی میں نے لطف کبھی قرآن کی تلاوت میں نہیں محسوس کیا۔ بعد نماز میں نے معلوم کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔ پھر میں ان کی قیام گاہ پر گیا۔ اعجاز قرآن کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایران گیا۔ وہاں آتش پرستوں کا ایک آتش کدہ بہت پرانا تھا۔ وہاں پر آتش پرستوں سے مناظرہ کے لئے لوگوں نے میرا انتخاب کیا تو میں نے کہا یہ لوگ جسے پوجتے ہیں۔ اسی سے پوچھ لو۔ یعنی آتش کدہ میں جا کر آگ سے پوچھ لو کہ وہ کس کی رعایت کرتی ہے۔ لوگوں نے اسے محض دھمکانا سمجھا اور میرا نام اور وہاں کے پجاری کا نام مقرر کر کے ایک معین تاریخ کو مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ وقت مقررہ پر تمام لوگ شہر کے جمع ہو گئے تو میں نے اس پجاری سے کہا کہ اب چلئے وہ گھبرایا اور رک گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بھی رک گیا تو لوگ واقعی دھمکی تصور کریں گے۔ اس لئے اکیلا ہی اس آتش کدہ میں چلا گیا۔ اور پورے بیس منٹ تک آگ میں کھڑا رہا۔ اس کے بعد نکل آیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے اور آتش پرستی سے توبہ کر لی۔

اب میں نے اپنی ضعف ایمانی کی وجہ سے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کیسے آگ میں چلے گئے فرمایا، قرآن مجید لے کر اور یہ سمجھ کر کہ جب ہم کو قرآن نار جہنم سے بچائے گا اس معمولی آگ سے کیوں نہ بچائے گا۔ یہ واقعہ اس لئے ذکر کر دیا تاکہ ناظرین ان بزرگ کی فضیلت اور قوت ایمانی کا اندازہ لگا سکیں۔

ان بزرگ کو جب میں نے امام احمد رضا کی اس عصر کی نماز کا واقعہ سنایا پھر دوسرے دن ملاقات کی تو فرمایا کہ آج تمام رات گریہ وزاری میں گزری۔ ساری رات میں یہی کہتا رہ گیا کہ خداوندا! تیرے ایسے بندے بھی ابھی روئے زمین پر ہیں جو اس درجہ احتیاط سے فریضہ نماز

ادا کرتے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ فرنگیت اور تکبرانہ انداز کے اختیار کرنے سے بھی بہت پرہیز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لیجا رہے تھے، ٹرین میں کچھ دیر تھی۔ اسٹیشن پر ویٹنگ روم سے کرسی لائی گئی۔ آپ نے فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے پھر اظہار تنفر کرتے ہوئے ضرورتاً اس پر بیٹھے مگر اس کے تکیہ سے پشت مبارک نہیں لگائی۔

ایک مرتبہ آپ پیلی بھیت شریف میں ایک شاہ صاحب سے ملنے گئے، وہ پیری مریدی کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے جب امام احمد رضا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شاہ صاحب عورتوں کو بے حجابانہ بیعت کر رہے ہیں۔ یہ خلاف شرع حرکت دیکھ کر آپ کی غیرت دینی نے گوارا نہ کیا کہ ان سے ملیں اور بغیر ملاقات کئے ہوئے ہی واپس چلے آئے جب شاہ صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ سے احتیاط کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد امام احمد رضا ان سے ملے اور مصافحہ و معانقہ کیا۔ غالباً اس خوشی میں کیا کہ شاہ صاحب نے ایک معصیت سے اجتناب کرنے کا وعدہ کرلیا ہے اور یقیناً یہ ایک مومن کے لئے خوشی کی بات ہے۔

مولانا مولوی محمد حسین صاحب چشتی نظامی فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا جس قدر اطمینان اور سکون اور رسائل کی رعایت سے نماز پڑھتے تھے اس کی مثال ملنی مشکل ہے ہمیشہ میری دو رکعت ہوتی تو ان کی ایک جب کہ میری چار رکعت دوسرے لوگوں کی چھ اور آٹھ کے برابر ہوتی اور نماز سے اس قدر شوق فرماتے تھے اور جماعت کا اتنا خیال کرتے کہ لبسا اوقات مرض کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا نہایت دشوار ہو جاتا مگر جب نماز کا وقت آتا تو بغیر کسی سہارے خود ہی مسجد تشریف لے جاتے اور معلوم ہوتا کہ پورے طور پر صحتیاب ہیں۔

یہ چند شہادتیں "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہیں۔ جن سے حضرت امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے مقام زہد و ورع اور حزم و احتیاط پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

تجدید و احیائے دین

- امام احمد رضا ــــ مجدّدِ اعظم

از مخدوم الملّت حضور محدّث اعظم ہند علیہ الرحمۃ

- امام احمد رضا ــــ ایک مظلوم اسلامی مفکّر

حضرت سیّد حسن مثنیٰ انور ایم۔ اے علیگ (بھارت)

- امام احمد رضا اور احیاءِ دین

جناب منظور حسین بہادری بی۔ اے علیگ (بھارت)

- امام احمد رضا ــــ ایک تاریخ ساز شخصیّت

مولانا عبدالجبار رہبر اعظمی (بھارت)

- امام احمد رضا ــــ مجدّد ملّت

مولوی خواجہ محمد اویس (بھارت

- امام احمد رضا ایک محتاط مصلح و مبلّغ

مولانا محمد صدیق ہزاروی

امام احمد رضا ـــ مجددِ اعظم

خاندان اشرفیہ کے اکابرین نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کے بعد محدث اعظم ہند کو امام احمد رضا کے حوالے کیا۔ تاکہ علوم و فنون کے اس ہمالہ سے بھی فیض حاصل کر سکیں۔ لہٰذا محدث اعظم ہند نے فاضل بریلوی کے انتہائی قریب رہ کر بہت کچھ حاصل کیا۔ جو بقول ان کے

.. ہی گھڑیاں میرے لیے سرمایہ نجات ہو گئیں۔

محدث اعظم کو آل رسول ہونے کے ناطے رضوی خاندان سے بے حد قربت حاصل رہی۔ خود فاضل بریلوی بے حد احترام و اکرام کرتے رہے۔ محدث اعظم ہند نے امام احمد رضا کا جو مطالعہ کیا ہے۔ اس کا اظہار متعدد تصنیفات میں ملتا ہے لیکن ناگپور میں ۱۳۷۹ھ کے جشن ولادت امام احمد رضا کے موقع پر صدارتی خطبہ کے ذریعہ جو تحقیقی اور مشاہداتی مقالہ پیش فرمایا تھا وہ امام احمد رضا کی تحریک تجدید و احیاء دین پر سب سے زیادہ مکمل، مبسوط اور گراں قدر مضمون ہے۔ (ادارہ)

خُطبۂ صَدارت

عنوانات

یادگار رضا نے پر عقلی و نقلی دلیل۔ یادگار منانے پر اعتراض اور جواب، یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل، امام بریلوی کی یادگار امام بریلی کا مقام، وائس چانسلر علیگڑھ امام بریلوی کی خدمت میں، معقولات میں امام بریلوی کا مقام، امام کے علوم و فنون سے میری حیرانی۔ امام بریلوی کے مسلّم کمالات میرے مشاہدہ میں، افتا کی خداداد عظیم صلاحیت، حیرت انگیز قوت حافظہ، میری شرارت، حیرت انگیز علم حساب میری عرض و تمنّا، علم الحدیث، علم الرجال، امام بریلوی کے شاہکار، امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان، امام بریلوی کاملین کی نگاہ میں۔ بریلی کی طرف میری کشش، انداز تربیت، غوث اعظم کے ساتھ حیرت انگیز عقیدت، امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا۔ امام بریلوی کی شعر گوئی، فن زیجات و فن تکسیر عجیب واقعہ۔ وصال کی خبر اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! ـــــــ احمد اللہ الاحد رضاء لسیدنا احمد واصلی واسلم سیدنا احمد رضاء اللہ الواحد الصمد وعلی جمیع من رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ احمد الرضاء من الازل الی الابد!

امابعد! ـــــ میرے پیارے سنی بھائیو! یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اس ماہ کا نام اہلِ سنت و جماعت ہند کا مہینہ رکھیں، کیونکہ اس مہینہ میں ہندوستان میں اس قدم کا ظہور ہوا جس کی بلندی کو نہ صرف

بلکہ عرب وعجم کے تمام دینی وروحانی اراکین دین مبین و اساطین حق مبین کے جھکے ہوئے سروں نے قبول کیا اور اس قدم کے نشانات کو بھی معظم و مکرم رکھا۔

یادگار منانے پر عقلی و نقلی دلیل ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں، ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جن کے ہاتھوں سے ہو چکی ہے اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا، اس کا تعلق صحیح النسابت اور درستی ہوش و حواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑنے لگتے ہیں۔ تو ان کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کر دیا۔ بلکہ انہیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف و صریح ہے۔ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا دذکرھم بایام اللہ اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔ تو یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر کچھ ایسے دن بھی ہیں جن دنوں کو خاصان حق نے خصوصیات عطا فرمادیں اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے جس کے اذن و عطا نے اس کو سنوار دیا۔ ایسے دن جن کی بدولت حاصل ہوں۔ اس کا گو یوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن ــــ وللاٰخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ والے آقا کی وسعت دامان میں پلتا رہتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر و نشر ہے۔

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب: چونکہ بات ایسی آپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کر دینا ضروری ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں دیوبندیوں نے عید میلاد النبیؐ منانے والوں پر جارحانہ حملہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخصیت کی اہمیت کی تاریخ اس کی پیدائش کی تاریخ میں نہیں کیونکہ پیدائش تو اچھوں اور بروں کی ہوتی ہی رہتی ہے۔ یہ عید میلاد النبیؐ ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے۔ اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی یادگار منائی جائے۔ جب نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے اظہار نبوت فرمایا اور کار نبوت شروع فرما دیا تھا۔ بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑ گئے تھے لیکن ابھی ان کے پیغام کو ۲۴ گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ میں شہر بہرائچ گیا۔ وہاں تعلیم یافتہ و متدین، صف اول کے لوگوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کر کے جواب کا مطالبہ کیا۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ عید میلاد النبیؐ کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے، اگر سب قوموں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہو گئی تھیں کہ آج جس بغل میں ان کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے اور جہاں جینتی اور مرتیو منانے میں عبادت گزارانہ اسپرٹ کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے۔ کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی۔ قوموں نے یوم میلاد و یوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل: قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح اجاگر فرمایا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھیں اور اس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے کو سنواریں اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے دیوبندیوں پر پڑ گیا ہوتا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے اس کی جرأت نہ کر سکتے۔ قرآن کریم میں مقبولان درگاہ رحق کے لیے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا ہم پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن، جب وہ میدان حشر میں اٹھیں گے اور اسی قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے کہ سلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں ہوں گا۔ کوئی بتائے کہ اگر کوئی عقل و دین کا درماندہ قرآن کو بادلِ نخواستہ اپنی دنیا ہی کے لیئے سہی لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو۔ اس کو کیا حق ہے کہ نص قطعی قرآنی کا رد صرف اپنے جذبۂ عناد کی بناء پر کرے جو اللہ والوں سے اس میں وراثتہً چلا آرہا ہو بالکل ظاہر ہے کہ خاصان حق کی ہر گھڑی جب سے زمانہ کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلہ زماں رہے گا۔ ایسی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ آیا درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام و استمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔

ہمارے آقا رسول پاک صلعم کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا کہ وللاٰخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ ہر پچھلی ساعت آپ کی پہلی ساعت سے بعد کی ساعت بہتر ہے۔ باایں ہمہ اس دوامی و استمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ رب العزت جل وعلا اور اس اولوالعزم رسول ؐ نے تین دن کو انتخاب فرمایا، یوم پیدائش یوم وصال فرمایا و یوم حشر و نشر۔ قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وذکرھم بایام اللہ۔ ایام کی یادگار مناؤ۔ یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ ہی کا دن ہے۔ غرض آیات قرآنیہ نے تعین تاریخ کو معاذ اللہ بدعت ضالہ کہنے والوں پر جا بجا طمانچے مارے ہیں اور دین فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں۔ بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد آجاتا ہے جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی مرتیو منانا کہتے ہیں اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں اور مناتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ تعین و تخصیص ان اللہ والوں کے لیے جو انبیا علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے۔ یعنی دو دنوں کے لیئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے

بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سُن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے لیئے تین وقتوں کے لیئے تعین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے یوم میلاد جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں۔ دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگان دین کرتے ہیں لیکن تیسرا یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا اور اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں اور انشاء اللہ تعالیٰ منائیں گے تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں ان میں پیدائش وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبانِ خدا کی شفاعت کا دن ہے۔ اس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہو گے۔ یہی دیکھنے میں بھی آرہا ہے۔ جو ان دونوں یادگاروں کو منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں وہ آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں یا اقرار ایسا کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے۔ وہ انبیاء و اولیاء سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں کہ قرآن میں جس کو کما یئس الکفار من اصحاب القبور فرمایا گیا ہے۔

امام بریلوی کی یادگار: بہرحال ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینہ کی یادگار منانے کے لیئے یکجا ہوتے ہیں جس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک صلعم کا سچا نائب علم کا جبلِ شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر زخار منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، اہلسنت کا امام واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم مجدد تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر دولت فقر و روایت میں امیرالمومنین اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین اعلیٰ حضرت علی الاطلاق امام اہلسنت فی الآفاق مجدد مائۃ حاضرہ مؤید طاہرہ اعلم العلماء عند العلماء و قطب الارشاد، علی لسان الاولیاء و مولانا، و فی جمیع الکمالات، اولانا، فانی فی اللہ والباقی باللہ

کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ ارضاو کے قدم اوّل اول اس خاکدان دنیا میں جلوہ گرہوا ہوئے۔

امام بریلوی کا مقام: تیرھویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہوکر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع میں ہی پورے عالم اسلامی میں اس کو حق وصداقت کا منارہ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا۔

وائس چانسلر علی گڑھ امام بریلوی کی خدمت میں: مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لیے حاضر ہوئے کہ ایشیا بھر میں ڈاکٹر صاحب ریاضی اور فلسفہ میں فرسٹ کلاس ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کر پائے تھے اور یقیناً غور ستی فلسفۂ کشش ان پر چھایا ہوا تھا تو اعلیٰ حضرت نے عصر ومغرب کی درمیانی مختصر مدت میں مسئلہ کا حل بھی قلمبند کر دیا۔ اور فلسفۂ کشش کی کھینچ تان کو بھی ختم فرما دیا۔ جو رسالہ کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو یورپ کا کوئی بھنبوریوں والا درس دے رہا ہے یا اسی ملک کا کوئی حقیقت آشنا ان کو سبق پڑھا رہا ہے۔ انھوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یہ کہا تھا کہ اپنے ملک میں جب معقولات کا ایک اکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا۔ اپنا وقت ضائع کیا۔

معقولات میں امام بریلوی کا مقام: یہ روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے ماہرین اپنے علمی مشکلات کو لے کر آتے اور دم بھر میں حل فرما کر ان کو شاد شاد رخصت فرما دیتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین نجوم فن آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے سنتے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا دشواری نہ تھی۔ ایک بار حماری اس کے حل کے بارے میں سوال فرما کر جب کتابی جواب دیکھا تو اس پر تحقیق بیان فرمائی تو میں نے محسوس کیا کہ حماری کی حمایت بے پردہ ہوگئی اور عروسی کا عروس ختم ہوگیا۔ مسئلہ بخت واتفاق "شمس بازغہ" کا سرمایہ تفلسف ہے مگر اس بارے اعلیٰ حضرتؒ کے ارشادات جب مجھ کو ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے۔ اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح و سلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجود فلک کو جاننا چاہتے ہوں اور زمین وآسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہوں اور سیاروں کے بارے میں كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر ہر جگہ کھلتا جائے گا کہ منطق وریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پر کج رفتار ہو جاتے ہیں

امام کے علوم وفنون سے میری حیرانی: علوم وفنون کا کیا حال ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آج کی علمی دنیا پچاس علوم وفنون کے نام سے بے خبر ہے اور اعلیٰ حضرت کے قلم مبارک سے پچاس علوم وفنون کے مبسوط رسائل تیار ہیں ایک دن ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے نماز عصر کے لیے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ سہج عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس دتدسے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہوگیا کہ یونان بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالہ کی ایورسٹ چوٹی ہے کیا اس سے حساب لگا دو گے۔ میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات دن صفحات کو سیاہ کرتا رہا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں مگر حیران تھا کہ بعض حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ ارشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اس کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہی میرے لیے سب کچھ ہے۔

امام بریلوی کے مسلّم کمالات میرے مشاہدے میں: آج میں آپ کو جگ بیتی نہیں آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درس نظامی و تکمیل درسِ حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کارِ افتا کے لیئے اعلیٰ حضرت کے حوالے کیا۔ زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیئے سرمایہ نجات ہوگئیں۔ اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا۔ اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا یہ وہ کرامت تھی جو ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔

افتاء کی خداداد عظیم صلاحیت: عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کرکے جوابات مرتب کرتے پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتا پھر فتویٰ سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے۔ اسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں اور جو سنانا ہو سنائیں۔ اتنی آوازوں میں اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا۔ جوابات کی تصحیح و تصدیق و اصلاح مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے اور فلسفیوں کے اس خبط کی کہ "لا یصدر عن الواحد الا الواحد" کی دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ جس ہنگامہ سوالات و جوابات میں بڑے بڑے اکابر علم و فن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ وہاں سب کی شنوائی ہوتی تھی اور سب کی اصلاح فرما دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔

حیرت انگیز قوت حافظہ: یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لیئے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے، اسی وقت فرما دیتے کہ ردالمحتار جلد فلاں کے صفحہ فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ درمختار کے فلاں صفحہ سطر میں یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد و صفحہ و سطر یہ الفاظ موجود ہیں۔
ارشاد فرما دیتے۔ اب جو کتابوں میں جاکر دیکھتے تو صفحہ و سطر و عبارت وہی پاتے جو زبانی اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا۔ اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوتِ حافظہ سے ساری چودہ سو برس کی کتابیں حفظ تھیں۔ یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔ مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا۔ روزانہ دہرایا۔ ایک ایک دن میں سو سو بار دیکھا حافظ ہوا۔ محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا۔ حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو، گو ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت کریمہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں آیۂ کریمہ داہنی جانب ہے یا بائیں جانب ہے۔ گو یہ بھی نادر چیز ہے مگر یہ تو عادتاً محال ہے اور بالکل محال ہے کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ و سطر کو بتایا جا سکے تو کوئی بتائے کہ تمام کتب متداولہ و غیر متداولہ کے ہر جملہ کو بقید صفحہ و سطر بتانے والا اور پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اعلیٰ کرامت کا نمونہ ربانیہ ہے جس کے بلند مقام کو بیان کرنے کے لیئے اب تک اربابِ لغت و اصطلاح لفظ پانے سے عاجز رہے ہیں۔

میری شرارت: مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتا دیتے اور مزید حوالے بتا دیتے مع صفحہ و سطر عبارت نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ و نقطہ کی بھول ہو جائے۔ مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

حیرت انگیز علم حساب: چونکہ میں نے حساب کی تعلیم اسکولی طور پر پائی تھی لہٰذا فرائض کے حساب کی مشق بڑھی ہوئی تھی اور

ایسے استفتاء میرے سپرد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورث اعلیٰ کی پندرہویں پشت میں درجنوں ورثہ دار ہوں گے۔ مجھ کو اس کے جواب میں دو رات اور ایک دن سخت محنت کرنی پڑی اور آنہ پائی سے درجنوں ورثاء کے حق کو قلم بند کر دیا۔ نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا اور فلاں کو وارث چھوڑا۔ پھر فلاں مرا اور اتنے وارث چھوڑے اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فل سکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ ادھر استفتاء ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا، درجنوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا۔ اب میں حیران و ششدر کہ استفتاء کو بیس مرتبہ تو میں نے پڑھا۔ ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلمبند کیا لیکن مجھ سے صرف سب الاحیاء کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتاء اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا۔ یہ کیا تبحر کیا وسعت ادراک، توبہ توبہ یہ کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا۔ تو درجنوں ورثاء کا ایک ایک نام یاد رہا اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا کہ جیسے کئی مہینے تک کوشش کر کے حصہ و نام کو رٹ لیا گیا ہو۔

میری عرض و تمنا: میں اس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی نشست کی چارپائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا کہ حضور کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا۔ جس کا علماء کرام میں نشان بھی نہیں ملتا۔ مسکرا کر فرمایا۔ میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں۔ یہ جواب مجھ ننگ خاندان کے لیے تازیانہ عبرت بھی تھا کہ لوٹنے والے لوٹ کر خزانہ والے ہو گئے اور میں پدرم سلطان بود کے نشہ میں پڑا رہا اور یہ جواب اس کا بھی نشان دیتا تھا کہ علم راسخ والے مقام تواضع میں کیا ہو کر اپنے کو کیا کہتے ہیں۔ یہ شوخی میں نے بار بار کی اور یہی جواب عطا ہوتا رہا اور ہر مرتبہ میں ایسا ہو گیا کہ میرے وجود کے سارے کل پرزے معطل ہو گئے۔

علم قرآن: علم قرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰ حضرت کے اس ترجمے سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے۔ اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پر لایا نہیں جا سکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے۔ اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ نے حاشیہ پر لکھی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دوران شرح میں کئی بار ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا استعمال کردہ لفظ اٹل ہی نکلا۔ اعلیٰ حضرت خود شیخ سعدیؒ کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے لیکن اگر حضرت سعدیؒ اردو زبان کے اس ترجمے کو پاتے تو فرما ہی دیتے کہ ترجمہ قرآن شے دیگر است و علم قرآن شے دیگر است۔

علم الحدیث و علم الرجال: علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے۔ اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب و تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سینکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ و استاد و شاگرد کا نام بتا دیا تو اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجد تھے کہ طبقہ و اسماء سے بتا دیتے تھے۔ کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔

امام بریلوی کے شاہکار: اب ذرا اعلیٰ حضرت کے شاہکار ملاحظہ ہوں ۔ یہی زمانہ تھا جبکہ وہابیت جنم لے رہی تھی اور جیسا کہ دستور رہے کہ تحریک باطل اپنے ابتدائی دور میں تہافت اور تخالف میں مبتلا رہتی ہے ۔ ابھی کچھ کہا اور پھر اس سے ٹکرا کر اس کے خلاف کچھ کہا ۔ صراطِ مستقیم میں کسی چیز کو بزرگوں کا ارشاد بتایا ۔ تقویۃ الایمان میں اسی کو بدعت و ضلالت لکھ مارا ۔ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے کچھ کہا ۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے کوا آغا تقی سمجھ کر فتویٰ دے دیا کہ آغا تقی کے باغ میں کوا حلال ہے ۔ کوا کھانے کو کارِ ثواب قرار دے کر بکرے کے کپورے بھی ہضم کرنے لگے ۔ اور اس طرح تحلیل احرم اللہ کا سلسلہ چل پڑا ۔ تو دوسری طرف سارے اعیان فرقہ نے میلاد شریف کی شیرینی اور آستانجات اولیاء کے چڑھاوے ، محرم کی سبیل ، بارہویں شریف گیارھویں شریف کے تبرکات کے بیٹے نجس حرام اور کفری پلاؤ کی بکواس شروع کر دی ، یعنی تحریم ، احل اللہ کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا ۔ مسئلہ توحید کی آڑ لے کر یہ اسپرٹ پیدا کی گئی کہ انبیاء اور اولیاء کو عام بشریت سے بالاتر جاننا ہی شرک ہے ۔ اگر موحد ہو تو انبیاء اور اولیاء سے الگ ہو جاؤ ۔ ان کا تذکرہ بھی نہ کرو اگر مولوی اسماعیل صاحب کی بولی میں پھنس جاؤ تو لحاظ رہے کہ تعریف ایسی کرو جو بشریت عامہ سے بلند نہ ہو ۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے ایسی بولی بولو جس سے لوگ سمجھیں کہ بشریت بھی بڑی چیز ہے ۔ اولیاء و انبیاء کو بشریت سے کم باور کراؤ ۔ اس کے بعد قدرتی طور پر جب اعمال متعلقات عقائد کو بُرا بھلا کہہ چکے تو عقائد پہ براہ راست حملہ جارحانہ شروع کر دیا ۔ اعلان کیا گیا کہ کلام الٰہی میں بھی جھوٹ کا دخل ہو سکتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو سچا نہ سمجھ کر نہ کہو کہ وہ ہر عیب سے وجوباً پاک ہے اور جھوٹ اس کلام میں محال ہے ۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کو پاک دبے عیب کی مجبوری آ پڑے تو سمجھ کر کہو عادتاً اگر جھوٹ نہیں بولتا لیکن اگر بول دے بلکہ اپنے کو سارے عیوب میں ملوث کر دے ۔ تو وہ قادر و مختار ہے ۔ نہ یہ عقلاً باطل ہے نہ شرعاً ۔ رسول پاک ؐ کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ تو مر کر مٹی میں مل گئے ان کا مرتبہ عند اللہ چوہڑے چمار یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے چودھری ایسا تھا ۔ ایک بولا علم میں رسول پاک ؐ کے اندر کوئی شان تخصیص نہ تھی ان کو اگر غیب کا علم تھا تو کوئی بات نہ تھی ایسا علم غیب تو ہر زید و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے ۔ وہ ایک بولے کہ علم کی وسعت دیکھنی ہے تو ہمارے فرقہ کے عالم عزرائیل کے علم کو دیکھو کہ رسول کے علم سے کتنا بڑھا ہوا ہے ۔ اگر رسول ؐ کے لیئے وہ وزعلم کو مانو گے تو مشرک ہو جاؤ گے ۔ ایک ان کے ادارے کے بانی نے عمل کی پیمائش کی تو امتی کو نبی سے بڑھا دیا ۔ غرض رسول پاک ؐ کے علم کو بھی گھٹا دیا اور عمل کو بھی ۔ ذرا اس جرأت کا قرانہ کو دیکھیئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ؐ کو صاف صاف خاتم النبیین فرمایا تو فرقہ کے ایک ذمہ دار نے قرآن میں توڑ مروڑ شروع کر دی کہ پچھلے نبی ہونے میں کیا رکھا ہے ایسا سمجھنا عوام کا طریقہ ہے ۔ لفظ خاتم النبیین کی دلالت مطابقی حرف ختم ذاتی پر ہے ۔ ختم زمانی پر اگر دلالت ہے تو ضمنی ہے ۔ وہ عبارۃ النص نہیں ہے ۔ ضروری عقیدہ ختم ذاتی کا ہے ۔ اس بولنے والے نے بہت زور باندھا کہ مسئلہ کی تبلیغ کے بعد ان کے امام کا خواب تعبیر پائے مگر قرآن کو توڑ مروڑ کرنے والے ۔ اور عقیدہ ضروریہ سے منہ موڑنے والے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ غلام احمد قادیانی نے اعلان کر دیا کہ اگر اب بھی نبی ہو سکتا ہے تو اس کے ہو جانے میں کون سی قیامت ہے ۔ نبی ہو سکنے کی ذمہ دار دیوبندی پارٹی ہے ۔ اگر وہ اپنے دعوے کو نباہ سکے تو ہم اپنے نبی ہو جانے کو نباہ لیں گے ۔ آپ آپ بتایئے کہ دین پاک کے ساتھ یہ استہزا کیا جاتے یہ کافرانہ غداریاں کی جائیں ۔ اللہ اور رسول ؐ کی شان میں گستاخیاں ، بدزبانیاں کی جائیں تو کوئی اگر فنا فی الدنیا ہو کر غور ہی نہ کرے ۔ کوئی عاقبت کے خیال سے آزاد اس پر دھیان ہی نہ دے کوئی دین و دینداری سے غافل محض مولویوں کی مولویت قرار دے کر الگ ہو جائے غرض جس نے دین سے کوئی مضبوط رشتہ نہ رکھا وہ چپ رہے تو چپ رہے مگر وہ کیسے خاموش رہے جس کو پوری صدی کے دین پاک کا ذمہ دار ہونا ہے ۔ وہ اللہ کا فانی فی اللہ اور باقی باللہ بندہ جو عبد

تو عیب ہے کسی ہنر و کمال میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیئے لفظ امکان کا استعمال اِس ذاتِ قدیم کے صفات قدیم کے لیئے جائز نہ قرار دے وہ عیب کے امکان کو کیسے برداشت کرے۔ جو رسول پاک کا عاشق صادق ہو۔ وہ رسول پاک کی شان میں بدزگامیوں کو کیسے سنتا رہے چنانچہ یہی ہوا۔ بکمال احتیاط بکواس والوں کو خط لکھا کہ کیا یہ تحریر تمہاری ہے۔ کیا تم اِس بکواس سے راضی ہو کیا اس بکواس کی اشاعت تمہاری اجازت ہے۔ گویا اِس محتاط اعظم نے سمجھا دیا کہ کسی بہانے یا جھوٹ سے اپنی ذمہ داری چھوڑ دے مگر رجسٹریوں پر رجسٹریاں کی گئیں اور اہلِ باطل کی آنکھوں پر ایسی عنادی پٹی بندھی رہ گئی کہ رعایت سے فائدہ نہ کیا اور سخن سازی اور رکیک تاویل غیر ناشی عن الدلیل کی بدولت جس جہنم میں کفر نے قدم رکھا تھا۔ اِس میں دھنستے چلے گئے اِس وقت فاروقی درّہ اور حیدری ذوالفقار کا بے نیام ہو جانا واجب ہو گیا تھا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جرائم پیشہ مجرموں کے ایک ایک جرم کو آشکار اِس طرح کر دیا کہ کُفر و ارتداد کے ملزموں کو عرب و عجم کے علماء و مشائخ کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیا۔ اور ان عادی مجرموں کو حل و حرم میں اتنے اکابر مشائخ علماء نے مجرم کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا کہ چودہ صدیوں میں کسی فرقے کے کسی مجرم فرد پر اتنی بڑی تعداد کا اتفاق تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ یہ تھا وہ واقعہ جس کا مقابلہ اس ملعون پروپگنڈے سے کیا جانے لگا کہ آستانہ رضویہ بریلی میں کفر کی مشین ہے۔ وہاں مسلمانوں کو کافر بنایا جاتا ہے۔ ان عقل کے دشمنوں کو یہ نہ سوجھی کہ کوئی بھی کسی دوسرے کو کافر بنانے کی سکت ہی نہیں رکھتا کفر بکنے والا خود اپنے کو کافر بناتا ہے۔ البتہ اِس کے کفر بکنے اور کافر بننے سے امت اسلامیہ کو باخبر کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ ان سے بچیں اور کفریات سے اپنے کو محفوظ رکھیں دنیا جانتی ہے کہ مجرموں کو سزا اِس لیے دی جاتی ہے کہ جرم کا انسداد ہو۔ چور کو چور مجسٹریٹ نہیں بناتا بلکہ اس کے چوری کے جرم نے اس کو چور بنایا مجسٹریٹ نے تو چور کو اس لیئے سزا دی کہ دوسرا اِس جرم کا ارتکاب نہ کرے یہ تھی خالص دینی و اسلامی سیاست کہ بے جھجک اور بے رعایت نہ کسی کی مولویت دیکھی جائے نہ کسی کی مسجدوں کی پروا کی جائے اور رعایت کسی کی کر چکا ہے تو مجرم ہے۔ اِس کو فوراً سخت سے سخت سزا دی جائے۔ سعدی علیہ الرحمہ نے ملک بے سیاست کو زندہ رہنے کا حق نہ دیا۔ وہ بھی سیاست ہے۔ جس میں جرم کی تعزیر فوراً کی جائے۔ اور ارتکاب جرم کے حوصلے کو دبا کر رکھ دیا جائے۔ اگر کاش ہمارے ملک کے ہمارے کلمہ گو اس سیاست کو جان لیتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تو برِ صغیر سے لے کر امریکہ تک وہ بکواس نہ ہو سکتی جس کی بدولت ناموسِ رسولؐ کے نام پر جیل جانے کی نوبت آتی۔ رسول پاکؐ کے بارے میں اِس زمانے کا گندہ لٹریچر ایک لازمی نتیجہ ہے اس ناپاک ہمدردی کا جو مجرموں کے ساتھ برتی گئی۔ اور دیکھئے کہ اس غلط کاری کی بدولت آئندہ اُمّت اسلامیہ کو کیا کیا بھگتنا ہے۔ وہ تو کہیے کہ اعلیٰ حضرت نے ماضی و حال کے ساتھ مستقبل کو ایسا بھانپ لیا تھا اور مجرموں کا ایسا تعاقب فرمایا تھا کہ ان کو چلنے کی راہ نہیں ملتی تھی اور روزانہ کی کفری بکواس کا سلسلہ توڑ دیا گیا تھا۔ ورنہ اگر خفیف الکلامی اور شوخ بیانی کا سلسلہ جاری رہتا تو آج معاذ اللہ اسلام کے نام پر کفر نوازی بے پناہ ہو چکی ہوتی۔

امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان: یہ تو اعلیٰ حضرت کا دنیائے اسلام و سُنیّت پر احسان عظیم ہے کہ بکواس والوں کی لمبی لمبی زبانوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور کفر بکتے رہنے کی جرأت کو کمزور کر دیا اور اس طرح مجرموں کو برہنہ کر کے مسلمانوں کو ان کے کفری انداز کے شکار ہونے سے بچا لیا یعنی اعلیٰ حضرت نے کسی کو کافر نہیں بنایا بلکہ کافر بننے والوں کے جرائم کفریہ کو واضح فرما کر مسلمانوں کو کافر بننے سے بچا لیا۔ اعلیٰ حضرت کی اس شان احتیاط کو دیکھیئے کوئی ممکن رعایت ایسی نہ تھی جو مجرم کو عطا نہ فرمائی گئی ہو۔ اگر کسی کی توبہ مشہور ہو گئی تو اس کے کفریات گنا کر حکم لگاتے وقت ایسی رعایت برتی کہ کچھ لوگ اس رعایت ہی کو برداشت نہ کر سکے۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے جس مجرم کے قول کو قال المرید المرتد کہہ کر نقل فرمایا وہ صرف اعلیٰ حضرت کا محتاط قلم ہے۔ جس نے

منصب قضا کی ذمہ داریوں کو نہ چھوڑا اور غم سہا۔ دکھ اٹھایا مگر قانون کی ہر رعائت کو فطری غیظ پر غالب رکھا۔ یہ تو جب غلام احمد قادیانی نے اپنے کفری دعویٰ نبوت کو کسی طرح نہیں چھوڑا۔ نانوتوی نے ختم زمانہ کے عقیدۂ حقہ کی ضرورت سے انکار کر دیا اور اسی پر جما رہا۔ گنگوہی اور انبیٹھوی نے رسول پاک کے علم کے بارے میں حضور کے مقابلے پر شیطان کے علم کو بڑھایا اور باز نہ آئے تھانوی علم رسول ﷺ کی سطح کو ہر زید و عمرو صبی و مجنون و بہائم حیوانات کی سطح پر لایا اور ضد کو نہ چھوڑا تو گنتی کے انہیں جیسے چند مجرموں کی توبہ سے، مایوس ہو کر اس فرض شرعی کو ادا فرمایا کہ امت اسلامیہ کو ہوش ہوا اور وہ جس کش مکش میں پڑ گئے ہیں کہ مجرموں کا ساتھ دیں تو دامن رسول ﷺ ہاتھوں سے نکل جاتا ہے اور رسول پاک کے دامن کو تھامے رہیں تو مولوی نما نمازیوں سے بے تعلق ہونا پڑتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کش مکش کا یہ علاج بتایا کہ دامن رسول ﷺ ہی مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے اور اس کے لیے کسی مولوی ملا کی پروا نہ کی جائے۔ رسول پاک ﷺ کا دامن دین و ایمان ہے۔ اس کو چھوڑ کر خواہ کچھ ہو جائے مگر مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس صاف اور سادہ اور ناقابل انکار بلکہ روشن پیغام کو کفری مشین کہہ کر پروپگنڈا کرنا حقیقتاً اس حقیقت کو مان لینا ہے کہ مجرموں اور ان کے ساتھیوں کے پاس جرم سے برئت کا کوئی سامان ہی نہیں ہے۔ ان کا دل اس کی شکایت نہیں کر سکتا کہ وہ بے گناہ ہیں البتہ ان کو غم اس کا ہے کہ ہمارے جرائم کو آشکارا کیوں کیا گیا۔ جس کا جواب خود ان کے علم میں بھی ہے کہ جب توبہ انابۃ الی اللہ سے مجرموں کو محروم پایا تو وہ مواخذہ فرمایا کہ جو شرع مطہر سے فرض عین ہو گیا تھا۔ چنانچہ دیوبندیت کے نقیب و رئیس المناظرین حسن چاندپوری نے چھاپ کر اعلان کر دیا کہ ہمارے، بڑوں کے کلمات کے ظاہر معنی جو اعلیٰ حضرت نے پائے تو ہمارے کفر کے بکنے کو ظاہر نہ کرتے خود کافر ہو جاتے۔

اعلیٰ حضرت نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ دیوبندی کی توحید بتوں اور اصنام کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف ایٹی، انبیاء و اولیاء ہے۔ توحید ان کی بوتل کا صرف فریب کاری کا لیبل ہے۔ جس بوتل میں شرک و کفر و بدعت ہی بھرا ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ دیوبندی کا ایمان بالرسول۔ بایں معنی نہیں ہے کہ رسول پاک سید المرسلین ہیں خاتم النبیین ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ اکرم الاولین والآخرین ہیں۔ اعلم الخلق اجمعین ہیں۔ محبوب رب العالمین ہیں بلکہ صرف بایں معنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی ہیں جو مر کر مٹی میں مل چکے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے بے اختیار اور عند اللہ تعالیٰ بے وجاہت رہے۔ اگر ان کو بشر سے کم قرار دو تو تمہاری توحید زیادہ چمکدار ہو جائے گی۔ ان حقائق کو واضح کر دینے کا یہ مقدس نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی جمہوریت اسلامیہ بڑی اکثریت کے ساتھ دامن رسول ﷺ سے لپٹی ہوئی ہے اور دشمنان اسلام کے فریب سے بچ کر مجرموں کے منہ پر تھوک رہی ہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر اہل السنۃ والجماعۃ خیر الجزاء دنیا کو اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ اعلیٰ حضرت جن کے قلم کے نیزے کی مار نے کئی آنکھیں پھوڑ دیں کسی کو ضرور والی سزا دی۔ کسی کو مبہوت کر کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ یہاں بھی کراہتے رہے اور وہاں بھی چیختے ہیں۔ مگر اتنی جرأت آج تک کوئی نہ کر سکا کہ اعلیٰ حضرت کی کسی تصنیف کا برائے نام ہی سہی رد لکھ کر چھاپ دے۔ میدان رزم اس مرد میدان کی خداداد ہیبت و جلالت کا یہ عالم ظاہر کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد ایک طرح سے اظہار حقیقت ہے وہ رضا کے نیزے کی مار ہے۔

امام بریلوی قدس سرہٗ کاملین کی نگاہ میں: میرے استاد فن حدیث کے امام کو بیعت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی سے تھی مگر حضرت کی زبان پر پیر و مرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہ آیا اور اعلیٰ حضرت کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے رہتے۔ اس وقت تک بریلی حاضر نہ ہوا تھا اس انداز کو دیکھ کر میں نے ایک دن عرض کیا کہ آپ کے پیر و مرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ جب میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا

سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی۔ اب میرا ایمان رسمی نہیں ہے بلکہ بعونہٖ تعالیٰ حقیقی ہے۔ جس نے حقیقی ایمان بخشا۔ اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔ حضرت کا اندازِ بیان اور اس وقت چشم پرنم۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی دلی راد لی مے شناسد اور عالم را عالم می داند۔ میں نے عرض کیا کہ علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا کہ شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے۔ سنیے کہ اعلیٰ حضرت اس فن میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں کہ میں سالہا سال تک صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔

بریلی کی طرف میری کشش : حضرت محدث صاحب قبلہ کے اسی قسم کے ارشادات نے میرے دل کو بریلی کی طرف کھینچا اور بالآخر آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اعلیٰ حضرت کیا ہیں اس کا اندازہ بڑے سے بڑا مبصر بھی نہیں کر سکتا۔

اندازِ تربیت : ذرا اندازِ تربیت دیکھئے کہ کارِ افتاء کے لیئے جب بریلی حاضر ہوا تو میرے اندر لکھنؤ میں رہنے کی خو بو کافی موجود تھی شہر کے جغرافیہ میں بازار اور تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کروں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا۔ نماز ہو گئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں۔ میں بریلی کے لیئے بالکل نیا شخص تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت خود کھڑے ہو گئے اور بابِ مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آکر مجھے مصافحہ سے نوازا اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو میں گھبرا کر گر پڑا۔ اعلیٰ حضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔ مسجد کے ایک ایک شخص نے اس کو دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا۔ میں نے بازار اور کتب خانہ کی سیر کو طے کر رکھا تھا۔ شام کو جب چلا تو شہامت گنج کی موڑ پر پہلے پان کھانے کی خواہش پیدا ہوئی ابھی پان والے سے کہا بھی نہ تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آئے اور مجھ کو جواب دینا پڑے۔ اب پان والے کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا بھی میرا دشوار ہو گیا۔ سلام و مصافحہ کی برکت نے سارا پروگرام ختم کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں۔ کلکتہ، بمبئی مدراس میں بھی پاپیادہ نہیں بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی صرف سیر بازار کے لیئے نہیں نکلا۔ سارا لکھنوی انداز ہمیشہ کے لیئے ختم فرما دیا۔

حضرت غوث الاعظم کے ساتھ حیرت انگیز عقیدت : دوسرے دن کارِ افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپیہ کی شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ پڑھ کر دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ پڑے سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا کہ شائد کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے ہیں اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہو جانے میں کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی اور اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ میں کچھ نہیں۔ یہ آپ کے جد امجد کا صدقہ ہے۔ وہ مجھے خاموش کر دینے کے لیئے ہی نہ تھا۔ اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی۔ بلکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت غوثِ پاک کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے جس طرح کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔

امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا: علماء دین کے اعلیٰ کارنامے چودہ صدی سے چلے آرہے ہیں۔ مگر لغزش قلم اور سبقتِ لسانی سے بھی محفوظ رہنا یہ اپنے بس کی بات نہیں زدر قلم میں وہ تفرد پسندی میں آگئے بعض مجدد پسندی پر اتر آئے۔ تصانیف میں خود آرائیاں بھی ملتی ہیں۔ لفظوں کے استعمال میں بھی بے احتیاطیاں ہوجاتی ہیں۔ قول حق کے لہجہ میں بھی پورے حق نہیں ہے۔ حوالہ جات میں اصل کے بغیر نقل پر ہی قناعت کر لی گئی ہے لیکن ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علماء عرب و عجم کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی بحرالعلوم فرنگی محلی یا پھر اعلیٰ حضرت کی زبان و قلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان و قلم نقطہ برابر خطا کرے۔ اس کو ناممکن فرما دیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ اس عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاوٰی رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالیئے۔

امام بریلوی کی شعر گوئی: کتنی عجب بات ہے کہ ایسے امام الوقت مستند العصر کے پاس جس کو رات دن کے کم از کم بیس گھنٹے میں صرف عشق علم دین سے واسطہ ہو جس کے ایوان علم میں اپنے ساتھ قلم و دوات اور دینی کتابوں کے سوا کچھ نہ ہو جو عرب و عجم کا رہنما ہو۔ اس کو شعر کہنے کو کیا کہا جائے کسی سے شعر سننے کی فرصت کہاں سے ملتی ہے مگر نشان جامعیت میں کمی کیسے ہو اور مملکت شاعری میں برکت کہاں سے آئے۔ اگر اعلیٰ حضرت کے قدم اس کو نہ نوازیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس رشکِ حسان سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق کیلئے سرمایۂ حیات ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے حمد و نعت کا ایک مجموعہ کئی حصوں میں شائع ہوچکا ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ خود مست ہے اور سننے والوں کو مستی عطا کرتا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ لکھنو کے ادیبوں کی شاندار محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دُھلی ہوئی زبان ہے۔

اس قسم کا ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تو سرآمد شعراء دہلی نے جواب دیا کہ ہم سے کچھ نہ پوچھئے آپ عمر بھر پڑھتے رہیے اور ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

فن زیجات و فن تکسیر: فن زیجات و فن تکسیر میں شانِ امامت کے نمونے آج اعلیٰ حضرت کے تلامذہ سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ حضرت ملک العلماء ظفر الملۃ والدین اس عہد میں دونوں فن کے ماہر مانے جارہے ہیں علم جفر میں اعلیٰ حضرت ساری دنیا میں فرد یکتا تھے۔ بڑے بڑے مدعیان فن مناظرہ تک پہنچ کر آگے معذور ہوجاتے ہیں اور ان کے حسابات میں جواب سے پہلے کوئی نہ کوئی کسر آجاتی ہے۔ بڑے بڑے رمّال و جفّار نے اعتراف کیا کہ ہم اعلیٰ حضرت کے آگے طفل دبستان ہیں۔

عجیب واقعہ: اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا کہ حضرت مولانا ہدایت رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ریاست رام پور میں علمی منصب پر فائز تھے۔ نواب صاحب کی بیگم بیمار پڑیں جن کی بیماری نواب صاحب کے لیئے ناقابل برداشت تھی ان کی بیماری کا انجام جاننے کے لیئے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ پہلے تو اعلیٰ حضرت نے ٹال دیا مگر مولانا کا سوکھا سا منہ دیکھ کر رحم آگیا اور لکھ کر دے دیا کہ اگر رفض سے توبہ نہ کی تو اسی ماہ محرم میں رام پور کے اندر مر جائے گی۔ نواب صاحب نے طے کر لیا کہ ماہِ محرم کو تو روکا نہیں جاسکتا مگر رام پور سے چلا جانا ممکن ہے۔ مع بیگم کے نینی تال چلے گئے کہ وہاں موت واقع ہوئی تو وہ نینی تال ہے رام پور نہیں ہے مگر وہ جو کہ فرمایا گیا ہے۔ جف القلم بما ہو کائن۔ آخر یہ ہو کر رہا کہ کان پور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں لفٹیننٹ گورنر مسٹر مسٹن کی بے چینی حد سے بڑھی تو نواب صاحب کو تار دیدیا کہ رام پور آتا ہوں۔ جلد آکر ملو۔ نواب صاحب اکیلے جانے کو تیار ہوئے تو بیگم نے نہ مانا اور دونوں ماہِ محرم میں جیسے ہی رام پور پہنچے کہ بیگم کا انتقال ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا سے فرمایا تھا کہ اس پر ایمان نہ لانا مگر ہوگا

ایسا ہی چنانچہ وہ ہو کر رہا۔ کارخانۂ قدرت کے حسن عجوبہ کاری میں دنیا نے دیکھا کہ علامہ شامی کی وہ مبارک ہستی تھی جس سے وہابیہ نجدیہ کو باغی قرار دے کر اس کے خلاف آواز بلند کی اور دہلی کے شاہ صاحب نے اپنے گھر کی وہابیت کو چھپا کر دفن کر دیا۔ یا اس کا رد فرما دیا اور اعلیٰ حضرت نے وہابیت نجدیت دیوبندیت کی وہ بےمثال گردن زدنی فرمائی کہ عرب و عجم نے امامت و مجددیت کا تاج زریں فرق مبارک پر رکھ دیا۔

وصال کی خبر اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں: میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا۔ میرے حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہٗ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یکبارگی رونے لگے۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔ چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا۔ اس وقت حضرت والد ماجد قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نذر اشرف قدس سرہٗ کی زبان پر بیساختہ آیا کہ رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔ آج ہم اور آپ اسی یکتائے روزگار امام و مجدد قطب الارشاد کی بارگاہ عالی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کو جمع ہیں اور ان کی روح مبارک کی نسبت سے دارین کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔

فرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ احمد رضا فقط

فقیر اشرفی و گدائے جیلانی

ابوالمحامد سید محمد غفرلہٗ کچھوچھوی نزیل ناگپور

امام احمد رضا ایک مظلوم اسلامی مفکر

سید حسن مثنیٰ انور کی شخصیت جانی پہچانی ہے۔ دنیائے ادب انہیں اس وقت سے جانتی ہے۔ جب وہ جواں قلم ادیب بن کر آسمان صحافت پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرے اور علی گڑھ میگزین کی ادارت اپنے ہاتھوں میں لی۔ کچھ دنوں "المیزان" کی ادارت سنبھالے ہوئے تھے۔ موصوف نے کئی تحقیقی مقالات قلم بند فرمائے ہیں۔ جو قبول عام کی سند لے چکے ہیں۔ موصوف نہ صرف ادیب ہیں بلکہ ایک اچھے خاصے مذہبی مقالہ نگار بھی ہیں۔ آپ کی پوری زندگی لکھنے پڑھنے کے لئے وقف ہے

(ادارہ)

انقلاب ۱۸۵۷ء کے پس منظر و پیش منظر کے ساتھ ہندوستان پر ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈالئے تو آپ کو یہ عظیم ملک مختلف تحریکوں۔ گوناگوں گردشوں اور رنگا رنگ انقلابات و تغیرات کا گہوارہ دکھائی دے گا۔ مذہب، سیاست، معیشت، ثقافت، معاشرت اور مدنیت غرض کہ کوئی شعبہ حیات انسانی ایسا نہیں ملے گا۔ جو زوال وادبار اور ہلاکت و فلاکت کی طوفان خیزی سے محفوظ و مامون نظر آئے۔ اگر ایک طرف مغلیہ سلطنت کے اقتدار کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا۔ تو دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت کا طوفان سارے برّاعظم پر چھا چکا تھا۔ اور انگریزی... سامراجیوں نے وحشت و بربریت کے وہ دل سوز نمونے پیش کئے تھے۔ جن پر انسانیت آج تک سوگوار ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی اسیری۔ بوڑھے باپ کے سامنے جوان بیٹوں کا قتل، بیگمات کے ساتھ بہیمانہ سلوک اور دوسرے مجاہدین آزادی کو دار و رسن کی سخت ترین آزمائش سے گذارنا نیز کالا پانی کی سزا سنا کر ملک بدر کرنا، دیسی ریاستوں کے مابین انتشار و افتراق پھیلانا اور اپنے موروثی وقار کی بحالی کے لئے فرنگی سیاسی غلامی قبول کرنے پر مجبور و پابند کرنا۔ ہندوستانی عوام کی زندگی میں خوف و ہراس اور بے چینی و سراسیمگی کی لہر دوڑا کر اپنا حاصل کردہ اقتدار و وقار مستحکم کرنا اور بالخصوص مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا — — یہ سب وہ حقائق ہیں۔ جن سے نہ صرف یہ کہ تاریخ کا دل دھڑکتا ہے۔ بلکہ آج بھی وہ سارے محبان وطن عزیز کے لئے سرمایۂ عبرت و بصیرت ہیں اور تحصیل نور و حرارت کا سرچشمہ بھی کہ — اسی انقلاب کے تقریباً نوے (۹۰) سال بعد فرنگیوں کو اپنی آہنی مورچہ بندی اور غیر معمولی طاقت و شوکت کے باوجود مجاہدین آزادی اور سرفروشانِ ملت نے انہیں انگلستان واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

برٹش سامراجیوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کو غدر، شورش، اور بغاوت و بدامنی کے مکروہ ناموں سے موسوم کیا تھا۔ جو مجاہدین آزادی کی قدر و قیمت کو گھٹانے اور ہندوستانیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کے جواز کے لئے ایک فرنگی چال تھی۔ لیکن یہ حقیقت انگریزوں کے دیسی نمک خوار نہ سمجھ سکے چنانچہ ایک باوفا تذکرہ نگار لکھتا ہے۔

رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ طوفان جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا نہ ہو۔ سلطنت مغلیہ کا آخری دور اور لبریز ہو جانے والے پیمانہ شاہی کا پچھلا منظر یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا وہ بلاخیز سماں تھا۔ جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر برپا کرنے کے چھپے کھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوگئے تھے۔ تباہ ہونے

والی رعایا کی نحوست تقدیر نے ان کو جو کچھ بھی سمجھایا۔ اس کا انہوں نے نتیجہ دیکھا۔ اور ان کی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی۔

انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں، حاکم کی نافرمان بنیں۔ قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جواں مردی کے غرہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔ اس بھیانک منظر میں ہزارہا بندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے۔ جن کے پیچھے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدامنی پھیل گئی۔ (تذکرۃ الرشید مولفہ مولانا الحاج محمد عاشق الٰہی ص ۷۳ ج اوّل)

صاحب تذکرۃ الرشید نے اسی ضمن میں ان گوشہ نشینوں کو بھی پیش کیا ہے جن کے مرد مجاہد آزادی ہونے میں آج بھی بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان سے متعلق ایسے محیّر العقول افسانے تخلیق کر لئے گئے ہیں۔ جن کے مقابل علامہ فضل حق خیر آبادی۔ مولانا رضا علی خاں بریلوی (امام احمد رضا کے دادا) مولانا عنایت احمد کاکوروی، مولانا فضل رسول بدایونی۔ مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری۔ مولانا ہدایت رسول بدایونی سید کفایت علی کافی مرادآبادی۔ مولانا عبدالجلیل علی گڑھی، مفتی صدرالدین آزردہ۔ مولانا امام بخش صہبائی۔ مولانا غلام امام شہید۔ مولانا سید تراب علی شاہ سجادہ نشین کاکوروی، مولانا وہاج الدین مرادآبادی، مفتی عبدالوہاب گوپامئوی، سید احمد اللہ شاہ اور جنرل بخت خاں۔

وغیرہ جیسے مجاہدین جلیل کی تابناک سرگزشت حیات بھی ماند پڑنے لگتی ہے۔ ورنہ ان کی اصل صورت تو یہ تھی؛

جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے اپنے آپ کو سرکاری خیرخواہ ظاہر کریں۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا۔ . . . . .

چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا۔ اس لئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی نہ تھا۔ زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو میں باہر جاتا ہوں۔ عورتوں سے رک نہ سکے باہر چلے گئے۔

حضرت مولانا امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا۔ اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے۔ آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوگیا۔ کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے۔ اس وقت رہا کئے گئے۔ اور آپ بخیر و عافیت وطن مالوف کو واپس آئے ہر چند کہ یہ حضرات حقیقتہً بے گناہ تھے۔ مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا۔ اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی۔ مگر حق تعالیٰ کی حفاظت برسر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ آئی۔ اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے ہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اٹھانی تھی سو اٹھائی (ماخوذ از تذکرۃ الرشید ج اوّل صفحہ ۷۶، ۷۹)

تذکرۃ الرشید صفحہ ۸۰ پر مولوی رشید احمد گنگوہی کا یہ قول بھی زینت قرطاس بنا ہوا ہے۔

کہ "میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"

ایک انگریز حاکم کی عدالت میں مولوی رشید احمد گنگوہی کا ملزم کی حیثیت سے حاضر ہونا بھی بتایا جاتا ہے۔ اور حاکم و ملزم کے درمیان سوال و جواب نیز فیصلہ کا ایک دلچسپ منظر بھی دکھایا گیا ہے۔ جو نذر ناظرین ہے۔

(۱) انگریز حاکم : تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟

رشید احمد : ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی۔

(۲) حاکم : تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اُٹھائے؟
رشید احمد : (اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے، ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔
(۳) حاکم : ہم تم کو سزا دیں گے!
رشید احمد : کیا مضائقہ ہے۔ مگر تحقیق کر کے۔
(۴) حاکم : تمہارا پیشہ کیا ہے؟
رشید احمد : کچھ بھی نہیں مگر زمینداری۔
(۵) فیصلہ حاکم : رشید احمد رہا کئے گئے''

(تذکرۃ الرشید ج اوّل صفہ ۸۵)

تسبیح کو اپنا ہتھیار بتانا ایک ایسا نفسیاتی تعارف تھا جو انگریزوں جیسی شاطر و عیار قوم کے لئے اپنی تمام سفاکیوں کے باوجود بھی قطب گنگوہی کے وجود کو محفوظ رکھنا ضروری ہو گیا۔ تیسرے سوال کے جواب میں انداز خود سپردگی کے ساتھ تحقیق کی شرط نے مزید یقین دلا دیا ہو گا۔ کہ یہ انمول ذات کہیں حاکم کی عجلت پسندی کے باعث معدوم نہ ہو جائے۔ لہذا حکم رہائی ناگزیر قرار پایا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ انگریزوں کے حلم و تدبّر اور درگذر کی۔ پالیسی نے ان کے حق میں خاطر خواہ فائدے مرتّب کئے اور اس انمول ذات کی بدولت ملت اسلامیہ کا شیرازہ ایسا درہم برہم ہوا جسے برطانوی سامراجیت اپنے تمام تخریبی حربوں کے استعمال کے بعد بھی پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ

''اس قصہ گرفتاری سے رہائی کے بعد حضرت امام ربّانی باوجود ارشاد باطنی کے ظاہری علوم شرعیہ و فنون دینیہ کی تعلیم میں زیادہ تر مشغول ہوئے چند سال بعد جب کہ آپ تیسرے حج سے فارغ ہو کر ہندوستان پہونچے تو یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ صحاح ستّہ کے دورہ کا ایک سال میں ختم کرانے کا آپ نے التزام کر لیا اور اس دینی خدمت کے لئے اپنے نفس کو وقف بنا کر گویا چار اطراف اعلان دیدیا کہ جس کو دین حاصل کرنا ہے اور حدیث کا پڑھنا ہو۔ آئے'' ایضاً صفہ ۸۶

دینی تعلیم و تدریس کا نقشہ جس بنیادی اصول پر بنایا گیا تھا۔ وہ ایک مکتوب سے صاف نمایاں ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے!
''وہ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور کچھ نہیں۔ کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں۔ اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے۔ اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔ (مکتوب بنام مولوی اشرف علی تھانوی ۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ مندرجہ تذکرۃ الرشید صفہ ۱۲۱)

یہ وہی دینی نظریہ معکوس ہے۔ جسے پہلے پہل خیال میں ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لائے۔ عمل کی دنیا میں لاکر ابن عبدالوہاب (م ۱۲۰۶ھ) نے نام پیدا کیا اور خوشہ چینیوں میں مولوی اسماعیل دہلوی (م ۱۸۳۱ء) ٹھہرے۔ جنہوں نے اپنے پیرو مرشد اور مفروضہ امیر المومنین سید احمد رائے بریلوی (م ۱۸۳۱ء) کے زیر سایہ فتنہ تو ہب کو پھیلایا اور انگریزی سامراجوں کی خوشنودی حاصل کی۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان پہلی کتاب ہے جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کافر، مشرک، بدعتی بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سید احمد شہید کی صحیح تصویر از پروفیسر وحید احمد مسعود مطبوعہ لاہور)

انقلاب ۱۸۵۷ء کے کم و بیش ۲۵ سال قبل ۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا جس میں مشرک سازوں اور کافر گروں کی جماعت کے ممتاز افراد مع سربراہان لقمہ اجل بن گئے اور ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ دس سال کے بعد ۱۸۴۱ء میں مولوی مملوک علی نانوتوی کو انگریز حاکموں نے خوش ہو کر دہلی کالج کا صدر مدرس

بنا دیا۔ وہابیوں نے اسماعیلی جماعت کو دوبارہ زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انہی کی بدولت مولوی ذوالفقار علی (والد محمود حسن دیوبندی) اور مولوی فضل الرحمن (والد مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی) دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزوں کے ملازم ہو گئے۔ مملوک علی صاحب کے ارشد تلامذہ مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی احمد علی سہارن پوری اور سرسید احمد خاں وغیرہ کے نام سرفہرست تھے۔ لائق استاد کے انتقال کے بعد مولویوں کی یہ جماعت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات کو مرکز مان کر دائرہ بنانے لگی۔ اسی اثنا میں حریت پسندوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد عام کیا۔ احول سے تنگ اور دل برداشتہ ہو کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تارک وطن ہو گئے۔ اب قدرتی طور پر مولوی رشید احمد گنگوہی اپنی جماعت کے "امام ہمام، قدوۃ الانام قطب العالم اور مخدوم الکل"، وغیرہ بن گئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر جبکہ انگریز اپنی آتش انتقام کو مسلمانوں کے خون سے بجھا رہا تھا۔ یہ جماعت خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتی رہی۔ اور موقعہ پا کر مولانا عبید اللہ سندھی کے لفظوں میں "مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند (ضلع سہارن پور) لے گئے۔ اور سرسید احمد خاں انگریزی حصہ کو علی گڑھ لے گئے" مکتب دیوبند نے اپنے گورے آقاؤں کی کامل وفاداری کے گن گاتے ہوئے اپنے اسی جدید نقشے پر دینی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کا ذکر اسی مضمون میں کیا جا چکا ہے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ کتابیں بھی تصنیف کی گئیں۔ اور مسلمانوں کے معتبر و مستند افکار و خیالات مذہبی اور شعار اسلامی پر ایسی کاری ضربیں لگائی گئیں۔ کہ اگر نصرت الٰہی ان کی پشت پناہی نہ کرتی تو دیوبند کے قطب ربانی کا تعلیمی نقشہ جدید انہیں غبار راہ بنا دیتا!

تقویۃ الایمان، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس، اور حفظ الایمان وغیرہ کتابیں جو مختلف اوقات میں لکھی گئیں۔ لیکن سب ایک ہی قبیل کی ہیں۔ اور ان میں تو سب کا وہی رنگ و آہنگ ہے۔ جسے ہندوستان میں سب سے پہلے مولوی اسماعیل دہلوی نے ایجاد کیا تھا اور بعد میں دیوبند اسکول کے بہی خواہوں، ان کے شاگردوں، حاشیہ نشینوں اور مریدوں نے راگ میں راگ ملانے کی سعیٔ بلیغ کی۔ ابتداء میں باہم دگر رتحافت و تخالف کے شکار ہوئے جیسا کہ ہر نئی ایجاد کا خاصہ ہوتا ہے۔ تاہم اس نئے تجربے نے دو اہم رول ادا کئے۔ ایک طرف انگریزوں کے پاؤں مضبوطی سے جما دیئے۔ اور مسلمانوں کی قوت اتحاد کو کمزور کر کے انگریزوں کو سیاسی اقتدار بڑھانے کے مواقع دیئے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کو مذہبی خانہ جنگی میں ایسا مبتلا کر دیا اور کفرو شرک و بدعت کے شور و غوغا سے مذہبی ماحول کو اس قدر مکدّر کر دیا جس کا خسارہ ہندوستان میں سُنّی مسلمانوں کے معدوم ہونے کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وقت کا ایک المیہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے نامور علماء و دانشور جو صحیح معنوں میں وارث علوم انبیاء تھے جن کے علمی جلال و کمال کے سامنے کسی کو مجال گفتگو نہ تھی اور جن میں سے ایک بزرگ نے دعوت مباحثہ دیکر خود مولوی اسماعیل دہلوی کو روپوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سب کے سب ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں کام آگئے۔ اور جو تھوڑے بہت باقی بچے وہ اس نئے مذہبی بحران و طغیان سے ملت اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

ان اسلام کش اثرات کی روک تھام کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس کو علوم عقلی و نقلی دونوں میں پوری بصیرت اور دستگاہ حاصل ہو اور وہ تمام علوم و فنون میں بالغ نظری کے مقام پر فائز ہو۔ تفقہ فی الدین میں جو ائمہ متقدمین کی یاد دلائے۔ اور جس کا علم کلام اگر ایک جانب توحید کے حقائق کی نقاب کشائی کرے تو دوسری جانب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی اور اختیار و اقتدار کا پرچم لہرائے، اپنے علم و یقین اور فکر و نظر سے تمام فرق باطلہ کی قلعی کھول دے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس نئی مذہبی تحریک کا رد بلیغ کر دے جس کی اشاعت کرنے والے خدائی فوجدار بن کر انبیا شہدا، صدیقین اور صالحین سے مسلمانوں کے غیر معمولی مربوط رشتے کو توڑنے کے آرزومند تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ایک ایسی گرانمایہ اور عبقری شخصیت کا ظہور ہوا۔ جسے عالم اسلام، امام احمد رضا بریلوی کے نام سے یاد کرتا ہے۔

احمد رضا ۱۴ جون ۱۸۵۶ء مطابق ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ یعنی ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت سے ایک سال قبل، شہر بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے ۱۲۸۶ھ میں جب کہ عمر شریف صرف ۱۳ سال دس ماہ کی تھی۔ آپ جلیل الشان عالم، عظیم المرتبت فاضل ہو گئے۔ اور اس وقت سے صفر ۱۳۴۰ھ یعنی ۵۴ برس تک مسلسل دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہے (سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مؤلفہ مولانا بدر الدین احمد رضوی مطبوعہ ۱۹۶۳ء صفحہ ۸۹)

امام کے اساتذہ میں مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی (متوفی ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) مولانا محمد نقی علی خاں (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) شیخ احمد بن زینی دحلان مکی (متوفی ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) شیخ عبد الرحمٰن مکی (متوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) شیخ حسین بن صالح (متوفی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) اور مولانا شاہ ابو الحسین احمد النوری (متوفی ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ امام احمد رضا دو بارہ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے پہلی بار ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں اور دوسری بار ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں ان دونوں مبارک و مسعود مواقع پر امام نے شیوخ مکہ و مدینہ سے غیر معمولی اکتساب فیض کیا۔ اور اپنی خداداد فقاہت و علمیّت کے گہرے نقوش علمائے حجاز مقدسہ کے اذہان و قلوب میں مرتب کئے۔ چونسٹھ ۶۴ سالہ مدت عمر میں امام احمد رضا نے کم و بیش ۵۰ علوم و فنون پر مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ اور متعدد اہم کتابوں کے حواشی بھی لکھے جو خود ایک تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چند تصنیفات کی مجموعی تعداد درج ذیل ہے۔

نمبر	علم	تعداد	نمبر	علم	تعداد
۱	علم تفسیر میں	۷ کتابیں	۲	علم حدیث میں	۴۵ کتابیں
۳	عقائد و کلام میں	۲۲ کتابیں	۴	فقہ و تجوید میں	۷۰ کتابیں
۵	تاریخ و سیر میں	۱۱ کتابیں	۶	ادب نحو لغت و عروض میں	۶ کتابیں
۷	تصوف میں	۹ کتابیں	۸	علم زیجات میں	۷ کتابیں
۹	علم جفر و تکسیر میں	۱۱ کتابیں	۱۰	جبر و مقابلہ میں	۴ کتابیں
۱۱	علم مثلث، از نما طیقی لوگارثمات	۶ کتابیں	۱۲	توقیت، نجوم، حساب میں	۱۶ کتابیں
۱۳	ہیئت، ہندسہ، ریاضی میں	۲۸ کتابیں	۱۴	فلسفہ و منطق میں	۶ کتابیں

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۲۹۵ تا ۳۰۳

مندرجہ بالا فہرست تعداد کتب میں اکثر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور بعض مطبوعہ ہو کر نایاب ہیں۔ یہ فہرست اصل میں ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کے دو شماروں اکتوبر ۱۹۶۲ء و دسمبر ۱۹۶۲ء سے ماخوذ ہے۔ اور سوانح اعلیٰ حضرت میں بجنسہٖ موجود ہے۔ علاوہ ازیں امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفی سرگرمیوں اور علمی و ادبی ذخیروں کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

۱ تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ مولانا رحمان علی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء

۲ تذکرہ علمائے حال مؤلفہ مولانا محمد ادریس نگرامی مطبوعہ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء

۳ معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ مؤلفہ یوسف البادر سرکیس مطبوعہ مصر ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء

۴ قاموس المشاہیر۔ نظامی بدایونی۔ ج اوّل

۵ حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری

۶ المجمل المعدد لتالیفات المجدد مؤلفہ علامہ ظفر الدین بہاری

۷ قاموس الکتب (اُردو)، مرتبہ انجمن ترقی اردو، ج اول مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری نے امام احمد رضا کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ جن میں اکثر و بیشتر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ امام کی مطبوعہ کتابیں ہی سینکڑوں کی تعداد میں ہیں جنہیں دیکھ کر علمائے عرب و عجم نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اور گلہائے تحسین و آفرین نچھاور کئے ہیں۔ ان کتابوں ہی سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ امام احمد رضا مختلف علوم و فنون میں کس قدر کامل دستگاہ اور جامعیت رکھتے تھے، ان کا تبحر علمی کتنا منفرد اور بلند و بالا تھا اور ان کی ہمہ فکر و نظر تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دینے میں کتنی مستحکم اور مستعد رہتی تھی:

امام نے سیاسی انتشار اور مذہبی خلفشار دونوں کو دیکھا تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے واقعات اپنے بزرگوں سے سُنے تھے۔ مجاہدین آزادی کے کارنامے

بعد دیسی نمک خواروں کو نونوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے۔ کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بہت سارے اسباب میں ایک اہم سبب وہ نام نہاد علما بھی تھے جنہوں نے اپنے گورے آقاؤں کا طوق گلے میں ڈال کر اگر ایک طرف حریت پسندوں کو اذیت پہنچائی تو دوسری جانب اسلام کے عقیدۂ توحید اور نظریہ رسالت کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں کتاب و سنّت کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔

شہداء، صدیقین، صالحین کے اعزاز و احترام کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ آثار صحابہ کی توقیری کی۔ تابعین اور تبع تابعین کی اسلامی خدمات کو مجروح کیا۔ اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل کا شیرازہ منتشر کر کے انگریزی سامراجوں کی سیاسی طاقت کو بڑھاوا دیا۔ ان دلخراش اور جارحانہ حملوں کی ابتدا اگرچہ معرکہ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) سے قبل ہی ہندوستان میں ہو چکی تھی۔ لیکن انقلاب ۱۸۵۷ء کی سیاسی ہولناکی کے فوراً ہی بعد مسلمانوں کو بالعموم جس دوسرے انتشار و اضطراب کا سامنا کرنا پڑا وہ وہی فتنۂ نو مذہب تھا۔ جو ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی سے شروع ہو کر مولوی اشرف علی تھانوی تک پہونچتا ہے۔ اسلام کے اس جدید ترمیم شدہ ایڈیشن کے چند تراشے ملاحظہ فرمائیے!

۱ "اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لا نسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر ملائکہ انبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی زاید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر است"

(رسالہ یک روزی مصنّفہ مولوی اسماعیل دہلوی مطبوعہ فاروقی ص ۱۷)

۲ امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس کے خلاف پر وہ قادر ہے۔ مگر اختیار خود اس کو نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ مصنّفہ مولوی رشید احمد گنگوہی مطبوعہ رحیمیہ دہلی ص ۱۰)

۳ "الحاصل امکانِ کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے" (فتاویٰ رشیدیہ ج اوّل ص ۱۹)

۴ کذب متنازعہ فیہ صفات ذاتیہ میں داخل نہیں بلکہ صفات فعلیہ میں داخل ہے (الجہد المقل مصنفہ مولوی محمود حسن ج دوم ص ۴۰)

۵ افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ . . . .

واقعہ غیر واقعی کا عقد و اصدار قدرت باری جل سلطانہ میں داخل ہے۔ . . . .

اب افعال قبیحہ کو قدرت قدیمہ حق تعالیٰ شانہ سے کیونکر خارج کر سکتے ہیں۔ . . . . . ایضاً ص ۴۱-۴۴-۸۳

۶ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے۔ کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔

(براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی ص ۲)

۷ اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب جی چاہے کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔

(تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی ص ۲۳)

۸ تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات (الیٰ قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقہ است

(ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی ص ۵۳)

۹ الحاصل غور کرنا چاہیے۔ کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصّہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعتِ علمی کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد و مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۵۱)

۱۰ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل ۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں ۔ تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ۔ ایسا علم غیب تو زید عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیئے بھی حاصل ہے ۔ (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی صہ ۹)

۱۱ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا ۔ کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے ۔ (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی صہ ۲)

۱۲ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا ۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے ۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جاوے ۔ (تحذیر الناس صہ ۶۴)

۱۳ بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است ۔

(صراط مستقیم مؤلفہ مولوی اسماعیل دہلوی ، مطبوعہ مجتبائی صہ ۸۶)

۱۴ یہ یقین جان لینا چاہیے ۔ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے ۔

وہ سب انسان بھائی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ۔ ہم ان کے چھوٹے ہوئے ——— جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو ، سو ان میں بھی اختصار کرو

(تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی صہ ۱۶-۶۸-۷۰)

۱۵ " جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ،، (ایضاً صہ ۴۷)

ان تراشوں کے ذریعہ پرستاران توہب کے عقیدۂ توحید اور نظریۂ رسالت کے بنیادی پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اللہ تعالی کے لیئے امکان کذب کا عقیدہ رکھنا ، جھوٹ بولنے پر خدا کو قادر ماننا ، جھوٹ کو قدرت الٰہی میں داخل کرنا ، کذب کو صفات خداوندی میں شامل کرنا افعال قبیحہ کو خدائے تعالی کی ذات میں ممکن تسلیم کرنا ، مسئلہ امکان کذب کو قدمائے اسلام سے منسوب کرتے ہوئے خلف وعید کے معنی میں سمجھنا ۔ اللہ تعالی کو ہمہ وقت مطلع علی الغیب نہ ماننا خدا کو بھی بندوں کی طرح زمان و مکان کا محتاج جاننا وغیرہ ہی توہب کے عقیدہ توحید کے بنیادی عناصر ہیں ۔ اسی طرح فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو شیطان کے علم سے کم بتانا ، محمد عربی کے وفور علم پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا ۔ حبیب خدا کے علم غیب کی تکذیب کرتے ہوئے اسے زید ، عمرو ، پاگل ، دیوانے اور جمیع حیوانات و بہائم کے مساوی ماننا ۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو عوام کا خیال بتانا اور کسی نئے نبی کی مفروضہ آمد کے باوجود خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ سمجھنا ، نماز میں رسالت مآب کے خیال کو گائے گدھے کے خیال سے بھی کئی درجے بدتر قرار دینا ، انبیاء ، شہداء ، صدیقین اور صالحین کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہنا اور بالخصوص سرکار دو عالم کو بڑا بھائی کہنے میں غیرت دینی کو بالائے طاق رکھ دینا ، رسول کی مدح و ستائش کو عام انسانوں سے بھی گھٹ کر پیش کرنا ۔ اور انہیں بے بس و محتاج تسلیم کرنا ہی توہب کے نظریہ رسالت کا ٹریڈ مارک ہیں ۔

نام نہاد مولویوں کی ان ہی جدت طرازیوں نے مذہبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ۔ اور مسلمانوں کے درمیان نفاق و شقاوت کی داغ بیل ڈالدی اندیشہ تھا ۔ کہ آئے دن کی نئی نئی نکتہ آفرینیاں اسلامی تعلیمات کو مسخ نہ کردیں ۔ اور مسلمانوں کو سیاسی ناکامی کے بعد کہیں مذہبی پسپائی کا منہ نہ دیکھنا پڑے ۔ یہ تھے سنگین حالات جو امام احمد رضا کے لیئے چیلنج بن گئے ۔ اور اسلام کی دفاعی مورچہ بندی کی تمام ذمہ داری ان پر آگئی عشق رسول

نے امام سے جہاد بالقلم کا مطالبہ کیا۔ اور نصرتِ الٰہی ان کی پشت پناہ بنی۔ وہ خود اپنے علمی مذاق کی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"مجھے تین کاموں سے دلچسپی ہے۔ اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے۔ تفصیل یہ ہے: اوّل سید المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی حمایت کرنا کیونکہ ہر ذلیل وہابی آپ کی شان میں توہین آمیز کلام سے زبان درازی کر رہا ہے میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا رب اسے قبول فرمائے گا۔ اور رب کی رحمت کے بارے میں میرا یہی ظن ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے۔ کہ "میں اپنے بندوں سے اس کے حسن ظن کے مطابق معاملہ فرماتا ہوں" دوم ان کے علاوہ دیگر بدعتیوں کی بیخ کنی جو دین کے دعویدار ہیں حالانکہ وہ مفسد محض ہیں۔ اور سوم حسب استطاعت اور واضح مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی ——— (ترجمہ)

(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صا (بحوالہ الاجازۃ الرضویہ لمبجل المکۃ البہیۃ (قلمی) صہ۳۸،۳۷)

امام احمد رضا کے اس قلمی جہاد کے منشور (MANIFESTO) نے ان کی انفرادیت کو چمکنے کا موقع دیا۔ اور پچاس علوم وفنون کو اپنی مضبوط گرفت میں بسنے والی فکر و نظر سمٹ سمٹا کر تقدیس الٰہی کی صیانت، ناموس رسالت کی حفاظت ابطال بدعت وضلالت اور فروغ کتاب وسنت میں لگ گئی۔ اس سلسلے میں امام نے کم وبیش دو سو کتابیں تصنیف کیں اور ہزار ہا دلائل قاہرہ کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ ہم ذیل میں صرف چند کتابوں ہی کے نام پیش کرتے ہیں جن پر امام کی شہرت عام اور بقائے دوام کی عمارت کھڑی ہے

۱ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح مرتبہ ۱۳۱۲ھ مطبوعہ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء
۲ سل السیوف الھندیہ علی کفریات بابا النجدیہ مرتبہ ۱۳۱۲ھ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء
۳ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء
۴ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء
۵ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبوعہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء
۶ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (قرآن حکیم کا مستند اردو ترجمہ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء)
۷ فتاویٰ رضویہ (۱۲ جلدیں اور ہر جلد جہازی سائز کے ہزار صفحات پر مشتمل نیز ۵ جلدیں مطبوعہ بھی)

امام احمد رضا نے ابتدائی تین کتابوں میں مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے متبعین کے پھیلائے ہوئے امکان کذب باری تعالیٰ کے مسئلے کی قلعی کھولی ہے۔ ان کی بعض عبارتوں پر سخت گرفت کی۔ اور منطقی عدم توازن کو دکھلاتے ہوئے ان کے ناقص اور ناتراشیدہ خیالات وافکار کا زبردست محاکمہ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اسلامی موقف کو بھی کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کر دیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔ صرف مرکزی خیال اور خلاصہ کلام پر اکتفا کیا گیا ہے)

قدرت الٰہی صفت کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے۔ نہ معاذ اللہ منعت نقص وعیب، اور اگر محالات پر قدرت مانیے۔ تو بھی انقلاب ہوا جاتا ہے۔ وجہ سنیے!

جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال، محال سب ایک ہے۔ معہذا تمہارے خیال پر جس محال کو مقدور نہ ہو اتنا ہی عجز و قصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں اور منجملہ محالات سلب قدرت الٰہیہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو۔ اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی (سبحان السبوح صہ۵)

اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں۔ کافروں اور ملحدوں کو اعتراض دقفال وعناد وجدال کی وہ مجالیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ دلائل قرآن عظیم ووحی حکیم یکدست ہاتھ سے جائیں۔ حشر ونشر وحساب وکتاب وجنت ونار وثواب وعذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخر ان امور پر ایمان صرف اخبار الٰہی سے ہے۔ جب معاذ اللہ کذب الٰہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الٰہی میں احتمال رہے گا کہ شاید یوں ہی فرما دی ہو۔ شاید ٹھیک نہ پڑے۔ ایضاً صہ۱

ملائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں آدمی کی حرص کرے گا؟ آدمی کھانا کھاتا ہے۔ پانی پیتا ہے۔ پاخانہ پھرتا ہے اور پیشاب کرتا ہے

آدمی قادر ہے۔ کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے آنکھیں بند کرے سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دیدے۔ آدمی قادر ہے۔ کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبو دے۔ آگ سے جلالے۔ خاک پر لیٹے کانٹوں پر لیٹے۔ رافضی ہوجائے وہابی بن جائے مگر ملائے ملام کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لئے کرسکتا ہوگا۔ ورنہ عاجز ٹھہرے گا۔ اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا۔ اقول غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ نہ کر سکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں، کر سکا تو ناقص ہوا۔ ناقص خدا نہیں..... تو شمس و امس کی طرح اظہر و ازہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقتہً انکار خدا کی طرف منجر . . . .

مگر سبحان ربنا: ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے کمال منزہ (ایضاً ۸۴)

"مانو تو ایک سہل تدبیر تمہیں بتاؤں۔ میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو۔ ان دو سو دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کر کے انصاف سے پرکھو۔ فرض کرو کہ دو سو میں استحالہ کذب الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمہارے خیال اور تمہارے امام کے . . . اقوال پر فقط ایک ایک اعتراض قاطع ہر قیل و قال باقی رہ گیا۔ باقی سب سے تم نے جواب دے لیا تو جانِ برادر!

احقاق حق کو ایک دلیل کافی، ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی، نہ کہ دلائل باہرہ، اعتراضات قاہرہ صدہا سنو اور ایک نہ گنو۔ دل میں جانتے ہو۔ کہ دلائل باصواب اور اعتراضات لاجواب، مگر ماننے کی قسم، توبہ کی آن، بلکہ الٹے تا ابد باطل کی فکر سامان، یہ تو حق پرستی نہ ہوئی۔ بدمستی ہوئی، نشۂ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی، پھر قیامت تو نہ آئے گی؟ حساب تو نہ ہوگا؟ خدا کے حضور سوال و جواب تو نہ ہوگا؟! اے رب میرے، ہدایت فرما اور ان بجلی آنکھوں کو کچھ تو شرما (ایضاً صفحہ ۱۰۵)

امام کی چوتھی کتاب الدولتہ المکیہ ہے۔ جو بلا شبہ ان کے قلم کا شاہکار ہے۔ مسئلہ علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام تحقیق اور علمی مباحث کو شرح و بسط کے ساتھ اسی ایک تصنیف میں جمع کر کے امام نے سیکڑوں کتابوں کے مطالعے سے مسلمانوں کو بے نیاز کر دیا ہے یہ معرکۃ الآرا تصنیف امام کی ساڑھے آٹھ گھنٹوں کی کاوشوں اور توجہات کا ثمرہ ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے۔ کہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں جب امام احمد رضا دوسری بار حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو علامہ جلیل شیخ اسماعیل بن خلیل مدنی کے لفظوں میں بعض فاسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہونچانے میں کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا۔ چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے۔ کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں تو مولانا نے (اللہ ان کی تائید کرے) اس سوال پر وہ جواب لکھا جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے نود کو ذلیل و خوار کیا . . . .

شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا۔ کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں۔ چنانچہ رسالہ پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے۔ سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اس وقت شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا۔ کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں

(الفیوضات الملکیہ لمحب الدولتہ المکیہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴)

امام احمد رضا خود بھی اپنی یہ سرگزشت سناتے ہیں!

میرے پاس علم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض ہندیوں کی طرف سے پیر کے دن عصر کے وقت ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو ایک سوال آیا اور میرے گمان میں ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا ہے جنہوں نے دل کھول کر اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں ——— اور انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول اور اپنے مولیٰ و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی جانب جانے کی جلدی کی ہے۔ تو انہوں نے سوال اٹھایا۔ اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا، مجھے اظہار جواب سے روک دے گا۔ تو اس میں ان کی

وخوشی ہو جائے گی۔ اور یہ نہ جانا کہ یہ دین متین امان میں ہے۔ اور جو کوئی اس کی مدد کرے منصور ومحفوظ ہے (الدولۃ المکیہ صفحہ ۱۱)

امام احمد رضا کی سرگزشت خود ان ہی کی زبانِ قلم سے سنیئے ایک فاضل جلیل عرب کی تصدیق وتوثیق واقعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ الدولۃ المکیہ کی تہذیب وتدوین ایک قلیل ترین وقت میں ہوئی اور نہایت بے سروسامانی کے عالم میں۔ یہ گرانقدر تصنیف اگر ایک طرف امام کے علمی تبحر، کتاب وسنّت پر کامل استحضار، حافظہ کی قوت ووسعت، فکر ونظر کی جولانی، سرعت فہم اور قلم برداشتہ اندازِ تحریر کی آئینہ دار ہے تو دوسری طرف سرزمین حجاز مقدسہ نیز دیگر بلاد اسلامیہ میں امام کی غیر معمولی مقبولیت ومحبوبیت کی غماز ہے۔ جیسا کہ علامہ شیخ اسماعیل بن خلیل مدنی کا ارشاد ہے کہ:

علماء اور طلبہ علم نے چاروں طرف سے مولانا شیخ احمد رضا کو گھیر لیا۔ تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی سوال کرتا اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کے لئے کوئی مسئلہ پیش کرتا اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے۔ یہ ان کا حال تھا۔ جب مکہ میں تھے۔ (الفیوضاۃ المکیہ ص ۱۴)

اور تیسری طرف الدولۃ المکیہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ بعض ان ہندوستانی مولویوں کو متعارف کرا دیا۔ جو ناموس رسول کے مقابل ناموسِ اسلاف کے تحفظ کی روشنائی خشک کر رہے تھے۔ اور گروہی تعصب نے جنہیں توفیق توبہ سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ سارے دلسوز اور روح فرسا مناظر احمد رضا کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ تاہم امام نے حکمت تبلیغ کے پیش نظر صلاح وفلاح کی فضا بنانے اور افہام وتفہیم کی راہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اب مسئلہ علم غیب پر امام کی شانِ فقاہت ملاحظہ کیجئے۔

جو غیر خدا سے علم غیب کی مطلقاً ایسی نفی کرے کہ کسی طرح ثابت ہی نہ مانے وہ ان آیتوں سے کفر کر رہا ہے جو ثابت فرماتی ہیں اور جو مطلقاً اس طرح ثابت کرے کہ کسی وجہ سے نفی مانے ہی نہیں وہ ان آیتوں سے کفر کرتا ہے۔ جو نفی فرماتی ہیں۔ اور مسلمان سب پر ایمان لاتا ہے۔ اور وہ مختلف راہوں میں نہیں پڑتا۔ (الدولۃ المکیہ ص ۱۵)

پہلی تقسیم تو یہ ہے۔ کہ علم یا تو ذاتی ہے جبکہ نفس ذات عالم سے صادر ہو۔ اس کے غیر کو اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ یوں کہ غیر کی عطا سے ہو نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح سبب پڑے ــــ اور یا عطائی ہے جبکہ غیر کی عطا سے ہو۔ پہلی قسم مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے غیر کے لئے محال ہے۔ اور جو اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کے لئے ثابت کرنے اگرچہ ایک ذرّے سے کم سے کم تر وہ یقیناً مشرک ہے۔ اور دوسری قسم مولیٰ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کے لئے ممکن نہیں اور جو اس کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے وہ کافر ہے۔ اور ایسی چیز لایا جو شرک اکبر سے بھی زیادہ خبیث وشنیع ہے۔ اس لئے مشرک تو وہ ہے جو اللہ کے برابر دوسرے کو جانے اور اس نے غیر خدا کو خدا سے برتر سمجھا کہ اس نے اپنے علم وخبر کا فیض خدا کو پہنچا دیا (ایضاً ص ۱۸۱-۱۸۱)

وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبوں کے مطلق علم کی نفی کرتا ہے اگرچہ خدا کی عطا سے ہو تو ایسا شخص اس چیز کی نفی کر رہا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ثابت فرمائی ہے۔ اور اس کا یہ قول اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے۔ اور اس کے زیاں کار ہونے کے لئے کافی ہے۔ (ص ۲۰۹)

تمام وکمال جملہ مخلوقات کے مجموعہ کلام کی ہمارے رب العالمین کے علوم سے برابری کا شبہ اس قابل نہیں۔ کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ بھی گذرے۔ کیا اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور خلق کا علم عطائی ہے اور اللہ کا علم اس کی ذات کیلئے واجب ہے اور خلق کا علم اس کے لئے ممکن۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم ازلی۔ سرمدی۔ قدیم۔ حقیقی ہے۔ اور مخلوق کا علم حادث اس لئے کہ تمام مخلوقات حادث ہے اور صفت موصوف سے پہلے نہیں ہو سکتی اور اللہ سبحانہ کا علم مخلوق نہیں اور خلق کا علم

مخلوق ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیر قدرت نہیں اور خلق کا علم اللہ کی قدرت میں اور اس کے زیر دست ہے علم الٰہی کا ہمیشہ رہنا واجب اور علم مخلوق کی فنا ممکن ۔ علم الٰہی کسی طرح بدل نہیں سکتا ۔ اور علم خلق میں تغیر روا (ایضاً ص ۲۱۳)

الدولۃ المکیۃ کی تکمیل کے بعد مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ۶۱ علما نے اس پر تقریظیں لکھیں ۔ اور اس کے مضامین کو نہ صرف یہ کہ سراہا ۔ بلکہ اسلامی عقائد کا معیار قرار دیا ۔ علمائے حجاز میں شیخ موسیٰ علی شامی ۔ شیخ حسن بن عبد القادر اور علامہ سید اسماعیل بن خلیل نے خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا کو "مجدد دین ملت" کہا ۔ اس عظیم الشان فتح و نصرت کے سائے میں جب امام ہندوستان واپس ہوئے تو یہ امید لئے ہوئے تھے ۔ کہ علمائے عرب کی ایک کثیر جماعت کی تائید و تصدیق دیکھ کر شاید ہندوستان کے علما مخالفین اپنے زہر آگیں خیالات پر نظر ثانی کریں اور انہیں اسلام سے نسبت نہ دیں مگر ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہندوستان پہونچ کر امام کو نقشہ یکسر الٹا نظر آیا ۔ فتنۂ توہب کی خلا بازیاں بڑھتی گئیں ۔ افہام و تفہیم کے امکانات کمزور پڑتے گئے ۔ مخالفین اپنے خیالات فاسدہ کی اشاعت میں نسبتاً زیادہ جری دکھائی دینے لگے ۔ انہوں نے اپنا ایک متحدہ محاذ بنالیا ۔ جس نے نفسانیت کی لو کو تیز کر دیا ۔ اب لے دے کے ان کا یہی مقصود حیات بنا کہ چاہے جو کچھ ہوجائے ۔ مگر ان کے مفروضہ دنیاوی اماموں، مخدوموں، قاسم العلوموں، شیخ الہندوں، حکیم الامتوں اور فقیہہ النفسوں کی بات کٹنے نہ پائے ۔ اسلامی توحید مجروح ہوجائے کوئی مضائقہ نہیں نظریہ رسالت کو صدمہ پہونچے کوئی حرج نہیں ۔ ان ہی کی کتابوں کا سہارا لے کر کوئی نیا شخص دعوئ نبوت کرے تو کوئی حرج نہیں ۔ لیکن فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان وغیرہ جیسی ایمان سوز کتابوں کی مسلسل اشاعت جاری رہے ۔ خدا اور رسول خدا کی شان میں گستاخی کرنے والے اس حد تک پہونچ گئے ۔ کہ بیک جنبش قلم سارے مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی و جہنمی بنا ڈالا ۔ کبھی سلام و قیام کی بحث اٹھا کر، کبھی نذر و فاتحہ و عرس نیز دوسرے مروجہ طریق ایصال ثواب کا مذاق اڑا کر، کبھی اوراد و وظائف کی قدر و قیمت کو گھٹا کر اور کبھی دوسرے فروعی مسائل کو چیستاں بنا کر ۔

بہر سبب پیچیدگیاں اور گورکھ دھندے اس لئے معرض وجود میں لائے گئے ۔ کہ توحید و رسالت سے متعلق تجدد پسندوں کی بیمار ذہنیت کے کرشمے پردۂ خفا ہی میں رہیں ۔ اور عام مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کا روحانی و علمی بھرم کھلنے نہ پائے ۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کے باوجود توہب پرستوں ذہنی آسودگی حاصل نہ ہوسکی اور ان کے ذہنوں پر امام احمد رضا کے قلم حقیقت رقم کا خوف مسلط رہا ۔ وہ خوب جانتے تھے ۔ کہ بیس بائیس سال سے ان کے ہر نشیب و فراز پر صلاح و فلاح کا پیام دینے والی ذات تنہا امام کی تھی اور خانہ ساز روغن تاویلات سے جلنے والے چراغ کی روشنی دکھا کر اس مرد حق آگاہ کو مسحور نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ چنانچہ توہب پرستوں اپنا سارا زور امام احمد رضا کے خلاف افواہیں پھیلانے میں لگا دیا اور اپنے سارے عیوب امام سے منسوب کر دیئے ۔ ایک جگہ امام احمد رضا خود ہی رقمطراز ہیں ۔

> ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں ۔ کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار ! یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں ۔ ان مشینوں میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں ۔ اسماعیل دہلوی کا فر کہہ دیا مولوی اسحٰق صاحب کو کہہ دیا ۔ مولوی عبد الحی صاحب کو کہہ دیا ۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور بڑھاتے ہیں ۔ کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کو کہہ دیا ۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا ۔ حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کو کہہ دیا ۔ یا ۔ پھر جو پورے ہی حد حیا سے گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ ۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہہ دیا ۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد

پایا۔ اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا۔ کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم ومغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیۂ کریمہ ان جاءکم فاسق بنبیاء فتبینوا پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ عن وسواس المفتری لکھ کر ارسال ہوا

(حسام الحرمین ص ۴۲)

اسی ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ جن حضرات نے امام احمد رضا کی درج ذیل تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔

۱۔ انباء المصطفٰی بحال سرّ و اخفی ۱۳۱۸ھ
۲۔ جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت ۱۳۲۰ھ
۳۔ مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۴ھ
۴۔ انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ ۱۳۲۹ھ
۵۔ خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ
۶۔ الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ ۱۳۲۷ھ
۷۔ جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور ۱۳۳۹ھ

وہ اچھی طرح باخبر ہوں گے۔ تو ہب پرستوں کی جانب سے لگائے گئے سارے الزامات بالکل جھوٹے اور بے بنیاد تھے۔ ان افترا پردازوں کی غرض و غایت یہی تھی۔ کہ امام احمد رضا حالات سے برگشتہ ہو کر دعوت و تبلیغ کی راہ سے علیحدہ ہو جائیں اور گوشہ نشینی اختیار کریں۔ لیکن خلاق عالم نے جس ذات گرامی کو تجدید و احیائے دین کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ وہ ان ہرزہ سرائیوں سے کیا مرعوب ہوتی! چنانچہ واقعات شاہد ہیں۔ کہ امام احمد رضا کم و بیش ۲۰ سال تک اپنی مختلف تحریروں کے ذریعہ تو ہب پرستوں کو دعوت اصلاح و فلاح دیتے رہے۔ پھر خطوط ارسال کئے۔ متعدد بار رجسٹریاں بھیجیں اور تحقیق و جستجو کے تمام تقاضے ادا کئے۔ مگر عزت نفس کے نشے میں چور رہنے والوں نے بالکلیہ خاموشی اختیار کر لی۔ گویا وہ زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے!

" جس کی نومیدی سے ہے سوز درون کائنات اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لا تقنطوا "

امام احمد رضا نے ان کا جو یہ رنگ بے اعتنائی دیکھا۔ تو بے حد آزردہ خاطری ہوئی مگر اتمام حجت کے بعد وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اسلام کا تقاضا ہوا کہ خدائے قدوس و سبوح کی ذات یا صفات میں عیب نکالنے والوں کو علیحدہ کر دو۔ اور ایمان نے مطالبہ کیا کہ تقدیس رسالت اور عظمت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والوں کو شریعت اسلامیہ کا حکم سنا دو۔ چنانچہ امام احمد رضا نے حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کی تصنیف المعتقد المنتقد ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء کو تعلیقات و حواشی کے ساتھ المعتمد المستند کے نام سے مرتب فرمایا۔ اعجاز احمدی (مرزا غلام احمد قادیانی)، ازالۃ الاوہام (غلام احمد قادیانی) فتاوٰی رشیدیہ (مولوی رشید احمد گنگوہی)، تحذیر الناس (مولوی قاسم نانوتوی)، براہین قاطعہ (مولوی خلیل احمد انبیٹھوی)، اور حفظ الایمان (مولوی اشرف علی تھانوی) وغیرہ کے مضامین کا تحلیل و تجزیہ کر کے شامل کتاب کیا۔ اور انہیں پانچ طبقوں میں تقسیم کیا۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ انجاس قادیانی (یعنی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور اپنی نبوت و رسالت کا دعوی کرنے والے)
۲۔ ارجاس شیطانی (یعنی شیطان کی وسعت علم کو نص سے ثابت ماننے والے اور فخر دو عالم کے لئے وسعت علم کا انکار کرنے والے)
۳۔ تکذیب رحمانی (یعنی خدائے قدوس و سبوح کو جھوٹ بولنے پر قادر ماننے والے)
۴۔ نبوت شیطانی (یعنی یہ عقیدہ رکھنے والے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کا مبعوث ہونا مستبعد نہیں)
۵۔ جنون سگانی (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کو بچوں پاگلوں اور جانوروں سے مماثل قرار دینے والے)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ حسام الحرمین ص ۲۰۷

امام احمد رضا نے مذکورہ بالا ہر طبقہ پر بکمال احتیاط کے ساتھ شرعی حکم لگایا اور اس تاریخ ساز فتوای کو ۲۱ ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں علمائے ہند کی خدمت میں بھی پیش کیا جس پر ۳۴ علمائے مکہ و مدینہ نے تقریظیں لکھیں اور اپنی تائید و تصدیق کے ذریعہ امام کی دینی بصیرت اور فقہی ژرف نگاہی کو ممتاز و نمایاں فرمایا۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں حسام الحرمین منصۂ شہود پر آئی اور اس شان و جلالت کے ساتھ کہ نصف صدی سے زائد گزر جانے کے بعد آج بھی وہ حق و باطل اور اسلام و کفر کا معیار بنی ہوئی ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد تو ہب پرستوں اور اسلاف کے پجاریوں کی بدحواسی نقطۂ عروج پر پہونچ گئی جس نے مخالفین کو دشنام طرازی کی پست ترین سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ کسی نے امام کو بڑا ہی جھگڑالو۔ فسادی۔ نخوت علم کا مارا۔ دشمنی اور خصومت میں بہت ہی سخت ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جانے والا اور پیچھا نہ چھوڑنے والا۔ دیار ہند میں تکفیر و تفریق کا علم بلند کرنے والا۔ اور زنادیل کفر سننے والا "" کہا (نزہتہ الخواطر ج ۸ ص ۳۹، مولفہ عبدالحی لکھنوی) اور ایک شیخ الاسلام نے تو جوش تعلق اسلاف میں امام احمد رضا کو دجال، کذاب، مفتری شیطان، دشمن رسول، ان کے اساتذہ کو ابلیس کا سردار اور ان کے بزرگوں کو بنی اسرائیل و یہودی کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا (ملاحظہ کیجئے الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب مولفہ مولوی حسین احمد مدنی) ان گالیوں اور زہر زہ سرائیوں کا اثر امام پر کیا پڑا۔ اسے آپ ان ہی سے سنیئے!

حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے اس بندہ کو یہ ہدایت دی یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم اکابر کی عظیم مدحوں پر اتراتا ہے بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لئے۔ کیا تو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔ نہ ان دشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالی سے جو وہ زبانی دیتے ہیں اور اخباروں میں چھاپتے ہیں۔ پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے۔ کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا۔ کہ تیری عظمت اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے ———

اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول جل جلالہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں۔ کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اور اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے۔ کہ اس بندہ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم۔ اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو اس کے آباء و اجداد کی آبرو بدگویوں کی زبانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے۔ سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالی منہ بدگویان مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں۔

"فان ابی و والدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء" (حسام الحرمین : خلاصہ فوائد فتوای ۱۳۲۴ھ گکبن اول ص ۵۱، ۵۲)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد دو نقطہ ہائے نظر بے غبار ہو کر ابھرتے ہیں۔ ایک کی پاسبانی مخالفین کرتے تھے۔ اور دوسرے کی امام احمد رضا۔ ایک طرف ناموس اسلاف اور عزت نفس کے بچاؤ کیلئے ساری توانائیاں صرف ہو رہی تھیں اور دوسری طرف اللہ تعالی کو بے عیب ثابت کرنے اور عظمت رسول خدا کو بڑھانے کی خاطر فکر و نظر کا سارا سرمایہ وقف تھا۔ ایک جانب دشنام طرازیوں اور الزام تراشیوں کا بازار گرم تھا اور دوسری جانب صبر و شکر کے ساتھ دینی خلوص وللہیت کی جلوہ گری تھی۔ ایک سمت ایک ہی تھیلی کے چند کھوٹے سکوں کی جھنکار تھی اور دوسرے سمت علماء عرب و عجم ہم آواز تھے ادھر ظالموں کا ظلم شباب پر تھا اور ادھر مظلوم کی مظلومیت بحد کمال تھی۔ غرضکہ ۱۸۵۷ء کے سیاسی جہاد کے بعد ہی کمپنی بہادر کے وفادار مولویوں نے مذہبی دنیا میں شورش برپا کر کے جو طبل جنگ بجایا تھا اس نے آگے چلکر ۱۸۶۹ء میں قلمی جہاد کی صورت اختیار کر لی جس کا طویل سلسلہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء تک رہا البتہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں حسام الحرمین نے اس قلمی جہاد کا فیصلہ کن انجام مسلمانان عالم کے سامنے پیش کر دیا اور دنیا نے جان لیا کہ امام احمد رضا کے پیکر میں دراصل ایک مظلوم اسلامی مفکر تھا جس کے چون سالہ علمی، ادبی، اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر پردہ ڈالنے اور انہیں مسخ کرنے کی سعی بلیغ بعض ناعاقبت اندیشوں نے کی مگر مشیت الہی کا اشارہ پاکر تاریخ اسلام نے امام کا خیر مقدم کیا اور ان کی اسلامی خدمات کو اس غیر منقطع تاریخی تسلسل سے ملا دیا جو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور جہاں ہر صدی کے مجدد کے مظلومیت سے بھرپور مصلحانہ احوال و کوائف وقت، مقام اور ضرورت کے نوعی فرق کے ساتھ

جڑی صدیوں کے ایک ایک دور سے ملتے جلتے ہیں۔

امام احمد رضا اور احیائے دین

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را — گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

امام احمد رضا کی جامع کمالات شخصیت پر قلم اٹھانے کے لیے بڑے علم اور جسارت کی ضرورت ہے۔ کچھ لکھ دینا اور بات ہے اور امام احمد رضا کے ساتھ انصاف کرنا اور بات ہے۔ امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے دینی کردار کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے انسان کو بحر العلوم بننا پڑے گا۔ ان کی پہلودار شخصیت کا احاطہ ایک مشکل کام ہے جو کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ ایک پوری جماعت کی ضرورت ہے جو مسلسل برسوں اجتماعی کام کرتے کے بعد ہی کسی ایسے نتیجے پر پہنچ سکتی ہے جس کو علمی کام کا نام دیا جا سکتا ہے۔

تاریخ نے امام احمد رضا کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس ناانصافی کے پیچھے کچھ سازشی تاریخی ہستیاں ہیں جو اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی۔ عقیدت مندوں نے انہیں سب سے زبردست نقصان پہنچایا ہے اور اس تاریخ ساز ہستی کے ساتھ وہ ظلم کیا ہے کہ بیگانے بھی تڑپ جاتے ہیں۔

امام احمد رضا کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس سیاسی ماحول کو سمجھیں جس میں آپ کتم عدم سے عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء بتائی جاتی ہے یعنی ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کے ا سال پہلے کا زمانہ ۱۸۵۷ء میں علمائے اہل سنت نے ہندوستان کی سیاست میں ایک تاریخی رول ادا کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے آج کا مورخ اس حقیقت کو خواہ کتنا ہی توڑ مروڑ کر پیش کرے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مسلمان بادشاہ جو دہلی سے اپنا حکم چلا رہے تھے وہ سب سنی مسلمان تھے اور انہوں نے اپنے ہم عقیدہ مسلمانوں کو ہی بڑے بڑے عہدے تفویض کئے تھے اور جاگیروں سے نوازا تھا۔ تمام علماء صحیح العقیدہ سنی مسلمان تھے۔ جب بھی ان بادشاہانِ وقت نے اسلام کے عقائد کے خلاف کوئی قدم اٹھایا علماء نے انہیں ٹوکا اور غیر شرعی کام سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ شہنشاہ اکبر جیسا بارعب وجلال شہنشاہ بھی علماء کی سرزنش سے نہیں بچ سکا۔ دین الٰہی کی تحریک پر علماء نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا اور یہ فتنہ بالآخر دب کر رہا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ مذہب اسلام پر جب بھی برا وقت آیا اور دشمنانِ اسلام نے اس کی شکل وصورت کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ علماء نے بڑھ کر ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنایا جس سے اسلام کی اصل روح کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ ایسی کوششیں اسلام کے لیے نئی نہیں ہیں۔ رسول اکرمؐ کی زندگی ہی میں منافقین اسلام نے اسلام کی صورت بگاڑنے کی کوشش کی تھی اور یہ منافقین اس کوشش میں آج تک لگے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی لگے رہیں گے۔

ہماری معاشی زندگی کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب بھی نئی تحریک جو ہمارے سماج کا اشد تقاضا ہوتی ہے۔ عالم وجود میں آتی ہے تو ایسی ساری طاقتیں جن پر مادی ضرب پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے انفرادی اور اجتماعی طور پر اس نئی انقلابی تحریک کی مخالفت میں کمر کس کر مقابلے میں آجاتی ہیں۔ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے اسلام کی اشاعت کا اعلان کیا تو ایسی تمام طاقتیں ابھر کر سامنے آگئیں جنہیں اسلام سے مادی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دراصل ہر ترقی پسند تحریک مفاد پرستوں پر جم کر وار کرتی ہے اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام دولت کی مرکزیت کے خلاف ہے اور اس کی منشا کے خلاف یہ بات ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر رہ جائے بلکہ اسلام کی خواہش تھی کہ دولت گردش کرتی رہے اور عوام گردش دولت سے مستفیض ہوتے رہیں۔

الذی جمع مالاً وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ!

یہ بات عرب کے سرمایہ داروں کے مفاد کے خلاف تھی اس لیئے سب سے پہلے جنہوں نے اسلام کی مخالفت کی وہ سرمایہ دار تھے۔ غلاموں کی تجارت کرنے والے تھے۔ منافقین میں ہمیشہ سب سے بڑی تعداد مالداروں اور سرمایہ داروں کی نظر آتی ہے۔ غریبوں اور غلاموں نے تو بڑھ بڑھ کر اسلام کے فروغ میں حصہ لیا صعوبتیں اٹھائیں۔ جانیں دیں لیکن اسلام کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کے برعکس سرمایہ داروں نے ہر موڑ پر اسلام سے منحرف ہونے کی کوشش کی کبھی زکوٰۃ نہ دینے کے لیئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل صف آرا ہوئے کبھی مکہ سے ہجرت کرنے کے سوال پر معترض ہوئے اس لیئے اسلام کو سب سے بڑا خطرہ انہیں منافقوں سے رہا ہے اب بھی ہے آئندہ بھی رہے گا۔ یہ لوگ بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں حج بھی کرتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اس لیئے دوست دشمن میں تمیز کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی ریشہ دوانیاں ہر دور میں جاری و ساری ہیں کیونکہ سرمایہ دار طبقہ جو سیاست، معیشت، تعلیم اور زندگی کے دیگر شعبوں پر ہمیشہ حاوی رہتا ہے اس لیئے کافی سے زیادہ موثر بھی ہوتا ہے اور وہ اپنے مفاد کی خاطر کبھی سیاسی بہروپ میں کبھی معیشت داں کے بھیس میں کبھی مذہبی رہنما کی شکل میں سیدھے سادے مسلمانوں کو بہکانے کا کام سرانجام دیتا ہی رہتا ہے اس کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنا ہوتا ہے اس لیئے وہ مذہب کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیئے چند ٹھوس دلائل کی بھی ضرورت ہے لیجئے حاضر ہیں۔

ندوۃ العلماء ایک تعلیمی ادارہ ہے ذرا غور فرمائیے۔ مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑکانے کے لیئے پرانے شکاریوں نے اپنے خیر خواہوں مولوی محمد علی کانپوری مولوی شبلی وغیرہ سے ۱۳۱۱ھ میں ایک نیا جال بنوایا جس کا نام ندوۃ العلماء ہے۔ اس میں سُنّی، مسلمانوں کی اکثریت بھی پھنسی ہوئی ہے۔ شیخ محمد اکرام شبلی نامہ میں لکھتے ہیں۔

ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس سال صوبہ (یوپی) کے گورنر (انگریز لفٹیننٹ) نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور (انگریزی) حکومت کی طرف سے ندوہ کو بعض مقاصد کے لیئے پانچ سو روپے ماہوار امداد ملنی شروع ہوئی۔

اب ذرا مولوی شبلی کا بیان پڑھیئے" یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مقدس علماء عیسائی فرماں روا کے سامنے دلی شکر گزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شیعہ اور سنی ایک مذہبی درس گاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مذہبی درس گاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب (انگریز گورنر) کے ہاتھ سے رکھا جا رہا تھا غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی مسلمان، شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، رند، زاہد

صوفی، واعظ، خرقہ پوش اور کج کلاہ سب جمع تھے۔ (شبلی نامہ صفحہ ۱۴۰)

مولوی شبلی انگریزوں کی خیر خواہی میں یوں رطب اللسان ہیں۔ "میں مدت العمر کبھی انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب (ایشیا و یورپ) کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں دور ہوں۔ چنانچہ اس پر میری تمام تصنیفات شاہد ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں میں نے ماہوار رسالہ الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہباً فرض ہے" (شبلی نامہ ص ۴۴۵)

اکثر آپ نے سنا ہوگا کہ سنیوں نے ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ سارے وہابی اور دیوبندی انگریزوں کے دم چھلہ بنے ہوئے تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کو کالا پانی کی سزا صرف اسی لیئے ہوئی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مہم چلا رکھی تھی۔ اس کے برعکس وہابی علماء اور دیوبندی علماء تو انگریزوں کی وفاداری اور اطاعت کو مذہباً فرض کر رہے تھے۔ سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی جن کی شہادت کے بارے میں خود حسین احمد مدنی کو شبہ ہے کیوں کہ وہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے بجائے اہلِ وطن فرقہ سکھ سے جنگ کرتے ہوئے بالاکوٹ میں مارے گئے۔ اگر حب الوطنی اسی کا نام ہے تو وطن دشمن کس کو کہتے ہیں۔ اسی لیئے حضرت امام احمد رضا نے ندوۃ العلما کی شدت سے مخالفت کی اور اس ادارے کو دین و وطن دونوں کے لیئے مضرت رساں سمجھا۔ اور اپنے سنی مولویوں کو جن میں احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڈھی بھی تھے شرکت سے منع فرمایا۔ اصحاب ندوہ کو بحث و تحقیق کی دعوت دی تاکہ اسلام کی حقانیت اور ندوہ کے نئے دین کا بطلان واضح ہو جائے۔ ایسے ادارے بظاہر دینی اور مذہبی ہوتے ہیں لیکن بباطن ان میں وہی روح منافقین سرگرم عمل ہوتی ہے جو دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس لیئے امام احمد رضا نے ندوہ کا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے اور وہاں ندویوں کو چیلنج کیا کہ ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم و تنسیخ کی ہے اس پر ایک بار بحث و مباحثہ ہو جائے فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے۔ اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالی جائے۔

امام احمد رضا کی زندگی میں یہ تحریک بھر بار آور نہ ہو سکی لیکن ابھی حال میں اس نے پھر پر پرزے نکالے ہیں۔ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی بھی ذرا سنئے چلیئے ندوہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی "لیکن جو لوگ ندوے کے لیئے سرگرم تھے ان کی بھی عجیب حالت تھی۔ چونکہ پانچ چھ مہینے تک ان سرگرمیوں کو بالکل قریب سے دیکھتا رہا ہوں اس لیئے اندرونی حالات بالکل میرے سامنے تھی"۔ مولانا آزاد پھر لکھتے ہیں کہ "لوگوں کو شامل کرنے کے لیئے ہر طرح کی عیاریاں کی جاتی تھیں۔ بیسوں باتیں روز میں دیکھتا تھا اور میرے دل میں اس طبقے کی طرف سے وحشت بڑھتی جاتی تھی"۔ (آزاد کی کہانی ص ۲۱۸ - ۲۱۷)

مولانا آزاد تو گھر کے بھیدی ہیں کیا امام احمد رضا نے ندوہ کے خلاف جو قدم اٹھایا اس کو کوئی غلط کہہ سکتا ہے۔ شعور کا تقاضا تو یہی ہے کہ امام احمد رضا کی برتری اور سوجھ بوجھ کو تسلیم کر لیا جائے۔ امام احمد رضا کی زندگی میں ایسے متعدد واقعات ملیں گے جن سے یہ بات بایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک سچے عاشق رسول ہونے کے ناطے ان میں وطن کی محبت کا جذبہ شدت سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ان کی دوربین نگاہیں وطن کے دوست اور وطن کے دشمنوں کو پہچانتی تھیں۔ وہابی انگریزوں کے خیر خواہ تھے ندوی عیار و مکار تھے۔ دیوبندی انگریزوں کے پٹھو تھے اسی لیئے ان تمام نے ایک ٹولی بنا کر اپنے اپنے پلیٹ فارم سے آپ کے سبھی کارناموں کو غلط رنگ دینا شروع کر دیا اور ڈاکٹر گوئبلز کی طرح یہ شور مچانا شروع کیا کہ امام احمد رضا مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں وہ سبھی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مشن کافر گری بن کر رہ گیا ہے۔ اگر ہزار بار اس جھوٹ کو دہراؤ گے تو لوگ یہی سمجھنے لگیں گے کہ

امام احمد رضا صرف کافر گر ہیں اور ہوا بھی یہی کہ مسلمانوں کو مشرک بنانے والے محمد بن عبدالوہاب بھلا دیئے گئے۔ مسلمانوں کو مشرک بنانے والی کتاب تقویۃ الایمان کو اب کوئی نہیں جانتا۔ رشید گنگوہی کے مشرک بنانے والے فتوے کسی کو یاد نہیں رہے۔ لیکن اگر کسی کو کچھ لے دے کے یاد رہ گیا ہے تو یہی یاد رہ گیا ہے کہ امام احمد رضا کافر گر تھے، حالانکہ آپ کسی کو کافر کہنے میں بہت محتاط رہا کرتے تھے۔ افہام و تفہیم، بحث و مباحثہ کے بغیر کبھی کسی مسلمان کو آپ نے کافر نہیں کہا۔ بات دراصل یہ ہے کہ امام احمد رضا عشق رسول ﷺ سے اس قدر سرشار تھے کہ رسول ﷺ کے خلاف کوئی بات سننا انہیں گوارا نہیں تھی۔ اقبال کی زبان میں عشق رسول ﷺ ہی کو وہ عین اسلام سمجھتے تھے۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی ! نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق !

اسی خیال کو غالب نے ان لفظوں میں کہا ہے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

رسول اکرم ﷺ سے عشق اور وفاداری ہی دین ہے اور اسلام کی بنیاد۔ ہمیں اسلام رسول ﷺ سے ہی ملا ہے اللہ کی وحدانیت کو ہمارے دلوں میں رچانے بسانے والا کون ہے وہی محمد عربی ﷺ ہیں جن کی عظمت کا سکہ ہمارے قلوب میں بیٹھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ہمیں دشمنان اسلام میں ایک چیز مشترک ملتی ہے کہ وہ جب کبھی اسلام پر حملہ کرتے ہیں تو وہ اس کی بنیاد پر حملہ کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان کا نشانہ نہیں ہوتے بلکہ براہ راست رسول ﷺ کی ذات مقدس کو معرض بحث بناتے ہیں اور آپ کی برگزیدہ شخصیت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رسول ﷺ ایک معمولی بشر ہیں۔ رسول کا علم کتے اور گدھے کے علم سے کمتر ہے۔ رسول کو علم غیب نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہے۔ دراصل انہیں اسلام سے نفرت نہیں بانی اسلام سے نفرت ہے۔ ان حالات میں اسلام کے علمبرداروں پر ایک زبردست ذمہ داری عائد ہو گئی تھی۔ ہندوستان اور عرب میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لیئے انگریزوں سے سازباز کر کے اور جن کا تعلق انہیں پرانے منافقین سے تھا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی رسول ﷺ کو شک و شبہہ کی نیت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے مشن کو پھیلانے کے لیئے انگریزوں سے مالی معاونت بھی حاصل کر کے۔ عرب کے باہر ہندوستان میں بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے انگریزوں کو بھی ہندوستان میں سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے لیئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو ہندوستان کے قدیم سنی مسلمانوں کے دلوں سے رسول ﷺ کی عظمت کو کم کر کے ان میں نفاق و انتشار پیدا کر سکے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انگریز مسلمانوں سے تنگ آ کر اور متعدد سیاسی ہزیمتیں اٹھانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں پر غلبہ نہ پانے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ خدا کو تو سبھی مانتے ہیں اور خدا پر جان دینے والے کم ہی ملتے ہیں۔ رسول ﷺ کی ایک ذات ایسی ہے جس پر مسلمان اپنے ماں باپ، آل و اولاد، مال و دولت سبھی قربان کر دیتا ہے اس لیئے اس پر غلبہ حاصل کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ اس کے دل سے عظمت رسول ﷺ مٹا دی جائے اور اس کے بنیادی عقیدے میں یہ بات شامل کر دی جائے کہ رسول کچھ نہیں ہے اس کے دل سے عشق رسول چھین لیا جائے عشق ہی تو ہے جو اس کو دنیا میں برتر اور عظیم بنائے ہوئے ہے۔ آتش نمرود میں کودنے پر بھی عشق ہی تو ہے جو اکساتا ہے چنانچہ یہی ہوا ایسا لٹریچر پھیلایا گیا۔ جس میں رسول ﷺ کی عظمت کو گھٹا کر بیان کیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ نئے نئے نبی پیدا ہونے لگے۔ دیوبندی مکتب فکر نے اعلان کر دیا کہ رسول کے بعد بھی نبی آ سکتا ہے۔ اس خیال نے ختم نبوت کے نظریہ کو زبردست ضرب لگائی اور غلام احمد قادیانی نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ہندوستان میں اسلام کی تاریخ اس منزل پر پہنچ گئی تھی کہ ان غیر اسلامی نظریات کی بھرپور تردید کی جائے اور صحیح اسلام پیش کیا جائے

یہ کام آسان نہیں تھا بڑے کام کے لئے بڑا دماغ چاہیئے۔ اللہ نے دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا اس حدیث شریف کی خدمت انجام دینے کے لئے بڑا دماغ جس کا عرب و عجم بھی لوہا مانتے تھے۔ اللہ نے انتخاب فرمایا جس کو لوگ امام احمد رضا کے نام سے جانتے ہیں۔ نہایت سادہ لفظوں میں آپ کی تعریف یہ ہو سکتی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا۔ عربی و فارسی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی اہل زبان کی طرح لکھتے پڑھتے اور بولتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد و کلام کے علاوہ تاریخ، نحو، عروض، علم جبر و مقابلہ لوگارثم ہیئت، ہندسہ، ریاضی، توقیت، نجوم، منطق فلسفہ پر صرف عبور ہی حاصل نہیں تھا بلکہ تصانیف اور حواشی بھی چھوڑے ہیں۔ ایسا تبحر علمی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا گیا ہے مولانا سراج احمد نے اپنے مکتوب (بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری) میں مولوی نظام الدین احمد پوری (وہابی) کا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مسئلے کے سلسلے میں جب انہوں نے امام احمد رضا کے رسالہ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی کے چند ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو انہوں نے بصد حیرت اور استعجاب فرمایا۔

"یہ سب منازل فہم مولانا کو حاصل تھے۔ افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔"

پھر جب چند مسائل فقہی کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو فرمایا

"علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔"

یہ اس عالم کے الفاظ ہیں جو معاصرین علماء دیوبند میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھتے تھے لیکن امام احمد رضا کے تبحر علمی کا فراخ دلی کے ساتھ اعتراف فرمایا۔

شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی (مسجد حرام - مکہ معظمہ) فرماتے ہیں کہ

"بے شک مولف (امام احمد رضا) اس زمانے میں علماء محققین کا بادشاہ ہے اور اس کی ساری باتیں سچی ہیں۔ گویا وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو اس یگانہ امام کے دست مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا ہے (یعنی) ہمارے سردار ہمارے آقا۔ علماء محققین کے خاتم، علمائے اہل سنت کے پیشوا سیدی احمد رضا خاں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی زندگی سے متمتع فرمائے اور ان سب کے خلاف اس کی حمایت فرمائے جو اس کی بدخواہی کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی دردیری مدنی فرماتے ہیں۔

"امام الائمہ، ملت اسلامیہ کے مجدد، نور یقین اور نور قلب کو"——— تقویت دینے والے یعنی شیخ احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں ان کو قبول و رضوان عطا فرمائے۔"

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد الحرام مکہ مکرمہ فرماتے ہیں۔

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور آسمان صفاء"——— " کے آفتاب عرفان کی روشنی سے میرے قلب کو منور فرمایا"——— " وہ جس کے افعال حمیدہ اس فضل و کمال کو عالم آشکار کرتے ایسا کیوں نہ ہو آج وہ دائرہ معارف کا مرکز ہے (اس کا وجود مسعود) ملت اسلامیہ کے گھر میں آسمان علم و عرفان کے جھلملاتے تاروں کا مطلع ہے وہ مسلمانوں کا یار و مددگار ہے۔ ہدایت یافتوں کا ہاتھ بانے رنگراں۔ گمراہوں اور ملحدوں کی زبانوں کو اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے کاٹ پھینکتا ہے۔ ایمان کے مینارے کو بلند سے بلند تر کرتا ہے (کون؟)

ہمارے آقا احمد رضا خاں۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے پتا چلتا ہے کہ امام احمد رضا خاں عرب و عجم میں ایک بہت بڑی دینی و علمی شخصیت تسلیم کئے جا چکے ہیں اور اہل علم نے انہیں مجدد مانا ہے۔ حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کریگا جو اس کے لیئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صدی کے شروع میں صرف ایک ہی مجدد ہو ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

اس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے کہ امام احمد رضا فی الواقعی ایسے پر آشوب زمانے جب کہ ہر طرف سے دین اسلام کو مسخ کرنے کی منظم سازش جاری تھی اور ایک کے بعد ایک حملہ آور کبھی قادیانی کے روپ میں کبھی دیوبندی اور وہابی کی شکل میں یلغار کر رہا تھا۔ یہ مصنف یکتائے زمانہ۔ یگانہ روزگار قامع بدعت ناصر سنت بن کر اسلام کے لیئے ایک ڈھال بن جاتا ہے اور اس چوطرفی لڑائی میں اسلام کے کسی دشمن کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی ہے۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت سے اسلام کے اس درخت کو جو متعدد حملوں سے کمزور ہو چکا تھا۔ ایک نئی توانائی ایک نئی بہار عطا کی نتیجہ یہ ہوا کہ رضویت سنیت کے مترادف و ہم معنیٰ ہو گئی۔ رضویت کوئی سلسلہ نہیں ہے بلکہ ہر سنی رضوی ہے اور جب رضوی ہے تو وہ سنی بھی ہے یعنی وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ رسولؐ کی عظمت کو کبھی اور کسی حالت میں گھٹنے نہیں دے گا۔ کیونکہ رسولؐ ہی اسلام کی روح ہیں توحید جسم ہے اور بغیر روح کے توحید بے جان ہو کر رہ جاتی ہے خدا کو تو سبھی مانتے ہیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی کیا یہ خدا کے قائل نہیں ہیں۔ عزازیل بھی تو کٹر توحید پرست تھا۔ لیکن آدم کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر راندۂ درگاہ ایزدی ہوا۔

منافق کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے آخرت پر ایمان لاتا ہے لیکن وہ رسول اکرمؐ سے بیر رکھتا ہے اسی لیئے وہ مومن نہیں ہے رسولؐ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی ایمان سوز بن جاتی ہے اور امام احمد رضاؒ نے وہ ساری باتیں جو ایمان سوز ہیں لیکن دنیا ساز ہیں۔ اپنی تصانیف میں تحریر فرمائی ہیں حسام الحرمین الدولتہ المکیہ، المعتمد المستند وہ کتابیں جن کا مطالعہ ہر سنی مسلمان کے لیئے لازمی ہے۔ دین بھی بچے گا دنیا بھی سنور رے گی۔

مجدد کا منصب اسلام میں ایک اہم منصب ہے مجدد پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس کو زندگی کے ہر شعبے میں محتاط رہنا پڑتا ہے اس کی گفتگو، اس کا اٹھنا اس کا بیٹھنا، اس کا کھانا، اس کا پینا غرض ہر عمل محتاط ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ زندگی میں کس قدر محتاط رہا کرتے تھے امر واقعہ تو یہ ہے کہ تکفیر کے سلسلے میں بھی بہت محتاط تھے۔ انہوں نے کبھی تکفیر مسلم میں تعجیل سے کام نہیں لیا یہ ان پر سراسر بہتان اور الزام ہے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ

"بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا، گنہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر"

امام احمد رضا نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی بعض عبارات پر سخت اعتراض اور گرفت کی تھی اور سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح نامی رسالہ تصنیف فرمایا تھا لیکن تکفیر پر محتاط رہنے کو کہا، آپ ہی کی تحریر ہے۔

"علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے"

اسی طرح ایک رسالہ موسومہ الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ تصنیف فرمایا۔ اس میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کے افکار کا رد فرماتے ہوئے لکھا "ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (یعنی کافر کہنے) سے کف لسان (یعنی زبان روکنا) ماخوذ و مختار و مناسب اسی طرح سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ ایسی کتاب ہے جس کے دلائل سے کفر شرعی اعتبار سے لازم

آتا ہے پھر بھی احتیاط ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

" لزوم والتزام میں فرق ہے اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے"

مدینہ منورہ کے ایک عالم حضرت شیخ عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ

" ہمارے سردار علماء (مولانا احمد رضا خاں) نے اس وقت تکفیر کی راہ اختیار کی جب کہ لزوم ثبوت پایا اور ائمہ مجتہدین کی قطعی حجتوں پر اعتماد فرمایا نہ محض اندازے اور تخمین کی بنیاد پر اس دن کا خوف کرتے ہوئے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی"

دراصل آپ میں وہ ساری خوبیاں بیک وقت مجتمع ہو گئی تھیں جو ایک مجدد کے لیئے ضروری ہیں آپ نے تیرھویں صدی کا آخری زمانہ اور چودھویں صدی کا شروع زمانہ بھی پایا۔ عشق رسول تو گویا آپ کی رگ رگ میں موجود تھا۔ قرآن فہمی میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ فتاوٰی نویسی میں اسلامی ایڈووکیٹ کی طرح بہترین مفتی تھے۔ بے پناہ ذکاوت جس کے مالک قوت فیصلہ کے آمر اور مجسم عمل تھے۔

" اسی لیئے ہم انہیں بے خطر چودھویں صدی کا امام مجدد کہتے اور مانتے ہیں جنہوں نے تجدید و احیائے دین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا"

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات　　　تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

بزم عشق کے اس دانائے راز جس کو لوگ پہنچاننے کے لیئے امام احمد رضا کہتے ہیں۔ سرزمین قندھار کو بجا طور پر فخر ہے کہ آپ جیسی علمی ہستی قندھار کے بڑھیچ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ہندوستان کی خاک کو بھی اس پر ناز ہے کہ منصب مجددیت پر فائز ہستی نے اس سرزمین پر قدم رنجہ فرما کر ہندوستان کی آبرو رکھ لی۔

امام احمد رضا ایک تاریخ شخصیّت

تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تاریخِ اسلام کا سیاہ ترین دن اسلامیوں کیلئے وہ تھا جب خلافتِ راشدہ ختم ہوئی اور اس کی جگہ ملوکیت و آمریت نے لے لی جس کے باعث ایمان و تقوٰی کا امارت و اقتدار کی ہوس سے خوفِ خدا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زر و مال کی حرص اور حبِّ دنیا سے تبادلہ ہوا۔ اور امت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک جماعت خلافتِ راشدہ ہی کو برحق ماننے والی تھی دوسری امارت و ملوکیت سے راضی ہوگئی اور تیسری نے (جو نہ مولا علیؓ کی طرف تھی نہ معاویہؓ کی طرف)، دونوں کو غاصب خائن اور غلط قرار دے دیا۔ اوّل کو اہلِ حق دوسری کو اہلِ سیاست اور تیسری کو اہلِ ضلالت و منافقت بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان کے اعتقادات میں فرق یہ تھا کہ اوّل الذکر جماعت مولا علیؓ کو برحق اور ان کے طریقۂ انتخابِ خلافت کو صحیح سمجھتی تھی اس لیئے کہ خلفائے سابقین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) کے بعد ان کو اُن کے اسی طریقے سے ملی تھی جو اسلام کا راستہ تھا دوسری جماعت حضرت امیر معاویہؓ کی امارت (بنام خلافت) سے خونِ عثمانؓ جیسے اہم معاملے اور بعض غیر اہم مسائل میں شرعی حیلے اور تسلی بخش تاویلات (جن کو حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے کے لیئے کافی اور حق سمجھتی تھی) کی بنا پر راضی ہوگئی تھی۔ تیسری جماعت (جو دراصل دشمنانِ اسلام کا وہ گروہ تھا جو مسلمانوں کی متحد طاقت کے سبب غلبۂ اسلام اور فتح مکہ کے بعد سے اب تک سر نہ ابھار سکا تھا مسلمانوں کی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر اب سامنے آگیا تھا) کا عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کا حاکم مطلق خدا ہے اس لیئے (بقول ان کے) کسی اور کو حکومت کا اہل سمجھنا شرک ہے چونکہ مولا علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں خلافت کے دعویدار ہیں۔ اس لیئے دونوں ہی حق کے خلاف ہیں اور ان کو برحق ماننے والے مشرک و کافر ہیں۔ ان مختلف عقائد کی بنیاد پر ان تینوں جماعتوں کے مختلف کردار و اعمال مختلف سمتوں کو مختلف رنگوں میں مرتب ہونے چلے گئے۔ پہلی جماعت نے (سیدنا امام حسنؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے سے جب خلافت کا خاتمہ ہوگیا تو) عوام اور سماج میں آکر اشاعتِ دین و تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ اس لیئے کہ خلافت کا مقصد اور اسلام کا مدعا یہی تھا اور اس طرح وہ بیعت جو خلفاء کے ہاتھوں پر بیعتِ رضوان کے طریقے پر ہو رہی تھی اب ائمہ و مشائخ یعنی وقت کے عمدہ زکی النفس اور باکمال حضرات کے ہاتھوں پر ہونے لگی یہ اور بات تھی کہ اس بیعت سے حکومتِ وقت ہمیشہ خائف رہی اور اپنے وجود کے لیئے خطرہ محسوس کرتی رہی جس سے مستقبل میں بارہا ٹکراؤ کی صورتیں نمودار بھی ہوئیں۔ دوسری جماعت جو بظاہر بنام بیعت وجود میں آئی تھی انجام کار اس ظاہری بیعت کو بھی خیرباد کہہ گئی اس لیئے کہ بیعت اور آمریت دو متضاد چیزیں ہیں ایک ملوکیت ہے تو دوسری جمہوریت کی دعوت آخر یہ صرف بادشاہوں اور سلاطین کی جماعت رہ گئی اس لیئے بعد میں مسلم حکومت کہلائی نہ کہ اسلامی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ حکومت یعنی سربراہِ سلطنت اکثر و بیشتر مسلم ہوا کرتا تھا اس لیئے وہ پوری کوشش کرتا تھا کہ حکومت جو بھی کچھ کرے اس کو کم از کم شریعتِ اسلامیہ کی حمایت حاصل ہو خواہ کمزور ترین تاویل اور ضعیف ترین حیلے ہی سے کیوں نہ ہو۔ تیسری جماعت ان دونوں

کے خلاف ہمیشہ نت نئے عقائد اور متضاد کردار سے تاریخ کے صفحات پر آتی رہی جن کا مقصد صرف اسلام اور اسلامیوں کو
نقصان پہنچانا ہوتا تھا چونکہ یہ ابن الوقت نہ ادھر کے تھے نہ ادھر کے محض مصلحت زادہ اور گمراہ تھے اس لیئے ان کا کردار متعین
کرنا مشکل ہے۔ یہ جماعت اپنے آپ میں اس قدر مختلف نظریات کی حامل تھی کہ اس میں ہر چالاک فرد بجائے خود عقیدہ گر اور
علیحدہ کردار اور الگ ایک جماعت کا بانی تھا مثلاً بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ حکومت خواہ خلافت ہو یا امارت بہرحال غلط اور غیر
اللہ کو اس کا اہل سمجھنا شرک ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ مولا علیؓ کی خلافت تو حق ہے مگر امیر معاویہؓ کافر ہیں بعض کا ایمان تھا کہ امیر
معاویہؓ ہی نہیں سابق خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی کافر تھے تو بعض کہتے کہ علیؓ ناحق پر ہیں اور ان کی خلافت غلط ہے اور چونکہ خلافت سے راضی
ہوئے اس لیئے مشرک ہیں تو بعض کا قول تھا کہ انبیاءؑ کی طرح صاحب عصمت ہیں اور بعض کا گمان تھا کہ علیؓ میں خدا حلول کر گیا ہے
وغیرہ وغیرہ اسی لیئے ان کا کردار بھی سخت تضاد کا شکار رہے۔ ہاں چونکہ ان کا مقصد اسلام کی مضرت رسانی تھا اس لیئے مولاؓ اور معاویہؓ
کی مخالفت میں ایک تھے۔ اسی لیئے جب کبھی اول الذکر کی مخالفت پر یہ جماعت آتی تو ان کے ہر عمل کو شرک و بدعت کے فتووں سے
نوازتی اور جب عوام میں اپنی بے آبروئی کو سنبھالنے کے لیئے اس کی حمایت کا سہارا لیتی تو اس قدر غلو کرتی کہ اول الذکر جماعت کے
ائمہ و مشائخ کو نہ صرف صفاتِ نبوت سے متصف کرتی بلکہ الوہیت کے مرتبے تک پہنچا دینے سے بھی گریز نہ کرتی۔ ثانی الذکر کے
ساتھ ان کا کردار یہ تھا کہ جب کوئی مسلم حکومت ان کی سرکوبی کی طرف توجہ دیتی تو اس کو غاصب کافر مشرک بتاتے لیکن کوئی فرمانروا ان
کو نوازتا تو اس کو بانئ مذہب کی حیثیت سے کسی نئے مذہب کی ترویج کی ترغیب دیتے یا کم سے کم اس کو اسلامی پیش گوئیوں کا سہارا
لے کر امام معہود یا مہدئ موعود کا مرتبہ دیتے یا پھر کم از کم ایسی حیلہ گری اور تاویل سازی کرتے جن کا اسلام اور شریعت سے دور کا بھی واسطہ
نہ ہوتا نتیجے میں فرمانروا اسلام سے دور ہوتا چلا جاتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بعد کے تمام تر گمراہ فرقے اسی تیسرے ابن الوقت گروہ اور فتنہ خیز و
فساد انگیز جماعت کی پیداوار تھے اور ہیں اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر یہ اسلام دشمن جماعت نہ ہوتی تو پہلی اور دوسری جماعتوں
میں ابتداءً صلح کے آثار بہت نمایاں تھے۔ مگر یہ صلح چونکہ ان کی موت تھی اس لیئے ان کم بختوں نے مولا علیؓ اور معاویہؓ کی شام صلح پر (ہر دو جانب)
ایسا شب خون مارا کہ صبح جنگ میں بدل کر رکھ دیا۔ جو تاریخ اسلام کے قاری سے پوشیدہ نہیں۔ اس تقسیم کے آئینے میں آپ تاریخ اسلام
کے ہر دور میں ان تینوں جماعتوں کی بڑی صاف شکل دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح جیسے جیسے اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا ان تینوں جماعتوں
کے حلقے بھی وسیع ہوتے گئے اسلامی دائرے کے پھیلاؤ اور حکومت کی سرحدوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ چونکہ تیسری جماعت کے
افراد بھی پھیلنے لگے ایسی صورت میں پہلی جماعت کا کام نہایت مشکل اور انتہائی نازک ہو گیا۔ اس لیئے کہ تیسری جماعت کے فریب
کار کبھی تو حکومت کو گمراہ کر دیتے جو پہلی جماعت کے عمائدین (جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندے تھے سمجھے اور کہلائے گئے)
کے خلاف اس طرح مظالم کی راہ پر چل پڑتی جس سے ابتداء اسلام میں کفار کے مظالم کی داستان زندہ ہو جاتی۔ اس سے ان کو دو
فائدے حاصل ہوتے ایک تو یہ کہ اندرونی طور پر عوامی رہنماؤں کے خلاف سخت اقدام سے قوم میں انتشار برپا ہو جاتا دوسرا یہ
کہ مسلم حکومت بیرونی دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں کمزور ہو جاتی اور سرحدوں کے باہر جہاد سے رک جاتی اور کبھی یہ عوام میں ایسے
جدید عقائد پیش کرتے اور ایسی بدعتیں ایجاد کرتے جو اسلام کے منافی ہوتیں۔ اس طرح پہلی جماعت کے افراد کو عوام کے ایک ایک
گھر سے لے کر ایوان حکومت تک ہر محاذ پر ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں کا قلعہ قمع کرنا پڑتا اور یہی اسلام کا وہ کام تھا جو
دنیا میں سب سے اہم اور مشکل تھا اور جس کو قدرت نے اس پہلی جماعت ہی کے لیئے مقدر فرما دیا تھا۔ اسی لیئے ہر دور میں خدا
کی مدد اور اس کے حبیب پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے اس تیسری بدبخت جماعت کی خرد برد اور چیرہ دستیوں کی خزاں آور

ہوا سے گلشنِ اسلام کی ہمیشہ حفاظت کی اور اس کو سدا بہار بنا کر رکھا بلاشبہ اس راہ میں پہلی جماعت کے افراد لرزہ خیز مظالم اور دل ہلا دینے والے جبر و ستم سے گزرے گھر بار لٹایا عزت و وقار کو داؤ پر لگایا بھوک سے تڑپے، پیاس سے بلکے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کا ہر طریقۂ ظلم ان پر حفاظت حق و اسلام کے جرم میں آزمایا گیا جس سے آج بھی تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں مگر یہ شمع اسلام کے پروانے نہ صرف یہ کہ اس کی روشنی کی حفاظت کرتے رہے بلکہ اس سے اقصائے عالم کو روشن کرتے رہے۔ علام الغیوب ہی جانے کتنی بار انہوں نے اپنے خون سے اس گلستان کی آبیاری کی جس کی نظیر کا تاریخ عالم میں کہیں وجود نہیں۔ اس کا ابتدائی منظر دنیا کی تاریخ نے اس وقت دیکھا جب مسلم قوم میں پھوٹ کے چند سال بعد یہ تیسری جماعت کھل کھیلنے پر آ گئی تھی اور یزید کے گرداگرد جمع ہونی شروع ہو گئی تب اپنی پوری شیطانی اور طاغوتی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی جس کے نتیجے میں کربلا کا وہ قیامت خیز معرکہ پیش آیا۔ جس کی مثال ظلم اور صبر دونوں کی تاریخ میں مفقود ہے لیکن جس طرح جنگ بدر بیرونی دشمنوں کے لیئے ہمیشہ کی شکست اور اسلام کی مکمل فتح کی آئینہ دار تھی اسی طرح یہ معرکۂ کرب و بلا اسلام کے اندرونی دشمنوں کی مکمل شکست اور آثار اسلام کے محافظوں کی مکمل فتح کی بنیاد تھا جس کو امام الشہداء حسین اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے پاک خون سے رکھا تھا (یہی وجہ ہے کہ پہلی جماعت کے تمام روحانی سلسلوں کے جد اعلیٰ امام مظلومؓ ہی ہیں اور سوا ایک کے سب کا مرجع اور منبع آپ ہی کی ذات ہے) پھر اس کے بعد تاریخ اسلام میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کا وہ اندرونی اور لا متناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں خواہ وہ بنو امیہ کا دور ہو یا عباسیہ کا عثمانیہ دورِ حکومت ہو یا دنیا کے مختلف علاقوں کی کوئی مسلم سلطنت ہو اس کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ مگر مجھے چونکہ اس وقت پہلی جماعت کے کردار کی چند جھلکیاں پیش کرنی ہیں اس لیئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جس دور میں اور جس صورت میں بھی تیسری شیطانی جماعت نے سر ابھارا پہلی جماعت یعنی اہل حق نے نہ صرف اس کا مقابلہ کیا بلکہ ان کی نقاب کشائی کر کے ان کے اصلی اور بدنما چہرے کو قوم مسلم کے سامنے کر دیا اور اس طرح ان کو ہمیشہ اہل اسلام کی نگاہوں میں رسوا کیا اور ذلیل رکھا۔ یہ جب بھی مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے مثلاً خارجی رافضی تفضیلی معتزلہ قدریہ جبریہ فلاسفہ وغیرہم (سیدنا غوث اعظم قدس سرہ نے اپنے دور تک بہتر فرقوں کے نام شمار فرمائے ہیں) اسلامی عقائد و آثار پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اہل حق (جو بعض صحیح احادیث کے مطابق اہلسنت والجماعت کہلائے) یہ ہر پہلو کروٹ کروٹ ان کا رد فرماتے رہے اور قوم مسلم کو ان کے ناپاک جرائم کے نقصانات سے آگاہ فرماتے رہے مثال کے طور پر جب اسلامی فقہ کے نام پر بے سر و پا تاویلات اور غلط حیلہ گری شروع ہوئی تو ائمہ مجتہدین جیسے امام مالکؓ امام ابو حنیفہؓ امام اسحاقؒ امام محمدؒ امام شافعیؓ امام احمد ابن حنبلؓ وغیرہم نے قوم کی صحیح رہنمائی فرمائی اور جب موضوع احادیث کا سیلاب لا کر ملت کو بہا لے جانے کی کوشش کی گئی تو محدثین کرام مثلاً امام مالکؓ، امام محمدؒ، امام بخاریؒ امام مسلمؒ ابو داؤدؒ نسائی ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہم نے اسلامی کشتی کی ناخدائی کی۔ جب فلاسفہ نے اسلامی عقائد میں تحریف کرنی چاہی تو حکماء اسلام و متکلمین ملت جیسے امام غزالیؒ امام ماتریدیؒ امام اشعریؒ وغیرہم میدان میں آئے علیٰ ہذا القیاس ہر عہد میں ہر باطل فرقے کے ہر غلط قدم کی نشاندہی فرما کر قوم کو ان سے ہوشیار اور خبردار کرتے رہے۔ مضمون کو طوالت سے بچانے کے لیئے آیئے۔ اب اپنے وطن یعنی ہندوستان پر نظر ڈالیں تاریخ بتاتی ہے پہلی جماعت یعنی علماء اہلسنت بحیثیت مبلغ اسلام سب سے پہلے یہاں پہنچے اور اسلام کی اشاعت کا کام بہت تیز اور نہایت عمدگی سے انجام دیا ان کے بعد دوسری جماعت یعنی بادشاہ یہاں حملہ آور ہوتے جب بہت دنوں بعد دہلی کی مسلم سلطنت کا قیام عمل میں آیا تب مسلم نما شیطان یعنی تیسری جماعت کے افراد یہاں آنے شروع ہوئے۔ یہاں تبلیغ اسلام کا مکمل کام روحانی سلسلے کے چشتی خاندان کے بزرگوں کے ہاتھوں شروع ہوا اور بقول ایک معاصر خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی

وفات سے قبل آپ اور آپؒ کے خلفاء و مریدین کے ہاتھوں پر تقریباً نوے[٩٠] لاکھ انسان اسلام کے کلمۂ حق کا اقرار کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان نوے لاکھ مسلمانوں کو جو ہمارے اجداد تھے اسلام کی تعلیم براہِ راست ان بزرگانِ چشت سے ملی تھی اس لیے ان کی عقیدت اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ سلاطین دہلی کے مذہبی اعتقادات کا مطالعہ کریں گے تو بیشتر انہی مبلغین اسلام اور عوام سے متاثر نظر آئیں گے۔ ہاں بعد میں وہ بعض سلاطین جن پر کسی صورت تیسری جماعت کے فریب کاروں کا اثر پڑ گیا۔ ان میں مشائخ اہلسنت (صوفیۂ کرام) کے راستے سے انحراف کا رجحان ضرور پایا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کی تاریخ میں ایسی مثالیں بہت واضح ہیں۔ مثال کے طور پر اس تاریخ کے درمیانی حصہ کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ غوری اور ایبک سے ہوتی ہوئی حکومت جب شمس الدین التمش کے ہاتھوں میں آئی تو ان دنوں قطب عالم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلی میں تشریف فرما تھے کسی وجہ سے اپنے مرشدِ برحق خواجہ غریب نوازؒ کے حکم سے دہلی چھوڑ کر اجمیر جانے لگے تو "پس شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید۔ ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور افتاد ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال برآمدند و ہر جا شیخ قطب الدینؒ قدم میگذاشت خلائق خاکِ آں زمین بہ تبرک میداشت" (سیر الاولیاء ص ۵۴-۵۵)

پس شیخ قطب الدینؒ اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر کی طرف روانہ ہوئے جس سے پورے شہر دہلی میں ایک شور بپا ہو گیا تمام اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین ان کے پیچھے روانہ ہوئے جہاں شیخ قطب الدینؒ قدم رکھتے تھے لوگ اس زمین کی خاک تبرک کے طور پر اٹھا کر رکھ لیتے تھے۔

اور جب خواجہ غریب نوازؒ نے سلطان اور عوام کا حال دیکھ کر قطب صاحبؒ کو دہلی رہ جانے کی اجازت دیدی تو التمش نے فرطِ مسرت اور جوشِ عقیدت سے خواجہ صاحبؒ کے قدم مبارک چوم لیے اور قطب صاحبؒ کو واپس دہلی لایا۔ (سیر الاولیاء ص ۵۵)۔ مشائخ سے عقیدت کے ہزارہا واقعات میں سے یہ ایک ہے۔ اس سلطان کے تقویٰ خوفِ خدا محبت نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات) سے آج بھی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت اور ایصالِ ثواب وغیرہ جیسے مسائل میں یہ صوفیائے کرام اور مسلمانوں کے راستے پر مسلسل گامزن تھا (دیکھئے سیر العارفین ص ۱۵۴، ۱۵۵ و خیر المجالس ص ۲۵) التمش خاندان کے بعد بلبن خاندان تخت دہلی پر آیا جس کا پہلا سلطان غیاث الدین بلبن تھا۔ مشائخ سے اس کی عقیدت کے دو ایک نمونے دیکھئے۔ اس کے دورِ حکومت میں ایک بزرگ شیخ علی چشتیؒ دہلی میں قیام فرما تھے جب کسی وجہ سے انہوں نے دہلی سے جانے کا ارادہ کیا تو سلطان کا یہ عالم تھا کہ

"در پائے خواجہ علی افتاد و سوگند خورد کہ اگر خواجہ عزیمت چشت کند من ترکِ مملکت گیرم و در رکاب خواجہ در چشت بیایم (سیر الاولیاء ص ۲۱۲-۲۱۳)۔ بادشاہ خواجہ علیؒ کے قدموں میں گر پڑا اور قسم کھائی کہ اگر خواجہ چشت کا ارادہ کریں گے تو میں حکومت چھوڑ دوں گا اور خواجہ صاحبؒ کی ہمرکابی میں چشت چلا چلوں گا۔

خواجہ علی صاحبؒ نے بہت سمجھایا کہ حکومت کا کیا ہوگا؟ تو عرض کیا کہ مخدوم جو بھی ہو لیکن "من از رکاب خواجہ دور شدنی نیم" مورخ برنی کے الفاظ میں "و علماءِ آخرت و مشائخ ہر جا دہ رالغایت حرمت داشتے (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶) یعنی بلبن علماء آخرت اور ہر سلسلے کے مشائخ کا حد درجہ احترام کرتا تھا اور عوام کا خیال یہ تھا کہ " از میامن و برکاتِ ایشاں در عہد و عصر سلطان بلبن فیض و رحمت آسمانی بریں دیار متواتر نازل می شد (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۱۲) ان (صوفیہ و مشائخ) کی برکت سے سلطان بلبن کے عہد میں اس ملک پر آسمان سے مسلسل فیض و رحمت کی بارش ہوتی تھی۔

اس کے اعتقادات کا اندازہ اس ایک حوالے سے لگایئے۔

"بعد از نماز ہر جمعہ بزیارتِ روضاتِ بزرگان برفتے اگر بزرگے از سادات و مشائخ و علماء بزرگ در شہر نقل کر دے در جنازہ رو بگذاردے و در سوم او بزیارت برفتے و برادران و پسران او را جامہ دادے و بنواختے (فیروز شاہی ص۴۶-۴۷ و طبقات اکبری ج۱ ص۸۲)

ہر نماز جمعہ کے بعد بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کے لیئے جاتا تھا اگر سادات میں سے کوئی بزرگ یا کوئی شیخ یا عالم رحلت کر جاتا تو اس کے جنازے میں شرکت کرتا تھا۔ اس کی نماز جنازہ ادا کرتا تھا اور سوم میں جاتا تھا اور متوفی کے بھائیوں اور لڑکوں کو کپڑے دیتا تھا اور نوازش کرتا۔

حالانکہ اس کے دور میں تیسری جماعت کے افراد بھی ہندوستان میں اپنے ناپاک قدم رکھ چکے تھے۔ اسی لیئے وہ قاضیوں کی تین قسمیں بیان کیا کرتا تھا۔ چنانچہ کہتا تھا کہ

من سہ قاضی دارم یکے قاضی آنست کہ از من نترسد و از خدا می ترسد دوم قاضی از خدا نترسد و از من ترسد سوم کہ نہ از من ترسد نہ از خدا ترسد۔ (فیروز شاہی ص۲۴)

میرے پاس تین قسم کے قاضی ہیں پہلا وہ ہے جو مجھ سے نہیں ڈرتا اور خدا سے ڈرتا ہے دوسرا خدا سے نہیں ڈرتا اور مجھ سے ڈرتا ہے تیسرا نہ مجھ سے ڈرتا ہے نہ خدا سے ڈرتا ہے۔

پھر اپنا فیصلہ سناتا ہے کہ دانشمندانِ حیلہ گو و بدآموز پیشِ خود آمدن نباید گزاشت (فیروز شاہی ص۱۵۴)

بدآموز اور حیلہ گو علماء کو اپنے پاس تک پھٹکنے بھی نہ دینا چاہیئے۔

اپنی اولاد کو نصائح میں بھی اس نے ان باتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ جس کا اثر یہ تھا کہ اس خاندان کے بعض سلاطین جیسے ناصر الدین محمود کا ذاتِ نبوت سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بغیر وضو کیئے کبھی نہیں لیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ

"شرمم آید کہ بے وضو نام محمدؐ بر زبان رانم" (تاریخ فرشتہ ج ا ص۷۴)

مجھ کو شرم آتی ہے کہ نام پاک محمدؐ بغیر وضو کے اپنی زبان پر لاؤں

اس خاندان کے بعد حکومت خلجی خاندان میں پہنچی اور اس عرصے میں تیسری جماعت کے مبتدعین بھی آہستہ آہستہ اصلاح کا نام لے کر فساد اور فتنے برپا کرنے لگے جس کی تاریخ ہند شاہد ہے۔ اب ان کے اثرات اور اس سے بارہا پیدا شدہ نتائج میں سے ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے کہ ان کی کرتوتوں سے علاءالدین جیسا نیک دل بادشاہ نیا مذہب جاری کرنے کے لیئے تیار ہو گیا۔ اس وقت علماء اہلسنت نے ایک طرف تو اس کو بے خوف ہو کر تنبیہہ فرمائی اور دوسری طرف خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور دیگر مشائخ نے یہ دعا فرمائی کہ

از وسواس شیطانی برآمدہ بر جادۂ مستقیم شریعتِ مصطفوی ثابت و راسخ گردد (تاریخ فرشتہ ج ا ص۱۰۵)

شیطانی وسوسے سے نجات پا کر شریعتِ مصطفوی کے جادۂ مستقیم پر قائم و ثابت رہے۔

مگر نتیجہ یہ نکلا کہ ابتداً سلطان سے مشائخ اہلسنت کے تعلقات کشیدہ ہو ہی گئے (یہ تیسری جماعت کی پہلی معمولی کامیابی تھی) یہی وجہ تھی کہ جب سیدی مولا وغیرہ کا قتل ہوا اور اس کے بعد قحط کی شکل میں قہر الٰہی نازل ہوا تو سلطان نے آستانہ عالیہ پر بارہا حاضری دینے کی اجازت چاہی مگر حضرت محبوب الٰہیؒ اتنے کبیدہ خاطر تھے کہ ہمیشہ انکار فرماتے رہے اب ذرا اس وقت کے مسلمانوں کی

اِن حضرات سے عقیدت پر ایک نگاہ ڈالیئے کہ سلطان نے ایک بار بغیر اطلاع و اجازت حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سوچی اور صرف امیر خسرو سے (جو اس کے مصحف دار اور حضرت کے مرید تھے) اپنا ارادہ ظاہر کیا امیر خسرو نے فوراً حضرت سے جا عرض کیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عازم اجودھن (پاکپٹن شریف) ہو گئے۔ بادشاہ کو علم ہوا تو حضرت امیر خسرو سے خفا ہو کر کہا کہ تم نے میرا راز افشا کر دیا اور سلطان المشائخ کی پابوسی کی سعادت سے مجھ کو محروم کر دیا۔ حضرت امیر خسرو نے جواب دیا کہ

"از رنجش بادشاہ ہمیں خوفِ جاں باشد فاما از رنجشِ سلطان المشائخ خوفِ سلب ایمان باشد" (سیر الاولیاء ص۱۳۵)

بادشاہ کے ناراض ہو جانے سے صرف جان جانے ہی کا خطرہ ہے لیکن اگر سلطان المشائخ ناراض ہو گئے تو ایمان ہی سلب ہو جانے کا ڈر ہے۔

الغرض علماء حق و مشائخ اہلسنت ان فتنہ سازوں کی مفسدانہ حرکتوں اور بدعتوں سے بادشاہ اور عوام کو آگاہ کرتے رہے اُدھر یہ بدطینت جماعت اپنی شیطانی چالوں میں شب و روز مصروف رہی یہاں تک کہ حکومت تغلق خاندان کا مشہور فرمانروا محمد تغلق جو ابتداءً نہایت معقول اور متدین تھا اور اس کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا عام شہرہ ہو چلا تھا۔ جب اس کے ذہن پر اس تیسری جماعت کے غلط اعتقادات کا رنگ بنام اصلاح و تجدید چڑھا تو اس کے اردگرد اسی جماعت کے افراد منڈلانے لگے اور بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "بہ وہ مفتیانِ ناخدا ترس و حیلہ اندوز تھے جو ہر رنگ و بد میں اس کی تائید کو اپنا شعار بنا چکے تھے (تاریخ حقی) مورخ برنی ان "مفتیان" کو مزند صفتاں دکافر خو کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور نہایت صفائی سے اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ میں خود ان گناہوں کا مرتکب ہوا کہتا ہے کہ

"قواۃ بے دیانت و بے دین"، نے برسوں سلطان کی ہاں میں ہاں ملائی اور طمع و حرص دنیا"، سے مجبور ہو کر "برخلاف احکامِ دین مددی کردیم و روایتہائے مجہول می خواندیم"۔ (فیروز شاہی ص۴۶۶)

ہم احکام دین کے خلاف اس کی مدد کرتے تھے اور مجہول روایات بیان کرتے تھے)

ایک بڑی خاص اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ انہیں حالات میں سلطان کے دربار میں ابن تیمیہ کے شاگرد رشید العزیز اردبیلی آئے جو ہمیشہ سلطان کے ساتھ ساتھ رہتے یہ سلطان کے ذہن و دل پر اس طرح سے اثر انداز ہوئے کہ سلطان ان کا نہایت درجہ معتقد ہو گیا جس کا اندازہ ابن بطوطہ کے اس بیان سے لگ سکتا ہے کہ "ایک بار سلطان نے فرطِ مسرت سے ان کے قدم چوم لیے تھے"۔ (عجائب الاسفار ص۱۱۳) (یہ ابن تیمیہ وہی ہیں جن کے اعتقادات سے زمانہ واقف ہے) قارئین کو اب سلطان کے معتقدات میں انقلاب پیدا ہونے کی وجہ بآسانی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ اس کے چاروں طرف ان حضرات کی حلقہ بندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ (وہی تغلق جو نام نبوت کو اعظم اسمائے بنی آدم اور سب سے بڑا فخر تصور کرتا تھا (تاریخ حقی) اور اذان کی آواز آتے ہی تاختم تعظیماً کھڑا رہتا تھا (فیروز شاہی ص۵۰۹) توحید باری تعالیٰ محبت و احترام نبوت اور عمائدین ملت و آثار اسلام سے عقیدت (جو اسلامی نظریات کی بنیاد ہیں) سے اُسی طرح دستبردار ہو گیا جس طرح ان گمراہوں کی تحریک کے اثر سے بہت سے خلفائے بنو امیہ و عباسیہ ہو گئے تھے اور اب سلطان محمد تغلق کا حال یہ تھا کہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ چہ کردہ اند کہ ما نتوانیم کرد" (جوامع الکلم صفحہ ۱۷۵-۱۷۶) یعنی ابوبکر و عمر و عثمان و علی نے کیا کیا ہے جو ہم نہیں کر سکتے۔ بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ اس تحریک کے اثرات جس طرح ہمیشہ مرتب ہوتے ہیں کہ ہر اگلا قدم بے ایمانی کی راہ پر مزید ہوتا ہے خود کہتا ہے کہ

"مغالطات بسیار گشت تا بحدے کہ در وجود صانع شکوک مزاحم و معارض شد (سوانح محمد بن تغلق)

مغالطے (شکوک و شبہات) بہت زیادہ ہو گئے یہاں تک کہ صانع (خالقِ کائنات) کے وجود کے متعلق شکوک و شبہات مزاحم و معارض ہونے لگے۔

اور تب اسلامی عقائد کے اِس ستون ہی کو ڈھا دینے کی بات آئی جس پر اسلامی نظریات و اعمال کی عمارت کھڑی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس گمراہ تحریک کا مقصد ہمیشہ یہی رہا ہے۔ یعنی عقیدۂ ذات نبوت و شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔ مگر ۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

(اقبال)

ہر بد دین اور گمراہ بھی اس منزل پر آ کر ایک بار اپنے دل و دماغ میں (مسلمانوں کی عقیدت اور اس عقیدت پر اپنا سب کچھ تج دینے کی سعادت سے) خوف و لرزہ اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ ایک بار رات کے سناٹے میں قاضی شمس الدین علیہ الرحمہ کو بادشاہ نے بلوایا۔ قاضی صاحب نے دیکھا کہ بادشاہ گھپ اندھیرے میں تنہا بیٹھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ڈر لگا کہ میرے کسی عزیز کو مارنے والا تو نہیں؟ کہ اچانک مجھ سے یوں مخاطب ہوا کہ

"اگر امروز کسے پیدا شود و گوید کہ محمد پیغامبر نہ بود است منم شما او را بکدام حجت ملزم کنید۔"

آج اگر کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر نہ تھے بلکہ میں پیغمبر ہوں تو تم اس کو کس دلیل سے ملزم ٹھہراؤ گے۔

قاضی صاحب نے اس کے اشارے کو سمجھتے ہی فوراً جواب دیا کہ

"برائے آں حرامزادہ دیوانہ واحمق بدبخت و بے دولت را حجت چہ باشد۔ اقبال خوند عالم اسلام در شہر چناں قوت گرفتہ است کہ غلامانِ طباخانِ شہر فرزند عالم بزخم پاپچہ بکشند۔" (جوامع الکلم)

ایسے حرام زادے پاگل بے عقل، بدنصیب اور کمینے بے عزت کے لئے دلیل کی کیا حاجت ہے۔ آپ کا اقبال رہے کہ شہر میں اسلام نے ایسی قوت پکڑ لی ہے کہ بھٹیاروں کے غلام اس بدبخت کو پاپچہ مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

اسی طرح بجائے اپنی اصلاح کے (احقاق حق و ابطال باطل کے سبب) سلطان علمائے حق و مشائخ اہلسنت سے بدظن ہونا شروع ہو گیا اور پھر تیسری جماعت کا اثر اتنا رنگ لایا کہ سر مجلس ختم نبوت کے متعلق گستاخیاں شروع کر دیں مثلاً ایک دن اس نے خواجہ شہاب الدین حق گو سے مطالبہ کیا کہ اس کو محمد عادل کہیں۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں ظالم کو عادل نہیں کہہ سکتا پھر انہیں حضرت سے کہا کہ نبوت کے خاتمہ کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اس فدائے نبوت نے فوراً اپنے پاؤں سے جوتی نکال کر سلطان کے منہ پر دے ماری جس کی سزا میں انہیں قلعے کے اوپر سے خندق میں ڈال دیا گیا (گلزار ابرار و اخبار الاخیار ص ۱۲۹)

اسی طرح جب وہ اہلِ حق علماء اہلسنت کو اپنا اور اپنے مشیرانِ بے عرفان کا ہمنوا نہ بنا سکا تو علماء اہلسنت اور آثار اسلام کے ساتھ وہ ستم آرائیاں کیں جن کے پڑھنے سے دل اور لکھنے سے قلم لرز اٹھتا ہے۔ مثال کے طور پر چند نمونے ملاحظہ ہوں خواجہ سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں کہ

"در دہلی زیارت گاہ بسیار بود بعد خرابیٔ دہلی کہ سلطان محمد ابن تغلق کرد آں زیارتہا بکلی مضمحل شد" (جوامع الکلم ص ۱۴۳)

دہلی میں بہت سی زیارت گاہیں تھیں دہلی کی اس بربادی کے بعد جو سلطان محمد ابن تغلق کے ہاتھوں عمل میں آئی وہ تمام زیارتیں تباہ ہو کر رہ گئیں۔

(غور کیجئے کہ علامہ شامی نے اپنے زمانے میں محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی تحریک اور اس کے اثرات کا جو ذکر کیا ہے کیا اسی تصور کا

دوسرا رخ نہیں ہے ۔")

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (جو اس دور کے مشہور صوفی اور اہلسنت کے عالم تھے) پر مظالم کے ایسے پہاڑ توڑے گئے جو بیان سے باہر ہیں ایک بار حضرت گیسو دراز نے بیان کرنا چاہا تھا مگر ان کے دل کو اتنی تکلیف ہوئی کہ بیان کرنے کی ہمت نہ ہو سکی ۔ (جوامع الکلم ص ۱۰۶) تاریخ محمدی میں ہے کہ

"محمد بن تغلق بادشاہ جبار و شہریار قہار بود بآں بزرگوار بگفتار و کردار انواع آزار ظاہر گردانید آں پیر دین دار ہیچ گاہے از صمیم سینہ آہے درد آلودہ نیا ورد و دعائے کہ موجب انہدام بنائے دولت او بودے نکردے مدت مدید بداں جفاہا شدید مبتلا ماند۔"

محمد بن تغلق بڑا جابر و قاہر بادشاہ تھا اس نے ان بزرگوار کو زبان و عمل سے بہت زیادہ تکلیفیں پہنچائیں لیکن وہ پیر دین دار کبھی اپنے سینے سے درد بھری آہ تک نہ کھینچتے نہ کبھی ایسی دعا کرتے جو اس کی سلطنت کے انہدام کا سبب بن جائے طویل مدت تک اس تکلیف میں مبتلا رہے ۔

اور دیکھئے "زیرا استخوانہائے گلو سوراخہا کنانید و آں استخوانہا را بریسنہا محکم بستن فرمود و گفت کہ آں رسنہا را بر بلندی بندید دریشاں را آویزاں دارید" (سبع سنابل ص ۶۴)

ان کے گلے کی ہڈیوں میں سوراخ کر دیئے تھے اور ان ہڈیوں کو رسیوں سے مضبوط باندھنے کا حکم دیدیا تھا اور کہا کہ ان رسیوں کو بلندی پر باندھا جائے اور ان کو لٹکا کر رکھا جائے ۔

"الغرض بسے مشائخ را خدمتے مقرر کردہ بشیخ نصیر الدین اودھی المشہور بچراغ دہلی تکلیف بجامہ پوشانیدن نمود شیخ قبول نکردہ کار بخشونت کشید چنانچہ شیخ را قفا دادہ محبوس ساخت" (تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۹)

الغرض بہت سے مشائخ سے خدمتیں لینے لگا ۔ شیخ نصیر الدین اودھی کو جو چراغ دہلوی مشہور تھے کپڑے پہنانے کی تکلیف دی شیخ نے قبول نہیں کیا تو شیخ کی گردن پر گھونسا مارا اور قید کر دیا ۔

شیخ برہان الدین غریب علیہ الرحمہ نے دیوگیر (دولت آباد) میں حضرت چراغ دہلوی پر بادشاہ کے ان مظالم کی داستان سنی تو بہت روئے اور فرمایا کہ

"چہ کنم خوند مولانا محمود حلیم و کریم است واگر او بخواہد ایں زمین او را و جملہ لشکر و خلق و اسپان و فیلان او خرد برد و آروغے بر نیارد" (جوامع الکلم ص ۲۴۴)

کیا کروں کہ خوند مولانا محمود بردبار کریم النفس ہیں ورنہ اگر وہ چاہیں تو زمین سلطانی کو اس کے پورے لشکر کے آدمیوں کو گھوڑوں کو اور ہاتھیوں کو اس طرح نگل جائے کہ ڈکار تک نہ لے ۔

حضرت شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جام جو اس وقت کے مشہور بزرگ تھے کی داڑھی نوچنے کے لیے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا جب انہوں نے انکار کیا تو ان کی بھی داڑھی نچوالی ۔ اور آخر میں شیخ شہاب الدین کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں ڈلوادیں چودہ دن تک بھوک اور پیاس سے تڑپایا پھر کھانا بھیجا تو شیخ نے فرمایا کہ میرا رزق زمین سے اٹھ گیا ہے سلطان نے ان کے منہ میں زبردستی گوبر ڈلوادیا پھر قتل کروا دیا (عجائب الاسفار ص ۱۳۷-۱۳۹) شیخ شمس الدین ابن تاج العارفین علیہ الرحمہ جب سلطان کے بلانے پر نہ آئے تو ان کو قید کر دیا پھر ان کو ان کے بیٹوں سمیت قتل کرا دیا (عجائب الاسفار ص ۱۴۶-۱۴۷)

شیخ قطب الدین منور، شیخ فخر الدین زرادی سید قطب الدین حسین کرمانی، شیخ ہود، شیخ رکن الدین وغیرہم علیہم الرحمہ پر کیسے کیسے کیا کیا بیتی تاریخ کے اوراق آج بھی کسی قدر اپنے سینے میں لیئے ہوئے ہیں۔ بعض واقعات شاہد ہیں کہ عام غلط کاروں کی طرح اس سلطان کو بھی موت سے پہلے ضمیر نے ملامت کی اور اپنی غلطی پر نادم ہوا مگر وقت نکل اور پانی سر سے گزر چکا تھا اور "یاران حیلہ داں" اپنا کام کر چکے تھے اور اپنے منحوس مقصد میں شیخ نجدی ایک حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔ بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے اس طرح اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی کہ اہلِ حق کے ورثاء مقتولین یا وہ لوگ جن کے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک، کان کاٹ دیئے گئے تھے۔ کسی سے معافی مانگ کر کسی کو مال دے کر معافی نامے لکھوائے اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی قبر کے سرہانے اس عقیدے سے رکھوا دیئے کہ شاید حق تعالیٰ اپنے کرم عام سے معاف فرما دے (فتوحات فیروز شاہی ص ١٦) اور بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "نامردانہ زیست" کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہوگی۔ کہ جب تخت پر بیٹھا تو پدر کش کہلایا جب تک جیا ظلم اور بے دین کے طعنے سنے مرا تو قبر پر معافی نامے رکھ کر تشہیر کی گئی تاریخ ہند میں اس کی جگہ متعین کرتے وقت نظر اس ناکامی پر نہیں بلکہ اس جذبہ پر ہونی چاہیے جو اس ناکامی کا سبب تھا۔ (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ٣٨٤)

اس طرح کی مثالیں آپ کو لودھی اور مغل خاندانوں میں بھی عام ملیں گی۔ ہمارے ملک میں مہدویت اور دین الٰہی جیسی تحریکیں اور بعض سلاطین کے زمانے میں علماء اہلسنت ومشائخ طریقت کے بے شمار ناحق قتل سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں آخر کار اس رسوائے زمانہ "طبقے" نے جس طرح بنوامیہ کو تباہ کیا عباسی سلطنت کو غارت کیا، عثمانی حکومت کو اپنی غداریوں سے برباد کیا۔ دہلی کی مسلم حکومت کو بھی لے ڈوبا اور تب تاریخ کے اس پس منظر میں دیکھئے اور غور کیجئے کہ

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

١٨٥٣ء میں جب مسلم حکومت مٹ گئی اور عوام انتشار کا شکار ہوئے تو میدان کھلا پا کر یہ عفریتی لشکر ہر چہار جانب سے اسلامی عقائد واعمال کی بنیاد کھوکھلی کرنے کے لیئے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا غضب بالائے غضب یہ کہ اب یہ "گندم نما جو فروش" ان راستوں سے نمودار ہونے شروع ہوئے جن پر اعتماد کرنا اور چلنا اسلامیانِ ہند اپنی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات تصور کرتے تھے۔ کبھی جہاد اور تقویت ایمان اور کبھی صراط مستقیم کے نام سے تو کبھی تجدید و احیائے دین کے نام سے۔ غرض سلطنت برطانیہ کی سرپرستی میں (جس کا اس ملک وملت کے لیئے لڑاؤ اور حکومت کرو کا اصول تھا) ابلیس کی جھولی سے نکال کردہ نئے عقائد وخیالات لائے گئے کہ الامان والحفیظ۔ تبھی قدرت مسکرائی کہ نادانو! یہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دین ہے جس کی حفاظت میرے ذمّے ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے کے لیئے بھیجا گیا ہے ہاں تم اپنی عاقبت جتنی چاہو خراب کر سکتے ہو مگر یہ گلستان کبھی خزاں رسیدہ نہ ہوگا۔ یہ شمع ہمیشہ روشن رہے گی اس کی لو کبھی جھپک نہیں سکتی۔ تم اپنی آگ میں جل مروگے مگر اس عرش آشیاں "بیت النور" پر کبھی آنچ نہ آسکے گی۔ اس لیئے کہ ہمیشہ حسین اعظمؒ ائمہ اہلبیت احمد ابن حنبل غزالی عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ جیسے جیالے اور غازی اور ان کے متبعین و نائبین اس کے امانت دار رہیں گے اور تب اسی زمانے یعنی ١٨٥٦ء میں ملک کے مشہور شہر اور شہر کے مشہور علم وفضل والے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام والدین نے احمد رضا رکھا اس نے ہوش سنبھالا تو ملت اور قوم کے گرد وپیش پر ایک جائزانہ نگاہ ڈالی اور "یارانِ بے ایمان" کو رنگ برنگے ملبوسات میں دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی گویا کہہ رہا ہو ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من اندازِ قدت را می شناسم

١٨٦٩ء میں دیار حبیب علیہ السلام کی زیارت کی اور حاضری دے کر اس بارگاہ بے کس پناہ (علیہ التحیۃ والثناء) سے طریقہ اسلاف کے

مطابق اپنے فرض اور ذمہ داری کو نبھانے کے لیئے استمداد و استعانت کیا جہاں سے (اسلاف کے قلوب و ارواح ہمیشہ منور ہوتے) نورِ حق کی تابانیوں کا ایسا سایہ نصیب ہوا کہ باطن تو باطن تھا ظاہر سے بھی پھوٹا پڑتا تھا بقول صاحب تذکرہ علمائے ہند (فارسی) "آپ مقامِ ابراہیمؑ میں تھے کہ شیخ مفتی شافعیہ آئے بغور دیکھا اپنے ساتھ لے گئے اور پھر آپ کی پیشانی پکڑ کر فرمایا: واللہ انی لاجدُ نورَ اللّٰہ من ھذا الجبین۔ کہ خدا کی قسم میں اس پیشانی سے خدا کا نور پا رہا ہوں (ترجمہ) اور واپس آکر اس مقصد کی تکمیل کے لیئے جس کے لیئے قدرت نے آپ کو پیدا فرمایا تھا اور اس فرض کی ادائیگی کے لیئے جس پر رضائے مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کی مہر لگی ہوئی تھی جب اپنی زبان اور اپنے قلم کو جنبش دی تو ایوانِ باطل کے ہر ہر گوشے میں (خواہ وہ ضلالت کا ہو یا بدعت کا کفر کا ہو یا ارتداد کا) کھلبلی مچ گئی تہلکہ اور زلزلہ بپا ہو گیا۔ اس کے قلم کی نوک نے مذہب اسلام کے ہر نقاب پوش ڈاکو کے چہرے سے نقاب الٹ دی اور اس کا خوفناک اور مکروہ اصلی چہرہ اسلامیوں کے سامنے کر دیا بقول ایک معاصرؒ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے پہلے یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا ہو گا کہ اعلیٰ حضرتؓ کی سیفِ زبان و قلم کا کیا جواب ہو گا۔؟ (اعلیٰ حضرتؒ کے مختصر حالات صہ۳ المیزان کا سوالیہ نشان ہے کہ "امت مسلمہ کو کیا دیا؟" اور میں سوچتا ہوں کیا نہیں دیا؟ بلاشبہ جس دور میں آپ کا وجود ہوا اس کے تقاضے کے مطابق ملّتِ اسلامیہ کے لیئے جو کچھ سب سے ضروری تھا وہ سب کچھ دیا۔ دیکھئے جب شاطرانِ مذہب نے قرآن کے تراجم میں کتر بیونت کر کے اسلامیوں کے عقائد پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے قوم کو قرآن عظیم کا صحیح ترجمہ دیا جب فریب کاروں نے اس کی تفسیر میں اپنی رائے شامل کر کے قوم کو گمراہ کرنا چاہا تو مسلمانوں کو ہوشیار رکھنے کے لیئے تمہید ایمان بآیات القرآن دیا۔ غور کیجئے کہ جب اہل ضلالت نے ملت کو سنت کا نام لے کر احادیث کے غلط معانی و مطالب بتانے شروع کیئے تو اس نے اہلِ ایمان کو سینکڑوں کتابیں دیں۔ جب اہل بدعت نے تقلید کے لباس میں غیر مقلدیت اور فقہ کے روپ میں حیلہ سازیوں اور گمراہیوں سے امت کے اعتقادات و اعمال کو زخمی کرنا چاہا تو اس نے قوم کو وہ لازوال فتادے دیئے جو اپنے دلائل و براہین سے ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔ اگر نہیں؟ تو مجھے بتائیے کہ دشمنانِ اسلام نے جب اس ذات قدوس اور بے عیب خدا پر کذب کے معنی درست کر کے اسلامی عقیدۂ توحید پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو کس کا قلم ان کے لیئے شمشیر خار اشگاف بنا؟ جب شاتمانِ نبوت نے مسلمانوں کے عقائد نبوت کو مجروح کرنا چاہا تو کس کا قلم ان بدنصیبوں پر ذوالفقار حیدریؓ بن کر ٹوٹا۔ مجھے جواب دیجئے کہ دین و مذہب کے ڈاکوؤں نے جب مومنوں کے سینوں سے اس امانتِ خداوندی یعنی عظمتِ مصطفٰے (علیہ التحیۃ والثناء) کو چھین لینے کا خواب دیکھا تو ان کے خوابوں کے قلعے کو تعبیر سے پہلے کس کی زبان قلم اور عمل نے مسمار کر کے رکھ دیا اور جب ان مکاروں نے پیری اور شیخی کے لبادے اوڑھ ملت کے دل کی فانوس میں بزرگانِ دین و عمائدین اسلام کی عقیدت کے جلتے چراغ کو بجھانے کے لیئے ناپاک تمناؤں کے محلات تیار کیئے تو کس کی سعیٔ پیہم نے ان کو زمین بوس کر کے تہس نہس کر دیا۔ جب مولویت نما عیاروں نے آثارِ اسلام اور مقاماتِ مقدسہ کی عزت و حرمت کو قوم و غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ سے نکال پھینکنے کی جرأت کی تو کس کی زبانِ پاک و قلمِ بیباک نے ان کی چالاکیوں کے پردوں کو چاک کیا؟ سنیئے کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے مسیح موعود کے نام کا فتنہ ہو یا مہدئ معہود کے نام کا شانِ نبوت کی توہین کا ہو یا فضائل رسالت کی تنقیص کا نیچریت کا ہو یا دہریت کا تقلیدی ہو یا غیر مقلدیت کا تفضیلت کا ہو یا رافضیت کا خارجیت کا ہو یا بدعیت کا۔ ان تمام زہر فتنوں کے سینوں میں اس کا حق نویس قلم اسلام و سنیت کی شمشیر و سناں بن کر اتر گیا اور ان کے مقابلے میں اس کی زبان حق و ترجمان اسلام و اسلامیوں کے لیئے سپر بن گئی۔ ؏

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے ۔۔۔ کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

..یہی وجہ تھی کہ ملت نے اس کو شیخ الاسلام والمسلمین کہا۔ قوم نے حجۃ اللہ فی الارضین کے لقب سے یاد کیا اور امت نے اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، رفیع الدرجت جیسے خطابات سے نوازا اور جب دوبارہ دیارِ حبیبؐ کی ۱۹۰۱؁ء میں زیارت کی اور آستانہ نبوت پر حاضری دی تو قوم کے مرکز نے (علمائے حرمین شریفین نے) اس کو اس صدی کا مجدد (مجدد المائتہ الحاضرہ) قرار دیا۔ وہ آج ہم میں نہیں مگر اس نے جو کچھ دیا، ہمارے دلوں نگاہوں اور ہاتھوں میں موجود ہے۔ ہاں اس کی تخلیق کے مقصد سے بے خبر نادانوں نے دوسروں کی طرح اس کے قلم کو بھی خریدنے کی کوشش بے جا کی تو اس نے کہا۔ ؎

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

اور جب کبھی ان حالات نے اس کے دل کو بوجھل کیا تو اس طرح کے تمام دنیاوی سہاروں کو ٹھکرا کر امت کے والی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ ؎

ایک طرف حاسدیں اک طرف اعدائے دیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

اور سرِ عام اعلان فرمایا۔ ؎

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

اور اب غور کیجئے کہ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ اس ذات نے اسلامی عقیدۂ توحید ایمانی عقیدۂ رسالت اسلاف کی وراثت (تصور ولایت تصوف و طریقت) کو گمراہوں (نیچری جماعت) سے بچا کر اس طرح ہم تک پہنچایا کہ آج بنیادی عقائد تو بڑی بات ہیں ہماری زندگی کے وہ اعمال جو بنیادی نہیں مگر صدیوں سے شعارِ سنیت فرد رہیں۔ جیسے مجالس میلاد پاک استمداد از انبیاء و اولیاء زیارت قبور نذر و نیاز و فاتحہ خوانی تصور شیخ سلام و قیام تقبیل الابہام (انگوٹھے چومنا) احترام مشائخ و سادات وغیرہا مسائل پر قوم کے لیے اُن کے گرداگرد عقلی و نقلی دلائل و براہین کی اتنی پختہ اینٹوں سے ایسی مضبوط فصیل کھینچ دی ہے کہ تاقیامِ قیامت مخالفوں کی تیر اندازی اثر انداز نہ ہو سکے گی اور مومنین کو ہمیشہ روحانی و مذہبی فیض و سکون بخشتی رہے گی۔

امام احمد رضا۔ مجدّدِ ملّت

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ‏ ‏ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہوچکی اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی قومی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں۔ دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش وحواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑتے لگتے ہیں تو ان کو دنیا نے صرف یہ کہ اس قومیت سے خارج قرار دیا بلکہ انھیں ایک قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔ یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف و صریح ہے۔ یہ جو قرآن کریم میں ارشاد ہوا وذکرھم بایام اللّٰہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلایا کرد۔ یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر ایسے دن بھی تو ہیں جن دنوں کو خاصان خدا نے خصوصیات عطا فرمادیں اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ ایسے دن جن کی بدولت حاصل ہوں اس کا گو یوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے لے کر حشر تک کا ہر دن وللآخرۃ خیرلک من الاولی والے آقا کے وسعت دامان میں پلتا ہی رہتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے۔ مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر ونشر ہے۔ ظاہر ہے ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھنے کے بعد وہ دن یاد آجاتا ہے۔ جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا۔ پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا۔ جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی اور مرتیو منانا کہتے ہیں اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں اور مناتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ تعین وتخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیاء علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے تو ان اللہ والوں کے لئے جو اولیاء عظام وعلماء کرام ہیں اقتضاء النص ہے یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔ بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے تین وقتوں کی تعیین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے۔ یوم میلاد جیسا کہ ہم میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگان دین کرتے ہیں لیکن تیسرا دن یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں اور ان شاء اللہ منائیں گے تو قرآنی تعبیر یہ ہوگی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہوجاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے۔ اس کے مستحق ہوجاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم ہو جاؤ گے بہر حال ہم قرآن عظیم کا سہارا لیکر اس عظیم دن کی یاد منانے کیلئے جمع ہوئے ہیں جس مبارک دن اللہ کا ایک مقبول بندہ سچا نائب رسول جس کو ہم اور آپ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت ا

مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶؁ء بروز شنبہ بوقت ظہر محلہ جسولی شہر بریلی میں اس اللہ کے محبوب بندے کی ولادت باسعادت ہوئی تاریخی نام المختار رکھا گیا۔ جد امجد حضرت مولانا مولوی رضا علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ بارہویں صدی ہجری سے جن ضلالتوں اور گمراہیوں کا آغاز ہوا ان میں فتنۂ نجدیت سب سے بڑی گمراہی تھی اور اسی ایک فتنۂ ضلالت کی بدولت نہ جانے اور کتنی گمراہیاں عالم وجود میں آئیں جو اسی فتنے کا ضمیمہ ہے۔

سیّد کائنات سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کے مطابق سرزمین نجد سے ذریّت شیطان نے سر اٹھایا اور بالاعلان توہین رسالت کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا پھر بعد میں واقعات و حالات نے بھی اس ذریّت کی مدد کی اور حجاز کی سرزمین مقدس ان کے ناپاک قدموں سے آلودہ ہوگئی۔ اس ذریّت ابلیس نے جس طرح وہاں کے رہنے والے مقدس باشندوں پر مظالم کیے۔ آثار مقدسہ کی جس جس طرح بیحرمتی کی وہ روز روشن کی طرح آج بھی عیاں ہے پھر یہ فتنہ چند جاہ پرست اور خود غرض افراد کی بدولت ہندوستان پہنچا اور اس جاہ پرست طبقے نے بھی شیخ نجدی کی تقلید میں توہین رسالت کو اپنا شیوہ بنالیا۔ علماء کے روپ میں نہ معلوم کتنے بہروپیے آتے رہے اور شرک و بدعت کے فتووں سے مسلمانوں کو مشرک بناتے رہے۔ یہاں تک کہ ضلع سہارن پور (یو۔ پی) کے ایک مقام کو اپنا مرکز بنا کر اس کو توہین رسالت کا اڈہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے کہ انھوں نے سب سے پہلے معلم نجدیت کی سرکوبی فرمائی مگر آگ پورے طور پر نہ بجھ سکی۔ کچھ شعلے بھڑکتے رہے۔ یہاں تک کہ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی شخصیت کاملہ منصہ شہود پر آئی اور شاتمان رسالت صلعم کے گلوں پر خنجر پھیر دیا کر وہ زبانیں جو توہین رسالت کی عادی بن گئی تھیں قطع ہوگئیں۔ اس مرد مجاہد کے شیرانہ حملوں سے صحرائے وہابیت میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ حقیقت امر ہے کہ جب فضائے حقانیت پر باطل کی تیرہ و تاریک گھٹائیں چھانے لگتی ہیں تو دفعتاً آفتاب حقانیت اپنی پوری تابانی و درخشانی کے ساتھ چمکتا ہے اور باطل کی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وہابیت کی تبلیغ کیلئے دیوبند کو مرکز بنایا گیا تھا۔ اور جہاں سے مسلمانوں کو مشرک و بدعتی بنانے کے لیئے فتوے ڈھالے جارہے تھے۔ اس مرکز باطل پر قہر الٰہی کی کڑکتی بجلیاں گریں اور بزعم خویش توحید کے مدعی دشمن و غدار رسالت صلعم جائے فرار ڈھونڈنے لگے۔ ازل ہی کے روز سے سرزمین بریلی کو یہ شرف حاصل ہونے والا تھا کہ وہ نعت صاحب لولاک علما کا مرکز بنے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد مأۃ حاضرہ کے وہ مقدس کارنامے کہ ہر باطل مذہب کی گردن کشی کی اور خصوصیت کے ساتھ وہابیت کی سرشکنی اس کا روشن مشاہدہ ہے اور مشاہدہ کسی دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہاں ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہابیت کا جو طوفان صحرائے نجد سے اٹھ کر فضائے ہند پر چھا گیا تھا۔ اس طوفان کو منع کرنے کے لیئے اعلیٰ حضرت نے کیا کیا کوششیں فرمائی ہیں۔ مختصراً اتنا ہی کافی ہے کہ دنیائے تہذیب میں مجدد اعظم کا نام ہی ایسی شمشیر بے پناہ ہے کہ اشرار کی صفوں میں اب بھی سراسیمگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کا دنیائے سنیت پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس انتشار و ابتری کے دور میں مجدد اعظم کی شخصیت ایک منارۂ نور رہے۔ جس کی لازوال روشنی میں مسلمان بے خوف و خطر راہ حیات طے کر رہا ہے اور اسے کسی بد باطن اور رہزن دین و ایمان کا خطرہ نہیں رہا۔ آج بھی اعلیٰ حضرت کے وصال کو پچپن ۵۵ سال گزر چکے ہیں۔ ان کی تصانیف مشعل ہدایت ہیں اور راہرو اسی روشنی سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ بہرحال اعلیٰ حضرت رضی کی جامع شخصیت نے جہاں اعدائے دین و رسالت کی سرکوبی فرمائی وہاں اپنی تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ایک شمشیر بے پناہ بھی دے دی کہ وہ ہر عدوئے دین کی گردن کشی کرے۔ خداوند کریم نے آپ کو اتنے کثیر علوم سے نوازا کہ پچاس فنون میں آپ نے کتب تصنیف فرمائیں اور بہت سے مردہ فنون مثلاً تکسیر، ہیئت اور نجوم کو دوبارہ زندگی بخشی اور آپ ایک بہت بڑے

بلند پایہ نعت گو شاعر بھی تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ حمد لکھنا آسان ہے اور نعت لکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ نعت میں یہ احتمال رہتا ہے کہ تعریف اتنی نہ ہو جائے کہ حد سے مل جائے اور کہیں اتنی کم نہ ہو جائے کہ مرتبۂ رسالت ﷺ سے گر جائے۔ آپ کو فقہ میں جو اجتہاد و امامت کا مقام حاصل تھا۔ اس پر فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں شاہد عدل ہیں اور آپ سلسلۂ عالیہ رضویہ کے ایک بلند پایہ بزرگ تھے اور علمی اعتبار سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا آپ کو رسول کریم ﷺ سے بے پناہ عشق تھا کہ جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی وہ ہاں کہہ دیتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے تھے۔ یہ تھا عشق رسول ﷺ آپ کی جانب سے۔ بیوگان کی اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کے لیئے ماہانہ رقوم مقرر تھیں۔ آپ ۲۴ گھنٹے میں صرف دو گھنٹے آرام فرماتے اور بقیہ اوقات تمام تبلیغ دینیہ کے لیئے وقف کر رکھے تھے۔ پانچوں نمازوں میں مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ آپ کے خلفاء و مریدین و متوسلین ہند و پاک کے علاوہ عرب و عجم میں بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ آپ کے چند مشہور خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (۱) شہزادہ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولینا مولوی حامد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) شہزادہ اصغر سرکار مفتی اعظم ہند حضرت مولینا مصطفٰے رضا خان صاحب دامت برکاتہم القدسیہ (۳) صدر الشریعہ خاتم الفقہا حضرت مولانا مولوی امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۴) شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب (محدث اعظم لاہور) (۵) شیر بیشۂ اہلسنت امام المناظرین حضرت مولینا حشمت علی خان صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال مضمون تفصیل چاہتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات ایک ایسی جامع شخصیت تھی کہ قدرت صدہا سالوں کے بعد ایسے افراد کو پیدا فرماتی ہے کہ جن کی درخشانی حیات کے تاباں و رخشاں لمحات افقہائے عالم کو منور کر دیتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی
ایک محتاط مُصلح و مُبلّغ

علوم وفنون کا ہمالہ، شریعت وطریقت کا امام، تحریکِ تجدیدِ عشقِ رسالت کا نامور قائد اور صائب الرائے سیاستدان، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ، حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ جس دور میں جلوہ گر ہوئے، ان دنوں بداعتقادی، گمراہی، دجل وفریب اور مکارانہ سیاست نے برصغیر پاک و ہند کی فضا کو مسموم کر رکھا تھا اس پر طرہ یہ کہ ان تمام خرابیوں کے ذمہ دار وہ لوگ تھے جو قوم کی دینی و مذہبی قیادت کے دعویدار تھے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ایک سچے مبلّغ و مُصلح کی حیثیت سے ان لوگوں کو ادلاً بار بار تنبیہ کی اور راہِ حق کی طرف بلایا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنے خود ساختہ مسلک ومشرب سے رجوع کرنے والے نہیں تو آپ نے ان کا تعاقب کیا اور امتِ مسلمہ کو ان کے فریب و دجل سے آگاہ کیا۔

حقیقت پسندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ فاضل بریلوی جیسے عظیم محسن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی مومنانہ بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا اور ان کی تعلیماتِ جلیلہ سے استفادہ کیا جاتا۔ لیکن بُرا ہو شخصیت پرستی کا جس نے انسان کو اندھا اور بہرہ کر رکھا ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کا یہ بطلِ جلیل اندھی تقلید کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور نہ صرف یہ کہ اس کی دینی و ملّی خدمات بغض وعداوت کی تہوں کے نیچے دب کر رہ گئیں بلکہ وہ مکفّرِ مسلمین، تکفیر وتفسیق میں عجلت پسند بے باک، ہٹ دھرم، ضدی اور سخت گیر قسم کے القابات سے نوازا جانے لگا۔

کیا واقعی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پر یہ الزامات صحیح ہیں؟ اس بات کا جائزہ لینے کے لیے تفصیلی بحث سے قبل درج ذیل بنیادی امور کو ذہن نشین کر لینا ازبس ضروری ہے۔

۱۔ اسلام کے عظیم مفتی اور مبلّغ کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ کو کیا اندازِ تبلیغ اختیار کرنا چاہیئے تھا اور آپ کس طریق کار پر عمل پیرا ہوئے۔؟

۲۔ اس ضمن میں ہمارے اسلاف (صحابہ کرام)، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے علماء ومشائخ نے کونسی راہ اختیار کی؟ اور کیا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ اس طریق سے ہٹے ہوئے تھے۔؟

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے جن لوگوں کا تعاقب کیا اور ان کے خلاف فتویٰ دیا ان کا جرم کس نوعیت کا تھا اور از روئے شریعتِ اسلامیہ ایسے مجرم سے متعلق عامۃ المسلمین کا بالعموم اور مبلّغین و مفتیانِ کرام کا بالخصوص کیا رویّہ ہونا چاہیئے۔

۴۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پہ شدت اختیار کرنے اور تکفیر و تفسیق میں عجلت پسندی سے کام لینے کا الزام دھرنے والے خود اور ان کے اکابر کسی کو کافر، مشرک اور بدعتی قرار دینے میں کس قدر مستعد تھے اور ہیں۔

۵۔ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جن باتوں پر گرفت فرمائی ان میں اور ان باتوں میں کس قدر فرق ہے جن پر آپ کے مخالفین نے فتویٰ بازی کی ہے۔

قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تبلیغِ دین کے لیے حکمت و موعظت سے بھرپور دعوت اور بحث میں احسن طریقہ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے (سورۃ نحل، آیت ۱۲۵)

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے " تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمھارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ (سورہ آلِ عمران، آیت ۱۵۹)

ایک مبلغ و مفتی کے لیے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اولین فریضہ ہے۔ اور اس ضمن میں مجرم کی ناپسندیدگی یا ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف قطعاً سدِّ راہ نہیں ہونا چاہیئے۔ حق کو واضح کرنا خود صفاتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے " اور اللہ اپنی باتوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ اگرچہ بُرا مانیں مجرم (سورہ یونس، آیت ۸۲)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا منکرینِ زکوٰۃ سے جہاد کرنا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے والے (بظاہر مسلمان) منافق کی گردن قلم کر دینا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کلمۂ حق کہتے ہوئے کوڑے کھانا، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا طوق و سلاسل کی دھمکیوں کے باوجود کلمۂ حق بلند کرنا اور اکابرِ اسلام کی اس جیسی بے شمار مثالیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وضاحت و اعلانِ حق کے سلسلہ میں کسی قسم کی رُو رعایت یا خوف جائز نہیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ دین کے سلسلے میں جہاں حکمت و موعظت کی پالیسی اختیار کرنا ضروری ہے وہاں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا کرنا بھی نہایت ناگزیر ہے۔ جس طرح راہِ حق کی طرف بلاتے ہوئے ترش روئی کا انداز اختیار کرنا بداخلاقی ہے اسی طرح باطل کا رد نہ کر کے عامۃ المسلمین کو اندھیرے میں رکھنا اور بھولی بھالی بھیڑوں کو بھیڑیوں کا لقمۂ تر بننے کے لیے چھوڑ دینا بھی نہایت گھناؤنا جرم، مداہنت و منافقت اور بداخلاقی ہے۔

اس اصول و ضابطہ کی روشنی میں جب ہم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے طریقۂ تبلیغ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی قرآن و سنت کے سکھائے ہوئے اور اکابرِ اسلام کے اپنائے ہوئے اندازِ تبلیغ اور فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے مسلک میں تفاوت کی بُو تک نہیں آتی۔ جہاں تک آپ کی مبنی بر حکمت و موعظت تبلیغ کا تعلق ہے۔ اس ضمن میں صرف ایک واقعہ پیش کر دینا کافی ہوگا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب سے متعلق سوال کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں یہ بات نہیں مانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل کی باتیں جانتے ہیں ...... سائل کے سوال پر آپ چیں بجبیں نہ ہوئے۔ غم و غصہ کا اظہار نہ کیا۔ اپنی محفل سے دھتکار نہ دیا بلکہ نہایت شفقت سے اسے مسئلہ غیب سمجھایا اور قرآن و سنت سے دلائل بھی بتا دیے چند دن بعد وہ حافظ صاحب حاضر ہوئے جو اس شخص کو لے کر آئے تھے۔ عرض کرنے لگے، حضور وہ شخص جب یہاں سے گیا تو راستے ہی میں کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہ کی باتیں میرے دل نے قبول کیں اور انشاء اللہ اب میں ان کا مرید ہوں، آپ نے فرمایا

دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے تاکہ وہ ٹھیک ہو جائیں (ملفوظات حصہ اول ص ۴۱)

آپ نے جہاں مذبذبین کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا وہاں احقاقِ حق کا فریضہ بھی باحسن وجوہ انجام دیا اور یہی وہ بات ہے جسے مخالفین نے سر پر اٹھا رکھا ہے اور آپ کو تکفیرِ مسلمین یا تکفیر و تفسیق میں عجلت پسندی کا طعنہ مسلسل دیا جا رہا ہے تاکہ عوام کے اذہان میں الجھاؤ پیدا کر کے اپنے کردار کو مستور رکھا جائے۔

حضرت مولانا احمد رضا خان نے براہین قاطعہ، حفظ الایمان وغیرہ کتابوں کی جن عبارات پر فتویٰ دیا اس میں بھی نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا ہے[1]

مولانا مرتضیٰ حسن در بھنگی ناظم اعلیٰ دار العلوم دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کے بارے میں جو رائے دی ہے، وہ قابلِ غور ہے۔ لکھتے ہیں :-

"اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے سمجھا تو خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔" (اشدّ العذاب ص ۱۴)

بعض عبارات جن کی بنا پر حضرت فاضل بریلوی نے ان کے راقم کو توہینِ رسالت کا مجرم گردانا۔ اس معاملے میں اعلیٰ حضرت تنہا نہیں بلکہ حرمین طیّبین کے ۳۷ جلیل القدر علمائے حنفیہ و شافعیہ ان کے ہم نوا ہیں اور ان کے کلمۂ حق بلند کرنے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں (ملاحظہ ہو حسام الحرمین مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور)

پھر یہی نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے عجلت میں کوئی فتویٰ جڑ دیا ہو ان لوگوں کی طرف رجوع نہ کیا ہو یا انھیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیا ہو بلکہ آپ نے نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ چنانچہ ان علماء سے بار بار مطالبہ کیا جاتا رہا کہ یا تو ان عبارات کا صحیح محل بیان کیا جائے یا پھر توبہ کر کے ان کو قلمزد کیا جائے۔ اس سلسلہ میں رسائل لکھے گئے۔ خطوط بھیجے گئے لیکن جب یہ علماء کسی طرح بھی ٹس سے مس نہ ہوئے تو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے براہینِ قاطعہ کی اشاعت کے تقریباً سولہ سال بعد اور حفظ الایمان کی اشاعت کے قریباً ایک سال بعد ۱۳۲۰ھ میں مذکورہ قائلین کے بارے میں ان عبارات کی بنا پر فتویٰ کفر صادر کیا۔ (پیرایہ آغاز حسام الحرمین از قلم مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ ص ۷)

جس انداز میں فاضل بریلوی نے حزم و احتیاط سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر سید نظیر حسین زیدی لکھتے ہیں :-

"ہندوستان میں مناظرانہ کتابوں کی اشاعت بیجا نے بقول مولانا حالی ہندوستان کی فضا کو متعفن کیا اور اس طرح ہر لکھنے والے نے اپنے نقطۂ نظر کی اشاعت کے لیے دوسرے پر لعن طعن کی انتہا کر دی۔ اختلاف، نقطۂ نظر کی افہام و تفہیم تک محدود نہ رہے بلکہ پورے معاشرہ کو عصبیت کی لپیٹ میں لے لیا۔ گویا "گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل" کا مسئلہ آن پڑا۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر تکفیرِ مسلم میں خود علماء ہند نے تعجیل کی اور پھر بات اتنی پھیل گئی کہ فتویٰ کی تحقیق کی طرف کسی کی نظر اٹھنے نہیں پاتی۔ حالانکہ تکفیرِ مسلم کا مسئلہ بیحد مشکل ہے اور اس سلسلہ میں فاضل بریلوی کا اندازِ فکر بھی صائب بلکہ قابلِ تقلید ہے کہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط کہنے سے خود کو روکنا مناسب ہے۔" اور دوسرے مقام پر انھوں نے واضح

---

[1] ان ایمان سوز عبارات سے آگاہی کے لیے "دعوتِ فکر" از مولانا محمد منشا تابش حضوری کا مطالعہ کیجیے ۱۲۔ ہزاروی

طور پر تحریر فرمایا ہے کہ " اقوال کا کفریہ ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے۔ ہم احتیاط برتیں گے سکوت اختیار کریں گے۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے (جہان رضا مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور۔ ص ۱۴۰، ۱۴۱)

غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم، اعلیٰ حضرت کے حزم و احتیاط کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ علمائے بریلی یا ان کے ہم خیالی کسی عالم نے آج تک کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔ خصوصاً اعلیٰحضرت مجدد ملت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ تو اس مسئلہ تکفیر میں اس قدر محتاط واقع ہوئے تھے کہ امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے بکثرت اقوالِ کفریہ نقل کرنے کے باوجود الزام والتزامِ کفر کا فرق ملحوظ رکھتے، یا امام الطائفہ کی توبہ مشہور ہونے کے باعث ازراہِ احتیاط مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر سے کفِ لسان فرمایا۔ لیکن اعلیٰحضرت نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا" (ملاحظہ ہو الکوکبۃ الشہابیہ مطبوعہ اہل سنت و جماعت بریلی، ص ۶۲)

حیرت ہے ایسے محتاط عالمِ دین پر تکفیر مسلمین کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

مسئلہ تکفیر میں فاضل بریلوی پر جس بہتان تراشی اور سطحیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس کا تذکرہ خود امام موصوف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماء اہل سنت کی تکفیر کا کیا اعتبار۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا۔ مولوی محمد اسحاق کو کہہ دیا۔ مولوی عبدالحی کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھتی ہوتی وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا۔ حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حد حیا سے اوپر گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اس کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر یہ کہہ دیا کہ معاذ اللہ حضرت شیخ اکبر سید محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا ہے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انھوں نے آیت کریمہ (اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تصدیق کر لو) پر عمل فرمایا اور خط لکھ کر دریافت فرمایا۔ یہی دشنامی لوگ جن کے کفر پر اب فتوی دیا جب تک ان کی صریح دشنامیوں پر اطلاع نہ تھی مسئلہ امکانِ کذب پر اٹھہتر وجوہ سے لزوم کفر ثابت کر کے "سبحٰن السبوح" میں بالآخر ص ۸۰ طبع اول پر یہی لکھا کہ حاشا للہ، حاشا للہ، ہزار بار حاشا للہ! میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا ..... مسلمانو! مسلمانو! تمھیں اپنا دین و ایمان اور روز قیامت و حضور بارگاہ رحمٰن یاد دلا کر استفسار ہے کہ جس بندۂ خدا کی دربارۂ تکفیر یہ شدید احتیاط یہ جلیل تصریحات، اس پر تکفیر تکفیر کا افترا کتنی بے حیائی، کتنا ظلم، کتنی گھناؤنی ناپاک بات ..... یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشنامیوں کی نسبت اٹھہتر وجہ سے بحکم فقہاء کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاشا للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہوگئی۔ جب ان سے جائداد کی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوئی، حاشا للہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت صرف محبت و عداوتِ خداد

رسولؐ ہے۔ جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ و رسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی اس وقت کلمہ گوئی کا پاس لازمی تھا۔ غایت احتیاط سے کام لیا، حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکار ضروریاتِ دین و دشنام رب العلمین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ ائمہ کے دین کی تصریحیں سن چکے (حسام الحرمین مطبوعہ بریلی ص ۴۳ تا ۴۴)

تعجب خیز بات یہ ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فریضۂ احقاقِ حق کی ادائیگی میں کہیں بھی حسنِ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، نہ بہتان طرازی کی۔ جبکہ آپ کے مخالفین نے آپ کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بعد از زنا و یلات بھی بازاری زبان ہے۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت کے ہاں کہیں بھی اس قسم کی بداخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے گستاخانہ عبارات پر فتویٰ دیا اور وہ بھی چند شخصیات کے خلاف، لیکن یہاں تو ہر اس مسلمان کو کافر اور مشرک گردانا جاتا ہے جو ان حضرات کے خود ساختہ مسلک و مشرب سے گریزاں ہو۔ غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:۔

"ہمارے بعض متاخرین (حاشیہ پر محمد بن عبدالوہاب اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا نام ہے) نے شرک کے معاملہ میں بڑا تشدد اختیار کر رکھا ہے اور اسلام کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے۔ کہ امور مکروہہ یا محرمہ کو بھی شرک قرار دیا ہے۔"

(ہدیۃ المہدی ص ۲۷ ۔ مطبوعہ دہلی)

امام شوکانی کے شاگرد محمد بن ناصر حازمی لکھتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دو باتیں ایسی ہیں جو پسند نہیں کی جاتیں۔ ایک تو یہ کہ انھوں نے چند بے اساس امور کی بنا پر تمام دنیا کو کافر قرار دیا۔ ... دوسری زیادتی یہ تھی کہ بلا کسی دلیل و حجت کے انھوں نے بے گناہوں کو قتل کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ شیخ موصوف یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے دعا کی یا کسی نبی، بادشاہ اور عالم کو اس کا وسیلہ بنایا تو وہ مجرم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ جو مسلمان اولیاء کے مزارات پر دعا کرتے ہیں ان کو موصوف نے کافر قرار دیا اور جو ان کے کفر میں شک کرے، شیخ موصوف نے ان شک کرنے والوں کو بھی کافر ثابت کیا۔ موصوف نے اس طرح دنیا جہان کے مسلمانوں کو زمرۂ کفار میں داخل کر دیا۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۲۹، ۲۳۰ بحوالہ وہابی مذہب ص ۱۶۷)

ان عبارات کو سامنے رکھ کر غور کیجئے اور بتائیے کہ کیا اعلیٰ حضرت پر سخت گیر، متشدد اور کافر ساز کا پروپیگنڈہ درست ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا اور حق واضح کرنے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا یقیناً ان کا یہ عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوا اور آج تعصب کے وہ بادل چھٹ رہے ہیں جنھوں نے اس جگمگاتے ہوئے سورج کو پس منظر میں رکھنے کی سعی کی تھی۔ وما علینا الا البلاغ ؂

علومِ جدیدہ

○ امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں

ایم حسن امام ملک پوری؛ ایم۔ایس۔سی۔بی۔ایل۔بی۔ایڈ۔ مظفر پور

○ امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی

شبیر حسن بستوی صدر مدرس جامعہ عزیز العلوم نانپارہ ضلع بہرائچ

امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں

محترم حسن امام صاحب ملک پور (بہار) کے رہنے والے ہیں۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ایل۔ بی۔ ایڈ ہیں۔ انتہائی سلیم الطبع اور ذہین و طباع ہیں۔ عابدہ ہائی اسکول مظفر پور میں سائنس کے ٹیچر ہیں۔
موصوف نے فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ملاحظہ فرمایا تو پھڑک اٹھے اور زیر نظر گرانقدر مقالہ "سائنس کی روشنی میں" ترتیب دیکر امام احمد رضا نمبر کے لئے مرحمت فرمایا۔

ادارہ

آج کل کی ترقی یافتہ دنیا نے اسلام کے سپوت کے کارناموں کو اس طرح بھلا دیا ہے۔ جیسے اس قوم نے بنی نوع انسان کے لئے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود بہتیرے موجودہ مسلمان ہی اس حد تک احساس کمتری کے شکار ہیں کہ وہ دنیاوی علوم و فنون کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں انکا ظن غالب ہے کہ یہ علوم ہمارے لئے نہیں اگر یہ ہمارے لئے ہوتے تو ہمارے آبا و اجداد نے بھی اس میدان میں تاریخی کارنامے انجام دیئے ہوتے اور فخر سے کہتے کہ آج کی سائنسی ترقی بھی ہمارے سلف کے کارناموں کی مرہون منت ہے"۔ ہم بس اس حد تک جانتے ہیں کہ ہمارے علما، صرف علم دین میں دقیق النظر ہیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی کی انھیں باکمال واقفیت ہے۔ وہ ان کی روشنی میں بہت کچھ سوچ سکتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ غور و فکر کو عروج دے کر کبھی تو ہم اپنے اسلاف کو کافر اور بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں اور کبھی اپنے معاصر کو۔ حالانکہ اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھیں تو صاف پتا چلے گا کہ ہم اپنے جن اسلاف کو بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں ان کے مطالعہ میں کتنا عمق ہے اور ہمارا مطالعہ کتنا سطحی ہے۔ خیر اس بحث کو یہیں چھوڑیئے (اللہ ہمارے ان بھائیوں کو راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے جو آج بھٹک رہے ہیں۔ آمین)

ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ احساس کمتری کی بنا پر ہم نے اپنے اسلاف کا جو معیار مقرر کیا ہے وہ اس سے کہیں بالا تھے۔ مثال کے لئے تو ان گنت شخصیتیں ہیں۔ فی الحال میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا۔ کیونکہ امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس مذہبی معلومات کا فقدان ہے۔ مادیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصۂ تصنیف "کتاب الطہارۃ" (اصل تصنیف جو فتاویٰ رضویہ کے نام سے مشہور ہے جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں۔ اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ "کتاب طہارۃ" اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے) سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے ہی بحر بیکراں نہیں، علم ارضیات، مادیات، فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں۔ اس سلسلہ میں ثبوت فراہم کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ پھر بھی قارئین کی دلچسپی کے لئے میں مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۲۱ اور اس سے کچھ آگے کے اوراق کا اقتباس پیش کر رہا ہوں۔

مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنویں کا دور کتنے ہاتھ ہونا چاہیے کہ وہ

دردہ ہوا در نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الجواب اس میں چار قول ہیں ہر در بجائے خود وجہ رکھتا ہے۔ اور تحقیق جدا ہے۔

امام شمس الائمہ سرخسی

قول اول: اڑتالیس ہاتھ خلاصہ و عالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوی کبری میں اس کو احوط بتایا سید طحطاوی نے اسکا اتباع کیا۔ ہندیہ میں ہے: کان الحوض مدورا فالمعتبر ثمانیہ واربعون ذراعا کذا فی الخلاصۃ وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی طحطاوی میں ہے الاحوط اعتبار ثمانیہ واربعین

دوم: چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اسی کو مختار و مفتی بہ بتایا بحرالرائق میں نقل فرمایا۔ المختار المفتی بہ ستۃ واربعون کیلا یعسر رعایۃ الکسر اھ اقول بل یرید ان ثمہ کسرا اسقط اودفع تیسیرا ثم رأیتنی فی الفتح ما عین الواقع حیث قال ان کان الحوض مدورا فقدر بعضھم بثمانیۃ واربعین والمختار ستۃ واربعون وفی الحساب یکتفی باقل منھا بکسر للنسبۃ لکن یفتی بستۃ واربعین کیلا یتعسر رعایۃ الکسر قال والکل تحکمات غیر لازمۃ انما الصحیح ما قدمناہ من عدم التحکم بتقدیر معین اھ ای عملا باصل المذھب وقد علمت ان الفتوی علی اعتبار العشر۔

سوم: چوالیس ہاتھ اس کی تصحیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں جامع الرموز میں ہے۔ اما فی المدور فیشترط ان یکون دورہ ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعا واربعین فالاول احوط کما فی الکبری۔

چہارم: چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی۔ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب مبرہن ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔ وقیل ستۃ وثلثین وھو الصحیح المبرھن عند الحساب کما فی الظھیریۃ وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث ما یساویہ۔ اسی پر مولوی خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ فقیہ و محاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا۔ ردالمحتار میں ہے قولہ وفی المدور بستۃ وثلثین ای بان یکون دورہ ستۃ وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطر وھو خمسۃ ونصف وعشر فی نصف الدور وھو ثمانیۃ عشر یکون مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع اھ سوی ماذکرہ واحد اقول خمسۃ وفی البرجندی عن الظھیریۃ ھو الصحیح اقول تحقیق یہ ہے کہ اس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہیے یعنی ۴۴۹ء۳۵ تو قطر تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک انگل یعنی ۲۸۴ء۱۱ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصول ہندسہ مقالہ ۱۲ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجیے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجیے کہ حاصل سب کا واحد ہے اور ہم نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے بخلاف صلہ الطلوعیہ ہے نصف قطر موجیہ جو صد بہ الملل یعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہو قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۳۶ ثالثے ۵۴ رابعے ہے۔ وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الکاشی علی ما نقل العلامۃ البرجندی فی شرح تحریر المجسطی نو بعہ ای ستا وخمسین مکان لہ لا بقادق محسوب الا نحو الاربعہ وھذا الحساب احق صوبع رفعا ای سبعا واربعین وبالجملۃ لا فرق الا فی بعض روابع وعلی ھذا الاخیر عولنا تو قطر اگر ایک ہے محیط ۲۶۵ ۱۴۱۵۹ء۳ ہے۔

فان ۳۶۰ ÷ ۳۱۴۱۵۹۲۶۵ ، ۱۲۳ ، ۷ ، ۱۱۴۵۹۱۵۵۹۱۵ ہم ۱۱ تحویلہ الی السینتی من صدلہ الطولمر یہاں سے دو مساواتیں حاصل ہوئیں۔ قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م فرض کیجئے پس (۱) ۳۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط اس لئے کہ ۱ : ۳۱۴۱۵۹۲۶۵ :: ق : ط (۲) ق ط / ۴ = م ان کے بعد قطر و مساحت سے جو چیز گز ہاتھ، فٹ گرہ وغیرہ جس معیار سے مقدر کی جائے اسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

معلوم / مطلوب	قطر	محیط	مساحت
قطر	•	۳۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ ق۲
محیط	ط / ۳۱۴۱۵۹۲۶۵	•	ط۲ / ۱۲۶۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	√(م / ۰۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵)	√(۱۲۶۵۶۶۳۷۰۶ م)	•

پھر آسانی کے لئے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دیئے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲۰۰ ∵ ۲۱۰۴۹۱۰۱ / ۲ = ۱۰۵۲۴۵۵۰ اکہ لوگارثم ۱۱۲۸۴ کا ہے یہ قطر ہوئی نیز ۳۶۰۹۹۲۰۹۹ / ۲ = ۱۵۴۹۶۰۴۹ اکہ لوگارثم ۳۵۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دور ہوئی ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۱۲۸۴ × ۳۵۴۴۹ = ۴۰۰۰۰۶۵۱۶ = ۱۰۰۰۰۱۶۰ + ۴۰۰۰۰۰۰ ہم : ۱۶ : ۱۰۰۰۰ اکہ سو ہاتھ سے صرف ۱۶ / ۱۰۰۰۰۰ یعنی ۱ / ۶۲۵ زائد ہے کہ ایک انگل عرض کا ۲۴ / ۶۲۵ یعنی انگل کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے بخلاف سراج وشرنبلالیہ کہ ان کے خیال سے ۱۱۹ انگل اور واقع تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے۔

معلوم / مطلوب	لو قطر	لو محیط	لو مساحت
لو قطر	-	لو ق + ۰۱۴۹۷۱۴۹۹	۲ لو ق + ۱۸۹۵۰۸۹۹ .۱
لو محیط	لو ط + ۱۵۰۲۸۵۰۱ .۱	-	۲ لو ط + ۰۰۷۹۰۱ .۲۶۹
لو مساحت	لو م + ۰۱۰۴۹۱۰۱ / ۲	لو م + ۱۰۹۹۲۰۹۹ .۱ / ۲	

اب راقم الحروف کو کچھ کہنے دیجئے۔ اگر ہمارے اسلاف صرف لکیر کے فقیر ہوتے تحقیق و تجدید کو کفران نعمت سمجھتے تو مفتی ہونیکی حیثیت سے امام احمد رضا مذکورہ بالا سوال کے جواب میں چاروں اقوال کو کتب فقہ کے حوالہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے تھے کہ کنواں مذکور کا دور چھتیس ہاتھ ہی صحیح و درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مگر اللہ تبارک و تعالے کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کا تقاضا اسی جواب پر اکتفا کر کے آئندہ نسل کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑنا نہ تھا بلکہ تحقیق، تجدید و اجتہاد سے مسائل کو حل کرنا مقصود تھا۔

غور کا مقام ہے کہ چھتیس ہاتھ اور ۳۵٫۴۴۹ ہاتھ میں آدھے ہاتھ سے ہی زیادہ کا فرق ہے۔ کنواں مذکور کے صحیح دور کی دریافت یعنی ۳۵٫۴۴۹ ہاتھ کی دریافت کیلئے امام احمد رضا نے علم الحساب کی کس باریکی کا مصرف لیا ہے اس کا اندازہ ایک ماہر علم ریاضی و ہندسہ ہی لگا سکتا ہے۔

کوئیں کا کراس سیکشن CROSS SECTION عام طور پر دائرہ نما ہوتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں موجودہ رائج فارمولے اس طور پر ہیں۔ دائرہ کا محیط یا دور CIRCUMFRENCE OF A CIRCLE = $2\pi R$ یا πD دائرہ کی مساحت یا رقبہ AREA OF A CIRCLE = πR^2 یا $\frac{\pi D^2}{4}$ یہاں R اور D علی الترتیب دائرہ کے نصف قطر RADIUS اور قطر DIAMETER کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور π ایک مستقل مقدار ہے۔ جس کی قیمت $\frac{22}{7}$ یعنی 3.14285 ہے جو ۳٫۱۴۰۸۴۵ سے زیادہ اور ۳٫۱۴۲۸۵۸ سے کم۔ اب اس قیمت کو اگر قطر سے

ضرب کیا جائے تو حاصل شدہ محیط کی قدر اور امام احمد رضا کے فامولا محیط = ۳.۱۴۱۵۹۲۶۵ ق سے حاصل شدہ قدر محیط میں برائے نام فرق ہوگا
اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ صحیح قدر کونسی ہوگی ۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مروجہ فارمولے سے حاصل شدہ قدر بھی EXACT نہیں کہی جاسکتی کیونکہ π کی EXACT قیمت سے قطر کو ضرب نہیں دیا جاسکتا وجہ اس کی یہ ہے کہ π کا ہمیں LIMITING VALUE معلوم ہے EXACT VALUE نہیں EXACTNESS کی تلاش احمد رضا کو یقینی طور پر تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے مساحت دائرہ کے لئے جو چار فارمولے (۱) مساحت دائرہ = محیط × نصف قطر (۲) مساحت دائرہ = قطر × محیط/۴ (۳) مساحت دائرہ = نصف قطر × محیط/۲ (۴) مساحت دائرہ = قطر × محیط، مرتب کیا ہے ۔ وہ ترکی زبان میں ایک اقلیدس کی کتاب کا عربی ترجمہ (جسے محمد عصمۃ مصری نے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے) سے ماخوذ ہیں۔

امام احمد رضا اس بات سے کما حقہ واقف تھے کہ محیط اور قطر میں ایک خاص رشتہ تناسب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے ۔ قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۳ ثالثے ۵ رابعے ہے یعنی قطر اگر ایک ہے تو محیط ۳۶۰/۱۱۴.۵۹۱۵۵۹۱۵۷ یعنی ۳.۱۴۱۵۹۲۶۵ بہر حال جدول نمبر ۱ میں اسی رشتۂ تناسب کو قائم میں لاکر امام احمد رضا نے قطر محیط اور مساحت کے درمیانی رشتہ کو فارمولا کی شکل دیا ہے جو آج بھی عمدہ کا وش کا پتا دے رہا ہے ۔

مگر امام احمد رضا کی تلاش حق نے یہاں بھی دم نہ لینے دیا ۔ اب آپ نے علم ریاضی کی اعلیٰ نصاب کی طرف توجہ فرمائی اور پھر آپ نے لوگارتھم (جو عربی میں لوغارثم اور انگریزی میں LOGARITHM کہلاتا ہے) کی مدد سے دوسرا جدول تیار کیا جو دائرہ کے قطر، محیط و مساحت کے درمیانی رشتہ کو بتانے کے لئے اپنی مثال آپ اور آئندہ نسل کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے ۔

ہندوستان میں مروجہ موجودہ نصاب کے تحت LOGARITHM کی پڑھائی کا آغاز عام طور پر یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ کے درس سے شروع ہوتا ہے لہٰذا اس جدول کا انگریزی ترجمہ بے کا نہ ہوگا ۔

KNOWN QUANTITY	UNKNOWN QUANTITY		
	LOG D	LOG C	LOG A
LOG D	-	LOG D + 0.4971499	2 LOG D + $\bar{1}$.8950899
LOG C	LOG C + $\bar{1}$.5028501	-	2 LOG C + 2.9007901
LOG A	(LOG A + 0.1049101)/2	(LOG A + 1.0992099)/2	

HERE D = DIAMETER OF THE CIRCLE
C = CIRCUMFERENCE OF THE CIRCLE
A = AREA OF THE CIRCLE

اِس LOGARITHMIC سے ACCURACY کہاں تک آتی ہے اس کا اندازہ بھی آپ دائرہ کے اِسی معیاری سطح سے کیجئے جو پانی کی اوپری سطح کے لئے اس واسطے ضروری ہے کہ اس کا پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو یعنی ۱۰۰ ہاتھ (آپ سوچتے ہوں کہ رقبہ کی اکائی میں مربع کا استعمال ضروری ہے تو اِس کے لئے امام احمد رضا نے جدول کے آغاز کے پہلے ہی صفائی پیش کر دی ہے۔ بہر حال جدول میں مطلوب و معلوم اپنی اپنی اکائیوں اور وسعتوں (UNITS AND DIMENSIONS) میں تصور کی جائیں۔ یہاں فارمولے کی جانچ صرف قدر MAGNITUDE پر کرنی ہے۔

$$\text{LOG } C = \frac{\text{LOG } A + 1.0992099}{2}$$

$$= \frac{\text{LOG } 100 + 1.0992099}{2}$$

$$= \frac{2.0 + 1.0992099}{2}$$

$$= \frac{3.0992099}{2}$$

$$\text{OR} \quad \text{LOG } C = 1.5496049$$

$$\text{BUT } 1.5496049 = \text{LOG } 35.449$$

$$\text{LOG } C = \text{LOG } 35.449$$

$$\text{HENCE } C = 35.449$$

یعنی دائرہ کا محیط یا دور ۳۵٫۴۴۹ آتا ہے اور اسی طرح قدر کی مقدار حاصل کرنے پر ۱۱٫۲۸۴ آتی ہے۔

امام احمد رضا کے غور و فکر کو ملاحظہ فرمائیے کہ امام احمد رضا سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ علم ریاضی و ہندسہ کی ضروری چیز لازمی و کافی شرائط (NECESSARY AND SUFFICIENT CONDITIONS) کا پورا ہونا ہے چنانچہ آپ حاصل شدہ قطر اور محیط کی مقدار کو ضرب دے کر تحریکی اقلیدسی کتاب کے فارمولا (۴) پر جانچتے ہیں کہ حاصل شدہ مساحت ۱۰۰ آتی ہے یا نہیں۔

مساحت = قطر × محیط / ۴ = ۱۱٫۲۸۴ × ۳۵٫۴۴۹ / ۴ = ۴۰۰٫۰۰۶۵۱۶ / ۴ = ۱۰۰٫۰۰۱۶ یہ تعداد ۱۰۰ کے بہت ہی قریب ہے۔ لہذا مذکورہ دریافت قطر اور محیط کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

اب بعض قارئین نے سوچا ہوگا کہ کیا ضروری ہے کہ کنواں دائرہ نما ہی ہو۔ یہ مثلث نما، مربع نما، مستطیل نما وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں یہ کہہ دوں کہ امام احمد رضا نے پہلے ہی ان شکلوں کے کنووں کو نظر انداز نہ کیا ہو مگر اسی مسئلہ کے جواب میں آگے مختلف شکلوں کی مساحت اِن کی دوران کے ضلع وغیرہ کی بابت بالتشریح اور مستحکم و مدلل وضاحت کی ہے۔

اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام احمد رضا کا مقام علم ریاضی و ہندسہ میں کتنا بلند ہے۔ اسی طرح مذکورہ کتاب کے باب تیمم میں آپ نے جنس ارضی اور آگ کا تذکرہ اور ایک سو اکیاسی چیزوں کے نام جن پر تیمم کیا جا سکتا ہے اور پھر ایک سو تیس چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ مدلل تذکرہ کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں کہ آیا حضرت علوم دینی و دنیوی کے مخزن ہیں یا کہ منبع و سرچشمہ۔ اسی کو لیجئے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے تیمم جائز ہے جو جنس ارض ہو اور وہ چیز جنس سے مطلوب ہو اور ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک غیر جنس ارضی سے تیمم جائز نہیں ہے چاہے غبر سے زمین معلوم ہو۔ ذرا اِس لئے اعلیٰ حضرت نے جنس ارضی کی تجدید و تقدیر

کا تفصیلی بیان شروع کیا ہے اور اس کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے۔ مقام اول تجدید جنس ارض کے لئے مخصوص فرمایا ہے اس کے تحت پانچ الفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) احتراق (۲) ترمّد (۳) لین (۴) ذوبان (۵) انطباع۔ پھر ان الفاظ خمسہ کے معنی اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ اہل علم کی نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا میں بھی امام احمد رضا کو کیسا کمال اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس کی دلیل کو فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ سے نقل کرنا تطویل کا باعث ہے اس لئے عبارتوں کے نقول کو ترک کرتا ہوں اور صاحبِ علم و فکر حضرات سے گذارش کروں گا کہ وہ مذکورہ کتاب کو صفحہ ۶۶۸ سے آخر تک مطالعہ فرمائیں بلکہ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس مبحث کو پورے طور پر مطالعہ کیا جاتا جس کا نام "حسن التعمّم لبیان حد التیمم" ہے

اس ضمن میں علم کیمیا سے تعلق رکھنے والے حضرات سے میرا یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ SRNELTING ROASTING COMBUSTION نیز METALHIRGY وغیرہ کے سلسلہ میں احتراق اور اس سے متعلقہ مذکورہ بالا الفاظ کی تفصیل بے حد معاون ہے صرف معاون ہی نہیں بلکہ اس سے نئی راہیں کھلیں گی جو COMBUSTION کے متعلق مزید معلومات فراہم کریگی جیسے میرے خیال سے آگ اور آگ کا مادے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں آپ یہاں اس باب میں یہاں یکجا پائیں گے اسے آپ اگر نایاب نہ کہیں تو نہ کہیں کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے اور اس قسم کے نسخہ کیمیا کو اگر BASIS بنا کر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علم کیمیا فقط ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گی۔ ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے وہ یہ کہ کان کی ہر چیز گندھک اور پارے کے نکاح کی اولاد ہے۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔ یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لئے دعوت فکر ہے یوں تو عناصر یا مادوں کے مابین جو کیمیاوی عمل ہوتا ہے۔ اس میں LAW OF AFFINITY اور LAW OF MASSPACTION کو کافی دخل ہے۔

اوّل الذکر کے تحت ایک عنصر دوسرے عنصر کے لئے چاہ لگن اور کشش رکھتا ہے جس کے تحت دونوں قریب آتے ہیں پھر دونوں کے جوہروں (ATOMS) کے بیچ ELECTRON کا لین دین ہوتا ہے جب جا کر ایک مرکب (نئی شئے) کی تشکیل ہوتی ہے عام طور پر ELECTRON دینے والا DONAR ATOM اور لینے والا ACCEPTOR کہلاتا ہے۔ نر مادہ میں بھی عرف عام میں نر کو DONAR اور مادہ کو ACCEPTOR کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا نر مادہ اور نکاح یا اتصال کی بابت تو موجودہ نظریے اور اعلیٰ حضرت کے بیان میں کافی ہم آہنگی نظر آتی ہے مگر ایک شئے غور و فکر کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ کان سے نکلنے والی اشیا تو بے شمار ہیں جیسے لوہا، سونا، چاندی، تانبا، ابرک، جست، کوئلہ وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ سبھی چیزیں گندھک اور پارے کی اصل سے تعلق رکھتی ہیں۔؟

ممکن ہے آج کے ماہر علم کیمیا اسے واہیات سمجھیں مگر وہ یہ نہ بھولیں کہ آج کے FATHER OF MODERN SCIENCE یعنی EINSTIEN کی THEORY کو بھی ان کے ہم عصر واہیات تصور کرتے تھے۔

سطحی مطالعہ والے کیمیاگر فوراً ہی کہہ سکتے ہیں کہ پھر آج گندھک اور پارے کے باہمی ازدواجی اختلاط یا باہمی اتصال سے نت نئے معدنی عناصر یا مرکب کو ظہور پذیر کیوں نہیں کرتے تو اس کے لئے میرا اتنا کہنا کافی ہوگا کہ نر مادہ کے باہمی اختلاط سے جو اسی جیسی جنس ظہور پذیر ہوتی ہے اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نہ تو ہر جوڑے ہی ہم جنس کی پیداوار کے لائق ہوتے ہیں اور نہ ایک جوڑا اپنی تمام عمر تک اس صلاحیت کو برقرار رکھتا ہے۔ اب کیمیاوی عمل کے سبب بنتی نئی شئے کے موجودہ نظریئے کی طرف آیئے۔ کیا دو مادے یا عناصر ہر حال میں ایک ہی مرکب کی تشکیل کرتے ہیں؟ نہیں۔ بالکل نہیں قطعی نہیں۔ ہر کیمیاوی عمل کے لئے کچھ نہ کچھ لازمی شرائط NECESSARY CONDITIONS ہوا کرتے ہیں۔ کوئی کیمیائی عمل تیزابی واسطہ ACIDIC MEDUIM میں ہوتا ہے تو کوئی کھاری واسطہ BASIC MEDIUM میں۔ کوئی آبی واسطہ تلاش کرتا ہے تو کوئی خشک واسطہ۔ کہیں CATALYST کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں PROMOTOR کی۔ کہیں ENZYMES کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو کہیں اونچے دباؤ یا اونچے درجہ حرارت کی۔ کہیں نمی اور ہوا درکار ہوتی ہے تو کہیں خشکی اور خلاء اگر ان شرائط کی تکمیل نہ ہو تو مادہ کیمیاوی عمل میں حصہ لے

ہی نہیں سکتے۔ تو کیا بعید ہے کہ گندھک اور پارے ہی نے تمام معدنیات کو اس اُس وقت ظہور پذیر کیا ہو جب جب اس کے لئے معقول ماحول SUITABLE ENVIRONMENT دستیاب رہا ہو۔ مثلاً دباؤ۔ درجۂ حرارت اور جگہ جہاں عمل ہو۔

اب اگر کوئی علم کیمیا کا ماہر اظہار نفی کرتا ہے تو وہی کیا میں دنیا کے عظیم ماہر کیمیا سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت زمین صرف سیال کا گولہ تھی اور اس میں ENERGY کے ماسوا کچھ نہ تھا تو سب سے پہلا مادہ MATTER جو وجود میں آیا وہ کون سا تھا؟ آج تو آئنسٹائن نے ایک مرحلہ بھی طے کر دیا ہے کہ ENERGY یعنی توانائی اور MATTER یعنی مادے آپس میں منبدل ہیں اور اس کے لئے اس نے جو مساوات ہمارے سامنے پیش کیا ہے E = MC 2 جہاں E توانائی، M مقدار مادہ اور C روشنی کی رفتار کو واضح کرتا ہے اس سے ہم پر عیاں ہو گیا ہے کہ آگ کے گولے کو زمین کی موجودہ شکل کیونکر حاصل ہوئی۔ مگر مجھے یہ کوئی بتا دے کہ مادہ جو ظہور پذیر ہوا وہ کون سا تھا؟ کیا وہ اب بھی موجود ہے اور کیا اس کی سابق خاصیت بدستور ہے؟ ہمارے قارئین یقین کریں کہ آج کی دنیا کا عظیم ترین سائنس داں بھی اس سوال کے جواب میں بغلیں جھانکتا نظر آئے گا۔

پھر کیمیا سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے ذہن میں دوسری بات یہ پیدا ہو سکتی ہے کہ دو عناصر کے باہمی عمل سے عنصر کی تشکیل نہیں ہو سکتی مرکب ہی بن سکتا ہے تو اس کے لئے یہی کافی ہو گا کہ آج جب یورینیم URANIUM اور اسی جیسے زیادہ ATOMIC NUMBER والے عناصر کے BOMBARDMENT سے جب عنصر سے عنصر ظہور پذیر ہو سکتا ہے تو دو عناصر آپنے ایک نئے عنصر کی ظہور پذیری بعید از قیاس نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی عنصر سے عنصر نکلا ہو اور دوسرے نے "درجۂ عمل" کا کام کیا ہو۔

مزید برآں جب سارے عناصر کا جزو آخر ایک ہی ہے یعنی ہر عنصر میں صرف ELECTRON، PROTON اور NUTRON ہی ہیں اور انھیں جزو عنصر کی تعداد کا فرق عناصر کے طبعی اور کیمیاوی خاصیتوں کے فرق کا سبب بنتا ہے اور عناصر سے ELECTRON کی تعداد، توانائی کے ذریعہ گھٹائی یا بڑھائی جا سکتی ہے تو پھر عنصر سے دوسرے عنصر کی تشکیل پھر دوسرے سے تیسرے کی .... بعید از فہم و فراست نہیں۔

اب میں قارئین کی توجہ امام احمد رضا کی فلکیاتی صلاحیت کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم صفحہ ۶۱۹ کے بابت عرض کر رہا ہوں کہ ایک صاحبِ دین نے جب دریافت کیا کہ رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصہ کے باقی رہنے پر کھانا پینا چاہیے کہ نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ ترک کر دینا چاہیے تو اس کے جواب میں امام احمد رضا نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ نہ صرف آپ کی مذہبی معلومات کے گنج گراں مایہ کی عکاسی کرتا ہے بلکہ تلاشِ حق کے لئے آپ کی جو کاوشیں آپ کے جو عزائم تھے اس کے لئے بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

جواب میں اعلےٰ حضرت اپنے تجرباتی مشاہدوں اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ مذکورہ عام طریقہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں یہاں تک کہ صرف دسواں حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے۔

یہ فتویٰ کا اقتباس ہے۔ اب قارئین غور فرمائیں۔ سائل چونکہ شہر کہنہ بریلی کے رہنے والے تھے لہٰذا امام احمد رضا نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لئے ردکس اور برج کا ایک ایسا نقشہ ہی مرتب کر دیا جو تا ابدان مضافات کے لئے رات اور صبح کی نسبت کی نشان دہی کرتا رہے گا اور اس کا جھنجھٹ ہی نہ رہے گا کہ انتہائے وقت سحری کیا ہو گی۔ یہاں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب سے اسی پر انطباق مرکز جانب مشرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارۂ آخرین شمس جانب غروب سے اسی افق سے ارتفاع کنارہ اولیں شمس جانب مشرق تک شب عرفی ہے۔ اس کی تحصیل میں دونوں جانب

کے وقت افق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور بے تجاوز کنارہ آفریں قمس سے طلوع فجر صادق تک شب شرعی ہے۔
نقشہ مذکور درج ذیل ہے

تاریخ شمسی	راس برج	نصف شب نجومی (گھنٹہ منٹ)	مقدار شب عرفی (گھنٹہ منٹ)	مقدار صبح (گھنٹہ منٹ)	مقدار شب شرعی (گھنٹہ منٹ)	شب عرفی کے منٹ	صبح کے منٹ	شب عرفی و صبح کی نسبت	تخمینی نسبت
۲۰/مارچ	حمل	۱۲ ۔	۱۱ — ۴۵	۱ — ۲۰	۱۰ — ۴۳	۷۱۴	۸۰	[illegible]	نواں حصہ
۲۲/اپریل	ثور	۱۱ ۱۰	۱۱ — ۵۴	۱ — ۴۴	۹ — ۴۰	۶۶۴	۸۴	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۲۲/مئی	جوزا	۱۰ ۲۸	۱۰ — ۲۲	۱ — ۳۱	۸ — ۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲/جون	سرطان	۱۰ ۱۲	۱۰ — ۶	۱ — ۳۶	۸ — ۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۲۲/جولائی	اسد	۱۰ ۲۸	۱۰ — ۲۲	۱ — ۳۱	۸ — ۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲/اگست	سنبلہ	۱۱ ۱۰	۱۱ — ۵۲	۱ — ۲۳	۹ — ۳۹	۶۶۲	۸۳	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۲۲/ستمبر	میزان	۱۲ ۔	۱۱ — ۵۱	۱ — ۱۹	۱۰ — ۳۲	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۲۲/اکتوبر	عقرب	۱۲ ۵۰	۱۲ — ۴۲	۱ — ۱۹	۱۱ — ۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصہ سے قدرے کم
۲۲/نومبر	قوس	۱۳ ۳۲	۱۳ — ۲۲	۱ — ۲۲	۱۲ —	۸۰۲	۸۲	۸۲/۸۰۲	دسواں حصہ
۲۲/دسمبر	جدی	۱۳ ۴۸	۱۳ — ۴۰	۱ — ۲۵	۱۲ — ۱۵	۸۰۲	۸۵	[illegible]	دسواں حصہ
۲۲/جنوری	دلو	۱۳ ۳۲	۱۳ — ۲۲	۱ — ۳۲	۱۲ — -	۸۰۲	۸۲	۸۲/۸۰۲	دسواں حصہ
۲۱/فروری	حوت	۱۲ ۵۰	۱۲ — ۴۲	۱ — ۱۹	۱۱ — ۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصہ قدرے کم

علم نجوم یا علم توقیت سے تعلق رکھنے والے قارئین ہی اب بتائیں کہ شہر مذکور کے لئے اتنا واضح چارٹ مرتب کرنیوالے شخص کو ہم ماہر علم نجوم یا علم توقیت کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

دوسرے مسئلہ سحری و صبح صادق و صبح کاذب کے متعلق صبح کاذب اور صبح صادق کا جو واضح نقشہ آپ نے پیش کیا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے صرف کتابی باتوں پر اعتماد کیا نہ خالی دلائل ہندسیہ پر نہ تنہا تجربہ و ذاتی مشاہدہ پر بلکہ سب کو جمع کیا اور پھر خداداد ذہنی جدتوں سے کام لیا۔ ایک چونکا دینے والی جدت ملاحظہ کریں۔

اولاً: صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر یعنی پھیلی ہوئی فرمایا ہے۔

ثانیاً: بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے یعقبہ ظلمۃ خالا فق بیکذب یعنی کاذب کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے۔

ثالثاً: بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے تو اس وقت صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب ۱۸ درجے کے انحطاط پر۔

رابعاً: سپیدی زمین کے کنارے یعنی افق سے نہیں اٹھتی بلکہ کچھ اونچائی سے اٹھتی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ افق میں بخارات کا تہ دائم اور خطوط نظر کا صد ہا میل بخار وغیرہ کثافت کو طے کر کے افق تک جانا دھوپ کو نیلا کر کے دکھاتا ہے اور

سے سُرخی معلوم ہوتی ہے۔

خامساً: بعض کتب میں واقع ہے کہ ساتواں حصہ ہے اب اس کی تفصیل اعلیٰحضرت یہ بیان کرتے ہیں کہ صبح رات کا کون سا حصہ ہوگا یہ عرض بلد پر منحصر ہے۔

لیکن عام جگہوں کے لئے مندرجہ ذیل مشاہدہ ہے۔ جو نقشہ کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) افق سے کئی نیزے بلندی پر جانب مشرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح میں کرہ بخار پر رات کی تاریکی میں ایک خفیف سپیدی کا دھبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو صبح کاذب کی بنیاد ہے۔

پھر شکل یوں ہوتی ہے ‏ ‏ ‏ پھر یوں ہوتی ہے ‏ ‏ ‏ پھر یوں



اس کے بعد ہی دونوں پہلو سپید ہو جاتے ہیں اور شمالاً و جنوباً اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے۔ بعض نے اس وقت کو صبح قرار دیا ہے اور یہی احوط ہے اور بعض نے اسے بھی کاذب میں رکھا ہے اور یہی اوسع ہے۔



پھر آناً فاناً جنوباً اور شمالاً پہلوؤں کی سپیدی پھیلنا شروع کرتی ہے اور خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔ یہ یقینی اجماع صبح صادق ہے یہاں سپیدی والا عمود ہنوز باقی ہے۔ مگر یہ سچی سپیدی جیسے جیسے جنوب و شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے اور وہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر نقشہ ۷، ۸، ۹ سے ظاہر ہے۔ اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی ہے اور صحن و بام کو روشن کر دیتی ہے۔ یہ وقت اسفار کا ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس سے پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلاف مستحب اسی طرح رویت ہلال کے سلسلے میں آپ نے LOGRITHMIE CALCULATION سے زمین کے ایک درجہ کی قدر ۶۹.۰۵۴ میل نکالا اور پھر طویل تشریح کے بعد مسئلہ رویت ہلال کو بالکل صاف اور واضح کر دیا۔



امام احمد رضا کے یہاں ایک نادر چیز جو ملتی ہے وہ ہے وضاحت مسئلہ خواہ کسی موضوع کا ہو۔ روحانی ہو۔ مادیاتی ہو، نفسیاتی ہو۔ علمی ہو یا مذہبی ہر جگہ مکمل وضاحت نظر آتی ہے اور تحریر میں وضاحت جب آتی ہے کہ تحریر کرنے والے کو موضوع بحث پر عبور حاصل ہو۔ چونکہ یہاں انواع اقسام کے موضوعات ہیں اور ان پر مدلل اور مکمل بحث ہے اس سے مجھے تو کم از کم یہی اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی صلاحیت کسبی نہیں بلکہ الہامی و وہبی تھی کیونکہ کسب کے ذریعہ اتنے علوم پر عبور حاصل کر لینا عام ذہن کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ انتہائی ذہین رسا کے بھی بس سے باہر ہی ہے۔ اس لئے اس تبحر کو وہبی، حدسی اور فراست ایمانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے بہر کیف اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو جس طرح بھی نوازا ہو، ہمارے ہی نہیں بلکہ پوری انسانی عالمی برادری کے لئے آپ کی شخصیت اور علمی استعداد قابل فخر رہے گی۔

آپ کی تصانیف جہاں غیروں کی حق طلبی کے لئے دعوت غور و فکر ہیں وہاں ہم جیسے کم کوشوں کے لئے منہ زوردار طمانچے بھی ہیں جنھوں نے اسلام جیسے واضح، ٹھوس اور سلجھے ہوئے مذہب میں غیروں کے دام اطماع کے زیر اثر پیچیدگیاں پھیلانا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام حنفی المذہب کے کٹر مخالف بھی جب آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو انگشت بہ دنداں رہ جاتے ہیں کہ اب دین محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء) پر کس رخ سے حملہ کیا جائے۔ حالانکہ ان پر روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہے کہ دین محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء) سارے مذاہب عالم کے لئے اپنی مستحکمی اور پائیداری کی بنا پر چیلنج کا دعویٰ رکھتا ہے۔ یہ دین کسی بھی لچک کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی

محترم شبیر حسن ضلع بستی یوپی کے متوطن ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عزیز العلوم نان پارہ میں صدر مدرسی کے لئے تشریف لے گئے تقریباً دس سال سے وہیں درس و تدریس میں مشغول ہیں پیش نظر مضمون ان کی صلاحیت کا آئینہ دار ہے ہم شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ ادارہ

یوں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں دنیائے سنیت کا گوشہ گوشہ ان کے علم و عرفان سے روشن و منور ہے مجھے منطقی و فلسفی حیثیت سے فاضل موصوف علیہ الرحمہ کا اجمالی تعارف کرانا ہے ویسے میری بساط ہی کیا کہ حضور مجدد مائۃ حاضرہ کا تعارف کراؤں اس لئے کہ تعارف و تعریف فرع ہے معرفت کی، تو جب یہ نہ معلوم ہو جائے کہ فاضل موصوف کا منطق و فلسفہ میں کیا مقام ہے تو کما حقہ، تعارف کیسے کوئی کرا سکتا ہے۔ پھر میری ہی بات نہیں بڑے بڑوں نے مجدد مائۃ حاضرہ کے جلالت علمی کا لوہا تسلیم کیا ہے اور بربے ساختہ کہہ پڑے ہیں کہ سچ فرمایا فاضل بریلوی نے ؎ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

انہیں جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے وہ اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ تصوف کی حیثیت سے ان کی ذات گرامی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو گروہ صوفیا کے امام نظر آتے ہیں، مفسر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو تفسیر میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ حدیث دان کی حیثیت سے نظر ڈالئے محدث اعظم نظر آتے ہیں۔ فقہی حیثیت سے دیکھئے تو اپنے زمانہ کے امام اعظم نظر آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علما نے فرمایا کہ اگر اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی المولیٰ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ اطہر میں ہوتے تو ان کے صاحبان کرام میں ہوتے۔ نحوی و صرفی حیثیت سے حضرت موصوف گرامی کو دیکھا جائے تو امام النحو والصرف نظر آ رہے ہیں کہ سیبویہ بھی فاضل موصوف کے عہد مبارک میں ہوتا تو موصوف گرامی کی شاگردی کا شرف حاصل کرتا۔ شعر و شاعری کی حیثیت سے دیکھئے تو نعت گوئی میں حسان الوقت نظر آ رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے صوفیہ و مناطقہ و فلاسفہ آپ کے اشعار نعت کے مطالب سمجھنے سے قاصر ہیں نیز خوبی یہ کہ سارے علوم آپ کی شاعری میں مضمر ہیں۔ علم ریاضی کی حیثیت سے فاضل موصوف کی ذات گرامی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اقلیدس بھی محو حیرت بن جائے۔ اور ریاضی کے بہت سے اصول موضوعہ کو باطل فرما دیا۔ اور بہت سے علوم ایسے ہیں جنہیں فاضل موصوف نے سرے سے جنم دیا۔ اور ان علوم میں مرتبۂ ایجاد پر فائز تھے۔

کیوں نہ ہو ایسا جب کہ علامہ زمن قطب وقت حضرت والد گرامی مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا تھا تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو۔ ان علوم کو خود بخود حاصل کرلوگے مولا تعالےٰ عزوجل اپنے مقبول محبوب بندوں کے ارشاد میں یہ کیسی رکھتا ہے منطقی و فلسفی حیثیت سے فاضل موصوف کو دیکھا جائے تو امام المنطق والفلسفہ نظر آ رہے ہیں کہ ارسطاطالیس و بو علی ابن سینا وغیرہما مناطقہ آپ کے حلقہ درس میں آکر منطق و فلسفہ کا درس سیکھیں غرضیکہ حضرت موصوف گرامی کو جس حیثیت و جہت سے بھی دیکھا جائے وہ اس حیثیت سے امام ہی نظر آ رہے ہیں۔ اسی لئے تو تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے

ہیں سہ "ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں"

سچ فرمایا فرمانے والوں نے کلام الامام امام الکلام منطق و فلسفہ میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ منطق و فلسفہ ہی سے مناطقہ و فلاسفہ کے اکثر اصول مخترعہ و اصطلاحِ مزخرفہ کو باطل فرما دیا۔ مناطقہ نے علم کی تعریف کی ہے۔ الصورۃ الحاصلۃ من الشیٔ عند العقل۔ اس تعریف کو فاضل موصوف نے رد فرما دیا۔ اور فرمایا کہ ان سفہاء نے اصل و فرع میں فرق نہ کیا۔ اگر علم نہ ہو تو حصولِ صورت کیوں کر ہو مطلب یہ ہوا کہ علم سے حصول معلوم ہوتا ہے نہ کہ حصول صورت سے علم۔ اور جب مقسم باطل ہے تو اس جہت سے علم کا انقسام بھی تصور و تصدیق کی طرف باطل ہو گیا۔ نیز مناطقہ جہلاء فن منطق میں معرف و حجت سے بحث کرتے ہیں چونکہ ان کے ہاں معرف و حجت منطق کا موضوع ہے اور معرف کی چار قسمیں بتاتے ہیں۔ ۱۔ حد تام ۲۔ حد ناقص ۳۔ رسم تام ۴۔ رسم ناقص قطع نظر ان اعتراضات سے کہ حد تام وغیرہ کی تعریفیں دوری ہیں۔ ذاتیات و عرضیات کی تمیز بہت مشکل ہے تحصیل حاصل لازم آتا ہے۔ اور آج تک مناطقہ حد تام کی مثال حیوان ناطق کے سوا کوئی دوسری مثال نہ پیش کر سکے بلکہ گھڑ نہ سکے اور انسان کی یوں تعریف کی هُوَ حَیَوانٌ نَاطِقٌ تو انسان کی تعریف ملائکہ پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ حیوان جنس قریب اور ناطق فصل قریب ہی ہو سکتا ہے کہ اس سے قریب تر کوئی دوسری جنس ہو وغیرہا اعتراض کو نظر انداز فرماتے ہوئے فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ ان سفہاء نے جو انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی وہ بھی غلط کی انسان پر حیوان ناطق کسی طرح صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ حیوان کی تعریف جسم نامی حساس متحرک بالارادہ سے کی اور ناطق کے معنی گھڑے مدرک کلیات و جزئیات و مستنبطِ نتائج جو اصلاً زبان عرب کے مساعد نہیں۔ ان مناطقہ سفہاء نے تو آوازوں پر حدود کا مدار رکھا گھوڑا حیوان صاہل، گدھا حیوان ناہق انسان حیوان ناطق کلام کرنے والا پھر مزید دوسرے معنی گھڑے مدرک کلیات و جزئیات۔ خیر یوں ہی سہی اب سوال یہ ہے کہ انسان نام بدن کا ہے یا نفس ناطقہ کا۔ اگر انسان بدن کو کہا جائے تو بدن میں قوت ادراک نہیں۔ اس لئے کہ ادراک و استنباط نتائج کار نفس ہے نہ کارِ بدن۔ اور اگر انسان نفس ناطقہ کو کہا جائے تو نفس حیوان نہیں اس لئے کہ نفس ناطقہ جسم نہیں اور نامی بھی نہیں بلکہ ان کے یہاں متحرک بھی نہیں ہے اور اگر دونوں کے مجموعہ کو انسان کہا جائے تو بقول مناطقہ نتیجہ اردن کے تابع ہوتا ہے حیوان ولا حیوان کا مجموعہ لا حیوان ہوگا اور ناطق و لا ناطق کا مجموعہ لا ناطق ہوگا۔ غرضیکہ انسان کی تعریف انسان پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ اس تعریف کو غلط ثابت کرنے کے بعد حضرت موصوف گرامی فرماتے ہیں کہ انسان نام روح متعلق بالبدن کا ہے اور روح کی معرفت بغیر معرفت رب حاصل ہو نہیں سکتی۔ اسی لئے اولیاء کرام فرماتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا یعنی معرفت نفس اسی وقت حاصل ہوگی جب پہلے معرفت رب ہو لے بعض جہلاء زندقہ اسے اس پر حمل کرتے ہیں کہ نفس ہی رب ہے اور یہ کفر خالص ہے قل الروح من امر ربی نہ کہ معاذ اللہ ربی اور جو اپنی حقیقت سے جاہل ہو اور وہ دوسرے کی حقیقت کیا بتا سکتا ہے جو اپنے آپ کو نہ جان سکے دوسرے کو کیا جان سکتا ہے سہ

تنت نزندہ بجاں جان نہانی تو از جہاں زندۂ و جہاں راندانی

(۵) علم کی تعریف موصوف گرامی نے اس طرح کی ہے کہ علم وہ نور ہے کہ جو شئے اس کے دائرہ میں آگئی منکشف ہو گئی۔ اور جس سے متعلق ہو گیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہو گئی۔ جب فلاسفہ و مناطقہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے علم الٰہی کو کیا جانیں گے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ذہن و صورت دار تسام و نور عرضی سب سے پاک و منزہ ہے اس کا علم حضور معلوم کا محتاج نہیں اس کا علم حضوری و حصولی سے دونوں سے پاک و منزہ ہے۔ اس کا علم اس کی صفات قدیمہ قائمہ بالذات و لازمۂ نفس ذات ہے اور کم و کیف سے منزہ ہے۔ وہاں چون و چرا و چگوں کا دخل نہیں تو مناطقہ کا علم حق سبحانہٗ و تعالیٰ میں کلام کرنا کیسا جہل تام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہوا تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ فتہلکوا۔ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو ورنہ گمراہ و ہلاک ہو جاؤ گے علم باری میں فکر کرنا اس کی ذات میں فکر کرنا ہے۔ اس لئے کہ اس کی صفات کو ذات سے کسی موطن میں بھی جدائی ممکن نہیں۔ فاضل موصوف

مناطقہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حیوانات بھی ناطق ہیں بلکہ ہر شے ناطق ہے شجر و حجر در و دیوار سب ناطق ہیں نفس ہے۔

انطقنا اللہ الذی انطق کل شیئ

> موصوف گرامی کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا منطق کی مشہور کتاب ملا جلال میر زاہد کا حاشیہ عربی میں تحریر فرمایا حاشیہ شمس بازغہ عربی میں تحریر فرمایا اصول طبعی کا حاشیہ اردو میں لکھا اور بہت سی کتابوں کے حواشی و شروح موصوف گرامی نے لکھے ہیں۔ کل آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے بھی زائد ہیں جیسا کہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا ہے۔ تقریباً پچاس علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آپ کے حواشی و شروح اوروں کے حواشی و شروح کی طرح نہیں کہ متون و شروح سے ماخوذ ہیں بلکہ خود آپ کے افادات و افاضات ہیں اور جودتِ طبع کے جوہر بے بہا ہیں۔

اور جہلاء فلاسفہ اپنے آپ کو فلسفی کہلانے والے حالانکہ فلسفہ جس کا نام ہے۔ ان سفہاء کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ اگر یہ موصوف گرامی کے دور مبارک میں ہوتے تو موصوف گرامی سے منطق و فلسفہ سیکھتے فلاسفہ نے اپنے مزعومات باطلہ پر ایسے کمزور دلائل پیش کئے ہیں جو ہر ذی فہم پر روشن ہے کہ فلسفہ جدیدہ کو اصلاً عقل سے ربط و تعلق نہیں۔ موصوف گرامی نے فلسفہ جدیدہ زمین کے رد میں "فوز مبین در رد حرکت زمین" نامی کتاب مستطاب تحریر فرمائی جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکت زمین باطل کی اور ساری مزعوماتِ فلسفہ جدیدہ کو غلط ثابت فرمادیا اور وہ روشن رد فرمائے کہ جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا کہ یقیناً فلسفہ کو عقل سے مس نہیں اور فلسفہ قدیمہ کے وہ دلائل جو حرکت زمین کے رد میں تھے۔ ان دلائل کا بھی ابطال فرمایا اور فرمادیا کہ فلسفہ جدیدہ کی طرح فلسفہ قدیمہ بھی بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ فلسفہ قدیمہ کے رد میں الکلمۃ الملہمہ نامی کتاب مستطاب تصنیف فرمائی جس میں فلسفۂ قدیم کے بھی ایک ایک مزعومات باطلہ کا ابطال فرمایا۔ فلسفۂ قدیم کا پہلا مسئلہ جزو لایتجزیٰ کا ابطال ہے اور جزو لایتجزیٰ پر فلاسفہ کے اکثر مزعومات مبنی ہیں۔ جزو لایتجزیٰ کے ابطال سے فلاسفہ کی منشاء یہ ہے کہ جسم کی ہیولیٰ و صورت سے ترکیب ثابت کریں اور پھر اسی سے عالم کی قدامت ثابت کریں۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ذات و صفات باری تعالیٰ کے سوا کوئی شئے قدیم نہیں۔ قدامت ذات باری تعالیٰ کو زیبا ہے کائنات عالم کا ایک ایک فرد حادث مخرج من العدم ہے جزو لایتجزیٰ فاضل موصوف کے نزدیک باطل نہیں موصوف گرامی الکلمۃ الملہمہ کے اکتیسویں مقام کے موقف اول میں فرماتے ہیں "ہمارے نزدیک جزو لایتجزیٰ باطل نہیں" موصوف گرامی نے فلاسفہ کے دلائل ابطال کا ابطال فرمایا اور جزو لایتجزیٰ کا امکان بلکہ اثبات فرمایا۔ متکلمین نے جزو لایتجزیٰ کے امکان پر جو دلائل قائم کئے ہیں اسکے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تام نہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو شرح مقاصد کے اندر قوی بنایا جزو لایتجزیٰ کا اثبات قرآن مقدس سے فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومزقناھم کل ممزق تمزیق پارہ پارہ کرنا۔ ہم نے ان کی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی۔ سب بالفعل کردیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں تمزیق موجود مراد نہیں ہوسکتی کہ تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ لاجرم تمزیق ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا امکان تھا سب بالفعل کردیا تو ضروری تجزیہ ان اجزا پر منتہی ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں ورنہ کل ممزق نہ ہوتا کہ ابھی تمزیقیں باقی تھیں اور وہ اجزاء جنکا تجزیہ ناممکن ہو وہ نہیں مگر اجزاء لایتجزیٰ تو اس تقدیر پر حاصل یہ ہوا کہ اجسام کے تمام انفصالات حسیہ کے ہر حصے اور ہر ہر حصے کے حصے باطل فرماکر ان کے اجزاء لایتجزیٰ دور دور بکھیر دیئے کہ اب کسی جزء کو دوسرے جزء سے انفصال حسی بھی نہ رہا۔ موصوف گرامی قرآن کریم سے استدلال کے بعد فلاسفہ کے دلائل کا ابطال فرماتے ہیں اور یہ ثابت فرمادیا کہ جزو لایتجزیٰ باطل نہیں اور فلاسفہ کی ساری دلیلیں اتصال جزئین کو باطل کرتی ہیں۔ نفس جزء کا بطلان کسی دلیل سے بھی نہیں ہوتا۔ فلاسفہ ترجیح بلا مرجح مطلقاً باطل مانتے ہیں۔ موصوف گرامی فرماتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کا بطلان مطلقاً باطل نہیں۔

مصدر اگر صلاقت مصدر رپر ہو یا مبنی الفاعل ہو تو ہرگز محال نہیں ہدایۃً واقع ہے ہاں مبنی للمفعول ہو تو محال اکہ وہی ترجیح بلا مرجح ہے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ عقل انسانی ہیں آدمی اپنے ارادے کو دیکھ رہا ہے کہ دو متساویوں میں بے کسی مرجح کے آپ تخصیص کر لیتا ہے دو جام یکساں ایک صورت ایک نظافت کے دونوں میں ایک سا پانی بھرا ہو اس سے ایک قرب پر رکھے ہوں یہ پینا چاہے اس میں سے جسے چاہے اٹھالے گا۔ ایک مطلوب تک دو راستے بالکل برابر دیکساں ہوں جسے چاہے چلے گا۔ ایک سے دو کپڑے ہوں جسے چاہے گا پہنے گا۔ فلاسفہ کا اصول ہے الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد یعنی جو واحد محض ہو اس سے ایک ہی شئے کا صدور ہو سکتا ہے۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ ایسا ہی واحد ہے لہٰذا اس نے صرف عقل اول کو بنایا "نعوذ باللہ من ہذہ العقائد" فلاسفہ دس عقلیں اور نو افلاک کے قائل ہیں۔ حضرت موصوف گرامی اس قضیہ نا مرضیہ پر بہت سے سوالات قاہرہ قائم فرماتے ہیں کسی ایک کا جواب فلاسفہ سے نہیں بن سکے گا۔ اور آخر میں فرمایا یہ قاعدہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد خود ہی باطل مردود ہے اور محل تنافیین ہے۔ اس لئے مؤثر من حیث ہو مؤثر کا واحد محض ہونا محال! اور تم نے اس کو ایسا ہی فرض کیا کہ صرف عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کر لیا۔ یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد محض نہیں اس لئے ایک ہی شئے صادر ہوگی ایسا واحد مع نقیضین خود ہی محال ہے نہ کہ اس سے کسی شئے کے صدور و عدم صدور کی بحث۔ نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز! تو استثنا کا حکم صریح بھی باطل۔ یہ ہے ماہرین فلاسفہ کا تفلسف کہ ان کے بو علی سینا سے لے کر ملا محمود جونپوری تک اسی قسم کے بطالات کی پیروی کرتے آئے اور اب تک اس کے سوا انہیں کچھ نہ مل سکا۔

حضرت موصوف گرامی کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا منطق کی مشہور کتاب ملا جلال میر زاہد کا حاشیہ عربی میں تحریر فرمایا۔ حاشیہ شمس بازغہ عربی میں تحریر فرمایا۔ اصول طبعی کا حاشیہ اردو میں لکھا۔ اور بہت سی کتابوں کے حواشی و شرح موصوف گرامی نے تحریر فرمائے ہیں۔

کل آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔ جیسا کہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا تقریباً ۵۰ علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آپ کے حواشی و شرح اوروں کے حواشی و شرح کی طرح نہیں کہ متون و شرح سے ماخوذ ہیں۔ بلکہ خود آپ کے افادات و افلقات اور جودت طبع کے جوہر بے بہا ہیں۔ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں۔

تالیفات

○ امام احمد رضا کی تصنیفات

(ادارہ)

○ امام احمد رضا پر کتابیں

ڈاکٹر محمد اسد علیگ (بھارت)

امام احمد رضا کی تصنیفات

میدان تصنیف و تالیف میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کا دوسرے مصنفین و مؤلفین سے موازنہ کرنے پر یہ بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ نہ صرف ان کے دور میں بلکہ ان سے پہلے کے ادوار میں بھی تحقیق و تدقیق، تبحر علمی اور کثرت تصانیف کے لحاظ سے امام موصوف بلاشبہ نادر روزگار بزرگ تھے اور جامعیت علوم میں تو کوئی بھی عالم آپ کا مدمقابل نہ ٹھہرے گا۔

آپ کے محبوب شاگرد اور خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ نے آپ کی ۱۳۲۷ھ تک کی تصانیف کی فہرست کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر شائع کرایا ہے جس کا نام المجمل المعدد لتالیفات المجدد ہے۔ اس کتاب میں آپ نے تین سو پچاس کتابوں کو شمار کرایا ہے۔ جس میں سن تصنیف، زبان، مسودہ، مبیضہ یا مطبوعہ کی کیفیت اور مضامین کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک اندازہ کے مطابق فاضل بریلوی نے ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں حضرت ملک العلماء نے باوجودیکہ اپنی تصنیف میں ساڑھے تین سو کتابوں کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن امام احمد رضا کی تصنیفات کے ایک عظیم ذخیرہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے تیئس جلد تصانیف کا تذکرہ کر ڈالا تھا مگر بعد میں انہیں ۹۶ رسائل و کتب ملے۔ اور انہوں نے تصریح فرمادی کہ یہ فہرست ۱۳۲۷ھ تک کی بھی مکمل نہیں ہے بلکہ اس وقت جن کتابوں کے نام معلوم ہوسکے درج کردیئے گئے وہ خود فرماتے ہیں۔

"میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقراء میں میرے پیش نظر ہیں۔ فضل خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم و جدید بستوں پر نظر کی جائے تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں کہ پہلی بار اوائل صفر میں یہ فقیر اپنے زعم میں تمام تصانیف کی فہرست تمام کرچکا تھا پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتوی کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جن میں بعض مطبوعات تھے کہ باوصف طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پائے۔" (المجمل المعدد لتالیفات المجدد صہ)

علاوہ ازیں امام احمد رضا ۱۳۲۷ھ کے بعد تک بھی ۱۳سال تک باحیات رہے اور آپ کی زندگی کے آخری دور کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ دور آپ کی تصنیف و تالیف کا مصروف ترین دور تھا۔ ہمہ وقت تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ رہتے۔ مصروفیت کا عالم یہ تھا کہ ایک ایک دن میں کئی کئی سو سوالات پیش ہوتے جن کے جوابات پورے اہتمام سے بھجوائے جاتے اور ایک ایک دو دو دن میں پورا رسالہ قلم بند کردیا جاتا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جس کی ابتداء اتنی شاندار تھی۔ اس کی انتہا کا کیا عالم ہوگا۔

آئندہ صفحات میں ہم امام احمد رضا کی تصنیفات کی فہرست دے رہے ہیں جسے ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ نے ترتیب دیا تھا۔

ان میں بہت سی وہ کتابیں جن کے سامنے غیر مطبوعہ لکھا ہے وہ زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں مگر انہیں ہم نے بجنسہ رہنے دیا ہے ہاں ترتیب میں تغیر و تبدل ہوا ہے نیز اس مضمون کو ترتیب دینے میں سوانح اعلیٰ حضرت مولفہ مولانا بدرالدین احمد قادری صاحب کا بھی سہارا لیا گیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب مفتی مرکزی دارالافتاء سوداگران بریلی شریف نے بھی تعاون فرمایا ہے۔ اس طرح ہم نے کل ۵۴۸ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کی تفصیل باعتبار فن درج ہے اب بھی فاضل بریلوی کی تصنیفات کی فہرست نامکمل ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد تصنیفات و تالیفات کی فہرست کی طرف آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضا توجہ دے گی۔ اور اس کام کے لئے کسی باصلاحیت شخص کا انتخاب کرے گی۔ جو کچھ ہوسکا حاضر ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

(ادارہ)

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
		تفسیر			
۱	۱۳۰۰	الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی	عربی	مبیضہ	آیۂ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی تفسیر اور صدیق اکبر کی تفضیل
۲	۱۳۰۶	نائل الراح فی فرق الریح والریاح	فارسی	"	اطلاق ریح ورِیاح کا فرق
۳	۱۳۰۹	انوار الحلم فی معانی میعاد استجب لکم	"	"	اجابت دعا کے کیا کیا معنی ہیں اثر ظاہر نہ ہونا دیکھ کر بددل ہونا حماقت ہے۔
۴	۱۳۱۵	الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام	اردو	"	ڈاکٹروں کا ادعا اور پادریوں کا رد
۵	"	النفحۃ الفائحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ	"	مسودہ	سورۃ فاتحہ سے فضائل حضور ورد وہابیہ
۶		حاشیہ تفسیر بیضاوی شریف	عربی		
۷		حاشیہ عنایت القاضی	"		
۸		حاشیہ معالم التنزیل	"		
۹		حاشیۃ الاتقان فی علوم القرآن	"		
۱۰		حاشیہ الدر المنثور	"		
۱۱		حاشیہ تفسیر خازن	"		

حدیث واصول حدیث

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۱۲	۱۲۹۶	النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب	عربی	مسودہ	فضائل علم میں رسالہ والد ماجد کے احادیث کی تخریج
۱۳	۱۲۹۶ تا ۱۲۹۹	الروض البہیج فی آداب التخریج	"	"	حدیث کی تخریج میں عالم کو کس کس بات کا لحاظ درکار ہے
۱۴	۱۳۰۵	البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص	"	"	حدیث خصائص اقدس کے طرق والفاظ کی جمع حاوی
۱۵	۱۳۰۵	اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین	عربی اردو	مبیضہ	شفاعت اقدس میں چہل حدیث
۱۶	"	تلألؤ الافلاک بجلال حدیث لولاک	" "	مسودہ	حدیث لولاک کا ثبوت
۱۷	۱۳۰۶	ذیل المدعی لاحسن الوعا	اردو	مطبع اہلسنت	دعا کے آداب واوقات ومکانات واسباب اجابت کے بیان میں رسالہ حضرت والد ماجد کا ذیل
۱۸	۱۳۰۹	انباء الحذاق بمسلک النفاق	اردو	مسودہ	نفاق اعتقادی وعملی کا فرق اور اس کے بارے میں احادیث کثیرہ کا جمع کرنا
۱۹	۱۳۱۰	اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد	"	مبیضہ	کن کن عمل کے سبب حقوق العباد سے نجات مل سکتی ہے
۲۰	۱۳۱۱	الہدایۃ المبارکۃ فی خلق الملائکۃ	"	"	ملائکہ کی پیدائش وموت کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۲۱	۱۳۱۳	البادالکاف فی حکم الضعاف	اردو	مطبع بمبئی	حدیث ضعیف پر عمل کے احکام
۲۲	۱۳۱۳	مدارج طبقات الحدیث	عربی	مبیضہ	کتب حدیث کا تفرقہ، مراتب
۲۳	〃	الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ	عربی اردو	مسودہ	مناقب امیر معاویہ کی حدیثیں
۲۴	۱۳۲۳	الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیہ	عربی	مطبوع	علمائے مکہ کو حدیث کا اجازت نامہ کہ مصنف نے دیا۔
۲۵		فصل القضاء فی رسم الافتاء	عربی		
۲۶		حاشیۃ الکشف عن تجاوز ہٰذہ الامۃ عن الالف	〃		
۲۷		حاشیہ صحیح بخاری شریف	〃		
۲۸		حاشیہ صحیح مسلم شریف	〃		
۲۹		حاشیہ ترمذی شریف	〃		
۳۰		حاشیہ نسائی شریف	〃		
۳۱		حاشیہ ابن ماجہ شریف	〃		
۳۲		حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر	〃		
۳۳		حاشیہ تقریب	〃		
۳۴		حاشیہ مسند امام اعظم	〃		
۳۵		حاشیہ کتاب الحجج	〃		
۳۶		حاشیہ کتاب الآثار	〃		
۳۷		حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	〃		
۳۸		حاشیہ طحاوی شریف	〃		
۳۹		حاشیہ سنن دارمی شریف	〃		
۴۰		حاشیہ خصائص کبریٰ	〃		
۴۱		حاشیہ کنز العمال	〃		
۴۲		حاشیہ ترغیب وترہیب	〃		
۴۳		حاشیہ کتاب الاسماء والصفات	〃		
۴۴		حاشیہ القول البدیع	〃		
۴۵		حاشیہ نیل الاوطار	〃		
۴۶		حاشیۃ المقاصد الحسنہ	〃		
۴۷		حاشیۃ اللآلی المصنوعہ	〃		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۸		حاشیہ موضوعات کبیر	عربی		
۴۹		حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ	″		
۵۰		حاشیہ تذکرۃ الحفاظ	″		
۵۱		حاشیہ عمدۃ القاری	″		
۵۲		حاشیہ فتح الباری	″		
۵۳		حاشیہ ارشاد الساری	″		
۵۴		حاشیہ نصب الرایہ	″		
۵۵		حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل	″		
۵۶		حاشیہ فیض القدیر شرح جامع صغیر	″		
۵۷		حاشیہ مرقاۃ المفاتیح	″		
۵۸		حاشیہ اشعۃ اللمعات	″		
۵۹		حاشیہ مجمع بحار الانوار	″		
۶۰		حاشیہ فتح المغیث	″		
۶۱		حاشیہ میزان الاعتدال	″		
۶۲		حاشیہ العلل المتناہیہ	″		
۶۳		حاشیہ تہذیب التہذیب	″		
۶۴		حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال	″		

عقائد و کلام

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۶۵	۱۲۸۵	ضوء النہایۃ فی اعلام الحمد والہدایۃ	عربی	مبیضہ	حمد و ہدایت کی تعریف
۶۶	۱۲۹۰	السعی المشکور فی ابداء الحق المہجور	″	مسودہ	مسئلہ صفات باری تعالیٰ و تحقیق مذاہب اہل سنت
۶۷	۱۲۹۴	معیر الطالب فی شیون ابی طالب	اردو	مبیضہ	شرح المطالب میں شامل کر دیا گیا
۶۸	۱۲۹۷	مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین	″	مسودہ	تفضیل شیخین میں کمال بسوط کتاب
۶۹	۱۲۹۸	اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب	″	مبیضہ	اللہ و رسول، اصحاب و آل کے باب میں اہلسنت کے اعتقاد
۷۰	۱۳۰۰	البشریٰ العاجلہ من تحف آجلہ	عربی	مسودہ	تفضیلیہ و مفسقان امیر معاویہ کا رد
۷۱	۱۳۰۴	مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید	اردو	مبیضہ	کتاب المنطق الجدید کا خلاف عقائد ہونا۔
۷۲	۱۳۰۵	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	″	مطبوعہ	سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب انبیاء سے افضل ہونے کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۷۳	۱۳۰۵	حیات الموات فی بیان سماع الاموات	اردو	مطبوعہ	اموات کے دیکھنے اور سننے کا بیان
۷۴	۱۳۱۲	الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ	〃	〃	ستر وجہ سے امام وہابیہ پر فقہاء کے نزدیک لزوم کفر
۷۵	〃	عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام	〃	مسودہ	مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
۷۶	〃	ذب الاہوار الواہیہ فی باب الامیر معاویہ	اردو	ناتمام	امیر معاویہ پر سے مطاعن کا دفع
۷۷	〃	فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ		مطبوعہ	رد عقائد ندوہ
۷۸	۱۳۱۷	فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین	〃	〃	رد ندوہ میں حرمین شریفین کے فتوے
۷۹	۱۳۱۸	قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار	〃	مبیضہ	وہابیہ کے اس خیال کا رد کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے
۸۰	۱۳۱۹	المقال الباہران منکر الفقہ کافر	〃	〃	فقہ کا منکر کافر ہے
۸۱	۱۳۲۰	المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد	عربی	مطبوعہ	عقاید اہلسنت کا بیان اور طوائف حادثہ باطلہ کا رد
۸۲	۱۳۲۰	السوء والعقاب علی المسیح الکذاب	اردو	〃	قادیانی کی تکفیر
۸۳	〃	رد الرفضہ	〃	〃	روافض زمانہ سنی کے وارث نہیں اور نہ ان سے نکاح
۸۴	۱۳۲۲	دفعۃ الباس علی جاحد الفاتحہ والفلق والناس	〃	مبیضہ ومطبوعہ	جو سورۃ فاتحہ یا معوذتین کی قرآنیت کا منکر ہے کافر ہے
۸۵	۱۳۲۳	قہر الدیان علی مرتد بقادیان	〃	مطبوعہ	رد خباثات قادیانی
۸۶	۱۳۲۴	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	عربی	〃	علماء وہابیہ کے بارے میں حرمین شریفین کے فتوے
۸۷	۱۳۲۵	مبین احکام وتصدیقات اعلام	اردو	〃	ترجمہ حسام الحرمین
۸۸	〃	الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ	عربی	مسودہ	الدولۃ المکیہ کا حاشیہ
۸۹	۱۳۲۶	تمہید ایمان بآیات قرآن	اردو	مطبوعہ	شان رسالت میں ادنی گستاخی کفر ہے
۹۰	〃	دامان باغ سبحن السبوح	〃	〃	امکان کذب میں خیالات وہابیہ کا رد
۹۱	〃	المبین ختم النبیین	〃	مسودہ	خاتم النبیین میں لام کی تحقیق
۹۲	۱۳۲۷	مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء	〃	زیر طبع	جو طریقت وشریعت میں تفریق کرے بد دین ہے اور اہل طریقت علم وعلماء کے محتاج ہیں۔
۹۳	۱۳۱۲	لمعۃ الشمعہ لہدی شیعۃ الشنعہ	〃	مسودہ	تفضیلیہ وتفسیقیہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب
۹۴	۱۳۰۵	الجرح الوالج فی بطن الخوارج	〃	مبیضہ	تفضیلیہ ومفسقہ کا بیان
۹۵	۱۳۰۴	الصمصام الحیدری علی حمق العیار المفتری	〃	〃	تفضیلیہ ومفسقہ کا بیان
۹۶	۱۳۲۴	مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ	〃	مطبوعہ	مثل مصطفیٰ محال ہے
۹۷	۱۳۱۵	الصارم الربانی علی اسراف القادیانی	〃	〃	عقائد قادیان کا رد
۹۸	۱۳۲۳	ظفر الدین الجید ملقب بہ بطش غیب	〃	〃	مسئلہ غیب میں سوالات

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۹۹		العقائد والکلام	اردو		
۱۰۰		الفرق الوجیز بین النبی العزیز والوہابی الرجیز	〃		
۱۰۱		دوام العیش فی الائمۃ من قریش	〃		
۱۰۲		حاشیہ شرح فقہ اکبر	عربی		
۱۰۳		حاشیہ خیالی علی شرح العقائد	〃		
۱۰۴		حاشیہ شرح عقاید عضدیہ	〃		
۱۰۵		حاشیہ شرح مواقف	〃		
۱۰۶		حاشیہ شرح مقاصد	〃		
۱۰۷		حاشیہ مسامرہ ومسایرہ	〃		
۱۰۸		حاشیہ التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ	〃		
۱۰۹		حاشیہ الیواقیت والجواہر	〃		
۱۱۰		حاشیہ مفتاح السعادۃ	〃		
۱۱۱		حاشیہ تحفۃ الاخوان	〃		
۱۱۲		حاشیہ الصواعق المحرقہ	〃		
۱۱۳	۱۲۹۲	تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال	اردو	مطبوعہ	چھ خاتم النبیین والوں کا رد
۱۱۴	〃	جوابہائے ترکی بہ ترکی	〃	〃	〃
۱۱۵	۱۳۰۰	الرائحۃ العنبریہ عن المجمرۃ الحیدریہ	〃	〃	مسئلہ تفضیل وتفضیل من جمیع الوجوہ کا بیان
۱۱۶	۱۳۰۷	اخبار یہ کی خبر گیری	〃	〃	مسئلہ امکان کذب باری کا بیان
۱۱۷	۱۳۲۶	چابک لیث براہل حدیث	〃	〃	جناب خدا ورسول میں عقاید وہابیہ کا رد

فقہ واصول فقہ، لغت فقہ، فرائض، تجوید

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۱۸	۱۲۹۵	لقار النیرہ فی شرح الجوہرۃ ملقب بہ النیرہ	اردو	مطبوعہ	مسائل حج وزیارت کا بیان یہ رسالہ بار اول کے حج میں مکہ میں ایک دن میں تالیف کیا۔
۱۱۹	۱۲۹۸	احکام الاحکام فی التناول من یدمن مالہ حرام	〃	مبیضہ	مال حرام والے کے ساتھ معاملات اور ان کے نفعات
۱۲۰	〃	النفس البقر فی قربان البقر	〃	〃	ہندوستان میں گائے کی قربانی کا بیان
۱۲۱	〃	الامر باحترام المقابر	〃	مطبوعہ	اہلاک الوہابین میں شامل کردیا گیا
۱۲۲	۱۲۹۹	اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ	〃	مبیضہ	مسئلہ قیام ومجلس میلاد مبارک

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۲۳	۱۲۹۹	حسن البراعہ فی تنفیذ حکم الجماعۃ	عربی	مسودہ	جماعت اولی اور مسجد واجب ہے۔
۱۲۴	”	النعیم المقیم فی فرحۃ مولد النبی الکریم	اردو	مطبوعہ	اشاعۃ الکلام میں شامل کر دیا گیا۔
۱۲۵	۱۳۰۰	بذل الصفاء لعبد المصطفیٰ	”	مبیضہ	عبدالنبی، نبی بخش ناموں کا جواز
۱۲۶	۱۳۰۱	منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین	”	مطبوعہ	اذان میں نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا
۱۲۷	”	المقالۃ المسفرہ عن احکام البدعۃ المکفرہ	عربی	مسودہ	جو بدعت کفری رکھتا ہو تمام احکام میں مثل مرتد ہے
۱۲۸	۱۳۰۱	المجمل المددان ساب المصطفیٰ مرتد	عربی اردو	مبیضہ	حضور کی شان میں ادنی گستاخی ارتداد ہے
۱۲۹	۱۳۰۲	اجود القری لمن یطلب الصحۃ فی اجارۃ القری	اردو	”	دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام ہے اور جواز کی یہ صورت ہے۔
۱۳۰	”	نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء	”	مسودہ	دفع وبا کو اذان
۱۳۱	۱۳۰۳	الاعلام من السکر لطلبۃ سکر روسر	”	مطبوعہ	شکر روسر وغیرہ صدہا جزئیات کا قانون
۱۳۲	”	جمال الاجمال لتوقیت حکم الصلوٰۃ فی النعال	عربی	مسودہ	نیا جوتا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔
۱۳۳	”	منزع المرام فی التداوی بالحرام	”	ناتمام	حرام چیز بطور دوا استعمال نہیں ہو سکتی۔
۱۳۴	۱۳۰۴	معدل الزلال فی اثبات الہلال	اردو	مبیضہ	انجمن اسلامیہ بریلی کو اثبات ہلال میں غلط فہمی
۱۳۵	”	طوالع النور فی حکم السراج علی القبور	”	ناتمام	قبروں پر چراغ جلانا کیسا ہے۔
۱۳۶	”	البارقۃ اللمعا علی سامد نطق بالکفر طوعا	عربی	مسودہ	جو قصداً کلمہ کفر کہے کافر ہے۔
۱۳۷	”	جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ	”	”	مکروہ تنزیہی جائز ہے گناہ کہنا خطاء
۱۳۸	”	انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ	اردو	”	یا رسول اللہ یا علی کہنے کا جواز
۱۳۹	۱۳۰۵	انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار	”	مطبوعہ	نماز غوثیہ کا ثبوت
۱۴۰	”	البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل	”	مبیضہ	زوجہ بعد وطی مہر معجل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے
۱۴۱	”	النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید	”	”	غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔
۱۴۲	”	صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	عربی	”	حرمین میں مجاور بنکر رہنا کیسا ہے۔
۱۴۳	”	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اردو	مطبوعہ	چاند کی خبر میں تار اور خط کا اعتبار نہیں
۱۴۴	”	باب غلام مصطفیٰ	”	مبیضہ	شامل رسالہ بذل الصفا کیا گیا
۱۴۵	”	التحبیر بباب التدبیر	”	”	تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر سنت اور منکر گمراہ
۱۴۶	”	احسن المقاصد فی بیان ما تنزہ عنہ المساجد	”	ناتمام	کیا کیا کام مسجد میں ناروا ہیں
۱۴۷	۱۳۰۵	ازین کانفل لحکم القعدۃ فی المکتوبۃ والنوافل	عربی	”	فرض ونفل میں قعدہ فرض ہے یا واجب
۱۴۸	۱۳۰۶	صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین	اردو	مطبوعہ	مصافحہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۴۹	۱۳۰۶	اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام	عربی	مبیضہ	ہندوستان دار الحرب نہیں۔
۱۵۰	"	بتیان الوضو	اردو	"	وضو و غسل کی احتیاطیں
۱۵۱	"	الحلاوة والطلاوة فی کلم توجب سجود التلاوة	عربی	مسودہ	سجدہ تلاوت کتنا پڑھنے سے واجب ہوتا ہے۔
۱۵۲	۱۳۰۷	حکم رجوع من ولی فی نفقة العرس والجهاز والحلی	اردو	مبیضہ	دلہن کو جہیز یا شادی میں خرچ وغیرہ کا حکم
۱۵۳	"	الملح الملیحہ فیما نہی عن اجزاء الذبیحہ	عربی	مسودہ	ذبیحہ سے بائیس چیزیں کھانے کی ممانعت
۱۵۴	"	الزہر الباسم فی حرمة الزکوة علی بنی ہاشم	اردو	مطبوعہ	سادات کو زکوٰۃ کھانا حرام ہے
۱۵۵	"	تجلی المشکوة لانارة اسئلة الزکوٰة	"	"	مسائل زکوٰۃ کے بیان
۱۵۶	۱۳۰۷	التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد	اردو	مبیضہ	مسجد کا صحن بھی مسجد ہے
۱۵۷	"	حک العیب فی حرمة تسوید الشیب	"	"	سیاہ خضاب حرام ہے
۱۵۸	"	حقة المرجان لمهم حکم الدخان	"	مطبوعہ	حقہ اور تمباکو کے احکام
۱۵۹	"	عباب الانوار لا نکاح بمجرد الاقرار	"	مبیضہ	صرف اقرار مرد و زن سے ہی نکاح نہیں
۱۶۰	"	الحجة الفائحہ لطیب التعین والفاتحہ	"	"	دن معین کرنے اور فاتحہ کا بیان
۱۶۱	"	سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوة العید	"	"	نماز عید کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت
۱۶۲	"	الصافیة الموحیہ لحکم جلود الاضحیہ	عربی	"	پوست قربانی مسجد و مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے۔
۱۶۳	"	الطرہ فی ستر العورہ	"	مسودہ	مرد و زن کے ستر و عورت کا بیان
۱۶۴	۱۳۰۸	الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن	"	مبیضہ	کفن پر کلمہ وغیرہ لکھنے کا بیان
۱۶۵	"	البرا المقال فی استحسان قبلة الاجلال	"	"	بوسہ ہائے تعظیمی کا بیان
۱۶۶	"	فتح الملیک فی حکم التملیک	"	"	تملیک نامہ و ہبہ نامہ میں کوئی فرق نہیں
۱۶۷	۱۳۰۹	الطیب الوجیز فی امتعة الورق والابریز	اردو	"	چاندی سونے کا استعمال کا بیان
۱۶۸	۱۳۱۰	رفیع المدارک فی حکم السوائب وما طرح الممالک	"	"	گنگا میں گہنہ وغیرہ ڈالنے کا بیان
۱۶۹	"	جلی الصوت لنهی الدعوة امام الموت	"	"	اہل میت کی طرف سے اغنیاء کی دعوت
۱۷۰	"	لیسر الزاد لمن ام الضاد	عربی	مسودہ	تحقیقات حرف ضاد در راہ مارہرہ گم شد
۱۷۱	۱۳۱۱	الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء	اردو	مطبوعہ	فضائل اقدس و شرک وہابیہ میں بے مثل کتاب
۱۷۲	"	برکات الامداد لاہل الاستمداد	"	"	اولیاء سے استعانت کا ثبوت
۱۷۳	"	بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوة الجنائز	"	"	نماز جنازہ کے بعد میت کیلئے دعا کا جواز
۱۷۴	"	رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق	"	مبیضہ	الفاظ طلاق کا بیان
۱۷۵	"	المسنی والدرر لمن عمد منی آرڈر	"	مسودہ	منی آرڈر کرنا روا ہے

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۱۷۶	۱۳۱۲	وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید	اردو	مطبوعہ	عید کے بعد معانقہ اور نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے
۱۷۷	″	وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح	″	″	ختم تراویح میں بسم اللہ ایک بار پڑھنا ہے۔
۱۷۸	″	القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ	″	مبیضہ	اشرف علی تھانوی کے چار فتووں پر تحریر
۱۷۹	″	سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء	″	مطبوعہ	مدار کے مرغ اور جہل تن کی گائے وغیرہ کا حکم
۱۸۰	″	ستر جمیل فی مسائل السراویل	″	مبیضہ	ڈھیلے جاموں کا بیان
۱۸۱	″	اطائب التہانی فی النکاح الثانی	″	″	نکاح ثانی میں تشدد باطل ہے
۱۸۲	″	راد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء	″	″	قحط و وبا میں مسلمانوں کی دعوت نافع ہے
۱۸۳	″	سلب الثلب عن القائلین بطہارۃ الکلب	عربی اردو	″	کتے کے نجس وغیر نجس ہونے کا بیان
۱۸۴	″	رعایۃ المنۃ فی ان التہجد نفل او سنۃ	عربی اردو	مبیضہ	تہجد نفل یا سنت ہے۔
۱۸۵	″	حق الاحقاق فی حادثۃ من نوازل الطلاق	″	″	مسئلہ طلاق کی نفیس تحقیق
۱۸۶	۱۳۱۲	حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین	اردو	مطبوعہ	سفر میں دو نمازیں ملا کر پڑھنا جائز نہیں
۱۸۷	″	لوامع البہا فی المصر للجمعۃ والاربع عقیبہا	فارسی	مبیضہ	جمعہ کے لئے شرط شہر
۱۸۸	″	الکاس الدہاق باضافۃ الطلاق	عربی	″	طلاق میں زوجہ کی طرف اضافت ونسبت
۱۸۹	″	القطوف الدانیہ عن احسن الجماعۃ الثانیہ	عربی اردو	″	جماعت ثانیہ کا جواز اور اس کی تفصیل
۱۹۰	″	الراد لاشد البہی فی ہجر الجماعۃ علی الگنگہی	اردو	مسودہ	جماعت ثانیہ کے بارے میں
۱۹۱	۱۳۱۴	نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان	عربی	مبیضہ	دودھ کی بھتیجی حرام ہے
۱۹۲	″	ہادی الاضحیہ بالشاۃ الہندیہ	اردو	″	چھ مہینے کی بھیڑ قربانی میں روا ہے
۱۹۳	۱۳۱۵	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی	″	مطبوعہ	داڑھی رکھنے کا وجوب
۱۹۴	″	النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز	″	″	ایک جنازہ پر دوبارہ نماز جائز نہیں
۱۹۵	″	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ	″	″	نقشہ مزار مبارک ونعل مبارک کا ادب
۱۹۶	″	مروج النجاء لخروج النساء	″	مبیضہ	عورت کو کہاں جانا جائز ہے
۱۹۷	″	تجویز الرد عن تزویج الابعد	″	″	ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح
۱۹۸	″	ہبۃ النساء فی تحقیق المصاہرۃ بالزنا	″	″	ساس کو شہوت سے چھونے کے احکام
۱۹۹	″	الاعلام بحال البخور فی الصیام	″	مطبوعہ	دھوئیں سے روزہ کے احکام
۲۰۰	″	التحریر الجید فی بیع حق المسجد	″	مبیضہ	مسجد کی اشیاء کے احکام
۲۰۱	۱۳۱۶	الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین	″	مطبوعہ	سماع موتی کا بیان
۲۰۲	″	ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار	″	″	بدمذہب سے شادی کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۲۰۳	〃	تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوٰۃ والصیام	اردو	مبیضہ	بعد موت نماز و روزہ کے فدیہ کے مفصل مسائل
۲۰۴	〃	الحجج الجد فی حفظ المسجد	〃	〃	مسجد قدیم پر سے دعووں کا رد
۲۰۵	۱۳۱۷	الشرعۃ البہیۃ فی تحدید الوصیۃ	〃	〃	وصیت کی تعریف اور ان کی دونوں قسموں کا بیان
۲۰۶	〃	ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الہند و بنجالہ	〃	〃	ہند و بنگال کے رائج نکاحوں کی اصلاح
۲۰۷	〃	الجام الصاد عن سنن الضاد	〃	مطبوعہ	مسائل حرف ضاد اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ
۲۰۸	۱۳۱۸	ابحل ابداع فی حد الرضاع	عربی	ناتمام	مدت رضاع میں قول امام کی تحقیق
۲۰۹	〃	لب الشعور باحکام الشعور	〃	مبیضہ	موئے سر و ریش وغیرہ کے متعلق احکام
۲۱۰	〃	خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال	〃	〃	کمانے اور سوال کرنے کے احکام
۲۱۱	〃	الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی	〃	مسودہ	درباره اشربہ قول امام کی تحقیق
۲۱۲	〃	افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان	عربی اردو	مطبوعہ	ہندوستان کی زمین پر شرعی وظیفہ
۲۱۳	۱۳۲۰	الحلیۃ الاسماء لحکم لبعض الاسماء	اردو	〃	لبعض ناموں کا جواز و عدم جواز
۲۱۴	〃	طرق اثبات الہلال	〃	مبیضہ	ثبوت ہلال کے سات طریقوں کا شرعی بیان
۲۱۵	〃	تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب	فارسی	〃	معانی محراب اور اس میں قیام امام کی تحقیق
۲۱۶	〃	نور الجوہرہ فی الحسرۃ السوکرہ	عربی	〃	بخار کا ہمبہ
۲۱۷	〃	الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل	عربی اردو	مسودہ	احتلام اور تری دیکھنے کی صورتیں
۲۱۸	〃	مرقاۃ الجمان فی الہبوط عن المنبر لمدح السلطان	اردو	مبیضہ	خطبہ میں مدح سلطان کیوقت ایک سیڑھی اترنے کا بیان
۲۱۹	〃	اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر	〃	〃	سماع و مزامیر و وجد کا بیان
۲۲۰	〃	رامی زاغیان معروف بہ دفع زیغ زاغ	〃	مطبوعہ	کوے کی حرمت کا بیان
۲۲۱	〃	اوفی اللمعہ فی اذان الجمعہ	〃	〃	جمعہ کی اذان ثانی بیرون مسجد
۲۲۲	۱۳۲۱	النخبۃ الحکومۃ فی فصل الخصومۃ	〃	مبیضہ	ایک مقدمہ کا فیصلہ
۲۲۳	〃	اعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادہ	〃	مطبوعہ	تعزیہ داری، شہادت نامہ وغیرہ کا بیان
۲۲۴	〃	افقہ المجادیہ عن حلف الطالب علی طلب المواثبہ	〃	مبیضہ	شفیع کا طلب مواثبہ
۲۲۵	۱۳۲۲	اکد التحقیق بباب التعلیق	فارسی اردو	〃	تعلیق طلاق کا بیان
۲۲۶	〃	اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین	اردو	مطبوعہ	قبر مسلم پر چلنا اور مکان بنانا
۲۲۷	۱۳۲۳	ہدایۃ الجنان باحکام رمضان	〃	مبیضہ	مسائل متعلقہ رمضان
۲۲۸	〃	ہادی الناس فی اشیاء من رسوم الاعراس	〃	〃	شادی کی رسومات سے متعلق
۲۲۹	〃	ما یجلی الاصر عن تحدید المصر	〃	〃	معنی شہر اور نماز جمعہ و عید کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۳۰	〃	رد القضاۃ الی حکم الولاۃ	اردو	مبیضہ	ریاستوں کے فتوے جو بطور مرافعہ آئے
۲۳۱	۱۳۲۴	الجود الحلو فی ارکان الوضو	عربی اردو	مطبوعہ	وضو کے عملی و اعتقادی فرائض
۲۳۲	〃	تنویر القندیل فی احکام المندیل	〃	〃	بعد وضو و غسل بدن پونچھنا
۲۳۳	〃	الطراز المعلم فیما ہو حدث من احوال الدم	〃	〃	کیسے خون نکلنے سے وضو نہیں جاتا
۲۳۴	〃	لمع الاحکام ان لا وضو من الزکام	〃	〃	زکام سے وضو نہیں جاتا
۲۳۵	〃	ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال	اردو	مبیضہ	سمت قبلہ کہاں تک ہے
۲۳۶	〃	الحق المجتلی فی احکام المبتلی	〃	〃	جذامی سے بھاگنے نہ بھاگنے کی تحقیق
۲۳۷	〃	کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم	عربی	مطبوعہ	لوٹ سے متعلق مسائل کا بیان
۲۳۸	۱۳۲۵	نبہ القوم ان الوضو من ای نوم	عربی اردو	〃	کیسے سونے سے وضو نہیں جاتا
۲۳۹	〃	تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون	اردو	〃	طاعون سے بھاگنا حرام ہے۔
۲۴۰	۱۳۲۵	السہم الشہابی علی خداع الوہابی	اردو	مبیضہ	ایک غیر مقلد کی کتاب کا رد
۲۴۱	۱۳۲۶	فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب	〃	مطبوعہ	سرور کائنات کو شہنشاہ وغیرہ کہنا
۲۴۲	〃	مفاد الجر فی الصلوۃ بمقبرۃ او جنب قبر	〃	مبیضہ	قبر یا مقبرہ کے پاس نماز پڑھنے کی تحقیق
۲۴۳	〃	بدر الانوار فی آداب الآثار	〃		تبرکات شریفہ کے متعلق احکام
۲۴۴	۱۳۲۷	الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب	〃	مطبوعہ	غائب کے جنازہ پر نماز جائز نہیں
۲۴۵	〃	شمامۃ العنبر فی محل النداء بازاء المنبر	عربی	مبیضہ	اذان جمعہ بیرون مسجد محاذی منبر چاہیئے۔
۲۴۶	۱۲۹۵	الطرۃ الرضیہ علی النیرۃ الوضیہ	〃	مطبوعہ	النیرۃ الوضیہ پر حاشیہ
۲۴۷	۱۲۹۶ تا ۱۲۹۹	فصل القضاء فی رسم الافتاء	〃	ناتمام	رسم مفتی کا جامع بیان
۲۴۸	〃	الجوہر الثمین فیما تنعقد بہ الیمین	〃	〃	کن کن اشیاء کی قسم شرعی قسم ہے
۲۴۹	〃	الطراز المذہب فی التزویج لغیر الکفو و مخالف المذہب	اردو	〃	غیر کفو و خلاف مذہب سے نکاح کے احکام
۲۵۰	۱۲۹۹	عیقری حسان فی اجابۃ الاذان	عربی	مسودہ	اذان کا جواب زبان سے دینا واجب ہے
۲۵۱	۱۳۰۰	شوارق النثار فی حد المصر والفناء	〃	〃	مصر و فنائے مصر کی تعریف
۲۵۲		لمعۃ الشمعہ فی اشتراط المصر للجمعہ			جمعہ کے لئے شرط شہر ہونے کا ثبوت
۲۵۳	۱۳۰۴	البدور الاجلہ فی امور الاہلہ	اردو	〃	تحقیق ہلال کے شرعی مسائل
۲۵۴	〃	نور الادلہ للبدور الاجلہ		〃	رسالہ سابقہ کی شرح ہے۔
۲۵۵		رفع العلہ عن نور الادلہ		〃	اس شرح پر حاشیہ
۲۵۶	۱۳۰۵	اللؤلؤ المعقود لبیان حکم امرأۃ المفقود	عربی اردو	مبیضہ	مفقود کی عورت کا نکاح

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۵۷	۱۳۰۷	ایذان الاجر فی اذان القبر	اردو	مطبوعہ	قبر پر اذان دینے کا جواز
۲۵۸	۱۳۱۰	رعایۃ المذہبین فی الدعاء بعد الخطبتین	″	″	دونوں خطبوں کے درمیان دعا کا بیان
۲۵۹	۱۳۱۱	رشاقۃ الکلام فی حواشی اذاقۃ اثام	″	″	دربارہ مجلس میلاد وقیام رسالہ والد پر حاشیہ
۲۶۰	۱۳۲۶	البیان شافیا لفونوغرافیا	″	″	فونوگراف سننے کے احکام
۲۶۱	″	جد الممتار من رد المحتار	عربی	مسودہ	رد المحتار پر حاشیہ
۲۶۲	″	العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ	عربی فارسی اردو	مطبوعہ ومسودہ	بارہ جلدوں میں فتاویٰ کا مجموعہ
۲۶۳	۱۳۰۳	التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل	عربی	ناتمام	کان یفعل دوام میں نص نہیں
۲۶۴	۱۳۱۲	السیوف المخیفہ علی عائب ابی حنیفہ	اردو	مبیضہ	فتاویٰ عالمگیری کے قول جو شخص قیاس امام اعظم کو ناحق کہے کافر ہے کی تشریح
۲۶۵	۱۳۱۳	اعز النکات بجواب سوال ارکات ملقب بہ الفضل	″	مطبوعہ	حدیث کی تشریح پر چلنے کیلئے کیا کیا درکار ہے
۲۶۶	۱۳۱۹	اطائب الصیب علی ارض الطیب	عربی اردو	″	فرضیت تقلید
۲۶۷	۱۳۰۰	احسن الجلوہ فی تحقیق المیل والذراع والفراسخ والغلوہ	عربی	مبیضہ	میل، ذراع، فرسخ وغلوہ کی تحقیق مقادیر
۲۶۸	۱۳۱۵	المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع	اردو	″	جو عصبہ مثلاً بیس پشت پر جاکر ملے اس کی وراثت میں شبہات کا جواب
۲۶۹	۱۳۱۷	طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان	عربی اردو	″	ذوی الارحام میں تعدد جہات فرع سے تعدد اصل کی تحقیق مفرد
۲۷۰	۱۳۲۱	تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم	فارسی اردو	″	بعض مسائل فرائض کی تحقیق اور اوہام بعض ابنائے زمان کی اصلاح
۲۷۱	۱۳۰۶	برءت نامہ انجمن اسلامیہ بانس بریلی	اردو	مطبوعہ	متعلق کارروائی انجمن رویت ہلال
۲۷۲	۱۳۱۵	نعم الزاد لروم الضاد	فارسی	مبیضہ	حرف ضاد کی تحقیق
۲۷۳	۱۳۰۳	الاسد الصئول علی اجتہاد الطراز الجہول		″	″	مسئلہ رضاعت میں ایک وہابی کا رد
۲۷۴	۱۳۰۶	مذم النصرانی والتقسیم الایمانی	″	مطبوعہ	بعض پادریوں کا فرائض پر اعتراض اور اس کا جواب
۲۷۵	۱۳۱۶	اجتناب العمال عن فتاوی الجہال	اردو	″	قنوت نازلہ کا بیان اور ایک وہابی کا رد
۲۷۶	۱۳۱۸	سیف ولایتی بر واہم ولایتی	″	″	مسئلہ روشنی میں ایک واہم کا رد
۲۷۷	۱۳۲۰	البرق المخیب علی بقاع طیب	″	مبیضہ	رسالہ ملاطفہ کا پہلا رد
۲۷۸	۱۳۲۱	العطر المطیب لنیت شفقۃ الطیب	عربی اردو	مسودہ	″ ″ دوسرا رد
۲۷۹	″	الآمانۃ القاصفہ لکفریات الملاطفہ	″	″	″ ″ تیسرا رد
۲۸۰	۱۳۲۲	الجائفہ علی تہافت الملاطفہ	″	″	″ ″ چوتھا رد
۲۸۱	۱۳۲۳	سیاط المودب علی رقبۃ المستغرب	″	″	″ ″ پانچواں رد
۲۸۲	۱۳۲۶	الرد الناہز علی ذام النہی الحاجز	اردو		بعض جہال کی زبان درازی کا جواب

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۲۸۳		نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار	اردو		
۲۸۴		قوانین العلماء	״		
۲۸۵		سیدالفزار	״		
۲۸۶		تبویب الاشباہ والنظائر	عربی		
۲۸۷		اجلی نجوم رجم برابڈیٹر النجم	اردو		
۲۸۸		السیف الصمدانی	״		
۲۸۹		الطلبتہ البدیعۃ	״		
۲۹۰		حاشیہ فواتح الرحموت	عربی		
۲۹۱		حاشیہ حموی شرح الاشباہ والنظائر	״		
۲۹۲		حاشیۂ الاسعاف فی احکام الاوقاف	״		
۲۹۳		حاشیہ اتحاف الابصار	״		
۲۹۴		حاشیۂ کشف الغمہ	״		
۲۹۵		حاشیہ شعار السفار	عربی		
۲۹۶		حاشیہ کتاب الخراج	״		
۲۹۷		حاشیہ معین الحکام	״		
۲۹۸		حاشیہ میزان الشریعۃ الکبرٰی	״		
۲۹۹		حاشیہ ہدایہ اخیرین	״		
۳۰۰		حاشیہ ہدایہ فتح القدیر عنایہ چلپی	״		
۳۰۱		حاشیہ بدائع الصنائع	״		
۳۰۲		حاشیہ جوہرہ نیرہ	״		
۳۰۳		حاشیہ جواہر اخلاطی	״		
۳۰۴		حاشیہ مراقی الفلاح	״		
۳۰۵		حاشیہ مجمع الانہر	״		
۳۰۶		حاشیہ جامع الفصولین	״		
۳۰۷		حاشیہ جامع الرموز	״		
۳۰۸		حاشیہ بحرالرائق	״		
۳۰۹		حاشیہ تبیین الحقائق	״		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۱۰		حاشیہ غنیۃ المستملی	عربی		
۳۱۱		حاشیہ فوائد کتب عدیدہ	″		
۳۱۲		حاشیہ کتاب الانوار	″		
۳۱۳		حاشیہ رسائل شامی	″		
۳۱۴		حاشیہ فتح المعین	″		
۳۱۵		حاشیہ شفاء السقام	″		
۳۱۶		حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار	″		
۳۱۷		حاشیہ فتاوٰی عالمگیری	″		
۳۱۸		حاشیہ فتاوٰی خانیہ	″		
۳۱۹		حاشیہ فتاوٰی سراجیہ	″		
۳۲۰		حاشیہ خلاصۃ الفتاوٰی	″		
۳۲۱		حاشیہ فتاوٰی خیریہ	″		
۳۲۲		حاشیہ عقود الدار	″		
۳۲۳		حاشیہ حدیثیہ	″		
۳۲۴		حاشیہ فتاوٰی بزازیہ	″		
۳۲۵		حاشیہ فتاوٰی زرینیہ	″		
۳۲۶		حاشیہ فتاوٰی غیاثیہ	″		
۳۲۷		حاشیہ رسائل قاسم	″		
۳۲۸		حاشیہ اصلاح شرح الفیاح	″		
۳۲۹		حاشیہ فتاوٰی عزیزیہ	فارسی		
۳۳۰		حاشیہ رسائل الارکان	عربی		
۳۳۱		حاشیہ الاعلام لبقواطع الاسلام	″		

تنقیدات

۳۳۲	۱۲۸۸	حل خطار الخط	عربی	مبیضہ	رد خطا اسماعیل دہلوی
۳۳۳	۱۳۰۰	النذیر الہائل لکل جلف جاہل	اردو	مسودہ	مجلس میلاد میں فتوی نذیر حسین دہلوی کا اقرار ورد کی توضیح
۳۳۴	۱۳۰۳	الاہلال لبفیض الاولیاء لبعد الوصال	″	مطبوعہ	حیات الموات میں شامل کردیا گیا۔

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۳۵	۱۳۰۶	الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ	اردو	مبیضہ	روافض کی اذان میں کلمہ بلا فصل کی حرمت اور ان پر لعنت کا ثبوت
۳۳۶	۱۳۰۹	النیر الشہابی علی تدلیس الوہابی	"	"	دربارہ تقلید غیر مقلدوں کے بعض شبہات کا جواب
۳۳۷	۱۳۱۱	فیح النسرین بجواب الاسئلۃ العشرین	"	مسودہ	وہابیت کے متعلق ۲۰ سوالوں کا جواب
۳۳۸	۱۳۱۳	مراسلات سنت و ندوہ	"	مطبوعہ	ناظم ندوہ سے دربارۂ ندوہ خط و کتابت
۳۳۹	"	سوالات حقائق نمائیرؤس ندوۃ العلماء	"	"	ندوہ پر ستر سوال کا مجموعہ
۳۴۰	۱۳۱۷	ترجمۃ الفتوٰی وجہ ہدم البلوی	"	"	ندوہ سے متعلق فتوٰی حرمین کا ترجمہ
۳۴۱	"	خلص فوائد فتوی	"	"	خلاصہ مضامین فتوٰی مذکورہ
۳۴۲	۱۳۱۸	رادع التعسف عن الامام ابی یوسف	"	مبیضہ	حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابو یوسف پر اعتراض غیر مقلدین کا رد
۳۴۳	۱۳۲۰	الجزاء المہیا لعلمۃ کنہیا	"	"	مجلس میلاد مبارک پر فتوای گنگوہی کا رد
۳۴۴	"	اظہار الحق الجلی	"	"	مقدمہ غیر مقلدین آرہ میں ۱۹۶ سوالات کے جوابات
۳۴۵	"	معارک الجروح علی التوہب المقبوح	"	"	۹۶ جرحیں جو اہلسنت کی طرف سے مقدمہ مذکور میں داخل کی گئیں
۳۴۶	"	بیبل مژدہ آراد کیفر کفران نصاری	"	"	بیبل سے اسلام کی حقانیت اور بطلان نصرانیت
۳۴۷	۱۳۲۱	اصلاح النظیر	"	"	مساجد اہلسنت میں غیر مقلدوں کے آنے پر نظیر محمود کا جواب
۳۴۸	"	اکمل البحث علی اہل الحدیث	"	"	وہابیہ کو مساجد سے نکالنے کی بحث جو داخل کچہری ہوئی
۳۴۹	۱۳۲۴	خلاصہ فوائد فتاوی		مطبوعہ	حسام الحرمین کے مضامین کا خلاصہ
۳۵۰	۱۳۲۶	البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ	عربی فارسی اردو	مبیضہ	مجموعہ فتاوٰی کثیرہ مصنف در رد وہابیہ
۳۵۱	۱۳۲۲	اتیان الارواح لدیارہم بعد الارواح	اردو	"	روحوں کا بعد موت اپنے گھر آنا اور گنگوہی کا رد
۳۵۲	۱۲۹۳ تا ۱۲۹۶	مرتجی الاجابات لدعاء الاموات	"	ناتمام	اموات کی دعا کے قبول و ناقبول کا بیان
۳۵۳	۱۲۹۹	سیف المصطفیٰ علی ادیان الافتراء	"	مبیضہ	وہابیہ کے پیشوا کی نقل عبارت میں خباثتوں کی نشاندہی
۳۵۴	۱۳۰۰	فتح خیبر	"	مطبوعہ	مناظران تفضیلیہ کے فرار کا واقعہ
۳۵۵	۱۳۰۳	نشاط السکین علی حلق البقر السمین	"	مبیضہ	مسئلہ فاتحہ و تقبیل ابہامین وغیرہ کا بیان و رد وہابیت
۳۵۶	۱۳۰۵	صمصام حدید بر کولی بے قید عدو تقلید	"	"	رد غیر مقلداں
۳۵۷	۱۳۰۷	نہایت النصرہ برد الاجوبۃ العشرہ	"	"	ایک وہابی کے دس مسائل کا رد
۳۵۸	۱۳۱۲	انتصار الہدی من شعوب الہوی	"	مطبوعہ	ختم تراویح میں ۱۱۴ بار بسم اللہ پکار کر پڑھنے والوں کا رد
۳۵۹	۱۳۱۲	اشتہارات خمسہ	"	"	رد ندوہ
۳۶۰	"	غزوہ لہدم سماک دار الندوہ	"	"	خرافات ندوہ کا رد
۳۶۱	"	ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ	"	"	ندوہ کی تیسری روداد کا رد

نمبرشمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
٣٦٢	١٣١٥	بارش بہاری برصدف بہاری	اردو	مطبوعہ	ایک ندوی تحریر کارد
٣٦٣	”	سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ	”	”	رد ندوہ
٣٦٤	١٣١٦	صمصام سنیت بگلوئے نجدیت	”	”	ایک وہابی نے کفریات دہلوی کے کچھ جواب دیئے تھے انکارد
٣٦٥	١٣٢١	صمصام القیوم علی تاج الندوہ عبدالقیوم	”	”	رد تحریر رکن ندوہ
٣٦٦	١٣٢٦	پردہ در امرتسری	”	”	مولوی ثناء اللہ امرتسری کا رد
٣٦٧	١٣٠٠	الاسئلۃ الفاضلہ علی الطوائف الباطلہ	”	”	وہ سوالات جو منفرد لوگوں سے کیئے گئے اور وہ عاجز رہے
٣٦٨	١٣١٩	سوالات علماء وجوابات ندوۃ العلماء	”	”	خیالات ندوہ کا بے مثل رد
٣٦٩	١٣١٦	کیفر کفر آریہ	”	مبیضہ	رد آریہ
٣٧٠	١٢٩٦	نور عینی فی الانتصار الامام عینی	عربی	مسودہ	امام عینی پر اعتراض کا جواب

تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق

نمبرشمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
٣٧١	١٣٠٨	کشف حقائق واسرار و دقائق	اردو	مطبوعہ	سوالات تصوف کا جواب
٣٧٢	١٣١١	بوارق تلوح من حقیقۃ الروح	عربی	مسودہ	روح کیا شے ہے
٣٧٣	١٣١٢	التلطف بجواب مسائل التصوف	اردو	”	سوالات تصوف کا جواب
٣٧٤	١٣١٩	لقاء السلافہ فی البیعۃ والخلافہ	”	مبیضہ	بیعت و خلافت کے احکام
٣٧٥	١٣٠٥	ازہار الانوار من صبا صلوۃ الاسرار	عربی	مبیضہ	طریقہ ونکات نماز غوثیہ شریف
٣٧٦	”	زہر الصلوۃ من شجرۃ اکارم الہداۃ	”	”	درود میں شجرۂ طیبہ کے اوراد
٣٧٧	١٣١٢	العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار	اردو	”	دعائے افطار، افطار سے پہلے یا بعد
٣٧٨	١٣١٨	المنۃ الممتازہ فی دعوات الجنازہ	عربی اردو	”	جنازہ کی دعاؤں کا حدیث سے استخراج
٣٧٩	١٣٠٤	ماقل وکفی من ادعیۃ المصطفٰے	اردو	”	صبح وشام واوقات خاصہ کی کارآمد دعائیں
٣٨٠	١٣٢٦	الفوز بالآمال فی الاوفاق والدعاء	عربی فارسی	”	اعمال ونقوش وتعویذات خاندانی وایجادی کا دریا
٣٨١	١٣٠٧	شرح الحقوق لطرح العقوق	اردو	”	ابوین وزوجین واستاذ وغیرہم کے حقوق کا بیان
٣٨٢	١٣٠٩	مشعلۃ الارشاد الی حقوق العباد	”	”	اولاد کے پیدا ہونے سے لیکر بالغ ہونے تک کے حقوق
٣٨٣	”	اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ	”	”	جو زکوٰۃ نہ دے اس کے صدقات قبول نہیں۔
٣٨٤		الیاقوتۃ الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ	”		
٣٨٥		حاشیہ احیاء العلوم	عربی		
٣٨٦		حاشیہ حدیقہ ندیہ	”		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۸۷		حاشیہ مدخل اول، دوم، سوم	عربی		
۳۸۸		حاشیہ کتاب الابریز	〃		
۳۸۹		حاشیہ کتاب الزواجر	〃		

تاریخ، سیر، مناقب، فضائل

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۹۰	۱۳۲۲	جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان	اردو	مبیضہ	قرآن عظیم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی کو خاص جامع القرآن کیوں کہتے ہیں۔
۳۹۱	۱۳۱۲	اعلام الصحابۃ الموافقین الامیر معاویہ وام المومنین	〃	ناتمام	کون اصحاب امیر معاویہ اور ام المومنین کے ساتھ تھے
۳۹۲	۱۳۱۶	جان التاج فی بیان الصلوۃ قبل المعراج	عربی اردو	مبیضہ	معراج سے پہلے نماز کس طرح تھی۔
۳۹۳	۱۳۱۷	نطق الہلال بارخ ولادا لحبیب والوصال	اردو	مطبوعہ	تاریخ ولادت اقدس و وصال شریف کی جلیل تحقیق
۳۹۴	۱۳۲۰	منبہ المنیہ لوصول الحبیب الی العرش والرویۃ	〃	مبیضہ	سیر عرش اور دیدار الٰہی کا بیان
۳۹۵	۱۳۲۲	جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن	〃	〃	قرآن عظیم کے بعض کلمات کے رسم خط کی تحقیق
۳۹۶	〃	سلام وسیر	〃	ناتمام	بہ ضمن ولادت تا وفات شریفہ وغیرہ کا بیان
۳۹۷	۱۲۹۷	الکلام للبہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی	〃	مبیضہ	صدیق اکبر کی نبی کریم سے مشابہتیں
۳۹۸	〃	وجہ المشقوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق	〃	〃	صدیق و فاروق کے اسماء در حدیث آمدہ کا بیان
۳۹۹	۱۲۹۶	نفی الفیٔ عمن بنورہ انار کل شیٔ	〃	〃	حضور کا سایہ نہ تھا
۴۰۰	۱۲۹۷	سلطنۃ المصطفٰے فی ملکوت کل الورٰی	اردو	مسودہ	فضائل اقدس میں
۴۰۱	۱۲۹۸	اجلال جبریل بجعلہ خادماً للمحبوب الجلیل	〃	〃	جبریل امین خادم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
۴۰۲	۱۲۹۹	قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام	فارسی اردو	مبیضہ	سایہ اقدس کا ثبوت اور ایک مخالف کا رد
۴۰۳	۱۳۰۳	مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم	فارسی	〃	فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ،
۴۰۴	۱۳۰۶	العروس الاسماء الحسنی فیما لنبینا من الاسماء الحسنی	عربی اردو	ناتمام	حضور کے ہزار سے زائد اسماء کا ذکر
۴۰۵	۱۳۱۲	تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ	اردو	مبیضہ	مولی علی پر کبھی بالتبع بھی لفظ کفر نہ آیا
۴۰۶	〃	انجاء البری عن وسواس المفتری	عربی فارسی	〃	شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی جناب میں عقیدہ
۴۰۷	〃	جمیل ثناء الائمہ علی علم سراج الامہ	〃	مسودہ	ائمہ نے علم امام اعظم کی کیا کیا مدح فرمائی
۴۰۸	۱۳۱۵	شمول الاسلام لآباء الرسول الکرام	〃	مبیضہ	والدین حضور موحد تھے
۴۰۹	۱۳۱۸	انباء المصطفٰی بحال سر واخفی	〃	مطبوعہ	مسئلہ علم غیب کا مجمل وکافی بیان
۴۱۰	۱۳۲۳	الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ	عربی	〃	رسالہ علم غیب جو مکہ میں تصنیف ہوا

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۱۱	۱۳۲۵	حدائق بخشش	عربی فارسی	″	منتخب دیوان نعت
۴۱۲	۱۲۹۶	قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام	″	مسودہ	سایہ نبوی نہ ہونے کا بیان
۴۱۳	۱۳۱۰	فتاوی کرامات غوثیہ	″	مطبوعہ	ذکر بعض کرامات شریفہ
۴۱۴	۱۳۲۶	دیوان القصائد	عربی	مبیضہ	قصائد ونعت ومنقبت کا مجموعہ
۴۱۵	۱۳۰۲	اکسیر اعظم	فارسی	″	قصیدہ غوث پاک
۴۱۶	۱۳۰۴	سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب	″	مطبوعہ	شجرۂ عالیہ قادریہ منظومہ
۴۱۷	۱۳۰۵	ذریعہ قادریہ	اردو	″	نظم ونعت ومنقبت غوث پاک
۴۱۸	۱۳۰۸	فضائل فاروق	″	ناتمام	سیدنا فاروق کے مناقب در نظم
۴۱۹	۱۳۰۹	نظم معطر	فارسی	مطبوعہ	رباعیات در شان غوث پاک
۴۲۰	۱۳۱۵	مشرقستان قدس	اردو	″	قصیدۂ مدحیہ حضرت نوری میاں
۴۲۱	″	چراغ انس	″	″	قصیدہ مدحیہ در شان تاج الفحول بدایونی
۴۲۲	۱۳۲۱	وظیفہ قادریہ	فارسی	″	قصیدہ غوثیہ کا نظم ترجمہ مع مدعا
۴۲۳	۱۳۲۴	حضور جان نور	اردو	″	حاضری اقدس کے موقع پر نعت کہی
۴۲۴	″	نعت واستعارات	″	ناتمام	نعت شریف کا رسالہ پر مغز استعاروں وغیرہ پر مشتمل
۴۲۵	″	سراپا نور	″	″	قصیدۂ نور ۶۰ مطلع پر مشتمل
۴۲۶	″	مناقب صدیقہ	″	″	ام المومنین کی منقبت
۴۲۷	۱۳۰۰	حمائد فضل رسول	عربی	مطبوعہ	مولانا فضل رسول بدایونی کی مدح
۴۲۸	۱۳۰۰	مدائح فضل رسول	عربی	مبیضہ	مولانا فضل رسول بدایونی کی مدح
۴۲۹	″	نذر گدا در تہنیت شادی اسری	اردو	مطبوعہ	معراج اقدس کا بیان
۴۳۰	۱۳۱۳	سرگزشت وماجرائے ندوہ	″	″	ندوہ پر بریلی میں کیا گزری
۴۳۱	۱۳۲۴	ابراء المجنون علی انتہاکہ العلم المکنون	عربی	مبیضہ	مسئلہ علم غیب میں ابراز المکنون کا رد
۴۳۲	۱۳۲۴	ماحیۃ العیب بایمان الغیب	اردو	″	علم غیب میں فتوای مولوی عین القضاۃ کا رد
۴۳۳	۱۳۲۵	میل الهداه لبر عین القذاه	عربی	″	علم غیب میں التحقیق المجتبیٰ کا رد
۴۳۴	۱۳۲۶	ازاحۃ جوانح الغیب عن ازاحۃ العیب	″	″	علم غیب میں ازاحۃ العیب کا رد
۴۳۵	″	الجلاء الکامل لعین قضاۃ الباطل	″	″	علم غیب میں البیان الصائب کا رد
۴۳۶		حاشیہ حاشیہ ہمزیہ	″		
۴۳۷		حاشیہ شرح شفا	″		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۳۸		حاشیہ شرح زرقانی شرح مواہب	عربی		
۴۳۹		حاشیہ بہجۃ الاسرار	″		
۴۴۰		حاشیہ الفوائد البہیہ	″		
۴۴۱		حاشیہ کشف الظنون	″		
۴۴۲		حاشیہ عصر الشارد	″		
۴۴۳		حاشیہ خلاصۃ الوفاء	″		
۴۴۴		حاشیہ مقدمہ ابن خلدون	″		

ادب، نحو، لغت، عروض

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۴۵		صنائع بدیع	عربی فارسی ہندی	مبیضہ مسودہ	دیوان صنائع وبدائع و تواریخ
۴۴۶	۱۳۱۲	فتح المعطی بتحقیق معنی الخاطی والمخطی	اردو	مبیضہ	خاطی ومخطی میں کیا فرق ہے
۴۴۷		التقاف العلی لبسکر فکر السنبلی	″		
۴۴۸		تبلیغ الکلام الی مدحۃ الکمال فی تحقیق رسالۃ المصدر	عربی		
۴۴۹		المصدر والافعال			
۴۵۰		الزمزمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ	اردو		قصیدہ غوثیہ پر اعتراضات کے جواب میں
۴۵۱		حاشیہ صراح	عربی		
۴۵۲		حاشیہ تاج العروس	″		
۴۵۳		حاشیہ میزان الافکار	فارسی		
۴۵۴	۱۳۱۵	شرح مقالہ مذاقیہ	اردو	مطبوعہ	ایک مدعی ادب کے جہالات عربی ادب کا جواب
۴۵۵	۱۳۱۶	مشرقستان اقدس	″	″	قصیدہ مشرقستان پر اعتراض کا جواب
۴۵۶	″	عذاب ادنی بردا وادنی	″	″	اودا تی باسقاط الف ودم پر اعتراض کا رد
۴۵۷	۱۳۱۸	آمال الابرار و آلام الاشرار	عربی اردو	″	قصیدہ عزا دربارہ مجلس اہلسنت مقابل ندوہ

زیجات

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۵۸	۱۳۲۴	مفز المطالع للتقویم والطالع	اردو	مبیضہ	المنک سے ستاروں کی تقویم اور وقت کا طالع نکالنے کا طریقہ
۴۵۹		حاشیہ برجندی	عربی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۴۵۹		حاشیہ زلالات البرجندی	عربی		
۴۶۰		حاشیہ زیج بہادر خانی	فارسی		
۴۶۱		حاشیہ فوائد بہادر خانی	″		
۴۶۲		حاشیہ زیج البخانی	عربی		
۴۶۳		حاشیہ جامع بہادر خانی	فارسی		

جفر و تکسیر

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۴۶۴	۱۲۹۶	اطائب الاکسیر فی علم التکسیر	عربی	ناتمام	علم تکسیر اور مصنف کے ایجادات کثیر
۴۶۵	۱۳۲۱	الثوقب الرضویہ علی الکواکب الدریہ	″	مبیضہ	کواکب دریہ پر مصنف کے حواشی
۴۶۶		الجداول الرضویہ للمسائل الجفریہ	″	″	علم جفر کے متعلق مصنف کی ایجادی جدولیں
۴۶۷		الاجوبۃ الرضویہ للمسائل الجفریہ	″	″	سوالات جفر سے مصنف کا جواب
۴۶۸		رسالہ در علم تکسیر	فارسی		
۴۶۹		۱۱۵۲ مربعات	اردو		
۴۷۰		حاشیہ الدر المکنون	عربی		
۴۷۱		الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ	″		
۴۷۲		مجتلی العروس	اردو		
۴۷۳		الجفر الجامع	″		
۴۷۴		اسہل الکتب فی جمیع المنازل	عربی		
۴۷۵		رسالۃ فی علم الجفر	″		

جبر و مقابلہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۴۷۶	۱۳۲۵	حل المعادلات لقوی المکعبات	فارسی	ناتمام	جبر و مقابلہ کے مساوات درجہ سوم پر نظر
۴۷۷		حل ساداتہائے درجہ سوم	″		
۴۷۸		رسالہ جبر و مقابلہ	″		
۴۷۹		حاشیۃ القواعد الجلیلہ	عربی		

مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۴۸۰	۱۳۱۹	الموہبات فی المربعات	عربی	مسودہ	ہم ایک مربع بنانا چاہتے ہیں کہ جسقدر مربع منظور ہوں

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۸۱	۱۳۲۳	البدور فی اوج المجذور	فارسی	مبیضہ	ان کا مجموعہ ہو اور ایسے مربعات کے سلاسل کا بیان مربع و مکعب وغیرہ قوتوں کے متعلق فائدے
۴۸۲	۱۳۲۵	کتاب الارثماطیقی	"	"	اعمال اربعہ حسابیہ اور ان کے نتائج و باہمی نسبت کی اعلیٰ کنہ و حقیقت جو اسی رسالہ میں ملے گی۔
۴۸۳		رسالہ در علم مثلث	فارسی		
۴۸۴		تلخیص علم مثلث کروی	"		
۴۸۵		وجوہ زوایا مثلث کروی	"		
۴۸۶		حاشیہ رسالہ علم مثلث	"		
۴۸۷		رسالہ در علم لوگارثم	اردو		

توقیت، نجوم، حساب

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۴۸۸	۱۳۱۹	الاجب الانیق فی طرق التعلیق	فارسی	مبیضہ	نماز و روزہ کے اوقات کلیہ سے ہر مہینہ کے اوقات جزئیہ نکالنے کے طریقے
۴۸۹	"	کلام الفہیم فی سلاسل الجمع والتقسیم	عربی	"	سلسلہ جمع و تفریق و ضرب و تقسیم کا بیان اور علوم تازہ کا اضافہ
۴۹۰	"	تذییل الاوقات للصوم والصلوٰت	اردو	ناتمام	ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کے شہروں کے نماز و روزہ کے اوقات کا استخراج
۴۹۱	۱۳۲۰	تاج توقیت	فارسی	مبیضہ	اوقات خمسہ نماز و سحری و افطار نکالنے کے طریقے و قواعد
۴۹۲	۱۳۲۴	کشف العلۃ عن سمت القبلۃ	اردو	"	ہر شہر کے لئے ٹھیک سمت قبلہ نکالنے کا طریقہ
۴۹۳	۱۳۲۵	ازکی البہا فی قوۃ الکواکب وضعفہا	فارسی	"	زائچہ ولادت میں ستارہ کن کن وجوہ سے خیال اہل تنجیم قوی یا ضعیف ہوتا ہے۔
۴۹۴	۱۳۲۶	درء القبح عن درک وقت الصبح	اردو	مبیضہ	سحری کے وقت کی جلیل تحقیق اور اسے رات کا ساتواں حصہ جاننا محض خطا ہے۔
۴۹۵	۱۳۲۰	سر الاوقات	"	مطبوعہ	تعدیل الایام کا بے مثل بیان
۴۹۶		رویت ہلال رمضان	"		
۴۹۷		مسئولیات السہام	"		
۴۹۸		البرہان القویم علی العرض والتقویم	"		
۴۹۹		استنباط الاوقات	فارسی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۵۰۰		تسہیل التعدیل	اردو		
۵۰۱		میول الکواکب والتعدیل الایام	〃		
۵۰۲		استخراج تقویمات کواکب	فارسی		
۵۰۳		طلوع و غروب نیرین	اردو		
۵۰۴		حاشیہ زبدۃ المنتخب	عربی		
۵۰۵		ترجمہ قواعد ناٹیکل المنک	اردو		
۵۰۶		جدول اوقات	〃		
۵۰۷		حاشیہ جامع الافکار	عربی		
۵۰۸		حاشیہ حدائق النجوم	〃		
۵۰۹		حاشیہ خزانۃ العلم	〃		

ہیئت، ہندسہ، ریاضی

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	زبان	کیفیت	موضوع
۵۱۰	۱۳۰۶	الاشکال الاقیدس لنکس اشکال اقلیدس	عربی	مسودہ	اقلیدس کے بعض اشکال پر امتحانی اعتراض
۵۱۱	۱۳۱۹	عزم البازی فی جو الریاضی	عربی فارسی اردو	مبیضہ	مختلف علوم ریاضی میں تحریرات نفیسہ
۵۱۲	〃	اقمار الانشراح الحقیقۃ الاصباح	عربی	مسودہ	صبح کیسے ہوتی ہے اور اس کے بارے میں امام رازی کے اعتراض کا جواب
۵۱۳	〃	الصراح الموجز فی تعدیل المرکز	فارسی	مبیضہ	ہیئت قدیمہ و جدیدہ پر مرکز شمس کی تعدیل معلوم کرنے کا طریقہ کہ تقدیم حاصل ہو۔
۵۱۴	〃	اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا	عربی فارسی	〃	مثلث مسطح مثلث کروی اضلاع و زوایا میں معلوم سے مجہول کا جاننا اور شکل مغنی و ظلی و نافع کا بیان
۵۱۵	۱۳۲۰	الجمل الدائرہ فی خطوط الدائرہ	فارسی		جیب و ظل و سہم و وتر و قاطع کے بیان اور طرق استخراج
۵۱۶	۱۳۲۳	ستین ولوگارثم	اردو	〃	ستینی حساب اور لوگارثم بنانے اور جدول سے نکالنے کا طریقہ
۵۱۷	۱۳۲۵	جادۃ الطلوع والمر للسیارہ والنجوم والقمر	عربی	〃	قمر و متحیرات و ثوابت کے طلوع و غروب نصف النہار کا وقت نکالنے کا بیان۔
۵۱۸	۱۳۱۹	جداول الریاضی	عربی فارسی	〃	جداول میل و ظلال وغیرہم کا استخراج از مصنف
۵۱۹		مقالہ مفردہ	اردو		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
٥٢٠		معدن علومی درسنین ہجری عیسوی درومی	اردو		
٥٢١		طلوع و غروب کواکب و قمر	″		
٥٢٢		قانون رویتہ اہلہ	″		
٥٢٣		کسور اعشاریہ	فارسی		
٥٢٤		المعنی المجلی للمغنی والظلی	″		
٥٢٥		زاویہ اختلاف المنظر	″		
٥٢٦		مبحث المعادلہ فات الدرجۃ الثانیہ	عربی		
٥٢٧		رویتہ الہلال	اردو		
٥٢٨		الکسر العشری	عربی		
٥٢٩		استخراج وصول قمر برراس	فارسی		
٥٣٠		رسالۃ العادقمر	عربی		
٥٣١		حاشیہ تصریح	″		
٥٣٢		حاشیہ شرح چغمینی	″		
٥٣٣		حاشیہ علم الہیئت	″		
٥٣٤		حاشیہ کتاب الصور	″		
٥٣٥		جدول برائے جنتری شصت سالہ	فارسی		
٥٣٦		حاشیہ اصول الہندسہ	عربی		
٥٣٧		حاشیہ تحریر اقلیدس	″		
٥٣٨		حاشیہ رفع الخلاف	″		
٥٣٩		حاشیہ شرح باکورہ	″		
٥٤٠		حاشیہ طیب النفس	″		
٥٤١		حاشیہ شرح تذکرہ	″		

فلسفہ، منطق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
٥٤٢		فوز مبین در رد حرکت زمین	اردو		
٥٤٣		الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ	″		
٥٤٤		معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین	″		

۵۴۶	حاشیہ ملا جلال میرزاہد	عربی	
۵۴۷	حاشیہ شمس بازغہ	"	
۵۴۸	حاشیہ اصول طبعی	اردو	

موضوعات	تعداد کتب	موضوعات	تعداد کتب
تفسیر	۱۱	جفر و تکسیر	۱۱
عقائد و کلام	۵۴	جبر و مقابلہ	۴
حدیث و اصول حدیث	۵۳	مثلث، ارثما طبقی، لوگارثم	۸
فقہ، اصول فقہ، لغت فقہ فرائض، تجوید	۲۱۴	توقیت، نجوم، حساب	۲۲
تنقیدات	۴۰	ہیئت، ہندسہ، ریاضی	۳۱
تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق	۱۹	منطق و فلسفہ	۶
تاریخ، سیرہ، مناقب، فضائل	۵۵		
ادب، نحو، لغت، عروش			۵۴۸

امام احمد رضا پر کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۱	حیات اعلیٰ حضرت جلد اول	ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب	مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی	-	۳۲۰
۲	حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم	″	غیر مطبوعہ	-	
۳	حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم	″	″	-	
۴	حیات اعلیٰ حضرت جلد چہارم	″	″	-	
۵	الملفوظ حصہ اول	حضرت مصطفیٰ رضا خان صاحب مفتی اعظم ہند	کتب خانہ سمنانی مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میرٹھ	-	۱۰۴
۶	الملفوظ حصہ دوم	″	″		۱۱۲
۷	الملفوظ حصہ سوم	″	″	رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ	۸۰
۸	الملفوظ حصہ چہارم	″	″	شعبان ۱۳۸۳ھ	۸۰
۹	مقالات یوم رضا حصہ اول	قاضی عبد النبی کوکب	دائرۃ المصنفین لاہور	جون ۱۹۶۸ء	۱۴۴
۱۰	مقالات یوم رضا حصہ دوم	″	″	۲/ مئی ۱۹۷۰ء	۸۴
۱۱	مجدد اسلام	محمد صابر القادری نسیم بستوی	نوری بک ڈپو لاہور	۱۹۵۹ء	۲۴۰
۱۲	سوانح اعلیٰ حضرت	بدر الدین احمد قادری	مکتبہ غوثیہ ضلع بستی	۱۹۶۳ء	
۱۳	کرامات اعلیٰ حضرت	اقبال احمد نوری			
۱۴	فاضل بریلوی اور ترک موالات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب	مرکزی مجلس رضا لاہور	۱۹۷۰ء	
۱۵	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	اختر شاہجہانپوری	″	۱۹۷۱ء	
۱۶	سوانح سراج الفقہا	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	″	۱۱/ شوال المکرم ۱۳۹۳ھ	۴۰
۱۷	پیغامات یوم رضا	محمد مقبول احمد قادری	″	۲۱/ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ	۴۸
۱۸	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب	″	۱۹۷۳ء	۲۶۴
۱۹	المجمل المعدد لتالیفات المجدد	ملک العلماء ظفر الدین بہاری صاحب	″	۱۹۷۴ء	۳۲

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۲۰	فاضل بریلوی کا فقہی مقام	علامہ غلام رسول سعیدی	مرکزی مجلس رضا لاہور	مئی ۱۹۷۵ء	۴۰
۲۱	محاسن کنز الایمان	ملک شیر محمد اعوان	〃	ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ	۵۶
۲۲	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	〃	〃	صفر المظفر ۱۳۹۲ھ	۴۸
۲۳	اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	سید نور محمد قادری	〃	〃 ۱۳۹۵ھ	۴۸
۲۴	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	الحاج وصیت یاب خان	تحلیق مرکز ۲۳ شاہ عالم گیٹ لاہور	۱۹۷۵ء	۱۶
۲۵	یاد اعلیٰ حضرت	محمد عبدالحکیم شرف قادری	مکتبہ قادریہ لاہور	۱۰ صفر ۱۳۹۵ھ	۶۴
۲۶	اعلیٰ حضرت نمبر	مجلس ادارت سید سعادت علی، جمیل احمد نعیمی، احمد میاں برکاتی	ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی	مارچ ۱۹۷۰ء	
۲۷	اعلیٰ حضرت نمبر	مجیب الاسلام نسیم اعظمی	ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی	جون ۱۹۶۲ء	
۲۸	رضا نمبر	مدیر سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی	پندرہ روزہ الحسن پشاور	یکم مارچ ۷۵ء	۳۲
۲۹	اعلیٰ حضرت نمبر	الیس ایم ناز	ہفت روزہ تعمیر وطن لاہور		۱۶
۳۰	اعلیٰ حضرت نمبر	ایڈیٹر مسعود حسن شہاب	ہفت روزہ الہام بہاولپور	۱۴ جون ۱۹۷۵ء	۳۲
۳۱	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نمبر	ایڈیٹر ناسخ سیفی	روزنامہ سعادت لاہور، لائلپور	۹ مارچ ۱۹۷۵ء	۱۲
۳۲	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت	سید نور محمد قادری	مکتبہ رضویہ کرشنا اسٹریٹ گجرات	ستمبر ۱۹۷۵ء	۳۲
۳۳	مجدد اعظم نمبر	مدیر غلام محمد خاں اشہر	ماہنامہ تجلیات ناگپور	جون ۱۹۶۶ء	۱۷۶
۳۴	امام احمد رضا نمبر	مدیر مشتاق احمد نظامی	ماہنامہ پاسبان الہ آباد	اپریل ۱۹۶۲ء	۸۰
۳۵	حیات فاضل بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	(زیر طبع)		تقریباً ۱۰۰۰
۳۶	خلفائے اعلیٰ حضرت	محمد صادق قصوری	مرکزی مجلس رضا لاہور	عنقریب منظر عام پر آنیوالی ہے	
۳۷	علماء ان پولٹکس (انگریزی)	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	مطبوعہ کراچی	۱۹۷۴ء	ذکر صفحہ ۲۷۰ سے ۲۷۴، ۲۸۴
۳۸	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	پنجاب یونیورسٹی شعبہ دائرۃ المعارف اسلامیہ			
۳۹	اعلیٰ حضرت بریلوی	پروفیسر عبدالشکور شاد کابل یونیورسٹی کابل	(زیر طبع)		
۴۰	آزادی کی ان کہی کہانی	گل محمد فیضی بی اے	مکتبہ الکرم ڈھل شریف سرگودہا	اکتوبر ۱۹۷۴ء	ذکر ص ۱۳۶ تا ۱۶۱
۴۱	تذکرہ رضا	محمد احمد مصباحی	حق اکیڈمی مبارکپور		۸۰

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۴۲	رانچی میں یوم رضا	محمد احمد مصباحی	حق اکیڈمی مبارک پور		۳۲
۴۳	تذکرہ علمائے اہلسنت	محمود احمد قادری	خانقاہ قادریہ بھوانی پور مظفر پور	رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ	۴۲ تا ۴۶
۴۴	تذکرہ نوری	پروفیسر محمد ایوب قادری	سنی دار الاشاعت لائلپور	۱۹۶۸ء	۵ تا ۷
					۱۵ تا ۱۷
					۴۰ تا ۴۱
					۱۵۹ تا ۱۶۰
					۲۰۵ تا ۲۰۶
۴۵	اعلیٰ حضرت کی علمی و ادبی خدمات (ڈاکٹریٹ مقالہ)	حکیم محمد ادریس خاں	(غیر مطبوعہ)	۱۹۷۵ء	۱۵۰۰
۴۶	تذکرہ علمائے ہند	مولانا رحمان علی	مطبع نول کشور لکھنو	۱۹۱۴ء	۱۵ تا ۱۸
۴۷	اردو انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر عبد الوحید	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور	۱۹۶۲ء	۸۶
۴۸	نزہۃ الخواطر جلد ہشتم	سید عبد الحئی لکھنوی	مطبوعہ حیدرآباد	۱۹۷۰ء	۳۸ تا ۴۱
۴۹	ہندوستان کے عربی گو شعراء	ڈاکٹر حامد علی خاں	غیر مطبوعہ		۲۴۶ تا ۲۴۷
۵۰	قاموس الکتب (جلد اول)	مولوی عبد الحق بابائے اردو	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	جون ۱۹۶۱ء	۶۳ تا ۶۴
					۳۸۲
					۱۸۶
					۲۱۸
					۸۸۳
					۹۱۰
					۹۲۳ تا ۹۲۴
					۱۰۰۰
					۱۰۶۳
					۱۰۲۴
					۵

۵ بابائے اردو نے اعلحضرت کی کتب کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے اور اس پر نوٹ قلم بند کئے ہیں اور اعلحضرت کی شخصیت و علمیت کو ہر باب میں مدنظر رکھا ہے۔ (اسد)

۵۱	حضرت مولانا احمد رضا خان رضا بریلوی	محمد مرید احمد چشتی ضلع جہلم	(زیر طبع)		
۵۲	حافظ ملت اعلیٰ حضرت	مدیر اعلیٰ ظہیر الدین قادری	ماہنامہ استقامت کانپور	دسمبر ۱۹۷۵ء	۲۹ تا ۳۰
۵۳	اعلیٰ حضرت نمبر	مدیر محمد افضل کوٹلوی ایم اے	ماہنامہ فیض رضا لائلپور	۱۹۷۰ء	
۵۴	اعلیٰ حضرت نمبر	"	ماہنامہ عرفات لاہور	اپریل ۱۹۷۰ء	
۵۵	تاریخ اسلام جلد پنجم	ایس ذاکر حسین	جے اینڈ سنز پرنٹنگ ورکس دہلی	۱۹۱۹ء	۴۶

سوانح حیات

امام احمد رضا کا شخصیلتی جائزہ

پروفیسر مختار الدین احمد۔ ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

امام احمد رضا علوم و فنون کا ہمالہ

عالیجناب مقبول جہانگیر ۔ لاہور

امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات

خواجہ ابرار حسین فاروقی لیکچرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ بھارت)

حیات امام احمد رضا خاں

خواجہ عابد نظامی

امام احمد رضا ایشیا کا عظیم محقق

مولانا عبدالکریم نعیمی بنگلہ دیش

امام احمد رضا دین کا امام

مولانا سید محمود احمد رضوی لاہور (پاکستان)

امام احمد رضا اور محبت سادات

مولانا عبید اللہ خاں اعظمی رضوی سیکرٹری آل انڈیا سنی لیگ (بھارت)

امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ

حضرت مولانا احمد رضا خان جنہیں اپنے وقت کے مشہور عالم حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی نے "مجدد مائۃ حاضرہ"، کا لقب دیا تھا اور جنہیں خواص اب بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہیں، اسلامی دنیا میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ قندھار (کابل) کے ایک باعظمت قبیلے کے ایک پٹھان سعید اللہ خان تھے جو مغلوں کی حکومت میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ جب وہ لاہور سے دہلی منتقل ہوئے تو وہ شش ہزاری عہدے پر متمکن تھے۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں کو حکومت مغلیہ نے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لئے روہیل کھنڈ بھیجا۔ فتح یابی کے بعد ان کا یہیں انتقال ہوا۔ ان کے تین بیٹوں میں اعظم خاں بریلی آئے اور کچھ دن حکومت کے بعض اہم عہدوں پر فائز رہے پھر انہوں نے ترکِ دنیا کر کے بریلی میں سکونت اختیار کر لی۔ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیلدار انہی اعظم خاں کے بیٹے تھے جن کے پاس دو سو سواروں کی بٹالین تھی۔ اور جنہیں آٹھ گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔ ان کے بیٹے رضا علی خاں (المتوفی ۱۲۸۲ھ) تھے اپنے وقت کے قطب اور ولیِ کامل اور روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علماء میں تھے۔ اس خاندان میں انہی کے زمانے میں حکمرانی کا دور ختم ہو کر فقر و درویشی کا رنگ غالب آیا۔ اِن کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں (م ۱۲۹۰ھ) علوم ظاہری و باطنی دونوں سے متصف جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کی تصنیف سرور القلوب فی ذکر مولد المحبوب اس زمانہ کی مقبول کتابوں میں ہے علامہ محمد حسن علمی جن کے لکھے ہوئے خطبات ہندوستان میں ہر جگہ رائج ہیں اور جمعہ و عیدین میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں انہی کا خطبہ پڑھا جاتا ہے حضرت ہی کے شاگرد تھے۔ وہ بے مثل مناظر اور بہت کامیاب مصنف بھی تھے۔ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی انہی مولانا نقی علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت بریلی میں دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ ولادت کا سن ہجری اس آیت کریمہ سے مستخرج ہوتا ہے اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروحٍ منہ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی معلوم نہیں لیکن اس قدر یقین ہے کہ بہت کم عمری میں ہوئی ہوگی اس لئے کہ چار سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا اس سے آپ کی ذہانت و فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بسم اللہ خوانی کا عجیب واقعہ پیش آیا۔ استاد نے بسم اللہ کے بعد الف با تا جس طرح پڑھایا جاتا ہے۔ پڑھایا، آپ پڑھتے رہے، جب (لام الف) کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے استاد نے دوبارہ کہا میاں۔ لام الف۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں حرف تو پڑھ چکے ہیں ل بھی اور الف بھی، اب یہ دوبارہ کیوں؟ جدامجد مولانا رضا علی خان موجود تھے بولے۔ بیٹا، استاد کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔ حضرت نے تعمیل کی اور جد امجد کی طرف دیکھا۔ وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا، فرمایا بیٹا تمہارا شبہ درست ہے مگر شروع میں تم نے جو الف پڑھا ہے وہ دراصل ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے اس لئے ایک حرف یعنی لام اوّل میں لاکر اس کا تلفظ بنانا مقصود ہے۔ آپ نے فرمایا تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا۔ لام کی کیا خصوصیت ہے

با، دال، سین بھی اوّل میں لاسکتے تھے۔ جدامجد نے نہایت محبت وجوش میں گلے لگالیا۔ دل سے دعائیں دیں اور پھر اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔

حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلماء فاضل مولانا ظفرالدین قادری رضوی میں ان کے بچپن کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ ایک دو ٹکڑے آپ بھی سن لیجیے۔

ایک مولوی صاحب حضرت کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ کسی آیۂ کریمہ میں بار بار ایک لفظ نہیں بتاتے تھے مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ زبر بتاتے تھے آپ زیر پڑھتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت کے جدامجد نے انہیں اپنے پاس بلایا اور کلام پاک کا وہ نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس کاتب سے اعراب کی غلطی ہوگئی تھی اور جس کی مطبع میں تصحیح نہیں ہوسکی تھی۔ جدامجد نے نسخے میں تصحیح کردی اور حضرت سے پوچھا جس طرح مولوی بتاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ فرمایا میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ تھا۔

ایک روز مولوی صاحب موصوف حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آکر سلام کیا، مولوی صاحب نے کہا جیتے رہو اس پر حضرت نے فرمایا یہ سلام کا جواب تو نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیئے تھا مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

حضرت مولوی صاحب سے سبق پڑھتے تو ایک دوبار دیکھ کر کتاب بند کر دیتے۔ استاد جب سبق سنتے تو لفظ بلفظ یاد۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر مولوی صاحب سخت متعجب ہوئے ایک دن کہنے لگے۔ امن میاں (یہ آپ کا بچپن کا نام ہے) تم آدمی ہو یا فرشتہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔

اس قسم کے متعدد واقعات مولوی صاحب کو بارہا پیش آئے تو ایک روز تنہائی میں حضرت سے کہنے لگے، صاحبزادے سچ سچ بتادو میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن؟ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں پس اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل حال ہے۔

ابتدائی زندگی کے حالات کم ملتے ہیں۔ تذکرہ علمائے ہند مولفہ رحمٰن علی میں لکھا ہے کہ چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مرزا غلام قادر بیگ اور دوسرے اساتذہ سے پڑھ کر چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول ومنقول کی تکمیل اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان سے کی ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحۂ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا والد ماجد نے ذہن وطباع دیکھ کر اسی دن سے فتوای نویسی کا کام ان کے سپرد فرمایا۔ ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ حاضر ہوکر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کے مرید ہوئے اور خلافت واجازت جمیع سلاسل وسند حدیث سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین طیبین سے شرف وافتخار حاصل فرمایا اور اکابر علمائے دیار مثل حضرت سید احمد دحلان مفتی شافعیہ وحضرت عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے حدیث وفقہ واصول وتفسیر ودیگر علوم کی سند حاصل فرمائی مصنف تذکرہ علمائے ہند راوی ہیں کہ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی کہ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے دولت خانے لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرماتے رہے انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین (بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں) اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اس سند کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ مکتب کے استاد جن کا نام معلوم نہیں اور مرزا غلام قادر بیگ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی والد ماجد سے علوم دینیہ کی تکمیل کی غالباً ۱۲۸۸ھ کا قصہ ہے آپ کو اپنے بعض اعزہ کے یہاں رام پور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم نواب کلب علی خانصاحب کے یہاں کسی اونچے عہدے پر مامور تھے ان سے حضرت کا ذکر آیا نواب صاحب چونکہ علمی ذوق

رکھتے تھے اور علماء، شعراء، حکماء اور اہل فن کی خاصی جماعت ان کے دربار سے منسلک تھی اور وہ علمی و ادبی گفتگو کرتے رہتے تھے انہیں ایک ایسے لائق طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کرلی تھی جب حضرت نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور وہ بہت لطف و محبت سے باتیں کرتے رہے۔ دورانِ گفتگو میں انہوں نے فرمایا۔ آپ ماشاء اللہ فقہ و دینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں مولانا عبدالحق خیرآبادی مشہور منطقی موجود ہیں بہتر ہو آپ ان سے کچھ منطق کی انتہائی کتابیں قدمار کی تصانیف سے پڑھ لیں۔ اتفاق سے اس وقت مولانا عبدالحق خیرآبادی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے تعارف کرایا اور فرمایا باوجود کم سنی کے ان کی سب کتابیں ختم ہیں اور فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا خیرآبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ دنیا میں ڈھائی عالم ہیں۔ ایک مولانا بحرالعلوم دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ ناچیز۔ وہ ایک کم عمر لڑکے کو کیا عالم مانتے پوچھا منطق میں انتہائی کتاب آپ نے کیا پڑھی ہے؟ جواب دیا۔ قاضی مبارک یہ سن کر دریافت کیا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں حضرت نے فرمایا کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ خیرآبادی نے گفتگو کا رُخ بدل دیا اور پوچھا۔ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ فرمایا۔ تدریس، تصنیف اور افتاء پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا جس مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور ردّ وہابیہ میں علامہ نے فرمایا آپ بھی ردِّ وہابیہ کرتے ہیں ایک ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اسی خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ اشارہ تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ کے استاد بھائی دوست اور ساتھی تھے۔ اعلیٰحضرت آزردہ خاطر ہوئے اور بولے؟ جناب والا سب سے پہلے ردّ وہابیہ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی حضور کے والد ماجد نے کیا اور تحقیق الفتویٰ فی سلب الطغویٰ نام کی کتاب ردّ وہابیہ میں تصنیف کی۔ بہرحال حضرت کے استاد ہونے کا فخر رامپوری کے ایک دوسرے عالم ہیئیات کے مشہور فاضل مولانا عبدالعلی رامپوری کو حاصل ہوا جن سے حضرت نے شرح چغمینی کے کچھ اسباق لئے آپ نے حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی سے علم تکسیر و جفر حاصل کئے ان کے علاوہ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا، مگر فضل خدا اور ان کی محنت و خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم و فنون کے جامع بنے کہ پچاس فنون میں آپ نے تصنیفات فرمائیں اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ تلامذہ و معتقدین کا تو کہنا کیا معاصرین بھی جو ان کی شدّت اور صلابت فی الدین کی وجہ سے آپ سے ناخوش تھے یہ کہنے پر مجبور تھے کہ مولانا احمد رضا خاں قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر انہوں نے قلم اٹھا لیا موافق کو ضرورت اضافہ نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش

تلامذہ کی تعداد خاصی ہے، مشاہیر میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں متع اللہ المسلمین بطول بقاء، سلطان المناظرین مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفرالدین قادری سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، رئیس الاطباء مولانا سید حکیم عزیز غوث بریلوی قابلِ ذکر ہیں۔

اعلیٰحضرت ۱۳ سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ حرمین شریفین افریقہ، ہندوستان وغیرہ کے جن اکابر علماء اسلام کو ان سے اجازت و خلافت ہوئی ان میں کچھ مشہور و معروف حضرات کے اسمائے گرامی الاجازت المتینۃ اور الاستمداد میں درج ہیں ان میں مولانا سید محمد عبدالحئی محدث بلاد مغرب، شیخ صالح کمال سابق مفتی حنفیہ سید اسمٰعیل مکی حافظ کتب خانہ حرم شریف مولانا مصطفےٰ بن خلیل مکی سید ابوحسین محمد مرزوقی مکی، شیخ اسعد دہان مکی، شیخ محمد عابد بن حسین، مکی مفتی مالکیہ وغیرہم اور ہندوستانی علماء میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں متع اللہ المسلمین بطول بقاءہ، ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفرالدین قادری صدر الشریعۃ مولانا امجد علی، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ محدث لاہوری، مبلغ اعظم مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی حامیِ سنت مولانا عبدالسلام جبل پوری، سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی فاضل جلیل مولانا برہان الحق جبل پوری عالمِ حقانی مولانا سید فتح علی شاہ کھروڑ سیدان حامی شریعت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، ماحی بدعت مولانا ابومحمد امام الدین کوٹلی لوہاران

احباب، قابلِ ذکر ہیں۔

ان کا ایمان کس قدر پختہ تھا اور سرور کائناتؐ کے ارشادات پر کس درجہ یقین تھا اس کی ایک مثال انہی کی زبان قلم سے سنیئے۔

بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا، ایک دن میرے مسوڑھوں میں ورم ہوا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں طبیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا۔ یہ وہی ہے یہ وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا اس لئے انہیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ نہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا اس لئے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی ہے جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا وہ دعا یہ ہے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمد للہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہوگا آخر شب میں کرب بڑھا تو دل نے درگاہ الٰہی میں عرض کی اللّٰھم صدّق الحبیب وکذّب الطبیب، کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا مسواک اور سیاہ مرچیں۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ جب دونوں چیزیں آئیں اس وقت میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا تھوڑا منہ کھولا۔ اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پسی ہوئی مرچیں اس راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں۔ منہ کھل گیا میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہ تعالیٰ دفع ہوگیا، دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی طرح ایک بار کثرت مطالعہ کے سبب آنکھ میں تکلیف شروع ہوئی اس وقت کا ایک بہت سربرآوردہ ڈاکٹر اندرسن نامی تھا اس نے معائنہ کے بعد کہا کہ کثرت کتب بینی سے آنکھوں میں یبوست آگئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھیے، ان سے پندرہ دن بھی کتاب نہ چھوٹ سکی اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے فرمایا۔ مقدمۂ آب نزول ہے بیس برس بعد (خدا ناکردہ) آنکھوں میں پانی اتر جائے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہوگیا۔ ۱۳۱۷ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر آیا، کہا چار برس میں (خدانخواستہ) پانی اترے گا۔ مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا الحمد للہ بیس کیا معنی تئیس برس سے زائد گزر چکے ہیں۔ نہ میں نے کتب بینی میں کمی کی، نہ کروں گا۔ میں نے یہ اس لئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔

البتہ ایک بار اس دعا کے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوب چشم ہوجایا کرتا تھا اور بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہوگی کہ رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی جب سے ابتک آشوب چشم پھر نہیں ہوا۔ افسوس اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو، زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، کھجلی کہ اس سے امراض جلد یہ جذام وغیرہ کا انسداد ہوجاتا ہے اور آشوب چشم کہ نابینائی کو دفع کرتا ہے۔

اعلیٰحضرت صوم و صلوٰۃ اور طہارت وغیرہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے وضو میں بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کا پورا اہتمام کرتے

بھی کوشش بلیغ فرماتے تھے کہ ہر جگہ سے سیلانِ آب ہو جائے اور بال برابر جگہ خشک نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لیے پانی کے دو لوٹے ان کے لیے رکھے جاتے تھے۔ بریلی میں جب ٹیوب ویل کا رواج ہوا تو اپنے یہاں فوراً لگوایا، لگوا کر بہت خوش ہوئے فرمایا اب کنواں میں چڑیوں کی بیٹ یا کسی نجاست کے گرنے کا احتمال نہیں رہا۔ جو کام الٹے ہاتھ کے کرنے کے ہیں ان کے علاوہ وہ ہر کام کی ابتدا سیدھے ہاتھ سے کرتے عمامہ کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا عمامے کے پیچ سیدھی جانب ہوتے۔ دروازہ مسجد کے زینے پر قدم رکھتے تو سیدھا صحن مسجد میں ایک صف بچھی رہتی تھی اس پر قدم پہنچتا تو سیدھا ہر صف پر تقدیم سیدھے قدم فرماتے یہانتک کہ محراب میں مصلی پر قدم سیدھا ہی پہنچتا۔ اگر کسی کو کوئی چیز دینی ہوتی تو سیدھے ہاتھ میں دیتے اور بسم اللہ کے اعداد ۷۸۶، عام طور سے جب لوگ لکھتے ہیں تو ابتدا الٹی طرف سے کرتے ہیں یعنی پہلے ۶ لکھتے ہیں پھر ۸ پھر ۷۔ اعلیٰ حضرت سیدھی طرف سے ابتدا کرتے تھے پہلے ۷ پھر ۸ پھر آخر میں ۶ تحریر فرماتے۔

تمام عمر جماعت سے مسجد میں آکر نماز پڑھی اور باوجودیکہ گرم مزاج کے تھے مگر کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھتے خصوصاً فرض نمازیں تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے میں ادا نہیں کیں ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر آپ مکان تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ مسجد آکر نماز پڑھ رہے ہیں، ایک صاحب جو خود حضرت کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے بہت متحیر ہوئے کہ بعد عصر نوافل نہیں اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا حافظہ ایسا نہیں تھا کہ مجھے بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے۔ جب حضرت نے سلام پھیرا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ نماز کیسی؟ فرمایا قعدۂ اخیر میں بعد تشہد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا، چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے اس لیے میں نے آپ سے کچھ نہیں کہا اور گھر جا کر انگرکھے کا بند درست کرا کے اپنی نماز دوبارہ پڑھ لی۔

ایک مرتبہ آنکھوں میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی، متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ کسی کو نماز کے بعد بلا کر پوچھتے کہ دیکھو تو آنکھ کے حلقے سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

یہاں آپ کی بعض عادات و خصلات کا ذکر ضروری ہے۔ ہفتہ میں دو بار جمعہ اور سہ شنبہ کو لباس تبدیل فرماتے۔ ہاں اگر پنجشنبہ یا شنبہ کو یوم عیدین یا یوم النبی آکر پڑے تو دونوں دن لباس تبدیل فرماتے۔ ان دونوں تقریبوں کے علاوہ سوا یوم معین کے کسی اور وجہ سے لباس تبدیل نہ کرتے۔ ایک مرتبہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے عرس سے پیلی بھیت سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی اعلیٰحضرت نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفے کی صندوقچی اپنے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے ویٹنگ روم سے اس زمانے کی لمبی آرام کرسی لا کر بچھا دی۔ دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے جتنی دیر تک وظیفہ پڑھتے رہے آرام کرسی کے تکیئے سے پشت مبارک نہ لگائی حضرت اپنا وقت کبھی بیکار نہیں فرماتے تھے۔ ہمہ وقت تالیف و تصنیف و فتاویٰ نویسی کا مشغلہ جاری رہتا اسی وجہ سے اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے کہ باتوں میں کام نہیں ہو گا یا بہت ہی کم ہو گا۔ صرف پنجگانہ نماز کے لیے باہر تشریف لاتے تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا کسی مہمان سے ملنے کے لیے۔ جمعہ کو بعد نماز پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھدی جاتیں۔ یہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا۔ جب لوگ مسئلہ مسائل دریافت کرتے یا آپ خطوط کے جوابات دیتے یا استفتاء کے جوابات لکھواتے۔ اس وقت علوم و فیوض و برکات کے دریا جاری ہوتے اور حاضرانِ آستانہ مستفیض ہوا کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے اور وہیں تصنیف و تالیف و کتب بینی اور اوراد و اشغال میں مصروف رہتے۔

آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوالِ رسول کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے میلاد شریف کی مجلسوں میں شروع سے آخر تک اوباً دوزانو بیٹھا کرتے اور اسی طرح دوزانو بیٹھ کر وعظ فرماتے۔ چار چار پانچ پانچ گھنٹے منبر پر تقریر کرنا ہوتا جب بھی [illegible] کبھی بیٹھا

نہ لگاتے جمائی آتے ہی انگلی دانتوں میں دبا لیتے۔ قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے۔ بغیر صوف پڑی دوات سے لکھنا پسند نہ کرتے۔ یونہی لوہے کی نب سے اجتناب کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے۔ آخر عمر میں پان کھانا چھوڑ دیا تھا اور نہ پہلے کثرت سے پان استعمال کرتے تھے مگر بغیر تمباکو کے بوقت وعظ پان مطلق نہ کھاتے' ہاں ایک چھوٹی سی صراحی شیشے کی پاس رکھی ہوتی ہوتی اس سے خشکی رفع کرنے کے لئے غرارہ کرلیا کرتے۔

اعلیٰحضرت نحیف الجثہ اور نہایت قلیل الغذا تھے ان کی عام غذا چکی کے پسے ہوئے آٹے کی روٹی اور بکری کا قورمہ تھا۔ آخر عمر میں ان کی غذا اور بھی کم رہ گئی تھی ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا کھانے پینے کے معاملے میں اس قدر سادہ مزاج تھے کہ ایک بار بیگم صاحبہ نے انکی علمی مصروفیت دیکھ کر جہاں وہ کاغذات اور کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے دسترخوان بچھا کر قورمہ کا پیالہ رکھدیا اور چپاتیاں دسترخوان کے ایک گوشے میں لپیٹ دیں کہ ٹھنڈی نہ ہو جائیں کچھ دیر بعد وہ دیکھنے تشریف لائیں کہ حضرت کھانا تناول فرما چکے یا نہیں تو یہ دیکھ حیرت زدہ رہ گئیں کہ سالن آپ نے نوش فرمالیا ہے لیکن چپاتیاں دسترخوان میں اسی طرح لپٹی رکھی ہوئی ہیں۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا۔ چپاتیاں تو میں نے دیکھی نہیں سمجھا ابھی نہیں پکی ہیں۔ میں نے اطمینان سے بوٹیاں کھالیں اور شوربا پی لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ حیات اعلیٰحضرت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے زمانے میں افطار کے بعد پان نوش فرماتے سحری میں صرف ایک پیالے میں فیرنی اور ایک پیالے میں چٹنی آیا کرتی تھی وہی نوش فرمایا کرتے تھے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت فیرنی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت ہے۔

آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپ کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے جب آپ نے آنکھ کھولی تو گردوپیش امارت و ثروت کی فضا تھی۔ خود زمیندار تھے لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا۔ انہیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی چونکہ داد و دہش کے عادی تھے اس لئے کبھی ایسا ہوا ہے کہ قلمدان میں پیسہ تک زائد موجود نہیں رہے لیکن انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔

ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ الحمدللہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلہ رحم عمل نیک ہے۔ اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین صاحب قادری کو ایک ذاتی خط میں تحریر فرماتے ہیں "خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث در بارۂ ذم دنیا و منع التفات بقول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں، فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو حیدر آباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علم نفع یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے کس پر نعمت حق بیشتر ہے بشرط ایمان و عمدہ عملو و غلبہ باعتبار دین ہے۔ نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق ہے۔ دنیا سجن مومن ہے سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے"

تحریک خلافت کے زمانے میں گاندھی جی پورے ملک کا طوفانی دورہ کر رہے تھے مسلمان عوام کے ساتھ علماء کو بھی اپنا ہم خیال بنا رہے تھے اور تحریک خلافت کی طرف انہیں متوجہ کر رہے تھے۔ حضرت مولانا قیام الدین و عبدالباری فرنگی محلی تحریک سے متاثر ہو چکے تھے اور فرنگی محل میں گاندھی جی علی برادران اور دوسرے سیاسی اکابر آتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کو خیال ہوا کہ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مل کر انہیں بھی اس طرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے پر ان کا اثر ہے۔ اس طرح بہت سے مسلمان

تحریک خلافت کا ساتھ دے سکیں گے ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا فرمایا۔ گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے اور دنیاوی معاملہ میں میں کیا حصہ لوں گا جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی کوئی غرض نہیں رکھا۔

آپ کی صلابت مذہبی وحق گوئی کا ایک واقعہ سنئے۔ حضرت ایک بار مولانا فضل رسول بدایونی قدس سرہ العزیز کے عرس میں مارہرہ تشریف لے گئے۔ کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آنولوی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھا دیا۔ انہوں نے اثنائے تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے۔ چونکہ اس میں حیات انبیاء علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا سن کر حضرت کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ انہوں نے مولانا عبدالقادر سے فرمایا آپ اجازت دیں تو میں اُن کو منبر پر سے اتار دوں عبدالقادر نے مقرر کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبدالغفور صاحب سے فرمایا کہ مولانا ایسے لوگوں کو مولانا احمد رضا خانصاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے کو نہ بٹھایا کیجئے جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ کی ذات الحب للہ والبغض للہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ ورسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ اعلیحضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے انوار سے منور ہے۔ آپ نے بعض مردہ سنتوں کو زندہ کیا انہی میں نماز جمعہ کی اذان ثانی ہے جس کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق خطیب کے سامنے دروازہ مسجد پر دلوانے کا رواج قائم کیا۔

آج ہندوستان، پاکستان، افریقہ، افغانستان، کاشغر اور دوسرے ممالک میں جہاں جہاں جمعہ کی اذان ثانی دروازہ مسجد پر دی جارہی ہے وہ آپ ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اعلیحضرت اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور حضور اقدس تبلیغ وہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں اسی طرح اس پر یقین رکھتے تھے کہ علماء کے ذمے دو فرض ہیں۔ ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا دوسرے مسلمانوں کو ان کے دینی مسائل سے واقف کرنا اس لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کرتے ہوئے دیکھتے فرض تبلیغ بجالاتے اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے مصنف حیات اعلیحضرت لکھتے ہیں۔ آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھے، نہ کسی کی تعریف سے مطلب نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا حدیث شریف (من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان) کے مصداق تھے آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لئے اور کسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔ اگر وہ بد مذہبوں اور بے دینوں پر اشد تھے تو دینداروں اور علماء اہلسنت کے لئے "رحماء بینھم"، کی زندہ تصویر بھی تھے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت عزت کرتے تھے اپنے قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار میں علمائے اہلسنت کی تعریف فرمایا ہے۔

اذا حلوا تمصرت الایادی | اذا راحوا فصار المعر بید

یہ علمائے کرام ایسے ہیں جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے ویرانہ پر رونق شہر ہو جاتا ہے اور وہ جب روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویرانہ بن جاتا ہے۔ مصنف حیات اعلیحضرت لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یہ محض مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیحضرت نے فرمایا نہیں بالکل واقعہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر کی یہی شان تھی جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جاتی تھی عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی تھی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔

امام احمد رضا علوم و فنون کا ہمالہ

پرانے شہر بریلی کے ایک محلے میں صبح ہی سے ہر طرف چہل پہل تھی دلوں کی سرزمین پر عشقِ رسالت کا کیف اور سرور کالی گھٹاؤں کی طرح برس رہا تھا۔ بام و در کی آرائش گلی کوچوں کا نکھار، رہگزاروں کی صفائی اور دور دور تک رنگین جھنڈیوں کی بہار ہر گزرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ بالآخر چلتے چلتے ایک راہگیر نے دریافت کیا۔

"آج یہاں کیا ہونے والا ہے"

کسی نے جواب دیا۔ دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد اہلِ سنّت کے امام عشقِ رسالت کے گنج گراں مایہ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آج یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ انہی کے خیر مقدم میں یہ سارا اہتمام ہو رہا ہے۔

"کہاں سے تشریف لائیں گے؟"

اسی شہر کے محلہ سوداگران سے۔۔۔ جواب سن کر راہگیر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ دیر تک کھڑا سوچتا رہا۔ کہ آنے والا اسی شہر سے آ رہا ہے وہ آنا چاہے۔ تو ہر صبح و شام آ سکتا ہے۔ مسافت بھی کچھ اتنی طویل نہیں کہ وہاں سے آنے والے کو خاص اہمیّت دی جائے اور اس کے خیر مقدم کا شاندار اہتمام کیا جائے۔ آخر لوگوں کے سامنے اپنے دل کی خلش کا اظہار کئے بغیر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک بوڑھے آدمی نے ناصحانہ انداز میں جواب دیا۔

بھائی پہلے تم یہ سمجھ لو۔ کہ آنے والا کس حیثیت کا ہے۔ اس کی ہستی کس شان کی ہے۔ اعزاز و اکرام کی بنیاد مسافت کے قرب و بعد پر نہیں شخصیت کی جلالت اور فضل و کمال کی برتری پر ہے۔ آنے والے مہمان کی زندگی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دولت کدے سے نکل کر یا تو فرائضِ بندگی کے لئے خانہ خدا میں جاتا ہے یا پھر جذبہ عشق کی تپش بڑھ جاتی ہے تو دیارِ حبیب کا سفر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے شام و سحر اور شب و روز کا ایک ایک لمحہ دینی مہمات میں اس درجہ مصروف ہے کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی اسے مہلت نہیں ملتی۔ اس کے حریمِ دل پر ہر وقت عشقِ بے نیاز کا پہرہ ہے۔ ہزار انداز دلربائی پر بھی آج تک خیالِ غیر کو اجازت نہیں مل سکی۔ اس کی نوکِ قلم سے نکلی ہوئی روشنائی کا ایک ایک قطرہ فکر و اعتقاد کی جنتوں میں کوثر و تسلیم بن کر بہہ رہا ہے۔ اس کے خونِ جگر کی سرخی سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھے ہیں۔ اس کے عرفان و آگہی کی داستانیں چمن چمن پہنچ گئی ہیں اور لوح و قرطاس سے گذر کر اب اس کے علم و دانش کا چراغ کشورِ دل کے شبستانوں میں جل رہا ہے۔ عشق و ایمان کی روح اس کے وجود میں رگ رگ میں اس طرح رچ بس گئی کہ اپنے محبوب کی شوکتِ جمال کے لئے ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ اس کے جگر کی آگ کبھی نہیں بجھتی۔ اس کے دل کا دھواں کبھی بند نہیں ہوتا نقش و نگار جاناں کے لئے اس کے قلم کی روشنائی نہیں سوکھتی۔ پلکوں کا قطرہ ڈھلکنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ آنسوؤں کا نیا طوفان امڈنے لگتا ہے۔

وہ اپنے محبوب کے وفاداروں پر اس درجہ مہربان کہ قدموں کے نیچے دل کا فرش بچھا کر بھی اہتمامِ شوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ جہاں وہ اہلِ ایمان کے لئے لالہ کے جگر کی ٹھنڈک ہے۔ وہیں اہلِ کفر و بغاوت کے حق میں غیظ و غضب کا ایک دہکتا ہوا انگارہ اپنے محبوب کے

گستاخوں پر جب وہ قلم کی تلوار اٹھاتا ہے۔ تو انگلیوں کی ایک ایک جنبش پر تڑپتی ہوئی لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ باطل کے جگر میں اس کے نشتر کا ڈالا ہوا شگاف زندگی کی آخری ہچکیوں تک مندمل نہیں ہوتا۔ سن لو کہ اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر سکتا ہے۔ لیکن محبوب کی حرمت سے کھیلنے والوں کے لئے اس کے ہاں صلح و درگزر کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوستی کا پیمان تو بڑی چیز ہے۔ وہ تو ان دشنام طرازوں سے ہنس کر بات کرنا بھی ناموس عشق کی توہین سمجھتا ہے۔ بارگاہِ رب العزت اور شانِ رسالت میں اس کا ذوقِ احترام و ادب اس درجہ لطیف ہے۔ کہ متکلم کے قصد و نیت سے قطع نظر وہ الفاظ کی نوک پلک پر بھی شرعی تعزیرات کا پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ اس کے فکر و نظر کی اصابت، علم و فن کی انفرادیت، شریعت و تقویٰ کا التزام، مجد و شرف کی برتری، تجدید و ارشاد کا منصب امامت اور دین و سنت کے فروغ کے لئے اس کے دل کا اخلاص عرب و عجم نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا سخن ور بھی ہے۔ لیکن آج تک کبھی اس کی زبان اہل دنیا کی منقبت سے آلودہ نہ ہوئی۔ وہ بھری کائنات میں صرف اپنے محبوبِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی سے شاد کام رہتا ہے۔ اپنے کریم کے در کی گدائی پر دونوں جہان کا اعزاز نثار کر چکا ہے۔ دنیا کے ارباب ریاست صرف اس آرزو میں بارہا اس کی چوکھٹ تک آئے کہ اپنے حضور میں صرف باریاب ہونے کی اجازت دے دے۔ لیکن زمانہ شاہد ہے۔ کہ ہر بار انہیں شکستہ خاطر لوٹنا پڑا۔ بوڑھے نے جذباتی انداز میں اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

اب تم ہی بتاؤ کہ اپنے وقت کی اس عظیم و برتر شخصیت جس کی دینی و علمی شوکتوں کا پرچم عرب و عجم میں لہرا رہا ہے۔ اور جسے عشق مصطفیٰ کی وارفتگی نے دونوں جہاں سے چھین لیا ہے۔ آج اگر وہ یہاں قدم رنجہ فرمانے کے لئے مائل بکرم ہے۔ تو کیا یہ ہماری قسمتوں کی معراج نہیں؟ اگر ہم اس کے خیر مقدم کے لئے اپنے دلوں کا فرش بچھا رہے ہیں۔ تو اپنے جذبۂ شوق کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ خوشگوار اور جنوں انگیز موسم اور کیا ہو سکتا ہے۔

امام اہل سنت کی سواری کے لئے پالکی مکان کے دروازے کے سامنے لگا دی گئی ہے۔ سیکڑوں مشتاقانِ دید انتظار میں کھڑے ہیں۔ حضرت نے وضو کیا پھر کپڑے زیب تن فرمائے، عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرۂ انور سے فضل و تقویٰ کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ شب بیدار آنکھوں میں تقدس و پاکیزگی کی سرخی ہے۔ طلعتِ جمال کی دل کشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بیخودی کا عالم طاری ہے۔ گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمع فروزاں مسکرا رہی ہے یا عندلیبانِ شوق کی انجمن میں ایک گلِ رعنا کھلا ہوا ہے۔

بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا ہے۔ پابوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں نیاز مندوں کی بھیڑ چل رہی ہے۔ پالکی لے کر تھوڑی دور ہی چلے ہیں کہ یکایک امام اہل سنت کی آواز سنائی دیتی ہے۔

"پالکی روک دو"

حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی۔ ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے۔ کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا! آپ لوگوں میں کوئی آلِ رسول تو نہیں؟ اپنے جدِّ اعلیٰ کا واسطہ سچ بتائیے! میرے ایمان کا ذوقِ لطیف تن جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ بے نوائی آشفتہ حالی اور گردشِ ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکارا تھے۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی ہوئی زبان سے کہا کہ!

مزدور سے کام کیا جاتا ہے۔ ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جدِّ اعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔ سمجھ لیجئے کہ میں اسی چمن کا ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں۔ جس کی خوشبو سے آپ کی مشامِ جاں معطر ہے۔ رگوں کا خون نہیں بدل سکتا اس لئے آلِ رسول ہونے سے انکار نہیں۔ لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چند مہینے سے آپ کے اس شہر میں آیا

ہوا ہوں۔ کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے ذریعہ معاش بناؤں۔ پالکی اٹھانے والے ان کہاروں سے رابطہ قائم کرلیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے گروہ میں آن کر بیٹھ جاتا اور شام کو اپنے حصے کی مزدوری لے کر بال بچوں میں لوٹ جاتا ہوں۔

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی۔ کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو۔ لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہوگئی۔ ہائے! غضب ہوگیا۔ جن کے کفش پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا۔ کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دوش ناز نہیں اس لئے تھا۔ کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگی! آہ! اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے۔ کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے۔ اسی انداز میں وقت کا یہ عظیم المرتبت امام اس شہزادے مزدور کی منت سماجت کر رہا ہے۔ اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی نازبرداریوں کا یہ رقت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرالینے کے بعد امام اہل سنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی۔

چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے اس لئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفارہ بھی ہوگا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔

اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل دہل گئے ہیں۔ وفور اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو عشق جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دل گداز ہے۔ اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم و فضل جبہ و دستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا ہے۔ شوکت عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھر دل بھی پگھل گئے ہیں۔ کدورتوں کا غبار چھٹ رہا ہے۔ غفلتوں کی آنکھ کھل گئی ہے۔ اور دشمنوں کو بھی ماننا پڑا ہے۔ کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احمد رضا خاں بریلوی کے دل کی عقیدت و اخلاص کا جب یہ عالم ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ وارفتگی و محبت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل   گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے کردار و اخلاق کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس نوع کے بے شمار واقعات آپ کی سیرت میں ملتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی نے یوں تو برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے۔ ان میں ہر مکتب فکر اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ مگر جیسی جامعیت اور جیسی انفرادیت مولانا احمد رضا خاں کے حصے میں آئی۔ وہ اپنی جگہ بے مثال و بے نظیر ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ ماہ و سال کی گردشوں نے مولانا کی عظیم شخصیت پر غفلت کے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔ لیکن جب ہم یہ پردے ہٹا کر ان کے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو ان جیسے آدمی اخلاف جدید میں تو کیا، اسلاف قدیم میں بھی دور دور تک نظر نہیں آتے۔ مولانا اتنی جامع جنبیات شخصیت تھے اور اتنے علوم و فنون میں کامل تھے۔ کہ ان کے ذکر ہی سے عقل حیرت میں آتی ہے۔ اور وجدان وجد کرنے لگتا ہے یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے۔ شاید ان کے مرتبے سے فروتر بات ہوگی۔ مگر اس کے سوا اور کہا بھی کیا جائے۔ کہ وہ عقل و عشق دونوں میں اس مقام رفیع پر رونق افروز ہیں۔ جہاں نمودار ہوتے ہوئے خیال کے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔

مفسّر، محدّث، فقیہ، اصولی، متکلّم، مفتی، حافظ، قاری، شاعر، مصنف ادیب علومِ عقلی و نقلی کا فاضلِ متبحّر، اپنے عہد کا بہت بڑا شیخِ طریقت اور مجدّدِ شریعت اور ان سب خصوصیتوں سے بالاتر ایک نرالا تر الوکھا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں ؟

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بن نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں کی ولادت روہیل کھنڈ کے مشہور شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ سالِ ولادت ۱۲۷۲ ہجری، ماہ شوال، تاریخ دس، بوقتِ ظہر، روز چہار شنبہ۔ انگریزی تقویم کے مطابق ۱۸۵۶ء ماہ جون تاریخ ۱۴ بقول ایک صاحب دل ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے ایک سال قبل پیدا ہونے والا یہ بچہ اپنے فکری و نظری انقلاب کے بے باک نقیب ہونے پر دلالت کر رہا تھا۔

آپ کے جدّ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں ان دنوں بقیدِ حیات تھے۔ پوتے کے پیدا ہونے کی خبر انکے کانوں تک پہنچی تو خوش ہوئے اعلیٰ حضرت کے بھانجے علی محمد خاں صاحب کی روایت ہے۔ کہ میری والدہ مرحومہ اعلیٰ حضرت کی بڑی بہن تھیں۔ ان کا ارشاد ہے جب احمد رضا پیدا ہوئے تو والد مرحوم ان کو حضرت داداجان قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں لے گئے۔ دادا نے گود میں لیا اور معاً لسانِ غیب سے فرمایا۔ ! میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔ اعلیٰ حضرت کی یہی بڑی بہن فرمایا کرتی تھیں کہ بچپن ہی سے تمام خاندان میں یہ بچہ اپنے مزاج، اطوار اور ذہانت کے اعتبار سے الگ نظر آتا۔ ایک روز کسی نے دروازے پر صدا دی۔ احمد رضا کی عمر ان دنوں نو دس برس تھی۔ باہر گئے۔ دیکھا ایک بزرگ فقیر کھڑے ہیں انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا ! ادھر آؤ بیٹا ! یہ کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا ! تم بہت بڑے عالم ہو۔

مولوی عرفان علی صاحب قادری جو اعلیٰ حضرت کے مرید تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے تھے ایک روز ارشاد فرمایا ! میری عمر تین ساڑھے تین برس کی ہوگی اور میں اپنے محلے کی مسجد کے سامنے کھڑا تھا۔ کہ ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں جلوہ فرما ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے بھی فصیح عربی میں ان باتوں کا جواب دیا۔ اس کے بعد اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا اسی ذکر میں اعلیٰ حضرت نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا۔ کہ میری عمر دس گیارہ برس کی ہوگی۔ اور میں ایک دن حکیم وزیر علی صاحب کے ہاں جا رہا تھا۔ کوئی دس بجے کا وقت تھا۔ سامنے سے یکایک ایک بزرگ سفید ریش، نہایت شکیل و وجیہہ تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے۔

سنتا ہے بچے ! آج کل عبدالعزیز ہے... اس کے بعد عبدالحمید.. اس کے بعد عبدالرشید، یہ کہہ کر فوراً نظر سے غائب ہو گئے۔

آپ کی عمر پانچ چھ برس کی ہوگی کہ مکان پر ایک مولانا بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کے لئے تشریف لانے لگے احمد رضا بھی ان سے کلام اللہ پڑھنے لگے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ مولانا کسی آیۂ کریمہ میں بار بار ایک لفظ کا تلفّظ ننھے احمد رضا کو بتاتے، مگر آپ کی زبان سے وہ تلفّظ ادا نہ ہو رہا تھا۔ مولانا زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھتے۔ یہ کیفیت آپ کے جدّ امجد مولانا رضا علی خاں بھی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کلام پاک منگوا کر دیکھا۔ تو اس میں اس لفظ کے اعراب کاتب نے غلط ڈال دیئے تھے۔ یعنی زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا۔ گویا غیر شعوری طور پر بچے کی زبان سے جو لفظ نکل رہا تھا۔ وہ صحیح تھا۔ دادا نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا ! بیٹا ! مولانا صاحب جس طرح بتا رہے تھے۔ تم اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے ؟ ننھے احمد رضا نے جواب دیا۔ حضرت ! میں ارادہ تو کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں مگر زبان پر قابو نہ پاتا۔ زبر کی بجائے ہر بار زیر ہی سے زبان کام کرتی۔

اس طرح کے بہت سے حیرت انگیز واقعات درس و تدریس کے دوران میں پیش آئے ایک روز قرآن مجید پڑھانے والے مولانا نے تنہائی میں اپنے شاگرد احمد رضا سے کہا !

صاحبزادے ! سچ سچ بتا دو کسی سے کہوں گا نہیں۔ تم انسان ہو یا جن ! آپ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا ! خدا کا شکر ہے میں انسان

رہا ہوں ۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہے ۔

ایک روز یہی مولانا حسبِ معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آن کر سلام کیا ۔ مولانا نے جواب دیا " جیتے رہو " احمد رضا نے عرض کیا ! حضرت یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا وعلیکم السلام ! کہنا چاہیے تھا ۔ یہ سن کر مولانا بہت خوش ہوئے اور شاگرد کو دعائیں دیں ۔

رمضان المبارک کا مہینہ ہے ۔ اعلیٰ حضرت ابھی کم سن ہیں ۔ روزہ رکھوایا گیا ۔ گرمی کا زمانہ ہے ۔ سہ پہر کے وقت کاشانہ اقدس میں روزہ کشائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں ۔ ایک الگ کمرے میں افطار کے دوسرے سامان کے ساتھ فرنی کے پیالے بھی چنے ہوئے ہیں ۔ آپ کے والد ماجد یکایک آپ کو اسی کمرے میں لے جاتے ہیں ۔ اور کواڑ بند کر کے ایک پیالہ اُٹھاتے ہیں اور بیٹے کی طرف بڑھا کر کہتے ہیں ۔ لو اسے کھا لو ۔ بیٹا حیران ہو کر عرض کرتا ہے

ابّا حضور میرا تو روزہ ہے کیسے کھاؤں ؟

ارشاد ہوتا ہے ۔ میاں کھا بھی لو ۔ بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے ۔ میں نے کواڑ بند کر دیئے ہیں ۔ کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ۔ جلدی سے کھا لو ۔

یہ سن کر بیٹا ادب سے کہتا ہے ! ابّا حضور ! جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے ۔ وہ تو دیکھ رہا ہے ۔ یہ سنتے ہی آپ کے والد ماجد کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا تار بندھ جاتا ہے ۔ فرطِ محبت سے پیارے بیٹے کو سینے سے لگا لیتے ہیں ۔

والد نے آپ کا نام محمد اور جدِ امجد نے احمد رضا رکھا ۔ تاریخی نام " المختار " جس سے ۱۲۷۲ ہجری برآمد ہوتا ہے ۔ اعلیٰ حضرت نے بہت برس بعد قرآن کی اس آیت سے اپنی پیدائش کا سن برآمد فرمایا !

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے

آپ کبھی کبھی بڑی دل سوزی سے فرماتے ۔ بحمد اللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں ۔ تو خدا کی قسم ایک پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور دوسرے پر مُحمّد رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوگا ۔

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد اور جدِّ امجد دونوں اپنے اپنے عہد کے متبحّر عالم ، ولی کامل ، عارف باللہ ، صاحب کشف و کرامات اور شیخ طریقت و شریعت تھے ۔ آپ کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب بے شمار کتابوں کے مصنّف ۔ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت خاندانی شرف و وقار اور وجاہتِ دینی و دنیوی کا امتیاز رکھتے تھے ۔ آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ قندھار کے مؤقر قبیلے بڑہیچ کے پٹھان تھے ۔ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں نادر شاہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور ممتاز و معزز عہدوں پر فائز رہے ۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا ۔ پھر لاہور سے دہلی چلے گئے ۔ سعید اللہ خاں شش ہزاری منصب پر فائز تھے ۔ اور شجاعت جنگ کا خطاب رکھتے ۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں صاحب شاہِ دہلی کی جانب سے ایک خاص مہم پر بریلی روہیل کھنڈ بھیجے گئے ۔ فتح یابی پر انہیں بریلی کا صوبے دار بنانے کا فرمان دہلی سے آیا ۔ لیکن ایسے وقت جب وہ بسترِ مرگ پر تھے ۔ ان کے تین بیٹے تھے ۔ اعظم خاں ، معظم خاں اور مکرّم خاں یہ تینوں مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے

اعظم خاں صاحب نے بریلی میں مستقل رہائش اختیار کی اور دنیا سے منہ موڑ کر ایک گوشے میں جا بیٹھے ۔ محلہ معماراں بریلی میں شہزادے کا تکیہ آج بھی انہی کی نسبت سے معروف ہے ۔ وہیں اعظم خاں صاحب کا مزار ہے ۔ ان کے بیٹے حافظ محمد کاظم علی خاں ہر جمعرات کو اپنے والد کے سلام کے لئے حاضر ہوتے اور ہمیشہ گراں قدر رقم حاضر کرتے ۔ مگر آپ وہ رقم ضرورتمندوں میں بانٹ دیتے ۔ اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے ۔ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں حافظ صاحب اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حسبِ معمول حاضر ہوئے ۔ دیکھا کہ محمد اعظم امس کڑاکے کے جاڑے میں ایک دھونی کے قریب تشریف فرما ہیں ۔ اور جسم پر کوئی سرمائی پوشاک نہیں ۔ سعادت مند بیٹے نے فوراً اپنا بیش بہا دوشالہ اتار کر والد پر ڈال دیا حضرت نے نہایت استغناء سے وہ دوشالہ آگ میں ڈال دیا ۔ حافظ صاحب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کاش ! اس قیمتی دوشالے کو آگ میں

ڈالنے سے بجائے کسی محتاج کو عطا فرما دیا جاتا ۔ یہ وسوسہ دل میں آتا تھا ۔ کہ شاہ اعظم نے آگ کے بھڑکتے الاؤ میں سے دوشالہ نکال کر پھینک دیا۔ اور فرمایا ۔ فقیر کے ہاں یہ دھکڑ پکڑ کا معاملہ نہیں لے اپنا دوشالہ دیکھا ، تو اس میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا ۔ ویسا ہی صاف شفاف تھا حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے ۔ دو سو سواروں کا دستہ ہر وقت خدمت میں رہتا ۔ آٹھ گاؤں جاگیر کے عطا ہوئے تھے ۔ انہی حافظ صاحب کے صاحبزادے حضرت قدوۃ الواصلین ، زبدۃ الکاملین ، قطب الوقت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ آپ کے حالات مولانا رحمٰن علی نے اپنی معروف تالیف " تذکرہ علمائے ہند " میں تفصیل سے رقم کئے ہیں جس سے پتا چلتا ہے ۔ کہ مولانا رضا علی فقرو تصوف میں کامل مہارت رکھتے تھے ۔ تقریر بہت پر تاثیر ، زہد و قناعت ، علم و تواضع اور تجرید و تفرید کی تصویر تھے ۔ ان کی بہت سی کرامتیں اور خرقِ عادات و واقعات عوام و خواص میں مشہور ہیں ۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا کی پیدائش کے ساتویں روز ، جس دن عقیقہ ہوا ۔ آپ کے انہی جد امجد مولانا رضا علی نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی ۔ کہ یہ فرزند ارجمند فاضل و عارف ہو گا ۔ چنانچہ سب تاریخیں اور سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں ۔ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا ۔ اور چھ سال ہی کے تھے کہ ماہ ربیع الاول میں منبر پر بیٹھ کر بہت بڑے مجمع میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ کے موضوع پر تقریر فرمائی ۔ آپ نے صرف و نحو کی کتابیں حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں ۔ پھر تمام علوم اور فنون اپنے والد یا جد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے ۔ تیرہ برس کی عمر میں صرف ، نحو ، ادب ، حدیث ، تفسیر ، کلام ، فقہ ، اصول معانی و بیان ، تاریخ ، جغرافیہ ، ریاضی ، منطق ، فلسفہ ، ہیئت وغیرہ جمیع علوم دینیہ ، عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ ہجری کو سندِ فراغت حاصل کی اور دستارِ فضیلت زیب سر فرمائی ۔ اسی روز سب سے پہلا جو فتویٰ پیش ہوا ۔ وہ یہ تھا کہ اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا ۔ تو کیا حکم ہے ؟ آپ نے محققانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا ۔ کہ منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا ۔ حرمتِ رضاعت لائے گا ۔

اعلیٰ حضرت کی بے مثل ذہانت اور بے نظیر حافظے کے کمالات اتنے ہیں کہ انہیں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے ۔ مولانا ...... احسان حسین ابتدائی تعلیم میں اعلیٰ حضرت کے ہم سبق تھے ان کی روایت ہے کہ شروع ہی سے ذہانت کا یہ حال تھا ۔ کہ استاد سے کبھی چوتھائی سے زیادہ کوئی کتاب نہیں پڑھی ۔ چوتھائی کتاب استاد سے پڑھنے کے بعد بقیہ تمام کتاب از خود پڑھ کر اور یاد کر کے سنا دیا کرتے ۔ بعض لوگ نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے ۔ چنانچہ خیال ہوا کہ قرآن مجید حفظ کر لیا جائے ۔ لہٰذا صرف ایک ماہ میں پورا قرآن آسانی سے حفظ فرما لیا ۔ سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ روزانہ ایک پارہ حفظ کر لیتے ۔ مشکل سے مشکل فتاویٰ کا جواب شاگردوں اور احباب کو اس طرح قلم بند کرا دیتے کہ حیرت ہوتی بے شمار کتابوں کے حوالے اس سلسلے میں دیتے ۔ اور سب زبانی فرماتے الماری میں سے فلاں جلد نکال لو ۔ اتنے ورق الٹ لو ۔ فلاں صفحے پر اتنی سطروں کے بعد یہ مضمون ہو گا اسے نقل کر دو ۔ غرض کہ ان کا حافظہ اور دماغی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے باہر تھیں ۔

اعلیٰ حضرت کے ایک شاگرد جو فتاویٰ کی تحریر کے کام پر لگائے گئے تھے ۔ ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت کی ذہانت اور حافظے کا یوں بیان فرماتے ہیں ۔ میں نے حساب کی تعلیم اسکول میں پائی تھی ۔ لہٰذا مجھے حساب دانی میں بڑی مہارت حاصل تھی ۔ اعلیٰحضرت حساب والے استفتاء حل کرنے کے لئے زیادہ تر میرے ہی سپرد فرماتے ۔ ایک مرتبہ ورثے کی تقسیم کے سلسلے میں پندرہ بطن کا مناسخہ آیا ۔ ظاہر ہے کہ مورثِ اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں وارث ہوں گے ۔ مجھے اس کے جواب میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل محنت کرنا پڑی ۔ ایک ایک پیسے اور درجنوں وارثوں کا حق قلمبند کر دیا ۔ عصر کے بعد حسبِ معمول اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جا بیٹھا تاکہ حساب کی مکمل تفصیل آپ سے عرض کر دوں اور آپ اصلاح

کی ضرورت محسوس فرمائیں تو اصلاح کر دیں۔ میں نے وہ استفتا پڑھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت سنتے سنتے اپنی انگلیوں کو بھی حرکت دے رہے ہیں۔ یہ استفتا چونکہ پندرہ پشتوں کے درجنوں وارثوں کے حساب کتاب پر مبنی تھا۔ اس لئے یہ فل سکیپ کے دو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا۔ میں نے استفتا یعنی صرف سوال ہی پڑھ کر ختم کیا اور ابھی جواب میں تحریر کئے ہوئے وارثوں کے حصے ظاہر نہ کئے تھے۔ کہ اعلیٰ حضرت نے بلا توقف فرمانا شروع کیا۔ آپ نے فلاں کو اتنا فلاں کو اتنا دیا غرض درجنوں وارثوں کے نام اور انکے حصے بتا دئے۔ اب میں حیران و ششدر تھا۔ کہ مجھے اپنی حساب دانی پر اتنا ناز تھا استفتا کو میں نے اپنے طور پر بیس دفعہ پڑھا۔ ہر ایک نام بار بار پڑھ کر ان کے حصے نکالے اس کے باوجود مجھ سے کوئی ان سب وارثوں کے نام پوچھے۔ تو حصے کجا میں نام بھی شاید پورے نہ بتا سکوں جب تک لکھے ہوئے سامنے نہ رکھوں۔ ..... اللہ! اللہ! یہ کیا تبحر کیسی وسعتِ ادراک اور کتنی عظیم خداداد صلاحیت تھی جو حق تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی حیرت کی یہ بات کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی اُستاد کی راہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دَورِ جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت کے علوم و فنون کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

علمِ قرآن علمِ حدیث اصولِ حدیث، فقہ "جملہ مذاہب"۔ اصولِ فقہ، جدل، تفسیر، عقائد، کلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع منطق۔ فلسفہ، تکسیر، ہیئت، ریاضی، ہندسہ، قرأۃ، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تاریخ، لغت، ادب، ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حساب سینی، لوگارثمات، توقیت، مناظر و مرایا، اکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئت جدیدہ، مربعات، جفر زائرجہ، ان تمام علوم و فنون کے علاوہ علم الفرائض، عروض و قوافی، نجوم، اوفاق، فنِ تاریخ (اعداد) نظم و نثر فارسی، نظم و نثر ہندی، خط نسخ خط نستعلیق میں بھی کمال حاصل کیا ان علوم کو دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت ایک چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مدّ مقابل ہو۔

آپ نے عربی زبان میں قرآنِ کریم کی نہایت عظیم الشان تفسیر لکھی۔ اس کے علاوہ بیضاوی، معالم، اتقان، دُرِ منثور، اور تفسیر خازن پر عربی میں بے نظیر حواشی تحریر فرمائے۔

حدیث، اصولِ حدیث میں آپ نے ۴۵ کتابیں تالیف فرمائیں جن میں صحاح ستہ کی شروح شامل ہیں پھر ان کی معروف شروح یعنی عمدۃ القاری ارشاد الساری اور فتح الباری پر بھی حواشی لکھے۔ عقائد الکلام پر آپ کی تصانیف کی تعداد بائیس ہے۔ فقہ و تجوید پر آپ کی ستر تصانیف ہیں۔ تصوف اذکار اوفات و تعبیر کے علوم پر نو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تاریخ، سیرت و مناقب میں گیارہ کتابیں لکھیں۔ ادب، نحو، لغت، عروض کے موضوع پر آپ نے چھ کتابیں قلمبند کیں۔ علم زیجات میں سات۔ علم جفر و تکسیر میں گیارہ۔ علم جبر و مقابلہ میں چار، علم مثلث، ارثماطیقی، ہندسہ اور ریاضی میں اٹھائیس کتابیں تحریر فرمائیں۔ فلسفہ اور منطق میں چھ کتابیں لکھیں۔ ان میں ایک کتاب حرکت زمین کی تردید میں ہے اور دوسری کتاب سورج کے گھومنے اور گردش کے ثبوت میں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم نے یورپ میں تعلیم پائی تھی اور برصغیر کے بلند پایہ ریاضی دانوں میں آپ کا شمار تھا۔ فی الحقیقت اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے کسی مسئلے میں اشتباہ ہوا۔ ہر چند کوشش کی مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحب حیثیت آدمی تھے اور علم کے شائق۔ اس لئے قصد کیا۔ کہ جرمنی جا کر یہ مسئلہ حل کریں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب

اس زمانے میں یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں ناظم تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک روز گفتگو کے دوران میں ان سے اس مسئلے اور اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے مشورہ دیا۔ آپ بریلی جائیے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں سے دریافت کیجئے وہ اسے ضرور حل کر دیں گے ڈاکٹر ضیاء الدین نے حیرت سے کہا۔ مولانا! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ کہاں کہاں سے تعلیم پا کر آیا ہوں۔ ریاضی کے اَدق سے اَدق مسائل حل کرنا جانتا ہوں جب میں یہ مسئلہ حل نہ کر سکا۔ تو مولانا احمد رضا جنہوں نے کبھی یورپ کا تصور تک نہیں کیا ہے اور نہ ایسے مسئلے ریاضی کے انہوں نے جدید یونیورسٹیوں میں سیکھے ہیں۔ اُن بے چاروں نے تو اپنے ملک کے کسی کالج میں بھی تعلیم نہیں پائی۔ وہ کیوں کر یہ مشکل مسئلہ حل کر سکیں گے؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے سفر یورپ کا سامان شروع کر دیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے ایک دن پھر کہا آپ بریلی تو ہو آئیے اور ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات تو کر لیجئے۔ پھر آپ کو اختیار ہے یورپ جائیں یا امریکہ! یہ سن کر ڈاکٹر ضیاء الدین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تلخ لہجے میں کہا۔ مولانا آپ مجھے کیا رائے دیتے ہیں۔ آخر عقل بھی کوئی چیز ہے۔ فضول میرا وقت برباد ہوگا۔ یہ مسئلہ مولانا احمد رضا خاں کے بس کا روگ نہیں مولانا سلیمان اشرف نے زور دے کر کہا کہ آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ بریلی کچھ زیادہ دور تو ہے نہیں چند گھنٹے کا سفر ہے۔ قصہ مختصر ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف کی معیّت میں بریلی پہنچے۔ اعلیٰ حضرت کے دولت کدے پر گئے۔ اندر اطلاع بھیجی حضرت کی طبیعت ناساز تھی۔ مگر مولانا سلیمان اشرف کا نام سن کر فوراً بلوا لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی مزاج پرسی فرمائی اور پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ریاضی کا ایک مسئلہ آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں جناب۔ وہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ فوراً بیان کر دیا جائے۔ ذرا اطمینان کی صورت ہو تو کہوں۔ حضرت نے فرمایا! بیان کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ جواب سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کو حیرت سے سکتہ ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا۔ جیسے آنکھ سے پردہ اٹھ گیا بے اختیار بول اُٹھے۔ میں سنا کرتا تھا۔ علم لدنی بھی کوئی شے ہے۔ آج آنکھ سے دیکھ لیا میں تو اس مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جانا چاہتا تھا۔ کہ مولانا سلیمان اشرف نے رہبری فرمائی۔ اب آپ سے اس کا حل سن کر مجھے یوں محسوس ہوا۔ جیسے آپ اس مسئلے کو کتاب میں دیکھ رہے تھے دیر تک اسی فن اور اس کے متعلقات میں گفتگو ہوتی رہی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ منگوایا۔ جس میں اکثر مثلثوں اور دائروں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت استعجاب سے وہ رسالہ دیکھا اور فرمایا۔ میں نے یہ علم حاصل کرنے میں بہت صعوبت اٹھائی۔ ملک ملک کا سفر کیا بے انتہا روپیہ صرف کیا۔ یورپین استادوں کی جوتیاں سیدھی کیں۔ تب کچھ معلومات ہوئیں۔ مگر جو کچھ علم آپ جانتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں میں اپنے آپ کو طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا! یہ تو فرمائیے اس فن میں آپ کا استاد کون ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا! میرا کوئی استاد نہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اس لئے سیکھے تھے۔ کہ ترکے کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی ہی تھی۔ کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا۔ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ مصطفیٰ پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اپنے مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین پر اعلیٰ حضرت کی علمی جلالت اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا اثر ہوا کہ بریلی سے علی گڑھ آتے ہی انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ اور صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند ہو گئے۔

علم ہیئت، توقیت، نجوم، اور جفر میں بھی اعلیٰ حضرت کو ایسی دستگاہ تھی کہ بیان سے باہر! مولانا غلام حسین صاحب، حضرت کے معاصرین میں ایک صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ ہیئت اور نجوم کے ماہر۔ اکثر اعلیٰ حضرت کے ہاں تشریف لاتے اور بڑی دلچسپ گفتگو انہی فنون پر ہوتی اور اپنے اپنے تجربات کی جانچ دونوں حضرات فرمایا کرتے۔ ایک دن مولانا غلام حسین تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا! فرمائیے! بارش کا کیا اندازہ ہے۔ کب تک ہو گی؟ مولانا نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا۔ اور فرمایا۔ اس مہینے میں پانی نہیں، آئندہ ماہ میں ہو گی یہ

کہہ کردہ زائچہ بڑھا دیا۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ اللہ کو سب قدرت ہے۔ وہ چاہے تو آج ہی بارش ہو۔ مولانا نے کہا۔ یہ کیسے ممکن ہے حضور آپ ستاروں کی چال نہیں دیکھتے۔ حضرت نے فرمایا۔ سب دیکھ رہا ہوں۔ اور ساتھ ساتھ ان ستاروں کے بنانے والے اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں اور سامنے کلاک لگا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے جواب ملا پون گھنٹہ۔ حضرت نے فرمایا اس سے قبل نہیں۔؟ کہا نہیں۔ ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے یہ سن کر اعلیٰ حضرت اُٹھے اور گھڑی کی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ مولانا۔ آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے۔ یہ اب کیسے بارہ بج گئے۔ مولانا نے کہا۔ آپ نے کلاک کی سوئی گھما دی۔ ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹے بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اسی طرح رب العزت جل جلالہٗ قادر مطلق ہے۔ کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ ایک دن کیا۔ ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھا گئی۔ اور پانی برسنے لگا۔ غرض اعلیٰ حضرت کا اعتقاد اس قسم کے علوم پر ایسی ہی نوعیت کا تھا۔ ستاروں کے اثرات کے قائل۔ مگر اصل فاعل حضرت عزّ جل شانہٗ کو جانتے تھے۔

علم تکسیر اور علم جفر میں تو ایسا کمال حاصل تھا۔ کہ بیرونی ممالک سے علماء یہ علوم سیکھنے آپ کے پاس آتے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ علم خود اپنے ذوق اور شوق سے سیکھا۔ اور ہر سوال کا جواب بالکل صحیح صحیح برآمد کر لیتے۔ ایک روز نواب وزیر احمد خاں صاحب نے فرمایا۔ یہ ایک عجیب و غریب علم ہے۔

اس میں سوال کا جواب، منظوم عربی زبان، بحر طویل اور حرف لام کی ردیف میں آتا ہے۔ اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا۔ منقطع نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی، نہیں آتا۔ میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی۔ اس میں کچھ پڑھا جاتا ہے۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت ہوتی ہو حکم مل گیا۔ ورنہ نہیں۔ میں نے تین روز پڑھا تیسرے روز خواب دیکھا۔ ایک وسیع میدان اور اس میں بڑا کنواں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور چند صحابہ کرام رضی بھی حاضر ہیں جن میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو میں نے پہنچان لیا۔ اس کنوئیں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پانی بھر رہے ہیں۔ اس میں سے ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا۔ اس پر سبز کپڑا پڑا ہوا تھا... جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے ا ہ ذ کے حروف اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکالا کہ اس علم کا حاصل کرنا ہذیان فرمایا جاتا ہے۔ ان حروف سے بہ قاعدہ جفر اذن د اجازت نکل سکتا ہے۔ ہ کو بطور صدر موخر آخر میں رکھا۔ اس کے عدد پانچ ہیں۔ اب وہ اپنی پہلی جگہ سے ترقی کر کے دوسرے مرتبے میں آگئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی ہے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے اور یوں اذن سمجھا جاتا۔ مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا۔ اور لفظ کو ظاہر پر رکھ کر یہ فن چھوڑ دیا کہ اہذ کے معنی ہیں فضول بک۔

تاریخ گوئی کا فن بھی اعلیٰ حضرت کے پاس اکتسابی نہیں، وہبی تھا۔ آپ نے کبھی ادنیٰ سی توجہ بھی اس فن کے حصول کی جانب نہ فرمائی، پھر بھی اس میں وہ ملکہ کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرما دیا کرتے تھے جس کا بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ حضور کی تصانیف کثیرہ میں بہت کم ایسی ہوں گی جن کا نام تاریخی نہ ہو۔ بعض عربی اور اردو کے قصائد اور تاریخیں بہت طویل ہیں۔ ان کے ہر ہر مصرعے سے تاریخ برآمد ہوتی ہے خوش نویسی اور خطاطی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نسخ، نستعلیق، خط مستقیم اور خط شکستہ جیسے تمام اقسام و انواع کے رسم الخط میں آپ بے نظیر مہارت سے لکھتے تھے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے۔

اگر پیش ازیں کتابے دریں فن نباشد شود، پس مصنّف را موجد تصنیف ہذا می تواں گفت

(اگر اس فن میں اور کوئی کتاب نہ ہو تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا سکتا ہے)

علم توقیت میں کمال کا یہ عالم کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے۔ وقت بالکل صحیح ہوتا۔ اور کبھی ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہوتا ایک دفعہ آپ بدایوں شریف تشریف لے گئے۔ مسجد خرما میں حضرت محبّ الرسول مولانا عبدالقادر بدایونی نے آپ کو نماز فجر پڑھانے کا ارشاد کیا۔ اعلیٰ حضرت نے قرات اتنی طویل کی کہ مولانا عبدالقادر کو شک ہوا شاید سورج نکل آیا۔ نماز کے بعد لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ابھی سورج نکلنے میں تین منٹ ۴۸ سیکنڈ باقی ہیں۔

علم تکسیر (تعویذ) میں بھی غیر معمولی مشق و ادراک کے مالک تھے۔ تعویذ پُر کرنے کے بے شمار طریقوں سے واقف "حیات اعلیٰ حضرت" کے مؤلف مولانا ظفرالدین بہاری اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور شاگرد تھے۔ ان کے پاس ایک شاہ صاحب تشریف لائے۔ اور بڑے فخر سے کہنے لگے۔ میں نقش مربع سولہ طریقوں سے پُر کر لیتا ہوں۔ آپ کتنے طریقے جانتے ہیں۔ مولانا ظفرالدین نے انکسار سے کہا۔ مجھے تو نقش مربع پر کرنے کے گیارہ سَو باون طریقے آتے ہیں۔ شاہ صاحب کو یہ ناقابلِ یقین بات سن کر اس قدر تعجب ہوا کہ اعتبار نہ آیا۔ پوچھا یہ فن آپ نے کس سے حاصل کیا۔ مولانا نے جواب دیا۔ اعلیٰ حضرت سے اور اعلیٰ حضرت ۲۴۰۰ طریقوں سے نقش مربّع پُر کرنا جانتے ہیں۔ آخر کار شاہ صاحب نے وہ کتاب دیکھی۔ جس میں مولانا ظفرالدین نے نقش مربّع گیارہ سو باون طریقوں سے پر کیا تھا۔ تو یقین کئے بغیر چارہ نہ رہا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی سرمایہ یوں تو بے پناہ ہے۔ لیکن آپ کا فقہی شاہکار فتاوٰی رضویہ ہے۔ جس کی بارہ جلدیں ہیں۔ ان میں سے پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ہر جلد جہازی سائز کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ تاریخ الفتاوی میں یہ مجموعہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے اس اس مجموعے کے چند اوراق اعلیٰحضرت نے مکہ معظمہ کے فاضل سید اسماعیل خلیل حافظ کتب الحرام کو ارسال فرمائے تھے۔ موصوف نے اپنے مکتوب میں ان اوراقِ فتاوٰی پر تبصرہ فرمایا۔ اس کا آخری جملہ دیکھئے۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ ان فتووں کو اگر ابو حنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبال اعلیٰ حضرت کے معاصرین میں سے تھے۔ آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے۔ ایک موقع پر علامہ اقبال نے فرمایا۔ یہ روایت ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم کی ہے۔

ہندوستان کے دَورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے فتاوٰی کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی اور اُن کی ذہانت، فطانت، جودتِ طبع، کمالِ فقاہت اور علومِ دینیہ میں تبحرِ علمی کے شاہدِ عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاوٰی میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی۔ مولانا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے۔

اقبال نے اعلیٰ حضرت کے ہاں جس "شدّت" کا ذکر فرمایا۔ اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کی سوزش تھی۔ جسے حدت کہہ لیجئے یا شدّت۔ اور یہ شدت بھی صرف اعدائے خدا و رسول کے لئے تھی۔ ورنہ اعلیٰ حضرت تو ہر مومن اور ہر اہلِ محبت کے لئے سراپا لطف و کرم تھے۔ بہ بقول اقبال ؏

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

فاضل بریلوی نے سلوک و طریقت کی منزلیں حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طے فرمائیں اور آپ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ پیر و مرشد نے آپ کو تمام سلاسل میں اجازت و خلافت کا شرف عطا فرمایا۔

بیعت کا واقعہ ۱۲۹۴ھ کا ہے۔ یعنی ان دنوں کا جب اعلیٰ حضرت کی عمر اکیس بائیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں بھی اس عالم رنگ و بو میں تشریف فرما تھے۔ اور وہی اپنے پاکباز اور ہونہار فرزند کو شاہ آلِ رسول کی خدمت میں لے گئے۔ شاہ صاحب کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔ گویا فاضل بریلوی کو اپنے پیرو مرشد سے تقریباً تین برس تک شرف ہدایت حاصل رہا۔ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" میں ایک منقبت حضرت شاہ آلِ رسول کی شان میں موجود ہے۔ اس کا مطلع ہے۔

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول

خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

شاہ صاحب بھی اعلیٰ حضرت سے بہت محبت فرماتے اور انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا۔

بروز حشر اگر باری تعالیٰ پوچھے گا۔ کہ اے آلِ رسول! دنیا سے میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو عرض کر دوں گا کہ اے پروردگار میں تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کو جن سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت حاصل تھی، ان کی تعداد تیرہ ہے۔ جن میں مشہور و معروف سلسلے قادریہ، چشتیہ، نظامیہ محبوبیہ سہروردیہ، نقشبندیہ صدیقیہ، نقشبندیہ علویہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت شاہ آلِ رسول کی بیعت سے ایک سال بعد یعنی ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کی معیت میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی "الملفوظ" کی جلد دوم میں اس سفر حج سے واپسی کے حالات خود حضرت کی زبانی سن کر مرتب نے درج فرمائے ہیں۔ اور نہایت اثر انگیز ہیں۔ مولانا رحمٰن علی نے بھی اپنی تالیف تذکرہ علمائے ہند میں اس حج کے واقعات و حالات تفصیل سے درج کئے ہیں۔ اسی سفر میں حرمین شریفین کے اکابر علماء اور شیوخ سے آپ کی ملاقاتیں رہیں مثلاً مفتی شافعیہ سید احمد دحلان، مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج وغیرہم۔ ان دونوں حضرات سے آپ نے حدیث، تفسیر، فقہ اور اصولِ فقہ میں سندیں حاصل کیں۔ ایک روز اعلیٰ حضرت حرم مبارک میں حاضر تھے۔ اور مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح بغیر کسی سابقہ تعارف کے آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ فرطِ محبت سے دیر تک آپ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہے اور جوشِ عقیدت میں اُن کے منہ سے نکلا

اِنّی لاجِدُ نُورَ اللّٰہ من ھذا الجبین (بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں)

شیخ حسین بن صالح نے اعلیٰ حضرت کو صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ... ضیاء الدین احمد رکھا۔ شیخ نے اپنی ایک کتاب "الجوہرۃ المضیئہ" کی شرح لکھنے کی فرمائش کی۔ نوجوان فاضل بریلوی نے صرف دو روز میں اس مشکل کتاب کی شرح عربی زبان میں تحریر فرما کر ان کے حوالے کی اور بعد میں تعلیقات و حواشی کا اضافہ کر کے اس کتاب کا تاریخی نام بھی تجویز کیا۔ واپسی میں تین روز تک مسلسل سمندر میں طوفان رہا اور ایسا شدید کہ بقول اعلیٰ حضرت: لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث رسول ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی اور حدیث کے وعدہ صادقہ پر مطمئن تھا۔ الحمدللہ! وہ مخالف ہوا جو تین دن سے چل رہی تھی۔ دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی۔ وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی۔ بریلی پہنچ کر اور مکان میں پہلا قدم رکھتے ہی والدہ نے مجھ سے فرمایا۔ حج فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرما دیا۔ اب میری زندگی بھر دوبارہ حج کا ارادہ نہ کرنا۔ اُن کا یہ فرمانا مجھے یاد رہا۔ اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حج نفل جائز نہیں۔ یوں خود دوبارہ حج ادا کرنے پر مجبور تھا۔

۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی اور بڑے صاحبزادے جب حج کے سفر پر روانہ ہوئے تو آپ کی طبیعت سخت بے چین ہوئی دل

چاہتا تھا پرلگ جائیں۔ اور اڑکر حرم شریف میں پہنچیں، مگر والدہ کی اجازت ضروری فرماتے ہیں۔ اجازت کا مسئلہ نہایت اہم اور اس کا یقین کہ والدہ اجازت نہ دیں گی۔ کس طرح ان سے عرض کروں۔ آخر کار زنانہ مکان میں گیا۔ دیکھا حضرت والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں میں نے آنکھیں بند کر قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور، مجھے حج کی اجازت دے دیجئے۔ پہلا لفظ جو فرمایا یہ تھا، خدا حافظ۔ میں الٹے پاؤں باہر آیا۔ اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ حج سے جب واپس آیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ابھی اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا کہ والدہ نے فرمایا۔ میں اجازت نہیں دیتی۔ اُسے بلا لو مگر میں جا چکا تھا کون بلاتا؟ چلتے وقت جس لگن میں میں نے وضو کیا تھا۔ اس کا پانی والدہ نے میری واپسی تک پھینکنے نہ دیا۔ کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

والدین کے ادب، احترام اور اطاعت کی ایسی بہت سی مثالیں اعلیٰ حضرت کی حیات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جب آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا۔ تو اعلیٰ حضرت اپنے حصے کی جائداد کے خود مالک و مختار تھے۔ مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ مالکہ کی حیثیت سے جس طرح چاہتیں صرف فرماتیں۔ حضرت کو کتابوں وغیرہ کی خریداری کے لئے کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑتی۔ تو والدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور جب وہ اجازت دیتیں تب کتابیں خریدتے!

اعلیٰ حضرت کے اس دوسرے حج کے واقعات نہایت عظیم الشان اور سبق آموز ہیں۔ اس موقع پر آپ نے ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

علمائے حجاز نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی، حد درجہ مدارات سے پیش آئے۔ بہت سوں نے درخواست کی۔ انہیں سند اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ہر درخواست منظور فرمائی۔ حضرت کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے اس سفر کے حالات تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ بعض علمائے مکہ نے علم غیب کے بارے میں چند سوال لکھ کر اعلیٰ حضرت کے پاس بھیجے۔ اور صرف دو دن میں لکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ اور نہ حوالے کے لئے کوئی کتاب موجود، مگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام سوالوں کے جواب فصیح و بلیغ عربی میں، صرف آٹھ گھنٹے کے اندر اندر قلم بند کروا دیئے۔ اور اس طرح چار سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔ آپ نے اس کتاب کا جو نام تجویز فرمایا۔ وہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس سے نہ صرف موضوع کی صراحت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ کتاب کہاں تصنیف کی گئی اور کس سنہ میں لکھی گئی۔ کتاب کا نام ہے۔ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ - ۱۳۲۳ھ

مدینہ منورہ میں بھی بے حد اکرام و اعزاز سے نوازے گئے۔ اس کا آنکھوں دیکھا حال شیخ محمد عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیئے میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ برصغیر کے ہزاروں صاحب علم آتے ہیں۔ ان میں علما، صلحا، اتقیا سب ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا۔ کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کوئی انہیں مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔ مگر فاضل بریلوی کی شان عجیب ہے۔ یہاں کے علما اور بزرگ سبھی ان کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ اور ان کی تعظیم میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں بھی آپ سے اکثر علماء نے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی جس زمانے میں کپورتھلہ کی مسجد کے خطیب تھے۔ انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے اسی دوسرے سفر حج سے متعلق ایک ایمان افروز واقعہ نہایت موثر انداز میں بیان کیا تھا۔ آپ بھی اس کی سماعت میں شریک ہو جائیے۔

جب مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ دوسری مرتبہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود پڑھتے رہے۔ اور یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے۔ اور بالمواجہہ زیارت

سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا۔

آپ نے کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

نعت کے مقطع میں عجیب انداز سے اپنی محرومی اور نارسائی کا اشارہ کیا ؎

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا — تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

یہ نعت مواجہہ شریف میں عرض کر کے انتظار میں مودّب بیٹھے تھے۔ کہ قسمت جاگی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضورِ اقدس صلّی اللّٰہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

مدینے میں حضرت کا قیام طویل رہا۔ اکتیس بار مسجد نبوی میں حاضری نصیب ہوئی۔ صبح سے عشاء تک علماء وشیوخ اور طلبہ کا ہجوم رہتا کوئی حدیث پڑھنے آتا۔ کوئی اجازت لینے آتا۔ اور کوئی بیعت کرنے۔ حضرت کسی کو مایوس نہ کرتے۔ مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی صاحبؒ نزہۃ الخواطرؔ اپنی گرانقدر تالیف میں اعلیٰ حضرت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

آپ نے کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور علمائے حجاز سے بعض مسائل فقہیہ اور کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ بعض رسائل بھی قیام کے دوران میں لکھے۔ اور علماء حرمین نے بعض سوالات کئے۔ تو اُن کے جوابات بھی تحریر کئے۔ فقہ، حدیث، اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت دیکھ کر سب کے سب حیران وششدر رہ گئے۔

اعلیٰ حضرت کو عربی زبان پر ایسا عبور تھا۔ کہ خود اہل عرب رشک کرتے، آپ کے ایک خلیفہ مولانا شیخ ضیاالدّین مدنی جو بفضل خدا حیات ہیں اور مدینہ منورہ میں قیام ہے۔ ان کی روایت ہے۔ کہ: ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں مَیں نے اعلیٰ حضرت کا ایک قصیدہ عربیہ پڑھا۔ جو سرکارِ رسالتمآب صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تھا۔ سب نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بتایا اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا بریلوی ہیں جو عربی نہیں عجمی ہیں۔ علماء مصر یہ سن کر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔

اعلیٰ حضرت جامع کمالات بزرگ تھے۔ جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمایا۔ ان کی اصل دولت حُبِّ رسولؐ تھی اس پاک جذبے سے ان کی روح سرشار رہی۔ اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ حیثیت بھی اتنی ہی وقیع اور عظیم ہے جتنی ان کی دوسری حیثیتیں۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ دنیا میں جو اچھے اچھے نعت گو شعراء گذرے ہیں۔ ان سب کا ذکر ہے کسی نہ کسی حیثیت سے ادب کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت کی بہترین شعری تخلیقات کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ شاید اس لئے کہ ان کی شاعری دوسرے علوم وفنون کے نیچے دب گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا نعتیہ کلام بڑے سے بڑے شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں جذبہ دل کی بے ساختگی، خیال کی رعنائی، الفاظ کی شان وشوکت اور عشقِ رسول کی جھلکیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ ان کی نعتوں میں کیف واثر کی ایک دنیا آباد ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد کا مشاہدہ ہے۔ آپ عالم ارباب سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے۔ بلکہ پیارے مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور درد عشق آپ کو بیتاب کرتا تو از خود نعتیہ اشعار زبان پر جاری ہوتے اور پھر یہی اشعار آپ کے سوزش عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ جب سرکار اقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے۔ تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں، ورنہ شعر وسخن میرا مذاق نہیں

اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا نہایت خوش گو اور نفیس شاعر تھے۔ فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ ایک روز انہوں نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع داغ کو سنایا ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مطلع سن کر داغ جھومنے لگے، بار بار پڑھواتے اور وجد کرتے۔ بہت تعریف کی اور فرمایا "مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے"، یہ بہترین داد ہے جو استاد داغ کسی شاعر کو دے سکتے تھے۔ حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ لکھنؤ کے شعرا کی ایک محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدہ معراجیہ اپنے خاص انداز میں پڑھا۔ تو سب جھومنے لگے اور بہ یک آواز کہا۔ کہ اس قصیدے کی زبان تو کوثر میں ڈھلی ہوئی ہے اسی قسم کا ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ سرآمد شعرا دہلی نے کہا! سبحان اللہ مولانا احمد رضا کی شاعری کے کیا کہنے! آپ عمر بھر پڑھتے رہیے۔ ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے لئے کہا تھا۔ کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دئے۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں کا اعجاز شاعری یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحب قرآن کی طرف پھیر دیئے۔ نعتیہ شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس سے شاعر کے کمال عشق کا سکہ دل پر بیٹھ جائے۔ شاعر شاگرد ہوتے ہیں۔ مگر عاشق شاگرد نہیں ہوا کرتے۔ مولانا احمد رضا خاں فن شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ وہ عاشق صادق تھے۔ فیضان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو وہ کچھ دیا۔ کہ بس سوچا کیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بے شمار شعرا نے اپنی اپنی حسن نیت اور توفیق الہٰی کے باعث سلام لکھ کر ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ مگر اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے ایک سلام کو ایسا قبول عام نصیب ہوا کہ صدی گزر چکی۔ برصغیر پاک وہند کی فضائیں آج بھی اس سلام کی والہانہ آواز سے گونج رہی ہیں۔ ایک ایک شعر جذب وکیف اور عشق وسرمستی کا مرقع ہے۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام　　　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریار ارم، تاجدار حرم　　　　نوبہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

حضرت اطہر ہاپوڑی اردو کے مشہور شاعر تھے۔ اور اُن کا شمار نہایت جید اساتذہ غزل میں تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں نعت سنائی۔ اور مطلع پڑھا ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے　　　　مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلےٰ کے سامنے

مطلع سن کر اعلیٰ حضرت ناخوش ہوئے اور فرمایا اس کا دوسرا مصرع مقام نبوت کے لائق نہیں۔ اطہر صاحب محجوب ہو کر چہرہ دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا۔ اسے یوں کر دیجئے ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے　　　　قدسی کھڑے ہیں عرش معلےٰ کے سامنے

حضرت محسن کاکوروی کا قصیدۂ معراجیہ بہت مشہور ہے جس کا آغاز یوں ہے ؎

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل　　　　برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

حضرت محسن یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت کو سنانے کے لئے بریلی تشریف لائے۔ ظہر کے بعد دو شعر سُنے، پھر ارشاد فرمایا عصر کے بعد باقی قصیدہ سُنا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے عصر کے بعد اپنا طویل قصیدہ معراجیہ سنایا۔ محسن نے جب آپ کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔ اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

آپ چونکہ عربی، فارسی بھاشا اور اردو سب زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اس لئے ان زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے۔ ایک مرتبہ احباب کی فرمائش پر ایسی نعت کہی جس میں یہ چاروں زبانیں استعمال کی گئی ہیں بعض قصائد نہایت عجیب اور مشکل صنعتوں میں بھی کہے۔ غرض اعلیٰ حضرت کا یہ رُخ بھی نہایت حسین اور یادگار ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اخلاق وعادات نہایت عمدہ اور اچھے تھے۔ پوری زندگی حُبّ نبوی اور اتباع شریعت میں گزری۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں

نہ کچھ شکایت کرتے۔ مگر خدا اور رسول کا معاملہ ہوتا۔ تو ہرگز رُو رعایت نہ کرتے۔ پانچوں وقت نماز نہایت اہتمام سے ادا کرتے طبیعت شدید ناساز ہوتی تب بھی مسجد میں تشریف لاتے۔ اور جماعت سے نماز ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے رکھتے۔ ایک بار رمضان میں بیمار پڑے اور حالت نازک ہوگئی طبیبوں نے ہرچند اصرار کیا کہ روزہ توڑ دیجئے۔ مگر نہ مانے اور روزے کی برکت ہی سے صحت حاصل ہوگئی۔ رات کو سوتے وقت نام اقدس محمد کی شکل میں لیٹتے۔ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ کسی چیز کے لینے اور دینے کے لئے دایاں ہاتھ بڑھاتے۔ کبھی قہقہہ نہ لگاتے تبسم فرماتے۔ قبلے کی طرف منہ کرکے کبھی نہ تھوکتے۔ قبلے کی طرف پاؤں کبھی دراز نہ کرتے۔ آہستہ آہستہ چلتے۔ اکثر نگاہیں نیچی رکھتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند کرتے اگر کوئی حدیث بیان کر رہے ہوں یا قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہے ہوں یا درمیان میں کوئی قطع کلام کرتا۔ تو سخت ناراض ہوتے۔ نہایت سخی اور سیر چشم تھے۔ جو دروازے پر آتا خالی نہ جاتا۔ غریبوں، طالب علموں، ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مقرر تھے بیرونی ضرورت مندوں کو منی آرڈر کے ذریعے رقمیں بھیجتے۔ روپیہ جمع کرکے نہ رکھتے فوراً تقسیم فرمادیتے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا! میں نے کبھی ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا کیونکہ میرے پاس کبھی اتنی رقم جمع ہوئی ہی نہیں۔ کہ سال گذرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

اعلیٰ حضرت کو بیت اللہ اور حرمین شریفین سے عشق تھا۔ اس کا تذکرہ سوزوگداز سے پُر ہے۔ دوسرے حج کے موقع پر جب کہ آپ مکہ معظمہ میں تھے شدید بخار میں مبتلا ہوئے۔ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا۔ اور کہا آب زمزم میں ملا کر پی لو۔ اعلیٰ حضرت یہ سن کر خوش ہوئے۔ فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے دوا وہ بتائی۔ جو مجھے بالطبع محبوب اور مرغوب تھی یعنی زمزم شریف۔ میری عادت ہے۔ کہ باسی پانی نہیں پیتا۔ اور اگر پیوں تو فوراً زکام ہوجاتا ہے۔ مگر زمزم کی برکت دیکھئے کہ صحت میں مرض میں، دن میں، رات میں تازہ باسی کثرت سے پانی پیا بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلتی، کلی کرتا اور زمزم پیتا۔ وضو سے پہلے پیتا۔ وضو کے بعد پیتا۔ پونے تین مہینے مکہ معظمہ کے قیام میں میں نے حساب کیا، تو تقریباً چار من آب زمزم میرے پینے میں آیا ہوگا۔

اواخر محرم میں صحت ہوئی اللہ کے فضل سے۔ وہاں ایک سلطانی حمام ہے۔ میں اس میں نہایا۔ باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ابر ہے۔ حرم شریف پہنچتے پہنچتے پانی برسنا شروع ہوا۔ مجھے حدیث یاد آگئی۔ کہ جو مینہ برسنے میں طواف کرے وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً حجر اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار پھر ہوگیا۔ مولانا سید اسماعیل مکی نے فرمایا۔ ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن میں بد احتیاطی کی۔ میں نے کہا حدیث ضعیف ہے۔ مگر امید بحمداللہ تعالیٰ قوی ہے۔ یہ طواف بڑے مزے کا تھا۔

علما اور طلبہ کا حد درجہ احترام کرتے اور ان کے آنے پر بے حد مسرور نظر آتے۔ مہمانوں کے ہاتھ خود دھلاتے اور عمدہ سے عمدہ کھانے انہیں کھلاتے۔ مزاج میں عجب غرور اور کبر بالکل نہ تھا۔ سادات کرام کے سامنے فرط تواضع اور انکسار سے بچھے بچھے جاتے۔ آپ کے ہاں ہر تقریب میں سادات کرام کو دوہرا حصہ دیا جاتا۔ ایک دفعہ نو دس برس کی عمر کے ایک صاحبزادے امور خانہ داری کے لئے ملازم رکھے گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ سید ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے گھر والوں کو تاکید کی خبردار! صاحبزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے۔ اس لئے کہ وہ مخدوم زادے ہیں۔ جس چیز کی انہیں ضرورت ہو حاضر کی جائے اور جس تنخواہ کا وعدہ ہوا ہے وہ بطور نذر پیش ہوتی رہے۔ ایک دفعہ اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا۔ قاضی وقت اگر سید کو حد لگائے تو یہ خیال نہ کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں..... مدینہ منورہ میں سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں سیدی فرماتے میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت، سید تو آپ ہیں۔ فرمایا! واللہ تم سید ہو۔ میں نے عرض کی میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مولیٰ القوم منہم قوم کا غلام آزاد شدہ انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی عطا فرمائے۔

مزاج میں نہایت اعلیٰ درجے کی لطافت اور مزاح تھا۔ کسی ہندو آریہ نے اپنے مذہب کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ اور اس کا نام آریہ

"دھرم پرچار"، رکھا اور کتاب کا ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے وہ کتاب ملاحظہ فرمائی۔ جگہ جگہ حاشیے پر اس کا رد لکھا۔ اور جہاں کتاب کا نام لکھا۔ وہاں سیاہ روشنائی لے کر جلی قلم سے لفظ "پرچار" کے بعد "حرف" لکھ دیا اب اس کتاب کا نام یوں ہو گیا آریہ دھرم پرچار حرف!

اعلیٰ حضرت نے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء بروز جمعۃ المبارک دوپہر دو بج کر ۳۸ منٹ پر بریلی میں وصال فرمایا۔ چند ماہ قبل اعلیٰ حضرت نے قرآنِ مجید کی اس آیت سے اپنا سنہ وفات برآمد فرمایا تھا۔ ویطاف علیہم بآنیۃ من فضۃ واکواب۔ اس آیت کے حروف سے ابجد کے مطابق ۱۳۴۰ھ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ مولانا حسنین رضا خاں نے اعلیٰ حضرت کے الوداعی سفر کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے۔

اعلیٰ حضرت نے وصیت نامہ تحریر کرایا۔ پھر اس پر خود عمل کرایا۔ اس روز تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ہوتے رہے۔ دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے۔ کہ وقت پوچھا عرض کیا گیا۔ کہ اس وقت ایک بج کر ۵۶ منٹ ہو رہے ہیں۔ فرمایا گھڑی رکھ دو۔ یکایک ارشاد ہوا تصویر ہٹا دو۔ حاضرین کے دل میں خیال گذرا۔ کہ یہاں تصاویر کا کیا کام۔ یہ خطرہ گذرنا تھا۔ کہ خود ارشاد فرمایا یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ، پھر ذرا وقفے سے اپنے بھائی مولانا محمد رضا خاں صاحب سے خطاب فرمایا۔ وضو کر آؤ۔ قرآن عظیم لاؤ۔ ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے۔ کہ اپنے چھوٹے بیٹے مولانا مصطفےٰ رضا خاں سے پھر ارشاد فرمایا۔ اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورہ یٰسین شریف اور رعد شریف تلاوت کرو۔

اب آپ کی عمر کے چند منٹ باقی تھے۔ حسب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ ایسے حضورِ قلب اور تیقظ سے سُنیں۔ کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقتِ زبان سے زیر و زبر میں فرق ہوا۔ خود تلاوت فرما کر بتا دی۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے۔ تمام و کمال، بلکہ معمول سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا۔ اُدھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا۔ کہ چہرہ مبارک پر ایک نور کی کرن چمکی جس میں جنبش تھی۔ اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسمِ اطہر حضور سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

خود اسی زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ جنہیں ایک جھلک دکھا دیتے ہیں۔ وہ شوقِ دیدار میں ایسے جاتے ہیں۔ کہ جانا معلوم بھی نہیں ہوتا

مولانا عبد العزیز محدث مراد آبادی استاذ دار العلوم اشرفیہ، اعظم گڑھ، درگاہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان سید آل رسول کے عم محترم کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ جسے یہاں درج کرنا مناسب ہوگا۔ موصوف کا ارشاد ہے۔

ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ، دہلی تشریف لائے۔ ان کی آمد کی خبر پا کر اُن سے ملاقات کی۔ بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا استغنا اور مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے۔ ان بزرگوں کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ نذرانہ پیش کرتے، مگر وہ قبول نہ فرماتے۔ اور کہتے بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں۔ مجھے ضرورت نہیں۔ ان کے اس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا عرض کیا۔ حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا مقصد تو بڑا زریں تھا۔ لیکن حاصل نہ ہوا۔ جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں۔ لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا۔ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔ فداک ابی و امی! کس کا انتظار ہے؟

ارشاد فرمایا احمد رضا کا

میں نے عرض کیا احمد رضا کون؟ فرمایا! ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں!

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی۔ معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں بڑے جلیل القدر عالم ہیں اور بقیدِ حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا ہندوستان آیا۔ بریلی پہنچا، پتا چلا ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے بہ طویل سفر صرف اُن کی ملاقات کے لئے کیا۔ مگر افسوس ملاقات نہ ہو سکی۔

شہر بریلی، محلہ سوداگران میں دار العلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک پُر شکوہ عمارت میں آپ کا مزار مبارک ہے ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات ‏‏ تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات

۱۔ تمہید!

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (حدیث شریف) ترجمہ:۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔

اس حدیث شریف کی تفسیر و تشریح میں بعض حضرات کو تسامح ہوا ہے۔ فی الحقیقت مشبہ موجود، مشبہ بہ موجود اور حرف تشبیہ بھی موجود۔ لیکن وجہ شبہ تفسیر طلب ہے۔ اس حدیث شریف کا مطلب صرف یہی نہیں ہے۔ کہ علماء امت محمدیہ کا مرتبہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہے۔ بلکہ اس میں سب سے بڑا یہ ہے۔ کہ جس طرح سے انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر اپنی امت کی ہدایت و اصلاح میں مصائب برداشت کرنے پڑے اور اس ابتلاء و آزمائش میں کامیاب رہے۔ اسی طرح سے علماء امت محمدیہ کو بھی مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں انہیں کے مانند مصائب اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں اس جگہ ذیل کی دو ہی مثالوں پر اکتفا کروں گا۔

خلیفہ عباسی مہدی کے زمانہ میں زندیقیوں نے سر اٹھایا۔ اور قرآن پاک کا جواب لکھنے پر تل گئے۔ علماء اور حکمائے اسلام نے مقابلہ میں آکر ان کا چیلنج قبول۔ اور مصائب بھگتے مگر مقابلہ سے نہ ہٹے۔ آخر ان کو کامیابی ہوئی اور اس طرح سے یہ فتنہ ختم ہوا۔ اس کے بعد دو سو بارہ ہجری ۲۱۲ھ میں بہ عہد خلیفہ مامون بن خلیفہ ہارون رشید نیا فتنہ خلق قرآن کا اٹھا۔ اس فتنہ سے أئمہ مجتہدین بھی نہ بچ سکے۔ چنانچہ جس وقت ۲۱۸ھ میں مامون نے خلق قرآن کو مان کر نہ صرف علماء کو اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور کیا۔ بلکہ انکار کرنے والے علماء ذی اقتدار کو دار و رسن سے نوازا۔ حتیٰ کہ مجتہد اعظم امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام اہل سنت والجماعت کو بھی اس لئے نہ چھوڑا اور ممدوح علیہ الرحمہ نے برائے احقاق حق ہر مصیبت برداشت کی۔ آخر کار مکہ مکرمہ کے ایک مجتہد اعظم امام عبد العزیز مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب اس فتنے کے زہریلے اثر کو پھیلتے دیکھا۔ تو جذبہ اسلام نے دار و رسن کی پرواہ کئے بغیر مکہ مکرمہ سے دار الخلافہ کے لئے انہوں نے شد رحال کیا۔ اور بغداد پہونچ کر دشمن دین معتزلی بنام بشیر بن عیاث مرسی کی فتنہ پردازی کا قلع قمع کیا یعنی دربار خلافت میں ——— امیر المومنین کو حکم بنا کر اور اس معتزلی کا مقابلہ کر کے اس کو شکست فاش دی۔ اور اس طرح سے اس فتنہ کو ختم کیا۔ (ملاحظہ ہو کتاب حیدہ مصنفہ امام موصوف) یہ تفسیر مذکورہ بالا حدیث شریف جو انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مصائب کی طرف واضح ارشاد فرماتی ہے۔ اس کی تائید اس سے زیادہ یہ حدیث شریف فرماتی ہے۔ لایزال من امتی قائمین علی الحق حتی یأتی امر اللہ وھم الغالبون

ترجمہ۔ میری امت کے اشخاص ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہیں گے۔ یہاں تک کہ حکم خدا سے وہ اپنے (مخالفین) پر غالب ہو جائیں گے۔

بہر حال علمائے کرام کی وہ ممتاز ترا در محبوب تر جماعت تھی۔ جس نے ہمیشہ امت اسلامیہ کی پیہم رہبری کر کے اس کو صراط مستقیم پر لگایا اور ارکان خمسہ کا ہمیشہ درس دے کر اس کو گمراہی سے بچایا۔ (فاللہ خیر حافظاً) ماسوائے اس کے بفحوائے حدیث شریف۔

الاختلاف امتی رحمۃ (ترجمہ) میری امت میں اختلاف رحمت ہے۔

امت کے اختلاف کو نہ صرف جائز فرمایا۔ بلکہ رحمت فرما دیا اس حدیث کی صحت کا مظہر چاروں أئمہ مجتہدین کا مسلک ہے

قرآن وحدیث سے ائمہ نے اپنی تفقہ سے مسائل استنباط کر کے مسلمانوں کی رہبری کی اور مسلمانوں نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق مسالک قبول کئے۔ اس طرح حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مسلک دنیائے اسلام میں پھیلے

۲۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ — پیدائش اور تعلیم و تربیت

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلی میں بتاریخ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ، ۱۴ جون ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔

حضرت کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں نے اپنے پوتے کو گود میں لے کر فرمایا "یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔ یہ قول حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔ جیساکہ آئندہ کی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

حضرت اقدس کا اصلی اسم مبارک عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں اور تاریخی نام "المختار" ۱۲۷۲ھ تھا حضرت اقدس کے والد بزرگوار کا اسم مبارک حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ یہ اپنے وقت کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ تعلیم و تربیت ان کی من اولہ الی آخرہ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز نے فرمائی تھی

حضرت شاہ مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز نے بقول راویان فقہ بہ عمر چار سال قرآن پاک ناظرہ ختم فرمایا۔ ذہن و ذکاوت کی یہ لاجواب مثال ہے۔ حافظہ کا یہ عالم تھا۔ کہ جو سبق ایک بار پڑھ لیا وہ ازبر ہوجاتا تھا۔ مکتب کے تعلیم کے بعد جب درسیات شروع ہوئیں۔ تو جملہ معقول و منقول کا درس اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے لیا۔ بقول سوانح نگار نصف ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ تقریباً بعمر ۱۴ سال سند فراغت حاصل فرمائی۔ طبع رسا اور ذہن صفا کی یہ ایک انمول مثال ہے۔ کہ اتنی کم سنی میں پورے درس کی تکمیل فرماکر عالم ہو گئے۔

سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے۔ کہ سند فراغت حاصل ہوئے۔ ابھی چند ہی روز ہوئے تھے۔ کہ ایک استفتاء بابت رضاعت حضرت اقدس کے سامنے آگیا اس کا جواب لکھ کر حضرت اقدس نے بغرض تصحیح اپنے والد ماجد قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ ممدوح الصدر رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ شاباش جواب بالکل صحیح ہے۔ ممدوح الصدور رحمتہ اللہ نے اسی روز سے فتویٰ نویسی کا کام اپنے نوجوان بلکہ کمسن مگر ممتاز بیٹے کے سپرد کیا جس کے متعلق یہ کہنا نہ مبالغہ ہے نہ غلط!

بالائے سرش ز ہوشمندی | می تافت ستارۂ بلندی

موصوف الصدر قدس سرہٗ العزیز کے ذہن و ذکا و حافظہ و طبع رسا کا علم ہر اس شخص کو ہے۔ جس نے تعلیم پائی یا جس سے ذرا بھی واسطہ ہو بہرحال معقولات و منقولات ختم کرنے کے بعد آپ کو دارالافتاء کا کام جو والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز نے سونپا تھا۔ بخوش اسلوبی سرانجام فرماتے تھے۔ اس کام نے حضرت کو جو والد بزرگوار کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ تفقہ میں کامل کر دیا۔ اب فقہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا۔ جس کا حل حضرت اعلیٰ واقدس کے پاس نہ ہو۔

۳۔ علم فلسفہ و ہیئت:-

معقولات میں جس کو درجہ اولی حاصل ہے۔ وہ فی الحقیقت علم ہیئت ہے۔ جس میں ریاضی کو بڑا دخل ہے۔ حضرت اقدس کے والد بزرگوار نے اس میں بھی موصوف الصدر کو کامل فرما دیا تھا۔ بہرحال حضرت موصوف الصدر رحمتہ اللہ علیہ نے علم فلسفہ پڑھا ضرور مگر اس سے ہمیشہ نفرت سی

ابتداء ہی سے فلسفہ کو سخت مکروہ جانا اور صرف دو چار کتابیں درس میں پڑھ کر اور دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو ۵۰ ۴ سال سے زائد ہو گئے اس کا نام نہ لیا (الکلمۃ الملہمہ منہ)

بہر حال فلسفہ کے شعبہ علم ہیئت میں جو کمال پیدا کیا ۔ اور جو مہارت حاصل فرمائی اس کے ثبوت کے لئے حضرت اقدس کے ایک تلمیذ رشید حضرت مولانا ظفرالدین قادری بہاری رحمتہ اللہ علیہ کی لازوال تصانیف ذیل ہیں ۔ ۱۔ موذن الاوقات برائے عرض شہر بہار ۔ ۲۔ موذن الاوقات برائے عرض شہر بریلی ۔ ۳۔ موذن الاوقات برائے عرض شہر نینی تال ۔ ۴۔ الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت

یہ علم ہیئت پر مفید تر تصانیف ہیں جو ہر اعتبار سے لا مثال ہیں ۔ اور وہ استاد کے تبحر علمی پر شاہد عادل ہیں ۔ فی الحقیقت علم ہیئت کا سیکھنا دینی حیثیت سے ضروری ہے ۔ تاکہ ہر مقام کے اوقات نماز اور صیام صحیح طور پر معلوم ہو سکیں ۔ کیونکہ اوقات کی غلطی سے عبادات میں خلل پڑتا ہے ۔ اور اس سے دین میں خلل واقع ہوتا ہے ۔

بہر حال مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک مثال حضرت اقدس کے علم ہیئت کے تبحر علمی کی دیدی گئی ہے ۔ اگرچہ وہ بالواسطہ ہے ۔ کیونکہ حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ کی اپنی تصانیف ہیئت کا حوالہ نہیں دیا گیا ۔ نقہ راویوں کا قول ہے ۔ کہ ممدوح الصدر رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد چھوٹی بڑی چھ سو کے قریب ہے جو مضامین کے اعتبار سے نہ صرف متنوع ہیں ۔ بلکہ ان میں بیشتر وہ ہیں جن کو جواہر پارے کہنا مبالغہ نہ ہوگا ۔ ان میں فتاوٰی بھی ہیں اور مناظرے بھی ۔ اندازِ مصالح بھی اور علم ہیئت کے شہ پارے بھی ۔ مولوی رحمان علی خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف " تذکرہ علمائے ہند " میں تصانیف کی تعداد پچاس لکھی ہے ۔ یہ تذکرہ علمائے ہند کے تصنیف کے زمانہ تک کی ہیں ۔ اس کے علاوہ اور اس کے بعد مختلف تصانیف منظر عام پر آئیں جن کا شمار مشکل ہے ۔ اوپر (۶۰۰) تصانیف کا بحوالہ بعض سوانح نگاران ذکر کیا گیا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس بیان میں کچھ تسامح ہوا ہو ۔ لیکن یہ امر یقینی ہے ۔ مشغولیت تصنیف کثیر تعداد کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے ۔ (واللہ اعلم)

۴ ۔ حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ کے اساتذہ

ممدوح الصدر رحمتہ اللہ علیہ کے اساتذہ کی تعداد سوانح نگاروں نے صرف پانچ اس تفصیل سے لکھی ہے ۔

۱ ۔ مکتبی تعلیم کے چند اساتذہ ۲ ۔ ابتدائی تعلیم کے اساتذہ مرزا عبد القادر بیگ مرحوم ۳ ۔ مولانا عبد العلی رام پوری استاد تعلیم علم ہیئت ۴ ۔ سید شاہ ابو الحسین نوری رحمتہ اللہ علیہ استاد تعلیم علم جفر و علم تکسیر ۵ ۔ حضرت مولانا نقی علی خاں رحمتہ اللہ علیہ والد بزرگوار حضرت اقدس قدس سرہٗ العزیز جنہوں نے پوری درسیات ختم کرائیں ۔

فی الحقیقت فہرست اساتذہ ۔ مندرجہ بالا برائے نام ہی ہے ۔ حضرت نے حقیقی تعلیم تو اپنے والد بزرگوار سے ہی پائی ۔ جنہوں نے پوری درسیات (مع کتب حدیث صحاح ستہ) ختم کرائیں ۔ عمر ۱۴ سال (۱۲۸۶ھ) میں فارغ التحصیل ہوئے ۔ اس کے بعد فتوٰی نویسی کی استعداد بدرجہ اتم ایسی پیدا کی کہ فتوٰی نویسی میں کمال حاصل ہو گیا تھا ۔ یہاں تک ممدوح رحمتہ اللہ علیہ کے معاصر علماء بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ۔ فی الحقیقت

" ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ " اتنی کم عمری میں اتنا تبحر اور درسیات پر اتنا عبور اگر سعادت و کرامت نہیں تو اور کیا ہے ۔ بہر حال فتوٰی نویسی کا کمال اور اس میں لامثال مہارت ۔ فتاوٰی کے مجلدات شہادت دے رہے ہیں ۔ سندِ فراغت تو مل ہی چکی تھی ۔ جس کے معنی یہ تھے ۔ کہ مشہور درس نظامی کی تکمیل ہو گئی تھی جس میں فقہ اور احادیث و منطق وغیرہ جملہ فنون داخل ہیں ۔ لیکن اسی پر اکتفا نہیں فرمایا ۔ بلکہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ ضلع ایٹہ جا کر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت فرما کر اجازت و خلافت کے ساتھ (جن کا تفصیلی تذکرہ آئندہ اوراق میں ملے گا) سندِ حدیث سے بھی مشرف ہوئے ۔ اس

کے بعد ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ برائے حج و زیارت حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً) میں حاضر ہو کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اکابر علماء سے سند صحاح ستہ بھی حاصل فرمائی یعنی جن محدثین معروفین سے سند احادیث حاصل فرمائیں۔ ان میں خاص طور پر قابلِ ذکر حسبِ ذیل ہیں۔ ۱۔ مکہ معظمہ کے حضرت سید احمد زینی دحلان مفتی شافعیہ ۲۔ حضرت شیخ عبدالرحمان سراج مفتی حنفیہ۔ ۳۔ حضرت شیخ حسین بن صالح جمال اللیل امام شافعیہ۔ الغرض اسناد حدیث صحاح ستہ کئی علماء محدثین حجاز مقدس سے حاصل فرمائیں۔ اسی کا یہ طفیل تھا۔ کہ تاحیات باسعادت سلسلہ درس و تدریس اور تصنیف جاری رہا۔

۵۔ بیعت و تصوفی مسلک

بہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ مارہرہ حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہٗ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ سلاسل میں ان کو سندِ خلافت عطا کرتے ہوئے سندِ حدیث بھی عطا فرمائی۔

ہندوستان میں بالعموم چشت اہل بہشت کا طریقہ رائج ہے۔ ماسوا اس کے نقشبندیہ، سہروردیہ، اور طیفوریہ طریقے بھی رائج ہیں۔ البتہ شاذلیہ طریقہ مصر سے آگے نہ بڑھا۔ بہر حال جو طریقہ ہو سوائے ذکر جہر و خفی یا پھر سماع و غیر سماع کے ریاض و مجاہدہ میں۔ سب طریقے یکساں ہی ہیں جن کو وہی شخص صحیح طور پر جان سکتا ہے۔ جو اس وادی کا مسافر ہو۔ البتہ ایک مسلکی اختلاف۔ جو سکر و صحو کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور بھی ہے اور وہ مسلک "وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود" ہے۔ جس کو توحید وجودی اور توحید شہودی بھی کہتے ہیں لیکن سواد اعظم کا مسلک وحدۃ الوجود ہی رہا۔ وحدۃ الشہودیت بہت کم صوفیا نے اختیار فرمایا۔

جہاں تک حضرت مولانا جناب حافظ شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز کے صوفیانہ مسلک کا تعلق ہے۔ وہ وحدۃ الوجودی ہی ہے۔ اگرچہ کسی صاحبِ تذکرہ نے اس کی وضاحت کی طرف توجہ نہیں فرمائی جس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے۔ جس کی توضیح قلم نہیں کر سکتا ہے۔ یہ تو صرف صاحب عمل ہی کا حصہ ہے۔ اصحاب علم اس سے قطعاً محروم ہیں۔ اس لئے اس پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ اور نہ ڈالنی چاہیے تھی۔ بہر حال یہ یقینی ہے۔ کہ مسئلہ وحدۃ الوجود گو پیچیدہ ہے۔ لیکن یہ مسلم ہے۔ کہ اس نوع توحید کی طرف قرآن پاک نے بھی اس طرح اشارہ فرماتا ہے! فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (سورہ بقرہ) ترجمہ:۔ جدھر توجہ کرو دیدار خدا ملے گا۔

یہ اعلان خداوند عالم "وادی، غیر ذی زرع" میں ہوا۔ جس کی آواز بازگشت ایران و خراسان میں بھی پہونچی۔ جو گل و گلزار اور سبزہ زار تھے۔ اس گونج نے وہاں کے اہل دل کو بیدار کیا۔ جو یوں اعلان بول اٹھے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

حضرت سعدی قدس سرہٗ العزیز کے اس اعلان نے جو وہاں کے سواد اعظم کی ترجمانی کرتا ہے۔ بارگاہ صمدیت سے سند مقبولیت بھی حاصل کی۔ چنانچہ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب نفحات الانس میں فرماتے ہیں۔

"یکے از مشائخ از شیخ (سعدی) انکارے داشت در واقعہ دید کہ درہائے آسمان کشادہ اند و ملائکہ با طبقات نور نازل گشتند (ازاں ملائکہ شیخ) بہ کمال حیرت پرسید۔ ایں چیست گفتند:۔ برائے سعدی سزاوار است کہ بہ سلسلہ بیت مقبول او از جانب حق تعالیٰ و تقدس ارزانی شدہ ——— (ترجمہ)، حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی (بزرگی سے) ایک (مقامی)، شیخ منکر تھے۔ چنانچہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے نور کے طبق لئے ہوئے آسمان سے اتر رہے ہیں۔ شیخ نے انتہا حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ:۔

سعدی کے مشہور و مقبول شعر کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انعام عطا فرمایا ہے۔
اس سچے خواب سے شیخ کے خیالات ایسے بدلے کہ وہ فوراً حضرت سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر عذر خواہ ہوئے۔ بہر حال یہ تو تھا۔ ایک تاریخی واقعہ جو توضیحاً بیان کیا گیا۔
فی الحقیقت وحدۃ الوجود کے ثبوت میں یہ وہ شعر ہے۔ جو حقیقت کا مظہر ہے۔ اسی شعر کے مفہوم کو سامنے رکھ کر ایک اردو شاعر بھی خاموش نہ رہ سکا اور اس نے گویا آیت شریف کا صحیح ترجمہ اپنے اس مصرعہ میں پیش کیا " جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے "
بہر حال وحدت الوجود ہی حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا مسلک تھا۔ ان کی پوری حیات باسعادت اس کی مظہر ہے۔

۶ - عادات و خصائل

ایک بار ایک خادم نے ایک خط لاکر پیش کیا۔ جس میں کسی گستاخ نے حضرت کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرکے اپنی سفاہت کا ثبوت دیا تھا۔ آپ اٹھ کر اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں چند لفافے ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور ان صاحب کے آگے ڈال کر فرمایا کہ ان کو پڑھ لو۔ وہ سمجھے کہ شاید ان میں کچھ ایسے ہی الفاظ ہوں گے اس لئے کچھ تامل کیا۔ حضرت اقدس نے ان سے فرمایا۔
" تم ان کو پڑھ لو پھر فیصلہ کرو کہ کون معقول اور نا معقول ہے۔ "
انہوں نے پڑھا۔ تو ان سب خطوط میں حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ کے خصائل حمیدہ کا تذکرہ تھا۔ جب وہ پڑھ چکے۔ تو اس وقت فرمایا۔ شیطان صفت چند ہوتے ہیں اور انسان خصلت بہت ہوتے ہیں۔ " لہٰذا تم کو اس کا کچھ برا نہیں ماننا چاہیے "
حضرت سعدی علیہ الرحمتہ نے اس موقف کے متعلق یہ فیصلہ کن بات فرمائی ہے۔ "بدی را بدی سہل باشد جزا۔ اگر مردی احسن الیٰ من اساء "
حضرت اقدس و اعلیٰ رحمتہ اللہ علیہ کا کم و بیش یہی مسلک رہا ہے۔ اور ہمیشہ بدی سے پرہیز فرمایا بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ قرآن پاک کے اس فیصلہ کن اصول پر عمل رہا " وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (ترجمہ۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں۔ سورہ رعد رکوع ۸، سورہ قصص رکوع ۹)
حضرت اقدس میں نہ صرف غریب پروری حد درجہ تھی۔ بلکہ غریب نوازی میں حضرت یکتائے روزگار تھے۔ غریبوں کی دعوت قبول فرما کر ان کے خس پوش اور خستہ حال گھروں میں قدم رنجہ فرما کر اس چیز کو۔ جس کی عادت نہیں ہوتی تھی خوشی خوشی نوش فرماتے تھے اور دعائے برکت و خوش حالی سے آپ کو نوازتے تھے۔ غریب لوگ از قسم خستہ حال مزدور وغیرہ محض حصول دعا کی خاطر دعوتیں کیا کرتے تھے۔ اور حضرت قبول فرما کر ان کی خوشی پوری کرتے تھے۔ حضرت اقدس شدت و رحمت میں بے عدیل خصائل کے حامل تھے۔ مسائل دین میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا۔ کہ غیر مشروع حرکت یا بات ایک آن پسند نہیں تھی۔ جس پر فوراً ہی غصہ آجاتا تھا۔ لیکن جب کبھی اپنی غلطی محسوس فرما لیتے تھے تو معذرت خواہی میں شدت کرم کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ رحم و کرم کی مثال اس اوپر دے دی گئی۔ معذرت خواہی کی شدت کی مثال بھی پیش کی جاتی ہے
آغاز تحریک آزادی کے زمانے میں ممتاز علمائے فرنگی محل کا ایک وفد بریلی حضرت اقدس کی خدمت میں ایک دینی معاملہ میں تبادلہ خیال کے لئے آیا علماء کے اس وفد کے ساتھ ایک نوجوان پیرزادے تھے۔ جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ علما سے گفتگو کے بعد حضرت نے فرمایا۔
یہ داڑھی منڈے صاحبزادے جو آپ کے ہمراہ ہیں۔ کیا یہ بھی وفد کے ممبر ہیں۔ جن کی صورت قطعاً غیر شرعی ہے۔ یہ تعریض نوجوان پیرزادے کے لئے سخت ناگواری کا باعث ہوئی۔ قائد وفد نے جو ایک عالم تھے، چلتے وقت حضرت سے فرمایا "وہ صاحب زادہ، سید زادہ اور پیرزادہ ہے۔ ان کو آپ کی تنقیص اور تعریض سخت ناگوار ہوئی ہے۔
حضرت اقدس جو عاشق رسول تھے۔ یہ سنتے ہی کہ وہ صاحبزادہ آل رسول ہیں۔ بیتاب ہو گئے۔ اور فرمایا کہ سید زادہ اور پھر پیرزادہ پر میری

تعریض نامناسب تھی۔ اس کے بعد سخت معذرت خواہ ہوئے اور نوجوان پیرزادہ سے عذر خواہی کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مگر نوجوان سبد زادہ اور پیرزادہ بھی آپے سے باہر تھے۔ معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آخر کا سربراہ وفد نے نوجوان پیرزادہ سے فرمایا کہ۔
ایک بزرگ عالم متبحر۔ جو آپ سے عمر میں بہت زیادہ بڑے ہیں۔ اور مرتبہ میں بہت بلند ہیں معذرت خواہ ہیں آپ معاف کر دیجئے۔ چنانچہ جب نوجوان نے اپنی زبان سے کہہ دیا۔ کہ معاف کر دیا۔ اس وقت حضرت اقدس کو اطمینان ہوا

حضرت اقدس کی علالت تاریخ وسالِ وفات

موت العالم موت العالم (ترجمہ) عالم کی موت جہان کی موت ہے۔
یہ وہ مسئلہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت ممدوح الصدر رحمتہ علیہ کی حیات با سعادت من اولہٖ و آخرہٖ خدمت دین یا خدمت انسانی میں گذری۔ جملہ تصانیف حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ کی ان خدمات متواترہ ومتواصلہ کی شہادت دیتی ہیں۔ ممدوح الصدر رحمتہ اللہ علیہ کی وفات سے اسلامی دنیا میں وہ خلا پیدا ہو گیا تھا جس کا احساس عالم اسلام کو عرصہ دراز تک رہا۔ حضرت اقدس کی وفات۔ وطن مالوف بریلی (یوپی) معمولی علالت کے بعد۔ بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۱ء بہ عمر (۶۸) سال ہوئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

خاتمہ

بعض احباب بالخصوص عزیزم پروفیسر مختار الدین احمد صاحب آرزو صدر شعبہ عربی و ڈین فکلٹی آف آرٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ محترم حضرت سید ابن اشرف ایم اے لیکچرر شعبہ انگلش مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور برخوردار محب الحق طالب علم اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پیہم اصرار پر حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ کی یہ مختصر سوانح اس امید پر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ کہ اس میں جو بھولیں ہوئی ہیں۔ ان کو معاف فرماتے ہوئے میرے لئے دعاء خیر و مغفرت سے ممنون فرمائیں۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب (سورۃ آل عمران رکوع ۱)

حیات امام احمد رضا خاںؒ بریلوی

تحریر

عابد نظامی

بریلی کے ایک تنگ سے بازار (محلہ جسولی) میں ایک چھوٹا بچہ نیچا کرتا پہنے جا رہا تھا کوئی ساڑھے تین برس کی عمر تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ وہ دکاندار سے کوئی چیز خرید کر لایا تھا۔ اور اب تیزی سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اتفاقاً راستے میں اسے چند طوائفیں نظر آئیں۔ جو آپس میں باتیں کرتی مخالف سمت سے آرہی تھیں۔ بچے نے ان زنانِ بازاری کو دیکھتے ہی اپنا لمبا کرتا اٹھایا اور اس کے دامن سے اپنی آنکھیں ڈھک لیں۔

عورتوں کے لیے یہ بالکل نئی بات تھی وہ تو یہی جانتی تھیں کہ بازار سے گزرنے والے اکثر لوگ انھیں گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ شرم و حیا کا یہ انداز..... اور وہ بھی ننھے منے بچے کی طرف سے..... وہ بہت حیران ہوئیں۔ اس غیورانہ انداز نے انھیں بے حد متاثر کیا۔ تاہم انھوں نے ازراہِ مذاق کہا :-

"میاں صاحبزادے! نظر تو ڈھک لی مگر ستر کھول دیا"

بچے نے آنکھوں پر دامن کی گرفت مزید مضبوط کر لی اور کہا :-

"پہلے نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے"

ننھے بچے کی زبان سے حکمت و دانائی کی یہ باتیں سن کر عورتوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کوئی جواب نہ دے سکیں، چپکے سے اپنی راہ لی۔ بچے کو جب یقین ہو گیا کہ طوائفیں جا چکی ہیں تو اس نے کرتے کا دامن نیچا کر لیا۔ اور تیزی سے اپنے گھر کی طرف جانے لگا.....

حکمت و دانائی اور فراست و ذہانت کی یہ انمول باتیں کرنے والا ننھا منا بچہ احمد رضا تھا جو آگے چل کر اعلحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہٗ) کے نام نامی سے دنیا میں معروف ہوا جس نے ایک عالم کے سینے میں عشقِ رسول ؐ کی جوت جگائی۔ اور علم و عرفان کے نور سے ایک دنیا کو منور کیا۔

۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ میں یہ مبارک بچہ پیدا ہوا تو اس کے جدِّ امجد حضرت مولانا رضا علی خاںؒ نے گود میں لے کر فرمایا: میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔ اس کے چشمۂ عرفان سے ایک دنیا سیراب ہو گی۔

۱۴-جون ۱۸۵۶ء کو احمد رضا خان پیدا ہوئے تو ان کا تاریخی نام "المختار" رکھا گیا۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی مولانا نقی علی خان تھا، جن کا تعلق قندھار کے قبیلہ بڑہیچ سے تھا۔ ان کے اجداد شاہانِ مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ لاہور کا شیش محل انھی کی جاگیر تھا۔ سرکاری فرائض کے سلسلے میں لاہور سے دہلی اور پھر بریلی تشریف لائے۔ اللہ نے یہ اعزاز سرزمین بریلی ہی کو عطا کرنا تھا کہ یہ تاریخی خاندان وہاں مستقل طور پر مقیم ہوا۔

مولانا احمد رضا خان پیدا ہوئے تو یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی میں علمائے اہل سنت تاریخی رول ادا کرنے کے جرم میں پھانسی کے تختوں پر لٹکائے جا چکے تھے۔ انھیں عبور دریائے شور کی سزائیں مل چکی تھیں، اعلیٰ حضرت بریلوی اپنے والد ماجد سے انگریزوں کے ظلم و ستم کے روح فرسا واقعات سنتے تو ان کے دل میں انگریزوں سے نفرت کی آگ بھڑکنے لگتی۔ ان کے جی میں آتا کہ ان کے پاس قوت ہو اور وہ انگریزوں کو نہس نہس کر دیں....

بہت جلد انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کرلی۔ اللہ نے انھیں غیر معمولی ذہانت و بصیرت عطا فرمائی تھی۔ بچپن ہی میں انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مکّار انگریز علمائے سُوء کے ذریعے امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ کہیں وہ جھوٹی نبوت کا اجرا کر کے جہاد و قتال کو منسوخ کرا رہا ہے اور کہیں مسلمانوں کے دلوں میں محبتِ رسول ﷺ کا جذبہ کم کرنے کے لیے خوفناک سازشیں کر رہا ہے اعلیٰ حضرت کے عظیم والد نے انھیں یہی سبق سکھایا کہ محبتِ رسول ﷺ اور شوقِ جہاد ..... یہی دو چیزیں مسلمانوں کو من حیث القوم استحکام اور رفعت عطا کرتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے تعلیم مکمل کرتے ہی جان لیا کہ فرنگی رہزنوں اور عیاروں کے اشارے پر کچھ لوگ ارشاد و ہدایت کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں انتشار و افتراق کا بازار گرم کر کے ان کی اجتماعی قوت ختم کر رہے ہیں۔ ان حالات کا اندازہ کرتے ہی انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ عمر بھر ان دین دشمنوں سے لڑیں گے اور مسلمانوں کے سینوں میں عشقِ رسول ﷺ کی روشنی تیز تر کر دیں گے کہ اس کے بغیر ان کے دکھوں کا مداوا ممکن نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی، یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ یقین ہے کہ بہت کم عمری میں ہوئی ہو گی کیونکہ چار سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا۔

بسم اللہ خوانی کے وقت ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا، استاد نے بسم اللہ کے بعد الف، با، تا، ثا، جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا جب لا (لام الف) پر پہنچے تو آپ خاموش رہے، استاد نے دوبارہ کہا، صاحبزادے لام الف، آپ نے فرمایا یہ دونوں حرف تو پڑھ لیے ہیں، لام بھی اور الف بھی، یہ دوبارہ کیوں؟

جدّ امجد حضرت مولانا رضا علی خان موجود تھے، بولے، بیٹا! استاد کا کہا مانو۔ جو کہتے ہیں پڑھو۔ آپ نے تعمیل کی اور جدّ امجد کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ ہیں۔ یہ ایک مرکب لفظ کیسے آ گیا۔ فرمایا بیٹا! تمھارا شبہ درست ہے، مگر شروع میں تم نے جو الف پڑھا ہے وہ دراصل ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے اس لیے ایک حرف یعنی لام اول میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ آپ نے کہا، کوئی سا ایک حرف ملا دینا کافی تھا، لام کی کیا خصوصیت ہے۔ با، دال، سین بھی اول میں لا سکتے تھے۔ یہ سن کر دادا نے غایت محبت سے پوتے کو گلے لگا لیا۔ دیر تک دعا دیتے رہے اور پھر توجیہ ارشاد فرمائی۔

اسی عمر کا واقعہ ہے کہ ایک روز مولوی صاحب آپ کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ ایک آیہ کریمہ میں ایک لفظ بار بار انھیں بتاتے تھے۔ مگر ان کی زبان سے نہ نکلتا تھا۔ وہ زبر بتاتے مگر اعلیٰ حضرت زیر پڑھتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان کے جدّ امجد نے انھیں اپنے پاس

بلایا اور قرآن پاک کا نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی۔ جس کی تصحیح نہ ہو سکی تھی۔ جد امجد نے نسخے میں تصحیح کر دی اور محبت سے پوتے سے پوچھا:۔

"بیٹا جس طرح مولوی صاحب پڑھاتے تھے، کیوں نہیں پڑھتے تھے"؟ فرمایا "میں ارادہ کرتا تھا لیکن کوئی زبان پکڑ لیتا تھا"۔

چھ سال کے تھے کہ ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے آپ نے میلاد شریف پڑھا۔ ایک چھوٹے بچے سے نہایت دلنشیں انداز میں سیرت پاک کا بیان سن کر لوگ سخت متعجب ہوئے۔ اکثر تو ذہانت کی داد دیتے نہ تھکتے تھے۔

ذہانت کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ میں مولوی صاحب سے سبق پڑھتے تو ایک دو بار دیکھ کر کتاب بند کر دیتے، استاد جب سبق سنتے تو لفظ بلفظ سنا دیتے۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر مولوی صاحب سخت متعجب ہوتے۔ ایک روز کہنے لگے احمد رضا! تم آدمی ہو یا جن، مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، تمھیں یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔

چودہ سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل کر لی۔ ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی روز آپ نے رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جو بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد نے غیر معمولی طور پر ذہن و طباع دیکھ کر اسی روز سے فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد کر دیا۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت تقریباً پچاس علوم وفنون میں ماہر تھے (ان تمام علوم وفنون میں آپ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں) آپ نے مندرجہ ذیل ۲۱ علوم وفنون اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ سے حاصل کیے۔

"علم قرآن، تفسیر، اصولِ حدیث، علم حدیث، اصولِ فقہ، فقہ، جدل تفسیر، عقائد، کلام، نحو، صرف، معانی بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، فلسفہ، تکسیر، ہیئت، حساب، ہندسہ"

حضرت شاہ آلِ رسول، شیخ احمد بن زینی دحلان مکی، شیخ عبدالرحمٰن مکی، شیخ حسین بن صالح مکی، شیخ ابوالحسین احمد النوری علیہم الرحمۃ سے آپ نے مندرجہ ذیل ۱۰ علوم وفنون حاصل کیے:۔

"قرأت و تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تاریخ، لغت، ادب"۔

مندرجہ ذیل ۱۴ علوم وفنون آپ نے ذاتی مطالعہ سے حاصل کیے:۔

"ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، حساب سینی، لوگارثمات، توقیت، مناظرہ و مرایا، اکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئت جدیدہ، مربعات، جفر، زائرچہ"۔

ان کے علاوہ نظم و نثر، فارسی، نظم و نثر ہندی، خطِ نسخ، خطِ نستعلیق وغیرہ میں بھی کمال حاصل کیا۔

۲۱ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں ان سے بیعت کی۔ مرشد کامل نے تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت کے ساتھ سندِ حدیث بھی عطا فرمائی۔

حضرت شاہ آلِ رسول خلافت واجازت کے معاملے میں بڑے محتاط تھے۔ اعلیٰ حضرت کو مرید ہوتے ہی جملہ سلاسل کی اجازت ملی تو خانقاہ کے ایک حاضر باش سے نہ رہا گیا۔ عرض کیا:۔

"حضور آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے۔ ان کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرما دی"؟

حضرت سید شاہ آلِ رسول نے فرمایا "میاں! اور لوگ گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں ان کی صفائی پر خاصا وقت لگتا ہے مگر یہ پاکیزگی نفس کے ساتھ آئے تھے۔ صرف نسبت کی ضرورت تھی۔ وہ ہم نے عطا کر دی"۔

پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا :

"مجھے مدت سے ایک فکر پریشان کیے ہوئے تھی ۔ بحمداللہ وہ آج دور ہوگئی ۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آلِ رسول! ہمارے لیے کیا لایا ہے ؟ تو میں اپنے مولوی احمد رضا خاں کو پیش کردوں گا "

پھر مرشد نے اعلیٰ حضرت کو وہ تمام اعمال و اشغال عطا فرما دیے جو خانوادۂ برکاتیہ میں سینہ درسینہ چلے آرہے تھے ۔

۱۸۷۸ء میں والد ماجد کے ہمراہ حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے وہاں اکابر علماء (سید احمد دحلان ، مفتی شافعیہ اور مولانا عبدالرحمٰن مفتی حنفیہ) سے حدیث ، فقہ ، اصول ، تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی ۔

ایک روز مقامِ ابراہیم میں نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے ۔ قبل ازیں اعلیٰ حضرت کا ان سے کوئی تعارف نہ تھا ۔ امام صاحب دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا ۔ میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں ۔ اس کے بعد صحاح ستّہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے عطا فرمائی ۔ اس سند میں حضرت امام بخاری تک گیارہ واسطے ہیں ۔

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو غایت درجہ محبت تھی ۔ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی بغداد شریف یا مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے ۔

اپنے پیرخانہ کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا تشریف لاتے ، ایک دفعہ سجادہ نشین صاحب نے رکھوالی کے لیے دو کتوں کی فرمائش کی ۔ اعلیٰ حضرت نے کمال ادب سے کہا : فقیر جلد دو کتے حاضر خدمت کرے گا ۔ پھر بریلی سے اپنے دونوں صاحبزادگان کو خانقاہ برکاتیہ میں لائے اور سجادہ نشین صاحب سے کہا : حضور ! کتے حاضر ہیں ۔ یہ سارا کام کاج بھی کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی ۔

گیارھویں شریف کے تبرک کا بے حد احترام فرماتے تھے ۔ اس سلسلے میں مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ کا ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے ۔ لکھتے ہیں :

" مجھے کارِ افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی ۔ اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ پڑھ کر دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین کو تقسیم کرنے کا حکم دیا ۔ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ پڑے ۔ حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہوگیا کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے ۔ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے ؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے تھے ۔

آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ طویل عبارت ایک نظر دیکھنے سے ازبر ہوجاتی ۔ تذکرہ نوری میں خود آپ کی یہ روایت درج ہے :

" بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیتے ہیں ۔ حالانکہ میں حافظ نہیں ہوں ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا رکوع مجھ کو سنا دیں اور پھر دوبارہ مجھ سے سن لیں "

ایک روز خیال آیا ، لوگ مجھے حافظِ قرآن سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں ۔ کیوں نہ قرآن مجید حفظ کرلوں ۔ چنانچہ ایک ماہ کی مدت میں قرآن حکیم حفظ کرلیا ۔ لطف یہ کہ روزانہ ایک پارہ حفظ کرنے کے باوجود معمولات میں فرق نہیں آنے دیا ۔ سب امور حسبِ معمول سرانجام دیتے رہے ۔ بس تھوڑا سا وقت نمازِ مغرب کے بعد حفظِ قرآن کے لیے نکال لیتے ۔

آپ کی ذہانت اور حساب دانی کا ایک واقعہ محدّثِ اعظم کچھوچھوی ؒ کی زبانی سنیئے :-
میں نے حساب کی تعلیم باقاعدہ اسکول میں پائی تھی ۔ لہٰذا حساب کی مشق زیادہ تھی ۔ اس لیے اعلیٰ حضرت وراثت سے متعلق استفتاء میرے سپرد فرماتے تھے ۔ ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا ۔ ظاہر ہے، مورثِ اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں ورثاء مجھ کو اس کے جواب میں دو رات اور ایک دن سخت محنت کرنی پڑی اور آنہ پائی سے درجنوں ورثاء کے حق کو قلم بند کرنا پڑا ، نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں ۔ وہ بہت طویل تھا ، فلاں مرا اور فلاں کو وارث چھوڑا ۔ پھر فلاں مرا اور اتنے وارث چھوڑے ۔ اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فل سکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے ۔ ادھر استفتاء ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا ۔ درجنوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا ۔ اب میں حیران و ششدر رہا کہ استفتاء کو بیس مرتبہ تو میں نے پڑھا ۔ ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلم بند کیا ، لیکن مجھ سے صرف سب احیاء کے نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتاء اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا ۔ یہ کیا تبحّر ، کیا وسعتِ مدارک ، کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا تو درجنوں ورثاء کے جملہ نام یاد رہے اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا جیسے مہینوں کوشش کر کے حصہ و نام کو رٹ لیا گیا ہو ۔

اعلیٰ حضرت طاغوتی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے ہمیشہ چٹان بن کر کھڑے ہو جاتے تھے ۔ دریدہ دہنیت کے پھیلتے اور بڑھتے ہوئے جراثیم کو ختم کر کے انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کی ۔ اور بیمار دلوں سے کہا کہ وہ شفا خانۂ حجاز سے اپنے درد کا درماں کریں ۔ متنبّیِ قادیان نے جب بلند بانگ دعوے کیے تو آپ نے اس کی قلعی کھول کر رکھ دی ۔ اور اس کے ردّ میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں ۔

ایک مرتبہ آپ کے کسی عزیز نے پوچھا آپ دریدہ دہنوں کی اس درجہ مخالفت کیوں فرماتے ہیں ؟ آپ کے برانگیختہ کرنے سے وہ آپ کو گالیاں دینے لگتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا :-
میاں ! میں بھی چاہتا ہوں کہ دشنام طراز ، کینہ جو اور بدمذہب لوگ ، میرے آقا و مولانا ، فخرِ موجودات ، سید السادات ، احمد مجتبیٰ ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے ذہن ہٹا لیں اور مجھے جی بھر کر کوسیں ۔ میرے لیے یہی بہت بڑی سعادت ہے کہ طائف کے طرفداروں کو بھی نے اپنے پیچھے لگا لیا ہے ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو بے پناہ عشق تھا ۔ جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا تو آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور ؐ کی بارگاہ میں حاضری دی ؟ وہ ہاں کہتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے ۔
آخر عمر میں مولانا عرفان علی بیسل پوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-
" وقتِ مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند ، مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ۔ اپنی خواہش تو یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو ۔"
آپ کے حالات میں سے ہے کہ جب آپ سونے کے لیے لیٹتے تو لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شکل بنا لیتے ۔
اعلیٰ حضرت نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو جمعۃ المبارک کے روز عین اذانِ جمعہ کے دوران جب مؤذن نے حیّ علی الفلاح پکارا ، وصال فرمایا ۔ وفات سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا ۔ تصاویر ہٹا دو ۔ لوگوں نے سوچا یہاں تصاویر کا کیا کام ؟ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ خود ہی فرمایا یہی لفافے کارڈ اور روپے پیسے (جن پر تصویریں ہوتی ہیں) پھر مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں :-
سینہ پر دم آنے تک سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد پڑھی جائیں ، درود شریف بھی متواتر پڑھا جائے ، رونے والے بچوں کو دور رکھا جائے

قبضِ روح کے فوراً بعد آنکھیں بند کردی جائیں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیے جائیں۔ "بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ" کہہ کر نزع میں ٹھنڈا پانی پلایا جائے۔ میت پر آہ ڈبکا نہ کی جائے، غسل اور کفن سنت کے مطابق ہو۔ مولانا حامد رضا خان فتاویٰ میں تحریر کی ہوئی دعائیں یاد نہ کر سکیں تو مولانا امجد علی نماز جنازہ پڑھائیں۔ قبر تیار ہو جائے تو سرہانے کی طرف الٓمٓ سے تا مفلحون پڑھی جائے۔ فاتحہ طویل وقفہ نہ کیا جائے۔ میری فاتحہ کا کھانا صرف غربار کو کھلایا جائے۔

جس روز اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا، ٹھیک اسی روز بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ تمام صحابہ کرام رض حاضرِ دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔ شامی بزرگ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ! کس کا انتظار ہے؟ سیدِ عالم نے ارشاد فرمایا، احمد رضا خاں کا۔ عرض کی حضور! احمد رضا خاں کون ہے؟ فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

شامی بزرگ شوقِ دیدار میں ہندوستان آئے۔ بریلی پہنچ کر اعلیٰ حضرت کا پوچھا۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا عین اسی روز انتقال ہو گیا تھا جس روز خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں احمد رضا خاں کا انتظار ہے۔

عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے۔ دوسری مرتبہ جب مدینہ منورہ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بےکس پناہ کی حاضری کے وقت دل میں یہ تمنا اُبھری کہ کاش بیداری کی حالت میں بھی جمالِ جہاں آرا کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اس خیال نے اس قدر بے تاب و بے قرار کیا کہ حالت غیر ہو گئی۔ اسی عالم میں یہ غزل کہی ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں ؎ تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

یہ اشعار صاحب الجود والکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت پناہ میں قبول ہوئے اور آپ کے دل کی مراد برآئی۔ آپ بیداری میں حضور رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

اعلیٰ حضرت اطاعت کے بغیر عشق کے قائل نہ تھے۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنتِ نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔ حضورؐ کے ارشادات پر آپ کا یقین کس درجہ مستحکم تھا اس کی بابت خود انھی کی زبانِ قلم سے سنیئے۔

"جن دنوں بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا ایک دن میرے مسوڑھوں میں ورم ہوا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہو گیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔ طبیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا۔ یہ وہی ہے یہ وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا اسی لیے انھیں جواب نہ دے سکا۔ حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ نہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا۔ اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی ہے جسے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا، اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا"

جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا، الحمدللہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہٖ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ مجھے ارشادِ حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں کرب بڑھا تو دل نے درگاہِ الٰہی میں عرض کی "اللّٰھم صدق الحبیب وکذب الطبیب" کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا "مسواک اور سیاہ مرچیں"۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ جب دونوں چیزیں آئیں تو اس وقت میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا سا منہ کھولا۔ اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پسی ہوئی مرچیں اس راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک

کلّی خالص خون کی آئی۔ مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی۔ اس کے بعد ایک کلّی خون کی اور آئی اور بحمداللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں۔ منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہٖ تعالیٰ دفع ہو گیا۔

اسی طرح ایک بار کثرتِ مطالعہ کے سبب آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی۔ اس وقت کا ایک بہت سربرآوردہ ڈاکٹر انڈرسن نامی تھا۔ اس نے معائنہ کے بعد کہا کہ کثرتِ کتب بینی سے آنکھوں میں یبوست آگئی ہے۔ پندرہ دن بالکل کوئی کتاب نہ دیکھئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں :۔

"میں نے التفات نہ کیا اور ایک نزولِ آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک پر مطمئن ہو گیا۔ ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر آیا، کہا چار برس میں پانی اترے گا۔ مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمدللہ تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں نہ میں نے کتب بینی میں کمی کی نہ کمی کروں گا۔ میں نے یہ اس لیے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں۔ اور قیامت تک اہلِ ایمان مشاہدہ کرتے رہیں گے"۔

اعلیٰ حضرت اپنے افعال و اعمال میں سنتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا پورا خیال رکھتے تھے۔ قبلہ کا بے حد احترام فرماتے کبھی قبلہ کی طرف نہ تھوکتے اور نہ پاؤں پھیلاتے، یہاں تک کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے مسجد سے واپس نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قبلہ کی طرف منہ کر کے مسجد سے نکلتے۔

سترِ عورت کے بارے میں بہت محتاط تھے یہاں تک کہ اگر کسی کا گھٹنا کھلا ہوتا تو اس کی طرف نظر تک نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ چند فوجی نیکر پہن کر حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف نگاہ نہ فرمائی۔ فوراً ایک کپڑا ان کے زانو پر ڈالنے کے لیے دیا۔ پھر ان کی طرف نگاہ کی اور حسبِ ضرورت مختصر بات کی۔

ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف میں ایک شاہ صاحب سے ملنے گئے۔ وہ پیری مریدی میں مشغول تھے۔ اتفاق سے جب اعلیٰ حضرت وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شاہ صاحب عورتوں کو بے حجابانہ بیعت کر رہے تھے۔ یہ خلافِ شرع حرکت دیکھ کر آپ کی غیرتِ دینی نے گوارا نہ کیا کہ ان سے ملیں۔ چنانچہ بغیر ملاقات کیے واپس چلے آئے۔ جب شاہ صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ سے احتیاط کرنے کا وعدہ کیا۔

طہارت میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔ وضو کرتے وقت بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کا اہتمام کرتے۔ اس مقصد کے لیے پانی کے دو لوٹے ان کے لیے رکھے جاتے تھے۔ پاکیزگی اور نفاست کا یہ حال تھا کہ بریلی میں جب ٹیوب ویل کا رواج ہوا تو فوراً اپنے ہاں لگوایا۔ لگوا کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا اب کنوئیں میں چڑیا کی بیٹ یا کسی نجاست کے گرنے کا احتمال نہیں رہا۔ جو کام الٹے ہاتھ سے کرنے کے ہیں ان کے علاوہ ہر کام کی ابتدا سیدھے ہاتھ سے کرتے۔ عمامہ کا شملہ سیدھے شانے پر رہتا۔ دروازۂ مسجد کے زینے پر قدم رکھتے تو سیدھا۔ صحنِ مسجد میں ایک صف بچھی رہتی تھی۔ اس پر قدم پہنچتا تو سیدھا۔ ہر صف پر تقدیم سیدھے قدم سے فرماتے، یہاں تک کہ محراب میں مصلّٰی پر قدم سیدھا ہی پہنچتا۔ اگر کسی کو کوئی چیز دینی ہوتی تو سیدھے ہاتھ میں دیتے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد ۷۸۶ جب لکھتے تو دائیں طرف سے ابتدا کرتے، پہلے ۶ پھر ۸ پھر ۷ تحریر فرماتے۔

روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے۔ چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں، یہی وقت عام ملاقات کا تھا۔ اس مجلس میں لوگ دینی مسائل دریافت کرتے تو ان کے جواب دیتے، جو خطوط آئے ہوتے ان کے جوابات لکھواتے، مغرب کی نماز کے بعد

زنان خانہ میں چلے جاتے اور وہیں تصنیف و تالیف، کتب بینی اور اوراد و اشغال میں مصروف رہتے۔

حدیث کی کتابوں پر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر حدیث شریف یا اس کی شرح بیان فرما رہے ہوتے اور درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔ لوگوں کو ہمیشہ سنتِ نبوی کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے۔

آپ کی تصانیف بیشمار ہیں۔ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو زبان میں کسی عالمِ دین نے اس قدر دینی کتب یادگار نہیں چھوڑیں جس قدر آپ کی ہیں۔ المیزان بمبئی (امام احمد رضا نمبر) میں آپ کی ۵۴۸ کتابوں کی فہرست موجود ہے۔ آپ نے بے شمار علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں، صرف، تفسیر و حدیث اور فقہ و حدیث میں آپ کی کتابوں کی تعداد ۱۲۲ ہے۔ انھی میں ایک فتاوٰی رضویہ ہے جو تقریباً پندرہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ایک دفعہ فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام لیا ہے۔ یہ اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔

یہ بات باون تولہ پاؤ رتی درست ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ "تنہا اعلیٰ حضرت بریلوی نے جو کام انجام دیا ہے، وہ ایک ادارہ نہیں، دس ادارے مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔"

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے۔

○

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رُخِ آفتاب ہوں ❊ ذرہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں۔

حسرت میں خاکِ بوسیِ طیبہ کی اے رضا ❊ ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں۔

امام احمد رضا ایشیا کا عظیم محقق

محترم مولانا عبدالکریم صاحب یعنی بنگلہ دیش کے مشہور و معروف مذہبی رہنما ہیں سنی کاز کے فروغ اور خدمت سنیت میں آپ کا نمایاں حصہ رہا ہے دینی تعلیم کی مشہور درسگاہ مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ پوسٹ طلفت گنج ضلع فریدپور کے مہتمم ہیں آپ کا زیر نظر تحقیقی مقالہ شکریہ کے ساتھ حاضر ہے ——— (ادارہ)

یہ مسلم بات ہے کہ قوموں کا ارتقاء و استحکام سلف کے کارناموں سے آگاہی حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ملت کے نونہال، مذہب اسلام کے جلیل القدر فرزندوں کی سیرت پاک سے آشنا ہو کر ہی نیا ولولہ، عزم و ہمت اور کامرانی کا راستہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اکابر ملت کی سیرت کے نقوش و آثار جس قدر دل کی گہرائیوں میں اترتے جائیں گے اسی قدر کامیابی کی منزلیں آسان سے آسان تر ہوتی چلی جائیں گی۔ اور عظیم شخصیتوں کے نمایاں کارناموں کا تصور جسقدر دھندلا جائے گا اتنا ہی مقصد کا حصول مشکل تر ہوتا جائے گا۔

تقریباً ہر دور میں ایسے افراد انسانی بکثرت پائے گئے جنہوں نے حق و صداقت کے خلاف آواز اٹھائی۔ باطل کی پشت پناہی کی لیکن ان کا طرز عمل مختلف رہا ہے کسی نے کھل کر باطل کی اشاعت کی اور حق کی مخالفت کی تو کسی نے اہل اقتدار کا دامن تھام کر اپنی ناپاک سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ایسے اشخاص بھی کچھ کم نہیں ہوتے جنہوں نے اہل حق کا لبادہ اوڑھ کر اپنی سکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جدوجہد کی۔ غرض یہ سلسلہ بہت دیر سے شروع ہے لیکن مردان حق کی کوششوں نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے عزائم کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کی پرخلوص مساعی جمیلہ نے فریب کاروں کے گھناؤنے منصوبوں کا پردہ چاک کر کے بروقت سیدھے سادے مسلمانوں کا تعلق سرکار ابد قرار مدنی تاجدار احمد مختار نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ یہ حضرات کرام داد و تحسین یا طعن و تشنیع سے قطعاً ماورا ہو کر عوام و خواص کو ملت بیضا دین متین اسلام کی نورانی تعلیمات کی یاد دہانی کراتے رہے۔

اہل اسلام کے انہی عظیم محسنوں اور راہنماؤں میں تحقیق و تدقیق کے بادشاہ شریعت و طریقت کے آگاہ امام اہلسنت موجودہ صدی کے مجدد شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ فی الارضین اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس نے اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی خدمات انجام دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ان کے علاوہ دیگر مسلمان بادشاہ بھی حتی الامکان اپنے فرائض سے غافل نہ رہے۔ ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی بھی اسلامی تعلیمات کے تعارف کے لیے معاون ثابت ہوئے۔ سلطان محمود غزنوی سے لیکر مغل خاندان کے آخری چشم و چراغ تک مسلمان بادشاہوں نے ملت اسلامیہ کی بقا و استحکام کے لیے حد امکان کوششیں کیں۔ ان فرمانرواؤں میں محمد تغلق اور حضرت شاہ اورنگ زیب کے نام نامی سر فہرست نظر آتے ہیں۔

بادشاہوں کی اس جدوجہد اور کاوشوں کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ ائمہ دین۔ اولیائے کرام۔ صالحین اور علمائے ربانی بھی تبلیغ الاسلام و تعلیم دین متین کے فرائض سے غافل نہیں رہے۔ اگر ہم ان کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کرتے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی دینی و ملی خدمات بادشاہوں کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہیں اور گراں بہا بھی۔ ان علمائے کرام کی فہرست میں صوفیائے کرام کے علاوہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔ حضرت عبدالقادر بدایونی وغیرہم کے علاوہ ایسے علمائے ربانیین بھی ہیں جنہیں ہم علمائے متاخرین کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

ان علمائے متاخرین میں حضرت امام احمد رضا مجدد بریلوی کا نام نامی و اسم گرامی سرفہرست ہے۔ انہوں نے اس عالم رنگ و بو میں اس وقت آنکھ کھولی جب مغلیہ خاندان کا اقتدار آخری سانس لے رہا تھا۔ ان کا بچپن اس وقت کا آئینہ دار ہے جب برا عظم ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو چکا تھا۔ انہیں شعور زندگی اس وقت نصیب ہوا جب ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے زغے میں پھنسے ہوئے تھے۔ مذہبی قدریں زوال پذیر تھیں۔ بد مذہبی و لادینی کا دور دورہ تھا۔ فرق باطلہ ہندوستان بھر میں اپنے آہنی پنجے پیوست کرنے کی خاطر ہر ممکن و غیر ممکن کوششوں میں مبتلا تھے تو مذہب کا سیلاب اور شتم رسالت کا طوفان برپا تھا۔ اسلامی زندگی کا ہر پہلو مجروح ہو چکا تھا۔ مذہب مہذب اہلسنت کے رہنما یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اب مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا؟

اس سلسلے میں ملت اسلامیہ کے صحیح و سچے رہنماؤں نے اپنے مخصوص اندازوں میں قوم کو جھنجھوڑ نے انہیں ماضی کی جھلک دکھانے و بیدار کرنے کی حتی المقدور کوشش کیں مگر حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اور کفر و ضلالت اور بد مذہبی و لادینی کی تاریک گھٹاؤں نے ہر طرف ڈیرے ڈالنے شروع کر دیے۔ ایسے نازک و پر آشوب وقت میں امام احمد رضا بریلوی نے اسلام و ناموس رسالت کے تحفظ و بقا کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی اور مسلمانوں کی بے دریغ اور بے لوث خدمات انجام دینے کا بیڑا اٹھایا۔

علمائے کرام کا بیان ہے کہ بارہویں و تیرہویں دو صدیوں میں دنیائے اسلام میں اعلیٰحضرت جیسے جامع و مانع متصف بہمہ صفات کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی ذات گرامی بے شمار اوصاف و محاسن اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جلالت علمی و کمال عملی میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وسعت علم اور رائے کی پختگی میں پورے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ خدمت دین متین میں جس خلوص سعی مسلسل اور بے باکی کا آپ نے مظاہرہ فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا ایک دفعہ افسوس کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام میرے ذمے فرما دیا ہے اگر دس آدمی میری امداد کو ہوتے تو جو کچھ سینے میں ہے کسی قدر باہر آ جاتا۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام لے لیا ہے یہ اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔

ایشیا کا عظیم محقق

حقیقت بھی یہ ہے کہ جس نے آپ کی خدمت فیضدرجت میں حاضری دی اس نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ علم و فضل کے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ آپ کی ایک ہزار کے لگ بھگ تصنیفات آج بھی اس بات کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ صرف فتاوے رضویہ ہی کو لیجئے اس میں آپ نے ہزاروں مسائل پر بے لاگ تحقیق و تدقیق فرمائی ہے آپ کی تصنیفات کے مطالعہ کرنے والوں کو پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ آپ قلم کے بادشاہ ہیں اور کتاب و سنت اور علمائے ملت کے فرمودات پر بہت ہی گہری نظر رکھتے ہیں جس نے فتاوٰے رضویہ کی جلد اوّل کا مطالعہ کیا وہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بیشک آپ اس صدی کے مجدد تھے پچاس علم و فنون میں آپ کے تحریری شہ پارے موجود ہیں۔

شعبان ۱۲۸۶ھ سے لیکر ۲۰ صفر ۱۳۴۰ھ تک پورے چون برس مسند افتا پر متمکن رہے اور اس عرصہ میں اتنا لکھا کہ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خان صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپن صفحات کتابت و تحریر کے نکلے۔ قوت تحریر کا یہ عالم تھا۔ کہ کوئی سوال آیا تو اس کے

جواب میں دلائل کا انبار لگ جاتا پھر بھی آپ کے قلم حقیقت رقم کو سیری نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک ایک کتاب معلومات کا خزینہ اور تحقیقات کا گنجینہ ہے اور بے شمار حقائق و معارف سے مملو ہے۔ ہر تصنیف کا نام ایسا پیارا اور دلکش ہے جسے پڑھ کر اہل علم عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ہر کتاب کا نام حسین و جمیل اور فقروں کی صورت میں علم و ادب میں ڈوبا ہوا، فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا اور معانی و بیان کی میزان پر وزن کیا ہوا ہے۔ اور جس کتاب میں جس موضوع پر کلام ہے اس کے نام میں مختصر طور پر اس کا بیان ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر تصنیف کا تاریخی نام ہے اس طرح ہر کتاب کے شروع میں اس میں بیان شدہ مسئلے کے مطابق علیحدہ علیحدہ عربی خطبہ ہے جو آپ کے علمی تبحر پر شاہد عدل ہیں۔

آپ کے تبحر علمی کو صرف علمائے ہند ہی نہیں بلکہ ایشیا، عرب و عجم خصوصاً مدینہ اور مکہ کے مفتیان مذاہب اربعہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

جہاں آپ کی معلومات مذہبی علوم کے علاوہ سائنسی فنون کے متعلق تھیں وہاں آپ کی نظر ملکی سیاست اس دور کے مسائل پر بھی ویسے ہی تھی اور "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" وغیرہ "آپ کی اس موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے۔

تحریک آزادی

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے انگریز نواز علماء کے خلاف قلم اٹھایا۔ آپ ہی نے انگریزی حکومت اور انگریزوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ مگر افسوس کہ اکثر مورخین کی ستم ظریفی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ جو لوگ انگریزوں کے اشاروں پر شب و روز مصروف کار رہا کرتے تھے اور انہی کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے فرزندان اسلام کو کافر و مشرک قرار دے کر افتراق و انتشار پھیلاتے تھے بلکہ مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگ کر مسرت محسوس کرتے تھے آج انہیں شہید مجاہد اور تحریک آزادی کے قائد جیسے القاب سے مشہور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ حضرات جنہوں نے ببانگ دہل کفار سے نفرت دلائی اور ان کی تعظیم کرنے کا سبق سکھایا انہیں تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر تاریخ کے اوراق میں جگہ دینے سے بھی انکار کیا گیا بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ صفحہ قرطاس میں ان عظیم جاں نثاروں کا ذکر بھی نہ آنے پائے خود ہم میں سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو مجاہد ملت اسلام حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی۔ شاہ احمد اللہ مدارسی مفتی عنایت احمد کاکوری علامہ کافی، اعلحضرت بریلوی، صدر الافاضل امیر ملت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مجاہدانہ کارناموں سے واقف ہوں گے یہی وہ بزرگ ہیں جن کی مجاہدانہ یلغاروں سے انگریزی حکومت بوکھلا اٹھی اور سامراجیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا۔

حالیہ دور میں پریس کی طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جن جماعتوں کے پاس نشر و اشاعت کے ذرائع ہیں وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہیں اور جن کے پاس پریس نہیں وہ بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارا کوئی ادیب، کوئی شاعر، کوئی صحافی اس خصوصی موضوع پر قلم اٹھانا گوارا نہیں کرتا اور اگر کبھی ایسی جرأت کرتا بھی ہے تو اس کی نگارشات پریس پر قابض حضرات کی مصلحت اندیشی کی نذر ہو جاتی ہیں۔

شعر و شاعری

باوجود اس کے کہ آپ جملہ علوم دینیہ کے علاوہ جفر نجوم ریاضی اور تکسیر وغیرہ علوم و فنون میں نادر روزگار تھے۔ آپ شعر گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ شاعری آپ کا مشغلہ نہ تھا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی تیاری وغیرہ کرتے بلکہ جب بھی مدینہ طیبہ خاکِ بغداد کی یاد کے دریا موجزن ہوتے تو بے ساختہ محبت و الفت کے جذبات شعروں کے سانچے میں ڈھل کر زبان پر آجاتے۔ آپ کی بیشتر نعتوں میں بے ساختگی سوز و گداز کیف و جذب، فصاحت و بلاغت جوش بیان اور پاس شریعت غرض آپ کے کلام میں ہر طرح کا حسن صوری و معنوی بدرجہ اتم موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام کو جام کوثر کہا جائے تو یقیناً بجا ہوگا۔ آپ کا نعتیہ کلام اہل ایمان و محبت کے ساز روح کا دلنواز نغمہ معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذوق سلیم رکھنے والے حضرات آپ کے کلام کو سن کر جھوم جھوم جاتے ہیں۔ آپ خود تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

برصغیر ہند و پاک میں اہل محبت کی شاید ہی کوئی محفل ایسی ہوگی جہاں آپ کے کلام اور مشہور زمانہ سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی گونج

سنائی نہ دے۔ آخر کیوں نہ ہو آپ کی نعتوں کے ایک ایک شعر سے شہنشاہ مدینہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضاؔ سے بوستان کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اکثر شعراء جوش شاعری میں کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتے ہیں۔ مبالغہ آرائی کی سطح پر آکر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں مگر امام بریلوی نے شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کی ایک حد فاصل قائم کردی۔ آپ کی نعتوں میں کہیں بھی شان رسالت کی گستاخی و بے ادبی کا پہلو نہیں نکلتا اور نہ ہی دامن شریعت آپ کے ہاتھ سے چھوٹتا نہ ہی کہیں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے۔ اپنی نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

بے شک ایک عالم دین کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا تو آپ کی غذائے روح۔ ذرا انداز کلام دیکھئے

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

آپ کے فن نعت گوئی اور شاعرانہ کمال کا اعتراف بڑے بڑے علماء اساتذہ فن نے کیا ہے۔ کسی محفل میں آپ کی یہ نعت

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سنکر ابو الاثر حفیظ جالندھری نے اظہار خیال کیا تھا۔ ...... "یہ تو کوئی استاذ الاساتذہ معلوم ہوتے ہیں شاعری اسی کا نام ہے"

امام بریلوی سے اختلاف کرنے والے ممکن ہے بہت سے حضرات ملیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ آپ کے کمال نعت گوئی سے کسی کو اختلاف ہو۔ آپ کی نعت گوئی میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ ویسے ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔

آپ نے بڑی خوبی سے احادیث اور آیات قرآنیہ کا اقتباس اپنے منظومات میں شامل کیا۔ چونکہ آپ عربی و فارسی وغیرہ زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے اسلئے بلا تکلف ہر زبان میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی ایک نعت شریف کا پہلا شعر یہ ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

یہ نعت چار زبانوں کے حسین امتزاج کا مرقع ہے۔ اس سے آپ کی جدت طرازی اور ایجاد کی قوت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

کاش کوئی مرد خدا امام بریلوی کے نعتیہ کلام کی طرف توجہ کرتا اور اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتا بلکہ اس کی مبسوط شرح لکھ کر علمی دنیا میں اسے پوری طرح متعارف کراتا۔ آپ کی شاعری کا محور ہی عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعظیم اولیا کرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان و قلم کبھی کسی دنیا کے تاجدار کی قصیدہ خوانی سے ملوث نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

عشق رسول و امام بریلوی

مسلمانوں کا حقیقی سرمایہ درحقیقت عشق رسول ہی ہے صحابۂ کرام تابعین تبع تابعین اغواث اقطاب ابدال اور اولیائے عظام کی زندگیوں کے مطالعہ کے بعد نظر اسی نکتہ پر رکتی ہے کہ ان سب حضرات کی زندگی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محور پر گھومتی رہی، صحابۂ کرام کے جاں نثاروں، تابعین اور تبع تابعین وسلف صالحین کا جذبۂ تبلیغ، امامین

اور فقہاء کے دینی اجتہادات، اغواث، اقطاب ابدال اور اولیائے کرام کی ریاضتیں اور محاسبہ نفس کا مرکز حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہا ہے۔

رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ ان کی ذات والا صفات کو ان کا امتی اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں اور مال و متاع سے زیادہ عزیز رکھتا ہوگا۔ بزرگان سلف کی مبارک زندگیوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد حیات صرف اور صرف عشقِ رسول ہی تھا۔ یہی وہ مرکز ہے جس سے مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار برس تک اس دنیا میں اپنا اقتدار قائم رکھا اور آج بھی ان کی برتری کا راز اسی مرکز سے وابستگی میں مضمر ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ۔۔۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضرت امام بریلوی کی زندگی کا اصل مقصد عشق رسول ہی ہے اور حُبِ مصطفےٰ ہی ان کی حیات کا مظہر ہے۔ تادم حیات آپ کی ظاہری و باطنی زندگی میں عشق نبوی کی روشنی برابر جگمگا رہی تھی۔ جہاں تک آپ کی ظاہری زندگی کا تعلق ہے۔ آپ نے علوم دینیات، علم تفسیر اور علم حدیث کی تکمیل صرف چودہ سال کی عمر میں کر لی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ کے استاد محترم بھی تھے آپ کو صرف چودہ سال کی عمر میں فتویٰ نویسی کی سند اور اجازت دیدی تھی۔ اس کم سنی میں مذکورہ علوم کی تکمیل نے اللہ جل مجدہ اور اس کے پیارے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان کے دل میں جاگزیں کر دیا تھا۔

علاوہ بریں عشق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ورثہ میں بھی ملا تھا۔ آپ کے اجداد و اسلاف میں اولیا کرام کے نام ہی آتے ہیں جس کا اثر آپ کی ظاہری زندگی پر جگہ جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے وقت سے موت کی آغوش میں سو جانے تک زندگی کے کسی شعبے میں بھی آپ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گریز نہیں فرمایا۔ انتہا یہ ہے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا تک کتاب و سنت کے مطابق انجام پاتا تھا۔ جب آپ سونے کے لئے لیٹتے تو لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شکل بنا لیتے۔ عشقِ رسولؐ کی اس انتہا کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جذبہ لاثانی نہیں تھا۔

حضور نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ہر گوشے کا مطالعہ کرنے کے بعد جب حضرت امام بریلوی کے اخلاق و کردار اور زندگی پاک کے ہر شعبہ کا تجزیہ کیا جائے۔ تو یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام بریلوی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیرو اور ان کے عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اب رہی آپ کی باطنی زندگی۔ سو حقیقت یہ ہے کہ ظاہری زندگی باطنی زندگی کے نور کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ انسان اسی وقت مدارج کمال طے کر سکتا ہے جب اس کے ظاہر و باطن میں اتحاد اور یکسانیت پائی جائے۔ اس یکسانیت و یگانگت میں ظاہری زندگی تو معاون ہوتی ہی ہے مگر ظاہری کے جو اجزا عبادات سے متعلق ہیں وہ زیادہ معاونت کرتے ہیں۔ یہ اجزا دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں پہلے حصے کو حقوق العباد کہتے ہیں اور دوسرے حصے کو حقوق اللہ کہتے ہیں۔

حقوق العباد کی فہرست میں اطاعت والدین کے علاوہ بزرگوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت، عزیز و اقارب اور احباب کی دلداری، اولاد کی نگرانی علما کا احترام، حاجیوں کی تکریم اور سادات کی تعظیم سب کچھ آتا ہے۔ جس میں حضرت امام بریلوی ہر طرح پورے اترے حقوق اللہ میں بھی آپ کے زہد و ریاضت، محاسبۂ نفس، تصوف وغیرہ نمایاں اوصاف آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اس طرح باطنی اعتبار سے آپ کا پایہ بہت بلند اور اونچا قرار پاتا ہے جنکی دلیل وہ کرامات ہیں جو وقتاً فوقتاً ظہور میں آتی رہتی تھیں۔ مریدین اور معتقدین کی کثیر تعداد ایک طرح پر آپ کی باطنی ترقی اور عروج کی آئینہ دار ہے۔ یہ سب کچھ دوسرے معنوں میں عشقِ رسولؐ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

عشقِ رسول کا صلہ

دوسری دفعہ آپ ۱۳۲۳ھ میں حج و زیارت کے لئے گئے حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے پہونچنے کے قبل ہی آپ کے خدا داد علم وفضل کا شہرہ وہاں پہونچ چکا تھا۔ امام بریلوی مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے بیتاب تھے لیکن شدید علالت سفر میں مانع تھی۔ ادھر مدینہ منورہ کے علمائے کرام ایک نظر آپ کی زیارت حاصل کرنے کو بے قرار تھے شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبدالحق مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ہم سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں۔ اطراف و آفاق سے علما آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں پوچھتا لیکن امام بریلوی کے پہونچنے سے پہلے ہی علما تو علما اہل بازار تک آپ کی زیارت وملاقات کے مشتاق تھے۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ کی حاضری ہوئی اور آمد کی خبر ہر طرف پھیلی تو صبح سے عشا تک آپ کے پاس علمائے مدینہ کا ہجوم رہتا تھا۔ ملاقات وزیارت کرنے والوں کی بھیڑ بارہ بجے رات سے پہلے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔

(تذکرہ نوری ص)

جب آپ سنہری گنبد میں آرام فرمانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں دل بیتاب اور روح بے قرار لیکر حاضر ہوئے اس وقت دل میں یہ تمنا ابھری کہ کاش مجھے اس جمالِ جہاں آرا کی زیارت بیداری کی حالت میں ہو جاتے (خواب میں تو کئی دفعہ زیارت سے نوازے جا چکے ہیں) مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر دیر تک درود شریف پڑھتے رہے لیکن پہلی شب مراد بر نہ آئی۔ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل تحریر فرمائی جس کا مطلع یہ تھا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

آخری شعر میں انتہائی انکساری اور بے کسی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ شریف میں پڑھ کر ادب وشوق کی تصویر بنکر کھڑے ہو گئے کہ قسمت بیدار ہوئی دل کی آرزو مراد کو پہونچی اور حضور رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے بیداری میں مشرف ہوئے۔ سبحان اللہ۔ عشق رسول کا کیا صلہ ملا۔

اسی جیسا واقعہ چھٹی صدی کے ولی کامل سیدنا حضرت احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں رونما ہوا تھا۔ ۵۵۵ھ میں آپ برائے حج بیت اللہ لے گئے اور بعد حج پیادہ پا چلتے ہوئے مدینہ طیبہ پہونچے۔ بعد نماز عصر حرم شریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے اس وقت نوے ہزار سے زیادہ زوارِ حرم مبارک کے اطراف جمع تھے۔ حضرت ممدوح نے قریب ہوتے تحفۂ سلام پیش کیا اور فرمایا السلام علیکم یا جدی جواب آیا۔ وعلیکم السلام یا ولدی حاضرین نے آوازِ مبارک سماعت کی۔ آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی آپ نے نہایت عقیدت وانکساری کے ساتھ دست اقدس طلب فرمایا۔ اس وقت قبر مبارک شق ہوئی دست معجز نما، مہر پر ضیا، جلوہ آرائی انجمن عالم ہوا۔ فوراً حضرت نے دستِ مبارک کا بوسہ دیکر فوائد ظاہری وباطنی حاصل کئے۔

قوتِ حافظہ

ایک مرتبہ امام بریلوی نے فرمایا کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ میں حافظ نہیں ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا رکوع مجھ کو سنا دیں اور پھر دوبارہ مجھ سے سن لیں چنانچہ آپ نے ایک ماہ کی قلیل مدت میں قرآن کریم حفظ فرما لیا۔

بقول مولف "تذکرہ نوری" مولانا غلام شبر قادری نوری بدایونی۔ "پھر بڑی خوبی یہ تھی کہ روزانہ ایک پارہ زبانی حفظ کرنے کے باوجود فتاویٰ مبارکہ لکھنے مسائل شرعیہ واحکام دینیہ کی تعلیم فرماتے اور وقت معین پر مسند نشینی ہدایت ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مقدسہ سنانے وغیرہ مشاغل دینیہ میں کسی طرح کا کوئی فرق نہ آنے پاتا۔ آپ صرف تھوڑا سا وقت نماز مغرب کے بعد قرآن پاک حفظ کیا

کرتے تھے"

بقول حضرت محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ

اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساڑھے چودہ سو برس (۱۴۵۰) کی کتابیں حفظ تھیں یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

تاریخ گوئی

فن تاریخ گوئی کوئی آسان فن نہیں۔ یہ ایک فن ہے جسے سیکھنے کے لیئے وقت درکار ہے۔ تاریخی مادہ نکالنے کے لیئے وسیع مطالعہ اور مہارت تامہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کی مہارت اور اس پر عبور حاصل کرنے کے لیئے وقت کی ضرورت ہے حضرت امام بریلوی بے انتہا مصروف زندگی گزارتے تھے لیکن تاریخ گوئی میں آپ کو اتنا کمال اور دخل تھا کہ موقع و محل کے مطابق بغیر دوات و قلم کے برجستہ تاریخی مادہ ارشاد فرما دیتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کا ارشاد کیا ہوا تاریخی مادہ غلط ثابت ہو۔ آپ کی تصنیفات کتب و رسائل کے نام تاریخی ہیں۔ یہ تاریخیں کتابوں کے مباحث و موضوعات پر بھی چسپاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات آپ ایک ہی موقع پر دو چار بلکہ دس دس تاریخیں نکال دیتے تھے۔ آپ نے کئی شعرار کے دیوانوں کی تاریخیں بھی نکالیں۔ لوگ اکثر فرمائش کرتے کہ ان کے نومولود بچوں کے تاریخی نام ارسال فرمائیں۔ آپ نے کبھی کسی کو مایوس نہیں فرمایا۔ بعض اوقات ایسے وظائف بھی پڑھنے کو بتا دیتے کہ وظیفے کے اعداد اور وظیفہ خواں کے نام کے اعداد برابر ہوتے جیسے جناب ایوب علی رضوی سے ان کے عرض پر ارشاد ہوا کہ "یالطیف" کا ورد رکھیں لطیف اور ایوب علی کے اعداد ایک سو انتیس (۱۲۹) ہیں"۔

جناب مولانا محمود اسماعیل قادری نقشبندی کی وفات پر آپ نے عربی زبان میں دس تاریخی مادے نثر کے رنگ میں نکالے اور دو تاریخی قطعات سپرد قلم کئے۔ پہلے قطعے میں تیرہ (۱۳) شعر ہیں اور دوسرے میں انتالیس (۳۹) اور ہر مصرع سے موصوف کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ والد گرامی کی زندگی کے حالات پر جو رسالہ جواہر البیان فی اسرار الارکان تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں بھی کئی ایسے تاریخی مادے شامل کئے ہیں جن سے تاریخ وفات یا تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ آپ نے اکثر عمارات کے تاریخی مادے نکالے۔ اکثر بزرگوں کی وفات کے تاریخی مادے استخراج کئے۔

ملک العلما حضرت فاضل بہاری نے بذریعہ خط اپنے نومولود بچے کے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی۔ فاضل بریلوی نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا۔ نام تو مختار الدین ہونا چاہیئے۔ دیکھئے تو سید صاحب (سید ایوب علی) شاید تاریخ گوئی ہو گئی۔ سید صاحب نے حساب لگایا تو پورے ہوئے اور یہی سن ولادت تھا۔

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ امام بریلوی نے اپنے مکتوبات شریف میں اپنا سن ولادت حسب ذیل آیت کریمہ سے استخراج فرمایا۔

أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ

اس آیت شریف کے عدد بھی ۱۲۷۲ ہوتے ہیں۔ جو موصوف کا سال ولادت ہے۔ آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا ہے۔ اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے مدد فرمائی ہے"

اس طرح آپ نے اپنی وفات کی تاریخ اس آیت کریمہ سے اخذ فرمائی (ويطاف عليهم بآنية من فضة وأكواب)

ترجمہ۔ خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لیئے ان کو گھیرے ہیں

اس آیت شریف کا اعداد بھی ۱۳۴۰ ہوتے ہیں جو آپ کا سن وفات ہیں۔

آپ نے اپنی تاریخ وفات وفات سے چار ماہ قبل بھوالی میں خود ارشاد فرمائی تھی۔ اس حقیقت سے جس طرح ایک طرف فن تاریخ گوئی میں آپ کی قوت استخراجیہ کا پتا چلتا ہے تو دوسری طرف آپ کی باطنی نگاہ کمال بصیرت کا سراغ بھی ملتا ہے۔

اسی طرح ریاضی دانی۔ علم ہیئت۔ و توقیت۔ علم تکسیر۔ علم جفر و غیرہ۔ بیشتر علوم و فنون میں بھی امام بریلوی کی قابلیت، و مہارت کا

آفتاب پوری طرح چمکتا دمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

تواضع و انکسار۔ اطاعت والدین۔ بزرگوں کی تعظیم چھوٹوں پر شفقت جذبات بخشش و سخاوت۔ احتیاط فی الدین حق گوئی علم و عفو وغیرہ شعبوں میں بھی آپ کی زندگی مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ قطعہ امام بریلوی کی مکمل سوانح عمری ہے اور خود انہی کے قلم سے ہے۔

قطعہ

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن ۔۔۔ نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمے

منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے ۔۔۔ جز من و چند کتابی و دوات و قلمے

حضرت امام بریلوی کی بعض خصوصی عادتیں

(۱) لفظ محمد سن کر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے تھے۔
(۲) سوتے وقت جسم مبارک کو لفظ "محمد" کی شکل میں کر لیتے تھے۔
(۳) قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکتے اور قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرتے تھے۔ (۴) جماہی لیتے وقت دانتوں میں انگلی دبا کر آواز پیدا نہ ہونے دیتے۔
(۵) کبھی قہقہہ بلند نہ کرتے تھے۔

عادات مبارکہ

(۱) نماز عمامہ باندھ کر پڑھتے (۲) اپنا کنگھا اور شیشہ الگ رکھتے (۳) مسواک ضرور کرتے (۴) سر مبارک میں پھلیل ڈلواتے۔ (۵) تعویذ خدمت خلق کے طور پر مفت دیتے تھے (۶) دکاندار آپ کو مفت سودا دینے کی خواہش کرتے یا کم لینا چاہتے مگر آپ ہمیشہ بازار کی قیمت ادا کرتے تھے (۷) لوگوں کا دل رکھنا بہت ضروری سمجھتے تھے (۸) مسجد سے گھر جاتے ہوئے عمامہ بغل میں دبا لیتے تھے (۹) چلتے وقت بہت آہستہ قدم اٹھاتے اور نگاہیں عام طور پر نیچی رکھتے (۱۰) زیادہ وقت تالیف و تصنیف یا فتاویٰ نویسی میں گزارتے (۱۱) مہمانوں اور عام لوگوں سے بیک وقت عصر کے بعد مستقل ملاقات فرمایا کرتے تھے (۱۲) نماز بہت آہستہ اور سکون سے پڑھتے (۱۳) ہر شخص کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے (۱۴) حیثیت کے مطابق ہر شخص کی تعظیم بھی کرتے (۱۵) سادات کرام کی بڑی عزت اور خاطر و مدارات کرتے (۱۶) کسی کے خلاف شرع کام یا باتیں کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے۔

امام بریلوی کی سبق آموز وصیتیں

(۱) نزع کے عالم میں کارڈ۔ لفافے۔ روپیہ پیسہ۔ تصویر۔ جنب۔ حائضہ اور کتا مکان میں نہ آنے پائیں (۲) سورہ یٰسٓ اور سورہ رعد سینہ پر دم آنے تک پڑھی جائیں درود شریف بھی متواتر پڑھی جائے۔ رونے والے بچوں کو دور رکھا جائے۔ (۳) قبض روح کے فوراً بعد آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں بسم اللہ علی ملتہ رسول اللہ کہکر نزع میں ٹھنڈا پانی پلایا جائے۔ رونا بھی ممنوع قرار دیا (۴) غسل مطابق سنت ہو۔ مولانا حامد رضا خان قادری فتاوی میں تحریر کی ہوئی دعائیں یاد نہ کر سکیں تو مولانا امجد علی نماز جنازہ پڑھائیں (۵) جنازے میں بے وجہ تاخیر نہ کریں جنازے کے آگے آگے ذریعہ قادریہ اور انہی کی نعت تم پہ کروڑوں درود پڑھی جائے (۶) کوئی مدحیہ شعر ہرگز نہ پڑھایا جائے (۷) قبر میں آہستہ اتاریں پیچھے نرم مٹی کا پشتارہ لگائیں۔ داہنی کروٹ پر ذریعہ قادریہ پڑھ کر لٹائیں (۸) اناج قبر پر نہ لے جائیں۔ قبر تیار ہونے تک یہ دعا پڑھیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اللھم ثبت عبدک ھذا بالقول الثابت بجاہ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم (۹) بعد تیاری قبر سرہانے کی طرف الم تا مفلحون پڑھی جائے۔ پائنتی کی طرف آمن الرسول تا اخیر پڑھی جائے۔

حامد رضا خان سات مرتبہ اذان دیں تلقین کرنے والے قبر کے مواجہہ میں تین بار تلقین کریں۔ ۱½ گھنٹہ تک قبر پر مواجہہ میں درود شریف یا نماز بلند پڑھا جائے اور ممکن ہو سکے تین شبانہ روز تک باآواز بلند قرآن پاک اور درود شریف پڑھوائے جائیں تاکہ اس نئے مکان میں دل لگ جائے (۱۰) کفن خلاف سنت نہ ہو (۱۱) میری فاتحہ کا کھانا صرف غربا کو کھلایا جائے (۱۲) فاتحہ میں طویل وقفہ نہ کیا جائے۔ غذا

مرغن ہو تو کوئی حرج نہیں (۱۳) حامد رضا خان ننھے میاں سے صاف رہیں ورنہ میری روح ناراض ہوگی (۱۴) سب بھائی اتفاق سے رہیں۔ اتباع شریعت نہ چھوڑیں اور جس دین پر میں چلا ہوں اس پر چلیں۔

ان مذکورہ قیمتی وصایا میں ہمارے لئے کافی سبق موجود ہیں۔ یہ ہمارے لئے مشعل راہ آخرت ہیں۔

مکتوبات شریف

امام بریلوی کے مکتوبات شریف بھی بے شمار حقائق و معارف اور مسائل دینیہ سے بھرپور ہیں۔ آپ کی ظاہری و معنوی خوبیوں کا رنگ بھی ان کے سطر سطر پر چڑھا ہوا ہے۔ شان تجدیدی کا جوہر بھی ان مکتوبات میں چمکتا ہے۔ افراد اہلسنت کے لئے ان میں بھی کافی ہدایات اور سبق موجود ہیں۔ آپ کی تعلیمی سرگرمیوں کی جھلک اور دینی و ملی خدمات کی کرن بھی ہر ہر عبارت پر دمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کلام الامام امام الکلام کا حکیمانہ انداز بھی ہر مکتوب میں پایا جاتا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی بھی بعض بعض مکتوب میں پائی جاتی ہے۔

یہاں صرف ہم آپ کے دو ایمان افروز مکتوبات گرامی "حیات اعلیٰحضرت" جلد اول مؤلفہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب رضوی سے نقل کرتے ہیں۔ جو بیش قیمت نصائح و عشق رسول کے حامل ہیں۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

برادر دینی و یقینی مولوی عرفان علی سلمہ

بعد ہدیہ سنت مولیٰ عز و جل مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور مدارج عالیہ بخشے اور آپ سب صاحبان کو صبر دا جر عطا کرے اور مدارج عالیہ بخشے اسی کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے جس میں کمی بیشی نامتصور ہے۔ اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ بے صبری سے جانے والی چیز واپس آئے گی ہرگز نہیں مگر مولیٰ تبارک و تعالیٰ کا ثواب جائے گا وہ ثواب لاکھوں جانوں کی قیمت علیائے اعلیٰ ہے تو کیا مقتضائے عقل ہے کہ کھوئی چیز ملے بھی نہیں اور ایسی عظیم ملتی ہوئی دولت خود ہاتھ سے کھوئی جائے صابروں کو اجر حساب سے نہ دیا جائے گا۔ بلکہ بے حساب یہاں تک کہ جنہوں نے صبر نہ کیا تھا روز قیامت تمنا کریں گے۔ کاش ان کے گوشت قینچیوں سے کترے جاتے اور یہ ثواب پاتے۔ دوسرے کے جانے کی فکر اس وقت چاہیئے کہ خود جانا نہ ہو اور جب اپنے سر پر جانا رکھا ہے تو فکر اس کی چاہیئے کہ جانا اچھی طرح ہو کہ وہاں مسلمان عزیزوں سے نعمت کے گھر میں ایسا ملنا ہو کہ پھر کبھی جدائی نہیں۔ لاحول شریف کی کثرت کیجئے اور ساٹھ بار پڑھ کر پانی پر دم کرکے پی لیا کیجئے۔ آپ بفضلہ تعالیٰ عاقل ہیں۔ اوروں کو ہدایت صبر کیجئے۔ سب کو دعا و سلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ "حیات اعلیٰحضرت" صفحہ ۲۱۳

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راحت جانم برادر دینی مولوی عرفان علی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نفی العار کی کاپیاں ہو رہی ہیں۔ سلامت اللہ لاہل السنۃ غالباً آج چھپ گیا ہوگا۔ ماہ مبارک میں مطبع والے بھی بہت سستی سے کام کرتے ہیں۔ قاضی عطا علی صاحب کا مضمون اب شاید بعد رمضان دیکھا جائے۔ میرا ارادہ ضرور ہے کہ۔

یہ سر ہو۔ اور وہ سنگ در۔ وہ سنگ در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں، تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

وقت مرگ قریب ہے۔ اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن ہو۔ اور وہ قادر ہے۔ بہرحال اپنا خیال ہے۔ مگر جائداد کی جدائی یہ لوگ کسی طرح نہ کرنے دیں گے خریدار کو مجھ تک پہونچنے نہ دیں گے کوئی منقول شئی نہیں کہ بازار بھیج کر نیلام کردی جاے۔ اور خالی ہاتھ بھیک پر گذر کرنے کے لئے جانا نہ

شرعاً جائز نہ دل کو گوارا۔ دعا کیجئے کہ ہر بات کا انجام بخیر ہو۔ والسلام۔

(فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ۔ ۱۰ رماہ رمضان ۱۳۳۳ھ حیات اعلیحضرت، صفحہ ۲۱۶)

حضرت امام بریلوی رضی اللہ عنہ اپنے کلام کے آئینے میں

اے خدا بہر جناب مصطفٰے۔ چار یار پاک و آل باصفا

بہر جیب چاک عشق نامراد۔ بہر خون پاک مردان جہاد

پر کن از مقصد تہی داماں ما

از تو بذرفتن زما کردن دعا

(حدائق بخشش)

ترجمہ:۔ اے مہربان خدا جناب مصطفٰے کے لئے، ان کے پاک صحابہ کے لئے آل باصفا کے لئے! اس دامن کا صدقہ، جو عشق نامراد سے چاک چاک ہوا۔ اور اس پاک خون کا واسطہ جو مردوں نے میدان جہاد میں بہایا۔

ہماری جھولیاں مقصد سے خالی نہ رکھ ہمارا کام ہے دعا مانگنا تیرا کام ہے قبول کرنا

رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں ذرہ ترا جو اے شہ گردوں جناب ہوں

بے اصل و بے ثبات ہوں، بحر کرم مدد پروردۂ کنار سراب و حباب ہوں

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا دم میں جب تک دم ہے ذکر انکا سناتے جائینگے

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے توئی خود ساز و ساما نم اغثنی یا رسول اللہ

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن مریض درد عصیانم اغثنی یا رسول اللہ (حدائق بخشش)

کیا فقط کلمہ گوئی مسلمان کیلئے کافی ہے؟

آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھنے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جب کہ اس کا قول یا فعل اس کے دعوے کا مکذب ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے، کلمہ پڑھے۔ بلکہ نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا کرے۔ بایں ہمہ خدا اور رسول کی باتیں جھٹلائے یا خدا اور رسول و قرآن کی جناب میں گستاخیاں کرے یا زنار باندھے۔ بت کے لئے سجدے میں گرے تو وہ مسلمان قرار پا سکتا یا عادت کے طور پر وہ کلمہ پڑھنا اس کے کام آسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

(الکوکبۃ الشھابیہ صنا)

مسئلہ علم غیب

(۱) "علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے۔ جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر، غیر خدا کے لئے مانے۔ وہ یقیناً کافر و مشرک ہے" (۲) "اگر تمام اہل عالم، اگلے پچھلوں، سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی۔ جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو۔ دس لاکھ سمندروں سے" (۳) ہم نہ

علم الٰہی سے مساوات مانیں۔ نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع "(۴) اجماع ہے۔ کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عز و جل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے (خالص الاعتقاد ص۲۴، ۲۵، ۳۵)

سب کو کافر کہدیا؟

عوام مسلمین کو بھڑکانے، اور دن دہاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتوی تکفیر کا کیا اعتبار۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہدیتے ہیں ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوی چھپا کرتے ہیں۔ اسمعیل دہلوی کو کافر کہدیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہدیا۔ مولوی عبدالحق صاحب کو کہدیا۔ پھر جنکی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہدیا۔ پھر مولانا شاہ فضل الرحمٰن (گنج مراد آبادی قدس سرہ العزیز) کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے اوپر گزر گئے۔ وہ یہاں تک بڑھتے ہیں۔ عیاذاً باللہ عیاذ باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہدیا۔ یہاں تک کہ انہیں سے بعض کے بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑدی کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ۔ اِن جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا پر عمل فرمایا۔ خط لکھکر دریافت کیا جس سے یہاں سے رسالہ انجاس البری عن وسواس المفتری" لکھا، ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تازیانہ بھیجا۔ غرض ہم پر ایسے ہی افتراء و بہتان کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ (حسام الحرمین ص۴۲)

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

"دل میں کیا۔ برملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔ بعض تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں اس سے میری ذات پر حملہ کریں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ اللہ عز و جل نے مجھے دینِ حق کیلئے سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں۔ اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اس جواب کا وہم بھی نہیں اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہونے ہی کے لئے ہے۔ بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔۔۔۔۔۔"

(الملفوظ ج ۲ ص۵۳)

حرفِ آخر

بالآخر بندہ راقم الحروف اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا بریلوی قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حضرت مولانا معین الدین نزہت والد محترم حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے ہمنوا ہو کر خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔

رضائے احمد اسی میں سمجھوں | کہ مجھ سے احمد رضا ہوں راضی

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

امام احمد رضا، دین کا امام

"زینتِ عنوان" دین کا وہ امام ہے۔ جس کے کمالاتِ علم و عمل عرب و عجم میں دین دار دنیا کے قلوب پر اپنا سکہ جما چکے ہیں۔ اور قریب و بعید ممالک و بلدان میں ان کو شہرتِ تامہ حاصل ہے ان کے فیضِ علم کی برکت نے بریلی کو تمام جہان کا دارالافتاء بنا دیا۔ عرب و عجم ایشیاء افریقہ وغیرہ بر اعظموں کے معاملات نصف صدی سے زائد عرصہ تک آستانۂ عالیہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے۔ آپ کا فتاویٰ حجم و تحقیق میں علمائے ماسبق کے مجموعاتِ فتاویٰ سے کہیں بڑھ گیا۔ آپ کی تصانیف صدہا کے اعداد سے شمار کی جائیں گی۔

انداز بحث و قوت کلام

آپ کا اندازِ بحث محققانہ اور منطقی مغالطات سے بالکل پاک ہے تدقیق اس قدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات مطالعہ میں عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے احتمالاتِ مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اوّل بند کر دی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں ہوا کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب و شتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہو سکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زبان دراز عدیم المروت والحیاء کو آسان بھی ہے۔ مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے مگر نہ دیکھا گیا۔ کہ محققانہ طور پر کبھی کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جرات ہوئی ہو۔ فتاوے پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں ایسے بہت سے علوم عنایت فرمائے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کی وسعتِ معلومات دقتِ نظر۔ علوِّ مضامین بلندیِ تحقیق و جودت کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ باوصف اپنی بے بضاعتی کے ان کمالات تک میرے ناقص فہم کی جتنی رسائی ہے اور ان کو جیسے الفاظ سے میں تعبیر کر سکتا ہوں وہ حاضر ہے۔ لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعتِ منزلت کی پوری تصویر نہیں ہو سکتی ایک خداداد نعمت تھی ایک وہبی فیض تھا۔ جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔

علمِ فقاہت

علم فقہ میں جو تبحّر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا۔ اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا ہے۔ تفصیل تو اس کی فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کے ایک مفتی تھے۔ جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتاء کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بارِ بغ ردھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی لکھتا تھا۔ امام احمد رضا کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ فتاویٰ رضویہ میرے اس دعوے کا ثبوت ہے۔

علمِ حدیث

علم حدیث میں بھی وہ فرد تھے اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے علم رجال میں ان کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوکِ زبان پر تھے اور معنی میں بحث۔ ناسخ و منسوخ کی تمیز۔ متعارضین کی توفیق یہ تو ان کا خاص حصہ تھا۔

جمع بین الصلاتین کی بحث میں آپ کی ایک نفیس وجلیل تصنیف "حاجز البحرین عن جمع بین الصلاتین" قابلِ دید ہے جس میں مولوی نذیر حسین دہلوی پیشوائے غیر مقلدین کا رد فرمایا ہے اور اگر محدثانہ شان دیکھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ علمِ تفسیر و اصولِ فقہ و اصولِ حدیث و عقائد و کلام ادب و عروض میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ دفن ہوگئے۔ اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا۔

جودتِ ذہن

اور خوبیٔ ذکا و فہم کرامت کی شان رکھتی ہے ایک ماہ میں اس طرح قرآن پاک کا حفظ کر لینا کہ تمام مشاغل بدستور جاری رہیں اور کسی میں فرق نہ آئے۔ اور دیکھنے والوں کو تمیز نہ ہو کہ کوئی خاص کام کیا جا رہا ہے۔ کس قدر حیرت انگیز ہے اور اس کو کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ العزیز نے بیان کیا کہ مجھ سے امام احمد رضا نے فتاوٰی "مصلاۃ مسعودی" طلب فرمایا میرے پاس قلمی نسخہ تھا۔ وہ میں نے پیش کیا امام احمد رضا نے تمام کتاب پر سرسری نظر ڈالی اور صرف یاد سے اس تمام کتاب کی مکمل فہرست اس کے اوّل میں تحریر فرما دی۔ یہ بات سنی بھی نہیں گئی کہ کوئی شخص کتاب پر ایک نظر ڈال کر اس کا حافظ ہو جاتا ہے کہ اس کی صفحہ وار فہرست بنا سکے۔ حضرت مولانا مرحوم سے مسئلہ اذان میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تمام کتاب میں اذان کا ذکر اتنی جگہ ہے اور ہر جگہ بانگِ نماز ہی کے تلفظ سے اس کو یاد کیا ہے مجھے وہ عدد محفوظ نہیں رہا اتنا یاد ہے کہ کوئی بڑا عدد تھا۔ تعجب تو یہ ہے کہ کیسی کتاب بنی ہے کہ جس سے یہ بتایا جا سکے کہ اس کتاب میں فلاں بحث میں اس قدر الفاظ ہیں اسی طرح حضرت علامہ مولانا ظفر الدین فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ کے مہمان ہوئے اثنائے گفتگو میں عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کا ذکر نکلا حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا کہ میرے کتب خانہ میں ہے۔ اتفاق وقت باوجودیکہ امام احمد رضا کے کتب خانہ میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت تک عقود الدریہ منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا امام احمد رضا نے فرمایا میں نے نہیں دیکھی ہے۔ جاتے وقت میرے ساتھ کر دیجئے گا۔ حضرت محدث سورتی نے بخوشی قبول کیا اور کتاب لا کر حاضر کر دی مگر ساتھ ساتھ فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا۔ امام احمد رضا کا قصد اسی دن واپسی کا تھا۔ مگر آپ کے ایک جان نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی اس وجہ سے رک جانا پڑا۔ شب کو امام احمد نے عقود الدریہ کو (جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی) ملاحظہ فرمالیا دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا۔ جب اسباب درست کیا جانے لگا تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا واپس کیوں فرما رہے ہیں۔ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی اور حضرت محدث صاحب ——— امام احمد رضا سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کے لئے تشریف لا ہی رہے تھے کہ میں نے امام احمد رضا کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا اور پھر کتاب کو لئے ہوئے حضرت محدث صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔ حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ ——— جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا ملال ہوا اس کتاب کو واپس کیا۔ فرمایا قصد بریلی ساتھ لے جانے کا تھا اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیتا جاتا۔ لیکن کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گا۔ امام احمد رضا نے فرمایا اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتاوٰی میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشا اللہ عمر بھر کے لئے محفوظ ہو گیا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ بہت نحیف و لاغر تھے۔ بدن مبارک کے استخوانہائے لطیف نمایاں معلوم ہوا کرتے تھے۔ اس کا باعث آپ کے ریاضت و مجاہدات تھے۔ قلم کو آپ کی مدتِ حیات میں استراحت نہ ملی شب و روز کے تمام اوقات خدمتِ دین و ملت ہی میں صرف ہوتے

بہت کم وہ دِن ہوں گے جن میں چھ گھنٹے استراحت فرمائی ہو ورنہ چار پانچ گھنٹے خواب کے لئے معمول تھا۔ اور کبھی کبھی یہ بھی حذف ہو جایا کرتی تھی۔ اِس کا اثر تھا کہ جسم لاغر و ناتواں اور کمزور ضعیف ہوتا گیا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ قوائے عقلیہ و دماغیہ اُسی نسبت سے ترقی کرتے رہے۔ اکثر بدن میں درد ہو جاتے تھے۔ کبھی سر میں۔ کبھی شانوں میں کبھی گردن میں۔ کبھی معدے اور اس کے حوالی میں۔ مگر ان میں سے کوئی چیز کام کرنیوالے ہاتھ اور زبان کو نہیں روک سکتی تھی۔ باوجود گوناگوں علالتوں کے تکلف کے ساتھ اپنے وقتوں پر مسجد میں حاضر ہونا اور اپنی تمام تکلیفوں کو فراموش کر کے قیام کے ساتھ سنن و آداب کی رعایت سے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا غلبہ روحانیت پر دلالت کرتا ہے۔

ایک سال سے یہ عوارض اور امراض بہت ترقی کر گئے تھے۔ اور مزاج میں یبوست اور حرارت نے غلبہ پالیا تھا۔ جو کثرتِ ریاضت کا نتیجہ لازمہ ہے۔ تھوڑے تھوڑے زمانہ میں دردوں کے شدید دورے پڑنے لگے۔ مگر الحمد للہ کہ مرض کی ان تمام شدتوں نے کسی ورد اور معمولی کو بھی تو اُس کی جگہ سے نہ ہٹایا۔

امام احمد رضا اور محبّتِ سادات

ارباب فکر و نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی فنافی الرسول اور عشقِ نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام کی اس سرحد کو عبور فرما چکے تھے جہاں محبت کے احساسات و تصورات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ہوں یا بیگانے امام موصوف کے متعلق کوئی لکھتا ہے کہ احمد رضا کی سطر سطر سے عشقِ رسول پھوٹا پڑتا ہے اور کسی نے لکھا کہ محبت رسول ان کا قیمتی اور قابل قدر سرمایہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ رسولِ کریم سے اتنی والہانہ محبت رکھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے جو قابلِ تاویل ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ امام احمد رضا کا عشق و محبت رسول کے وہ دُرِّ مکنوں ہیں جس کی ضیا پاشیوں سے دنیا کے بیشتر گوشوں میں سرورِ کائنات سے محبت و شیفتگی کا لوگوں نے سلیقہ پایا۔

یوں تو آپ کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے ہر ہر شعر میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و عقیدت کا سمندر موجزن ہے۔ اور جذبات و احساسات کا ایک جہاں آباد ہے مگر عمل و کردار کی روشنی میں دیکھا جائے تو امام موصوف کا مقام اس سے بھی بلند سمجھ میں آتا ہے۔

یہ محبت رسول کا ہی اثر ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلواۃ والسلام سے نسبی تعلق رکھنے والے اشخاص یعنی سادات کا بے پناہ احترام اور محبت فرماتے اور اس بات میں آپ سن و سال، قد و قامت، عالم و جاہل امیر و غریب اور نیک و بد کا امتیاز رکھ کر حسن سلوک نہ فرماتے بلکہ رشتہ خون کا لحاظ کرتے ہوئے سبھی کے ساتھ نیازمندی کا رویہ رکھتے۔

حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی آپ کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت سے متاثر ہو کر حسب رواج عرب سلسلہ کلام میں تخاطب کے وقت "یا سیدی" فرمایا کرتے تھے بظاہر یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس تخاطب سے شرمندگی محسوس کی جائے مگر امام احمد رضا کے جذبۂ عشق نے اس بات کو گوارا نہ کیا اور اس سید زادے کے قدم ناز پر علم و فضل کا تاج نچھاور کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت مولانا سید محمد سعید صاحب مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یا سیدی فرماتے شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا واللہ سید تم ہو میں نے عرض کی میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "مولی القوم منھم" قوم کا آزاد شدہ غلام انہیں میں سے ہے اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقے میں آفات دنیا و عذاب قبر و عذاب حشر میں کامل آزادی عطا فرمائے آمین (الملفوظ مکمل ص۱۳۸)

ایک شاگرد کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک استاد مناسب تادیبی کارروائی کے لئے ہاتھ اور زبان دونوں استعمال کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے بشرعاً اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ خداوند کریم اپنے رحم و کرم سے اسے نوازے گا۔ مخدوم الملۃ حضرت سید محمد کچھوچھوی معروف بہ محدث اعظم ہند حصول تعلیم کے لئے بارگاہ رضویہ میں تشریف لے گئے ہیں ایک موقعہ پر برائے تربیت امام موصوف نے جو طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ انتہائی دلچسپ اور ناموس عشق کی حرمت سے مملو ہے محدث اعظم ہند کی زبان میں ملاحظہ ہو۔

کار افتاء کے لئے جب میں بریلی حاضر ہوا۔ تو میرے اندر لکھنؤ میں آٹھ سال رہنے کی خو بو کافی موجود تھی۔ شہر کے جغرافیہ میں بازار اور تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کروں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا نماز ہو گئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں یہاں بیٹھ گیا بریلی کے لئے بالکل نیا شخص تھا لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے یہاں تک کہ اعلیٰحضرت خود کھڑے ہو گئے اور باب مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آکر مجھ کو مصافحہ سے نوازا۔ اس سے زیادہ کا ارادہ کیا تو میں گھبرا کر گر پڑا۔ اعلیٰحضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔ (مجلہ اسلام ص ۱۹۱)

چنانچہ آپ نے بعد نماز جمعہ تفریح کا قصد فرمایا اور ایک پان کی دکان پر پان لینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ امام احمد رضا کا انداز آپ کے ساتھ لوگ دیکھ چکے تھے اس لئے مصافحہ و دست بوسی کا سلسلہ جو شروع ہوا تو آپ کو واپس ہوتے ہی بنا۔

امام احمد رضا کا جذبۂ عشق رسول سادات کرام کی ادنیٰ سی پشیمانی پر بے پناہ مجروح ہو جاتا اور امام موصوف ایسے کسی حادثہ پر بے چین ہو کر سید زادے کی جبین سعادت کے عرق ندامت کو خلوص و وفا کی نسیم خوشگوار کے جھونکے سے سکھا نہ دیتے مطمئن نہ ہوتے اسی قسم کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

جس زمانہ میں اعلیٰحضرت کے دولت کدے کے مغربی سمت جس میں کتب خانہ نیا تعمیر ہو رہا تھا۔ عورتیں اعلیٰحضرت کے قدیمی آبائی مکان میں جس میں مولانا حسن رضا خاں صاحب برادر اوسط اعلیٰحضرت مع متعلقین تشریف رکھتے تھے قیام فرما تھیں اور اعلیٰحضرت کا مکان مردانہ کر دیا گیا تھا کہ ہر وقت راج مزدوروں کا اجتماع رہنا اسی طرح کئی مہینے تک وہ مکان مردانہ رہا جس صاحب کو اعلیٰحضرت کی خدمت میں باریابی کی ضرورت پڑتی بے کھٹکے پہنچ جایا کرتے۔ جب وہ کتب خانہ مکمل ہو گیا مستورات حسب دستور سابق اس مکان میں چلی آئیں۔ اتفاق وقت کہ ایک سید صاحب جو کچھ دن پہلے تشریف لائے تھے اور اس مکان کو مردانہ پایا تھا۔ پھر تشریف لائے اور اس خیال سے کہ مکان مردانہ ہے بے تکلف اندر چلے گئے جب نصف آنگن کے اندر چلے گئے تو مستورات کی نظر پڑی جو زنانہ مکان میں خانہ داری کے کاموں میں مشغول تھیں۔ انہوں جب سید صاحب کو دیکھا تو گھبرا کر ادھر ادھر پردہ میں ہو گئیں۔ ان کے جانے کی آہٹ سے سید صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ مکان زنانہ ہو گیا ہے اور مجھ سے سخت غلطی ہو گئی جو میں چلا آیا اور ندامت کے مارے سر جھکائے واپس ہونے لگے کہ اعلیٰحضرت دکھن کی طرف کے سائبان سے فوراً تشریف لائے اور سید صاحب کو لے کر اس جگہ پہنچے جہاں حضرت تشریف رکھا کرتے تھے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور سید صاحب کو بٹھا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جس میں سید صاحب کی پریشانی اور ندامت دور ہو۔ پہلے تو سید صاحب خفت کے مارے خاموش رہے پھر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے زنانہ مکان ہونے کا کوئی علم نہ تھا۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ حضرت یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں۔ آپ آقا اور آقا زادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے میں خوب سمجھتا ہوں حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں بغرض بہت دیر تک سید صاحب کو وہیں بٹھا کر ان سے بات چیت کی۔ پان منگوا کر ان کو کھلایا جب دیکھا کہ سید صاحب کے چہرہ پر آثار ندامت نہیں ہیں۔ اور سید صاحب نے اجازت چاہی تو ساتھ ساتھ تشریف لائے اور باہر کے پھاٹک تک پہونچا کر ان کو رخصت فرمایا۔ (حیات اعلیٰحضرت ص ۲۰)

نبی کریم علیہ السلام والتسلیم سے عشق و محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک سید زادے کی گزارش پر لاکھوں کے مجمع میں شکست و ذلت کو زیب گلو کرنے کا واقعہ سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید رضی اللہ عنہ کا تو تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے۔ لیکن نادانستگی، اور غیر شعوری طور پر ایک مزدور سید زادے کے کاندھے پر سواری کر لینے کے بعد ندامت و شرمساری کا انداز اور اس نادانستہ جرم (بہ نظر عشق) کے ازالہ کا منظر امام احمد رضا کے علاوہ چشم فلک نے کبھی بھی نہ دیکھا ہوگا۔

علامہ ارشد القادری صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو۔

کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ پالکی لیکر تھوڑی ہی دور چلے ہیں کہ یکایک امام اہل سنت کی آواز سنائی دیتی ہے پالکی روک دو حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا آپ لوگوں میں کوئی آل رسول تو نہیں؟ اپنے جدّ اعلےٰ کا واسطہ صحیح بتلایئے میرے ایمان کا ذوق لطیف تن جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ پیشانی پر عرق پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ دبیک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آپ نے میرے جد اعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

معزز شہزادے۔ میری گستاخی معاف کر دو لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہوگئی ہے۔ ہائے غضب ہوگیا۔ قیامت کے دن اگر سرکار نے کہیں پوچھ لیا کہ احمد رضا کیا میرے فرزند کا دوش نازنین اس لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے تو میں کیا جواب دوں گا اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگی۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دل گیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے۔ اسی انداز میں وقت کا عظیم المرتبت امام اس سید زادے مزدور کی منت سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی نازبرداریوں کا یہ رقت انگیز تماشہ دیکھ رہے ہیں کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہل سنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی۔

چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت وناموس کی قربانی عزیز ہے اس لئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفارہ جبھی ہوگا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو عشق جنون خیز کی ضد پوری کرنی ہی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دلگداز ہے۔ اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم وفضل جبہ ودستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۳۰۲)

عشق رسول کی بنیاد پر سادات نوازی اور دیوانگی کی حد تک ان کا احترام اور عزت وتوقیر کا مظاہرہ جو امام احمد رضا بریلوی کے یہاں ملتا ہے صدیوں تک نظر ڈال جاتے ہیں۔ مگر ایسی شخصیت نہیں دکھائی دیتی جو عشق ومحبت میں سرشار ہو کر جذبات فراواں کو عملی شکل دے کر بھی زبان حال سے یہ عرض کرے ع "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

ایک سید صاحب بہت غریب مفلوک الحال تھے عسرت سے بسر ہوتی تھی اس لئے سوال کیا کرتے تھے مگر سوال کی شان عجیب تھی۔ جہاں جاتے فرماتے "دلوا دو ایک سید کو" ایک دن اتفاقی وقت کہ پھاٹک میں کوئی نہ تھا۔ سید صاحب تشریف لائے اور سیدھے زنانہ دروازہ پر پہونچ کر صدا لگائی "دلوا دو سید کو۔" اعلےٰحضرت کے پاس اسی دن ذاتی اخراجات علمی یعنی کتاب کاغذ وغیرہ داد ودہش کے لئے دو سو روپے آئے تھے۔ جس میں نوٹ بھی تھے اور اٹھنی چونی پیسے بھی تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو صرف فرمائیں۔

اعلےٰحضرت نے آفس بکس کے اس حصے کو جس میں یہ سب روپے تھے سید صاحب کی آواز سنتے ہی ان کے سامنے لا کر حاضر کر دیا اور ان کے روبرو لئے ہوئے کھڑے رہے جناب سید صاحب دیر تک ان سب کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ایک چونی لے لی۔

اعلےٰحضرت نے فرمایا حضور یہ سب حاضر ہیں سید صاحب نے فرمایا مجھے اتنا ہی کافی ہے۔ الغرض جناب سید صاحب ایک چونی لے کر سیڑھی پر سے اتر آئے اور اعلےٰحضرت بھی ساتھ ساتھ تشریف لائے۔ پھاٹک پر ان کو رخصت کر کے خادم سے فرمایا۔ دیکھو سید صاحب کو آئندہ

سے آملو دیجیے اور صدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے جس وقت سید صاحب پر نظر پڑے ایک چونی حاضر کر کے سید صاحب کو رخصت کر دیا کرو۔ سبحان اللہ وبحمدہ تعظیم سادات ہو تو ایسی ہو۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفہ ۲۷۸)

اسی واقعہ کو مخدوم الملتہ حضور محدث اعظم ہند نے بھی اپنے انداز میں بسلسلۂ جشن یوم ولادت امام احمد رضا بریلوی منعقدہ ناگ پور کے خطبۂ صدارت میں بیان فرمایا ہے جسے "مدنی تجلیات" ناگ پور نے مجدد اعظم نمبر میں شائع کیا ہے۔

بہرحال ہر رہِ عشق کے مختلف انداز ہیں جو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادوں کی تعظیم و توقیر اور عشق و محبت کے جذبات کے ذریعہ نذر عقیدت پیش کر کے ناموس عشق کا سربلند کر رہا ہے۔

حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بر وقت تقسیم شیرینی ملا کرتا تھا۔ اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں۔ ایک سال یہ موقع بارہویں شریف۔ ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمہ کو خلافِ معمول اکہرا حصہ یعنی دو طشتریاں شیرینی کی بلا مقصد پہونچ گئیں۔ موصوف خاموشی کے ساتھ لے کر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا فرمایا سید صاحب تشریف رکھئے اور تقسیم کرنے والے کی فوری طلبی ہوئی اور سخت اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ چنانچہ فوراً تعمیل ہوئی۔ سید صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا۔ ہاں قلب کو ضرور تکلیف ہوئی جسے برداشت نہ کر سکا۔ فرمایا سید صاحب یہ شیرینی تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگی۔ ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی اور قاسم شیرینی سے کہا کہ ایک آدمی کو سید صاحب کے ساتھ کر دو جو اس خوان کو مکان تک پہونچا آئے انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۰۰)

یہ تو سادات کرام کو عام لوگوں سے ممتاز کرنے والا ایک واقعہ تھا۔ اب دوسرا واقعہ ملاحظہ فرمایا جائے عشق کی نظر میں چھوٹے بڑے کا سوال نہیں اٹھتا بلکہ جذبات کی لہریں ہر ایک کو شاداب کرتی ہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک کم عمر صاحبزادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لئے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید زادے ہیں لہذا گھر والوں کو تاکید فرما دی کہ صاحبزادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادے ہیں کھانا وغیرہ اور جس شئے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔ چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۰۱)

سطور بالا میں درج کئے گئے دو چار واقعات دیکھنے میں بہت عام اور سادے معلوم ہوتے ہیں لیکن تھوڑا سا غور و فکر کیا جائے تو ہر واقعہ کے مختلف گوشے ہیں اور دُور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اب ہم امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل ارشاد پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ آپ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضور کسی سید زادے کو استاد مار سکتا ہے یا نہیں؟ استفسار کا بصیرت افروز جواب ملاحظہ فرمایا جائے۔

قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا۔ لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت کرے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم تا بہ معلم چہ رسد۔ (الملفوظ مکمل ص ۲۷۱)

امام موصوف کے تمام واقعات ہمیں درس عبرت دیتے ہیں کہ سادات کرام کے ساتھ محبت و عظمت، عزت و توقیر، تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف یہ کہ امام احمد رضا کے نقش پر ہم گامزن ہوں گے بلکہ امام احمد رضا کے ارشادات ان کے اعمال کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایسا کر کے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ خداوند کریم ہمیں سادات کی عزت و توقیر کرنے اور محبت و عقیدت رکھنے کی توفیق رفیق بخشے آمین۔ ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا :: تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سیاسیات

○ **امام احمد رضا کی دینی و سیاسی بصیرت**

علامہ سید الزمان حمدوی پرنسپل عابدہ ہائی سکول مظفر پور

○ **امام احمد رضا اور جنگِ آزادی**

غازئ ملت مولانا سید محمد ہاشمی میاں صاحب صدر آل انڈیا سنی لیگ

○ **امام احمد رضا اور تحریکِ ترکِ موالات**

پروفیسر محمد مسعود احمد۔ ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی

○ **اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت**

سید نور محمد قادری

امام احمد رضا کی دینی و سیاسی بصیرت

دینِ حق کی ابتداء و ارتقاء پر غایرانہ نگاہ ڈالئے پھر اس کے عروج و نزول اور بلندی و پستی پر جو وقتاً فوقتاً مختلف اوقات میں لاحق ہوتی رہیں توجہ خصوصی کیجئے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ خلاقِ کائنات کی حکمت بے پایاں اور مشیت ایزدی نے دینِ متین کو ہمیشہ امتحان و ابتلاء کی منزلوں میں رکھا ہے۔ آخر اس میں رازِ قدرت اور فلسفہ الٰہی کیا ہے اسے جاننے کے لئے قرآن حکیم کی آیات کا مطالعہ ہمارے اور آپ کے لئے بے حد مفید ہو گا۔

بہ الفاظ دیگر سیدھے سادے جملوں میں یہ بات آپ اپنے ذہن کے گوشوں میں محفوظ فرمالیں کہ خیر و شر کی جنگ اور حق و باطل کا معرکہ روزِ اول ہی سے مختلف انداز اور مختلف صورت میں جاری رہا ہے دنیا میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں اگر ان کی ابتدا معلوم ہے تو انتہا سے بھی واقفیت ضرور حاصل ہے۔ لیکن حق و باطل، نیکی و بدی اور کفر و ایمان کی جنگ کا آغاز تو معلوم ہے لیکن اس کی انتہا معلوم نہ ہو سکی۔

حق و باطل کی جنگ

حق و باطل کی جنگ کا آغاز حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام اور شیطان ابلیس کے درمیان تخلیق آدم کے بعد ہی سے ہے لیکن بنی نوعِ انسان یعنی ذریاتِ حضرت آدم کے مابین یعنی خود انسان ہی میں کسی قسم کے دینی و اعتقادی اختلاف کا وجود کب سے ہے، شیطان لعین نے ذریات آدم کے درمیان اس اختلاف کا بیج کب سے بویا۔ اس ضمن میں تاریخی و علمی حقائق اس طرح شاہد ہیں کہ حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے آغاز خلافت و رسالت سے حضرت سیدنا نوح علیٰ نبینا و علیہ السلام کے عہد اولین تک تمام انسان اور اولادِ آدم ایک دین اسلام پر متحد و متفق تھے۔ ان میں کسی بھی قسم کا دینی و اعتقادی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام کا دور ہی وہ دور ہے جہاں سے اختلافِ عقائد کا آغاز ہوا تو اللہ تعالےٰ نے ان اختلافات کی تیرہ و تار وادی میں حقانیت و صداقت کا روشن سورج بنا کر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ خیر و شر اور نور و ظلمت کی تمیز نوعِ انسانی کے لئے دشوار نہ ہو میرے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن حکیم کی اِن مقدس آیتوں کا مطالعہ کیجئے۔

عہد نوح علیہ السلام و اختلافِ عقاید

ارشاد ربانی ہے، کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (لوگ ایک دین پر تھے) سورۂ بقرہ پارۂ سیقول کی اس آیت کریمہ کی تشریح تفسیر خزائن العرفان میں اس طرح ہے "لوگ ایک دین پر تھے حضرت آدم (علیہ السلام) کے زمانہ سے عہد نوح تک سب لوگ ایک دین اور ایک شریعت پر تھے۔ پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یہ بعثت میں پہلے رسول ہیں (بہ حوالۂ خازن)

تفسیر خازن کی عبارت کا ترجمہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اختلافِ انسانی کا آغاز عہد نوح علیہ السلام سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف دین اور عقیدہ ہی کا اختلاف تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سورۂ نوح کی تلاوت اس کی مزید تشریح و توضیح کے لئے دلیل کافی اور برہانِ وافی ہے۔ اس ضمن میں مزید وضاحت کے لئے قرآن حکیم کی دوسری آیت کو باعثِ شرف نگاہ بنائیے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا

الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینٰت بغیًا بینھم فھدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے ایمانداروں اور فرماں برداروں کو ثواب کی اور ڈر سناتے کافروں نافرمانوں کو عذاب کا اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری (جیسا کہ حضرت آدم و شیث و ادریس پر صحائف اور حضرت موسیٰ پر توریت، حضرت عیسیٰ پر انجیل اور خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن) کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف انہی نے ڈالا جن کو دی گئی تھی یہ اختلاف تبدیل و تحریف اور ایمان و کفر کے ساتھ تھا جیسا کہ یہود و نصاریٰ سے واقع ہوا بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے یعنی یہ اختلاف نادانی سے نہ تھا بلکہ آپس کی سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔

مذکورہ بالا آیات کی تشریح و توضیح میں اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ کنز الایمان اور حضرت صدر الافاضل کی تفسیر خزائن العرفان دونوں کو یکجائی صورت میں پیش کرنے کی جرأت اہتمام تفہیم کی سہولت اور تسلسل و روانی کے برقرار رکھنے کی خاطر کی گئی ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا ماخذ جلالین۔ بیضاوی خازن اور مدارک جیسی مہتم بالشان تفسیریں ہیں۔

چنانچہ قارئین کے طمانیت قلب کی خاطر جلالین و بیضاوی کی عبارتیں بھی نقل کی جا رہی ہیں۔ جلالین شریف کی عبارت اس طرح ہے۔

کان الناس امۃ واحدۃ (علی الایمان ص۳۵) لوگ ایک دین پر تھے یعنی ایمان پر تھے فاختلفوا فآمن بعض وکفر بعض۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا پس بعض ایمان لائے۔

جلالین شریف میں علی الایمان پر ایک حاشیہ درج ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یعنی الطوفان او فیما بین آدم و ادریس موحدین متمسکین بدین واحد لاجمع قلیل من قابیل و تابعیہ الی زمن ادریس۔

لوگوں کے درمیان اختلاف عقائد طوفان نوح کے بعد ہوا یا حضرت آدم اور ادریس علیہما السلام کے عہد کے درمیان۔ پہلے وہ خدا کو ایک ماننے والے تھے اور اس کے دین کو مضبوطی سے حضرت ادریس کے زمانے تک پکڑنے والے تھے مگر قابیل اور اس کے تابعین کی ایک مختصر جماعت اس سے الگ تھی۔

تفسیر بیضاوی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

کان الناس امۃ واحدۃ۔ متفقین علی الحق فیما بین آدم و ادریس و نوح۔ او بعد الطوفان۔ او متفقین علی الجھالۃ والکفر فی فترۃ ادریس و نوح۔

لوگ ایک جماعت تھے۔ آدم و ادریس و نوح کے عہد رسالت کے درمیان حق پر متفق تھے۔ یا طوفان نوح کے بعد۔ یا حضرت ادریس اور نوح کی بعثت سے قبل جہالت و کفر پر متفق تھے جب کہ وحی کا سلسلہ بند تھا۔

متفقین علی الجھالۃ پر حاشیہ تفسیر بیضاوی کا ایک نوٹ خصوصی طور سے مطالعہ کے لائق ہے۔

قولہ او متفقین الخ ضعف بانہ لم یعلم الاتفاق علی الکفر حتی لا یکون مومن اصلاً فی عصر من الاعصار فتامل ویمکن ان یقال کان الناس امۃ واحدۃ مستعدین بقبول الحق مولودین علی الفطرۃ فزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فاختلفوا

بیضاوی کا یہ قول کہ جہالت و کفر پر متفق تھے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ کفر پر (ساری نوع انسانی کا) متفق ہونا معلوم نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو زمانوں میں سے کسی بھی زمانہ میں کسی مومن کا وجود قطعی نہ ہوگا۔ یہ بات بعید از قیاس ہے غور و فکر لازمی ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ کہا جائے کہ لوگ ایک جماعت تھے اور حق کے قبول کرنے کی استعداد رکھنے والے تھے، فطرت پر پیدا کئے جاتے تھے۔ کر دیا پس ان کو راہ حق سے روک پھر وہ لوگ مختلف ہو گئے۔

مذکورہ بالا آیتیں اور ان کی تشریحات سورہ بقرہ سے پیش کی گئیں جن سے بہت حد تک یہ بات واضح اور روشن ہو چکی کہ اختلافِ عقائد کا تنازع حق و باطل کی معرکہ خیزی اور خیر و شر کی کشمکش حضرت نوح علیہ السلام کے دور ہی سے چلی آ رہی ہے۔ حکمتِ ربانی اور مشیتِ الٰہی یہی تھی۔ اس ضمن میں مزید تشریح و توضیح کے لئے سورۂ یونس کی اس آیت کریمہ پر غور فرمائیں جس سے حکمتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی کا تقاضا سامنے آتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے جس کے ترجمہ و تفسیر میں ترجمہ رضویہ اور تفسیر نعیمی کو ایک ساتھ ملا کر محض مطلب کے سمجھنے میں آسانی کے لئے نقل کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۔

اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے یعنی ایمان لانا سعادت ازلی پر موقوف ہے۔ ایمان وہی لائیں گے جن کے لئے توفیق الٰہی مساعد ہو اس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ سب ایمان لے آئیں اور راہ راست اختیار کریں پھر جو ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں ان کا آپ کو غم ہوتا ہے۔ اس کا آپ کو غم نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ازل سے جو شقی ہے وہ ایمان نہ لائے گا تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کو قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور اس کی مشیت سے۔ اور ایمان میں زبردستی نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایمان ہوتا ہے۔ تصدیق اور اقرار سے اور جبر و اکراہ سے تصدیق قلبی حاصل نہیں ہوتی۔

صاحبِ جلالین کی ایک مختصر عبارت ملاحظہ کیجئے۔

أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ (مَا لَمْ يَشَاءِ اللَّهُ مِنْهُمْ) حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔

کیا آپ لوگوں پر زبردستی فرمائیں گے اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے ان سے نہ چاہا تاکہ وہ مومن ہو جائیں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

قرآن حکیم کی ایک تیسری آیت بھی پیش نظر رکھیں جس کے ترجمہ و تفسیر میں کنز الایمان کا ترجمہ اور خزائن العرفان کی تشریح یکجا کر دی گئی ہے۔ خالق کائنات اللہ عزّ و جلّ کا ارشادِ ناطق ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی اُمّت کر دیتا تو سب ایک ہی دین پر ہوتے (لیکن اللہ تعالےٰ نے ایسا نہیں چاہا اس لئے وہ اب اور ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔ کوئی کسی دین پر مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور وہ دین حق پر متفق رہیں گے اور اس میں اختلاف نہ کریں گے۔ اور لوگ اسی لئے بنائے ہیں یعنی اختلاف والے اختلاف کے لئے اور رحمت والے اتفاق کے لئے اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور آدمیوں کو ملا کر کیوں کہ اس کو علم ہے کہ باطل کے اختیار کرنے والے بہت ہوں گے۔

سورہ ہود کی مذکورہ بالا آیت کے سلسلہ میں صاحب جلالین کی مخصوص تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ اس سے تفسیر خزائن العرفان کی مزید تائید ہو سکے۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (أَهْلَ دِينٍ وَاحِدٍ) وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ (فِي الدِّينِ) إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ (أَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُونَ فِيهِ) وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (أَيْ أَهْلَ الِاخْتِلَافِ لَهُ وَأَهْلَ الرَّحْمَةِ لَهَا) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ (وَهِيَ) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ (الْجِنِّ) وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

قارئین کرام! مجھے مذکورہ بالا تحریر سے صرف یہی بتانا مقصود ہے کہ اختلافِ عقائد اور معرکہ حق و باطل کوئی نئی چیز نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ محض اُسے وقتی اور جزوی شئے سمجھ کر اس سے چشم پوشی یا پہلو تہی کر لی جائے۔ بلکہ آیات کریمہ نے عقل انسانی پر یہ بات اچھی طرح واضح اور آشکارا کر دی کہ نوح علیہ السلام کے عہد مسعود ہی سے حق و باطل کی آویزش اور اختلاف و عقائد کا معرکہ عالم انسانی میں نظر آ رہا ہے۔

پھر حکمتِ الہیہ اور منشاءِ ربانی نے اس کی مدافعت . . .

اور اصلاح کے لئے جس طریقہ کار کو پسند فرمایا وہ بھی آیاتِ بالا سے واضح ہے. خلاقِ کائنات یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ اختلاف کا وجود ہی نہ ہونے دیتا اور دنیا کے تمام انسان ایک دین حق پر گامزن ہوتے. لیکن اس نے ایسا نہ فرمایا. یقیناً اس میں بھی خلاق دو عالم کی عظیم مصلحت اور عظیم حکمت ہے. خیر و شر حق و باطل جنت و جہنم، ثواب و عقاب اور کفر و ایمان کے منازل و مدارج بھی تو حکمت الہیہ پر مبنی ہیں.

پھر مرسلین عظام اور ہادیانِ کرام کی بعثتِ طیبہ اور ان کے عملی جد و جہد کی منزلیں پھر ان پر بے پایاں ثواب کا ترتب بھی مشیتِ ربانی کا ایک عظیم شاہکار ہیں. جن کا وجود اسی صورت میں ممکن ہے. جب اختلافِ عقائد اور حق و باطل کی معرکہ خیزی عالم وجود میں نظر آئے.

سلسلۂ حرب عقائد اور فتنۂ ارتداد

قرآنِ حکیم کے واضح الفاظ سے اس غیبی یقینی خبر کی اطلاع بھی ملتی ہے کہ حق و باطل کے معرکہ کی یہ اعتقادی جنگ جب سے ستیزہ کار ہوئی اس وقت سے اب تک جاری ہے. یہاں تک کہ عقائدِ حقہ و باطلہ کی جنگ اس آخری امت یعنی امت مسلمہ میں بھی جاری رہے گی۔ دین اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگ ارتداد (دین سے مرتد ہونے) کی راہ اختیار کریں گے.

قرآن پاک کے وجود اعجاز میں سے ایک اہم وجہ "اخبار بالغیب" غیب کی خبریں دینا ہے. قرآن کریم کی اس غیبی خبر کے مطابق "مرتدین" کی جماعت ظاہر ہوتی رہی ہے. اس کے ثبوت کے لئے نہ آپ کو دور جانے کی ضرورت ہے اور نہ آج کی خبر پوچھنے کی حاجت ہے. صدرِ اوّل کی اولین منزل خلیفۂ اوّل کی خلافت کے آغاز ہی میں ارتداد کا فتنہ رونما ہوا اور منکرین زکوٰۃ کی ایک جماعت نکل آئی. خلیفۂ اسلام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سربر آرائے خلافت ہوتے ہی اس فتنۂ عظیمہ کے مدمقابل آئے اور انہیں بوجوہِ حسن اور بہ رنگ تشدد اس فتنہ سے نمٹنا پڑا اور آج تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اور یہ حدیث حدیث منقطع نہیں بلکہ مسلسل ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اب سورۂ مائدہ شریف کی اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت سے شرف حاصل کیجئے. يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ الخ

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا۔ کفار کے ساتھ دوستی و موالات بے دینی و ارتداد کی مستدعی ہے۔ اس کی ممانعت کے بعد مرتدین کا ذکر فرمایا اور مرتد ہونے سے قبل لوگوں کو مرتد ہونے کی خبر دی. چنانچہ یہ خبر صادق ہوئی اور بہت سے لوگ مرتد ہوئے تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ پیارے اللہ کے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والوں کا اندیشہ نہیں کریں گے۔

یہ صفت جن کی ہے وہ کون ہیں؟۔ اس میں کئی قول ہیں. حضرت علی مرتضےٰ و حسن و قتادہ نے کہا کہ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب ہیں. جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہونے اور زکوٰۃ کے منکر ہونے والوں پر جہاد کیا. عیاض بن غنم اشعری سے مروی ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی. سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی نسبت فرمایا کہ یہ اُن کی قوم ہے. ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ اہل یمن ہیں جن کی تعریف بخاری و مسلم کی حدیثوں میں آئی ہے۔ سُدّی کا قول ہے کہ یہ لوگ انصار ہیں جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ان اقوال میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ان سب حضرات کا ان صفات کے ساتھ متصف ہونا صحیح ہے۔ اس جگہ بھی رضوی ترجمہ اور تفسیر نعیمی کو یکجا پیش کیا گیا ہے. اس کی مزید تائید کے لئے جلالین شریف کی اس عبارت کا مطالعہ فرمائیے۔

یاایھا الذین آمنوا من یرتدد (بالفک والادغام) یرجع منکم عن دینہ الی الکفر اخبار بما علم تعالیٰ وقوعہ وقد ارتد جماعۃ بعد موت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسوف یاتی اللہ بدلھم بقوم یحبھم ویحبونہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ھم قوم ھذا واشار الی ابی موسی الاشعری رواہ الحاکم فی صحیحہ اذلۃ عاطفین علی المومنین اعزۃ اشداء علی الکفار یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم فیہ کما یخاف المنافقون لومۃ الکفار ذالک المذکور من الاوصاف فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع کثیر الفضل علیم بمن ھو اھلہ۔

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا (یرتدد کی قرآت فک کے ساتھ بھی ہے یعنی دو نون دالوں کے ساتھ اور ایک قرات ادغام کے ساتھ بھی ہے یعنی ایک مشدد دال کے ساتھ) یعنی جو کوئی اپنے دین سے کفر کی طرف لوٹے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کی خبر دی گئی ہے جس کا واقعہ ہونا علم الٰہی میں طے ہو چکا ہے چنانچہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ کے پردہ فرمانے کے بعد ایک جماعت مرتد ہو گئی تو عنقریب مرتد ہونے والوں کے عوض میں ایسی قوم کو منصہ شہود پر ظاہر فرمائیگا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب بنائے گا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت فرمائیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے یہ ظاہر ہونے والے حضرات مومنین کے حق میں نہایت ہی رحیم و مہربان ہوں گے اور کافروں پر نہایت ہی سخت و شدت کرنیوالے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد ہوں گے اور اس دینی مجاہدہ میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا اندیشہ خاطر میں نہیں لائیں گے جسطرح منافقین کافروں کی ملامتوں سے ڈرتے ہیں یہ مذکورہ اوصاف اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ کثیر وواسع الفضل ہے اور وہ اس فضل کے اہل کو خوب جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ خود ایمان کا دعویٰ کرنے والوں اور بظاہر اسلامی لبادہ اوڑھنے والوں میں بھی مرتدین کی ایک جماعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ فرمائی کے فوراً بعد صحابۂ کرام کے عہد اولین ہی میں ظاہر ہوئی جس کے مقابلہ اور انسداد فتنہ کے لئے خود صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صف آرا ہوئے۔ معرکۂ جہاد میں فی سبیل اللہ مجاہدین بن کر نظر آئے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا قطعی اندیشہ وفکر بھی نہیں کیا یہی وہ حضرات ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنے مخصوص فضل سے نوازا اور خالق کائنات کی بے انتہا عنایتوں نے انہیں سارے عالم سے ممتاز بنا دیا۔

نفاق، کفر سے زیادہ خطرناک ہے!

قانون الٰہی کی اس عظیم دفعہ سے کسی کو بھی انکار کی قطعی گنجائش نہیں کہ نفاق کی صفت کفر کی صفت سے زیادہ خطرناک ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ خصوصاً دین میں اختلاف اور عقائد میں فساد کا فتنہ تو اس قدر مہلک اور مضر ہے۔ جس کی شناخت اہل علم اور اہل بصیرت حضرات کے علاوہ دوسروں کے بس کی بات نہیں اختلافِ دین اور فسادِ عقائد کے فتنہ سے نبرد آزما ہونے کے لئے اس فتنہ عظیم کا مجاہدانہ مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نیک بندوں میں سے کسی مخصوص بندہ کو منتخب فرماتا ہے پھر مولیٰ تعالیٰ اُسے اپنی تائید خصوصی سے نوازتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ اعزاز دین اور فروغ شریعت کا وہ عظیم کارنامہ انجام پاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے مطابق ہوتا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں صرف اسی امر پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ محض ارتداد کی خبر دے کر سکوت فرما لیا گیا ہو۔ حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت کے ظہور پذیر ہونے کی بھی اطلاع دی گئی جو ہر لحاظ سے برگزیدہ اور پسندیدہ جماعت ہو گی۔ پھر اس کارگاہ کائنات میں ان کا فعل وعمل کیا ہو گا۔ ان صفتوں کو بھی واضح کر دیا گیا کہ وہ حضرات عرصات جد وجہد میں اپنی پامردی استقامتِ دینی اور عزیمانہ شان کے ساتھ ہمیشہ مشغول کار رہیں گے۔ وہ کسی کے برا بھلا کہنے اور ملامت کرنے سے بے نیاز ہو کر اپنی لگن میں مست رہیں گے۔ اِن کے کاموں کا سلسلہ جاری رہے گا اور انہیں جنگی آثار اور

پڑھا ؤ کا مطلقاً کوئی ڈر اور اندیشہ نہیں ہوگا۔ یہ نفوسِ قدسیہ ہر آن اور ہر حال میں مرضی مولیٰ از ہمہ مولیٰ کو اپنا شعارِ زندگی اور وظیفہ حیات بنائے ہوئے اپنے قدموں کو تیز سے تیز تر کرتے رہیں گے اور ان کے تارِ نفس کا سلسلہ رضائے مولیٰ کی حبل المتین کے ساتھ ہر حال میں وابستہ نظر آئے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ایک اور میثاقِ خصوصی کا تذکرہ فرمایا جس کے مطالعہ کا شرف آپ کے لئے سلسلہ تحریر میں مفید ثابت ہوگا۔ سورۂ آل عمران شریف کے اختتام کے قریب اس میثاق کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون

اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے تو کتنی بری خریداری ہے۔

ترجمہ کے بعد اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں

"اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا۔ اللہ تعالےٰ نے علمائے توریت و انجیل پر واجب کیا تھا کہ ان دونوں کتابوں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرنے والے جو دلائل ہیں وہ لوگوں کو خوب اچھی طرح شرح کر کے سمجھا دیں اور ہرگز نہ چھپائیں تو انہوں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے اور رشوتیں لے کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا جو توریت و انجیل میں مذکور تھے تو کتنی بری خریداری ہے۔ علم دین کا چھپانا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص سے کچھ دریافت کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اس نے اس کو چھپایا روزِ قیامت اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

(مسئلہ) علماء پر واجب ہے کہ اپنے علم سے فائدہ پہونچائیں اور حق ظاہر کریں اور کسی غرضِ فاسد کے لئے اس میں سے کچھ نہ چھپائیں"۔

عہد و میثاق کی صورتیں

حضراتِ گرامی! اگر آپ قرآن کریم کی تلاوت کا ذوق رکھتے ہوں گے اور اس سعادت کا لطف ہر صبح و شام اٹھاتے ہوں گے تو اس میں جا بجا کچھ عہود، مواثیق کے تذکرہ کی آیتیں بھی پڑھتے رہے ہوں گی۔ ان میں حسب ذیل باتوں پر عہد و میثاق کا تذکرہ ملا ہوگا۔

(۱) توحید الٰہی و ربوبیت باری کا عہد:- اس ضمن میں جو آیت کریمہ ہے اس کا یہ جزو "الست بربکم قالوا بلیٰ" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سبھوں نے کہا ہاں کیوں نہیں) عوام و خواص کی زبان زد ہے۔

(۲) رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثنا کا عہد میثاق:- یہ میثاق انبیائے کرام سے ابلغ نظام اور افصح کلام کے ساتھ ہی خصوصی طور پر لیا گیا۔ یقیناً انبیائے عظام کی تخصیص تعمیم امم کی خاطر تھی۔ کیونکہ جس کے امام کو رسالتِ عامہ کا پابند کیا گیا ہو ان کے مقتدی اس قید سے کس طرح آزاد ہو سکتے ہیں امتوں کے انبیاء جس عہد میں داخل ہیں ان کی امتیں اس میں کیسے داخل نہیں ہوں گی، یہی مفہوم عقلی ہے جس کا انکار سراسر بدعقلی اور ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں۔ گویا ان دونوں میثاقوں کا مفاد ہی کلمۂ اسلام کی اصل اور بنیاد ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ میثاق اوّل میں لا الہ الا اللہ کا بیان ہے اور دوسرے میں محمد رسول اللہ کا تذکرہ ہے۔ (۳) انبیائے کرام سے تبلیغ رسالت اور تشریع شریعت کے عہد و میثاق کا بیان — ظاہر ہے یہی ان مقدس حضرات کی بعثت کا مقصد تھا اس لئے اس امر کی واضح نشاندہی قرآن حکیم کی آیات مقدسہ کرتی ہیں۔ (۴) ان علمائے ملت سے اخذ میثاق جو آسمانی کتابوں کے پابند ہیں:-

ان حضرات سے اس قسم کا میثاق لیا گیا کہ وہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عظمیٰ کے دلایل اور محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے فضائل و کمالات کی نشر و اشاعت تا دمِ آخر کرتے رہیں اور ہرگز ہرگز ان باتوں کو کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہ چھپائیں اور اس کتمان و حق پوشی کے جواز کے لئے کسی مصلحتِ قومی و اغراض سیاسی و خدماتِ ملی کو آڑ نہ بنائیں اور جو بھی احکام شرعیہ ہیں ان کو بہر حال جملہ مواقع و حالات میں آشکار کرتے رہیں۔ یہی ان کی جانب سے قوم و ملک کی خدمت ہوگی اور یہی ان کی صحیح سیاسی اقتصادی اور ملی خدمات ہوں گی۔ نازک سے نازک موقعہ پر بھی اس کو فراموش نہ کریں۔ جان جائے تو جائے مگر عظمتِ سرکارِ دو عالم پر حرف نہ آنے دیں بلکہ اس قسم کے شک و شائبہ کو بھی اس میں مخل نہ ہونے دیں۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ۔۔۔ ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

نوعِ انسانی کی تقسیم

ان مذکورہ بالا چاروں عہدوں اور میثاقوں پر خصوصی توجہ کیجیے پھر جملہ مذاہب و ادیان کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے ــــــ خصوصاً مذہب اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ پر نظر عمیق فرمائیے تو انسانی جماعت دو گروہوں میں منقسم نظر آئے گی اور نمایاں مذاہب و ادیان دو فرقوں میں بٹے ہوئے دکھائی دیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ ان ہی عہود و مواثیق کی بنیاد نے نوعِ انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں ایک جماعت "علمائے حق" کی ہے اور دوسری جماعت علمائے سو کی ہے علمائے حق ہمیشہ اپنے اعمال و اقوال و احوال سے حق کی اشاعت کرتے رہے اور کتمانِ حق کی معصیت سے کوسوں دور رہے۔ علمائے سوء کا ہمیشہ اس کے برعکس عمل رہا۔

علمائے سُوء کی دیدہ دلیری

عالموں کی یہ بدترین جماعت جنہیں علمائے سوء کہا جاتا ہے اسلام اور ہادیٔ اسلام کی عظمت کے خلاف رہی۔ پھر یہی الٹا غلط پروپیگنڈا بھی کرتے رہے کہ علمائے حق ہی فسادی، تفرقہ انداز، فتنہ انگیز اور شیرازۂ امت کو پراگندہ و منتشر کرنے والے ہیں۔ یہ علمائے سوء اپنے دفترِ جرم اور سرقۂ دین کو چھپانے کے لئے قوم و ملک کی خدمات کا سیاہ نقاب اپنے سیاہ چہروں پر ڈالتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ مجرمانِ حق پوش اور دُزدانِ گندم نما جو فروش اگر نئے نئے موم کی طرح عقاید و اعمال اور اپنی من مانی اختراعات و بدعات سے شریعت کی صورت مسخ نہ کرتے تو کبھی بھی افتراقِ ملت کی بھیانک صورت پیدا نہ ہوتی اور امت مسلمہ کبھی تشتت و افتراق کا شکار نہ ہوتی بلکہ ہمیشہ اتفاق و اتحاد کے مستحکم رشتہ میں منسلک اور منضبط رہتی۔

ذرا ان اندھی عقل والوں کی "اوندھی بات" تو ملاحظہ کیجیے کہ لوگوں کو چھوٹ دیدی جائے کہ وہ ہر دن نئے عقیدے گھڑیں اور اس کی بنیاد پر جماعت سازی کریں اس کے ماننے اور نہ ماننے پر اخروی نجات و عدمِ نجات کا مدار رکھیں اور اس سے امت مختلف خانوں میں بٹتی چلی جائے۔ یہ فعل عمدہ اور مستحسن بلکہ بہت عمدہ اور بہت اچھا۔ اس سے اتحادِ امت میں فرق نہیں آتا۔ لیکن جہاں علمائے حق نے اس باطل عقیدہ اور فاسد رائے کی مزاحمت و مدافعت کی اور امت کو وحدتِ عقائد کی دعوت دی تو دین و ایمان سے عاری اور غیرت و حیا سے خالی حضرات کو تفرقۂ امت کا جھوٹا غم ہونے لگا ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ ؏ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ان باطل پرست حضرات کی کھلی بددیانتی اور حماقت انگیز طریقۂ فکر پر تو نگاہ ڈالئے کہ جدید عقیدہ سازی سے حربِ عقائد کا بازار گرم کر کے امتِ مسلمہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے متحدہ محاذ بناتے ہیں اور دعوتِ اتحاد دیتے ہیں حالانکہ اتحادِ امت کے غم میں گھلنے والوں کو سب سے پہلے ایک عقیدہ صحیحہ مطابق شرع کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب عقیدہ ایک ہوگا، عقائد مختلف نہ ہوں گے پھر خود ہی اتفاق و اتحاد اور محبت و وداد کے رشتہ میں سبھی منسلک ہو جائیں گے اور (واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً) منظر دنیا کے سامنے ہوگا لیکن

نیشِ عقرب نہ از پئے کیں است ‏ ‏ مقتضائے طبیعتش ہیں است

بچھو کا ڈنگ مارنا کینہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی طبیعت کا مقتضا ہی یہی ہے۔ یہی حال علمائے سوء کا ہے کہ بدعقیدگی، اہانتِ رسول، تحقیرِ رسالت اور مسلمانوں کی دل آزاری اب کینہ کی منزل سے ہٹ کر ان کی فطرت و طبیعت بن چکی ہے۔

یہ بات یقیناً آپ کے مشاہدہ میں ہوگی۔ آپ حالات ملکی پر نظر کرنے کے بعد کبھی کبھی غور بھی فرماتے ہونگے کہ ملک میں اتنی سیاسی جماعتیں کس طرح ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک کانگریس، مسلم لیگ سے اتنی پارٹیاں کیسے پیدا ہوگئیں تو اس کا جواب صرف یہی ہے کہ اصول و نظریات جیسے جیسے بدلتے گئے جماعتیں بنتی گئیں۔ اسی طرح ادیان و مذاہب کے اختلاف کو بھی سمجھنا چاہیے۔

علمائے حق کی مدح وثنا

علمائے حق، ہادیانِ دین، غازیانِ اُمت جو اہل باطل سے برسرِ پیکار ہیں اور رہے ہیں ان کی تعریف و توصیف یوں تو قرآن کریم کی بہت سی جگہوں میں ہے۔ مگر میں صرف سورۂ مجادلہ شریف کی چند آیتیں نقل کر رہا ہوں یہ آیتیں ارشاد ربانی کا وہ آئینہ مجلّٰی و معیار مصفّٰی ہیں جس میں مدعیوں کی صورتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور دیکھ کر اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز و شناخت پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس معیار پر جانچ اور پرکھ کر کھرے کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

باری تعالےٰ کا ارشاد مقدس ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

آیاتِ بالا کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمۂ رضویہ و تفسیر نعیمی پیشِ نظر ہے۔

"تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے مخالفت کی یعنی مومنین سے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور ان کی یہ شان ہی نہیں اور ایمان اس کو گوارا ہی نہیں کرتا کہ خدا اور رسول کے دشمن سے دوستی کرے اس آیت سے معلوم ہوا کہ بددینوں اور بدمذہبوں اور خدا اور رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں سے مودّت اور اختلاط جائز نہیں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ والے ہوں چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے جنگ اُحد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روز بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لئے طلب کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روز بدر قتل کیا اور حضرت علی بن ابی طالب و حمزہ و ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ و شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو ان کے رشتہ دار تھے خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو قرابت و رشتہ داری کا کیا پاس؟ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد کی۔ اس روح سے یا اللہ کی مدد مراد ہے یا ایمان یا قرآن یا جبرئیل یا رحمتِ الٰہی یا نور اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی بہ سبب ان کے ایمان و اخلاص و طاعت کے اور وہ اللہ سے راضی اس کے رحمت و کرم سے۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔"

جس طرح اس جگہ حزب اللہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس سے متصل اوپر کی آیتوں میں حزب الشیطان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ

يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ

ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلادی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتاہے بے شک شیطان کا گروہ ہار میں ہے کہ جنت کی دائمی نعمت سے محروم اور جہنم کے ابدی عذاب میں گرفتار۔ بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا لوح محفوظ میں کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول حجت کے ساتھ یا تلوار کے ساتھ بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

قارئین کرام! قرآن حکیم کے اسلوب بیان وطرز ادا پر توجہ فرمائیے تو جگہ بہ جگہ آپ کو یہ بات نظر آئے گی کہ کافرین ومومنین کا تذکرہ پہلو بہ پہلو ہے۔ جہاں مومنین کا ذکر ہے وہیں کافروں کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی طرح حزب الشیطان اور حزب اللہ کی متضاد اور بابہ الامتیاز صفتوں کا ذکر بھی نظر آئیگا۔

ان آیات کی روشنی میں اگر اسلامی تاریخ کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو آپ کو رزم گاہِ عقائد میں دونوں گروہ اپنے اوصاف کے ساتھ برسرپیکار نظر آئیں گے۔ اس تاریخ کا کماحقہٗ تذکرہ صدی بہ صدی کے ساتھ تحریر کرنا اس مختصر سے مقالہ کے لئے ممکن نہیں اس لئے محض تمہید اور مقصدِ اصلی کے ربط کی خاطر ایک اجمالی خاکہ اپنے ذہن میں مرکوز فرمائیے۔

(۱) بنی امیہ کے امراء وحکام کی بدعتوں نے جب اپنے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کئے اور اسلام کی مستقیم شاہراہ غبار آلود ہونے لگی تو اللہ تعالےٰ نے امیر المومنین سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو ان بدعتوں کی تغیّر وازالہ کے لئے سریر آرائے خلافت کیا جنہوں نے لوگوں کو صحیح کتاب وسنت ومنہاجِ نبوت پر قائم کرنے کی کوشش کی اس لئے اس مقدس خلیفہ کو اسلام کا پہلا مجدد مانا جاتا ہے۔

(۲) خلقِ قرآن کے فتنہ کے وقت حضرت امام احمد بن حنبل کی جاں فشانیاں وقربانیاں پھر اللہ تعالےٰ کی راہ میں ہر طرح کی رسوائیوں کا برداشت کرنا اظہر من الشمس ہے۔ احیائے سنت کی مزاحمت ودفاع میں ان کے ایمان افروز اقدام کو کبھی داستانِ کہن سمجھ کر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) جب یونانی فلسفہ کے تراجم عربی زبان میں ہوئے اور ان ترجموں نے مسلمانوں میں بے جا عقلیت کا جنون پیدا کر دیا پھر اسی جنون کی وجہ سے فرقۂ معتزلہ پیدا ہوا تو اس کے ازالہ کے لئے حجۃ الاسلام امام غزالی کی بیش بہا تصنیفیں حمایتِ حق ہی کی خاطر عالمِ وجود میں آئیں جس سے دنیا پوری طرح واقف ہے۔

(۴) جب تیمیائی (ابن تیمیہ کا) اعتقادی بدعتوں کا شگوفہ چھوڑا گیا تو اس کے ازالہ کے لئے اس وقت کے علمائے حق نے سیفِ لسان وقلم دونوں کو حرکتیں دیں چنانچہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اس سلسلہ میں بہت بلند ہے اور ان کی تصنیف "شفاء السقام" معرکۃ الآراء ہے۔

(۵) سرزمینِ ہند میں جب الفِ ثانی (دوسرے ہزارہ) کے آغاز میں اکبری فتنہ دین الٰہی کا آغاز ہوا تو اس سلسلہ میں امامِ ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے جو لسانی اور جنانی جنگیں کی ہیں ان کی یاد تازہ ہے۔ اور یہ ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

چودھویں صدی کا عہد

مندرجہ بالا تاریخی حقائق کی روشنی میں اب چودھویں صدی کے عہد کا یعنی تیرہویں صدی کے دورِ آخر اور چودھویں صدی کے دورِ اولین کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیجئے۔ اس عہد میں ہندوستان کی سیاست کا مقام کیا تھا، مسلمانوں کی دینی حالت کیا تھی ان کی اقتصادی حالت روبہ زوال تھی یا روبہ ترقی۔ اس دور میں اسلامی عقائد کس نہج پر تھے نت نئے بدعی عقائد اور کفری خیالات اشاعت پذیر ہو رہے تھے یا نہیں۔ ان امور پر غور وفکر کیا جائے۔

مثل مشہور ہے "الْأَشْيَاءُ تُعْرَفُ بِأَضْدَادِهَا" چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اس قاعدہ کے مطابق اس عہد کے پس منظر کو جاننا اور اس کے گرد وپیش کا مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے۔

ہندوستان سے مغل حکومت کا اختتام اور اس کے بدلے انگریزی تسلّط کا آغاز کچھ عرصہ قبل ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ انقلاب حکومت اپنی آغوش میں بہت سے فتنوں کو دبائے ہوئے رونما ہوتا ہے۔ ذرا ان فتنوں کا مختصر خاکہ ملاحظہ کیجئے۔ سب سے پہلا فتنہ نیچریت کا بنام اسلام رونما ہوا۔ یہ فتنہ کلی طور پر دبا بھی نہیں تھا کہ نیچریت کے بطن سے ندویت پیدا ہوئی۔

یہ فتنہ ایسا دل نشیں و دل فریب تھا کہ اچھے اچھے اپنے وقت کے سنی علماء بھی اس کے فریب میں آگئے۔ اسی کے ساتھ وہابیت و نجدیت کے عقیدہ کو زیبِ گلو اور تاج سر بناتے ہوئے دیوبندیت کے فتنہ نے سر اٹھایا۔ دیوبندیت کے فقہی و اقتصادی نظریات کے بل بوتے پر قادیانیت نے نئی نبوت کی ترویج و اشاعت شروع کر دی، گویا یہ زمانہ بدعقیدگی کے احزاب کا زمانہ بنا ہوا تھا العیاذ باللہ جس طرح دارالایمان شہر مدینہ پر احزاب کفار نے جنگ مسلط کر دی تھی اسی طرح ہندوستان میں شریعت نبویہ پر اس احزاب کفر نے حملہ بول دیا تھا۔ مگر بعونہٖ تعالیٰ احزابی جنگ میں سرکار فاتح رہے، اسی طرح شریعت نبویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ اعلیٰ حضرت کے بدولت مظفر و منصور رہی، یہ زمانہ اکابر علماء سے خالی نہ تھا۔ اس عہد میں دینی و سیاسی و ملّی فتنے جو مختلف انداز سے سر اٹھائے ہوئے تھے ان کی سرکوبی جزوی طور سے بعض علمائے کرام نے بھی کی لیکن ہر محاذ پر عزیمانہ قوت قلبی کے ساتھ نبرد آزما ہونے والی ذات تنہا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہی کی تھی۔ خالق کائنات نے بے شک و شبہ اعلیٰ حضرت ہی کے حصّہ میں یہ نعمت عظمیٰ مقسوم فرمائی تھی۔ یوں تو سرزمین عرب میں زین الحرم شیخ الاسلام علامہ سیّد دحلان اور علامہ شامی وغیرہم نے اہل نجد کی سرکوبیاں فرمائی تھیں لیکن سرزمین ہند میں تمام فتنوں کا مقابلہ اور تمام بے دین جماعتوں کی سرکوبی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمائی۔

امام احمد رضا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ [illegible] کی ولادت با سعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ کی مقدس تاریخ میں ہوئی سرزمینِ ہند میں بریلی شریف کا مقدس خطہ آپ کے منصہ شہود میں آنے کی منزل قرار پایا۔ آپ نے ۱۲۸۶ھ میں علوم مرّوجہ درسیہ سے فراغت حاصل کی اور مسندِ افتا پر بٹھائے گئے اس دن سے ان کی زندگی کا اگر ایماندارانہ جائزہ لیا جائے تو ان کا مجدّدِ کامل ہونا مہر نیم روز کی طرح ظاہر و آشکارا ہے۔ آپ کی تقریری و تحریری جامعیت، علوم حقّہ کی فراوانی، آپ کی مدافعانہ و مصلحانہ تصنیفات، ہر فتنہ اور ہر محاذ سے مقابلہ کے لئے آپ کی عزیمانہ شان، کتابوں کے لاکھوں صفحات پر آپ کے علمی شاہکار تقریباً تمام اہم اور مفید عنوانات پر آپ کے علمی رسائل اور جملہ فنون پر آپ کی تصنیفیں و تشریحیں ہر اہل علم پر اس بات کو واضح و آشکارا کرتی ہیں کہ خلاقِ کائنات نے جامع علوم و فنون بنا کر خاص خدمت دینی ہی کے لئے آپ کو منتخب فرمایا تھا اور ان تمام خوبیوں کا جامع ہی مجدّدِ وقت کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔

مجھے پیشِ نظر مقالہ میں صرف اسی عنوان پر بحث مقصود ہے کہ اعلیٰ حضرت کے عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی جو تعلیمی تہذیبی، ملی اور سیاسی حالت تھی اور مسلمانانِ ہند جس بحرانی کیفیت سے دوچار تھے۔ ایسے عالم میں اعلیٰ حضرت کا موقف کیا رہا اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی مجددانہ انداز میں کس طرح فرمائی۔ کیونکہ یہ امر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات سے بخوبی واضح ہے کہ نیچریت، ندویت، قادیانیت و وہابیت اور دیوبندیت کے فتنوں کا ازالہ انتہائی محققانہ انداز میں فرمایا گیا ہے۔ اس لئے مجھے ان عنوانات سے مفصل بحث کا مقصود نہیں۔ جو عنوان بحث مقصود ہے۔ اس پر بھی اعلیٰ حضرت کا رسالہ "المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ" موجود ہے جس کی اشاعت ہو چکی ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس ضمن میں بھی جس عزیمانہ شان سے صحیح فیصلہ اور درست رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اعلیٰحضرت کی قومی و سیاسی خدمات

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کی ہمہ مکھی بیدینی کا عزیمانہ مقابلہ کیا، چاہے یہ بے دینی سیاست کے روپ میں ابھری ہو۔ چاہے مذہب کے نام پر ہو یا

اصلاح قوم وملت کے نام پر۔ نیچریت کے سلسلۂ ردّ میں جو کچھ آپ نے لکھا وہ بھی محفوظ ہے اگرچہ نگاہوں سے اب اوجھل ہے "صمصام حسن" کے یہ چند اشعار سماعت فرمائیے۔ جس کو خود اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالۂ مبارکہ "المحجة المؤتمنة فی آیات الممتحنة" میں نقل فرمایا ہے۔ یہ رسالہ اپنے مضامین ومباحث میں بے نظیر ہے۔ اور تصانیف کی دنیا میں شاہکار ہے۔

نیچریوں کا رد

NATURE ۱ ~~ MATURE ۱

C... ۲ ... ۳

نیچریاں راست خدا در کمند	نیچر[۱] و قانون[۲] در پائے بند
سر نتواند کہ ز نیچر کشند	خط بہ خدا تیش سینچر کنند
کیست سنیچری دا ایس آئی سٹ[۳]	گول بگول آمدہ نیچر پرست
چوں شدہ استارۂ ہند آں دغل	نحس وبلند آمدہ ہمچوں زحل
عرش وفلک جن وملک حشر تن	مار وجناں جملہ غلط کرد وظن
کیست نبی پُر دلِ پُر جوش گو	وحی چہ باشد سخن جوش او
بر زدہ بر ہم ہمہ از اصل وفرع	دین نو آورد ونو آورد شرع
ریش حرام ست ودم فرق فرض	حج سوئے انگلینڈ بود قطع ارض
گفت بیا قوم شنو قول من	ہیں سوئے اعزاز برد قوم من
ذلت تا دین مسلمانی ست	وائے بر آنکس کہ نہ نصرانی ست

رسالۂ مذکورہ میں اشعار مذکورہ کے پہلے مصنف علیہ الرحمہ والرضوان نے اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حضرات انگریزوں کی خوشی کے لئے اس ہے ایماء سے تحریک خلافت کی مخالفت میں دینی فتویٰ دے کر مسلمانوں کو بہکا رہے ہیں۔

"انصاف کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کے خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا یا ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو صراحتہً کلام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا۔ مسلمان کو غدا لگتی کہنا چاہیے۔ کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کئے یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے وہ جو پر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اونچی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا وہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔ کیا بکثرت رسائل ومسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے؟ حتیٰ کہ اس کے بچے "ندوے" کے رد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کئے جن میں جا بجا اس نیم نصرانیت کا ردّ بلیغ بھی ہے۔ یہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟

اب ندوہ کے بارے میں رد کے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ندویاں کیں جلوہ ز اسپیچ[۱] و لکچر[۲] می کنند	چوں بہ سنت می رسند آں کار دیگر می کنند
بخت ور خشِ تختِ دیں بیں جلوہ صدرش بر آں	پاڈری وسکاٹ[۳] با مسٹر[۴] برا اڈیٹر[۵] می کنند
ساز ونانہ عالماں بیں نظم بزم دیں بدیں	میز واسٹیج[۶] ڈکمٹ ہال دکلب گھری می کنند
مفت مفتی یافت ایں عزت کہ او را ہمنشیں	با اماماں جج وہم جنٹ[۷] دکلکٹر[۸] می کنند
مومن سگا لشہاچہ نالشہا کہ خود ایں سرکشاں	داد در داد ار ر ابرٹش[۹] گورنر[۱۰] می کنند

(1) SPEECH (۲) LECTURE (۳) SCOT (۴) MR. (۵) EDITOR (۶) STAGE (۷) GENT (۸) COLLECTOR (۹) BRITISH (۱۰) GOVERNOR

اس کے بعد وہ دل افروز ایمان انگیز روح پرور عبارت ملاحظہ کیجئے جس سے اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت اور سیاسی موقف بنیاد و نیز مسلمانوں کے مسائل تعلیم کے متعلق ان کی رائے و اصلاح ہویدا و آشکارا ہوتی ہے۔ اور آج اس کی صحت و استقامت ہر اسلامی درد رکھنے والوں کے نزدیک مسلّم ہے۔

"انگریزوں کی تقلید و فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت و نیچریت سے نجات بہت دل خوش کن کلمات ہیں خدا ایسا ہی کرے مگر صرف ترک امداد و الحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس آگ کو بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خاں نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں۔ انگریزی اور فضول سود و تضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو اور وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا؟ جیسا کہ عام طور پر مشاہد و معہود ہیں جب تک یہ چھوٹی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقائد حقہ و علوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں۔ دہریت و نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے کیا لیڈر اس میں ساعی ہیں ہرگز نہیں صرف امداد و الحاق ترک کراتے ہیں جو ظاہری تعلق ہیں اور تعلیمات کے گہرے تعلقات نہ چھڑاتے ہیں نہ چھوڑیں گے کیا اُن ہی میں نہیں وہ لوگ؟ جن سے پوچھا جاتا کہ صاحبزادوں کو قرآن نہ پڑھایا تو جواب دیتے کیا ان سے مسجد کے چندے پڑھوانا ہے کیا اب یہ جواب نہ دیں گے کہ پرانے علم سیکھ کر کیا کھائیں کیا انہیں شبلی کے شعر بھول گئے ؎

سیارے ہیں اب نئی چمک کے ؞ وہ ٹھاٹ بدل گئے فلک کے
اب صورتِ ملک و دیں نئی ہے ؞ افلاک نئے زمیں نئی ہے
سب بھول گئے ہیں یاں سبق کو ؞ گردوں نے الٹ دیا ورق کو
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم ؞ یعنی کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے ؞ اس دکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقویم کہن سے ہاتھ اٹھائیں ؞ تہذیب کے دائرے میں آئیں
سیکھیں وہ مطالب نو آئیں ؞ یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقیں
وہ گنج گراں دانشِ فن ؞ وہ فلسفۂ جدید بیکن[1] BACON
کیپلر[2] کی وہ نکتہ آفرینی ؞ نیوٹن کے مسائل یقینی KELLER[2]

اور بہ فرض غلط ایسا نہ بھی تو اکثر لیڈر کہ انہی تعلیمات نارعنہ کے بل پر لیڈر بنے کس مصرف کے رہیں گے؟ جب وہ مردود خود مطرود کیا اس وقت یہ شعر حالی ان کا ترجمان نہ ہوگا؟

جو کوئی قلی ہو تو کام آئے ؞ مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے

نصاریٰ کی یہ غلامی بلکہ پیر نیچر نے تمامی لیڈر جس کے اب زبانی خفا کی ہیں اور دل سے پرانے حامی اس کے نتائج تشبیہ و ضع و تحقیر شرع و شیوعِ دہریت و فروغ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی اب اگر بعد خرابی بسیار آنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہوں مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے۔"

اقتباسات بالا کو غور سے مطالعہ فرمائیے صاف مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی و سیاسی موقف کی صحیح ترجمانی ہے۔ انگریزوں سے مال نہ لینا اور اپنا مال انہیں دینا کہ یہ بات اقتصادی طور پر مسلمانوں کو مفلوج کرنے کی نہیں تھی۔ ایسی تعلیم جس سے مسلمان مسلمان ہی نہ رہے اور اپنے دین کی طرف سے بالکل اندھا بہرا بن جائے کیا یہ تعلیم دین کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے صحیح ہو سکتی ہے؟ اس لئے ایسی تعلیم

کے مفاسد کو بیان کر کے اعلیٰحضرت نے اس کی جگہ صحیح تعلیم کی تلقین فرمائی جس سے مسلمان مسلمان رہتے ہوئے سیاسی میدان کو جولان گاہ بنائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جائز تموّل سے کوئی حرج نہیں مسلمان رہتے ہوئے سریر آرائے سلطنت ہو جائے نورٌ علی نور مگر دین سے یک لخت ہاتھ دھو کر بادشاہ وقت ہو جائے۔ قارون جیسا سرمایہ اکٹھا کرلے، الحادی تعلیم کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرلے دنیا کے اعتبار سے یہ چیزیں لاکھ دیدہ زیب یادل فریب ہوں مگر عند اللہ پر کاہ سے بھی کمتر دبے وزن ہیں۔ اعلیٰحضرت نے اسی صحیح بنیاد کو برملا پیش کیا۔ میں نے تو مختصر سا اقتباس پیش کیا ہے۔ آیاتِ ممتحنہ والا رسالہ اہل اسلام از اول تا آخر غیر جانب دارانہ مطالعہ کریں تو صاف نظر آئے گا کہ اعلیٰحضرت کی چاہت مسلمانوں کی دنیاوی و دینی امور میں بالکل وہی رہی ہے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے کلام پاک اور اس کے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت رہی ہے سرمو بھی شریعت کا اختلاف کہیں نظر نہ آئیگا۔ ایک اقتباس صفحہ ۱۶ سے اور نقل کر رہا ہوں اسے بھی زینت نگاہ بنائیں۔ اور تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالف شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غایلہ ہے جس کی تحریم پر شرع مطہرہ سے اصلاً کوئی دلیل نہیں۔ دین پر قائم رہو مگر دین میں زیادت نہ کرو کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سلاطینِ کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے۔ جو وجوہ شناعت آپ نے ان مدارس میں لکھیں کہ امورِ مخالفِ اسلام حتیٰ کہ توہین حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام کی تعلیم داخل نصاب ہے۔ بے شک جو اس قسم کے اسکول ہوں یا کالج ہوں ان میں نہ فقط اخذ امداد بلکہ تعلیم و تعلّم سب حرام قطعی بلکہ مستلزم کفر ہے۔

.... کیا لیڈر صاحبان فہرست دکھائیں گے کہ ان برسوں کی مدت لاکھوں روپیوں کی اضاعت میں اتنا فائدہ مرتب ہوا۔ انہوں نے نوکریاں چھوڑیں۔ انہوں نے تجارتیں۔ انہوں نے زمینداریاں۔ طرفہ یہ کہ ان کے خون گرم حامی ہمدم و محرم۔ اخبارات اس ترک تعاون پر بڑے بڑے زور لگا رہے ہیں خود اپنے اخبارات و مطابع کیوں بند نہیں کرتے، ان صیغوں کو تو انگریزوں سے جو گہرے تعلقات ہیں دوسرے صیغوں کو کم ہوں گے کیا اوروں کے لئے شور و فغاں اور اپنے لئے نوش جان ....

حیرتے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس :: توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کم تری کنند

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سر کا .... جو ابھارنے میں آ گئے ان مصیبت زدوں پر جو گذر را گذری یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے۔ ہر آنگا مہ ٹکڑی اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں نہ ان کا کوئی انگریزی ریاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے ....

غور کیجیئے اعلےٰحضرت کی دینی وسیاسی بصیرت کا یہ عالم تھا۔ آخر جب اس حقیقت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو خود ان رہنماؤں نے محسوس کیا اور اس سے نکلنے لگے اور بچاؤ کی دوسری راہیں اختیار کرنے کے لئے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ خیر کچھ تو بچاؤ کیا اور بچے بھی لیکن کلی طور سے مسلمان ہر محاذ میں شکست خوردہ رہے۔

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دِل ترسیدم :: کہ دِل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اختتام مقالہ پر تتمہ و ضمیمہ کے طور پر چند اہم ضمنی باتیں گوش گذار ہیں آپ حضرات کی توجہ درکار ہے۔

(۱) سورہ مائدہ شریف کی آیتوں کے مضامین میں جن محبوبان خدا و محبانِ الٰہ کے ظہور کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔ اس کا مکمل مصداق اعلیٰحضرت کی کریمانہ ومرتاض ذات موصوف با علی صفات بھی ہے آپ کی حیات طیبہ کے قولی، عملی، تصنیفی کارنامے اس حقیقت کے شاہدان عدول ہیں خصوصاً (لا یخافون لومۃ لائم) کے پیکر تھے۔ اظہارِ حق کے وقت ان کے دِل میں خوف خدا و محبت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ شریعتِ غرّا کے مقابلہ میں اُن کا کوئی اپنا نہ تھا نہ کوئی پرایا نہ بیگانہ تھا نہ بیگانہ، نہ رشتہ تھا نہ کنبہ، نہ ہم خیال نہ مخالف، نہ پیر بھائی

تھا نہ کوئی استاد، بھائی "الحب للہ والبغض للہ" کی شراب معرفت نے بے درجام دل تھی۔

آخر تک کے وقت حضور رب وشہود محبوب رب کے سوا ان کی نگاہوں کے سامنے کسی اور کی تصویر نہیں ہوتی تھی محض رضائے خدا کی خاطر خدمت دین کا مشغلہ تھا اور کسی غرض ذاتی یا دنیاوی مفاد کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا۔ اس ہنر وخوبی کے اعتراف کے بجائے دشمن دین وایمان اس کو اعلیٰ حضرت کے لئے معائب ومطاعن کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ یہ سب کو العیاذ باللہ کافر کہتے ہیں نہ پیر بھائیوں کو چھوڑا، نہ ہم خیال علماء کو بخشا، نہ متصوفوں کو نظر انداز کیا پھر ہم کس گنتی میں ہیں۔

حالانکہ یہی ان کا ایمان کمال گواہی دے رہا ہے کہ آنجناب کو کسی سے ذاتی پرخاش نہ تھی نہ دنیاوی کدورت دغل وغش تھی۔ بلکہ بلا کم وکاست ورورعایت بیان شریعت ان کا کام تھا جس کی زد میں جو بھی آئے سو آئے مگر شریعت پر ضرب نہ آنے پائے اگر ایسا نہ ہوتا تو البتہ دیوبندی حضرات کہتے کہ دیکھئے میرا اور فلاں کا جرم ایک ہے لیکن ہماری تکفیر کی۔ فلاں صاحب ان کے ہم عقیدہ وہم خیال تھے اس لئے ان کی تکفیر نہیں کی یہ دورنگی محض اغراض دنیاوی کی بنا پر ہے۔

(۲) سورہ مجادلہ شریف نے فرمایا۔ اہل ایمان کا یہ حال نہ پاؤگے کہ جو مخالفین خدا ہیں اُن سے یارانہ، دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ اگرچہ انکے باپ، بیٹے بھائی کنبے ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں یہی ہے جن کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ اور "روح" سے ان کی تائید کی گئی ہے یہی اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی بامراد وکامیاب ہے "مفہوم"

اس آیت کے مفہوم کی قبا بھی اعلیٰ حضرت کے ایمانی قد زیبا پر زیب دے رہی ہے۔ آپ کی زندگی سے حزب اللّٰہی شان وحزب اللّٰہی کامیابی نمایاں ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی لمحہ بھر کے لئے بھی دشمن خدا سے مودت، رافت مداہنیت کی بو تک آنے نہیں دی۔ سیاسی معرکہ ہو تمدنی مسئلہ ہو، فقہی فتویٰ ہو، کلامی گفتگو ہو، قومی وملی بہی خواہیوں کا تقاضا ہو ہر محاذ پر دشمنان دین سے صف آرا پائیں گے۔ مگر "حزب الشیاطین" سے کہیں دوستانہ مراسم کا نام ونشان بھی نظر نہ آئے گا صرف با انصاف اہل ایمان کو اتنی سی زحمت گوارا کرنی ہو گی کہ آیا سورہ مجادلہ شریف کی مذکورہ آیت کے مضمون کا انطباق اعلیٰ حضرت کی حیات طیبہ پر ہوتا ہے یا نہیں۔ محنت کش طالب حق کے اپنی طلب کے اختتام پر صرف ایک جواب ہوگا۔ ضرور ضرور انطباق ہے اور کامل انطباق ہے جس میں ذرا بھی خلا نہیں۔

سیاست اور اسلام

(۳) مشکوۃ شریف۔ باب الامارۃ ص۳۲۰ میں یہ حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم متفق علیہ۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے انبیائے کرام ہی کے ہاتھ میں بنی اسرائیلیوں کی سیاست تھی۔ جب جب ایک نبی پردہ فرما جاتے تو دوسرے نبی صلی اللہ علی نبینا وعلیہ ان کے جانشین ہوتے (اسی طرح تمہاری سیاست میرے ہاتھ ہے) میرے بعد چونکہ بہ تحقیق کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہے اس لئے میری روپوشی کے بعد میرا جانشین کوئی نبی نہیں ہوگا۔

بلکہ خلفاء ہوں گے اور بکثرت مدعیان خلافت ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ حضور نے جواب دیا پہلے خلیفہ کی بیعت پر قائم رہنا پھر اس کے بعد جو اول ہے۔ اس کے زیر بیعت رہنا ترتیبی سلسلہ یہی برقرار رہے ان خلیفوں کا حق تم ادا کرنا خلفاء سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

اس حدیث کی نقل کا مقصد صرف اتنا ہے کہ نئی تعلیم وجدید روشنی والے مسلمان جو بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں دین الگ ہے اور

سیاست الگ اور علماء سیاست کیا جانیں یہ تو ہمارا پیدائشی حق ہے۔ وہ اپنے اس باطل عقیدہ وخیال سے توبہ کریں اور اپنا خیال درست فرمائیں۔

انبیائے کرام دین حق کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں اور دین کے جملہ شعبوں کی راہنمائی فرماتے ہیں۔ سیاست اہم شعبہ حیات ہے۔ اور اس کے نتائج وفوائد نہایت ہی دوررس ہوتے ہیں اس لئے نتیجہ بخش فائدہ رساں صحیح سیاست وہی ہے جو انبیائے کرام کی ہے۔ دین حقہ کی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انبیائی سیاست کو وہ اعلیٰ ومکمل مقام بخشا ہے۔ جو سیرت داں حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے علمائے حق ہی وارثِ رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہونے کی بنا پر وارثِ سیاست اسلامی بھی ہیں۔

اور نفاذِ سیاست کا اصلی حق بھی انہیں کا ہے۔ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کے ناشرین علماء ہر دور میں گذرے ہیں۔ چودھویں صدی میں سرکار ابطحا کے وارث علم وسیاست اعلےٰحضرت بھی تھے اس حقیقت پر آپ کی صدہا تصنیفیں گواہ ہیں۔ خاص کر رسالہ المحجۃ المؤتمنہ خاص اسی موضوع پر بے نظیر کاوش نگارش ہے۔

(۴) بہت سے معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ اعلےٰحضرت نے تکفیری مشغلہ اتنا بڑھایا اور اس میں بہت زیادہ وقت صرف کیا اس سے قوم وملت کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کا جواب وہ حدیث کریمہ ہے جو حضور پرُنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَاللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ حُمْرُ النَّعَمِ رواہ البخاری ومسلم عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

خدا کی قسم بے شک یہ بات کہ اللہ تیرے سبب سے ایک شخص کو ہدایت فرما دے تیرے لئے سُرخ اونٹوں کے مالک ہونے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے روایت کی ۱۲

یعنی کوئی دنیا کی دولت بٹورنے میں لگا ہے اس کو اس کی پروا اور کچھ مطلب نہیں کہ گمراہی دے دینی کیا ہے اور اسلامی صراطِ مستقیم کیا ہے۔ اور اس کے برعکس اہل ایمان اپنی پوری توانائی اُس جدوجہد میں نچوڑ دے کہ کس طرح لوگ راہ راست پر جائیں۔ اس کی وجہ سے ایک بھی ہدایت یاب ہوگیا تو یہ آخرت کے اعتبار سے زیادہ فائدہ میں رہا اور پہلا چند روزہ متاع دنیا کی لذتوں کے بعد برابر گھاٹے وخسارے میں رہے گا۔ اعلیٰحضرت کی بروقت حق گوئی حق بینی حق نویسی نے نہ معلوم کتنے لوگوں کو گمراہی سے بچالیا اور کتنے کج رَو صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگئے اور اگر ایک دو ہی ہدایت یاب ہوئے ہوں تو اعلےٰحضرت کے حق میں بشارت کبریٰ ہے اگر بالفرض کوئی بھی راہ حق قبول نہ کرتا تو اس میں بھی اعلےٰحضرت کا کیا نقصان کیا حدیث شریف میں نہیں آیا کہ بعض انبیا پر اُن کی امت کا ایک فرد بھی ایمان نہیں لایا۔

سیاست اور اعلےٰحضرت

(۵) اصل حقیقت اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی ہے۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایک حقانی، ربّانی عالم باعمل کا فریضہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ وحقہ کا اظہار کرے بخصوصاً اس وقت جب کہ بدعات کا شیوع ہوا اور لوگ شریعت کی تبدیلی کے درپے ہوں چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ :-

اذا ظہرت الفتن اوقال البدع فلیظھر العالم علمہ ومن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللّٰہ منہ صرفًا ولاعدلا۔

جب فتنے یا فرمایا بد مذہبیاں ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت۔ اللہ اس کا نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

اس حدیث کے مضمون کے مطابق ہمیشہ علمائے اہلسنت نے ہر بدعی عقاید و اعمال سیاست و معاملات کے ظہور کے وقت کتاب و سنت کی تیغ برہنہ بن کر ازالہ منکر کے لیے ہمہ تن مصروف ہوتے آئے ہیں یہی فریضہ اپنے زمانہ کے بدعی عقیدوں عملوں سیاستوں کے ظہور کے وقت اعلیحضرت نے بھی انجام دیا۔

اسلام میں ازالۂ منکرات ہی کے لئے جہاد کی تعلیم دی گئی ہے۔ زمانے کے لحاظ سے اس جہاد کی تین قسمیں ہیں ۱۔ سنانی: یہ قسم امام یا بادشاہ کی زیر قیادت ہی ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ ہر شخص اس فرض کے ساتھ مامور نہیں۔

(۲) لسانی: یعنی زبان و قلم سے ازالۂ منکر کا حق ادا کیا جائے۔ یہ کام بحمد اللہ تعالےٰ خادمین شریعت ہمیشہ سے کر رہے ہیں اور اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد شامل حال رہی تو دم آخر تک کریں گے۔ اسی جہاد لسانی کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے اعلیٰ حضرت نے وہابیہ، نیاچیرہ، دیابنہ، قادیانیہ، غیر مقلدین ندویہ، آریہ، نصاریٰ و غیرہم کا رد فرمایا اور اس ازالہ منکر پر سختی سے قائم رہے اسی دینی فریضہ کا تقاضا تھا کہ اعلیٰ حضرت ایک متحدہ سیاسی گمراہی سے بھی برسرپیکار ہوئے اور اس حق بیانی کے صلے میں بہت ایذائیں سہیں جن کو ان کی عزیمت نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

(۳) جنانی: یعنی کفر و بدعت، فسق کو دل سے برا جاننا یہ قلبی جہاد ہر کافر، بدعتی اور فاسق سے ہر سچے مسلمان کو حاصل ہے۔ وہ ایسوں کو دل سے ضرور برا جانتے ہیں مگر جو نام نہاد مسلمان اسلام کو سلام کر چکا اور اپنے آپ کو کفار کا غلام بنا چکا اس کی راہ الگ ہے اس کا دین غیر دین خدا ہے۔

ہمارے ان معروضات کے دلائل اعلیٰ حضرت کی لگ بھگ ہزار کے قریب تصنیفیں ہیں۔ اب تک جو زیور طبع سے مزین ہو چکی ہیں وہ بھی کم نہیں ہیں۔ میرا دعویٰ ہے ان کتابوں کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف، غیر متعصب، ایماندار اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اعلیٰ حضرت ہر این و آں سے بے نیاز اپنے رب کریم کے حضور، حضورِ قلب سے حاضر اور اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں محو۔ اہل دنیا کی ستائش و طعن اور نوش و نیش سے بالکل بے خبر رہے۔ اپنی ایک رباعی میں اپنی زندگی کا پاکیزہ صحیح نقشہ نگاہ عالم کے سامنے رکھ دیا۔

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن ۔۔۔ نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے ۔۔۔ جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

اسی رباعی پر اپنا ژولیدہ بیان و شکستہ تحریر ختم کرتا ہوں مولیٰ تعالےٰ قبول فرمائے اور میری مغفرت اور خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین ثم آمین۔

امام احمد رضا اور جنگِ آزادی

برصغیر کی دھرتی پر انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے اکثر و بیشتر سنی علمائے کرام ہی تھے اسی لئے برٹش، سامراج نے علمائے اہل سنت کو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی تکلیفیں پہونچائیں۔ جسمانی تکلیف جیلوں میں بھر کر اور پھانسی کے تختے پر لٹکا کر..... اور روحانی تکلیف اپنے زرخرید مولویوں کے ذریعہ شرک و بدعت کے فتوے لگوا کر ——— اس وقت علمائے اہل سنت کی قیادت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور قدرت نے انہیں دو ایسی بڑی صفتیں عطا فرمائی تھیں جس کے بغیر تکمیل انسانیت ممکن نہیں علم اور عقل ——— غیر معمولی علم اور بے پناہ معقولیت کے حسین امتزاج کا نام ہے علامہ فضل حق ——— چنانچہ علامہ نے ایک ہی وقت میں دونوں کی خبر لی۔ فرنگی سامراجیت کی بھی اور شرک فروش شریعت کی بھی

غدر ۱۸۵۷ء میں جب دیگر مکاتب فکر کے علماء گوشۂ عافیت ڈھونڈ رہے تھے بلکہ بعض انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے۔ ٹھیک اسی وقت علمائے اہلسنت بھارت کے ماتھے پر لگے ہوئے غلامی کے داغ کو دھو رہے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علامہ فضل حق نے ہی انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو منظم کر کے برطانوی سامراج کے قلعوں کی بنیادیں متزلزل کی تھیں۔ اور آپ کے بعد جس قدر جماعتیں، تنظیمیں، اور انجمنیں انگریزوں سے برسرپیکار ہوئیں۔ وہ سب علامہ کے نقوش قدم پر گامزن ہوئیں حضرت علامہ اور آپ کے تمام ساتھی سنی بریلوی علماء نے جب انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ تو بعض شکم پروروں اور انگریز دوست مولویوں کے اشارے پر ان مجاہدین کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا۔ مگر جیل کی تاریکیاں بھی ان خاصان حق کے عزائم میں کچھ رکاوٹ پیدا نہ کر سکی۔ انگریزی اقتدار کی بیخ کنی میں حضرت علامہ نے جو مصائب برداشت کئے۔ اگر پہاڑ پر ڈال دیئے جاتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا حضرت علامہ نے خود اپنے چشم دید واقعات و حالات اور اپنے مصائب و آلام کا تذکرہ اپنی گرانقدر تصنیف و رسالہ غدریہ" میں کیا ہے۔ جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے "الثورۃ الهندیہ" کے نام سے طبع کرایا حضرت علامہ نے یہ کتاب بھارت کے پر امن جیل میں نہیں لکھی۔ بلکہ جزیرہ انڈیمان میں کالاپانی کی سزا کے دوران تحریر فرمائی۔ جبکہ ان کے پاس نہ قلم تھا نہ کاغذ کوئلے سے کپڑوں اور لکڑیوں پر تحریر کی گئی۔ یہ کتاب بھارت کے سورماؤں اور ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر جان دینے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ کتاب مذکور کے ترجمہ سے پہلے جناب رئیس احمد صاحب نے جو تعارفی نوٹ تحریر فرمایا ہے۔ ناظرین اسے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا فضل حق خیرآبادی یگانہ روزگار عالم تھے عربی زبان کے مانے ہوئے ادیب اور شاعر تھے۔ علوم عقلی کے امام و مجتہد تھے۔ اور ان سب خصائص سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاستدان مدبر اور مفکر بھی تھے۔ مسند درس پر بیٹھ کر وہ علوم و فنون کی تعلیم دیتے تھے۔ اور ایوان حکومت پر پہونچ کر وہ دور رس فیصلے کرتے تھے۔ وہ بہادر اور شجاع بھی تھے۔ غدر کے بعد نہ جانے کتنے سورما اور رزم آرا ایسے تھے۔ جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے لیکن مولانا فضل حق ان لوگوں میں سے تھے۔ جو اپنے کئے پر نادم اور پشیمان نہیں تھے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر میدان میں قدم رکھا تھا۔ اور اپنے اقدام و عمل کے نتائج

بھگتنے کے لئے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی اور دہشت اور خوف یہ وہ چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔ مولانا کی شخصیت، سیرت، کردار، اور علم وفضل پر ضرورت تھی۔ کہ ایک مکمل کتاب لکھی جاتی۔ لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے فراموش کر دیئے گئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ یہ بزرگ کون تھے؟

مولانا کے حالات وسائل کی کمی کے باوجود جو کچھ بھی مستند طور پر دریافت ہو سکے وہ مختصر طور پر درج کئے جاتے ہیں۔

آزادی میں علماء کا حصہ

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں علماء نے نمایاں حصہ لیا۔ بقول ایک اہل قلم اور محقق کے:۔

مولانا فضل امام خیرآبادی صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی منصف صدر امین کول (بریلی) مولانا فضل رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسواں مفتی عنایت اللہ گوپاموی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد و مولانا مفتی لطف اللہ دفتر سہسواں مفتی انعام اللہ گوپاموی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد (مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سررشتہ دار ابن بریلی علامہ فضل حق خیرآبادی سررشتہ دار ریزیڈنسی دہلی و صدر الصدور لکھنؤ مہتمم حضور تحصیل اودھ مولوی غلام قادر گوپاموی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی و تحصیلدار گوڑگاؤں مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار صدر الصدور دہلی وغیرہ۔ یہ سب اپنے وقت کے بے نظیر و عدیم المثیل اکابر علماء تھے۔ حکومت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں کو سلطنت کی بربادی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ موقع کا انتظار تھا ۱۸۵۷ء کا وقت آیا۔ تو سب میں پیش پیش یہی حضرات تھے۔ والیان ریاست وارکین دولت میں ناقوس حریت پھونکنے والے یہی تھے عوام کو ابھارنا اور فتویٰ جہاد جاری کرنا انہیں کا کام تھا اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں سب سے زیادہ مصائب اٹھاتے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔

سرسید احمد کا خراج عقیدت

سرسید احمد مولانا فضل حق کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جناب مولانا مولوی فضل حق یہ خلف الرشید ہیں۔ جناب مولانا فضل امام کے زبانِ قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر خاندان لکھا ہے۔ اور فکر دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا۔ فخر جہاں پایا۔ جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں۔ اور حکمت و منطق کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے۔ کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانہ روزگار سمجھتے جب اُن کی زبان سے ایک حرف سنا۔ دعویٰ کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے (تذکرہ اہل دہلی۔ سرسید)

مجاہد اعظم مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ مراد آباد کی وہ شخصیت تھی۔ کہ مرادآباد کی سرزمین جن کے مقدس خون کو آج تک داد وفا دے رہی ہے۔ آپ مرادآباد کے معزز ترین سادات کرام کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جلیل فاضل ہو کر شاعری میں یگانہ مقام حاصل کیا علم حدیث فقہ اصول، منطق، فلسفہ میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نعتیہ کلام غزل کے پیرائے میں ہے۔ آپ نے قصائد سے گریز کیا۔ کہ ان میں مبالغہ کی آمیزش ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ جب تحریک آزادی ہند شروع ہوئی۔ تو گویا مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاشمی خون پہلے سے ہی جذبہ شہادت سے سرشار تھا۔ مولانا نے حوالی مرادآباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا۔ جدھر آپ کا رخ ہوا۔ برطانوی سامراج کے پرخچے اڑتے گئے۔ سلطان بہادر شاہ ظفر نے آپ کو بلایا اور جہاد کے مشورے لئے مولانا نے جنرل بخت خاں۔ شیخ افضل صدیقی۔ شیخ

بشارت علی خاں، مولانا سبحان علی نواب مجدّد الدین مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکست دی۔ رامپور اور مراد آباد کے اکثر معرکے سر کئے۔ بالآخر انگریزوں کے پٹھو کلاں فخر الدین اور بعض خائنوں کی سازش سے ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء مطابق ۱۶ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ مولانا گرفتار کر لئے گئے۔ اور مراد آباد جیل سے متصل برسرِ عام انگریزوں نے آپ کو تختہ دار پر لٹکایا۔ پھانسی کے وقت مولانا مندرجہ ذیل اشعار بڑے ترنم و ذوق سے پڑھ رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

دیگر ہمارے مجاہدین اکابرین کرام و علماء و شہدائے تحریک آزادی ہند

۱۔ مولانا عبد الجلیل شہید علی گڑھی علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ یگانۂ روزگار عالم تھے۔ بے شمار فاضل نے آپ سے پڑھا۔ متقی عارف باللہ رہنما تھے۔ تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے انگریزوں کو علی گڑھ سے نکال دیا تو تمام قیادت آپ کے حوالے کی گئی۔ دوبارہ انگریزوں نے چڑھائی کی۔ تو دشمن سے مقابلہ میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے۔ مولانا عبد الجلیل بھی ان شہداء میں حیات ابدی پا گئے۔ اور ان بہتر شہداء کے ساتھ جامع مسجد علی گڑھ میں دفن ہوئے۔

۲۔ مولانا امام بخش صہبائی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۳۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۴۔ مولانا ڈاکٹر وزیر خاں بہاری رحمۃ اللہ علیہ۔ ۵۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی۔ ۶۔ مولانا رضی الدین بدایونی اُن کے مفصل حالات کے لئے تواریخ انقلاب آزادی ۱۸۵۷ء پڑھیے

دوسرے سرفروشان ملک و ملت سنّی بریلوی قائدین تحریک آزادی ہند

مفتی صدر الدین صاحب دہلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، منشی رسول بخش کاکوروی، سید احمد اللہ شاہ جنرل بخت خاں، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، جنرل عظیم اللہ خاں، مفتی صدر الدین خاں دہلوی، مولانا اعتقاد علی، مولوی امام بخش صہبائی، سید باقر علی صاحب ناظم محکمہ دیوانی مولوی نور الحسن صاحب، سید مراتب علی صاحب، مولوی خواجہ تراب علی صاحب سید حسن علی صاحب، مولوی غلام مرتضیٰ صاحب، مفتی رسول بخش صاحب، مولوی رحمت علی صاحب، مفتی ریاض الدین صاحب۔ مولوی غلام جیلانی صاحب، مفتی انعام اللہ صاحب، شیخ محمد شفیع صاحب، مولوی مومن علی صاحب، باسط علی صاحب محمد عظیم الدین صاحب، محمد قاسم صاحب داناپوری، معین الدین صاحب، مولانا کریم اللہ صاحب، صدر الصدور قاضی محمد کاظم علی صاحب تاج الدین صاحب، طفیل احمد خیر آبادی، مولانا غلام امام شہید، مفتی عبد الوہاب صاحب گوپامئوی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، حضرت سید تراب علی شاہ صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف کاکوروی۔ مولانا وہاج الدین مراد آبادی، نواب مجدّد الدین، حافظ محمد عبد اللہ وغیرہ بہ اکثر حضرات جنہوں نے شمع حریت روشن کی سنّی بریلوی صوفی اعتقاد درویش مسلک ہی تھے۔ مولانا فضل حق شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کارزار جہاد میں مرکزی اور قائدانہ حیثیت حاصل ہے۔ وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مذکورالصدر قائدین تحریک آزادی میں سے چند ایک کے متعلق مختصراً کچھ حالات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہو۔

مجاہد اعظم مولانا سید احمد اللہ شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

ع بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے تمام مجاہدین علماء مشائخ اکابرین علماء سنّی

بلوی تھے۔ اور جب کہ سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل مدفون بالاکوٹ نے اپنی پیٹ پوجا کو مقدم رکھ کر انگریزی اقتدار قائم کرنے کے لئے ایک تحریک بموبرطانیہ چلائی تو برطانوی اقتدار کے پرخچے اڑانے والے سنی بریلوی علماء کے اولوالعزم اکابر علمائے دین فدائین آزادی رہنما ہی تھے جن میں سرفہرست شہید ملت شمع حریت مولانا شاہ احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدراسی کا اسم گرامی آتا ہے تن من دھن سب کچھ ملک و ملت پر نثار کرکے شہادت نوش فرما کر داخل جنت ہوئے ۱۲۰۴ھ میں بمقام چنیا پٹن تعلقہ پونا بلی ساحل دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نواب سید محمد علی سلطان ٹیپو شہید کے عظیم مقرب و مصاحب اور چنیا پٹن کے مختار نواب تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے قابل افاضل و اساتذہ عصر سے تمام علوم و فنون عربیہ اسلامیہ کی تکمیل کی اور متبحر عالم و یگانہ روزگار اور متقی پرہیز گار رہبر ہوئے۔ حیدرآباد یورپ کی سیاحت کی پھر حج سے مشرف ہوئے۔ پھر جے پور میں حضرت قربان علی شاہ کے دست اقدس پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں سلوک طے کیا۔ پھر ٹونک پہونچ کر جہاد کے جذبات پیدا کئے۔ گوالیار میں پہنچ کر مشہور عارف پیر محراب شاہ قلندر سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ جب انگریزوں نے غدر کیا تو علم جہاد بلند کرکے حریت کے پروانے اور تحریک آزادی کے قائد اعظم کی حیثیت سے بخت جان کے دست راست بن کر دہلی پہونچے انگریزوں کو چنے چبوا دیئے۔ پھر آگرہ میں انگریزی استبداد سے ٹکرائے۔ پھر کانپور میں برطانوی پرخچے اڑائے۔ پھر لکھنؤ میں محاذ فتح کئے۔ پھر فیض آباد اور شاہ جہاں پور میں فرنگی سامراج کا ستیاناس کیا۔ اور بالآخر یہ باکمال عالم بے مثال مجاہد یگانہ روزگار رہبر فاتح اعظم بطل جلیل میدان کارزار میں ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو جام شہادت نوش فرما گئے۔

تحریک آزادی کی تمام تاریخیں اس بطل جلیل کے مفصل کارناموں سے مزین ہیں اور ان نامراد مورخین پر سخت افسوس ہے جنہوں نے مولانا شاہ احمد اللہ کو ننگ دین ننگ وطن سید احمد بریلوی و مولوی اسماعیل کے عزائم کا تکمیل کنندہ لکھ کر یا ان سے تعلق دار بنانے کے لئے خواہ مخواہ ان غداروں کو مولانا شاہ احمد اللہ کے حالات میں گھسیٹ کر ان کے مقدس عقیدہ و کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا احمد اللہ خالص سنی حنفی صوفی عالم اور ممتاز مجاہد تھے۔ سید احمد و اسمٰعیل جیسے بدعقیدہ نام نہاد مجاہدوں سے شہید موصوف کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مولانا کے مجاہدانہ کارنامے آزادی وطن کے لئے جوش و خروش مختلف محاذوں پر انگریزوں سے مقابلہ اور بالآخر اللہ کی راہ میں شہادت تحریک آزادی کی مفصل تواریخ میں دیکھئے اور سنی بریلوی علما کی دینی و ملکی خدمات کو بالتفصیل پڑھیئے۔

استاد الہند حضرت مولانا مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا ✧ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا۔ تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء میں جو خدمات حضرت مولانا مفتی صدر الدین علیہ الرحمۃ نے انجام دی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ اس تحریک کا مدار المہام اسی ذات گرامی کو ہی کہنا زیبا ہے۔ قلم کو کیا طاقت کہ ان کے علم و فضل کے بحر بے کنار سے ایک موتی باہر لا سکے۔ اور دفتر کے دفتر ان کے مکارم و محاسن کے لئے ناکافی ہیں۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اکثر علوم مولانا امام الہند فضل امام خیر آبادی رحمۃ اللہ والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی شہید تحریک حریت سے حاصل کئے حدیث حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ سے پڑھی اور یگانہ روزگار عالم بنے۔ چار دانگ عالم میں ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا۔ دہلی میں صدر الصدور رہے انگریزوں کا اقتدار بڑھتا دیکھا۔ تو تحریک آزادی کا جھنڈا اٹھایا۔ فتوائے جہاد نشر کیا۔ مجاہدین و اکابرین تحریک آزادی کی قیادت کی تمام جائیدادیں تحریک پر خرچ کر دیں۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کے تلامذہ موجود ہیں۔ شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ معقول فلسفہ ریاضی کے عدیم المثال استاد تھے۔ فقہ کے ممتاز ماہر و مفتی تھے۔ خالص سنی حنفی صوفی عالم و یگانہ روزگار امام العلوم تھے۔

وہابیت کی بیخ کنی میں ان کی مساعی مشکورہ اور آزادی ہند میں ان کی جد و جہد محتاج تعارف نہیں۔ آج تک وہابیوں، دیوبندیوں میں نہ ایسا عالم پیدا ہوا ہے اور نہ مجاہد۔ پنج شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو بستی نظام الدین اولیا دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

آسمان تری لحد پر نور افشانی کرے — سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عالم باعمل مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی اسیر انڈیمان

؎ دل گرمے نگاہ پاک بینے، سینہ بیتابے :۔ مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی نہایت متقی و متبحر فاضل تھے۔ علماء ربانیین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب بمقام دیوہ ۹ شوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو پیدا ہوئے کاکوروی کے ممتاز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جد امجد کا نام منشی لطف اللہ تھا۔ ان کے صاحبزادے منشی غلام محمد اور ان کے فرزند منشی محمد بخش مفتی عنایت کے والد بزرگوار تھے۔

عنایت احمد صاحب سن شعور کو پہونچے تو تحصیل علوم کی غرض سے رامپور بھیجے گئے۔ وہاں مولانا حیدر علی صاحب اور سید محمد صاحب کے زیر تعلیم رہے۔ اور علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ بعد ازاں دہلی گئے اور شاہ محمد اسحٰق محدث سے حدیث شریف کے فارغ التحصیل ہوئے پھر علی گڑھ جاکر علم معقول و منقول میں سند حاصل کی۔ مولانا بزرگ علی صاحب سے بھی تحصیل علم کی اور انہیں کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔

کچھ عرصہ آپ بریلی چلے گئے۔ اس دوران ہند میں انگریزی اقتدار بڑھا۔ تو اکابر علماء و رہنما اصحاب کی سرکردگی میں تحریک انقلاب کی سلسلہ جنبانی جاری تھی مفتی صاحب بھی شب و روز بریلی کے انقلابی گروہ کی مشاورتی مجلس میں شرکت کرنے لگے۔ اور نواب خان بہادر خاں کی قیادت میں جہاد حریت کی تنظیم کے لئے سرگرم عمل ہوئے۔ روہیل کھنڈ اور بریلی مجاہدین آزادی کا عظیم مرکز تھا۔ اور اس علاقہ میں انٹی برٹش تحریک کے قائد جلیل امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے جد امجد مولانا رضا علی خاں صاحب تھے۔ ان کے مکان و مسجد مجاہدین کے مرکز تھے مفتی صاحب بھی حلقہ جہاد میں شریک ہو گئے۔ اور مجاہدین کے لشکر میں داخل ہو کر محاربات میں عملی حصہ لینے لگے۔ جگہ جگہ خان بہادر خاں کے دست راست بنے۔ بکمال جرأت و ہمت سے لڑتے رہے جنرل بخت خاں بریلی پہونچے۔ اور دار السلطنت دہلی کے مرکزی محاذ پر شرکت کے لئے (رام پور مراد آباد ہوتے ہوئے) روانہ ہوئے۔ تو ان کی معیت میں مفتی عنایت احمد بھی لشکر آزاد کے ساتھ رام پور گئے۔ اور جنرل بخت خاں مولوی سرفراز علی صاحب کے ساتھ نواب یوسف علی خاں والی رام پور سے محاربہ آزادی میں شرکت کیلئے گفت و شنید کرتے رہے ان کے ہمراہ مفتی عنایت احمد بھی اس مشاورت میں برابر شریک رہے۔ اور جب نواب رامپور نے جنگ آزادی میں مجاہدین کی اعانت سے انکار کیا تو جنرل بخت خاں نے فوج کشی کر دی اس جنگ میں بھی مفتی صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کے چچازاد بھائی حافظ احمد حسن صاحب شوق نے اپنے تذکرہ "کاملان رامپور" میں اس معرکہ کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

۹ رجون ۱۸۵۷ء کو بخت خاں کئی ہزار فوج کے ساتھ رام پور آیا۔ مولوی سرفراز علی اس کی طرف سے سفیر تھے۔ تمام شہر کو مورچہ بند کیا شہر کے مفسد خود جاکر بخت خاں کو بھڑکاتے تھے۔ ان کا منشا تھا کہ روپیہ دیا جائے۔ اور ولی عہد بہادر ریاست (نواب کلب علی خاں) مع فوج دہلی کو ساتھ چلیں۔ یہ مرحلہ سب سے زیادہ سخت تھا۔ علی بخش خاں نے اس مرحلہ کو بلطائف حیل طے کیا۔ اور ۱۳ رجون کو بخت خاں رامپور چلا گیا۔ نواب نے ازراہ چاپلوسی جان بچانے کی خاطر بخت خاں کو توپ رسد بھجوائی۔ اور مبالغہ کی حد تک مولوی سرفراز علی کی عزت افزائی کی۔ اور اس طرح اپنے آپ کو بچایا۔

جنرل بخت خاں نے رامپور کے نواب سے صلح کرلی۔ اور مراد آباد کو کوچ کر گئے۔ اس وقت مفتی عنایت احمد صاحب مولوی سرفراز علی صاحب کے مشورے سے پھر دہلی واپس چلے گئے وہاں ابھی تک ہنگامہ کارزار گرم تھا مفتی صاحب میدان شجاعت میں تیغ آزمائی بھی کرتے رہے۔ اور خان بہادر خاں کی مجلس مشاورت میں خاص طور پر شریک رہے۔

خان بہادر کے لشکر مجاہدین میں ایک دستہ غازیوں کی فوج کا بھی تھا۔ یہ سب کے سب مفتی صاحب کے تربیت یافتہ اور ان کی تحریک پر سر سے کفن باندھ کر جان لینے اور جان دینے کے لئے آمادہ تھے۔ اس فوج کا ہر مجاہد شوق شہادت کے نشہ میں چور تھا۔

گورا پلٹن کے ایک انگریز سارجنٹ میجر نے جنگ آزادی کے چشم دید واقعات پر مبنی ایک کتاب "۱۸۵۷ء کے معرکوں کی یاد داشت" لکھی تھی۔ اس میں بریلی کے معرکہ کا حال لکھتے ہوئے غازیوں کے ایک دستہ کے بارے میں آنکھوں دیکھی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے۔ ان لوگوں کی داڑھیاں سفید تھیں۔ انگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ جس کے نگینہ پر "اللہ" کندہ تھا۔ ہر غازی کی کمر میں سبز رنگ کا پٹکا بندھا ہوا تھا۔ وہ روئی کی صدری پہنے ہوئے اور سر پر سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جن پر سرخی کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور پشت پر ڈھال تھی دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آئے اور حملہ آور ہونے سے پہلے ان کا سردار جو ایک ۲۰ سال کا بے ریش جوان تھا جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ صف میں آگے بڑھ کر یوں مخاطب ہوا۔ کہ تم کافروں میں کوئی حوصلہ مند ہے۔ جو میرا مقابلہ کر سکے اگر ہے تو سامنے آئے اس کی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی نوجوان آگے نہیں بڑھا۔ ایک منٹ بعد پھر یہی چیلنج دیا۔ اور کہا میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔ آخر جھنجھلا کر اس نے تلوار میان سے باہر نکالی اور صفوں پر حملہ آور ہوا۔ اسنے اس شدت سے حملہ کیا۔ کہ چشم زدن میں اٹھارہ سپاہیوں کو زخمی کر کے ڈال دیا۔ اس کی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اس قدر متاثر ہوا۔ کہ اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن اس نے کہا۔ تم زندہ شیر کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ زخمی ہو جانے کے بعد جب کہ اس کے جسم کے ہر حصے سے خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ اس نے دوبارہ اس شدت سے حملہ کیا جب کمانڈنگ آفیسر نے دیکھا۔ کہ اس کو قتل نہ کیا تو شاید ساری کمپنی کا صفایا کر دے گا۔ آخر کار مجبوراً اس نے حکم دیا۔ کہ سنگینوں سے خاتمہ کر دو۔ یہ سن کر سپاہیوں نے اسے نرغہ میں لے کر اپنی سنگینیں بیک وقت اس کے سینے میں پیوست کر دیں۔ لیکن جب تک اس کی روح جسم میں باقی رہی برابر تلوار کے جوہر دکھاتا رہا اس کا ہاتھ اس وقت رکا جب اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ بصیرت افروز منظر ایک انگریز نے قلم بند کیا ہے۔ جو عینی شاہد اور ان غازیان دین کا دشمن تھا۔ لیکن ان فدایان اسلام کے جوش ایمانی نے اسے اس قدر متاثر کیا۔ کہ حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی فوج کے شیر دل افسروں اور ساری سپاہ کی شجاعت و دلیری" کا کیا عالم تھا۔ ایک مجاہد غازی کی ہمت و حوصلہ کے سامنے ان کے سینکڑوں کے جگر آب ہو جاتے تھے۔ اور اس ایک تیغ بکف نوجوان کو قابو کرنے کے لئے ہزاروں سنگینوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس واقعہ سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ مجاہدین کے جذبہ فدائیت کی کیا کیفیت تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ انگریزوں کے غلبہ کا موجب صرف "روباہی حربے" اور سازش و غداری تھی ورنہ ہر محاذ پر پہلی فتح لشکر مجاہدین کو حاصل ہوئی۔ جوان کی مردانگی و جرأت اور عزیمت کے باعث تھی بریلی کے غازیوں کی اس جمعیت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جن رہنماؤں کے تربیت یافتہ مجاہدین کی جاں بازی اور سرفروشی کا یہ حال تھا۔ تو مردان حق کس عزم و حوصلہ کے مالک تھے۔ اور میدانِ کارزار میں ان کے کارنامے کیا کچھ ہوں گے۔ مفتی عنایت احمد صاحب نے دوسرے رہنمایانِ حریت کی معیت میں محاربہ بریلی میں اول اول فتح حاصل کی۔ لیکن انجام کار شکست نصیب ہو کر وطن دشمن غداروں کی ناپاک حرکات پر لعنت بھیجتے شہیدانِ حریت کی ارواح پاک پر رحمت کے پھول نچھاور ہونے کی دعائے خیر کرتے میدان سے رخصت ہو گئے۔

مفتی صاحب انگریزی تسلط کے بعد گرفتار کر لئے گئے۔ اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ کالے پانی بھیج دیئے گئے۔ اس علاقہ کی سختیاں وطن اور اعزہ سے جدائی کا صدمہ اور صعوبتیں سہتے ہوئے بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

مفتی صاحب کو جزیرہ انڈیمان میں کوئی کتاب دیکھنے کو نہ ملتی تھی اور نہ وہاں کسی علم کی کوئی کتاب دستیاب ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود ذاتی علمیت و واقفیت کی بنا پر مختلف علوم و فنون میں مختصر اور طویل تصانیف کے مسودات کی تصحیح کی غرض سے کتابیں دیکھیں۔ تو سب مسائل لفظ

بلفظ صحیح تھے۔ اسیری کے زمانہ میں ہی "تقویم البلدان" کا ترجمہ دو سال میں کیا۔ اور اس کامیابی وخوبی سے کیا۔ کہ ایک انگریز افسر (جس کی فرمائش پر یہ ترجمہ کیا تھا) نے ان کی بے حد تعریف کی۔ اور ان کے علمی فضائل کے اعتراف میں ان کی رہائی کی پرزور سفارش کی جو منظور ہوئی اور حضرت مفتی صاحب ۱۲۷۷ھ میں بخیریت اپنے وطن عزیز کاکوری آگئے۔

ان کے ایک غیور شاگرد مولوی لطف اللہ صاحب نے رہائی کی تاریخ کہی اور ان کی خدمت میں کاکوری حاضر ہوکر خود پیش کی۔

چوں بفضلِ خالق ارض وسما — اوستادم شد بقید غم رہا!!

بہر تاریخ خلاص آں جناب — بر نوشتم اِنَّ اُستاذی نجا ۱۲۷۷ھ

مفتی صاحب کچھ عرصہ بعد کاکوری سے کانپور چلے گئے۔ اور وہاں مدرسہ فیض عام قائم کرکے مستقل قیام فرمایا۔ بقول وقرار حبیب الرحمان خاں شیروانی اسی مدرسہ کا فیض بالآخر سارے ہندوستان کو پہونچا۔ دو سال بعد مفتی صاحب نے حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اور مدرسہ کا انتظام مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری کے سپرد کرکے نہیں مدرس اول مقرر کیا اور مولوی لطف اللہ مدرس ثانی مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں بادبانی جہاز چلتے تھے۔ جدّہ کے قریب پہونچ کر ان کا جہاز پہاڑ سے ٹکرا گیا۔ اور حضرت مفتی صاحب نماز ادا کرتے ہوئے احرام باندھے جہاز کے ساتھ غرق ہوکر واصل بحق ہوئے۔

یہ حادثہ ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۸۶۳ء کو رونما ہوا۔ اس وقت مفتی صاحب کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ آپ کی کل تصانیف کی تعداد بیس ہے۔ جس میں تواریخ حبیب اللہ (سیرت نبوی ﷺ) لوامع العلوم واسرار العلوم، الکلام المبین، علم الصیغہ، تحفہ بہار احادیث الحبیب المتبرکہ اور ترجمہ تقویم البلدان زیادہ مشہور اور خاص ہیں۔ حضرت مفتی صاحب حقیقت میں ایک بحر العلوم تھے۔ انہیں ریاضی میں کمال امتیاز حاصل تھا۔ ان کی ذات ستودہ صفات ان علماء کاملین میں سے تھی جو ایک طرف دین اور دوسری طرف وطن کے تحفظ کے لئے عمر بھر سینہ سپر رہے۔ وہ پیشۂ علم کے مرد یگانہ تھے۔ ع دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے

سُنّی بریلوی علمائے کے مجاہدِ اعظم مبلّغِ دین و مُجاہدِ مِلّت حضرت مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی

وہ عالِمِ باعمل جس کی رہنمائی نے دین و مِلّت کو رُوحِ عمل بخشی۔

غداریوں نے پھونک دیا آشیاں مرا

انقلاب ۱۸۵۷ء کی راہنمائی اور جہاد حرّیت میں بر سر میدان شرکت کرنے والوں میں بے شمار علماء و فضلاء کے اسمائے گرامی شامل تھے جنہیں تاریخ نے بھی محو کر ڈالا۔ ان اکابرین میں مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کا نام نامی بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ لیکن حیرت ہے۔ کہ ان کے تفصیلی حالات کسی قدیم تاریخ میں یکجا طور پر محفوظ نہیں۔ مختلف دستاویزات اور بزرگوں کی ان روایات سے جو حالات مرتب ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں۔ جو قدیم تذکروں میں نہیں پائے جاتے۔ مفتی انتظام اللہ شہابی کے تذکرہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء تک میں ان کا ذکر صرف دو سطروں میں نہایت سرسری طور پر کیا گیا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ مولوی فیض احمد عثمانی ——— صدر بورڈ میں پیشکار تھے۔ دلّی گئے وہاں مجسٹریٹ کئے گئے۔ پھر جنرل بخت خاں کے ساتھ رہے۔

حالانکہ حضرت مولانا کے عظیم کارناموں میں تبلیغ اسلام اور رد عیسائیت کے شاندار معرکے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا فیض احمد کے والد بزرگوار بدایوں کے مشہور و ممتاز خاندان کے فرد حکیم غلام احمد صاحب تھے جو مولوی اول میں رہتے تھے فیض احمد صاحب کی ولادت ۱۸۰۸ء مطابق ۱۲۲۳ھ میں بدایوں ہی

ہی" بن ہوئی۔ ان کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ کہ والد صاحب نے وفات پائی
والدہ ماجدہ نے یتیم کمسن بیٹے کی پرورش و تعلیم و تربیت کی وہ خود بدایوں کے عالم خاندان شبورخ کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ ان کے ایک ہم وطن جناب محمد ایوب قادری بی اے نے مولانا کے ذکر خیر میں بیان کیا ہے۔ کہ قدرت نے شروع ہی سے وہ دل و دماغ بخشا تھا۔ کہ جس پر آپ کے ہم درس طلبہ کو رشک آتا تھا۔ جو چیز ایک بار پڑھ لی یاد ہو گئی۔ اور ایک دفعہ نظر سے گذر گئی دل پر نقش ہو گئی۔ تحقیق و تدقیق آپ کا حصہ تھا۔

اہل خاندان خیال کرتے تھے۔ کہ مستقبل قریب میں یہ بچہ فخر خاندان ہو گا۔ والدہ نے اس ہونہار بچہ کو اپنے بھائی مولانا فضل رسول کے سپرد کر دیا آپ نے نہایت محبت اور ناز و نعم سے پرورش فرمائی۔ مولانا فیض احمد نے تمام علوم منقول و معقول صرف چودہ سال کی عمر میں حاصل کر لئے۔ اور پندرھویں سالگرہ سے قبل آپ کو اجازت درس مل گئی۔ دوسرے فنونِ مروجہ خطاطی و شعر و شاعری وغیرہ میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا۔ ایک قلیل عرصہ میں مولانا کا شہرہ ہو گیا اور تشنگانِ علم نے اس منبع علم و فضل کی طرف رخ کیا۔

مولانا نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف توجہ کی اس وقت حضرت اچھے میاں صاحب مارہروی کے خلیفہ اعظم آپ کے نانا حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب کی بارگاہ رشد و ہدایت مرجع خلائق ہو چکی تھی۔ مولانا نے سلسلۂ قادریہ میں اپنے نانا صاحب قبلہ سے بیعت کر کے علوم طریقت کی تحصیل سے بھی فراغت کی مولانا فیض احمد کی درسگاہ طلبہ کے لئے حصولِ تعلیم ہی کا مرکز نہ تھی۔ بلکہ ہر طالب علم کی آپ جملہ ضروریات کے کفیل و معاون ہوا کرتے یہی سبب تھا۔ کہ مولانا کے شاگردوں کا شمار دشوار تھا۔ آپ طلبہ کی امداد کے لئے دوسروں سے ادھار لیتے مگر کسی کو حاجت مند نہ دیکھ سکتے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

مولانا تحریک آزادی میں:۔ آپ متواضع اور مخلص انسان تھے مصنف "اکمل التواریخ" آپ کی مزاجی کیفیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ باوجود ثروت و وقار کے دل فقیرانہ مزاج شاہانہ تھا۔ فقراء سے محبت اور غرباء سے الفت طلبہ کے شائق اور علم کے شیدائی تھے۔ شاگردوں کی تمام ضروریات کے خود کفیل ہوتے تھے۔ سلسلۂ درس و تدریس آگرہ کے قیام کے دوران بھی برابر جاری رہا۔

جب ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنے کے سلسلے میں تبلیغ عیسائیت کا فتنہ اٹھایا۔ جگہ جگہ اسکول و کالج کھول کر مسیحی تعلیم عام کی جانے لگی۔ اس وقت آگرہ میں علمائے عصر نے ایک مشاورتی مجلس میں اس فتنہ کو روکنے کے لئے عملی تدابیر سوچیں۔ چنانچہ مولانا فیض احمد ان علماء کرام کے ساتھ شریک ہو کر تبلیغ دین کی خدمات انجام دینے لگے۔ باوجود سرکاری ملازمت کے موصوف نے جا بجا مسیحیوں کے بالمقابل تبلیغ اسلام میں مشغول رہے۔ ۱۸۵۴ء میں پادری سی سی ڈی فنڈر جب ہندوستان وارد ہوئے اور انہوں نے فتنہ ارتداد کا ہنگامہ بپا کیا۔ تو مولانا سید احمد اللہ شاہ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب وغیرہ حضرات نے اس کے رد کے لئے انتظام شروع کئے۔

چنانچہ پادری فنڈر اور علمائے اسلام کے مابین ۱۸۵۶ء بمقام آگرہ جو مناظرہ ہوا۔ اس میں ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے معاون خصوصی کی حیثیت سے مولانا فیض احمد صاحب بھی موجود تھے۔ اور انہیں تین حضرات نے فنڈر اور اُن کے رفقاء کے ساتھ وہ معرکۃ الآرا مناظرہ کیا۔ اور اسے ایسی شکست فاش دی کہ فوراً ملک بدر ہونے پر مجبور ہوا۔ اس مناظرہ کی پوری کیفیت "البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف" کے نام سے وزیر الدین نے مرتب کر کے باہتمام حافظ محمد عبیداللہ فخر المطابع شاہجہان پور سے ۱۲۷۰ھ میں طبع و شائع کرائی تھی۔ اس کی اشاعت و طباعت کے جملہ مصارف حضرت بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخرو مرحوم نے ادا کئے تھے۔ اور تمام ملک میں مفت تقسیم کرایا تھا۔ آگرہ کی جامع مسجد اس زمانہ میں نہایت خستہ و بوسیدہ حالت میں تھی۔ مسجد کی اس شکستگی کے سبب نمازی بھی برائے نام نظر آتے تھے۔ مولانا فیض احمد نے اس کی مرمت و تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔ اور جگہ جگہ دورے کر کے رقوم جمع کیں۔ چنانچہ آپ کی کد و کاوش اور جدوجہد سے مسجد کی شاندار عمارت تعمیر ہوئی اور مرکز دین و علوم بن گئی۔

مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کے آگرہ کے قیام کے دوران مولانا فیض احمد صاحب بھی اس حلقہ مجاہدین کے سرگرم رکن بن گئے جو آگرہ میں جہاد حریت کی تنظیم واقدام کی غرض سے قائم ہوا ۔ اور ہر اجتماع میں جوش و خلوص سے شریک ہوتے رہے ۔ اور ضروری مشورے دیتے رہے آگرہ اور گرد و نواح میں مولانا نے دورے کر کے جہاد حریت کی تبلیغ کی اسی سلسلہ میں سرکاری ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی ۔ اور میدان عمل میں تیغ بکف اتر آئے ۔ دہلی کے معرکوں میں انگریزوں کو شکست دیکر سلطنت مغلیہ کے احیا کا اعلان کیا ۔ اس وقت مولانا فیض احمد مرزا مغل کے پیشکار کے فرائض بھی انجام دیتے اور لشکری انتظامات کے سلسلہ میں جملہ امور کی نگرانی کرتے شکست دہلی کے بعد آپ جنرل بخت خاں اور مولانا سید احمد اللہ شاہ صاحب کی معیت میں لکھنؤ گئے ۔ اور ہر محاذ پر ان کے شریک کار رہے ۔ سکندر باغ کے محاذ پر خصوصیت سے مولانا فیض احمد نے اپنی عملی تدابیر سے لشکر مجاہدین کی اعانت کی اور معرکہ آرا نظر آئے ۔ لکھنؤ کے بعد آپ مولانا سید احمد اللہ شاہ کے ساتھ شاہ جہاں پور بھی گئے ۔ اس علاقہ کے محاربات میں جن رہنما مجاہدین کے نام آتے ہیں ۔ ان میں مولانا فیض احمد بھی پیش پیش تھے ۔ بعد ازاں جب قصبہ محمدی میں مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کی حکومت قائم ہوئی ان کی کونسل کے رکن رکین بنے ۔ جب محمدی پر انگریزوں نے حملہ کیا ۔ تو مولانا لشکر مجاہدین کے دست و بازو بنے ہوئے تھے ۔

مولانا سید احمد اللہ شاہ کے قیام شاہ جہاں پور کے دوران مولانا فیض احمد کی تجویز پر مجاہدین کے چند دستے بدایوں بھیجے گئے ۔ جن کی رہنمائی ڈاکٹر وزیر خاں شہزادہ فیروز بخت اور مولانا فیض احمد کے سپرد تھی ۔ بدایوں کے معرکے میں داد شجاعت دینے کے بعد نگرانہ کے محاذ پر بھی مصروف کارزار رہے ۔ اور سر فروشانہ کارنامے انجام دیتے نظر آئے ۔ یہاں سے ہی محمدی کی حکومت قائم ہونے پر کابینہ میں شامل کئے جانے کی غرض سے دوسرے اکابرین کے ساتھ طلب کئے گئے تھے ۔ سازش و غداری کے سبب حضرت احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد دوسرے رہنما اور بقیہ جمعیت مجاہدین کے منتشر ہونے پر مولانا بھی روپوش ہو گئے ۔ بعض حضرات کا خیال تھا ۔ کہ خلافت ترکیہ کے دار السلطنت قسطنطنیہ میں قیام پذیر ہیں ۔ اس کے لئے آپ کے ماموں کبر سنی کے باوجود تلاش میں سرگرداں قسطنطنیہ پہونچے ۔ لیکن آپ کا کوئی پتہ نہ چلا ۔ کچھ لوگوں کو قیاس ہے کہ جنرل بخت خاں کے ساتھ نیپال چلے گئے ۔ اور وہاں روپوش ہو کر گوریلا جنگ میں مصروف رہے بہر حال آپ کا پتہ معلوم نہ ہو سکا اور سن و مقام وفات کا بھی کسی کو علم نہیں ؏ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہید حریت منشی رسول بخش کاکوروی

(تحریک انقلاب کے ایک سربرآوردہ رکن جو وطن فروشی کا نشانہ بنے)

تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء مسلمانان ہند کی صد سالہ عظیم جدوجہد اور سرفروشیوں کا ایک عظیم سلسلہ تھا ۔ جو ۱۸۵۷ء میں غازی نواب سراج الدولہ کی شکست و شہادت کے بعد برطانوی سازشوں کے پرفریب جال توڑ پھینکنے اور سرزمین وطن کو آزاد کرانے کے لئے مصروف جہاد رہے اس انقلابی تنظیم میں نوابین اور سب سے زیادہ علماء و صوفیائے کرام کی جماعتیں پیش پیش تھیں ۔ ۱۸۵۷ء کے محرکات کی تفصیل تو کتب تواریخ ہی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے ۔

ویسے سرگزشت مجاہدین کے سلسلہ میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے ۔ کہ گذشتہ تنظیم میں، ۱۸۵۷ء کے محاربۂ عظیم سے پانچ چھ سال پہلے روح عمل دوڑتی نظر آنے لگی تھی جن علماء و فضلاء نے اس تحریک میں جان ڈالی ان میں مولانا سید احمد اللہ شاہ مولانا سرفراز علی شاہ جہان پوری ۔ مولانا لیاقت علی الہ آبادی، علماء بدایوں کے علاوہ دہلی آگرہ کاکوری وغیرہ کے علماء کا بڑا حصہ تھا ۔ ان حضرات میں منشی رسول بخش کاکوروی وغیرہ کا نام بھی سرفہرست ہے جنہوں نے ابتداء سے عوام میں بیداری پیدا کرنے اور علم جہاد بلند کرنے میں برسوں دامے درمے سخنے قدمے جدوجہد جاری رکھی ۔ منشی رسول بخش صاحب ، مولانا سرفراز علی صاحب اور مولانا احمد اللہ شاہ صاحب ، جنرل عظیم اللہ خاں کی معیت میں مدتوں تنظیم انقلاب کیلئے ملک کے گرد و نواح میں دورے کرتے رہے اور شہر شہر قصبہ قصبہ میں گھومتے پھرتے رہے عوام کو معرکہ آزادی میں شریک ہونے کی دعوت حق دیتے رہے ۔ مفتی صاحب نے بھی دیگر رہنما مجاہدین کی طرح

دیسی افواج میں جہاد حریت کی تبلیغ کرکے سپاہیوں میں جوش عمل پیدا کیا۔ اور سپاہیوں وغیرہ کی تقسیم وتنظیم وغیرہ کے پروگرام میں نہایت سرگرمی سے شریک تھے۔

منشی صاحب کے جد امجد مولانا ابوبکر حاجی علوی تھے۔ جن کے صاحبزادے ملک بہاء الدین سلطان شرقیہ کی جانب سے کاکوری فتح کرنے تشریف لائے تھے۔ فتحیابی کے بعد وہیں سکونت اختیار کی۔ منشی صاحب کے والد فیض بخش بہادر نواب شجاع الدولہ کی افواج میں صوبیدار تھے وہ صاحب علم وہنر وشجیع ودلیر بزرگ تھے۔ ان کی تصنیف "چشمۂ فیض" مشہور ہے۔ منشی رسول بخش کی ولادت کاکوری میں ہوئی۔ اور وہیں ابتدائی تعلیم ہوئی۔ تحصیل علم کے بعد سلطان واجد علی شاہ کی فوج میں عہدیدار مقرر ہوئے۔ اسی وقت سے ان کے دل میں جذبات حریت موجزن تھے۔ سلطان کے فوجی معتمد بن کر لشکر سلطانی میں اعلیٰ تربیت میں مصروف رہے۔ اور اسی دوران مسلمان سپاہ کو غیر ملکی تسلط کے خلاف آمادۂ پیکار کرتے رہے۔ کیونکہ سلطان نے فوجی تربیت کا اہتمام بھی آزادی وطن کی جدوجہد کے لئے کیا تھا۔ یہی سبب تھا۔ کہ چند غدار اُمراء سلطنت نے سازباز کرکے ان منصوبوں کی اطلاع انگریز حکام کو دے دی۔ اور انعام واکرام کے لالچ میں جاسوسی کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں انگریزوں نے سلطانی لشکر کو یہ کہہ کر برطرف کرادیا تھا۔ کہ آپ کو اس لاؤ لشکر کے ملازم رکھنے اور مصارف کا بار اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری فوجیں آپ کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ جب کوئی ضرورت ہو آپ انہیں طلب کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اسی معاہدہ کے بموجب ہنومان گھڑی کے ہنگامہ کے دوران امیرالمجاہدین اور ان کی جمعیت کو گوراپلٹن نے توپ دم کیا تھا۔ سلطانی فوج کی برطرفی کے بعد ہی رسول بخش صاحب لکھنؤ سے کاکوری چلے گئے۔ اور مستقل طور پر وہاں مقیم ہوکر جہاد حریت کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ مختلف مقامات میں تبلیغی دورے کرنے کے بعد آخر میں انہوں نے کاکوری کے عوام کو منظم کیا۔ اور خفیہ طور پر فوجی تربیت دینے میں مصروف ہوگئے چنانچہ کاکوری میں مجاہدین کی وہ جمعیت تیار ہوگئی۔ جو منشی صاحب کی قیادت میں آزادی وطن کے لئے لڑنے مرنے کو ہر وقت آمادہ تھی۔ اور اس کا ہر جانباز مجاہد دشمن کے مقابلہ میں جان دینے اور جان لینے کو عین ایمان سمجھتا تھا جنگ آزادی کے چند ماہ پیشتر اطراف وجوار کے علماء جو جہاد حریت کی رہنمائی میں مصروف تھے۔ آگرہ میں جمع ہوگئے۔ کیونکہ دہلی کے بعد اس زمانہ میں آگرہ کو اس لئے اہمیت حاصل ہوگئی۔ کہ وہ برطانوی صوبہ کا صدر مقام بنا دیا گیا تھا۔ حضرت مولانا احمد اللہ شاہ نے جب آگرہ پہونچ کر تحریک انقلاب کے اقدام کے لئے مشاورتی مجالس منعقد کیں۔ اور یہ شہر ارباب علم وفضل کا مرکز بن گیا۔ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی حالات انقلاب میں لکھتے ہیں۔

مفتی انعام اللہ خاں بہادر محکمہ شریعت کے مفتی رہ چکے تھے۔ اب بہت بڑے وکیل تھے۔ حضرت آزردہ (مفتی صدرالدین) صاحب کے خط کے ذریعہ شاہ صاحب (مولانا احمد اللہ شاہ) ان کے یہاں آگرہ میں مقیم ہوئے ان کا گھر علماء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مفتی صاحب کے صاحبزادے مولوی اکرام اللہ صاحب "تصویر الشعراء" مرید ہوئے۔

علماء وفضلاء کا یہ گلدستہ جس کی شیرازہ بندی اب تک علمی ادبی ذوق نے کر رکھی تھی۔ مولانا شاہ احمد اللہ شاہ صاحب کے پہنچنے پر اس میں سیاسی رنگ پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اور مجلس کی شکل میں اس اجتماع کی تشکیل کی گئی۔ اس کے ارکان کی مختصر فہرست ملاحظہ ہو۔

مولوی شیخ اعتقاد علی بیگ صاحب، مولانا امام بخش صہبائی، سید باقر علی صاحب ناظم محکمہ دیوانی، مولوی نورالحسن صاحب، سید مراتب علی صاحب۔ مولوی خواجہ تراب علی صاحب۔ سید حسن علی صاحب، رحمت علی صاحب، مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی غلام جیلانی صاحب، غلام مرتضےٰ صاحب، منشی رسول بخش صاحب، شیخ محمد شفیع صاحب، مومن علی صاحب، باسط علی صاحب۔ محمد عظیم الدین صاحب محمد قاسم صاحب داناپوری، معین الدین صاحب، مولوی کریم اللہ خاں صاحب، صدرالصدور قاضی محمد کاظم علی صاحب، تاج الدین صاحب طفیل احمد صاحب خیرآبادی، مولانا غلام امام شہید، مفتی عبدالوہاب صاحب، گویا موہی ڈاکٹر وزیر خاں صاحب، مولوی فیض احمد

صاحب بدایونی، مفتی انعام اللہ صاحب ـــــــــ یہ حضرات صدارت نظامت وغیرہ کے مختلف عہدوں پر فائز تھے یا وکلاء تھے جنہوں نے اس مجلس کی رکنیت منظور کی اور دامے درمے قدمے شاہ صاحب کی تائید و اعانت شروع کی۔

بالآخر اس اجتماع میں انقلابی اقدام کا پروگرام مضبوط ہو گیا۔ اور جو حضرات بیرونی مقامات سے اپنے علاقوں کی نمائندگی کرنے آئے تھے۔ عملی اقدامات کی رہنمائی کے لئے ان مقامات پر واپس چلے گئے۔ اور اپنے اپنے محاذ پر جنگ آزادی کے اعلان کا انتظار کرنے لگے جس کی ابتدا اچانک وقت موعودہ سے پہلے ہو گئی۔ چنانچہ مجاہد ملت رسول بخش صاحب مقررہ پروگرام کے مطابق کاکوری کے لئے روانہ ہوئے۔ اور کانپور میں جنرل عظیم اللہ خاں سے مل کر جہاد آزادی کے سلسلے میں طے شدہ لائحہ عمل کے سلسلے میں صلاح و مشورے کر کے راستہ میں چند دیگر رؤسا اور جاگیرداروں کو انگریزوں کے مظالم اور جبر و استبداد کے خلاف نفرت دلا کر بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اور وہ مجاہدین کی ہر ممکن اعانت کے لئے تیار ہو گئے۔

رہنمایان جہاد نے یہ طے کیا تھا۔ کہ اودھ کے تمام اطراف و جوانب کے علاقوں میں منظم معرکہ آرائی کے بعد پرچم آزادی بلند کر کے دارالسلطنت لکھنؤ میں جمع ہو جانا چاہیے۔ جہاں سلطنت اسلامیہ کے احیاء و استحکام اور انگریزوں کی حکومت کا قلع قمع کرنے کا اہتمام مکمل کیا جائے گا منشی صاحب کاکوری پہنچ کر اپنے علاقے کی تنظیم و تربیت میں منہمک ہو گئے۔ ان کی جمعیت مجاہدین میں لکھنؤ کی اودھ شاہی فوج کے برخاست شدہ سپاہیوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ اس کے سب جواں مردان کے اشارے پر سرفروشی کے لئے حاضر تھے۔ منشی صاحب نے انقلابی تنظیم کے استحکام کی خاطر کئی پولیس افسروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور ان سے گہرے تعلقات پیدا کر کے اپنا راز دار بنا لیا تھا۔ تاکہ آڑے وقت میں مجاہدین کی اعانت کر سکیں۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی کے قبل از وقت اعلان بغاوت کی خبر سنتے ہی انہوں نے فوراً طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق لشکر مجاہدین کو آراستہ کیا۔ کہ حکام وقت کے خلاف نبرد آزمائی شروع کر دیں۔ اور فتح یاب ہو کر مرکز جہاد لکھنؤ کی جانب کوچ کریں۔ لیکن ایک راز دار پولیس افسر غداری پر آمادہ ہو گیا۔ اور اس نے گورا پلٹن کے انگریز افسر سے مجاہدانہ عزائم کی مخبری کر دی۔ اور بمصداق گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ انگریز افسر نے اسی وقت اپنی فوج کو حرکت دی۔ اور لشکر جرار نے کر عین اس موقع پر مجاہد رہنماؤں کا محاصرہ کر لیا۔ جب کہ رسول بخش صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ ایک مسجد میں بیٹھے تھے اور مشاورتی مجلس میں مصروف تھے۔ اور مجاہدین کو اقدام کے لئے آخری ہدایات دینے کے بعد حملہ کی تیاری پر بحث کر رہے تھے۔ منشی صاحب کے ساتھ اس وقت ان کے دست راست منشی عبدالصمد اور دوسرے رفقاء کار موجود تھے۔ جن کی مجموعی تعداد اٹھارہ تھی۔ انگریزی فوج نے ان نہتے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ اور بلا تفتیش مقدمہ ان سب حضرات کو شاہ پیر محمد کے ٹیلے پر پھانسی دے دی۔ منشی رسول بخش صاحب ان شہدائے حریت میں سب سے آگے تھے۔ ان کے دو صاحبزادے منشی عبدالحیؒ اور منشی عبدالعزیز اس وقت اپنے مکان میں تھے۔ جب ان کو اس سانحہ کی خبر ملی۔ باچشم پرنم صبر و شکر کرتے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو لے کر نکلے کہ کسی طرف نکل جائیں۔ اور اعزہ کی عزت بچائیں۔

حضرت شاہ تراب علی شاہ سجادہ نشین تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری نے اپنے صاحبزادگان کو بھیج کر اپنے پاس بلا لیا۔ اور بحفاظت تمام کو روپوش کر دیا۔ مجاہدین کی جماعت میں خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور انہوں نے کسی کو سردار لشکر مقرر کر کے انگریزی فوج اور پولیس اسٹیشن پر حملہ کر دیا۔ خوں ریز معرکہ آرائی ہوتی رہی کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مگر مجاہدین نے ہار نہ مانی انگریز افسر تنگ آ گئے۔ آخر کسی نے حکام کو مشورہ دیا۔ کہ منشی رسول بخش صاحب کے صاحبزادگان اور اہل خاندان کی تلاش بند کر کے ان کی معافی کا اعلان کر دیں۔ تو یہ لڑائی بند ہو جائیگی۔ چنانچہ مجبوراً یہی کیا گیا۔ عارضی طور پر امن بحال ہو گیا۔ اور منشی صاحب کا خاندان اپنے گھر آباد ہوا۔ لیکن کچھ

عرصہ بعد وہ لوگ اطمینان سے گھر خالی کر گئے۔ اور کسی محفوظ جگہ چلے گئے۔ اب مجاہدین نے از سرِ نو جدال و قتال کا بازار گرم کر دیا۔ اور مدّتوں مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر بیرونی کمک حاصل کر کے انگریزوں نے انہیں شکست دیدی۔ افسوس کہ غداروں نے ابتدا سے اس محاذ کو ناکام بنا دیا۔ لطف یہ ہے۔ کہ کسی تاریخی کتاب میں منشی رسول بخش کا حال درج نہیں کیا گیا۔ اور مؤرخین نے اس شہید وطن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر تک نہیں کیا۔ صرف ایک دو جگہ ان کا نام ضرور لیا ہے۔ حالانکہ تحصیل کاکوری کی سرکاری دستاویزات اور خفیہ رپورٹس میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ جن کی بناء پر یہ حالات مرتبہ نقل کئے گئے۔

شہید حریّت مولانا وہاج الدین کے اولوالعزم کارنامے

۱۸۵۷ء کے زمانہ میں ضلع مراد آباد کے مجسٹریٹ سی بی ساانڈرس جے جے کیمبل جوائنٹ مجسٹریٹ اور جے کرافٹ وِلسن سیشن جج تھے۔ کرافٹ ولسن کو مراد آباد میں ۱۷ سال گذر چکے تھے۔ اور وہ یہاں کے تمام عمائدین سے بخوبی واقف تھا۔ شہری مزاج سے بھی اسے پوری واقفیت حاصل تھی۔ یہی سبب تھا۔ کہ جب حکام ضلع کو مراد آباد اور اس کے اطراف وجوانب میں جنگ حریّت کے شعلے بھڑکتے نظر آئے تو ضلع کی نظامت انہیں کے سپرد کر دی گئی۔

جو اصحاب شہر میں جہاد حریت کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان میں مولانا وہاج الدین پیش پیش تھے۔ ان کے ساتھ دوسرے سربرآوردہ علماء اور مجاہدین میں سے خصوصاً قاضی عصمت اللہ فاروقی، نواب عباس علی خاں، اسد خاں، نواب مجدالدین خاں عرف نواب مجو خاں نواب شبیر علی خاں، مولانا کفایت علی کافی تھے۔

ان رہنماؤں کی قیادت اور مولانا وہاج الدین کے عملی اقدام نے مراد آباد میں انگریزوں کو شکست دے کر قومی حکومت قائم کر دی نواب مجو خاں حاکم ضلع مقرر کئے گئے۔ لشکر مجاہدین کا سپہ سالار نواب علی خاں کو بنایا گیا۔ مولانا کفایت علی صدر شریعت مقرر ہوئے مولانا وہاج الدین نے اپنے لئے کوئی عہدہ منتخب نہیں کیا۔ بلکہ تمام ضلع میں تبلیغ جہاد اور تنظیم انقلاب کے فرائض اپنے ذمہ لئے۔ اسد علی خاں توپ خانے کے افسرِ اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ مولانا وہاج الدین ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ عوام سے خطاب کرتے اور انہیں غیر ملکی تسلّط کے خلاف ہر ممکن جدوجہد اور عزم و استقلال سے سینہ سپر رہنے کی تلقین کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا۔ کہ ضلع بھر کے مسلمان ان کے پرچم تلے مجتمع ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ رام پور کے پٹھانوں نے جب دیکھا۔ کہ نواب یوسف علی خاں (والی ریاست) کسی طرح انگریزوں کی طرف داری سے باز نہیں آتے۔ تو چپکے چپکے جتھوں کی صورت میں مراد آباد آنے لگے۔ اور لشکر مجاہدین میں شریک ہو گئے۔

ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برطانوی حکومت سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور واضح طور پر ظاہر کیا۔ روہیل کھنڈ کے دوسرے اضلاع کی طرح مراد آباد کے ضلع میں بھی غیرت دینی اور انگریزوں کی ہر بات سے نفرت کے جذبات نے مسلمانوں کو عام بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ مولوی وہاج الدین صاحب نے قیام حکومت کے بعد جو دورے کئے اور دوسرے مجاہد رہنماؤں سے رابطہ اتحاد کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں بریلی بھی پہونچے اور نواب خاں بہادر خاں سے مشورے کئے۔ اس دورے میں مولانا کافی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ تمام انگریز حکام راہ فرار اختیار کر کے نینی تال میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ اور ان کی حمایت و رسد رسانی نواب رام پور نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اور ساتھ یہ تجویز کی کہ سارا روہیل کھنڈ بریلی اور مراد آباد (بدایوں وغیرہ) اپنی فوج بھیج کر فتح کر لیں۔ لیکن انگریز مرتے مرتے بھی یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کی بجائے کوئی اور ملک کے کسی حصہ پر قبضہ کرے۔ چنانچہ نواب نے دوسری تجویز یہ پیش کر دی کہ صرف مراد آباد پر حملہ کرنے اور اسے فتح کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور فوراً اپنے چچا عبدالعلی خاں کو

مراد آباد روانہ کرکے جہاد حریت کے رہنماؤں سے گفت وشنید شروع کردی نواب مجو خاں اور منو صاحب نے انہیں صاف جواب دے دیا۔ کہ آپ شوق سے تشریف لائیں۔ انگریزوں کے خلاف پہلے جہاد کا اعلان کریں۔ اور مجاہدین کی سرکردگی اختیار کریں۔ ورنہ اگر آپ کا خیال یہ ہے۔ کہ انگریزوں کے طرفدار بن کر ہمیں دبائیں اور فتح یاب ہو کر ضلع کو دشمنوں کے حوالہ کردیں۔ تو ہم ہر طرح معرکہ آرائی کے لئے تیار ہیں "ہمیں گوئے و ہمیں میدان"، نواب رام پور نے مجاہدین کے تیور دیکھ کر مراد آباد کے جوش و خروش کا حال معلوم کرکے نواب مجو خاں کو پیام دیا کہ ہم تم کو اپنا ناظم تسلیم کرتے ہیں۔ تمہاری حکومت رام پور کے ماتحت رہے گی۔ جب بریلی میں نواب بہادر خاں کو یہ خبر پہونچی تو انہوں نے فوراً جنرل بخت خاں کو ان کے لشکر مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا۔ کہ وہاں کا جائزہ لیں۔ اور نواب رام پور کو مراد آباد کے مجاہدین کے ساتھ ساز باز نہ کرنے دینا شہزادہ فیروز شاہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ جنرل بخت خاں رام پور ہوتے ہوئے (جس کی تفصیلی کیفیت گذشتہ مضامین میں بیان ہو چکی ہے) مراد آباد وارد ہوئے اور مجاہد رہنماؤں سے ملاقات کرکے صورت حال معلوم کی۔

مجاہدین کی سرگرمیوں کا یہ عالم دیکھ کر نواب رام پور نے اپنے نمائندوں کو معہ فوج کے واپس بلالیا۔ جنرل بخت خاں کو اطمینان ہوگیا۔ کہ وہاں کی حالت بہت تشویشناک نہیں ہے۔ اور نواب مجو خاں اور مولانا وہاج الدین نے ان کو پوری طرح یقین دلایا۔ کہ ہم کسی قیمت پر بھی انگریزی حکومت کے ہواخواہوں سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ شہزادہ فیروز شاہ کی موجودگی کے سبب بھی مجاہدین کو بڑی تقویت پہنچی ہوئی تھی۔ اس لئے جنرل بخت خاں مراد آباد سے ۲۷ جون کو دہلی روانہ ہوگئے۔ لیکن نواب رام پور کی مداخلت نہ ہوئی۔ وہ انگریزوں کی شہ پر برابر مراد آباد والوں کی سلسلہ جنبانی کرتے رہے۔ اس کی پوری تفصیل تحریک انقلاب کے حالات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ آخر نواب رام پور کی فوجوں کے ساتھ مل کر مراد آباد کی فتح کی تیاریاں کرتے رہے۔ لیکن عرصہ دراز تک مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور انگریزوں کی حکمت عملی غداریوں کے جال بچھانے میں کامیاب ہوگئی۔ شہزادہ فیروز شاہ پہلے اپنی فوج کو لے کر اطراف و جوانب میں معرکہ آرائی کے لئے چلے گئے تھے۔ تقریباً ایک سال بعد دوبارہ مراد آباد آگئے۔ کیونکہ لکھنؤ، دہلی اور بریلی وغیرہ مقامات پر انگریز قابض ہو گئے تھے۔ ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو رام پور کی فوج کے ساتھ کاظم علی خاں اور گورا پلٹن اور گورکھوں وغیرہ کے لشکر کثیر کے ساتھ جنرل جانسن نے مراد آباد پر حملہ کیا۔ مولوی وہاج الدین اور دوسرے رہنماؤں کی معیت میں اور شہزادہ فیروز شاہ کی قیادت میں مجاہدین نے ان فوجوں کا جی توڑ کر مقابلہ کیا۔

روایت ہے۔ کہ خواتین مراد آباد مردانہ لباس زیب تن کرکے ہتھیاروں سے لیس ہو کر مجاہدین کے گروہ میں شریک ہوگئیں اور مردانہ عزائم و دلیری کے ساتھ اپنے مردوں کے دوش بدوش لڑتی رہیں۔ اندرونی سازشوں اور مخبروں کی ذلت کے سبب مجاہدین کے پاس سامان حرب کی کمی ہونے لگی۔ اس کے باوجود انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ اور میدان کارزار میں ڈٹے ہوئے دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے مگر تا بکے، انگریز زبردست اعانت اور قوت کے سبب غالب آئے۔ اور شہر پر قبضہ کرلیا۔ شہزادہ فیروز شاہ سنبھل والی سڑک پر روانہ ہو کر کندرکی ہوتے ہوئے آنولہ اور وہاں سے بریلی پہونچے۔ انگریزوں نے بقیۃ السیف جانبازان حریت کی گرفتاریاں شروع کیں۔ اور شہر میں لوٹ مار مچانے لگے۔ جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لٹکائے گئے۔ جس کو جاسوس اور کمینے مخبروں نے مجاہد بتایا اسے پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ کوئی پرسش اور چارہ جوئی نہ تھی۔ ان شہدائے حریت کی یاد میں (جو پھانسی پا کر سرزمین وطن پر قربان ہوئے۔ اور وہیں دفن کر دیئے گئے) محلہ گل شہید آباد ہوگیا۔ جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔

مولانا وہاج الدین صاحب روپوش ہوگئے۔ اور درپردہ دوبارہ موقع کی تلاش میں رہے۔ کہ ایک بار پھر قسمت آزمائی کرسکیں۔ وہ اپنے مکان ہی میں مسکن گزین تھے۔ مگر کسی حاکم کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ تلاشی کا حکم دے۔ چنانچہ مخبروں کو ان کے پیچھے

لگا دیا گیا۔ مولوی صاحب کے ملنے جلنے والے مخلصین اب بھی خفیہ طور ان سے ملاقات کے لئے جاتے رہتے۔ وہ حسب عادت ہر چھوٹے بڑے سے ملتے۔ گو کسی حد تک محتاط رہتے۔ ایک نمک حرام غدار جو مولوی صاحبؒ ہی کے ٹکڑوں پر پلا ہوا تھا۔ ایک روز موقع پا کر اپنے ساتھ ایک خفیہ سرکاری جماعت کو مسلح لیکر ان کے دروازے پر جا پہنچا۔ تمام لوگ ادھر اُدھر چھپے رہے۔ اور اس نے دروازہ پر آواز دی۔ مولوی صاحب نے آواز پہچان کر نوکر سے دروازہ کھولنے کو کہہ دیا۔ کہ آناً فاناً ایک مسلح گروہ چاروں طرف سے ہلّہ کر کے فوجی رسالہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب کے ایک وفادار ملازم نے مداخلت کی جو فوراً شہید کر دیا گیا۔ مولوی صاحب نے اللہ اللہ کہہ کر پاس رکھی ہوئی بندوق اٹھائی۔ لیکن اس سے پہلے کہ گولی چلائیں۔ ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ اور حضرت مولانا کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ آپ کی اور ملازم کی نعشیں فوجی رسالہ نے اٹھالیں اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اور آقا و ملازم دونوں کو برابر دفن کر دیا۔ بعد میں دونوں کی قبریں پختہ تعمیر کی گئیں۔ جو محلہ گنج سرائے میں کچہری روڈ پر نعل بندوں کی مسجد سے متصل ایک احاطہ میں موجود ہیں۔ اور ان پر نیم کے درخت کا سایہ ہے۔ مولانا علیہ الرحمتہ اور ان کے اہل خاندان کی تمام جائیداد اور املاک ضبط کر لی گئیں۔ ع

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

شمس العلماء حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ بھی انگریزوں کی مخالفت اور برطانوی استبداد سے مسلمانوں کی آزادی میں مولانا فضل حق مرحوم کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔ مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد انگریزوں کے خلاف تھا۔ وہ آپ کی گرانقدر کتاب "ہنگامۂ اجمیر" سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کر لی تھی۔ چند نسخے جو بچ رہے۔ وہ آج بھی کہیں کہیں علماء اہلسنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔

محمد علی شوکت علی

یہ دونوں صاحبان گو علماء محتاطین کے طبقے میں شامل نہیں۔ مگر آزادیٔ ہند و انگریزوں کی مخالفت میں جو انہوں نے مساعی کی ہیں۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔ یہ دونوں صاحبان اعتقاداً سنّی تھے۔ اسی وجہ سے دیوبندیوں نے انہیں بھی بدعتی اور مشرک قرار دیا۔ ان کے علاوہ طبقہ علماء میں مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی مولانا فاخر اشرفی الہ آبادی، مولانا ہدایت اللہ وغیرہم سنی بریلوی علماء کی مقتدر ہستیاں صرف اس وجہ سے جیل کی کال کوٹھڑیوں میں محبوس رہیں۔ کہ یہ لوگ انگریزوں سے جہاد کرنے میں سرگرم عمل تھے ایسے تمام حضرات کے کارناموں کے لئے ایک وسیع کتاب کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں۔

بھارت کی آزادی میں علمائے اہل سنت کی غیر معمولی قربانیوں کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ وطن کے غداروں سے ملک و ملت کو بچایا جا سکے۔

سیّد صاحب اور شاہ اسماعیل

۱۸۲۳ء میں سیّد احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی انگریزوں کے اشارے پر سکھوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاہ صاحب وعظ کہنے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ اسی لئے انہیں انگریزوں کی حمایت اور سکھوں کی مخالفت میں یک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ کلکتہ سکھوں کے خلاف وعظ فرما رہے تھے۔ کہ اثنائے وعظ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا۔ کہ آپ انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ وہ بھی تو ظالم اور کافر ہیں۔ تو اس کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا ـــــ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کوئی اذیت نہیں۔ اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں۔ ہمارے مذہب کی رو سے ہم پر یہ فرض ہے۔ کہ انگریزوں سے جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں [1] ـــــ مرزا دہلوی فرماتے ہیں کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد

[1] تواریخ عجیبہ ص۷۳ [2] تاریخ مذاہب الاسلام مطبع لاہور ص۶۶

کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے۔ اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے۔ تو ایک شخص نے دریافت کیا۔ کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں۔ ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ بلکہ اگر کوئی ان پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ وہ اس سے لڑیں اور گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ نہ آنے دیں۔ ۲؎

مورخین صحت روایت کے اقرار کے ساتھ لکھتے ہیں۔ .... یہ بھی صحیح روایت ہے۔ کہ اثنائے قیام کلکتہ میں ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا۔ کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا۔ کہ ایسی بے رُو و ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ۳؎

سید صاحب خود فرماتے ہیں۔ ..... ہم سرکار انگریزی پر کس سبب جہاد کریں۔ اور خلاف اصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں ۴؎

تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ..... آپ کی (یعنی سید صاحب کی) سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں۔ جہاں کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بہ دلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت کرنے سے منع کیا ہے ۵؎

کلکتہ میں دورانِ قیام شاہ اسماعیل نے جو انگریزوں کی حمایت کی ہے۔ مورخین کے نزدیک ناقابلِ انکار ہے۔ یہ کسی ایک راوی کی روایت سے ثابت نہیں۔ بلکہ سید صاحب کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں۔ جہاں بالاعلان انگریز بہادر کی حمایت میں قرآن و حدیث کا سہارا لیا گیا ہے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کو نہ صرف ممنوع اور نادرست بتایا گیا۔ بلکہ انگریزوں کے جبر و تشدد کی تردید کرتے ہوئے ان کی حکومت کو غیر متعصب اور بے ضرر قرار دیا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان مجاہدین آزادی سے لڑیں۔ اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ بھی نہ آنے دیں۔ یہ حمایت محض لفظی حمایت نہ تھی بلکہ سید صاحب اور ان کے گروہ کے سربرآوردہ حضرات نے عملاً ثابت کیا ہے۔ کہ وہ انگریزوں کے وفادار ہیں۔ میں آپ کا ذہن تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ والرضوان نے جب انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو سنی مسلمانوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ ہاتھوں میں بندوق لے کر میدان میں نکل پڑے۔ لیکن افسوس صد افسوس بندوقوں سے مسلح ان مجاہدین آزادی کا مقابلہ انگریزوں سے پہلے جس گروہ سے ہوا اسے آپ تذکرۃ الرشید (مرتبہ عاشق الٰہی میرٹھی) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم نانوتوی اور طبیب روحانی حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے۔ کہ بندوقچیوں (یعنی مجاہدین آزادی) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما طبقہ (یعنی علمائے دیوبند) اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا۔ اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا ۶؎

اسی انگریز دوستی کا نتیجہ تھا۔ کہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی جو سید صاحب اور انگریزی حکومت کے درمیان رابطہ تھے۔ وہ انگریزوں کے تعاون سے روپیہ حاصل کر کے سید صاحب کو پہنچایا کرتے تھے۔ ..... اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہو کاران دہلی مرسلہ مولوی محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی۔ ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اس سات ہزار روپے کی واپسی کا دعویٰ عدالت

۲؎ حیات طیبہ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی ص ۲۹۶، ۳؎ تواریخ عجیبہ ص ۱۷۳، ۴؎ تواریخ عجیبہ ص ۱۹۰ ۵؎ ایضاً ص ۱۳۶ ، ۶؎ تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۵،

دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری بحق مدعی بحال رہا۔ ؎۱

سیّد صاحب نے انگریزوں کی مدد تین طریقے سے کی پہلی مدد اس طرح کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کو شرعاً ناجائز قرار دیا۔ دوسری مدد اس طرح کہ خود انہوں نے ایسا ماحول بنا دیا۔ کہ اکابر دیوبند مجاہدین آزادی سے ٹکرانے لگے۔ اور تیسری مدد اس طرح کہ مسلم امراء اور رؤسا کو انگریزوں کا ہمنوا بنایا۔ چنانچہ حیات طیبہ کا مصنف بلا خوف تردید لکھتا ہے۔

"لارڈ ہیسٹنگز سیّد احمد صاحب کی بے نظیر کارگذاریوں سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگز اور سیّد احمد صاحب۔ سیّد احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا" ؎۲

امیر خاں کا پورا نام نواب امیر علی خاں ہے یہ والی ٹونک تھے۔ انگریزوں نے جب نواب امیر علی خاں صاحب کو شکست دے کر خانماں برباد کر دیا۔ دولت وسطوت چھین لی تو مجبوراً امیر علی خاں نے گوالیار میں پناہ لی۔ ایسے انگریز دشمن کو بھی شیشہ میں اتارنا سید صاحب کا واقعی ایک عظیم کارنامہ تھا۔ جسے انگریز فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ انہی کارگذاریوں کی بنا پر سیّد صاحب کے لشکر کے لئے راشن پانی کا انتظام انگریزوں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی فرماتے ہیں — اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا۔ اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا۔ کہ میں یہاں موجود ہوں انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کرائے تھے۔ کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پاکر میں غروب آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔ سیّد صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ اور کھانا لے کر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور انگریز تین گھنٹہ رہ کر چلا گیا۔ ؎۳

غور فرمائیے۔ بہادر شاہ ظفر، سلطان ٹیپو اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے تصوّر سے انگریزوں کی رات کی نیند حرام ہو جائے۔ تمام مجاہدین آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انگریزی اقتدار کا نصب العین ہو۔ جواب دیا جائے کہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والا انگریز سید صاحب کے لشکر کے لئے راشن پانی کا انتظام کیوں کر رہا ہے؟ انگریزوں کی عیّاری سے جو لوگ واقف ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں کتنی گہری سازش ہوتی ہے۔ انگریزوں نے سیّد صاحب کو پادری کہہ کر دو کام لئے۔ اول یہ کہ مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے نہیں دیا۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کی توجہ انگریزی مظالم سے ہٹا کر سکھّوں کی طرف مبذول کرا دیا۔ انگریز خوب جانتا تھا کہ اس نے اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھینا ہے لہٰذا واپسی کی جدوجہد مسلمان کی طرح دوسری قوم نہ کر سکے گی۔ اس لئے مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے چاہے اس کے لئے سیّد صاحب اور ان کے لشکر کی پرورش ہی کرنی پڑے۔ انگریزوں نے تمام مسلم سپاہیوں کو چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ سیّد صاحب کے اعزاز واکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے ان سے بہتر کوئی دوسرا مذہبی رہنما نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"قلعہ الہ آباد میں جو مسلمان سپاہی مختلف خدمات پر متعیّن تھے۔ اور تین سو کی تعداد میں تھے۔ انہوں نے انگریز قلعہ دار کی اجازت سے حضرت (سید صاحب) کو قلعہ میں تشریف لانے کی زحمت دی۔ شہ نشین پر جو سلاطین سابق کی تخت گاہ تھی۔ آپ کو بٹھایا" ؎۴

سوچئے! مجاہدین آزادی پھانسی کے تختوں پر لٹکائے جا رہے ہیں علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کو کالا پانی کی سزا دی جا رہی ہے۔ اور

؎۱۔ تواریخ عجیبہ ۸۹، ؎۲ حیات طیبہ ص ۲۹۴، ؎۳ سیرت سیّد احمد ج ا ص ۱۹۰ و سوانح احمدی ایضاً، ؎۴ سیرت سید احمد ج ا ص ۱۹۶

سید صاحب کو انگریز قلعہ دار کی اجازت سے نشہ نشین پر بٹھایا جا رہا ہے۔ کیا تاریخ اسلام میں کسی اور مذہبی رہنما کی ایسی مثال مل سکتی ہے۔ جس نے پوری قوم سے غداری کی ہے۔ اگر کوئی عقیدتمند میرے اس ریمارکس میں تلخی محسوس کرتا ہو تو مجھے معذور سمجھے اس لئے کہ جب کلیجہ پھٹنے لگتا ہے تو قلم ادبی شہ پاروں کے بجائے جگر کے ٹکڑوں کو پیش کرتا ہے۔

میں بار بار عرض کر چکا ہوں۔ کہ سید صاحب کا سکھوں کے خلاف مسلمانوں کو صف آرا کرنا۔ انگریزوں کا سیاسی سٹنٹ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے بچوں کا قتل دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام کا روح فرسا منظر اور عورتوں، بچوں کا خون، مسلمانوں کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ انگریزوں کو خطرہ تھا۔ کہ کہیں مسلمان متحد ہو کر اٹھ کھڑے نہ ہوں، کیوں کہ علمائے اہل سنت نے جہاد کا فتویٰ دے دیا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے اپنی پرانی پالیسی (۱) خریدو (۲) لڑاؤ (۳) حکومت کرو پر عمل شروع کیا، اس کے لئے ان کی نظر سید صاحب اور شاہ اسماعیل پر پڑی۔ سودا ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ سکھوں کے مظالم بیان کئے جانے لگے۔ تاکہ مسلمانوں کی توجہ اصل دشمن سے ہٹ کر ہم وطنوں کی طرف مبذول ہو جائے۔ چنانچہ سید صاحب نے انگریزوں کی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں کے ذریعہ سکھوں سے جہاد کے نام پر" مسلمانوں کی سلطنتوں کو مزید کچلنے کا پورا پورا موقعہ مہیا کیا۔ چنانچہ سید صاحب کا عقیدتمند مورخ مولوی محمد جعفر تھانیسری رقمطراز ہے۔

"ملاحظہ مکتوبات احمدی یہ بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ سید صاحب نے واسطے تباہی سلطنت پنجاب کے، جس قدر سیف وسنان کا کام لیا تھا۔ اس سے زیادہ قلم اور زبان سے آپ نے کام لیا تھا۔ بخارا اور کاشغر اور افغانستان اور بلوچستان اور سندھ، پنجاب و کشمیر و کاغان کے کل مسلمان امراء اور رؤساء اور خاندان شاہ شجاع بادشاہ کابل آپ کے ساتھ شریک ہو چکے تھے"

تواریخ عجیبہ صـ۱۸۱

اگر سید صاحب انگریزوں کے وفادار نہ ہوتے تو وہ مذکورہ طاقتوں کو متحد کر کے انگریزوں کے خلاف استعمال کرتے اور کھوئے اقتدار کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے لیکن ان کی تحریک کو چونکہ انگریزوں نے جنم دیا تھا۔ اور سید صاحب کو ہر طرح کی مالی امداد حاصل تھی۔ اسی لئے وہ مغل بادشاہوں کے معاونین جو افغانی مسلمان تھے۔ کی توجہ انگریزوں کی طرف سے ہٹا کر سکھوں کی طرف کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور انگریزوں کی منفعت بھی اس میں تھی کہ مسلمان سکھوں سے ٹکرائیں تاکہ ہندوستان میں دونوں طاقتیں آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں۔ اور انگریزی اقتدار سلامت رہے۔

سید صاحب نے انگریز دوستی کا حق صرف اسی صورت میں نہیں ادا کیا۔ کہ مسلم امراء و رؤسا کی توجہ سکھوں کی طرف پھیر کے انگریزوں کو ہر طرح سے محفوظ رکھا۔ بلکہ انگریزی اقتدار کی ہی خواہی کے لئے مجاہدین آزادی سے خود جنگ کی جو مغلیہ سلطنت کے حامی اور انگریزوں کے دشمن تھے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان سوانح نگار ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

حضرت گنگوہی نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبٹہہ نے مجھے بیان کیا تھا۔ کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے۔ بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً سید صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی [۲] مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رام پوری بھی ہمراہ تھے۔ اور یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمی یار محمد خاں حاکم باغستان سے کیا تھا۔[۳]

یار محمد خاں حاکم باغستان نہ کسی انگریز افسر کا نام ہے۔ نہ کسی سکھ مہاراجہ کا یہ ایک کلمہ گو اور اہل قبلہ کا نام ہے جس سے سید صاحب نے پہلی جنگ کی۔ اس سے زیادہ سید صاحب انگریزوں کی مدد اور کیا کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کرنا اور ہندوستانی مسلمانوں کی توجہ انگریزی اقتدار اور ظلم و ستم کی داستاں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف مبذول کرانا اور کبھی کبھی انگریزی اقتدار کی حمایت میں اسے عادل اور محافظ یاد کرنا سید صاحب کی ایسی وفاداری ہے۔ جسے انگریز کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شمال مغربی سرحد میں سید صاحب نے جب اپنی ایک آزاد حکومت قائم

[۲] مولانا گنگوہی اور حافظ جانی کی سب سے بڑی منشر کرامت یہ ہے کہ مولوی عبدالحئی دہلوی کو مولوی عبدالحئی لکھنوی بنا دیا۔ ناظرین لکھنوی کی بجائے دہلوی پڑھیں (مولف) [۳] سیرت سید احمد ج ۱ صـ۱۹۷

کی تو ایک اعلامیہ شائع کیا جس کے مندرجہ ذیل فقرے غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان فقروں نے سید صاحب کی انگریز دوستی کو بے نقاب کر دیا۔

دامن کو لئے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل — کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

سید صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

" نہ با کسے از امرائے مسلمین تنازعت داریم و نہ با یکے از رؤسائے مومنین مخالفت۔ باکفار مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام۔ صرف با دراز مو یاں مقابلہ نہ با کلمہ گویاں و اسلام جویان و نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم۔ و نہ ہیچ را تنازعت کہ از رعایا او ہستیم بہ پناہش از مظالم بر آیا [1]

ترجمہ: نہ کسی مسلمان حاکم سے ہمارا جھگڑا ہے نہ کسی مسلمان رئیس سے ہماری مخالفت نہ کافروں سے مقابلہ ہے۔ اور نہ مدعیان اسلام سے ہماری جنگ صرف لانبے بال والوں (یعنی سکھوں) سے ہے۔ ہماری مخاصمت نہ کلمہ گو اور طالبان اسلام سے ہے اور نہ ہی سرکار انگریزی سے۔ کیونکہ ہم ان کی رعایا ہیں۔ اور ان کی پناہ و حفاظت میں مظالم سے محفوظ ہیں۔

" باکفار مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام — اور — نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم "

ان دو واضح جملوں نے بتا دیا۔ کہ سید صاحب کی تمام لڑائیوں کی نوعیت کیا تھی؟ غور فرمائیے۔ جو جنگ کفر و اسلام کے اختلاف کی بنیاد پر نہ لڑی گئی ہو۔ اسے اسلامی جنگ قرار دینا اور اس کے سپاہیوں کو مجاہدین باور کرانا۔ کیا اسلام کے تصور جہاد کو مجروح کرنا نہیں ہے؟ سید صاحب نے اپنی ساری جدوجہد کو بے نقاب کر کے بتایا۔ کہ اس کا تعلق کفار و مشرکین سے نجات حاصل کرنا نہیں ہے۔ اور نہ ہی سرکار انگریزی سے انہیں کوئی مخاصمت ہے۔ وہ تو مسلمانوں کی مجموعی طاقت کو صرف لانبے بال والوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ انگریزی حکومت سے عدم مخاصمت کی وجہ سید صاحب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اور ان کی قوم انگریزوں کی پناہ و حفاظت میں مظالم سے محفوظ ہے۔

بے شک سید صاحب اور ان کی مختصر سی اُمت مظالم سے محفوظ تھی ظلم کے پہاڑ تو تحریک آزادی کے علمبرداروں پر ٹوٹے تھے۔ مظالم کی موسلادھار بارش علامہ فضل حق خیر آبادی اور دیگر علمائے اہل سنت پر ہو رہی تھی۔ جنہیں انگریز دوستی میں بدعتی اور قبر پجوا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے ظلم وستم اور جبر و تشدد تو ان لوگوں پر روا رکھا گیا تھا۔ جو انگریزوں کو ذلیل و رسوا کر کے ہندوستان کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کرنا چاہتے تھے ایسے ظلم و جور کے دور میں سید صاحب اور ان کا مختصر سا گروہ یقیناً مامون و محفوظ رہا ہوگا۔ کیوں کہ جسے انگریزوں کی سرپرستی حاصل ہو اس سے زیادہ انگریزوں کے اقتدار میں کون مامون و محفوظ رہ سکتا ہے۔ کاش سیّد صاحب کی سکھ دشمنی، انگریز دوستی کا نتیجہ نہ ہوتی۔ منشی محمد جعفر تھانیسری سوانح احمدی میں تحریر فرماتے ہیں۔

یہ بھی صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں سے جہاد کرنے کو جاتے ہیں۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہے۔ وہ دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔۔۔۔ سکھوں سے جہاد کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ وہ برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے سے مزاحم ہوتے ہیں۔۔۔۔ اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و زیادتی نہیں کرتی۔ نہ ان کو ادائے عبادت سے روکتی ہے [2]

انگریز دوستی کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کیا مل سکتی ہے۔ کہ سید صاحب کو سکھوں کے ظلم و جور یاد رہے۔ لیکن بے شمار مسلمانوں کا انگریزوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جانا یاد نہ رہا۔ کیوں کہ سید صاحب ظالم انگریزوں کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے تھے۔ سیّد صاحب نے سکھوں کے تعلق سے جتنی باتیں بیان کی ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تقریباً بیس سال قبل انگریزوں کے بھی مظالم کی ایسی ہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اور اسی بنا پر انگریز کی مقبوضات کو حضرت شاہ صاحب نے دارالحرب قرار دیا تھا۔ اس کے بعد بھی علمائے اہل سنت خصوصاً

---

[1] سوانح احمدی ص ۲۳۶ — [2] سوانح احمدی ص ۹۱

مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ لیکن ان فتوؤں کا اثر ان لوگوں پر کیسے پڑتا جو انگریزوں کی چوکھٹ پر دن کی روشنی میں سجود نیاز لٹا رہے تھے۔

سیّد صاحب نے انگریزی اقتدار کو مضبوط بنانے کے لئے نہ صرف مسلمانوں کا رُخ سکھوں کی طرف پھیرا بلکہ ہندوؤں کو بھی منتقل کر کے اپنے لشکر میں شامل کیا۔ اور انہیں بھی سکھوں سے لڑا دیا۔ چنانچہ راجہ رام ہندو پر سیّد صاحب کا جادو اثر کر چکا تھا۔ اور سیّد صاحب نے اسے اپنا معتمد بنا لیا۔ یہاں تک کہ پورا توپ خانہ اسی کی کمانڈری میں دے دیا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد میاں ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلمائے ہند اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم (ہندوستانی مسلمان اور تحریک آزادی) میں راجہ رام ہندو کی سید صاحب کے لشکر میں شمولیّت اور اس کے کارنامے کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں —— راجہ رام ہندو۔ سیّد صاحب کے توپ خانہ کا کمانڈر ہے۔ اور سکّھوں کی فوج پر گولہ باری کر رہا ہے [1]۔

اب اس لشکر کے بارے میں قارئین کا کیا خیال ہے۔ جو ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل ہو۔ کیا اس میں مرنے والے اسلامی شہید ہیں؟ کیا راجہ رام ہندو، سیّد صاحب پر جان قربان کر کے شہید بن سکتا تھا۔؟ تو پھر اس لشکر کے دیگر مقتولین کو اسلامی شہید کیوں کہا جاتا ہے؟ جب کہ پورا لشکر انگریز کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ ذہن پر بوجھ نہ ہو تو تاریخ کے چند تراشے ملاحظہ ہوں۔

۱ بھلا مسلمانوں (یعنی سید صاحب کی پارٹی) کو گورنمنٹ انگلشیہ سے کیوں سروکار ہونے لگا۔ [2]

۲ ہماری عادل سرکار کے قبضہ میں آ گئی۔ [3]

سیّد صاحب کی وفاداری کو بیان کرتے ہوئے ان کے عقیدت مندوں نے عیسائی مورخ کی تکذیب بھی کی ہے

۳ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اور دوسرے متعصب مؤلفوں نے سید صاحب جیسے خیرخواہ اور خیر اندیش سرکار انگریزی کے حالات کو بدل سدل کر مخالفت کے پیرایہ میں لکھا ہے۔ [4]

گویا سید صاحب انگریزوں کے مکمل وفادار تھے۔ ان کے متعلق جہاں کہیں انگریز دشمنی بیان کی گئی ہے۔ وہ ڈاکٹر ہنٹر جیسے سخت عیسائی اور دیگر مورخین کا محض تعصب ہے۔ کیوں کہ سید صاحب فی الواقع سرکار انگریزی کے خیرخواہ اور خیر اندیش تھے۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب سیّد صاحب کا وہ فتویٰ پڑھیے جو انگریزوں کی غلامی میں ڈوبا ہوا ہے۔

۴ پنجاب میں اس وقت ایک ایسی عادل اور بے ریا گورنمنٹ کی عمل داری تھی۔ کہ جس سے کسی طرح مخالفت جائز نہیں۔ [5]

جب پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ نہ تھا۔ اس وقت سید صاحب نے سرحد پار اپنی ایک آزاد ریاست بنائی پھر پنجاب جو اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ کے حصول کے لئے جدوجہد شروع کی تا کہ انگریزی اقتدار کی راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ فتح ہو۔ سید صاحب نے اپنے معتقدین کو یقین دلایا تھا کہ فتح پنجاب سے پہلے میں مروں گا نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سید صاحب کا الہام تھا مولوی محمد جعفر تھانیسری فرماتے ہیں۔

وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا۔ کہ آپ ان کو سراسر صادق اور ہونہار سمجھ کر بارہا فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا۔ اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی [6]

یہ الہام کس طرح پورا ہوا وہ بھی ملاحظہ ہو۔

سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لا مذہب قوم کے ہاتھوں میں آ گئی جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کرتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل یہی ہوگی جو ظہور میں آئی۔ [7]

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۲۷۹، [2] حیات طیبہ ص ۳۰۱، [3] ایضاً ص ۱۸۰، [4] تواریخ عجیبہ ص ۲۳۶، [5] ایضاً ص ۲۲۴، [6] تواریخ عجیبہ، [7] ایضاً ص ۱۸۰

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ سید صاحب نے سکھوں سے جنگ اسلام اور اہل اسلام کے لئے ہرگز نہیں کی تھی۔ بلکہ انگریزی مملکت کی توسیع کے لئے یہ سب پاپڑ بیلے تھے۔ جیسا کہ ان کے الہام کی صحیح تاویل سے معلوم ہوتا ہے۔ سید صاحب کا ایک عقیدتمند مورخ فیصلہ کرتا ہے کہ۔

وہ اس آزاد عملداری (یعنی انگریزی عملداری) کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔ (تواریخ عجیبہ صـ ۱۶۳[1])

کہنے دیجئے کہ۔ جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگ قوم و ننگ دین ننگ وطن

بڑی ناانصافی ہوگی اگر سید صاحب کو میر جعفر اور میر صادق کے برابر سمجھا گیا۔ اس لئے کہ جعفر صادق نے انگریزوں کا ساتھ اس لالچ میں دیا تھا۔ کہ انگریز بہادر انہیں اقتدار سونپ دیں گے۔ لیکن سید صاحب کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہ سرے سے ہی حکومت کے خواہاں نہ تھے۔ بلکہ انگریزوں کی عملداری کو ہی اپنی عملداری سمجھتے تھے۔ اس لئے سید صاحب انگریز دوستی میں جعفر و صادق سے بلند تر ہیں۔ انگریزوں کی غلامی میں میر جعفر اور میر صادق سید صاحب کے گرد پا کے برابر نہیں۔

بات اگر سید صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کی انگریز دوستی پر ختم کر دی گئی۔ تو داستان غم بڑی نامکمل رہے گی۔ لہذا ان کے نقش پا کو رہنما بنانے والوں پر بھی آئیے ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں۔ تاکہ حق تلفی کا الزام تاریخ ہم پر نہ لگا سکے۔

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی

پچھلے اوراق میں آپ کا نام نامی اسم گرامی آچکا ہے۔ آپ بھی سید صاحب کے زبردست پیرو بلکہ دست راست تھے۔ سید صاحب اور انگریزوں کے درمیان رابطہ کے فرائض انجام دیا کرتے تھے ان کا عظیم کارنامہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے انگریزوں کی مدد سے روپیہ حاصل کر کے سید صاحب تک پہنچایا ہے۔

اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ مولوی محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی۔ ملک پنجاب میں موصول نہ ہونے پر اس سات ہزار روپے کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی دائر ہو کر ڈگری بحق مدعی بحال رہا[1]

اس وقت کا سات ہزار روپیہ آج کل کے حساب سے ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ ہے۔ اتنی بڑی رقم اگر انگریزوں کے خلاف استعمال ہوتی تو کیا انگریزی عدالت سے واپس کرائی جا سکتی تھی؟ یہ روپیہ بالا علان اس لئے سید صاحب تک پہنچایا گیا۔ کیوں کہ اسے انگریزوں کی بنائی ہوئی اسکیم پر خرچ ہونا تھا۔ اسی لئے شاہ محمد اسحاق دہلوی کے لئے ان کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر انگریز حکومت نے مشاہرہ بطور وظیفہ جاری رکھا تاکہ انگریز دوستی کو صدمہ نہ پہنچے۔ جائیدادیں تو علمائے اہل سنت کی ضبط کی گئیں۔ جو انگریزوں سے ٹکرائے تھے۔ شاہ صاحب کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ کھلا اعتراف موجود ہے۔

مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کا واقعہ ہے۔ اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔ کہ جب گورنمنٹ انگریزی کا تسلط ہوا تو شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا۔ وہ جاری رکھا گیا۔[2]

مولانا اشرف علی تھانوی

آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ "توہین رسالت"[3] کے بھیانک جرم کے مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ محققین ان پر انگریز دوستی کا بھی الزام عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر آل انڈیا جمعیۃ علمائے اسلام فرماتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی طرف سے دیئے جاتے ہیں[4]

---

[1] تاریخ عجیبہ صـ ۸۹ ، [2] ملاحظہ ہو حفظ الایمان صـ ۹ ، [3] مکالمۃ الصدرین صـ ۱۰ ، [4] افاضات الیومیہ ج ۴ صـ ۶۹۸

خود مولانا تھانوی اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ تحریکات کے زمانے میں میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا۔ چھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے ایک شخص نے ایک ایسے مدعی سے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی خوف سے متاثر نہیں۔ لیکن طمع سے متاثر ہے

مذکورہ بالا چھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ کی تاویل مولانا شبیر احمد عثمانی قائلین وظیفہ کے الفاظ میں یوں کرتے ہیں

اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا۔ کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی۔ کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔ اب اس طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے۔ مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا[1]۔ یہ بات مولانا عثمانی نے صرف اس لئے کہی کہ ان پر بھی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیتہ علمائے ہند نے انگریزوں کی نمک خواری کا الزام لگایا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن فرماتے ہیں۔ کلکتہ میں جمعیتہ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی۔ (چند سطر بعد) گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دے گی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالہ بھی کر دی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا۔ کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے۔ کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں۔ تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں[1]

مولانا عثمانی اپنی جمعیتہ پر لگائے گئے مذکورہ بھیانک الزام کی تردید سے کتراتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جو آپ نے مولانا سبحانی کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ جو روایت آپ نے بیان کی۔ میں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے آپ صحیح کہتے ہوں[2]

مولانا عثمانی نے جب یہ محسوس کیا۔ کہ مولانا حفظ الرحمٰن گھر کے بھیدی ہیں۔ اور پول کھول رہے ہیں تو مجبوراً انہوں نے مولانا تھانوی کا پول کھولنا شروع کر دیا۔ کہ دیکھئے مولانا تھانوی کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ان کو حکومت چھ سو روپے ماہانہ دیتی تھی۔ اگر میری جمعیتہ علمائے اسلام کو بھی دے تو کیا حرج ہے۔ عثمانی صاحب کا بھولا پن ملاحظہ ہو کہ روپیہ ملنے کی تاویل اس طرح کرتے ہیں۔ کہ روپیہ پانے والے کو خبر ہی نہیں۔ کہ وہ انگریزی حکومت کا آلہ کار بن گیا ہے۔ اور معاوضہ میں چھ سو روپے ماہانہ پا رہا ہے۔ کیا یہ لوگ مورخین کو بھی مریدین کی صف میں رکھتے ہیں۔ کہ ہم جو تاویل و توجیہہ کر دیں۔ مورخین بلا چون و چرا سر تسلیم خم کر دیں گے۔

تبلیغی جماعت

اس جماعت پر بھی انگریزی حکومت کی بڑی مہربانیاں تھیں۔ آج کل بھارت میں اسے جن سنگھ اور آر ایس ایس کی سرپرستی حاصل ہے۔ انگریزی عہد میں یہ جماعت بھی وظیفہ خوری میں کسی سے پیچھے نہ رہی۔ ملت دیابنہ[3] کا ایک ذمہ دار شخص اقرار کرتا ہے۔

"مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا۔ الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہو گیا۔[4]"

بند ہونے کی وجہ یہ نہ تھی۔ کہ تبلیغی جماعت تائب ہو کر انگریز دشمن بن گئی تھی۔ بلکہ وجہ یہ تھی۔ کہ جس مسلمان افسر نے تبلیغی جماعت کو خرید کر انگریزی اقتدار کی سلامتی کے لئے آلہ کار بنایا تھا۔ اس کا تبادلہ ہو گیا۔ اور اس کی جگہ ایک متعصب ہندو افسر آیا جو غالباً اپنی فرقہ پرست ذہنیت کے سبب انگریزوں کے مسلم وفاداروں کی جگہ ہندو وفاداروں کا فائدہ چاہتا تھا۔ اسی ہندو افسر کی سفارش پر تبلیغی جماعت کی امداد بند ہوئی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن خود فرماتے ہیں۔

---

[1] مکالمۃ الصدرین ص ۸، [2] مکالمۃ الصدرین ص ۹، [3] یعنی دیوبندی قوم، [4] مکالمۃ الصدرین ص ۸

ﷺ : صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ، ؑ : عَلَیْہِ السَّلَامُ ، ؓ : رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ، ؒ : رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

بہر حال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہوگیا۔ اور ایک ہندو اس کی جگہ آگیا۔ جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا۔ جس میں دکھلایا گیا۔ کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل بیکار ہے۔ اس پر آئندہ کے لئے امداد بالکل بند ہوگی۔ بات ذرا طویل اور صرف اس لئے کہ قارئین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے۔ کہ صرف مولانا تھانوی کو ہی سرکاری نعمت سے نہیں نوازا گیا۔ بلکہ اس صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا آزاد سبحانی اور مولانا الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت بھی ہے۔

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا — بات پہونچی تیری جوانی تک

بات چل رہی تھی مولانا تھانوی کی۔ ناظرین اپنے ذہن کا رشتہ دوبارہ تھانوی صاحب سے جوڑ لیں۔ تحریک خلافت کو کون نہیں جانتا انگریزوں نے اسے باغی جماعت قرار دیا۔ وہ صرف اس لئے کہ تحریک خلافت متحدہ ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگانا چاہتی تھی۔ اس کی سرگرمیاں ملک کے طول وعرض میں اتنی سرعت کے ساتھ پھیل گئیں۔ کہ انگریزی حکومت کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ اسی لئے انگریزوں کو ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسے علماء کی جو تحریک خلافت کو بے قاعدہ، بے اصول اور بے ایمان قرار دیں۔ آخر کار چھ سو روپیہ ماہانہ نے اپنا اثر دکھایا۔ اور مولانا تھانوی نے کہنا شروع کیا۔ کہ

"تحریک خلافت کے زمانے میں لوگ چاہتے تھے۔ کہ جس طرح ہم بے قاعدہ اور بے اصول چل رہے ہیں۔ نہ شریعت کے حدود کا تحفظ نہ احکام کی پرواہ۔ اسی طرح یہ بھی شرکت کرے۔ میں نے کہا اگر تمہاری موافقت کی جائے تو ایمان جائے" ۱

جب انگریزی حکومت کی جانب سے مسلمانان کشمیر پر مظالم کے پہاڑ گرائے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی ماؤں اور بہنوں کی عصمت دری سر بازار ہو رہی تھی۔ عورتوں کا سہاگ لوٹا جا رہا تھا۔ تو اس وقت مجاہدین آزادی جتھے بنا کر کشمیر روانہ ہو رہے تھے۔ تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی امداد کریں۔ مسلم اور اسلام کے ناموس کی حفاظت کریں۔ مگر عین اسی وقت مجاہدین کے اس اقدام کو مولانا تھانوی نے شراب اور جوا سے تشبیہ دے کر حرام قرار دیا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"کشمیر پر جو جتھے جا رہے ہیں۔ اس کے متعلق ایک صاحب مجھ سے دریافت فرمانے لگے۔ کہ ان جتھوں کا جائز یا ناجائز ہونا تو الگ بات ہے۔ مگر نافع بہت ہے۔ میں نے کہا جی ہاں خمر بھی نافع ہے۔ میسر بھی نافع ہے" ۲

انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جس وقت مجاہدین آزادی نے جیلوں کو بھر دیا اور بھوک ہڑتال کر کے انگریزوں پر رات کی نیند حرام کر دی اس وقت دیگر انگریز دشمنوں کے ساتھ خود مولانا تھانوی بھی مجاہدین کے ان اقدامات کو خودکشی سے تعبیر کر رہے تھے۔

جتھوں کا جیل میں جانا یا پٹنا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے۔ تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ۳ مجاہدین آزادی کا جیلوں میں جانا وہاں انگریزی سامراج کے مظالم برداشت کرنا۔ اس لئے خودکشی قرار دیا جا رہا تھا۔ کیوں کہ مولانا تھانوی کے نزدیک انگریزی حکومت عادل اور محافظ جان و مال تھی۔ اور اس کے مقبوضات ان کے نزدیک دار السلام تھے۔ تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔

"حکومت انگریزی میں رعایا پر کسی قسم کی دار و گیر و بے اطمینانی سرکار کی جانب سے نہیں ہوئی۔ بلکہ بدستور ہر شخص اپنے جان و مال پر مطمئن رہا۔ (الی قولہ) بعض کے لئے امان اول باقی ہے۔ بعض کے لئے امان ثانی یہ بھی مثل دونوں احترازوں یا دونوں اتصالوں کے ہو اور ترجیح دار الاسلام کو دی جائے گی" ۳

---

۱ افاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۵، ۲ افاضات ج ۱ ص ۱۱۱، ۳ ایضاً ص ۷۵،

ص : صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ع : علیہ السلام، رض : رضی اللہ عنہ، رح : رحمۃ اللہ علیہ

مولانا تھانوی کے مذکورہ بالا فتویٰ کا اثر مسلمانوں نے ذرہ برابر بھی قبول نہ کیا۔ اور نہ ہی وہ انگریزوں کے جبر و تشدد سے ہراساں ہوئے۔ بلکہ انگریزوں کے مظالم جیسے جیسے بڑھتے گئے۔ آزادی وطن کے متوالوں کا جوش و خروش بھی بڑھتا گیا۔ اور ہندوستانیوں کا متحدہ محاذ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا۔ جب کھلے اور واضح الفاظ میں "سوراج" کا نعرہ بلند کیا گیا۔ جس وقت اہلسنت ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ یعنی "سوراج" کے خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے کی جو جدوجہد میں مصروف تھے۔ ٹھیک اسی وقت بعض زرخرید مولویوں نے سوراج کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ اسے شیخ چلی کا خواب بتایا۔ آزادی وطن کو صرف احتمال طفلی قرار دیا۔ وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں سوراج کو مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا جانے لگا۔ چنانچہ مولانا تھانوی اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔

"طلب سلطنت محال کی طلب نہیں۔ بلکہ احتمال کی طلب ہے۔ گو اس احتمال کا پورا ہونا ایسا ہی ہے۔ جیسے شیخ چلی کے احتمال کو پورا ہوتا جیسے آج کل سوراج کی بہت شورش ہے۔ ہندوستانی بادشاہت کے طالب ہیں۔ شاید تم کو ہی مل جائے۔ احتمال تو ضرور ہے۔ مگر بس احتمال ہی سے خوش ہو لو۔ ورنہ یہ احتمال ایسا ہے جیسے ایک صاحب نے سیاہ کتے کو جھک کر سلام کیا تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو کہا شاید جن ہو اور جنوں میں بھی بادشاہ ہو اور میرے سلام کی وجہ سے خوش ہو کر کچھ دے دے۔ بس ایسی ہی حالت آپ کی طلب کی ہے" ؎۱

یا اللہ زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی اور آسمان گر کیوں نہیں پڑتا۔ آزادی وطن کی جدوجہد کو شورش کہا جا رہا ہے۔ اسے شیخ چلی کا خواب بتایا جا رہا ہے۔ ع قیامت کیوں نہیں آتی الہی ماجرا کیا ہے

صرف چھ سو روپیہ ماہانہ میں اتنا اثر تھا۔ کہ سوراج کی جدوجہد کو شیخ چلی کا احتمال بتا کے اور کالے کتے سے تشبیہ دے کر مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ تھانوی صاحب تو منوں مٹی کے نیچے دب گئے ہیں۔ اب ان کے پیر و جواب دیں۔ کہ وطن عزیز آزاد ہوا کہ نہیں؟ اور چھ سو روپیہ ماہانہ دینے والے آقاؤں کو ہندوستان سے مار بھگایا گیا کہ نہیں؟ اور سوراج جس کا تھانوی صاحب نے مذاق اڑایا ہے۔ اب وہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نہیں؟

مولانا تھانوی کی تعلیمات میں ایک بنیادی تعلیم یہ بھی تھی۔ کہ انگریز حاکموں کو ناراض نہ کیا جائے۔ یہ تعلیم اس لئے دی جاتی تھی۔ کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے۔ اور چھ سو روپے ماہانہ کے علاوہ بھی کچھ ملے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

"میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ تم حکام وقت کو ناراض نہ کرو۔ یہ طریقہ بہت مضر ہے" ؎۲

انگریزی حکام کی اطاعت و فرمانبرداری کا درس اگر وہ اپنی رائے کی حد تک دیتے تو صرف جعفر و صادق کی فہرست میں ان کا بھی شمار ہوتا۔ اور لوگ زیادہ اہمیت نہ دیتے۔ لیکن مومن کا کلیجہ اس وقت پھٹنے لگتا ہے۔ جب مولانا تھانوی اپنی انگریز دوستی کو قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق قرار دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ انگریزی حکام کی حمایت کرتے ہوئے قرآن پاک سے یوں استدلال کرتے ہیں۔

"اور شریعت کا امر ہے۔ لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو ایسا کام نہ کرنا چاہیے۔ جس میں حاکم کی ناراضی ہو۔ کیونکہ اس کا انجام قریب بہ ہلاکت ہے۔ اور مدت دراز تک مسلمانوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے" ؎۳

مذکورہ آیہ کریمہ کو دلیل بنا کے انگریز حاکموں سے مخالفت مول لینے کو تھانوی صاحب خلاف شرع بتا رہے ہیں۔ ظالم انگریزوں کی ناراضی کو ہلاکت بتا کے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی جا رہی ہے۔ کہ وہ انگریز بہادر کو اپنے کسی عمل سے ناراض نہ کریں۔ ورنہ مدت دراز تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ آخر کوئی جواب دے کہ انگریز حاکموں سے جہاد کرنا اور ان ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہیں پریشان و حیران کرنا اگر ہلاکت ہے۔ تو شہادت اور ایثار و قربانی کسے کہتے ہیں۔ کیا شہادت و قربانی کی عظمتیں انگریزوں کی جبہ گیری میں پوشیدہ ہیں؟ یا اس مرد مجاہد کو

؎۱ ماہنامہ الابقاء جلد ۴ بابت ماہ اپریل ۱۹۵۳ء کراچی ص ۲۷ ؎۲ ماہنامہ الابقاء جلد ۱۵ عدد ۹ بابت ماہ مئی ۱۹۴۲ء دہلی ص ۴۰
؎۳ ماہنامہ الابقاء جلد ۵ نمبر ۱ بابت ماہ جون ۱۹۴۲ء دہلی ص ۴

درجہ شہادت نصیب ہوتا ہے۔ جو ظالم کے سامنے بلا خوف وخطر کلمہ حق بلند کرتا ہوا قتل کیا جاتا ہے۔ مولانا تھانوی کا جہاد سے فرار، وہ بھی صرف چھ سو روپیہ ماہانہ یا اس سے کچھ زائد رقم کی خاطر ملت اسلامیہ سے کھل کر غداری ہے۔ کیا اب بھی ان کی انگریز دوستی کو سمجھنے کے لئے کسی اور گواہی کی ضرورت رہ گئی ہے۔ اتمام حجت کے لئے ایک اور ایسی گواہی پیش کر رہا ہوں جس کے ہر لفظ سے انگریز کی محبت وعقیدت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ مولانا تھانوی تو خود فرماتے ہیں۔

ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا۔ کہ اگر تمہاری حکومت ہو جائے۔ تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے۔ میں نے کہا محکوم بنا کے رکھیں گے۔ مگر ساتھ ہی ان کو نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا۔ [1]

بے شک انگریز دل سے آپ حضرات کو بہت آرام ملا ہے۔ وطن فروشوں کے لئے انگریز کا خزانہ کھلا ہوا تھا۔ تاریخ کا یہ فیصلہ ناقابل تردید حقیقت بن چکا ہے۔ کہ مولانا الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت انگریزوں کے روپیہ سے بنی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی جمعیت علمائے اسلام کو انگریز نے ایک بیش قرار رقم دی۔ مولانا آزاد سبحانی نے براہ راست انگریزوں سے روپیہ لیا۔ مولانا اسحق دہلوی کا باقاعدہ وظیفہ مقرر تھا۔ سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی پوری فوج کا رسن پانی انگریزوں کے ذمہ تھا۔ علاوہ ازیں سید صاحب نے ایک ہندو کا سات ہزار روپے کی انگریزوں کی مدد سے حاصل کی۔ خود مولانا تھانوی کو چھ سو روپے ماہانہ ملا کرتا تھا۔ یہ وہ رقمیں ہیں۔ جو ظاہر ہو گئیں۔ ابھی بہت سی خفیہ رقمیں ہیں جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی نقاب کشائی انشاء اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ہوگی۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

مولانا رشید احمد گنگوہی آپ کا شمار اکابر علماء دیوبند میں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ ملت دیابنہ کی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ تو غلط نہ ہوگا۔ آپ کو اپنے بارے میں جو خوش فہمی تھی۔ وہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ "سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔ اور بہ قسم کہتا ہوں کہ "میں کچھ نہیں ہوں" مگر اس زمانے میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر" [2]

حضرات! یہ جملہ "میں کچھ نہیں ہوں"، مولانا گنگوہی نے تواضعاً فرمائی ہے۔ ورنہ یہ جملہ دو بھاری بھرکم دعوؤں کے بیچ میں مہمل بن کے وہ رہ جائے گا۔

پہلا دعویٰ :۔ حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

دوسرا دعویٰ :۔ اس زمانے میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر

ان دونوں دعوؤں پر تبصرہ کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ کہ اسی طرح کا خبط مرزا غلام احمد قادیانی کو ہوا تو موصوف کی پوری ذریت غیر مسلم قرار دے دی گئی۔ دیکھئے گنگوہی صاحب کے ساتھ کب انصاف کیا جاتا ہے۔ کیونکہ راقم الحروف تو یہی سمجھتا ہے۔ کہ کوئی مجدد ہو محدث فقیہ ہو یا مجتہد وہ خود اپنے اتباع کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اتباع شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ اور یہ شان انبیاء اور مرسلین کی ہے۔ کہ وہ اتباع پر ہی ہدایت ونجات کو موقوف قرار دیں۔ اب دیوبندی حضرات خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ گنگوہی صاحب کی اس دلی آواز نے ان کو قادیانی صاحب سے کتنا قریب کیا ہے۔ ع ۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

تعارف میں بات ذرا طویل ہو گئی۔ اس کتاب کا منشاء ان حضرات کی مذہبی نوعیت کو واضح کرنا نہیں ہے۔ اس کے لئے آپ "زلزلہ" (مصنفہ علامہ ارشد القادری) کا مطالعہ کریں۔ جو بے حد مفید ہے۔ یہاں تو راقم الحروف صرف ان حضرات کی انگریز دوستی کو واضح کرنا چاہتا ہے تاکہ

---

[1] افاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۹ [2] تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۷

بے شمار تہوں میں دبی ہوئی حقیقت سے ملت اسلامیہ کو آگاہ کیا جائے اور مکر و فریب کی پوری بساط کو الٹ دیا جائے۔

اس موقع پر ہم زلزلہ کا ایک طویل اقتباس پیش کر رہے ہیں تاکہ علمائے دیوبند کی انگریز دوستی کو رات کی تاریکی میں بھی دیکھا جا سکے۔ اور اسی کے ساتھ لاجواب کتاب زلزلہ کا بھی مختصر سا تعارف ہو جائے۔ لیجئے اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

دارالعلوم دیوبند میں الحاد و نصرانیت کا ایک مکاشفہ

لگے ہاتھوں انہی دیوان جی [1] کا ایک کشف اور ملاحظہ فرمایئے مولوی مناظر احسن گیلانی اپنے اسی حاشیہ میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ان ہی دیوان جی کے مکاشفہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہی نقل کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مثالی عالم میں ان پر منکشف ہوا۔ کہ دارالعلوم دیوبند کے چاروں طرف ایک سرخ ڈورا تنا ہوا ہے۔

اپنے اس کشفی مشاہدہ کی تعبیر خود یہ کیا کرتے تھے کہ نصرانیت اور تجدد و آزادی کے آثار ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دارالعلوم میں نمایاں ہوں گے [2]

مجھے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا ہے۔ کہ جو لوگ اپنا عیب چھپانے کے لئے دوسروں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور سازباز کا الزام عائد کرتے ہیں۔ وہ گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمائیں —— کتاب کے مصنفین کو اس کشف پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ہرگز اسے شائع نہ کرتے ——

اور بات کشف تک ہی نہیں ہے تاریخی دستاویزات بھی اس امر واقعہ کی تائید میں ہیں۔ کہ انگریزوں کے ساتھ نیاز مندانہ تعلقات اور رازدارانہ سازباز دارالعلوم دیوبند اور منتظمین و عمائدین کا ایسا نمایاں کارنامہ ہے جسے انہوں نے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور یہ بات بھی از راہ الزام نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ دیوبندی لٹریچر سے جو تاریخی شہادتیں مجھے موصول ہوئی ہیں۔ ان کی روشنی میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نمونے کے طور پر چند تاریخی حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگریزوں کے خلاف افسانہ جہاد کی حقیقت

ایک دیوبندی فاضل نے "مولانا محمد احسن نانوتوی" کے نام سے موصوف کی سوانح حیات لکھی ہے۔ جسے مکتبہ عثمانیہ کراچی (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مصنف نے اخبار "انجمن" پنجاب لاہور مجریہ ۱۹ فروری ۱۸۷۵ء کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمیٰ پامر نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا۔ معائنہ کی جو عبارت موصوف نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ اس کی چند سطریں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرفہ سے ہوتا ہے۔ وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے۔ وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممد و معاون سرکار ہے"

(مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

ع
مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

---

[1] دیوان جی کا اصل نام یٰسین تھا۔ اور بقول قاری محمد طیب مہتمم مدرسہ دیوبند دیوان جی کا خصوصی تعلق مولوی قاسم نانوتوی سے تھا۔ اور دیوبند میں قاری نانوتوی صاحب کے خانگی اور ذاتی امور کا تعلق بھی انہیں سے تھا۔ اور بقول مولوی حبیب الرحمان سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند دیوان جی کی کشفی حالت اتنی بڑھی ہوئی تھی۔ کہ باہر آنے جانے والے نظر آتے تھے۔ در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۳۷) مرتبہ مولوی مناظر احسن گیلانی۔ [2] سوانح قاسمی ج ۲ ص ۳۷

خود انگریز کی یہ شہادت ہے۔ کہ " یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے "
اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس بیان کے سامنے اب اس افسانے کی کیا حقیقت ہے۔ جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ مدرسہ دیوبند سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈہ ہے۔

مدرسہ دیوبند کے قدیم کارکنوں کا انگریزوں کے ساتھ کس درجہ خیر خواہانہ اور نیاز مندانہ تعلق تھا۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے خود قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا یہ ہلاکہ خیز بیان پڑھیئے۔ فرماتے ہیں۔

(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں کی اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۴۷)

آگے چل کر انہیں " بزرگوں " کے متعلق لکھا ہے۔ کہ مدرسہ دیوبند میں ایک موقع پر گورنمنٹ کی جب انکوائری آئی۔ تو اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔ (حاشیہ سوانح قاسمی)

گھر کا راز دار ہونے کی حیثیت سے قاری طیب صاحب کا بیان جتنا وزنی ہو سکتا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے۔ کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کا وفا پیشہ نمک خوار ہوں اسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یا کہ نہیں ؟ اب انگریزوں کے خلاف دیوبندی اکابر کے افسانۂ جہاد اور بغاوت کی پرانی بساط الٹ دینے والی ایک سنسنی خیز کہانی اور سنئے۔

سوانح قاسمی میں مولوی قاسم نانوتوی کے ایک حاضر باش مولوی منصور علی خاں کی زبانی یہ قصہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مولانا نانوتوی کے ہمراہ نانوتہ جا رہا تھا۔ کہ اثنائے راہ میں مولانا کا حجام افتاں و خیزاں آتا ہوا ملا۔ اور اس نے خبر دی۔ کہ نانوتہ کے تھانیدار نے ایک عورت کے بھگانے کے الزام میں میرا چالان کر دیا ہے۔ خدا را مجھے بچائیے۔ مولوی منصور خاں کا بیان ہے۔ کہ نانوتہ پہنچتے ہی مولانا نے اپنے مخصوص کارندہ منشی محمد سلیمان کو طلب کیا۔ اور پر جلال آواز میں فرمایا

" اس غریب کو تھانیدار نے بے قصور پکڑا ہے۔ تم اسے کہہ دو کہ یہ حجام ہمارا آدمی ہے۔ اس کو چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے۔ تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲)

لکھا ہے کہ منشی محمد سلیمان نے مولانا نانوتوی کا حکم ہو بہو تھانیدار تک پہونچا دیا۔ تھانیدار نے جواب دیا۔ کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ روزنامچہ میں اس کا نام لکھ دیا گیا ہے۔ مولانا نانوتوی نے اس جواب پر حکم دیا۔ کہ تھانیدار سے جا کر کہہ دو۔ کہ اس کا نام روزنامچہ سے کاٹ دو۔ منصور علی خاں کا بیان ہے۔ کہ مولانا کا یہ حکم پا کر سراسیمگی کی حالت میں تھانیدار خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے۔ اگر اس کا نام نکالا تو نوکری جاتی رہیگی۔ فرمایا۔ اس کا نام (روزنامچہ سے) کاٹ دو۔ تمہاری نوکری نہیں جائے گی۔ (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۲۳) واقعہ کا راوی کہتا ہے۔ کہ مولانا کے حکم کے مطابق تھانیدار نے حجام کو چھوڑ دیا۔ اور تھانیدار تھانیدار ہی رہا۔

مجھے اس واقعہ پر بجز اس کے کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے۔ کہ مولوی قاسم نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں تھے۔ تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع فرمان کیوں تھا؟ اور تھانیدار کو یہ دھمکی! کہ اسے چھوڑ دو۔ ورنہ تم بھی نہ بچو گے۔ وہی دے سکتا ہے۔ جس کا ساز باز اوپر کے مرکزی حکام سے ہو انگریزی قوم کی بارگاہ میں نیاز مندانہ ذہن کا ایک رخ اور ملاحظہ فرمائیے۔ اس سلسلہ میں سوانح قاسمی کے مصنف کی ایک عجیب و غریب روایت سنئے۔ فرماتے ہیں۔

" انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے ہیں۔ ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا۔ کہ خود بھاگے جا رہے ہیں۔ اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے۔ کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳)

انگریزوں کے صف میں حضرت خضر کی موجودگی اتفاقاً نہیں پیش آئی تھی۔ بلکہ وہ " نصرت حق " کی علامت بن کر انگریزی فوج کے ساتھ ایک بار اور دیکھے گئے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

غدر کے بعد جب گنج مراد آباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب جا کر مقیم ہوئے۔ تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے۔ کسی وجہ سے انگریزی فوج گذر رہی تھی۔ مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اُتر کر دیکھا گیا۔ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈور کھونٹے وغیرہ گھوڑے کا لئے ہوئے تھا۔ اس سے باتیں کر کے پھر مسجد واپس آگئے ——— اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے۔ کہ سائیس جس سے میں نے گفتگو کی یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے۔ تو جواب میں کہا۔ کہ حکم یہی ہوا ہے۔
(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳)

بات ختم ہو گئی۔ لیکن یہ سوال سر پر چڑھ کے آواز دے رہا ہے۔ کہ جب حضرت خضر کی صورت میں نصرت حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی۔ ان باغیوں کے لئے کیا حکم ہے۔ جو حضرت خضر کے مقابلہ میں لڑنے آئے تھے؟ کیا اب بھی انہیں غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟
اپنے موضوع سے ہٹ کر ہم بہت دور نکل آئے۔ لیکن آپ کی نگاہ پر بار نہ آئے۔ تو اس بحث کے خاتمے پر اکابر دیوبند کی ایک دلچسپ دستاویز اور ملاحظہ فرمائیے۔

دیوبندی حلقے کے ممتاز مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی کتاب تذکرۃ الرشید میں انگریزی حکومت کے ساتھ مولوی رشید احمد گنگوہی کے نیاز مندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔
آپ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۸۰)
کچھ سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ یہی کہ انگریزوں کے خلاف انہوں نے علم جہاد بلند کیا تھا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ گنگوہی صاحب کی پر پُر خلوص صفائی کوئی مانے یا نہ مانے۔ لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہیے۔ لیکن غضب خدا کا کہ اتنی شد و مد کے ساتھ صفائی کے باوجود بھی ان کے ماننے والے یہ الزام ان پر آج تک دہرا رہے ہیں۔ کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی اس طرح تکذیب کی ہو۔
اور " سرکار مالک ہے سرکار کو اختیار ہے " یہ جملے اس کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ جو " تن " سے لے کر " من " تک پوری پوری طرح کسی جذبہ غلامی میں بھیگ چکا ہو۔

آہ! دلوں کی بدبختی اور روحوں کی شقاوت کا حال بھی کتنا عبرت انگیز ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ کہ خدا کے باغیوں کے لئے تو جذبہ عقیدت کا یہ اعتراف ہے۔ کہ وہ مالک بھی ہیں مختار بھی! لیکن احمد مجتبیٰ اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے۔ " جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کے مالک و مختار نہیں " (تقویۃ الایمان)
بے شک یہ بتانے کا حق مملوک ہی کو ہے۔ کہ اس کا مالک کون ہے۔ کون نہیں ——— جو مالک تھا اس کے لئے اعتراف کی زبان کھلتی

تھی کھل گئی ۔ اور جو مالک نہیں تھا اس کا انکار ضروری تھا ہو گیا ۔ اب یہ بحث بالکل عبث ہے ۔ کہ کس کا مقدر کس مالک کے ساتھ وابستہ ہوا ۔ یہاں پہنچ کر ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے ۔ تصویر کے دونوں رُخ آپ کے سامنے ہیں مادی منفعت کی کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ دلوں کی اقلیم پر کس کی بادشاہت کا جھنڈا گڑا ہوا ہے ۔ سلطان الانبیاء کا یا تاج برطانیہ کا ؟

(زلزلہ مصنفہ علامہ ارشد القادری صد ۹۳ تا صدا۱۰)

اس سے قبل کہ مولانا گنگوہی کی انگریز دوستی پر سیر حاصل گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ کہ قائد حریت مولانا فضل حق خیر آبادی کے بارے میں تاریخ کا ایک فیصلہ پڑھ لیا جائے ۔ تاکہ تقابلی مطالعہ میں آسانی رہے ۔ ۱۸۵۹ء میں فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق خیر آبادی ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے ۔ اور مقدمہ چلایا گیا ۔ جج بار بار روکتا تھا ۔ کہ مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔ مگر مولانا کی شان استقلال پر قربان جائیے خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے ۔ کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے ۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے ۔ مولانا کے اقرار و توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی ۔ چنانچہ عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا ۔ مولانا نے بکمال مسرت و خندہ پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا ۔[1]

یہ تھے علامہ فضل حق خیر آبادی جن پر شجاعت و بے باکی ناز کرتی ہے ۔ اب سنیئے مولانا رشید احمد گنگوہی کا حال ——— آپ صرف شبہ میں حاضر عدالت ہوئے اور پھر بے داغ بری ہوئے ۔ آپ کی بھی مختصر روداد مختصر الفاظ میں سن لیجئے ۔ جسے انہیں کے عقیدتمندوں نے بیان کیا ہے ۔

جس وقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف بات کرتے اور جو دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے ۔ اور حقیقت حال کے موافق ——— کبھی آپ سے سوال ہوا کہ رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا ۔ اور فساد کیا ؟ آپ جواب دیتے "ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" ۔ کبھی دریافت ہوتا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے ؟ آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ۔ ہمارا ہتھیار تو یہ ہے ۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو پوری سزا دیں گے ۔ آپ فرماتے ۔ کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کر کے دو[2] ۔ انگریزی عدالت نے چار سوالات کئے اور مولانا گنگوہی نے ان کے جوابات دیئے ۔ آپ کی توجہ تھوڑی دیر کے لئے مولانا کے جوابات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔

۱ ۔ "حاکم جو دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے ——— اور حقیقت حال کے موافق" یعنی مولانا نے انگریزی عدالت میں بڑی بے تکلفی سے باتیں کی ۔ یہ طرز عمل یارانہ تعلقات پر خاصی روشنی ڈالتا ہے ۔ اور غالباً یہی وجہ تھی ۔ کہ مولانا کو اپنی گلوخلاصی کے لئے جھوٹ سے کام لینا ہی نہیں پڑا ۔ کیونکہ حقیقت حال جب انگریزی حکومت کے موافق ہو تو خلاف حقیقت بیان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ۔

۲ ۔ "ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" ۔ یہ جواب صاف ظاہر کر رہا ہے ۔ کہ مولانا نے مجاہدین آزادی کے لشکر میں اپنی شمولیت کے الزام سے برأت انگریزی عدالت میں سب کے سامنے کی ہے ۔ اور مجاہدین کو مفسدوں کے لفظ سے یاد فرمایا ہے ۔ انگریز بہادر کی خوشنودی مولانا کے لئے کس قدر ضروری تھی ۔

۳ ۔ "ہتھیار تو ہمارا یہ ہے" ۔ تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا ۔ گویا موصوف انگریزی اقتدار کے لئے یا اپنی محفوظیت کے لئے ہمیشہ دعا گو رہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف نہ سیف و سناں سے کام لیا نہ قلم و زبان سے ۔

۴ ۔ جب سزا کی دھمکی دی گئی تو فرمایا ۔ کیا مضائقہ ہے ۔ مگر تحقیق کر کے ۔ یعنی مولانا گنگوہی کو یقین تھا ۔ کہ جب تحقیق کی جائے گی تو میری انگریز دوستی میں ڈوبی ہوئی زندگی کب حاکم کو سزا دینے کی طرف مائل ہونے دے گی ۔ اسی لئے تو تحقیق کی شرط لگائی جا رہی ہے ۔ اس طرح کی شرط وہ شخص نہیں

---

[1] خون کے آنسو حصہ اول مصنفہ مولانا مشتاق احمد نظامی صد ۱۰۲   [2] تذکرۃ الرشید قدیم ایڈیشن صد ۸۴-۸۵

پیش کر سکتا جس کی زندگی کا ہر لمحہ انگریز دشمنی میں گذر رہا ہو۔ کیونکہ تحقیق و تفتیش تو اسے پھانسی کے تختے تک پہونچا دے گی۔ لہذا تحقیق پر اطمینان کا اظہار صرف وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو انگریز دشمنی میں قطعاً ملوث نہ ہو۔ بلکہ اس کا ربط و ضبط بھی باغیوں سے نہ ہو ورنہ سزا کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی تھا۔ مولانا موصوف کا یہی وفادارانہ رویہ انگریزوں کے لئے باعث تسکین تھا۔ چنانچہ انگریزی عدالت نے مولانا کو بے داغ بری کر دیا۔

مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے کردار کا فرق دیکھئے حاضر عدالت دونوں ہوئے مگر اوّل الذکر کو کالا پانی کی سزا ہوئی۔ اور ثانی الذکر کو رہائی کا پروانہ ملا۔ جسے سزا ہوئی وہ عدالت میں شیر کی طرح گرج رہا تھا۔ اور جسے رہائی ملی۔ وہ اپنی انگریز دوستی پر اس قدر مطمئن تھا۔ کہ تحقیق و تفتیش کی قید لگا رہا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ مولانا گنگوہی کا ایک خاص عقیدتمند جو ان کا مزاج آشنا بھی تھا رقمطراز ہے۔ "آپ کو استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے۔ اور سمجھے ہوئے تھے۔ کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہوں۔ تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے جو چاہے کرے۔ [1]

مولانا گنگوہی کے بارے میں ان کا عقیدت مند یہ نہیں لکھتا۔ کہ آپ انگریزی حکومت کے خلاف کوہ استقلال بنے خدا کے حکم پر راضی تھے۔ بلکہ کوہ استقلال بنے رہنے میں جو جذبہ کارفرما تھا۔ وہ انگریزی سرکار کی مکمل وفاداری تھی۔ اس وفاداری کو "آزادی ہند کی تاریخ" میں غداری کہتے ہیں۔ انگریزوں پر اطمینان کے باوجود مولانا موصوف خدا کے انصاف سے گھبرائے ہوئے بھی تھے۔ جس طرح ایک مجبوراً جرائم پیشہ بھی ایسے موقع پر مرضی مولا کے آگے گردن جھکا دیتا ہے۔ واقعہ نگار کو تسلیم ہے۔ کہ مولانا گنگوہی سمجھے ہوئے تھے۔ کہ میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں۔ تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ جھوٹا الزام اسی بات کو کہا جا رہا ہے۔ کہ مولانا گنگوہی نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ ذرا انگریزوں کی بارگاہ میں مولانا کا جذبۂ سپردگی ملاحظہ ہو" فرماتے "سرکار مالک ہے جو چاہے کرے۔ کاش مولانا نے گنبد خضرا کے مکیں کو سرکار کہہ کے اپنا مالک کہا ہوتا۔ تو زندگی کے سارے پاپ کٹ گئے ہوتے۔ انگریز حاکموں کو سرکار اور مالک کہنے والی زبان نہ جانے کیوں " بارگاہ مصطفےٰ " میں گستاخ ہو جاتی ہے۔

جب انگریزوں کے خلاف عام بغاوت پھیل گئی۔ تو ان کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ مگر افسوس انگریزی تشدّد کے ساتھ بعض علمائے دیوبند کی چمچہ گیری نے انقلاب کو ناکام بنا دیا۔ اس افسوسناک واقعہ کا ذکر بڑی بشاشت سے ان الفاظ میں کیا جاتا ہے۔

جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کر دی [2]

(دو صفحہ کے بعد فرمایا جا رہا ہے) بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی۔ انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا [3]

استغفر اللہ! کمپنی کا دور مولانا گنگوہی کے نزدیک امن و عافیت کا زمانہ تھا۔ اور حکومت برطانیہ بڑی رحمدل گورنمنٹ تھی۔ یعنی وہ لوگ پاگل تھے جنہوں نے انگریزوں کے دور کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ اور بغاوت کر بیٹھے۔ ان کے سروں پر موت کھیل رہی تھی۔

اللہ اللہ! انگریزی دور کو امن و عافیت کا زمانہ کہا جا رہا ہے۔ یہ الفاظ اسی کے منہ سے نکل سکتے ہیں۔ جو تن من دھن سے انگریزوں پر قربان ہو چکا ہو۔ ——— ظالم انگریزوں کے ظلم کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ انگریزی مظالم سے تاریخ بھری پڑی ہے ان

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ا صفحہ ۸ ، [2] تذکرۃ الرشید ج ا ص ۷۱ [3] تذکرۃ الرشید ج ا ص ۷۳

مظالم کو لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ سینۂ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ مگر گنگوہی صاحب ایسے ظالم اور سفاک کی حکومت کو رحم دل گورنمنٹ کہتے ہوئے آخرت کی باز پرس سے ڈرے نہ شرم دنیا کا کچھ پاس و لحاظ رکھا۔

ریمارک میں تلخی ضرور آگئی ہے۔ کیا کروں۔ جب کسی مظلوم کا دل جلتا ہے۔ تو وہ اپنی ٹیس کو چھپا نہیں سکتا۔ کون برداشت کرسکتا ہے۔ کہ ظالم و جابر حکمرانوں کی مطلق العنانی کو رحم دلی سے تعبیر کیا جائے۔ چنگیز و ہلاکو کی یاد تازہ کرنے والے انگریزی دور کو امن و عافیت کا زمانہ کہا جائے۔

جب ہندوستان سے انگریزوں کا بوریہ بستر بندھنے لگا۔ تو ان کے انہی وفا شعار غلاموں نے دیوبند میں پناہ لی۔ اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال کے باقاعدہ اس کی اشاعت میں مصروف ہو گئے: تاکہ سامراجیت کے بطن سے پیدا ہونے والے اس نئے مذہب میں سنی مسلمانوں کو بھی داخل کیا جائے۔ اور اس طرح وطن کے وفاداروں اور غداروں کے فرق کو مٹا دیا جائے۔ یہ جد و جہد ہنوز جاری ہے یہی وجہ ہے۔ کہ جنگ آزادی کا ہیرو انگریزوں کے زر خرید مولویوں کو بنایا جا رہا ہے۔

بے شک ہندوستان انگریزوں سے خالی ہو گیا۔ مگر اس کا پھیلا ہوا زہر آج بھی "دار العلوم دیوبند" اور اس کے اثرات کی صورت میں موجود ہے۔ جو وحدت ملت کے لئے ناسور بن چکا ہے۔ یہاں سے کبھی جارحانہ فرقہ پرستی کو ہوا دی جاتی ہے۔ کبھی آر۔ ایس ایس اور ہندو مہا سبھا کی زبان میں پیغامات نشر کئے جاتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کو قریب سے دیکھئے۔ خدا ملت کو ان انگریز دوستوں اور سامراجیت کے پروردہ مولویوں کے شر سے محفوظ رکھے اور مسلم قوم کو توفیق دے کہ ماضی کے آئینے میں دوست اور دشمن کے چہرے کو دیکھ سکے۔

ع ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

فاضل بریلوی اور تحریکِ ترکِ موالات

پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف تحریک خلافت کا آغاز ہوا اور پورے ملک میں انگریز حاکموں کے خلاف ایک شورش برپا ہوگئی۔ ممکن ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اور مسلمانوں کی فطری جذباتیت کے پیش نظر مسٹر گاندھی نے کانگریس کی طرف سے ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان کیا ہو تحریک خلافت اور ترک موالات دونوں کی مشترکہ اساس انگریزوں کی مخالفت و مقاطعت تھی چناں چہ اس متحدہ و مشترکہ مقصد کی وجہ سے یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں اور ایک دوسری صورت پیدا ہوگئی یعنی انگریزوں کے خلاف "ہندو مسلم اتحاد" اس اتحاد نے مسئلے کو شرعی حیثیت سے زیادہ نازک بنا دیا۔ کیوں کہ ایک طرف افراط کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں سے مجرد معاملت بھی ترک کردی گئی تھی اور دوسری طرف کفار و مشرکین سے معاملت تو معاملت، موالات اور دوستی قائم کرلی گئی تھی۔ چناں چہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے اس اتحاد کے خلاف متدین علما نے فتوے دیئے اور بروقت انتباہ فرمایا جن کو بعض سطحی نظر رکھنے والے حضرات نے انگریز دوستی پر محمول کیا مگر جو سیاست ہند اور علوم شرعیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ مخالفت دین اسلام اور خود مسلمانوں کی حفاظت و عظمت کے لئے ناگزیر تھی۔ ترک موالات کا معاملہ اگر صرف انگریز حاکموں اور مسلمان محکوموں کے درمیان ہوتا تو اس کی نوعیت قطعاً مختلف ہوتی۔ بلکہ ترک موالات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں جو عدم توازن متوقع تھا بحث اس سے تھی اور اسی بنا پر اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ جن متدین علما نے مخالفت کی ان میں سرفہرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی نظر آتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک کسی سیاسی جماعت کی حمایت جزو ایمان نہیں بلکہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے۔ اسی لیے تردید مخالفت میں اپنے اور بیگانے کسی کی رعایت نہیں کی گئی۔

اس دور سے بہت پہلے اکبر بادشاہ کے زمانے میں بھی ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی گئی تھی جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترک موالات پر گفتگو سے پہلے بطور پس منظر اکبری دور کے کفر و الحاد، حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) کی اصلاحی تحریک اور انقلاب ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے اور بعد تحریک آزادی اور ہندو مسلم اتحاد اور اس کے نتائج کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ اکبر بادشاہ کے دور حکومت (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) میں سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہندو مسلم ادغام کی کوشش کی گئی۔ دین الٰہی اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ گویا سرزمین ہند میں ہندو مسلم اتحاد کا پہلا مسلمان داعی اکبر بادشاہ تھا۔ اس سے پہلے کبیر اور گورو نانک وغیرہ نے اسی قسم کی کوششیں کی تھیں جو پوری طرح بار آور نہ ہوسکیں۔ بہرکیف اکبر کے اس انداز فکر نے اسلام

کو جو نقصان پہنچایا۔ وہ تاریخ اسلام کا ایک زبردست المیہ ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے[1]۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اکبر بادشاہ کے اس ایک قومی نظریہ کی سختی سے مخالفت فرمائی اور اپنے مکتوبات شریف کے ذریعہ اس تحریک کی ہلاکت خیزی سے اعیان مملکت کو آگاہ فرمایا اور اصلاح حال کے لئے ان کی ترغیب و تشویق کی۔ چناں چہ آپ کی مساعی جمیلہ سے دور اکبری کا ایک عظیم فتنہ خاک میں ملا دیا گیا اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

ٹھیک اسی طرح ہندوستان کی سرزمین میں انیسویں صدی عیسوی میں جب اکبری ذہنیت رکھنے والے حضرات نے ایک قومی نظریہ کی اشاعت کی تو اس کو خاک میں ملانے کے لئے ایک اور مجدد پیدا ہوا جس نے اپنے براہین قاطعہ اور حجج ساطعہ سے اس نظریہ کا پوری طرح قلع قمع کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ فاضل بریلوی بر وقت انتباہ نہ فرماتے تو سیاست ہند کا کچھ اور ہی رخ ہوتا۔

ضمناً یہ عرض کرتا چلوں کہ پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے (جو پہلے ایک قومی نظریہ کے موید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے فتاوٰی رضویہ کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا اس لئے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں مآخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے افکار و خیالات کا علامہ اقبال پر جو اثر مرتب ہوا اس کا ایک مقالے میں ہم تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں[2]۔ فاضل بریلوی کی تحاریر نے علامہ کے فکری انقلاب میں جو اہم کردار ادا کیا اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض حضرات، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی اصلاحی کوششوں کو صراحتہً کم تر دکھانے کی سعی فرماتے ہیں۔ یہ رجحان غیر مورخانہ ہے۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کی تاریخ پاک و ہند پر جس شخص کی گہری نظر ہے وہ اس قسم کی کوشش نہیں کر سکتا، عہد شاہجہانی کے مورخ محسن فانی نے اپنی کتاب دبستان مذاہب میں بیسیوں فرقوں کا ذکر کیا ہے

(۱) تفصیلات کے لئے ان مآخذ کا مطالعہ کیا جائے۔

(ا) عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء

(ب) شیخ احمد سرہندی: اثبات النبوۃ

(ج) شیخ احمد سرہندی، مکتوبات شریف، مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۴ء

(د) محسن فانی: دبستان مذاہب

(ھ) محمد اسلم: دین الٰہی اور اس کا پس منظر، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء

(۲) یہ مقالہ اقبال اکادمی (کراچی) کے مجلہ اقبال ریویو میں تین مختلف قسطوں میں ان عنوانات سے شائع ہو چکا ہے

(ا) علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی۔ شمارہ اپریل ۱۹۶۴ء

(ب) اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام عبدیت، شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء

(ج) شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں، شمارہ جنوری ۱۹۶۵ء

جن کا مقابلہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے تن تنہا کیا اور پھر ع

ادھر سے ادھر پھر گیا رُخ ہوا کا

کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بڑے اختصار و جامعیت کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رح اور آپ کی اولاد و احفاد کی ناقابل فراموش مساعی اور اس کے حیرت انگیز نتائج کا اس طرح ذکر فرمایا ہے

In Jahangir's reign Sheikh Ahmad of Sarhind, commonly known as Mujadid-Alf-i-Thani, came to the forefront. By constant efforts of he brought about a revival The political efforts of this change can be seen in the differing atmosphere of the court of Akbar, Jahangir, Shah Jahan and Aurangzib Alamgir. Akbar was the culmination of the success of heterodoxy; Jahangir's accession marked its decline; Shah Jahan, Pious and orthodox did not tolerate laxity in the court but, at the same time, kept the non-orthodox contented; Alamgir was the symbol of the victory of Orthodoxy.

ترجمہ

جہانگیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ آگے آئے۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیاء دین کا آغاز ہوا چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضاؤں میں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔ اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا، جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے۔ شاہجہاں اگرچہ ایک پارسا مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشان نصرت تھا۔

بلاشبہ عہد اکبری سے لے کر عہد عالمگیری تک حکومت میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ حضرت مجدد الف ثانی، آپ کے صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد سعید (م ۱۰۷۰ھ) اور خواجہ محمد معصوم (م ۱۰۷۹ھ) اور ان کے صاحبزادگان، خواجہ سیف الدین (م ۱۰۹۶ھ) خواجہ محمد نقشبند ثانی (م ۱۱۱۵ھ) اور ان کے سینکڑوں خلفاء اور لاکھوں مریدین و معتقدین کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھیں۔ اگر حضرت مجدد الف ثانی دور اکبری میں ہندو مسلم اد غام کی کوشش کو ناکام نہ بناتے تو شاید پاک و ہند کے حالات کچھ مختلف ہوتے اور ممکن ہے کہ یہاں کفر و باطل کا ایسا تسلط ہوتا کہ ہم ہندو مسلم اتحاد جیسے مسائل پر سوچ بھی نہ سکتے۔

الغرض حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک نے عہد عالمگیری تک اپنا پورا پورا اثر دکھایا اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) اور حضرت شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) کی علمی و فکری تحریک نے (جو حضرت مجدد کی تحریک سے پوری طرح مستفاد تھی) اپنا اثر دکھایا مگر انقلاب ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل ایک ایسا سانحہ پیش آیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل پر منفی اثرات مرتب کئے۔ میری

---

(۱) مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۲۰۰۔

مراد مولوی سید احمد بریلوی کی تحریک سے ہے[1] جسے ان کے معتقدین تحریکِ جہاد کا نام دیتے ہیں۔

بعض مورخین سلطنت اسلامیہ کے قیام اور تحریک آزادی ہند کے شجرے میں مولوی سید احمد کی اس تحریک کو بھی شامل کرتے ہیں، مگر اس عقدے کو حل نہیں کر پاتے کہ تاریخ ہند کے اس نازک دور میں جب کہ سیاسی تقاضے کچھ اور تھے۔ سکھوں کے خلاف "جہاد" کیوں کیا اور اس کوشش سے مسلمانوں سے بھی دو بدو ہوئے۔ چنانچہ تاریخ تحریک آزادی (انگریزی) میں ڈاکٹر محمود حسن صاحب نے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر وہ کوشش ناتمام ہی رہی۔ بات یہ ہے ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

ہمارے خیال میں اس تحریک کے نتیجے میں پاک و ہند میں انگریزوں کے قدم اور جم گئے۔ ۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا گویا انقلاب ۱۸۵۷ء سے ۲۵ سال قبل اس وقت تک انگریز ہندوستان پر چھا چکے تھے۔ ضرورت تھی کہ انگریزوں کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی جاتی۔ ایسے نازک دور میں اپنی قوت اس قسم کے "جہاد" پر لگا دینا دانشمندی کے منافی معلوم ہوتا ہے بہی نہیں بلکہ انگریزوں کو بھی یہ یقین دلا دینا کہ ہم تم سے متعارض نہیں[2] اور ایسی طاقت سے ٹکر لینا جس کی فکر خود انگریز کو تھی، ۔ تاریخ شاہد ہے جب اہل وطن آپس میں دست بگریباں ہوئے ہیں۔ زمین اغیار کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ انگریز بہت ہشیار تھا۔ اس نے تیغ سیاست سے کام لیا جو کسی کو نظر نہ آئی اس لئے ان کے اقتدار کو خدا کی رحمت سمجھا گیا۔ باہر کا زخم نظر آیا، اندر کا ناسور نظر نہ آیا۔ معرکہ بالاکوٹ میں عبرت ناک شکست نے فطری طور پر حریت پسندوں کی ہمتیں پست کر دیں۔

بہر کیف اس معرکے میں ناکامی سے مسلمانوں کے خلاف ہندو، سکھ، عیسائی سب ہی اندرون خانہ متحد ہو گئے اور پھر آگے چل کر سب نے مل کر جو بدلے لیے ہیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء پھر انقلاب ۱۹۴۷ء اس پر گواہ ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر کیا کچھ نہ ہوا ہر جگہ یہ تینوں متحد نظر آئیں گے اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں نہ صرف تینوں بلکہ گروہ ملحدین بھی پیش پیش تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

سانحہ بالاکوٹ کے بعد جماعت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ مولانا کرامت علی جونپوری جو سید احمد بریلوی کے خلفاء میں تھے۔ کھل کر انگریزوں کی حمایت کرنے لگے۔ بلکہ ان کے خلاف تحریک جہاد کی مخالفت کی اور فتویٰ بھی دیا۔[3] ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت میں ایک بورڈ کی تشکیل کی گئی۔ تاکہ جماعت کو از سر نو منظم کیا جائے[4]۔ مولانا مملوک علی نانوتوی نے دہلی میں تعلیم مکمل کی۔ دہلی کالج میں مدرس ہو گئے۔ بعد میں انگریز حاکموں نے خوش ہو کر صدر مدرس بنا دیا، موصوف ہی کے زیر اثر مولوی ذوالفقار علی (والد ماجد مولانا محمود حسن) اور مولوی فضل الرحمان (والد ماجد مولوی شبیر احمد عثمانی) وغیرہ نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ اور پھر انگریزی ملازمت اختیار کی۔[5]

---

[1] تفصیلات کے لئے مطالعہ کریں۔ سید احمد شہید کی صحیح تصویر، از وحید احمد مسعود، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۷ء

[2] "جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور جنگی ضرورتوں کے ..... مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی" (حسین احمد مدنی نقش حیات، دہلی ۱۹۵۴ء ج ۲، ص ۱۲ و ۱۳)

[3] محمد ایوب قادری: اردو ترجمہ تذکرہ علمائے ہند مطبوعہ ۱۹۶۱ء ص ۳۹۶

[4] عبیداللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۱

[5] مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی جلد اول، ص ۲۲۳۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت یہ دونوں صاحبان ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے۔ مولانا مملوک علی کے تلامذہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مولینا احمد علی سہارن پوری وغیرہ شامل تھے۔ مولینا مملوک علی کی وفات کے بعد قیادت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاتھ میں چلی گئی[1]۔ اسی قیادت کے دوران انقلاب ۱۸۵۷ء بپا ہوا۔ بقول مولینا عبیداللہ سندھی انقلاب کے دوران سلطان دہلی کی طرف داری اور غیر جانب داری کے مسئلے پر یہ جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک مرکز دہلی کی بجائے علی گڑھ اور دیوبند دو مراکز قرار پائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند نے من حیث الجماعت انقلاب ۱۸۵۷ء کے دوران انگریزوں کا ساتھ دیا۔ بلکہ وہ مسلمان حریت پسندوں سے نبرد آزما بھی ہوئے۔ اسی قسم کے ایک مقابلے کا ذکر تذکرۃ الرشید جلد اول۔ ص ۷۵ میں کیا گیا ہے جس میں مولینا رشید احمد گنگوہی۔ مولینا محمد قاسم نانوتوی۔ ———— حافظ ضامن وغیرہ شامل تھے۔ مولینا رشید احمد گنگوہی کی خود سپردگی کا یہ عالم تھا جب ان پر بغاوت کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے[2]

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ فاضل بریلوی نے ترک موالات کی مخالفت اس لئے نہیں فرمائی کہ وہ انگریزوں کے حامی و ناصر تھے یا ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے مخالفت سے شرعی تقاضوں کو پورا فرمایا جس مرد کامل نے کسی مسلمان نواب یا امیر کی مدح سرائی نہ کی ہو، اور جب نواب ریاست نان پارہ کے لئے قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی۔ تو یہ کہہ کر بات ٹال دی ہو ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں

بھلا وہ انگریز دشمن اسلام کا پاس و لحاظ کیا رکھتا۔

جب انگریزوں نے مسلمانوں کے خون سے بے دریغ ہاتھ رنگنا شروع کئے۔ تو سرسید احمد خاں نے اسباب بغاوت ہند رسالہ لکھ کر انگریز کی آتش انتقام کو فرو کیا اور قدرے اطمینان نصیب ہوا[3] غالباً اس دور کا یہ سیاسی تقاضا تھا کہ عالم و عامی سب ہی نے من حیث القوم وفاداری کا یقین دلایا بلکہ شیعہ حضرات نے تو بقول ہنٹر فارسی میں ایک رسالہ لکھ کر جہاد کی شدید مخالفت کی[4] علمائے احناف نے بھی انگریزوں کی حمایت میں بہت سے فتوے شائع کئے۔ دو قسم کے علماء تھے۔ ایک وہ جو ہندوستان کو دارالحرب کہتے تھے اور مسلمانوں کو مستامن اس لئے جہاد کے مخالف تھے۔ دوسرے وہ جو ہندوستان کو دارالسلام کہتے تھے اس لئے جہاد کے عدم جواز کے فتوے دیتے تھے[5]۔ بہرکیف ماسوائے چند علماء کے مصلحت وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی۔

---

[1] عبیداللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۱۱

[2] تذکرۃ الرشید: جلد اول۔ ص ۸۰

[3] الطاف حسین حالی: حیات جاوید ص ۹۸ تا ۱۰۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء

[4] ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۷۴ - ۱۸۰ [5] ایضاً ص ۔ ۱۸۱

اس سیاسی ماحول میں دیوبند اور علی گڑھ میں مدارس قائم ہوئے۔ بقول مولینا عبیداللہ سندھی، مولینا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے اور سرسید احمد خاں انگریزی حصے کو علی گڑھ لے گئے[۱] سرسید احمد خاں بھی علمائے دیوبند کی طرح مولینا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ علی گڑھ کے مکتب فکر نے انگریزوں سے وفاداری کو اپنی سیاسی مصلحت کا جزو بنا لیا مگر مسلک دیوبند کچھ اس سے مختلف تھا۔ یہاں انگریزوں کی حمایت و مخالفت کو مصلحت وقت پر چھوڑ دیا گیا، اضطراری حالات میں کامل وفاداری معتدل حالات میں غیر جانبداری، برطانیہ اور دولت عثمانیہ کے مابین تصادم کی صورت میں پوری مخالفت (بقول مولنا عبیداللہ سندھی) حقیقت حال شش آخر کے خلاف بھی نظر آتی ہے۔

بہرکیف مسلمانان پاک و ہند کے مسلسل روحانی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی انحطاط اور ناعاقبت اندیشیوں نے یہ دن دکھایا کہ اغیار اس ملک پر قابض ہو گئے، جو کمزوریاں پہلی شکست کا باعث ہوئیں، وہ تو ہوئیں ہی۔ مزید کمزوریاں دوسرے انقلاب اور دوسری شکست کے لئے راہ ہموار کر رہی تھیں۔ انگریز حاکم مسلمانوں کا دیرینہ دشمن تھا کفار و مشرکین کو تو مسلمانوں سے فطری عناد ہے ہی محکوم رہے پھر محکومیت میں شریک ہوئے مگر نہ معلوم کب سے حاکمیت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ تحریر و تقریر سے ان کے پچھلے ارادے ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

اس نازک دور میں چند سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں۔ مگر ان کا کام صرف یہ تھا کہ خونخوار حاکموں کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا جائے۔ حریت پسندوں کا ایک عظیم گروہ تختہ دار پر لٹکایا جا چکا تھا۔ ہر شخص سہما سہما سا نظر آتا تھا۔ ایسے نازک دور میں مطلق آزادی کے لئے کوشش کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اسی لئے سر الفرڈ لائل نے ان جماعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مگر سب تاج برطانیہ کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری رکھنے میں متحد القلوب ہیں[۲]۔

۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان کے المناک حادثے نے، ۱۹۱۳ء میں واقعہ کانپور نے، حامیان ملت مسلمہ کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا اور آزاد حکومت کے قیام کی جدوجہد ہونے لگی تھی۔ ۱۹۱۳ء میں ہی نظارۃ المعارف کا قیام عمل میں آیا جس کے سرپرست مولنا محمود حسن اسیر مالٹا تھے۔ آزاد حکومت کے قیام کے لئے افغانستان اور ترکی وغیرہ سے مدد لینے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اس مہم پر جمعیۃ الانصار دیوبند کے ناظم مولینا عبیداللہ سندھی[۳] کو افغانستان بھیجا گیا۔ یہ ۱۹۱۵ء میں کابل ہجرت کر گئے۔ وہاں سات سال رہے۔ ۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن نے ریشمی خط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا۔ اسی مقصد کے لئے مولنا محمود حسن حجاز گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ترکوں پر علمائے حجاز اور علمائے ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے۔ مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی

---

[۱] عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۱۲

[۲] سر الفرڈ لائل، ہندی مملکت کا عروج و وسعت، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء، ص ۳۶۹

[۳] مولانا عبیداللہ سندھی نے ۱۹۱۶ء میں امیر حبیب اللہ کے کہنے پر ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ پھر انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو گئے اور اسی وقت سے کانگریس کے داعی بن گئے بلکہ ۱۹۲۲ء میں امان اللہ کے عہد حکومت میں کابل میں کانگریس کمیٹی بنائی۔ جو بیرون ہند اپنی نوعیت کی پہلی کمیٹی تھی۔

مگر اسی اثنا میں شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود حسن کے دستخط کرانا چاہے۔ مگر وہ روپوش ہو گئے۔ جب باہر آئے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کئے گئے ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے انگریز افسروں نے "باغیانہ" سرگرمیوں کے بارے میں استفسارات کئے اور ایک دستاویز دکھائی جس سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ مولانا محمود حسن سلطان ترکی، ایران و افغانستان کو متحد کر کے ہندوستان پر اجتماعی حملہ کر کے آزاد حکومت کے قیام کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ بہرکیف ۱۵ا نومبر ۱۹۱۷ء کو مالٹا بھیج دیئے گئے۔ جہاں انہوں نے تین دہائی کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسارت مالٹا کے بعد آپ ہندو مسلم اتحاد کے داعی بن گئے۔

جس طرح انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل مولوی سید احمد بریلوی ناکام ہوئے۔ اسی طرح انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کی جانے والی یہ کوشش بھی بالآخر ناکامی ونامرادی کا شکار ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جب مسلمانوں کی طرف سے تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ تو حالات نے نیا رخ اختیار کیا۔ اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا ظفر علی، مولانا حسرت موہانی وغیرہ مشاہیر ملت شامل تھے۔ اسی زمانہ میں انڈین نیشنل کانگرس نے مسٹر گاندھی کے ایما پر ترک موالات کی تحریک شروع کی۔ کانگرس کا قیام اگرچہ ۱۸۸۵ء میں عمل میں آگیا تھا۔ مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ حاکم و محکوم کے تعلقات کو استوار کرے اور بس۔ بعد میں کامل آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔ الغرض ۱۹۲۰ء میں کانگرس کے قوم پرست ہندو مسلمان اور تحریک خلافت کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر شخص ترک موالات پر تلا ہوا نظر آتا تھا، مخالفت کی کسی کو جرأت نہ تھی، جوش جنون میں انگریزوں سے ترک موالات بلکہ ترک معاملات کر کے کفار و مشرکین سے دوستی و محبت کے لئے ہاتھ بڑھایا گیا۔

ہندوستان کے عام مسلمان بلکہ وہ خواص بھی جن کو اللہ تعالے نے دانش و بینش سے نوازا تھا۔ ان آئینی تحفظات کے پھیر میں آ گئے جو کانگرس کی طرف سے پیش کی گئی تھیں حالانکہ اکثریت کی طرف سے اقلیت کو آئینی تحفظات دے دینے سے اقلیت کی کماحقہ، حفاظت ناممکن ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس اقلیت میں خود زندہ رہنے کی صلاحیت ہو حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس اقلیت کا ہم مذہب کوئی ملک اگر طاقت در ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ٹیڑھی نظر سے دیکھ سکے۔ اس حقیقت کو تو ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اگر پاکستان قوی ہوتا ہے تو اس کی قوت کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر از خود ہوتا ہے اور اگر کمزور ہوتا ہے۔ تو خون مسلم کی وہ ارزانی ہوتی ہے۔ کہ الامان الحفیظ! بہرکیف عرض یہ کرنا ہے کہ آئینی تحفظات سے کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس اس حالت میں جب کہ مسلمان اقلیت میں تھے اور ان میں وہ قوت بھی مفقود ہو چکی تھی۔ جس نے طوفانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ کفار و مشرکین کے ساتھ وداد و اتحاد کا نتیجہ یہی ہوتا کہ ایک دشمن انگریز سے حکومت لے کر دوسرے دشمن کے سپرد کر دی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بعض ایسے نابغہ افراد موجود تھے جن میں جہاں بانی کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔ لیکن آخر تا بکے؟ مشرکین سے اتحاد و اتفاق کی صورت میں مسلمانوں کا مستقبل تابناک نظر نہ آتا تھا۔

ہر منظم جماعت کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔ جو شامل ہوتا ہے۔ اگر وہ اقلیت میں ہے اور فکری قوت کا مالک بھی نہیں

ہے تو وہ طوعاً وکرہاً اسکے مزاج سے مطابقت پیدا کرلیتا ہے۔ جماعت پر وہی افراد اثر ڈال سکتے ہیں جو یا تو فکری قوت کے مالک ہوں یا پھر اکثریت میں ہوں مگر مشرکین ہند کے ساتھ اتحاد کے وقت نہ مسلمانوں میں اتنی عظیم فکری قوت تھی اور نہ وہ اکثریت میں تھے۔ ایسی حالت میں اتحاد، ادغام کی صورت میں اختیار کرلیتا اور ہندوؤں کی اکثریت زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں پر اثر انداز ہو کر یا تو ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی اور یا ان کو نیست و نابود کردیتی۔ بعض لوگ جسمانی فنائیت کو ناممکن تصور کرکے اس خیال کی مخالفت فرماتے تھے مگر اصل روحانی اور مذہبی فنائیت ہے آجکل اسی کو فنا کرکے قومیں فتح و نصرت حاصل کر رہی ہیں اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی دو حیثیات تھیں۔ ایک حیثیت کا تعین ملک سے وابستگی سے ہوتا تھا اور دوسری حیثیت کا تعین دین سے وابستگی سے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دوسری حیثیت پہلی حیثیت پر مقدم تھی۔ یعنی "مسلمانیت" کو "ہندوستانیت" پر فوقیت حاصل تھی۔ اس طرح اسلام اور کانگرس کے نقاط نظر میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ کیونکہ کانگرس کے نزدیک مذہب کی حیثیت ثانوی تھی۔ اختلاف کا نقطۂ آغاز یہی اساسی فرق ہے۔ اسی لئے تعین اول کو تعین ثانی پر مقدم رکھنے والے ایک کانگرسی عالم پر تنقید کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ !!!
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدِ عربی ست
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست[1]

وطنی قومیت کی اگر اسلام میں گنجائش ہوتی۔ تو سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مختلف قبیلوں کو جو آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ عربیت یا قریشیت وغیرہ کے نام پر متحد فرماتے مگر ایسا نہیں کیا قوم پرستی و وطن پرستی کے برخلاف آپ نے حق پسندی اور حق پرستی کو اپنا شعار بنایا اور اسی بنیاد پر کائنات کے تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی سعی فرمائی اور وہ وہ مصیبتیں جھیلیں جن کے بیان کے لئے پتھر کا دل چاہیے اور اس وطن کو خیرباد فرمایا جس پر دور جدید کی سیاست کا انحصار ہے اور عملاً یہ بتادیا کہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے۔ وطن کی حفاظت نہیں وطن کی حفاظت ہے تو صرف اس لئے کہ وہ دین کا محافظ ہو علامہ اقبال نے اسی لئے فرمایا ہے۔ ؎

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اور قرآن کریم پکار پکار کر کہتا ہے۔

---

[1] کلیات اقبال، مطبوعہ دہلی ص ۳۵۲

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا[۱]
تم لوگوں میں اس شخص کے لئے جو اللہ تعالےٰ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے
اس کا ذکر کرتا ہے۔ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) (کی حیات طیبہ) میں عمدہ نمونہ ہے۔

فاضل بریلوی نے ترک موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کو، جو وطنیت پرستی اور دین سے بے خبری پر مبنی تھا۔
سخت مخالفت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ترک موالات کے خلاف آواز اٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف تھا۔ مگر
فاضل بریلوی نے اظہار حق میں ملامت کرنے والوں کی پروا نہ کی اور نقیہانہ شان کے ساتھ اپنے فیصلے صادر فرمائے اور
بالآخر جو کچھ فرمایا تھا۔ سچ ثابت ہوا۔ جب طوفان جنون ختم ہوا اور آنکھیں کھلیں تو وہی سچا نظر آیا۔ جس کو کل تک جھوٹا کہا گیا تھا۔ قائد اعظم
اور علامہ اقبال جیسے مفکرین و رہنما ابتداء میں ایک قومی نظریہ کے حامی تھے مگر بعد میں اچانک اپنا رخ موڑتے ہیں اور ایک
قومی نظریہ کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر دو قومی نظریہ کی پوری پوری حمایت فرماتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد ہندو مسلم عدم اتحاد و
عدم موالات پر تھی یہ وہی نظریہ ہے جس کی حفاظت کے لئے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت فاضل بریلوی رحمہما اللہ تعالیٰ
نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

کانگرس کا منتہا یہ تھا کہ ملی امتیازات کو خیر باد کہہ کر "ہندوستانیت" میں گم ہو جاؤ اس طرح مذہب کی بنیاد خود بخود
ڈھے جاتی۔ اسی زمانے میں جب فاضل بریلوی، ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت فرما کر ملت اسلامیہ کی وحدت کی حفاظت فرما
رہے تھے۔ علامہ اقبال نے ایک قومی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے تصور وطنیت پر سخت تنقید فرمائی اور وہ شاعر جس نے
کبھی نیا شوالہ اور ترانہ ہندی جیسی نظمیں لکھی تھیں اب یہ کہتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کا شانۂ دین نبوی ہے!!

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

---

[۱] قرآن حکیم، الاحزاب ۲۱

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی

ہو بحر میں آزاد وطن صورت ماہی

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی

دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے

تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے

کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اسی سے

قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے [۱]

دنیا میں نہ معلوم کب سے اتحاد و اتفاق کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ کسی نے نسلی بنیاد پر منتشر انسانوں کو جمع کرنا چاہا تو کسی نے لسانی بنیاد پر، کسی نے رنگ کی بنیاد پر جمع کرنا چاہا تو کسی نے تہذیب و تمدن کی بنیاد پر کسی نے وطن کی بنیاد پر اتحاد کا نعرہ بلند کیا اور فکر انسانی اتحاد و اتفاق کے متعلق مسلسل سوچتی رہی۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت کے اتحاد و اتفاق کے داعی تھے۔ پھر وہ لسانی یا وطنی بنیادوں پر صرف دنیائے عرب کے اتحاد پر کیسے مطمئن رہ سکتے تھے؟ وہ بے چین ہوئے اور ایسے بے چین ہوئے کہ ان کے پروردگار نے ان کی پوری پوری تسلی و تشفی فرمائی۔

اتحاد کی ہر منزل پر ایثار و قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ منزل جتنی کٹھن ہوگی اتنی ہی عظیم قربانیوں کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اسلام جس عالمگیر اتحاد و اتفاق کا داعی ہے۔ اس کو عظیم قربانیوں کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خاندان کی قربانی قبیلے کی قربانی، رنگ و نسل کی قربانی، تہذیب و تمدن کی قربانی، مال و متاع کی قربانی، جذبات و واردات کی قربانی۔ حتیٰ کہ اپنی جان کی قربانی۔ قربانی کے اس تصور کو قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرد مومن وہ ہے جس کی نگاہ محبت میں سوائے اس کے پروردگار اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہ سمائے ؎

وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

---

[۱] کلیات اقبال، مطبوعہ دہلی ص ۹۶، ۹۷

جب کبھی مسلمانوں نے دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھاما ہے اور آگے بڑھے ہیں، نامراد نہیں لوٹے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اس کی شاہد عادل ہے اور اس کے مقابلے میں ۱۹۶۷ء کی عرب واسرائیل جنگ بھی ہمارے سامنے ہے اسی لیے علامہ اقبال نے اہل عرب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

ضمناً یہ عرض کرتا چلوں کہ دورِ جدید کے بعض آزاد خیالوں کی طرف سے دینی حکومت کے قیام کو تنگ نظری پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک دورِ جدید میں اگر اقلیتوں کی حفاظت ہوسکتی ہے تو وہ اسلامی حکومت کے قیام ہی سے ممکن ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اقلیتوں کی کس طرح حفاظت کی ہے۔ دور کیوں جائیں۔ اپنے ہی ملک کو دیکھیں ۱۹۴۷ء سے اب تک یہاں اقلیتوں کی کس طرح حفاظت کی گئی اور ہندوستان جس کی بنیاد لادینیت و وطنیت پر ہے وہاں کیا کچھ نہ ہوا اور نہیں ہو رہا اور نہیں ہوتا رہے گا۔ انگلستان اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ غور کریں گے تو سوائے اسلامی ملکوں کے ہر جگہ اقلیتوں کو خطرے میں پائیں گے۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا ہندو مسلم اتحاد کا، وطن پرستی و قوم پرستی کا، حق پرستی حق پسندی کا۔ بندگانِ خدا کی یا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا — آئیے اب فاضل بریلوی کی استقامت و عزیمت کو ملاحظہ کیجیے۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ فاضل بریلوی، ترک موالات کے نتیجے میں ہونے والے ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے ان کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ رہی تھیں کہ دوسری آنکھوں نے وہ نہ دیکھا تھا۔ ان کا ذہن صائب وہ کچھ سوچ رہا تھا کہ اس طرف دوسروں نے رخ بھی نہ کیا تھا — ہندو مسلم اتحاد کے مویداور ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرما دیا۔

مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں۔ میں مخالف ہوں[۱۵]

اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہو گئے۔ تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کے لئے مکرر ارشاد فرمایا

مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں[۱۶]

مولانا رشید احمد گنگوہی بھی ہندو مسلم موالات کے سخت مخالف تھے بلکہ انہوں نے تو ان کے ساتھ معاملت کو مشروط طور پر مباح لکھا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں۔

اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع و شرا و تجارت میں کر لیویں اس طرح کہ اس میں کوئی نقصان دین میں یا خلاف شرع

---

[۱۶] پاشا بیگم: اعلیٰ حضرت کی مذہبی اور سیاسی خدمات۔ مطبوعہ ماہنامہ عرفات (لاہور) شمارہ اپریل ۱۹۷۰ء ص۔ ۶۵

معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے جائز ہے اور مباح ہے۔ اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملے سے کوئی خلاف شرع امر لازم آتا ہے یا مسلمانوں کی ذلت واہانت اور ہنود کی ترقی ہوتی ہے وہ کام بھی حرام ہے[1]

یہ احتیاط اس احساس کی بنا پر تھی کہ مسلمان قلت میں تھے۔ اس کے علاوہ بدحالی وعسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے چنانچہ ایک جگہ اس کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

بہرحال کفار کا تسلط ہندوستان پر اس درجہ ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا کسی دارالحرب پر اس سے زیادہ غلبہ نہ تھا۔ اور جو اسلامی رسومات اور شعائر مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں، وہ صرف ان کی اجازت سے، کوئی رعایا مسلمانوں سے زیادہ عاجز نہیں، ہنود کو بھی کسی قدر رسوخ حاصل ہے مسلمانوں کو وہ بھی نہیں[2]

مولٰنا رشید احمد کی یہ احتیاط اور دوسری طرف مولانا محمود حسن نے مشروط معاملت تو درکنار موالات کو جائز قرار دیا چنانچہ عالم ہونے کے باوجود یہ فرماتے ہیں۔

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالےٰ شانہ، نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لئے موید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں (ہنود و مسلمان) کے اتحاد واتفاق کو بہت مفید اور نتیجہ سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرکے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدنے کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اس کے لئے میرے دل میں بہت قدر ہے[3]

یہی نہیں بلکہ اس قوم کو بھی دعوت موالات دے رہے ہیں جس کے خلاف مولوی سید احمد بریلوی نبرد آزما ہوئے تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دو لوں (ہندو مسلمان) بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں عنصر اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو ان اقوام کی اجتماعی قوت کو شکست دے سکے گی[4]

حیرت ہے کہ ایک ممتاز عالم ہندوؤں اور سکھوں کو دعوت موالات دے رہا ہے اور وہ بھی وہ جو غالب اکثریت میں تھے۔ جن کے پاس سیاسی واقتصادی دونوں قوتیں تھیں کیا اس آواز پر لبیک کہنے والے ہندوؤں وسکھوں سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کریں گے؟ عقل سلیم اس کا واضح جواب دے سکتی ہے۔

اس پرفتن دور میں جب کہ انگریز دشمنی نے علماء کو حد اعتدال سے متجاوز کر دیا تھا۔ فاضل بریلوی نے صراط سیاسی جذباتی تحریکوں سے الگ تھلگ رہے کارواں چلتا رہا وہ روشنی دکھلاتے رہے۔ جن کی قسمت میں

---

[1] نصرۃ الابرار ص۔ ۱۹ ۲۶ محرم ۱۳۰۶ھ
[2] سید محمد میاں، علمائے حق، حصہ اول مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء ص۔ ۹۶
[3] ایضاً، ص ۲۱۶۔ خطبہ صدارت ۱۹۲۰ء [4] ایضاً، ص۔ ۲۱۷

ہدایت تھی انہوں نے ہدایت پائی ـــــ مگر پھر بھی سائل سوال کر سکتا ہے کہ کارواں سے الگ کیوں رہے؟

ہر سیاسی تحریک کا ایک مقصد ہوتا ہے اور پھر اس مقصد ومنتہا کے حصول کے لیے مختلف ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں مقصد بالعموم ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ذرائع ظاہر بھی ہوتے ہیں اور مخفی بھی۔ مقصد کے تعین میں تقوے کا خیال رکھا جا سکتا ہے۔ مگر ذرائع میں اس کا خیال رکھنا دورِ جدید کی سیاست میں تقریباً ناممکن ہے۔ خصوصاً تحریک کے خزانے میں جو بے احتیاطیاں ہوتی ہیں وہ اہل تقوے کے لئے ناقابل برداشت ہیں اس کے علاوہ نظر تقویٰ سے تحریک کی کارگزاریوں کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی خامیاں نظر آسکتی ہیں۔

دورِ جدید کی سیاست صرف مقاصد سے بحث کرتی ہے اور اس کے تعین میں بھی وہ خلوص وللّٰہیت نہیں ہوتی جو مقتضائے شریعت ہے اور ذرائع کے نیک وبد سے اس کا کوئی تعلق نہیں مگر اسلامی سیاست مقاصد کے ساتھ ذرائع کے نیک وبد سے بھی بحث کرتی ہے مقصد کتنا ہی عالی کیوں نہ ہو۔ اگر ذرائع نامحمود و مذموم اور ناپسندیدہ وغیر مشروع ہیں تو اس مقصد کو حاصل کرنے سے اس کا ترک کر دینا بہتر ہے اور بعض حالات میں واجب بلکہ فرض ہو جاتا ہے۔

سیاسی جماعتوں سے متدین ومتقی علماء کی علیحدگی کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ جماعت میں شرکت کے بعد قائد کی پیروی فرض ہو جاتی ہے خواہ اس کا حکم احکام شرع کے مطابق ہو یا خلاف، حکم عدولی، خواہ وہ شریعت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، باغیانہ حرکت سمجھی جاتی ہے اور اس کو برادری سے نکال باہر کیا جاتا ہے یہاں ضمناً ایک نکتہ عرض کرتا چلوں کہ شریعت کی نظر میں حزب موافق وحزب مخالف کی کوئی تقسیم نہیں، جو شخص حزب موافق میں ہے وہی حزب مخالف کا فرض ادا کرتا ہے کہ حمایت جماعت کی مقصود نہیں بلکہ اصول کی حمایت مقصود ہے بہرکیف ایک متدین عالم کے نزدیک کسی قائد کی پیروی اسی حد تک جائز ہے جہاں تک اس کے احکام، احکام شرعیہ اور تقاضائے شریعت سے متصادم نہ ہوں اگر متصادم ہوئے تو اس کی پیروی اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتا چونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق اور اپنے آقا و مولیٰ کا سچا غلام ہے اس لئے ایسے موقعوں پر اعلاء کلمۃ الحق فرض سمجھتا ہے جس کو بعض تنگ نظر ملک دشمنی یا ملت کی دشمنی پر محمول کرتے ہیں۔

بہرکیف فاضل بریلوی تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات سے انہیں اسباب کی بنا پر علیحدہ رہے اور ۱۹۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ ملتِ اسلامیہ کے صائب الرائے حضرات بھی اس اتحاد کے حامی اور اس کے لیے سرگرمی سے کوشاں تھے، آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد گو ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں پڑ چکی تھی مگر ۱۹۳۷ء تک اس نے مسلمانوں کے لیے خصوصیت سے کوئی مثبت کردار ادا نہ کیا۔ قائد اعظم ابتدا میں ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے مگر سنہ مذکورہ میں جب وہ صدر منتخب ہوئے تو ان کے انداز فکر میں ایک انقلاب محسوس کیا گیا اور وہ ایک قومی نظریہ کے مخالف ہو گئے۔ پھر ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرار داد پاکستان منظور کر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ پیش کر دیا، جس نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلمانوں کو بیدار کر دیا اور دو قومی نظریہ کا یہ مطالبہ روز بروز شدت اختیار کرتا گیا لیکن یہ باتیں بہت بعد کی ہیں جب کہ فاضل بریلوی کو وصال کیے بھی بیس پچیس سال گزر چکے تھے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس پُر آشوب دور میں جب ہر قائد ورہبر ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشاں تھا، فاضل بریلوی کو حق جل مجدہ نے اس بصیرت قلبی سے نوازا تھا جس سے بہت سے رہبر محروم تھے، ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا حرف بحرف

صحیح ثابت ہوا اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ؎

اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا　　اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

اس پُرفتن دور میں جب کہ ملّتِ اسلامیہ کے بظاہر سب حامی تھے مگر حقیقت میں کوئی حامی و ناصر نہ تھا، اس کی بقاء کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس کے ویران دل میں سلطنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کر دی جائے۔ یہ سلطنت خارج سے پہلے داخل میں قائم ہوتی ہے۔ اور پھر جب اپنا اثر دکھاتی ہے تو دنیا دیکھتی رہ جاتی ہے۔ فاضل بریلوی نے ایک طرف تو اہلِ سیاست کو ان کی فاحش غلطیوں سے آگاہ فرمایا تو دوسری طرف مسلمانانِ ہند کے دلوں میں سلطنتِ مصطفیٰ کے قیام کی کوشش فرمائی۔ ان کا نعتیہ دیوان محض نغموں کا ایک مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ تحریکِ آزادی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے مسلمانوں کے دل دربارِ مصطفوی کی طرف پھیر دیے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے　　خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام نیاز نہ معلوم کس جذب و کیف کے عالم میں پیش کیا تھا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی صدائے بازگشت سُنی گئی، ہر طرف سے یہی ایک دل کشا آواز آرہی تھی ؎

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جانِ رحمت ہیں تو وہی، شمعِ ہدایت ہیں تو وہی۔ رحمت کی کس کے در سے اُمید رکھتے ہو؟ — ہدایت کے لیے کس کا منہ تکتے ہو؟ آؤ آؤ، ان کے در پر سرِ نیاز خم کر دو کہ ؏

اگر باو نہ رسیدی تمام بُولہبی ست

المختصر اس دور میں حالات نے ایسی نزاکت اختیار کر لی تھی کہ فطرتِ ملّتِ مسلمہ بزبانِ بے زبانی کہہ رہی تھی:

میرے سامنے شخصیتوں کو نہ لاؤ، کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، عالم و فاضل ہو، مفسرِ قرآن ہو، معلمِ حدیث ہو، ماہرِ سیاست ہو عمل اور قربانی کا نمونہ ہو۔ اس کی حرمت میرے سر آنکھوں پر، مگر جو ہدایت وہ دے رہا ہے اگر وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے تو میرے لیے لائقِ اتباع نہیں، ہاں اگر وہ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ میں کوئی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے تو شخصی عظمت کی آمیزش سے علیحدہ کر کے اس کو اور صرف اس کو سامنے لاؤ، اس لیے کہ وہی لائقِ اتباع ہے۔ اسی میں سچی ہدایت ہے اور اس کی پیروی میں فلاح و نجات ہے اسکے بتائے ہوئے راستے میں خواہ کتنی ہی دشواریاں ہوں، کتنے ہی خدشات اور کتنے ہی نقصانات ہوں، آخری اور دیرپا اور یقینی کامیابی اسی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔[1]

گذشتہ اوراق میں ہم نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے ایک قومی نظریہ کی بنیاد ڈالی، ممکن ہے کہ اس سے اس کی حکومت مستحکم ہوگئی ہو لیکن اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصانات پہنچے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۰۳۴ھ) نے اس ایک قومی نظریہ کی شدت سے مخالفت کی اور دو قومی نظریہ پیش کیا، آپ کی اولاد امجاد نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور انہی کی کوششوں سے اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے فکر و نظر کی تعمیر ہوئی، وہ سرزمینِ ہند میں حافظِ دین متین بن کر اُبھرا اور دو قومی نظریہ پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی "تحریک اصلاحِ حال" کا زمانہ آتا ہے۔ اور پھر مولوی سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد شروع ہوتی ہے اور معرکۂ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) پیش آتا ہے۔ ہم نے اس تحریک کے اسباب و علل اور اس معرکے کے نتائج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی عام زبوں حالی اور انگریزوں کے ساتھ ان کی وفاداریوں کی طرف بھی ہم نے اشارہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ سندھی کے بیان کے مطابق انگریزوں کے خلاف علماء دیوبند کے اس طرزِ عمل کا جائزہ لیا ہے یعنی کبھی کامل وفاداری کبھی غیر جانبداری اور کبھی مخالفت۔ اس کے بعد نظارۃ المعارف (۱۹۱۳ء) کے قیام اور آزاد حکومت کی کوشش کا ذکر کیا ہے اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ سندھی کا سفر افغانستان (۱۹۱۵ء) مولانا محمود حسن کا سفر حجاز (۱۹۱۶ء) اور انگریزوں کے ہاتھوں ان کی گرفتاری (۱۹۱۷ء) کا ذکر کیا ہے۔ پھر رہائی کے بعد ہندو مسلم اور سکھ اتحاد کے لیے ان کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا محمود حسن کی اسی کوشش کے نتیجے میں ان کے متبعین نے تحریک ترکِ موالات کے زمانے میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ وداد و اتحاد کا حق ادا کردیا اور پھر بعد میں سیاسی پلیٹ فارم سے مشرکینِ ہند کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی متاثر ہوئی اور قوت متحرکہ پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک قومی نظریہ یعنی ہندو مسلم سیاسی اتحاد کے لیے پہلی کوشش کو حضرت مجددؒ نے ناکام بنایا۔ عرصہ دراز کے بعد مسلمانوں کی سیاسی شکست کے بعد پھر یہ کوششیں شروع ہوگئیں۔ آزاد حکومت کے قیام کی جدوجہد کے زمانے میں یہی ہوا۔ پھر تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) کے ساتھ ہی ۱۹۲۰ء میں جب تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی تو ہندو مسلم اتحاد شباب پر پہنچ گیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریکِ خلافت کے جوش و خروش کو گاندھی نے لپک لیا اور اس طرح خونِ مسلم سے اپنے کوہ و دمن سیراب کرلیے ___ فاضل بریلوی اپنی سیاسی بصیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، بسترِ مرگ پر پڑے تھے، وقتِ رحلت قریب تھا مگر جوشِ غیرت نے وہ گرمی و حرارت پیدا کی جو ہمارے لیے درسِ عبرت بھی ہے اور مشعلِ راہ بھی ___ آیئے اب ہم ترکِ موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی کے افکار و خیالات کا جائزہ لیں اور ہر قسم کے تعصب و تنگ دلی سے مبرا ہو کر اس کو پرکھیں ___ اور یہ دیکھیں کہ دورِ اکبری کے ایک قومی نظریہ کے احیاء کے لیے کی جانے والی اس کوشش کو فاضل بریلوی نے کس طرح ناکام بنایا۔

زمانہ گزر چکا ہے، انقلابات و حادثات نے ماضی کے بہت سے نظریات کو یا تو رد کردیا یا ان پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ آیئے ماضی کے ان مشاہدات و تجربات کی روشنی میں فاضل بریلوی کے نظریات کا جائزہ لیں۔ اس مؤرخ کی طرح نہیں جو تاریخ کو عقیدے کا درجہ دیتا ہے بلکہ اس مؤرخ کی طرح جو صرف حقائق و واقعات سے بحث کرتا ہے، سب کی سنتا ہے، جراغ پا نہیں ہوتا، مؤرخ کی عزت و ناموس کو خاک میں نہیں ملاتا، قدم قدم پر اس کا وقار بلند رکھتا ہے اس فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی کا ثبوت دیتا ہے جو ایک مؤرخ کے شایانِ شان ہے۔

ترکِ موالات

ایک عالمِ دین اور اہلِ دل کی شخصیت و کردار اور افکار و خیالات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پرکھنا چاہیئے کہ اس کا دل و دماغ تجلیاتِ الٰہیہ اور انوارِ محمدیہ سے منور و مستنیر ہوتا ہے۔ اس کے اقوال و اعمال کی اساس خلوص و للٰہیت پر ہوتی ہے۔ کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھتا، جو کچھ کہتا ہے یا کرتا ہے برملا کرتا ہے۔ "مصلحت وقت" نام کی شے اس کی حیاتِ مقدسہ سے یکسر خالی ہوتا ہے ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند　　بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

وہ کسی کی رو رعایت نہیں کرتا، فیصلہ دشمن کے حق میں ہوتا ہے یا دوست کے حق میں، وہ اس کی بھی پروا نہیں کرتا، اس کی نظر خدا اور رسول علیہ السلام پر ہوتی ہے۔ جو فیصلہ اس بارگاہِ عالی سے صادر ہوتا ہے وہی نافذ کرتا ہے۔ بارہا تاریخ میں ایسے دور آئے ہیں جب فیصلہ دشمن کے حق میں ہوا ہے تو دوستوں نے خوشامد و تملق کا الزام لگایا ہے اور دوستوں کے حق میں ہوا ہے تو جانب داری اور طرف داری کی تہمت لگائی ہے مگر یہ نفسِ قدسی ان تمام الزامات اور تہمت تراشیوں سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کیلئے اپنے فیصلے صادر کرتا ہے۔ پھر وقت ــــــ وہ وقت جو کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھاتا ہے ع

براں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی

ہاں وہی وقت مستقبل میں اس فیصلے پر مہرِ صداقت ثبت کرتا ہے پھر دنیا کو اس کی اصابت رائے کا علم ہوتا ہے اور اس کی فکرِ رسا کی عظمت کے اَن مٹ نقوش دل پر مرتسم ہو جاتے ہیں ؎

تقدیرِ امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا — مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

ترکِ موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تحریرات کو اسی روشنی میں دیکھا جائے اور پھر پچھلے برسوں میں جو کچھ ہم نے دیکھا ہے ان مشاہدات کی روشنی میں آپ کے تعمقِ فکر اور تبحرِ علمی کا اندازہ لگایا جائے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے"

اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی — ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی

"دانشِ برہانی، کا انجام 'حیرت'، ہے۔ 'دانشِ نورانی، کا انجام 'معرفت'، ہے۔ اسی دانشِ نورانی کو قرآنی اصطلاح میں 'حکمت'، سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

جس کو حکمت ملی اس کو خیرِ کثیر ملی یہ حکمت خشیتِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔

حکمت کی جان خشیتِ الٰہی ہے۔

یہی خشیت قول و عمل میں اعتدال پیدا کرتی ہے۔ فکر میں اصابت اور قلب میں بصیرت پیدا کرتی ہے اور سیرتِ انسانی کو مستحکم سے مستحکم تر کرتی ہے۔

آیئے اب ہم اس مردِ کامل کی، دانشِ نورانی، کی تجلیاں دکھائیں جس کی جبینِ مبارک کو دیکھ کر حسین بن صالح المکی بے ساختہ پکار اُٹھے تھے:

انی لاجد نور اللہ من ھٰذا الجبین۔

میں اس پیشانی میں نورِ الٰہی پا رہا ہوں۔

ع کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

"ترکِ موالات،، کے سلسلے میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں لاہور اور لائل پور سے یکے بعد دیگرے دو

استفتاء ارسال کیے گئے جس کا آپ نے مفصل و مبسوط جواب مرحمت فرمایا۔ بعد میں یہ فاضلانہ جواب ایک رسالے کی صورت میں "المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ،، (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے تاریخی نام سے مولوی حسنین رضا خاں نے مطبع حسنی، بریلی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف "اوراق گم گشتہ،، (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں شامل کر دیا ہے جو بڑے سائز کے ۸۰ صفحات (۲۲۵ تا ۳۰۵) پر پھیلا ہوا ہے۔ ہم نے ترک موالات سے متعلق فاضل بریلوی کے افکار و خیالات اسی رسالے سے اخذ کیے ہیں۔

پہلا سوال مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج، لاہور نے ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ کو ارسال کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اسلامیہ کالج لاہور کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ ترک موالات کے لیے ضروری ہے کہ سرکار برطانیہ سے جو امداد ملتی ہے، بند کی جائے اور یونیورسٹی سے کالج کا الحاق بھی ختم کیا جائے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر ان دونوں صورتوں میں موالات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

مولانا آزاد کے اس ارشاد سے کالج میں بے چینی پھیل گئی چناں چہ سائل مذکور مولوی حاکم علی صاحب نے مولانا آزاد کے اس قول کے متعلق دریافت کیا کہ از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

فاضل بریلوی نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کے بعض نکات یہ ہیں:

۱۔ موالات اور مجرد معاملت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین ــــــ کسی سے ممنوع نہیں۔ ذمی تو معاملت میں مثل مسلم ہے[۱]۔

۲۔ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہٖ حلال ہے۔ وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا بھی ضروری ہے[۲]۔

۳۔ یوں ہی ایک حد تک معاہدہ و موادعت کرنا بھی اور جو جائز عہد کر لیا ہے اس کی وفا فرض ہے، غدر حرام ہے[۳]۔

نوٹ: ترک موالات کی تحریک میں انگریزی مال خریدنا جائز نہ تھا البتہ ان کی چیزوں سے تمتع جائز تھا مثلاً ڈاک، تار، ریل وغیرہ سے تمتع کو کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ اس عجیب طرز عمل پر فاضل بریلوی اظہار حیرت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

۴۔ عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہوا، لینا حرام۔ اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک میں ہیں ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی تو یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس اُلٹی عقل کا کیا علاج[۴]!

پہلا فتویٰ دوسرے فتوے کا محرک ہے۔ پہلے فتوے کے مطالعہ کے بعد چودھری عزیز الرحمٰن (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائلپور) نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو ایک مفصل استفتاء فاضل بریلوی کی خدمت میں ارسال کیا جس کا لہجہ قدرے درشت تھا اس لیے جواب بھی زور دار تحریر فرمایا اور تحقیق و تدقیق کا حق ادا کیا۔

سائل مذکور چودھری عزیز الرحمٰن نے اپنے استفتاء میں ایک جگہ لکھا ہے:

غرض کہ ایسے وقت جب کہ اعداء اللہ نے اسلام کی عزت و شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ــــ کیا

---

[۱] رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۷

[۲] ایضاً ص ۲۲۷ [۳] ایضاً ص ۲۲۷ [۴] ایضاً ص ۲۲۹

ایسے وقت میں اسلامی حمیت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہوجائیں اور مسلمان تباہ ہوجائیں[1]۔

سائل مذکور نے بعض دیگر مسائل بھی پیش کیے ہیں مثلاً یہ کہ فوج وغیرہ میں جو مسلمان کلرک وغیرہ بھرتی کیے جاتے ہیں لامحالہ وہ مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی امداد کے مرتکب ہوتے ہیں اسی طرح اسکول اور کالجوں کو جو امداد دی جاتی ہے وہ غیر شرعی شرائط کے ساتھ مشروط کر دی جاتی ہے جس سے اخلاقی و دینی فساد پھیلتا ہے، پھر آخر میں سائل لکھتا ہے:

حالات حاضرہ پر نظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ سے ترک موالات (عدم تعاون) کرنا اسلامی حکم ہے یا نہیں ہے، اور گورنمنٹ سے اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کو امداد لینی اور یونیورسٹی سے الحاق رکھنا اندریں حالات چاہیئے یا نہیں؟[2]

فاضل بریلوی نے اس استفتاء کے جواب میں موالات و ترک موالات، معاملت و ترک معاملت وغیرہ پر مدلل بحث فرمائی ہے جو بڑی فکر خیز ہے۔ ہم نے اس مفصل و مدلل جواب سے بعض باتیں اخذ کی ہیں جس سے نفس موضوع پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے، اور ایجاز و اختصار اور تفہیم مطالب کے لیے بعض مضامین کو مقدم و مؤخر کیا ہے۔

سب سے پہلے فاضل بریلوی نے ذمی، حربی، مستامن وغیرہ سے موالات و ترک موالات پر مدلل بحث فرمائی ہے اور ان کتابوں سے استدلال فرمایا ہے:

جامع الصغیر، درر، نتائج الافکار، ہدایہ، محیط، سیر کبیر، موطا امام محمد، کتاب الاصل، شرح سرخسی وغیرہ

پھر آگے چل کر موالات کی قسموں پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تحقیق مقام یہ ہے کہ موالات دو قسم (کی) ہے اول حقیقیہ[1]، جس کا ادنیٰ رکن میلان قلب ہے، پھر وداد[2] پھر اتحاد[3]، پھر اپنی خواہش سے بے خوف طمع انقیاد[4] پھر تبتل[5] — یہ بجمیع وجوہ کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

دوم صورت یہ ہے کہ دل اس کی طرف اصلاً مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے کہ جو بظاہر محبت و میلان کا پتا دیتا ہو، یہ بحالت ضرورت و مجبوری صرف بقدر ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے۔

مدارات[6] و مداہنت[7] کے بیچ میں موالات صوریہ کی دو قسمیں ہیں۔ بر و اقساط[8] اور معاشرت[9] — یہ نو صورتیں موالات کی ہوئیں — دسویں مکمل مجرد معاملت[10] ہے — یہ سوائے مرتد ہر کافر سے جائز ہے[3]

فاضل بریلوی ایک جگہ یہود و نصاریٰ و مشرکین سے موالات کے سلسلے میں بعض احادیث نقل فرما کر ان کی حکمتوں کو فقہی باریک بینی اور بصیرت کے ساتھ بیان فرماتے ہوئے آخر میں استعانت کو زیر بحث لا کر فرماتے ہیں

تحقیق مقام بتوفیق منعام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ التجا ۲۔ اعتماد ۳۔ استخدام

۱۔ التجا یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف و کمزور یا عاجز پا کر، کثیر و قوی و طاقت ور جتھے کی پناہ لے۔ اپنا کام بنانے کے لئے اس کا دامن

---

[1] ایضاً ص۔ ۲۳۳ [2] ایضاً [3] ایضاً، جلد ۲۵۹ - ۲۶۰

پکڑے، یہ بداہتہً اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دینا ہو گا[1]

۲۔ اعتماد یہ کہ وہ مسادی سے یارانہ گانٹھیں، انہیں اپنا یا وہیار و معین و مددگار بنائیں۔ ان کی مدد و موافقت سے اپنے لیے غلبہ و عزت و کامیابی چاہیں۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی و خیر خواہی پر اعتماد یقیناً ہے۔ کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن کو معین و ناصر نہ بنائے گا[2]

۳۔ استخدام یہ کہ کافر ہم سے دبا ہو، اس کی چوٹی ہمارے ہاتھ میں ہو، کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو۔ وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہو گا مگر بے دست و پا ہے۔ ہم سے خوف طمع رکھتا ہے۔ خوف شدید کے باعث اظہار بدخواہی نہ کر سکے گا۔ بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہو[3]۔

یہ تو تھیں استعانت کی مختلف صورتیں لیکن جہاں تک مشرکین سے موالات کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا ہے:

موالات مطلقاً ہر کافر مشرک سے حرام ہے۔ اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب دعزیز ہو[4]۔

بعض مسلمان قائدین نے جو یہ عجیب و غریب طرز عمل اختیار کیا تھا کہ عیسائیوں سے تو معاملت تک حرام قطعی اور مشرکین و کفار ہند سے معاملت تو معاملت، موالات بھی جائز بلکہ مستحسن۔ فاضل بریلوی اس طرز عمل اور انداز فکر پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انگریزوں کی طرف اور وہ بھی شریعت پر زیادت کے ساتھ کہ ان سے مجرد معاملت بھی حرام قطعی بلکہ کفر اور مشرکوں کی طرف کی پہلے سے بھی زیادہ (آنکھیں) پٹ ہو گئیں کہ ان سے وداد و اتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی و انقیاد فرض "انہیں راضی کرلیا تو خدا کو راضی کرلیا[5]"، تو ثابت ہوا کہ اسلام ان حضرات کو نہ جب مدنظر تھا اور نہ اب مدنظر ہے[6]۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

ترک معاملت کو ترک موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترک موالات میں ہیں سوجھیں مگر فتوائے مسٹر گاندھی سے ان میں استثنائے مشرکین کی پخر لگالی کہ آیتیں اگرچہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں ہندو تو ہادیان اسلام ہیں، آیتیں تو صرف نصاریٰ کے بارے میں ہیں نہ کل نصاریٰ فقط انگریز[7]۔

حربی مشرکوں سے موالات کو باطل قرار دیتے ہوئے جب فاضل بریلوی کتب احادیث و فقہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ علم و دانش کا دریا بہہ رہا ہے۔ غور فرمائیں صرف چند صفحات میں اس قدر حوالے موجود ہیں۔

جامع الصغیر[8]، ہدایہ[9]، غایۃ البیان[10]، عنایہ[11]، جوہرۃ نیرہ[12]، مستصفیٰ[13]، کفایہ[14]، دافی[15]، کنز[16]، تنویر[17]، تفسیر احمدی[18]، نہایہ[19]، بحرالرائق[20]، غنیہ[21]، فتح اللہ المعین[22]، کافی[23]، فتح القدیر[24]، معراج الدرایہ[25]، محیط برہانی[26]، جوہری زادہ[27]، بدائع[28]، سیر کبیر[29]، جلالین شریف[30]، تفسیر کبیر[31]، صحیح مسلم شریف[32]، جمل قرطبی[33]، تفسیر در منثور، تفسیر جامع البیان، تفسیر غایۃ القاضی، زرقانی علی المواہب،

---

۱ ایضاً، ص۔ ۲۷۹ ۲ ایضاً، ص۔ ۲۸۰ ۳ ایضاً، ص۔ ۲۸۰

۴ ایضاً، ص۔ ۲۲۷ ۵ ۶ اوراق گم گشتہ، ص۔ ۲۳۹ ۷ ایضاً، ص۔ ۲۳۹

تجنیس[۱] معاب الرموز، ردالمحتار، مبسوط وغیرہ وغیرہ۔

ترکِ موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی اپنی تحقیق بیان فرمانے کے بعد ہندو مسلم اتحاد کے مؤیدین علماء کی تائیدات کا جائزہ لیتے ہیں اور ان حضرات نے آیات قرآنی کی جو تاویلات بلکہ تحریفات کی تھیں ان پر اس طرح تنقید فرماتے ہیں:۔

۱۔ ذکر تھا ذمی کا، لے دوڑے حربی۔

۲۔ جواز کتابی سے خاص تھا، یہ لے دوڑے مشرک۔

۳۔ جواز باجماع، قائلین حاجت سے مقید تھا اور یہ خود اپنا جرم قبولے کہ ہم کو احتیاج نے اتحاد برادران ہند کی جانب مائل نہیں کیا۔

۴۔ انہیں راز دار، دخیل کار بنانا، حرام قطعی تھا، یہ اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر ان کے ہاتھ بک گئے، انہیں اپنا امام و پیشوا بنا لیا، صاف لکھ دیا ان کو اپنا رہنما بنا لیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں۔ میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے ے

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت رفتی و نثار بت پرستی کردی!

۵۔ ان کی تعظیم، انہیں مسلمانوں پر استعلاء دینا حرام قطعی تھا، انہوں نے صرف ظاہری سجدہ کسی مصلحت سے بچا رکھا باقی کوئی دقیقہ مشرکوں کی تعظیم و اعلاء میں نہ چھوڑا[۲]۔

۶۔ مشرکوں پر اعتماد، حرام قطعی بلکہ تکذیب کلام الٰہی تھا جس کا بیان زیر آیت اولیٰ گزرا۔ انہوں نے اعتماد درکنار، قطعاً التجا کی، التجا واعتماد کے جو معنی گزرے ان کے آئینے میں ان کی صورتیں منقوش دیکھ لیجیے۔ ۳۳ کروڑ ہندوؤں کو اپنا یار دیا ور بنا نا کیا دلی خیر خواہی پر پورے اعتماد کے بغیر ممکن ہے[۳]۔

۷۔ اتنا تو مفتی لیڈران کو بھی مسلم کہ اگر ان کی طرف حاجت پڑے اور ان سے غدر کا امن ہو تو استعانت درست یعنی حاجت نہ ہو تو حرام۔ ان کے غدر سے امن نہ ہو تو حرام۔ حاجت کا انکار خود لیڈران کو ہے اور انکے غدر سے امن پر کیا دلیل قائم کر لی[۴]؟

مؤیدین ترک موالات کی ان فاحش غلطیوں کی نشان دہی فرمانے کے بعد فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرات لیڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اُدھم مچائی۔ اور دونوں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے: اس میں دونوں کی رنگت رچائی۔ افراط وہ کہ نصاریٰ سے نری معاملت بھی حرام قطعی اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی، فرض شرعی ہے[۵]۔"

مشرکین ہند سے وداد و اتحاد کے وقت مسلمان قائدین نے تاریخ کی تلخ حقیقتوں کو فراموش کر دیا تھا حالاں کہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس سے دوستی کی جا رہی تھی اس کے ماضی و حال کو اچھی طرح پرکھ لیا جاتا تا کہ حال میں اطمینان نصیب ہوتا اور مستقبل روشن و تابناک ہوتا اگر اس کا ماضی اخوت و مودت کی تائید نہیں کرتا تو دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے کہ فانہ سیعود الی ما خلق علیہ اور اس سے ترک تعاون کو تعاون پر ترجیح دی جائے۔ فاضل بریلوی نے موالات پر محققانہ بحث کے دوران اس کے تاریخی پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جن مشرکین سے دوستی کا دم بھرا جا رہا ہے ان کا ماضی کتنا مہیب و خوفناک ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

کیا ہم سے وہ دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم، جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے، مٹی کا تیل ڈال

---

[۱] ایضاً، ص ۲۸۵ [۲] ایضاً، ص۔ ۲۸۵ [۳] ایضاً، ص۔ ۲۸۶ [۴] ایضاً، ص۔ ۲۸۷ [۵] ایضاً، ص، ۲۹۵

کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیے کلیجہ مُنہ کو آئے [1]

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

کیا یہ مقدس بے گناہوں کے خون، یہ پاک مساجد کی شہادتیں، یہ قرآن عظیم کی اہانتیں، انہیں ناپاک رکھشاؤں، انہیں مجموعی سفاک بھاؤں کے نتائج نہیں نہ سہی۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، آپ جس شہر، جسے قصبے، جس گاؤں میں چاہو آزما دیکھو، اپنی مذہبی قربانی کے لیے گائے بچھاڑو، اس وقت یہی تمہارے بائیں پسلی کے نکلے یہی تمہارے سگے بھائی، یہی تمہارے منہ بولے بزرگ، یہی تمہارے آقا، یہی تمہارے پیشوا، تمہاری ہڈی پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یا نہیں [2] ؟

پھر فرماتے ہیں:

وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی، صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہندو، دین میں ہم سے محارب ہیں [3] ؟

جب آیۂ کریمہ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ کے تحت ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں سے کہا جاتا ہے کہ قرآن تو ان سے جنگ کرنے کے لیے کہتا ہے اور تم ان سے دوستی رچا رہے ہو تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ بے شک جن مشرکین نے مسلمانوں سے جنگ کی ہے ان سے جنگ کی جائے مگر تمام مشرکین ہند سے کیوں کی جائے؟ فاضل بریلوی اس کا الزامی جواب یہ دیتے ہیں کہ ترکوں کے خلاف چند انگریزوں نے حصہ لیا ہے۔ پس ان انگریزوں سے کیوں ترک موالات و ترک معاملت کی جائے جنہوں نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا؟۔ بات پتے کی فرمائی، مگر انسان جذبات کی رو میں بہہ کر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، انہیں تمام غیر معقول تجاوزات کو مٹانے کے لیے شریعت نبوی کو نافذ کیا گیا۔ یہ اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ امن تو امن عین جنگ کے دوران جب کہ جذبات پورے شباب پر ہوتے ہیں، عدل و انصاف اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔ یہ خصوصیت اسلام کو دورِ جدید میں بھی ممتاز کرتی ہے کہ تہذیب کے داعی ایامِ امن میں خاموشی کے ساتھ اور ایام جنگ میں کھلم کھلا مخلوق الٰہی کو بلا امتیاز بزرگ و خورد اور عورت و مرد زیست و نابود کرتے ہیں۔ بات پرانی نہیں ہوئی اس وقت بھی ایسی جنگیں لڑی جا رہی ہیں جہاں یہ دل سوز مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

حد سے بڑھ جانے کا ذکر آیا ہے تو یہ بھی بتاتا چلوں کہ جب دسمبر ۱۹۱۸ء میں دہلی کانگریس کے صدر پنڈت مدن موہن مالوی نے اجلاس کی آخری نشست میں مسلمانوں سے یہ درخواست کی کہ وہ ہندوؤں کی دل آزاری سے باز رہیں (یعنی گائے کی قربانی ترک کر دیں) اور برادرانہ محبت سے ہاتھ بڑھائیں تو غالباً جواباً دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تحریک پر اور حکیم اجمل خاں کی کوشش سے یہ تجویز

---

[1] ایضاً، ص ۲۴۹۔ نوٹ: ۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد ہوا، ۱۹۱۴ء میں مظفر آباد میں بلوہ ہوا، ۱۹۱۷ء میں اضلاع آرہ، شاہ آباد بلیا، اعظم گڑھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے جن کی نظیر اس دور میں بھی نہیں ملتی۔

[2،3] ایضاً، ص ۲۵۰۔

پاس کرالی کہ ہندوؤں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کردیں۔ اسی زمانے میں گاندھی نے ترک حیوانات کا پرچار کیا، ان تمام باتوں نے بہت کچھ اثر دکھایا، کچھ عرصہ بعد مولینا عبدالقدیر بدایونی نے، جو فاضل بریلوی کے مخلصین میں تھے، اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے بڑا مسکت جواب دیا، جو دسمبر ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے اس نام سے شائع ہوا:
"ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام۔"

گاؤ کشی موقوف کر دینے کی ایک کوشش اکبر بادشاہ کے زمانہ میں دسویں صدی ہجری میں ہوئی تھی جو کامیاب ہوگئی تھی۔ چناں چہ اکبر بادشاہ نے ایک حکم کے ذریعہ سلطنت کے طول و عرض میں گائے کی قربانی ممنوع قرار دے دی تھی اور قصابوں کے لیے حکم عدولی کی صورت میں اذیت ناک سزائیں تجویز کی تھیں۔ یہ تمام حالات آئین اکبری (ابو الفضل) منتخب التواریخ (عبد القادر بدایونی) اور منتخب اللباب (خافی خاں) وغیرہ کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اس حکم کے خلاف سختی سے قدم اٹھایا اور اندر ہی اندر راہ ہموار فرمائی۔ اکبر کی حیات تک تو یہ پابندی لگی رہی مگر بعد میں جہاں گیر کے دور میں حضرت مجدد کی مساعی رنگ لائیں اور فتح کانگڑہ کے موقعہ پر جہاں گیر نے حضرت مجدد کی موجودگی میں قلعہ میں سب سے پہلے گائے ذبح کی۔ اس طرح اس ہندو ذہنیت کا تدارک کیا جو شعائر اسلامی میں دخیل ہو چکی تھی۔

فاضل بریلوی مسئلے کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض قائدین کی کوتاہ اندیشی اور خود غرضی کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ بعض قائدین نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر مسلمانوں کو افغانستان ہجرت کر جانے پر اکسایا تھا، بہت سے لوگ اس طرح برباد ہوئے مگر قائدین میں کوئی نہ سرکا۔ اس بے وفائی کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا، جو ابھارنے میں آگئے۔ ان مصیبت زدوں پر جو گزری، گزری۔ یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے۔ تیرا لگانہ چھٹکرا اور ترک تعاون کیا، کسی لیڈر کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں، نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے؟ کیا واحد قہار نے نہ فرمایا:
لم تقولون مالا تفعلون؟

یہاں فاضل بریلوی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گروہ احرار نے اپنے رفیقوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ اس سلسلے میں ایک سبق آموز واقعہ یاد آیا جو احقر کا چشم دید ہے۔
"۴۷ء میں جب کہ ناموس مسلم کا سوائے خدا کے کوئی محافظ نہ تھا، دہلی شہر فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ عوام و خواص ترک وطن کر کے جا رہے تھے۔ اسی دہلی کے ایک گوشے میں مسجد جامع فتح پوری میں ایک مرد خدا آگاہ[۱] تشریف فرما ہے۔ مسجد کے چاروں طرف موت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں۔ فرمایا:
"آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر کو یہیں رہنے دیں کل قیامت کے دن اگر مولے تعالے

---

[۱] یہ مرد خدا آگاہ، اس دور میں اکابر اسلاف کی عمدہ یادگار تھے۔ فاضل مصنف اسی شجر طیبہ کی ایک شاخ اور راقم الحروف اسی بارگاہ عالی کا ایک ادنیٰ غلام ہے۔ (اختر شاہجہان پوری مظہری)

نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا تو فقیر کیا جواب دے گا۔"

اسی مردِ کامل نے جس کا نام نامی اسمِ گرامی مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ ہے، جس کے فرقِ اقدس پر مسجد جامع فتحپوری پر شاہی خطابت وامامت کا تاج رکھا تھا اور جو مسلمانانِ دہلی کے لیے ایک عظیم سہارا تھا۔ کراچی کے زمانۂ قیام میں، بعض احباب کے اس اصرار پر کہ پاکستان میں مستقل قیام فرمایا جائے، کہا تھا:

دہلی کے غریب اور مظلوم مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے ان کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا آؤں؟

سبحان اللہ! یہ ہے حق رفاقت، یہ ہے غم خواری و دل داری ۔ فاضل بریلوی کے سامنے اسی قسم کی مثالیں تھیں۔ اسی لیے ہجرت افغانستان کے موقعہ پر عوام کی ہجرت و تباہی اور خواص کی کنارہ کشی ان پر سخت گراں گزری، جو کچھ فرمایا دل سوزی کے ساتھ فرمایا۔ ان حضرات کی پاک زندگیاں تو اس شعر کے مصداق تھیں ؎

شمع کی طرح جئیں بزمِ گہِ عالم میں　　　خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کردیں

فاضل بریلوی ترکِ موالات کے مذہبی، تاریخی اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کے معاشی واقتصادی پہلو بھی اُجاگر فرماتے ہیں چنانچہ ترکِ موالات کے نتیجے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو اقتصادی عدمِ توازن متوقع تھا اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں، تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے؟ اور تمہاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے؟ ـــــ حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں اور جو دعوےٰ کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں ۔ سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو اُدھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمینداری چھوڑی ہو کہ یہاں مالی نسبت اتنی یا اس سے بھی کم ہے۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ ؏

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا[1]

اقتصادی ومعاشی جائزے کے بعد فاضل بریلوی نفسیاتی تجزیہ بھی فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ رازہائے پنہانی وا شگاف فرماتے ہیں کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

آؤ اب تمہیں قرآنِ عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔

دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے:

۱۔ اول اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

۲۔ دوم یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

۳۔ سوم یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے یہ درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً جہاد کے اشارے ہوئے۔ اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً جب یہ نہ بنی، ہجرت کا بھڑکا کسی طرح یہ دفع ہوں۔ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہمیں

---

[1] ایضاً، ص ۲۹۰

یا یُوں ہی چھوڑ جائیں بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد، مزاراتِ اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً جب یہ بھی نہ بنی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو۔ کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امرِ اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہر نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لئے کہ ہر صیغہ اور محکمے میں صرف ہندو رہ جائیں[1]

فاضل بریلوی اپنے جواب کے آخر میں اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر ماتم فرماتے ہیں اور ان مسلمان قوم پرستوں پر طنز کے بھرپور وار پر وار کرتے ہیں جو ہندوؤں سے محبت و دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور ان کی محبت کی خاطر اپنی جان کو جان نہیں سمجھتے تھے اس موقع پر فاضل بریلوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ادبی حیثیت سے بھی اردو نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ تحریر کیا ہے واقعات و کیفیات کی تصویر ہے۔ فاضل بریلوی کی اس تحریر میں درد و الم اور طنز و مزاح کی گنگا جمنی نظر آرہی ہے، جس سے ان کے قلبی کرب کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

وائے عزتِ اسلام و انصاف، کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بالفعل محاربین سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار، ہاتھی دانت ہیں، کھانے کے اور دکھانے کے اور کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربین، ظالمین، کافر گرفتار ہوئے، ان پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے۔ تمہاری چھاتی دھڑکی، ماتا پھڑکی، گھبرائے، تلملائے، سٹپٹائے، جیسے اکلوتے کی پھانسی سن کر ماں کو درد آئے، فوراً گرما گرم، دھواں دھار، ریزولیشن پاس کیا، ہے ہے! یہ ہمارے پیارے ہیں، آنکھ کے تارے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا، پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی، ہمیں اس کی مطلق پروا نہیں؛ یہ ہمارے سگے ہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی ملائی، برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے۔ ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے۔ ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا، لہٰذا ان کو معافی دیجئے، فوراً ان سے درگزر کی جائے[2] اور آخر میں مسلمانوں سے ایک درد بھری اپیل کرتے ہیں؛

"تبدیلِ احکام الرحمٰن اور اختراعِ احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو، مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامنِ پاک تمہیں اپنے سایے میں لے، دنیا نہ ملے، نہ ملے، دین تو ان کے صدقے میں ملے۔

یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین[3]

تحریکِ پاکستان

"خیال" کی عظمت سے کس کو انکار ہے؟ قوموں کی آبادی و بربادی اسی "خیال" کی کج روی و راست روی پر منحصر ہے۔ فاضل بریلوی نے غیر منقسم ہندوستان کے اس پُر آشوب دور میں جب کہ متحدہ ہندوستان اور متحدہ ہندو مسلم قومیت کے نعرے بلند کیے جا رہے تھے، اپنے اور بیگانوں

---

[1] ایضاً، ص ۲۹۹۔ [2] ایضاً، ص ۳۰۳-۳۰۴ [3] ایضاً، ص ۳۰۵

نوٹ:۔ ترکِ موالات کے سلسلے میں حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی) اور مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی فتوے لیے گئے تھے۔ دونوں حضرات کی تحقیق فاضل بریلوی کے مسلک کے مطابق ہے۔ یہ جوابات بھی اوراق گم گشتہ کے صفحات ۳۱۶ تا ۳۲۵ اور ۳۲۶ تا ۳۳۱ پر موجود ہیں۔ (مسعود)

کی ملامت کی پروا کیے بغیر بڑی جرأت وہمت کے ساتھ ایک نیا خیال اور ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ یہ وہ جذباتی دور تھا جب کہ انگریز کے حق میں بولنا اس کے خلاف بولنے سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ لیکن پھر بھی پاکستان کے ایک قلم کار پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک جگہ یہ عجیب اظہار خیال فرمایا ہے :

انگریز نے توڑ کے لئے اپنی تائید میں جوابی فتوے تیار کرائے — یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی (ف ۱۹۴۳ء) اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) ہر دو مختلف الخیال علماء نے ترک موالات کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیئے جو انگریزوں کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیے گئے۔ [۱]

بظاہر اس تحریر سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ فاضل بریلوی برطانوی حکومت کے خیر خواہ اور تحریک آزادی کے دشمن تھے۔ اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ محض تاریخی نقطۂ نظر سے اُن مخفی تاریخی حقائق و شواہد کو دانشگاف کیا جائے جن کے اخفاء نے مخلصین کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور معاندین و مخالفین کے لیے راہ ہموار کر دی۔

فاضل بریلوی نے حضرت مجدد الف ثانی (م۔ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء / ۱۳۳۹ھ میں دو قومی نظریہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیاد پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا اسی سال فاضل بریلوی رحلت فرما گئے۔ لیکن وہ اپنے پیچھے ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے جس نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ چناں چہ آپ کی زندگی ہی میں ان حضرات نے اپنا کام شروع کر دیا تھا، ۱۹۱۹ء / ۱۳۳۸ھ سے قبل جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی گئی۔ اس جماعت نے اتمام حجت نامہ کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ ترک موالات کے حامی علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف نے مسئلہ ہند و مسلم متحدہ قومیت پر صدر جمعیۃ العلماء ہند مولانا ابوالکلام آزاد سے تبادلۂ خیال کیا اور ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کو بریلی کے ایک جلسہ عام میں جو مولانا آزاد کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ بیباکانہ اپنے مؤقف کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح فاضل بریلوی کے دوسرے خلیفہ اور جلیل القدر عالم مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے دہلی جا کر مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کی اور ان کو مشرکین ہند کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ [۲] مولانا نعیم الدین موصوف نے ترک موالات کے نتیجے میں ہونے والی ہند و مسلم اخوت کے خلاف یکے بعد دیگرے دو مضامین قلم بند کیے، خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنت کی کارگزاریاں، (السواد الاعظم)، مراد آباد، ماہ شوال ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) اور موالات (حیات صدر الافاضل، ص ۱۱۸۔ ۱۵۳) ان دونوں مضامین میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے اشتراک و اختلاط کے عدم جواز اور اس کے مہلک نتائج پر مدلل اور جامع بحث کی ہے۔

۱۹۴۰ء / ۱۳۵۹ھ میں مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر مطالبۂ پاکستان پیش کیا، علماء اہل سنت (مسلک بریلوی) شروع سے

---

[۱] محمد ایوب قادری : مقدمہ "پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ" (از خورشید احمد)، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء، ص ۔ ۱۲

[۲] بلکہ اس سے بہت پہلے ۱۹۰۰ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، پٹنہ کے اجلاس میں آپ دو قومی نظریہ پر اظہار خیال فرما چکے تھے لیکن اس مسئلے پر تحریری دستاویز ۱۹۲۰ء میں پیش کی۔ (مسعود)

[۳] غلام معین الدین نعیمی حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، ص ۱۰۲

دو قومی نظریہ کے داعی تھے اس لیے انہوں نے اور ان کے زیرِ اثر پاک وہند کے لاکھوں مسلمانوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے (جو ایک عرصہ پہلے خود مولانا کی تحریک پر قائم ہوئی تھی) پاک وہند کے طول وعرض میں دورے شروع کر دیئے۔[۱]

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے، صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس (پنجاب) مولانا ابوالحسنات محمد احمد (لاہور) کے استفسار پر جو مکتوب ارسال کیا تھا اس کے مطالعے سے ان کے عزم وحوصلے کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے یہ تربیت یافتہ حضرات تحریک پاکستان کے لیے کتنے پُرجوش اور مخلص تھے، مکاتیب کے بعض اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی، ایک ایوانِ عام، ایک ایوانِ علماء ــــ ایوانِ علماء کا نام جمہوریت عالیہ ہوگا۔[۲]

۲۔ پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں[۳]

۳۔ الیکشن کے موقع پر کانگریس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں[۴]

۱۹۴۵ء/۱۳۶۵ھ میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا گیا اور جلد ہی ایک آل انڈیا اجلاس کا اعلان کر دیا گیا، چنانچہ ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء/۱۳۶۶ھ کو بنارس میں چار روزہ اجلاس منعقد ہوا جس میں پاک وہند کے پانچ ہزار علماء ومشائخ نے شرکت کی اور اجلاس عام میں ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع ہوا[۵] (دیسے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے مرکزی دفتر میں پہنچنے والی اطلاعات کے مطابق علماءِ اہلِ سنت کی تعداد بیس ہزار سے متجاوز تھی۔ خطبۂ صدارت، ص ۲۴) ــــ صدر جماعت استقبالیہ جمہوریت اسلامیہ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ مولانا احمد رضا خاں) نے خطبۂ صدارت پڑھا جس کے بعض اہم اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس مسئلے میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصے پر اسلام کی، قرآن کی، آزاد حکومت ہو[۶]

۲۔ ہم مسلم لیگ کو اسی کی امید رکھنی چاہیئے کہ اس کا جو قدم سنیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا (یعنی اسلام اور قرآن کی آزاد حکومت) اور اس کے جس پیغام میں اسلام ومسلمین کا نفع ہوگا، آل انڈیا سنّی کانفرنس کی تائید اس کو بے دریغ حاصل ہوگی اور دینی امور میں ہاتھ لگانے سے پہلے آل انڈیا سنی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنا ہوگی اور ضرور کرنی پڑے گی[۷]

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی موصوف نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ اجمیر شریف ۵-۶ رجب ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں جو خطبۂ صدارت دیا تھا اس کے یہ اقتباسات قابلِ توجہ ہیں:

۱۔ اب بحث کی لعنت چھوڑ دو، اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ، اٹھ پڑو کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنا لو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سنیو! سُن لو کہ صرف تمھارا ہے[۸]

---

[۱] ایضاً، ص ۱۸۳۔ [۲،۳] ایضاً، ص ۱۸۶، مکتوب ۲۔ [۴] ایضاً، ص ۱۸۷، مکتوب ۳۔ [۵] ایضاً، ص ۱۸۹۔

[۶] سید محمد محدث اشرفی: خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ (۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء)، مطبوعہ لاہور، ص ۲۴۔ [۷] ایضاً، ص ۲۶۔

۲۔ اگر ایک دم سارے سُنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا ؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا ؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا ؟[1]

آل انڈیا سُنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بنارس (اپریل ۱۹۴۶ء) میں اتفاق رائے سے جو قرار داد منظور کی گئی اس کی بعض اہم دفعات یہ ہیں۔

۱۔ یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلِ سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔
مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا نعیم الدین مراد آبادی (تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی) مولانا مصطفیٰ رضا خاں (ابن رضا بریلوی) مولانا امجد علی (خلیفہ بریلوی)، مولانا عبد العلیم میرٹھی (خلیفہ رضا بریلوی)، مولانا ابو الحسنات محمد احمد (ابن خلیفہ رضا بریلوی) مولانا ابو البرکات سید احمد (ابن خلیفۂ رضا بریلوی)، مولانا عبد الحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول (سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف) خواجہ قمر الدین سیالوی، شاہ عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف، سید امین الحسنات مانکی شریف اور مصطفیٰ علی خاں[2]

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء/۱۳۶۶ھ کو مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس نے اس مملکت کے دستور کی طرف توجہ دی چنانچہ ۱۹۴۸ء/۱۳۶۸ھ میں ناظم اعلیٰ مولانا نعیم الدین مراد آبادی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی اور لاہور کے علماء سے تبادلہ خیال کیا، طے یہ پایا کہ مولانائے موصوف اسلامی دستور کا خاکہ بنا کر پیش کر دیں جو قومی اسمبلی سے منظور کرایا جائے گا۔ لیکن اچانک علالت جان لیوا ثابت ہوئی گیارہ دفعات تحریر کرنے پائے تھے کہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں وصال فرمایا۔[3]

چونکہ آل انڈیا سُنی کانفرنس کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لیے مارچ ۱۹۴۸ء/۱۳۶۸ھ میں مدرسہ انوار العلوم (ملتان) میں علماء اہل سنت کا ایک اجتماع ہوا اور آل انڈیا سُنی کانفرنس کا نام بدل کر جمعیۃ العلماء پاکستان رکھا گیا۔ مولانا ابو الحسنات محمد احمد کو صدر اور مولانا احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا (حیات صدر الافاضل، ص۔ ۱۹۶)، ہندوستان میں اس تحریک کو کلیۃً ختم کر دیا گیا۔ چونکہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصدِ حقیقی صرف تعمیرِ پاکستان تھا۔

پاکستان میں مولانا احمد رضا خاں کے تلامذہ اور متبعین نے شروع سے لے کر اب تک مثبت کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان کے ساتھ ان کی وفاداریاں غیر مشکوک ہیں۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد بھی مولانا احمد رضا خاں کے متبعین اور مؤیدین اپنی سعی کوشش کرتے رہے اور کر رہے ہیں، بکثرت علماء ہیں جن کا استحصار مشکل ہے چند ایک یہ ہیں: پیر جماعت علی شاہ علی پوری، پیر مانکی شریف، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الغفور ہزاروی، مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا سردار احمد، مولانا عبد السلام باندوی، مولانا ابو الحسنات محمد احمد، مفتی صاحب داد خاں رحمہم اللہ تعالےٰ اور مولانا ابو البرکات سید احمد، مولانا احمد سعید کاظمی، خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا عبد الستار خاں نیازی، مولانا عارف اللہ میرٹھی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، پیر محمد کرم شاہ۔ مفتی شجاعت علی قادری، مولوی محمد شفیع اوکاڑوی۔ مولانا جمیل احمد نعیمی وغیرہ وغیرہ[4]

---

[1] ایضاً، ص۔ ۲۹ [2] حیات صدر الافاضل، ص۔ ۱۹۰ (ملخصاً) [3] ایضاً، ص۔ ۱۹۵

[4] علماء و مشائخ اہلِ سنت نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات سر انجام دیں، ان کی تفصیل کے لیے کتاب "اکابر تحریک پاکستان"، مرتبہ محمد صادق قصوری، شائع کردہ مکتبہ رضویہ، گجرات کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ (ادارہ)

اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان نابغۂ روزگار حضرات میں ہوتا ہے جن کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات　　تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اس دانائے راز اور جامع کمالات شخصیت کو خدا تعالےٰ نے مختلف فنون میں اس قدر دسترس اور جامعیت عطا فرمائی تھی کہ اگر پوری تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جو بیک وقت فقہ، ریاضی، ہیئات، فلکیات، تفسیر و حدیث، شاعری اور سیاست پر عبور تام رکھتی ہوں۔ جہاں تک فقہ کے فن شریف کا تعلق ہے "فتاویٰ رضویہ" کے بارہ ضخیم مجلدات ان کے کمال تفقہ پر شاہد عادل ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح حل فرمایا ہے کہ اغیار بھی آپ کا لوہا مان گئے ہیں۔ علم ریاضی ہندسہ اور ہیئات کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (جو ان علوم کے جامع اور فاضل تھے) آپ کے معترف و معتقد تھے۔ نعتیہ شاعری کا تو یہ عالم ہے کہ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ "برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسا عاشق رسول ہو جس کو آپ کے بے مثال قصیدہ

؏ مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام، کے چند شعر حفظ نہ ہوں" [۱]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :-

" علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خان رضا بریلوی کا ہے..... ان کی شاعری کا محور خاص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحب شریعت بھی تھے اور صاحب طریقت بھی۔ صرف نعت وسلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں.." [۲]

اب رہی آپ کی سیاسی بصیرت سو وہ اس مختصر مقالہ کا عنوان ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اعلےٰ حضرت کی زندگی کا یہ تابناک پہلو بھی عوام کے سامنے آجائے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مسلمان رہنماؤں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ؏

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام میں دین اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور جب کبھی بھی سیاست دین سے بے نیاز ہو کر بے راہ ہوئی ملت اسلامیہ کو نقصان

---

[۱] ندائے حق لاہور جون ۱۹۷۰ء ص ۳۱

[۲] اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری (کراچی یونیورسٹی) طبع لاہور، ص ۸۶

ہی پہنچا۔ علمار اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے جب بھی دین اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کی کوشش کی، علمار حق اور درد مند مسلمانوں کے قلوب تڑپ اٹھے۔ ۱۹۳۵ء میں جب ایک بہت بڑے نیشنلسٹ عالم نے یہ غیر اسلامی نعرہ لگایا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" تو شاعرِ مشرق کا اسلام سے لبریز دل تڑپ اٹھا اور اس نے اپنے درد بھرے جذبات کا یوں اظہار کیا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

آخر میں صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے اس عالم کو تنبیہ کرتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است [۱]

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جیسے صاحب بصیرت نے دیوبند کے اس شیخ الحدیث کے بارے میں ۱۹۳۵ء میں جو کچھ کہا تھا وہی اعلیٰحضرت کی مومنانہ بصیرت ابوالکلام آزاد کے متعلق ان سے پندرہ سال پہلے یعنی ۱۹۲۰ء میں کہلوا چکی تھی۔

آزاد مگر ہے تو بے شک مشرک
وہ مسلے وہی پئے یک مشرک

زا سلامت اگر بہرہ بدرے میکردی
برناخنِ مسلے فدا لک مشرک [۲]

اعلیٰحضرت کے مبارک زمانہ میں جو تحریک بھی عامۃ المسلمین کے مفاد کے خلاف اٹھی اعلیٰحضرت اور ان کے رفقار کار نے اس کی بیخ کنی کے لئے سعیٔ بلیغ فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں جن تحریکوں نے زیادہ سر اٹھایا ان میں سے نمایاں تحریک انسدادِ قربانی گاؤ، انہدام مسجد کانپور اور تحریک عدم تعاون و خلافت ہیں۔ ان تحریکوں میں مسلمانوں نے اپنی سادگی اور غیروں کی زیرکی کی وجہ سے پایا کم اور کھویا زیادہ۔ اگر ان تمام تحریکات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور ان کے مالۂ وماعلیہ پر پوری بحث کی جائے تو ضخیم دفتر تیار ہوسکتا ہے جس کی اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں۔ فی الحال مسجد کانپور اور ترکِ قربانی کا مختصراً اور تحریک عدم تعاون و خلافت پر تفصیل سے نظر ڈالی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں اعلیٰحضرت نے عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور بہتری کے لئے جو کچھ کیا اسے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

واقعہ مسجد کانپور

امپرومنٹ ٹرسٹ کمپنی کانپور نے جب فروری ۱۹۱۳ء کو شہر کی سڑک کشادہ کرنے کے لیے مچھلی بازار کی جامع مسجد کے مشرقی حصّہ کو لینے کا فیصلہ کیا تو مسلمانانِ کانپور میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے جامع مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں پانچ علمار نے جن میں آزاد سبحانی بھی شامل تھے باضابطہ فتوای بدیں مضمون دیا ۔۔۔ "کہ حصّہ زیرِ بحث یعنی شرقی حصہ (جو مسجد کے غسل خانوں پر مشتمل تھا) مذہباً اور شرعاً جزوِ مسجد اور شاملِ مسجد ہے۔ شرع اسلامی کی رو سے مسجد یا اس کے کسی جزو یا حصہ کی بیع یا مبادلہ مجوزہ خلافِ شریعت ہے" [۳] ۔۔۔ اس فتوای کی موافقت میں علمار بریلی، بدایوں اور فرنگی محل کی طرف سے بھی فتوے شائع ہوئے۔ "کہ مسجد مال وقف ہونے کی وجہ سے بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ قابلِ انتقال نہیں۔" چنانچہ مسلمانوں نے لیفٹیننٹ گورنر صوبہ جات متحدہ اور وائسرائے ہند کو بذریعہ تار اور میموریل اپنے جذبات سے آگاہ

---

[۱] کلیاتِ اقبال۔ مطبوعہ دہلی ص ۳۵۲

[۲] باقیاتِ رضا (زیرِ طبع)

[۳] علی برادران از رئیس احمد جعفری۔ ص ۳۲۳

کیا لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور ۳ جولائی ۱۹۱۳ء کو مسجد کے مذکورہ حصہ کو سڑک کھلا کرنے کے لئے گرا دیا گیا۔ اس سے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھے۔ چنانچہ "۳ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان جوق در جوق مچھلی بازار میں جمع ہوئے اور منہدمہ غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر گارہ کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کر دیں"[1] اس پر مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر ان نہتے مسلمانوں پر فائر کھلوا دیا جس سے بے شمار مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سوں کو گرفتار کر کے جیل میں بھر دیا گیا اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف مسجد کی بازیابی کے لیے جلسے جلوس ہونے لگے۔ مذکورہ منہدمہ جگہ کی بازیابی کے لئے لیڈر، علمائے کرام اور مشائخ عظام میدان میں آ گئے۔ ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ راجہ صاحب محمود آباد، سر رضا علی وغیرہ شامل تھے۔ لیفٹیننٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و مقدس سمجھی جاتی ہے خواہ وہ غسل خانہ ہو سیڑھی یا منبر، اس لیے مسجد کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا[2] آخر کار ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو مولانا عبدالباری، راجہ صاحب محمود آباد اور سر علی امام نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی جن میں سے ایک یہ تھی "کہ چوں کہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے اس لئے جس جگہ غسلخانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کرلئے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تاکہ راہ رو اس پر سے گذر سکیں"[3] چونکہ مولانا عبدالباری صاحب نے اسلامی فقہ کے مسلّمہ اصول" وقف بالعوض یا بلاعوض قابلِ انتقال نہیں" کی صریح خلاف ورزی کی تھی اس پر علمائے حق کے درد بھرے قلوب تڑپ اٹھے اور ان کی طرف سے مولانا موصوف کے اس فیصلہ کی تردید میں کافی رسالے اور کتابیں لکھی گئیں۔ اس تردیدی لٹریچر میں اعلیٰ حضرت کی اہانۃ المتواری اور حاجی مقتدیٰ خان شروانی کی ابلیس کا خطبۂ صدارت نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ فاضل بریلوی نے اپنے مؤقف کہ" وقف بالعوض یا بلاعوض قابل انتقال نہیں" کے ثبوت میں قرآن، احادیثِ مبارکہ اور فقہ شریف سے دلائل قاہرہ کے انبار لگا دیئے اور وقف کے ہر پہلو کو فقہ شریف کی روشنی میں اس طرح واضح فرمایا کہ مخالفین (مولانا عبدالباری وغیرہم) کے دلائل کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہ رہی۔ مذکورہ رسالہ کے جواب میں مولانا عبدالباری صاحب نے (خدا جانے کس مصلحت کی بنا پر) دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰ حضرت نے قامع الواہیات شائع کر کے مولانا فرنگی محلی کے غلط مفروضہ کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا کہ اس کے بعد مولانا عبدالباری اور ان کے ہم مسلک کسی عالم یا لیڈر کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے صحیح مؤقف سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی حکومت برطانیہ کو اس کے بعد مسلمانوں کے متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہوئی اور اس طرح اسلامی فقہ کا مذکورہ رکن ہمیشہ کے لیے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔

انسدادِ گاؤ کشی

مولانا سید سلیمان اشرف (سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ متوفی ۱۹۳۹ء) فرماتے ہیں۔ سن ستاون کا ہنگامہ اور ستارۂ صلاح و فلاح مسلمانانِ ہند کا غروب مفہوم مرادف ہے۔ مسلمانوں کے اس تنزل سے ان کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہلِ ہنود کے دستِ تصرّف میں آ گئے۔

ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب انہوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفاکاری

---

[1] اعمال نامہ از سر رضا علی دہلی ص ۳۰۸

[2] علی برادران لاہور ص ۳۶۰

[3] اعمالنامہ از سر رضا علی دہلی ص ۳۲۵

کا ایک کوہِ آتش فشاں تھا۔ جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھوٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی عزت و حمیت ان کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔ یوں تو مسلمانوں کا ہر رکن مذہبی اہلِ ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا لیکن بقر عید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ لیکن عزت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قائم رکھنے میں ہمیشہ استقلال و ہمت سے ان کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے''۔[1] اہلِ ہنود نے اس پر بس نہ کی بلکہ ۱۲۹۸ھ میں ایک فتویٰ جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا "کہ موقع بقر عید گائے کی قربانی جب کہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ کی وجہ سے اس میں خلل آتا ہے۔ اگر گائے کی قربانی مسلمان موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے''۔ مرتب کر کے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے مختلف علمائے کرام کے نام روانہ کیا۔

حضرات علمائے کرام نے ہر جگہ اور ہر شہر سے ایک ہی جواب دیا کہ شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ رخوفِ فتنہ ہو تو حکومت کو متوجہ کرنا چاہیئے۔

۱۳۰۱ھ کے لگ بھگ اس فتنہ کو پھر اٹھایا گیا تو مولانا المفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس استفتا کے جواب میں ایک رسالہ بنام انفس الفکر فی قربان البقر تیار کر کے شائع فرمایا جس سے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں فوراً بجھ گئیں۔ اس کے بعد بھی ہندوؤں نے کئی دفعہ اس فتنہ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن ہر بار اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ نے ان کی مذموم کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔

جب خلافت کے زمانہ میں انسداد قربانی گاؤ نے شدت سے سر اٹھایا اور اس دفعہ اہلِ ہنود کے ساتھ مسلمان جو فروش لیڈر بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے اونٹوں پر بیٹھ کر ایسے اشتہاروں کی اشاعت فرمائی جو گائے کی قربانی کی مخالفت میں تھے بلکہ حکیم اجمل خان جیسے لیڈر نے محض شہرت عام اور اہلِ ہنود کو خوش کرنے کے لیے حدیث شریف میں تحریف کر ڈالی تو اعلیٰ حضرت کے معتقدین میں جوش ابھر آیا مولانا سید سلیمان اشرف نے الارشاد اور مولانا عبد القدیر نے گاندھی کے نام کھلی چٹھی میں حکیم صاحب کا تعاقب کیا اور ان کی علم حدیث سے واقفیت کی خوب خوب داد دی۔ غرضیکہ یہ فتنہ بھی اعلیٰ حضرت اور ان کے معتقدین کی کوششوں سے رفع دفع ہو گیا اور پھر تقسیم برصغیر کے زمانہ تک یہ فتنہ نہ ابھرا۔

تحریک عدمِ تعاون و خلافت

خلافت کمیٹی کی بنیاد آل انڈیا مسلم کانفرنس میں ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء میں رکھی گئی۔ تحریک خلافت کا مقصد سلطنت ترکیہ کی سلامتی اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطانِ ترکی کی حاکمیت تسلیم کیا جانا قرار پایا لیکن حکومت ترکی کو شکست ہوئی اور اسے معاہدہ سیورے (TREATY OF SEVREY) ماننے پر مجبور کیا گیا اس معاہدہ کی شرائط اس قدر بری اور ذلیل تھیں کہ اس سے مسلمانانِ ہند کے قلوب کو سخت دھچکا لگا۔[2] ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ جس میں عدمِ تعاون کے اصول کو تسلیم کیا گیا اور مسٹر گاندھی کو تحریک عدمِ تعاون کا رہنما قرار دیا گیا۔ یہ تحریک

---

[1] النور از سید سلیمان اشرف علی گڑھ ص ۲

[2] جنگ عظیم دوم میں جب جرمنی اور اس کے اتحادی ٹرکی کو شکست ہوئی تو ۱۰ مئی ۱۹۲۰ء کو ٹرکی سے برطانیہ اور اس کے حلیفوں نے بمقام "سان رومیو" (فرانس) ایک معاہدہ کیا، جسے معاہدہ سیورے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ٹرکی کو نامناسب شرائط پر صلح کے لیے مجبور کیا گیا۔ جن شرائط پر صلح ہوئی وہ یہ ہیں۔

۱۔ سلطان اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

۲۔ اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کر لیں اور یہ بھی کہ ایشیائی ٹرکی کے کسی حصہ پر قابض ہو جائیں۔

۳۔ آرمینیہ کی ایک نئی دولت قائم کی جائے گی جس میں مندرجہ ذیل صوبے داخل ہوں گے۔ مشرقی اناطولیہ، ارض روم، وان، تبلس، ترازون اور اردستان۔ اس

بڑے نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی تھی۔ لیکن اس کے مسلمان رہنما سحرِ گاندھی سے اس قدر مسحور ہو گئے کہ "الکفر ملّۃ واحدۃ" کا سبق بھلا گئے اور تحریک کے ذمہ دار افراد سے ایسے ایمان سوز افعال و اقوال سرزد ہوئے کہ ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان حضرات کے غیر اسلامی افعال و اقوال کی تفصیل المحجۃ المؤتمنہ از اعلیٰ حضرت، گاندھی کے نام کھلا خط از عبد القدیر بگرامی تحقیقاتِ قادریہ از مولانا جمیل الرحمٰن بریلوی، النور از سید سلیمان اشرف، دوامغ الحمیر از مجلس رضا بریلی، مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی از نواب عبد الوحید خان اور فاضل بریلوی اور ترکِ موالات از پروفیسر محمد مسعود احمد میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ تحریک عدم تعاون کے زمانہ کو پچاس برس کے قریب گزر چکے ہیں۔ لیکن اب بھی جب ان رہبرانِ خود گم کردہ کے افعال و اقوال پر نظر پڑتی ہے تو سر حیا سے نیچے جھک جاتا ہے۔ ان بزرگوں نے صرف اس پر بس نہ کی بلکہ مشرکوں (ہندوؤں) کے بھرے میں آ کر مسلمانوں کی دو عظیم درسگاہوں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

پہلے ان کے مشرکانہ اقوال و افعال ملاحظہ فرمائیے پھر علی گڑھ اور لاہور کے کالج کی طرف آتے ہیں۔ رسالہ الناظر کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے کہا "اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے"، مولانا شوکت علی نے فرمایا۔ "زبان سے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کر لو گے تو خدا راضی ہو گا"[2] پیر طریقت حضرت مولانا عبد الباری یوں گوہر افشاں ہوئے۔ "ان (گاندھی) کو اپنا رہنما بنا لیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں اور میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت　　رفتی و نثار بت پرستی کردی[3]

اب رہے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر تو وہ تمام حدود کو پھلانگ گئے اور ایک انگریزی اخبار کے وقائع نگار کو بعد از نبی بزرگ ترین قصہ مختصر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "میں اپنے لئے بعد رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں"[4] ان لیڈروں نے اس پر بس نہ کی بلکہ بقول سابق مرکزی وزیر نواب عبد الوحید خان "جامع مسجد (دہلی) کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے۔ مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور رہتوں کو گھر میں آویزاں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے اونٹوں کی پشت پر سے تقسیم کئے گئے"[5]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۵)　دولت کی مدد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مدد سے قائم کی جائے گی۔

۴۔ ترکی عرب کے متعلق اپنے تمام دعووں سے دستبردار ہو گا۔

۵۔ شام کی حکم برداری فرانس کو۔ عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی۔ ہدسیہ اٹلی کو سمرنا اور مغربی اناطولیہ یونان کو عنایت کیا گیا۔

(علی برادران از رئیس احمد جعفری لاہور صفحہ ۲۳۶)

[1] پیسہ اخبار لاہور ۸ نومبر ۱۹۲۷ء بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ صفحہ ۲۹

[2] مدینہ اخبار بجنور ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ صفحہ ۱۷

[3] مہاتما گاندھی کا فیصلہ مصنفہ خواجہ حسن نظامی صفحہ ۱۶ بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ صفحہ ۱۹-۱۰

[4] محمد علی ذاتی ڈائری حصہ اول صفحہ ۱۰۷

[5] مسلمانوں کا ایثار اور جنگِ آزادی صفحہ ۱۴۳ - ۱۴۲

علمائے حق نے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اس طرح بازیچۂ اطفال بنتے دیکھا تو ان کی ایمانی غیرت بھڑک اٹھی اور اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کو بچانے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے ۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جہاں ذاتی طور پر اپنے قلم سے ان نا عاقبت اندیشوں کے کفریہ کلمات و افعال کی تردید کی وہاں بریلی میں کل ہند مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی جس نے اس سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

الطاری الداری لھفوات عبد الباری

تحریک عدم تعاون وخلافت کے لیڈروں میں صرف حضرت مولانا عبد الباری صاحب کی ذاتِ گرامی ہی ایسی تھی جو اسلامی دنیا میں مسلّمہ حیثیت (بطور ایک ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما) رکھتی تھی۔ دوسرے رہنماؤں مثلاً مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ اس لیے جب مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلافِ اسلام کلمات اور گاندھی پرستی نظر سے گذری تو مولانا احمد رضا خاں کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ آپ نے بذریعہ خط و کتابت متین اور سنجیدہ لہجہ میں افہام وتفہیم چاہی لیکن مولانا عبد الباری پر گاندھی کی عقیدت کا نشہ اس قدر طاری تھا کہ اعلیٰحضرت کی یہ مساعی بار آور نہ ہوئیں تو پھر آپ نے مجبور ہو کر الطاری الداری لھفوات عبد الباری تصنیف فرمائی جس میں آپ نے ذرا سخت لہجے میں مولانا فرنگی محلی کو حضور پرنور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ آپ پر واضح کیا کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں یہ کوئے یار کی بجائے وادیٔ کفر کی طرف جاتی ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ ـــــ "الکفر ملۃ واحدۃ" ہے اور اس میں ہندو، سکھ عیسائی کی کوئی تمیز نہیں۔ سلطنت عثمانیہ، مقاماتِ مقدسہ اور خلیفۃ المسلمین کی حاکمیت اعلیٰ[1] تسلیم کئے جانے کے مسائل پر اعلیٰحضرت دوسرے لیڈروں سے متفق تھے۔ انہیں تو اس طرزِ عمل سے اختلاف تھا جو اس سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا اور مسلمان رہنماؤں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکی بلکہ ہم پاکستانی ابھی تک ان غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ الطاری الداری میں اعلیٰحضرت نے مولانا عبد الباری کو غیرت دلائی اور ثابت کیا کہ آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبد الباری موصوف کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ پر صراطِ مستقیم واضح ہو گئی۔ آپ (مولانا فرنگی محلی) نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا امجد علی (صاحب بہارِ شریعت) کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا ـــــ اور روزنامہ ہمدم میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ شائع فرمایا۔ "اے اللہ! میں نے بہت سے گناہ دانستہ اور نادانستہ کئے ہیں سب کی میں توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے امور قولاً و فعلاً تحریراً و تقریراً بھی کئے ہیں ان سب اور ان کے مانند امور سے محض مولوی صاحب (مولانا احمد رضا خاں) موصوف پر اعتماد کرکے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر اور مجھے توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں[2]"۔ اسطرح یہ قابلِ قدر تالیف

---

[1] (نوٹ) اسی لئے علی برادران جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک (سندھ مسلم اتحاد) میں شرکت کی دعوت دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرما دیا مسٹر! مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں میں مخالف ہوں۔ اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہوگئے تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کے لئے مکرر ارشاد فرمایا، مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔ (بحوالہ "فاضل بریلوی اور ترک موالات" از پروفیسر محمد مسعود احمد

[2] روزنامہ "ہمدم" ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء بحوالہ حیات صدر الافاضل طبع لاہور ص ۳۳، ۳۴، ۱۴۹، ۱۷۲، (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء)

ایک بڑے عالمِ دین کو راہِ راست پہ لے آئی[1] اسی طرح بعد میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے اعلیٰحضرت کے جلیل القدر خلیفہ اور رفیقِ کار مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے گاندھی گردی، سلسلۂ ہندو نوازی اور احکامِ اسلامی سے انحراف وغیرہ سے توبہ کرلی۔ مولانا محمد علی جوہر نے مولانا موصوف سے فرمایا "آپ گواہ رہیں میں آئندہ کبھی ہنود اور غیر مسلموں سے اتحاد و وداد نہ رکھوں گا۔"[2]

علی گڑھ کالج کا قضیہ

مسلم کالج (بعد میں یونیورسٹی) شروع ہی سے مولانا محمود حسن اور ان کے ہمنوا علماء کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس بت کو ڈھا دیا جائے۔ آخر تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کے ایماء پر مولانا محمود حسن اور ابوالکلام نے پروگرام بنایا تو مولانا محمود حسن نے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنے دیرینہ تعلق کا یوں اظہار فرمایا "علی گڑھ کالج کی ابتدا کی حالت میں علما متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم کے جواز سے جو از سرتاپا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے روکا، بدقسمتی سے وہ رک نہ سکی، اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لیے تو قوم کو اس سے بچانا بالبداہۃ ایک ضروری امر ہے[3] (یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ عصرِ حاضر کی سب سے بڑی مسلمانوں کی تحریک کا علی گڑھ کے فاضل حضرات نے کثیر تعداد میں ساتھ دیا اور دیوبند کے فاضلوں نے اس تحریک کی مخالفت کو عین اسلام قرار دیا)۔

مولانا محمود حسن دیوبندی نے مسلم کالج علی گڑھ کے طلبہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو سوالات کا جواب مل جائے گا۔ اور علی گڑھ کی عمارتوں کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے۔" مولانا محمود حسن کے فتاوے، ابوالکلام اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیرِ سرکردگی "مجاہدین" کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج[4] پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کا کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل شکست و ریخت سے بچ گیا اور بعد میں اس کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی اور اس کے نونہالوں نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

اسلامیہ کالج لاہور پر دھاوا

علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج لاہور کی طرف باگیں موڑیں۔ اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس مسلمان قوم کو تباہ کرنے کے لیے وقف تھا۔ فاضل بریلوی نے اس کے متعلق کیا خوب کہا ہے[5]

آزاد مگر نئے تو بے تنک مشرک   وہ مسلم می رہی پہ یک مشرک

---

[1] حضرت مولانا فرنگی محلی نے توبہ کرلی تو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے الطاری الداری کے تمام نسخے جلا دینے کا حکم دے دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حیاتِ صدر الافاضل" ص ۳۵

[2] ترکِ موالات، مدینہ پریس بجنور ص ۱۱-۹   [3] حیاتِ صدر الافاضل ص ۱۷۳-۱۷۴

[4] تحریک کے ابتدائی دنوں میں مسلم یونیورسٹی محض کالج تھی لیکن دسمبر ۱۹۲۰ء میں مکمل یونیورسٹی بن گئی۔

زا سلامت اگر بہرہ بدے میکردے   بر ناخنِ مسلے فداک مشترک

اعلیٰحضرت نے ابوالکلام کی ساری زندگی کو جس خوبی سے دو شعروں میں سمو دیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ غرضیکہ ابوالکلام صاحب ۲۰ راکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان مولانا کے حق میں رائے دیتے کہ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اٹھے اور مولانا کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ لیکن دلائل سے بھرپور تقریر سے ردِّ بلیغ فرمایا۔

اس کے بعد انجمن حمایت اسلام نے جس کے جنرل سیکرٹری اس وقت علامہ اقبالؒ تھے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے۔ جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور اعلاء کلمۃ الحق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے مندرجہ ذیل فتویٰ ترتیب دیا:۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولیّٰ سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام تولیّٰ کے معنے معاملت اور ترکِ موالات (نان کوآپریشن) قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے مذکور نے ۲۰ راکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر یہ اطلاق کر دیا ہے کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات۔ لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔"[۲]

اور اس فتویٰ کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تصدیق و تصحیح کے لیے روانہ کیا:۔

آقائے نامدار مویدِ ملت جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب مدظلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

پشت ہذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لیے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیازمند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیویں۔ انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس ۳۱ راکتوبر

---

[۱] خلافتی لیڈروں نے تحریکِ ترکِ موالات میں علامہ اقبال کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی اور علی گڑھ میں کہا وہ ہمارے ہم خیال ہیں۔ چنانچہ علامہ اپنے ایک خط بنام خان نیاز الدین خان مرحوم میں تحریر فرماتے ہیں "باقی رہا ان لوگوں (یعنی خلافتیوں) سے میرا ہم خیال ہونا۔ ہم خیالی صرف اس حد تک ہے جس حد تک قرآن حکیم کا حکم ہو اور بعض اخباروں میں انہوں نے شائع کرایا ہے کہ اقبال نے آزاد قومی یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیلِ حکم میں کیوں کر تامل ہو سکتا ہے۔ تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے بالکل غلط ہے۔ میرے ساتھ ان کی کوئی گفتگو اس بارے میں نہیں ہوئی۔ واقعات کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں۔ میں نے ایک تار آنریری سیکرٹری کو دے دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔" (مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں بزم اقبال لاہور ص ۳۵)

[۲] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲

۱۹۲۰ء کو ہونا قرار پایا ہے اس میں پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔ عالمِ حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں۔"

نیازمند دعاگو

حاکم علی، موتی بازار لاہور ۲۵ / اکتوبر ۱۹۲۰ء[1]

اعلیٰ حضرت نے اس فتوٰی کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے اس فتوٰی کو حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا اور یہ عظیم درس گاہ اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ بعد میں مولوی حاکم علی صاحب نے اعلیٰ حضرت کے فتوٰے کو دوسرے فتاووں کے ساتھ ترتیب دے کر بعنوان اصلی جمعیت العلمار ہند کے فتاوے شائع کیا۔

المحجۃ المؤتمنہ

اس سے پیشتر بھی اعلیٰ حضرت اس قسم کے فتاوے دے کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کچی باغ بنارس اور مدرسہ اسلامیہ سبز باغ کراچی کو خلافتیوں کے مذموم حملوں سے بچا چکے تھے۔ الغرض مذکورہ فتوٰی کے لاہور پہنچنے کے بعد مخالفین کے ارادوں اور منصوبوں پر اوس پڑ گئی اور تحریک عدم تعاون کے حامیوں میں سے ایک صاحب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول لائل پور نے ایک طویل استفتاً مرتب کر کے جو خلافتیوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی شریف بھیجا۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً ایک مفصل فتوٰی ترتیب دیا جو بعد میں المحجۃ المؤتمنہ کے نام سے شائع ہوا[2]۔ اس طرح المحجۃ المؤتمنہ کے نام سے ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقعہ پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ ہند کے لیے دلیل راہ کا کام دیا۔

اس فتاوی میں اعلیٰ حضرت نے قرآن حمید کی اس آیت" لَا یَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِیَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ" (اللہ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں) (پ ۲۸ سورہ الممتحنہ ع ۷) پر مفصل بحث کی اور تمام مستند تفاسیر و کتبِ فقہ مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابوالمسعود اور ہدایہ وغیرہ اور اقوال علمار و فقہا کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کہ اس آیہ ممتحنہ سے غیر محارب ہنود کے ساتھ وداد و محبت جائز بلکہ فرض ہے کے تار و پود بکھیر دیئے اور ثابت کر دیا کہ کافر مسلمانوں کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "کہ ہرگز اللہ تعالےٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔"

عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیت پاک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اس کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: "ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جلنے دو، آیہ کریمہ "لَا یَنۡهٰىكُمۡ"، ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی۔ سہ یہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی رخصت دی، یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں مساجد مسلمین میں با ادب و تعظیم

---

[1] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲

[2] نوٹ: یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف "اوراقِ گم گشتہ" (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں شامل کر دیا ہے۔

پہنچا کر منبرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جا کر مسلمانوں سے اونچا بٹھا کر واعظ و ہادیٔ مسلمین بناؤ گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ۔ ان کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان (گاندھی) کو تمھارے پاس نذیر بنا کر بھیجا ہے یعنی معنیٔ نبوت جماؤ"۔[1]

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں۔ "اگر بفرضِ باطل ان (رہبرانِ گم کردہ راہ) کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو "لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن پاک کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیے کلیجہ منہ کو آئے"۔[2] غرض کہ اعلیٰ حضرت نے عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی ایک ایک کر کے المحجۃ المؤتمنہ میں تردید فرمائی ہے اور آفتاب کی طرح روشن کر دیا ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ ہندو ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں "الکفر ملۃ واحدۃ" کا مصداق ہے۔

مولانا نعیم الدین کا کارنامہ

اعلیٰ حضرت کے فیضان اور ان کی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے فسادات بمبئی کے موقع پر ماہ شوال ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۱ء) میں فرمایا کہ ہندوستان کو ہندو مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور مولانا شاید پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے واشگاف الفاظ میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی چنانچہ فرماتے ہیں ـــــ "بمبئی کے ہندو کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی دکانیں مسلمان محلّوں سے ہٹا کر ہندو محلوں میں لے جائیں۔ ہندوؤں کے یہ افعال یہ تجویزیں یہ طرزِ عمل اتحاد کے ذرا بھی منافی نہیں۔ لیکن مسلمان ایسا کریں تو اتحاد کے دشمن قرار دیئے جائیں یہ کھلی ناانصافی ہے۔ جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیئے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اسی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کر لینا یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جُدا جُدا بنالیں تا کہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقہ میں اسی علاقہ والوں کی حکومت ہو مسلم علاقہ میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقہ میں ہندوؤں کی۔ اب نہ مخلوط و جداگانہ انتخاب کی بحثیں درپیش ہوں گی نہ کونسلوں میں نشستوں کی منازعت کا کوئی موقع رہے گا، ہر فریق اپنے حدود میں آرام کی زندگی گزار سکے گا۔ جب ہندو ذہنیت نے بمبئی میں گوارا کر لیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ جدید حکومت کا مسئلہ اس اصول پر نہ طے کیا جائے۔"[3]

---

[1] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲۵-۴۴

[2] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲۷

نوٹ: ۱۹۱۲ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد ہوا ۱۹۱۴ء میں مظفر نگر میں بلوہ ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں اضلاع آرہ۔ شاہ آباد، بلیا اعظم گڑھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے جن کی نظیر اس دور میں بھی نہیں ملتی۔

(بحوالہ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص ۶۵ از پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی)

[3] السواد الاعظم مراد آباد جلد ۸ شمارہ ۶ ماہ شوال ۱۳۵۰ھ ص ۱۳-۱۴

تحریکِ پاکستان

حضرت صدر الافاضل کی یہ تحریر بالکل واضح ہے کہ انہوں نے اس اصول کو بہت پہلے پیش کر دیا تھا۔ جسے بعد میں اپنا کر پاکستان حاصل کیا گیا۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی قومی خدمات بے شمار ہیں مگر سنہ ۱۹۴۰ء میں قرار دادِ پاکستان کے پاس ہونے پر تو ان کی تمام تر توجہ تحریکِ پاکستان کی طرف ہو گئی تھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے ذریعے پوری قوم کو نظریہ پاکستان کا حامی بنانے کی کامیاب مساعی کیں۔ اس سلسلے میں آپ کے دل میں جو تڑپ تھی وہ ان خطوط سے عیاں ہے جو انہوں نے مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ کو تحریر فرمائے۔ ان تاریخی خطوط کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

(الف) "آل انڈیا سُنی کانفرنس" کا نام جمہوریتِ اسلامیہ مرکزیہ ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی، ایک ایوان عام، ایک ایوانِ علماء ۔ ایوان علماء کا نام جمہوریت عالیہ ہوگا"۔[۱]

(ب) "پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔"[۲]

(ج) "الیکشن کے موقع پر کانگرس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں"۔[۳]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نامور خلیفہ اور تلمیذ رشید حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ صدر آل انڈیا سنی کانفرنس جو جیّد عالمِ دین روحانی پیشوا اور بے مثال خطیب تھے نے تحریکِ پاکستان کے لیے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے پاک و ہند کے تقریباً سب ہی چھوٹے بڑے شہروں میں پاکستان کے حق میں مدلل تقاریر فرمائیں اور اپنے لاکھوں مریدین کو تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے ۵-۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سنی کانفرنس اجمیر شریف میں خطبہ دیا جو الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ کے نام سے دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اس مبارک خطبہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں :۔

"المشائخ کلہم کنفس واحدۃ" کر کے دکھانا ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔"

"حضرات! میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سُنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سُنی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری ہے اور نہ سُنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے"۔

آخر میں اہلِ سنت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :۔

"اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جاوے گا؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟"

---

[۱] حیات صدر الافاضل از غلام معین الدین نعیمی مطبوعہ لاہور ص ۱۸۵ - ۱۸۶ مکتوب نمبر ۲

[۲] ایضاً ص ۱۸۶

[۳] ایضاً ص ۱۸۷، مکتوب نمبر ۳

اس سے پہلے آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس میں نہایت طویل اور مدلل خطبہ دیا جو خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ کے نام سے طبع ہوا جس کے صفحات ۲۸ ہیں۔ اس خطبہ کا ایک ایک حرف حضرت محدث کچھوچھوی کی بالغ نظری اور مقصد سے عشق کا ترجمان ہے۔ تحریک پاکستان پر کام کرنے والوں کے لیے ان خطبات کا مطالعہ لازمی ہے۔

غرض کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز بلند کی یعنی دو قومی نظریہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ پھر اُن کے باعزم و باہمت خلفاء و تلامذہ اور ان کے ہم مسلک علماء کرام و مشائخ عظام نے سر دھڑ کی بازی لگا کر تحریک پاکستان کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ ذیل میں اُن نفوس قدسیہ اور محسنین قوم و ملت جن کی مساعی کی بدولت پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا، کے اسماء گرامی درج کر کے اپنے اس مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

محسنین قوم

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، حضرت پیر صاحب مانکی شریف، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی، مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (والد ماجد شاہ احمد نورانی مدظلہٗ) مولانا عبد الحامد قادری بدایونی حضرت پیر سید فضل شاہ امیر حزب اللہ، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف، حضرت خواجہ سدید الدین تونسوی، حضرت میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسی شریف، حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی، مولوی محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا غلام محمد ترنم حضرت پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف، حضرت سید مغفور القادری، حضرت دیوان سید آل رسول علی خان (اجمیر شریف) حضرت مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔

شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی شریف، مجاہد ملت حضرت مولانا، الحاج عبد الستار خان نیازی، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، پیر صاحب زکوڑی شریف، غزالی دوران مولانا سید احمد سعید کاظمی، علامہ ابو البرکات سید احمد قادری مفتی اعظم پاکستان، مولانا غلام قادر چشتی اشرفی، مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلی، حضرت شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی، صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں یہ گزارش ضروری ہے کہ چونکہ پاکستان سوادِ اعظم اہلِ سنت نے بنایا تھا، لہٰذا اسے فتنوں سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا بھی اہلِ سنت ہی کا کام ہے۔ اہلِ سنت کو چاہیئے کہ اس کی نظریاتی سرحدوں کی پورے طور پر حفاظت فرمائیں۔ اور خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ کرائیں۔

مرزائیت

○ امام احمد رضا اور ردّ مرزائیت

مولانا عبدالحکیم شرفؔ قادری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

امام احمد رضا بریلوی ——— اور ——— ردِّ مرزائیت

دو نقطوں کو ملانے کے لیے متعدد خطوط کھینچے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان میں سے خطِ مستقیم صرف ایک ہوگا جو سب کے درمیان ہوگا۔ اس میں نہ تو کجی ہوگی اور نہ ہی نشیب و فراز ہوگا۔ اسی طرح اسلام کا نام لینے والے تو بہت سے فرقے ہیں لیکن مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ (جس طریقے پر میں ہوں اور میرے صحابہ، فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصداق اور سلف صالحین کی راہ پر چلنے والے صرف اہلِ سنت وجماعت ہیں۔ دوسرے فرقے اعتقادی اعتبار سے راہِ راست پر قائم نہ رہ سکے اور گمراہی ان کا مقدر ہوگئی اور بہت سے تو ایسے ہیں جو حدِ کفر تک پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر عطا فرمائے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) چودھویں صدی کے وہ عظیم عالم اور دنیائے اسلام کے نامور مفتی ہیں جنھوں نے اپنی تمام زندگی عقائدِ اسلامیہ کا پہرہ دیتے ہوئے گزاری، ان کا قلم اس دور کے تمام اعتقادی فتنوں کا محاسبہ کرتا نظر آتا ہے۔ اسلامی حرمت کے پیشِ نظر کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کے بے لاگ فتووں اور غیرتِ ایمانی میں ڈوبی ہوئی تنقیدوں کو بعض طبقے شدت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن انصاف پسند حضرات جب معاملے کی گہرائی تک پہنچتے ہیں تو انھیں ان کے فیصلوں پر صاد کرنا پڑتا ہے۔ وہ مرزائیوں اور مرزائی نوازوں میں فرق نہیں کرتے اور عموماً دونوں کے یکساں احکام بیان کرجاتے ہیں۔

مرزائیوں کا خود ساختہ خُدا

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ کفار اور گمراہ فرقے خداوند قدوس و برحق کو نہیں مانتے اور جس خدا کا وہ ذکر کرتے ہیں، وہ ان کا خود ساختہ خدا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"ایک عام بات یہ ہے کہ کفر کیا ہے؟ اس بات کی تکذیب جو بالقطع والیقین ارشادِ الٰہی عزوجلّ ہے۔ اب یہ تکذیب کرنے والا اگر اسے ارشادِ الٰہی نہیں مانتا، تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کا یہ ارشاد نہیں ہے۔ حالانکہ خدا وہ ہے جس کا یہ ارشاد ہے تو اس نے خدا کو کہاں جانا؛ اور اگر اس کا

ارشاد مان کر تکذیب کرتا ہے تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کی بات جھٹلانا روا ہے اور خدا اس سے پاک و وراء و بلند و بالا ہے تو اس نے خدا کو کب جانا. حاصل وہی ہوا اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (اس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے)۔[1]

مرزائیوں کے خود ساختہ خدا کے کیا اوصاف ہیں؟ اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

" قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کہا ان سے جھوٹی پیشگوئیاں کہلوائیں، جس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ایسے کو عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں، بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلیل قائم، جو (خاک بدہن ملعوناں) ولد الزنا تھا. جس کی تین دادیاں، نانیاں زنا کار کسبیاں، ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر یہ فخر کی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے.

ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کیا. جس نے ایک یہودی فتنہ گر کو اپنا رسول کرکے بھیجا. جس کے پہلے فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا. ایسے کو (خدا مانتا ہے) جو اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ایک بار دنیا میں لاکر دوبارہ لانے سے عاجز ہے. وہ جس نے ایک شعبدہ باز کی مسمریزم والی مکروہ حرکات، قابلِ نفرت حرکات جھوٹی اور بے ثبات کو اپنی آیاتِ بیّنات بتایا[2]"

مرزا کا چاند ایسا بیٹا جس سے بادشاہ برکت حاصل کریں گے

ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا، مگر اپنی جھوٹ، فریب، تمسخر، ٹھٹول کی چالوں سے اس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اس سے کہہ دیا کہ:

تیری جورو کے اس حمل سے بیٹا ہوگا جو انبیاء کا چاند ہوگا. بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے. بروزی بیچارہ اس کے دھوکے میں آکر اسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا اسے تو یوں ملک بھر میں جھوٹا بننے کی ذلت و رسوائی اوڑھنے کے لیے یہ جُل دیا اور جھٹ پٹ میں الٹی یہ کل پھرا دی، بیٹی بنادی، بروزی بیچارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا.

اب کی یہ مسخرگی کی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے ہی کا دم نکال لیا، نہ نبیوں کا

---

[1] احمد رضا خان بریلوی، امام : فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور) ج ۱، ص ۷۴۸

[2] " " " ج ۱، ص ۷۴۲

چاند بننے دیا، نہ بادشاہوں کو اس کے کپڑوں سے برکت لینے دی۔ غرضکہ اپنے چہیتے بروزی کا جھوٹا کذّاب ہونا خوب اُچھالا اور اس پر مزہ یہ کہ عرش پر بیٹھا اس کی تعریفیں گا رہا ہے۔" [۱]

کیا محمدی بیگم کا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا تھا؟

مرزائے قادیانی کی جھوٹی نبوت کو محمدی بیگم کی وجہ سے سخت دھکا لگا۔ بقول مرزا غلام احمد قادیانی اسے الہام ہوا کہ اپنی (رشتے کی) بہن احمدی بیگم کی لڑکی محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجو۔ بدقسمتی کہ پیغام رد کر دیا گیا۔ مرزا صاحب نے دھمکیاں دیں کہ اگر اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا تو اڑھائی سال میں اس کا باپ مر جائے گا اور تین سال میں اس کا شوہر ہلاک ہو جائے گا یا اس کے برعکس ہوگا۔ اب اس سے آگے امام احمد رضا خان کا بیان پڑھیے۔ فرماتے ہیں:۔

"اب قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی، چٹ بروزی (مرزا) کو وحی پھنکا دی کہ زَوَّجْنَاکَھَا۔ محمدی (بیگم) سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا۔ اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی کہاں جا سکتی ہے۔ یوں جل دے کر بروزی کے منہ سے اسے اپنی منکوحہ چھپوا دیا تاکہ وہ حد بھر کی ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اس کی جورو اور اس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں، یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہو اور رہتی دنیا تک بیچارے کی فضیحت و خواری و بے عزتی و کذّابی کا ملک میں ڈنکا ہو، ادھر تو عابد و معبود کی یہ وحی بازی ہوئی، ادھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی اور نہ معبود کی، بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر، ساتھ لے، یہ جا، وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت دینے کا وعدہ تھا وہ بھی جھوٹا گیا، الٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے، وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ

یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا۔ کیا وہ جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں۔ حَاشَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ" [۲]

مرزائیوں کے احکام

امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:۔

قادیانی مرتد، منافق ہیں، مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا یا ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہے[۳] قادیانی کے پیچھے نماز باطل محض ہے[۴] قادیانی کو زکوٰۃ دینا حرام ہے اور اگر ان کو دے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی[۵] قادیانی مرتد ہے۔ اس کا ذبیحہ

---

[۱] احمد رضا خان بریلوی امام : فتاوٰی رضویہ، ج ۱ ص ۲۴۷

[۲] " : ص ۳۴۷

[۳] " : احکام شریعت (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) حصہ اول، ص ۱۱۲

[۴] " : ص ۱۲۸ [۵] ایضاً : ایضاً، ص ۱۳۹

محض نجس و مردار حرام قطعی ہے[1] مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے[2]

۱۳۳۶ھ میں ایک استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی سے کر دیا ہے حالانکہ اسے علم ہے کہ تمام علمائے اسلام فتویٰ دے چکے ہیں کہ مرزائی کافر و ملحد ہیں۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:۔

"اگر ثابت ہو کہ وہ (لڑکی کا باپ) مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے، اس بنا پر یہ تقریب کی، تو خود کافر و مرتد ہے۔ علمائے کرام حرمین شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا کہ مَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ (جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر)

اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت و حیات کے سب علاقے اس سے قطع کر دیں بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام"[3]

۱۳۳۵ھ میں محمد عبدالواحد خان، مسلم بمبئی اسلام پورہ نے سوال کیا کہ قادیانیوں سے کس پیرائے میں بحث کی جائے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"سب میں بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلماتِ کفر پر گرفت ہے جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات الارض کی طرح ابلے کھلے پھر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر طعن اور یہ کہنا کہ یہودی کے جو اعتراض عیسیٰ اور ان کی ماں پر ہیں، ان کا جواب نہیں۔ (اس کے علاوہ متعدد گنوائے ہیں)

دوسرا بھاری ذریعہ ان خبیث پیشین گوئیوں کا جھوٹا پڑنا۔ جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:۔ ۱ لڑکے کی پیدائش کی خبر نشر کی لیکن لڑکی پیدا ہوئی۔ ۲ محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی کی لیکن وہ بھی جھوٹی ہوئی (یہ دونوں واقعے اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں)

غرض اس کے کفر و کذب حد شمار سے باہر ہیں، کہاں تک گنے جائیں اور اس کے ہوا خواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں گے تو کاہے میں کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا، مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح؟ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں یا متعدد؟ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر؟"[4] (ملخصاً)

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام : احکام شریعت حصہ اول، ص ۱۲۲

[2] 〃 〃 : 〃 ص ۱۷۷

[3] 〃 〃 : فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارک پور، اعظم گڑھ) ج ۶، ص ۵۱

[4] 〃 〃 : 〃 ج ۶، ص ۳۲ - ۳۱

کیا مرزا مُجدّد ہو سکتا ہے؟

ڈیرہ غازیخان سے ۱۳۳۹ھ میں عبدالغفور صاحب نے ایک استفتا بھیجا کہ ایک مرزائی قادیانی کا سوال ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا" مرزا صاحب مجدد وقت ہے یہی لاہوری پارٹی کا موقف ہے۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:۔

"مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضروری ہے اور قادیانی کافر و مرتد تھا، ایسا کہ تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ مَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر۔ لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی ہے جو گاندھی مشرک کو رہبر دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں۔ گاندھی پیشوا ہو سکتا ہے نہ مجدد"[1]

۱۳۲۰ھ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کی عقائد میں تصنیف لطیف "المعتقد المنتقد" کی کتابت و طباعت کا سلسلہ جاری تھا، اسی اثناء میں مولانا شاہ وصی احمد محدث سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حاشیہ لکھنے کی فرمائش کی۔ امام احمد رضا بریلوی نے مختلف مقامات پر قلم برداشتہ عربی حاشیہ تحریر فرمایا، اپنے دور کے مبتدعین نو پیدا فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزائیوں کا بھی ذکر کیا۔ فرماتے ہیں:۔

"ان میں سے مرزائیہ بھی ہیں۔ ہم انھیں غلام احمد قادیانی کی نسبت سے غلامیہ کہتے ہیں۔ وہ اس زمانے میں پیدا ہونے والا دجال ہے۔ اس نے پہلے تو مسیح کے مماثل ہونے کا دعویٰ کیا، بیشک اس نے سچ کہا، وہ یقیناً مسیح دجال کذاب کا مثیل ہے۔

پھر اس نے ترقی کی اور وحی کا دعویٰ کیا، بخدا یہ بھی سچ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے انسانوں اور جنوں کے شیطان کہ ان میں سے ایک خفیہ طور پر جھوٹی بات دوسرے پر القاء کرتا ہے دھوکہ دینے کے لیے۔)

جہاں تک وحی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور اپنی کتاب براہین غلامیہ (براہین احمدیہ) کو کلام الٰہی قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ بھی ابلیس کا القاء ہے کہ مجھ سے حاصل کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔

پھر اس نے نبوت و رسالت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور کہا اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے کہ:۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ بِالْقَادِيَانِ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (بیشک ہم نے اسے قادیان میں نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔)

وہ کہتا ہے۔ میں ہی وہ احمد ہوں جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:۔

---

[1] احمد رضا خان بریلوی امام :- فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۸۱

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط

وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ تو اس آیت کا مصداق ہے:۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔

پھر اس نے اپنے نفس خبیث کو بہت سے انبیاء و مرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سے افضل قرار دینا شروع کیا، خصوصاً کلمۃ اللہ، روح اللہ اور رسول اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے آپ کو افضل قرار دیا، وہ کہتا ہے ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ؛ اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جب اس پر اعتراض کیا گیا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مماثلت کا دعویٰ کرتے ہو تو وہ روشن معجزات کہاں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد نابینا اور برص کے مریض کو شفایاب کرنا اور مٹی کا پرندہ بنانا اور اس میں پھونک مارنا اور اس کا حکم خداوندی سے اڑ جانا، تو اس نے جواب دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ مسمریزم اور شعبدہ بازی کے زور سے کیا کرتے تھے اور اگر میں اس کو ناپسند نہ کرتا تو میں بھی ایسے کام کر دکھاتا"

اس کے چند مزید کفریات کا ذکر کر کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

اس کے علاوہ اس کے بہت سے ملعون کفر ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور دیگر تمام دجّالوں کے شر سے محفوظ فرمائے"۔[1]

حُسام الحرمین

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک استفتاء مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کے علماء اہل سنت کی خدمت میں بھجوایا۔ جس میں چند عبارات کے بارے میں سوال تھا کہ یہ کفریہ ہیں یا نہیں اور ان کے قائل پر بحکم شریعت کفر کا حکم ہے یا نہیں؛ ان میں سرفہرست مرزائیوں کا ذکر تھا[2] اس استفتاء کے جواب میں حرمین شریفین کے علماء نے بالاتفاق مرزائیوں، اور مرزائی نوازوں کی تکفیر کی۔

اس کے علاوہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے عقیدۂ ختم نبوت اور ردِّ مرزائیت میں مستقل رسائل بھی قلمبند فرمائے۔

جزاء اللہ عدوّہٗ

اس تصنیف لطیف کا تعارف خود حضرت مصنف قدس سرہٗ کی زبانی سنیے۔ فرماتے ہیں:۔

"اللہ و رسول نے مطلقاً نفیِ نبوتِ تازہ فرمائی۔ شریعتِ جدیدہ وغیرہا کی کوئی قید کہیں نہ لگائی۔ اور صراحۃً خاتم بمعنی آخر بتایا۔ متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

---

[1] احمد رضا خان بریلوی، امام : المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد (مکتبہ حامدیہ لاہور) ص ۹-۲۳۷ (اس حاشیہ کا صحیح نام یہی ہے، کتابت کی غلطی سے "المستند المعتمد" چھپ گیا ہے) ۱۲ قادری -
[2] احمد رضا بریلوی، امام : حُسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۷-۱۵

اجمعین سے اب تک تمام امتِ مرحومہ نے اس معنی ظاہر و متبادر و عموم و استغراق حقیقی تام پر اجماع کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء کے خاتم ہیں اور اسی بناء پر سلفاً و خلفاً ائمہ مذاہب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر کہا، کتبِ احادیث و تفسیر و عقائد و فقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی کتاب "جَزَاءُ اللّٰہِ عَدُوَّہٗ بِاِبَائِہٖ خَتْمَ النُّبُوَّۃ" ۱۳۱۷ھ (دشمنِ خدا کے ختمِ نبوت کا انکار کرنے پر خدائی جزاء) میں اس مطلب ایمانی پر صحاح و سنن و مسانید و معاجیم و جوامع سے ۱۲۰ حدیثیں، اور تکفیر منکر پر ارشاداتِ ائمہ و علمائے قدیم و حدیث و کتب عقائد و اصول فقہ و حدیث سے تیس نصوص ذکر کیے۔ وللہ الحمد[1]

اَلْمُبِیْنُ خَتْمُ النَّبِیِّیْنَ

۱۳۲۶ھ میں بہار شریف سے مولانا ابوالطاہر نبی بخش نے ایک استفتاء بھیجا۔ جس میں دریافت کیا گیا کہ بعض لوگ "خاتم النبیین" میں الف لام عہد خارجی قرار دیتے ہیں (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض انبیاء کے خاتم ہیں) اور بعض اسے استغراقی قرار دیتے ہیں (اب مطلب یہ ہوگا کہ آپ تمام انبیاء کے خاتم ہیں) ان میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

امام احمد رضا بریلوی نے اس کے جواب میں ایک مختصر رسالہ تحریر فرمادیا۔ فرماتے ہیں:

"جو شخص لفظ خاتم النبیین میں "النبیین" کو اپنے عموم و استغراق پر نہ مانے بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے۔ اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے۔ اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نصِ قرآنی کو جھٹلایا، جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص"[2]

پھر خاتم النبیین میں تاویل کی راہ کھولنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آج کل قادیانی بک رہا ہے کہ خاتم النبیین سے ختمِ شریعتِ جدیدہ مراد ہے۔ اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعتِ مطہرہ کا مُروّج اور تابع ہو کر آئے، کچھ حرج نہیں اور وہ خبیث اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے۔"[3]

قَہْرُ الدَّیَّان عَلٰی مُرْتَدٍ بِقَادِیَان

یہ رسالہ بھی امام احمد رضا بریلوی کے رشحاتِ قلم سے ہے اس میں ختمِ نبوت کے منکر، کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن، جھوٹے مسیح، مرزائے قادیانی کے شیطانی الہاموں کا رد کر کے عظمتِ اسلام کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام : فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۵۹

[2] ایضاً : ایضاً ص ۵۸

[3] ایضاً : ایضاً ص ۵۸

اَلسُّوْءُ وَالْعِقَابُ

۱۳۲۰ھ میں امرتسر سے مولانا محمد عبدالغنی نے ایک استفتاء بھیجا۔ سوال یہ تھا کہ ایک مسلمان نے ایک مسلمہ عورت سے نکاح کیا۔ عرصہ تک باہمی معاشرت رہی۔ پھر مرد، مرزائی ہوگیا، تو کیا اس کی منکوحہ اس کی زوجیت سے نکل گئی ہے؛ ساتھ ہی امرتسر کے متعدد علماء کے جوابات منسلک تھے۔

امام احمد رضا خان بریلوی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "اَلسُّوْءُ وَالْعِقَابُ عَلَی الْمَسِیْحِ الْکَذَّابِ" (جھوٹے مسیح پر..... عذاب و عقاب) قلمبند فرمایا جس میں دس وجہ سے مرزائے قادیانی کا کفر بیان کر کے فتاویٰ ظہیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ برجندی شرح نقایہ اور فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:۔

"یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں"۔

پھر سوال کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے۔ اب اگر بے اسلام لائے، اپنے اس قول و مذہب سے بغیر توبہ کیے یا بعد اسلام و توبہ بغیر نکاح جدید کیے، اس سے قربت کرے زنائے محض ہو اور جو اولاد ہو، یقیناً ولد الزنا ہو۔ یہ احکام سب ظاہر اور تمام کتب میں دائر و سائر ہیں"[1]

اَلْجُرَازُ الدَّیَّانِیْ عَلَی الْمُرْتَدِّ الْقَادِیَانِیْ

یہ رسالہ امام احمد رضا بریلوی کی آخری تصنیف ہے۔ پیلی بھیت سے شاہ میر خان قادری نے ۳ محرم ۱۳۴۰ھ کو ایک استفتاء بھیجا جس کے جواب میں آپ نے یہ رسالہ "اَلْجُرَازُ الدَّیَّانِیْ عَلَی الْمُرْتَدِّ الْقَادِیَانِیْ (قادیانی مرتد پر خدائی شمشیرِ براں) سپردِ قلم فرمایا۔ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو آپ کا وصال ہوگیا۔

سائل نے ایک آیت اور ایک حدیث پیش کی تھی۔ جس سے قادیانی، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرتے ہیں اور پوچھا تھا کہ اس استدلال کا جواب کیا ہے؛

امام احمد رضا بریلوی نے اعتراض کا جواب دینے سے پہلے سات فائدے بیان کیے، جن میں واضح کیا کہ مرزائی، حیاتِ عیسٰی علیہ السلام کا مسئلہ کیوں اٹھاتے ہیں؟ دراصل مرزا کے ظاہر و باہر کفریات پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک ایسے مسئلے میں الجھتے ہیں جس میں اختلاف آسان ہے۔ پھر بھی یہ مسئلہ ان کے لیے مفید نہیں، پھر سات وجہ سے بتایا کہ یہ آیت قادیانیوں کی دلیل نہیں بن سکتی اور حدیث کو دلیل بنانے کے دو جواب دیے۔

جناب خالد شبیر احمد (فیصل آباد) لکھتے ہیں:۔

(مولانا احمد رضا بریلوی کے نام نامی سے کون واقف نہیں، انھیں علم و فضل اور تقویٰ میں ایک خاص مقام حاصل ہے) ذیل میں

---

[1] احمد رضا خان بریلوی، امام : السوء والعقاب (مسلم بک ڈپو ہاؤس لاہور) ص ۲۱

ان کا ایک فتویٰ (رسالہ السّوء والعقاب) پیش کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے مرزا صاحب کے کفر کو بدلائلِ عقلیہ ونقلیہ ثابت کیا ہے۔ اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمالِ علم کا احساس ہوتا ہے وہاں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔[1] مزید لکھتے ہیں:۔

ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت، فقہی دانش اور دینی بصیرت کا ایک تاریخی شاہکار ہے جس میں آپ نے مرزا غلام احمد کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے۔ یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی اور تحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔[2]

یاد رہے کہ خالد صاحب دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن انھوں نے اعترافِ حقیقت میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے ۱۳۱۵ھ میں ایک سوال کے جواب میں ایک کتاب "الصّارم الربّانی" تصنیف فرمائی، جس میں مسئلہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کو تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیلِ مسیح ہونے کا زبردست رد کیا۔

امام احمد رضا خان بریلوی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

> "اس ادعائے کاذب (مرزا کے مثلِ مسیح ہونے) کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولدِ اعز فاضلِ نوجوان مولوی حامد رضا خان محمد حفظہ اللہ نے لکھا اور بنام تاریخی "الصّارم الربّانی علیٰ اسراف القادیانی" مسمّی کیا۔ یہ رسالہ حامیِ سنن، ماحیِ فتن، ندوہ شکن، ندوی افگن قاضی عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی، صِینَ عَنِ الفِتَن نے اپنے رسالہ مبارکہ "تحفہ حنفیہ" میں کہ عظیم آباد (پٹنہ) سے ماہوار شائع ہوتا ہے، طبع فرمادیا۔
> بحمد اللہ اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔[3]"

مرزائے قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے قصرِ ختمِ نبوت میں نقب لگانے کی کوشش کی، علمائے اسلام نے حق کو واضح کیا، اور اس کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے جو استفتا، حرمین شریفین کے علماء کے سامنے پیش کیا تھا اس میں مرزا کے خرافات کے ساتھ ساتھ اس قسم کی عبارات کا بھی تذکرہ تھا:۔

> "سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات[4] کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقامِ مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔"[5]

---

[1] خالد شبیر احمد: تاریخ محاسبہ قادیانیت (قرطاس فیصل آباد) ص ۵۵۰ [2] ایضاً: ص ۶۰۰

[3] احمد رضا بریلوی، امام: السوء والعقاب (مسلم بکڈپو ہاؤس لاہور) ص ۶-۵۔

[4] اس جگہ تقدم یا تاخر زمانی کے بالذات فضیلت ہونے کی نفی ہے لیکن آئندہ عبارت میں کہا گیا ہے کہ مقام مدح میں وخاتم النبیین فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس میں نہ صرف بالذات بلکہ بالعرض فضیلت ہونے کی بھی نفی کر دی گئی ہے۔ قادری [5] محمد قاسم نانوتوی: تحذیر الناس (کتب خانہ امدادیہ دیوبند) ص ۳۔

اسی طرح یہ عبارت :

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" [۱]

علمائے عرب نے ان عبارات کی بنا پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ یہ فتاویٰ حسام الحرمین میں چھپ چکے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی ختمِ نبوت کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ اجماعی اور قطعی عقیدہ اس قدر اہم اور نازک ہے کہ اس سلسلے میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔

بے بنیاد الزام

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے کراچی کے ہوائی اڈے پر کہا :

"آج کل کسی کو بدنام کرنا ہو تو اس پر قادیانی ہونے کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ یہ بالعموم اس وقت کیا جاتا ہے جب موردِ الزام کے خلاف کوئی مواد دستیاب نہیں ہوتا" [۲]

بالکل یہی حال مخالفین اہلِ سنت کا ہے، انھیں امام احمد رضا خاں بریلوی کو بدنام کرنے کے لیے مواد دستیاب نہیں ہوتا، تو یہاں تک کہنے سے بھی باز نہیں آتے :

"مرزا غلام قادر بیگ جو انھیں (امام احمد رضا بریلوی کو) پڑھایا کرتے تھے، نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے" [۳]

شیخ عطیہ محمد سالم نے اس جھوٹی بنیاد پر ایک اور عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی کہ وہ کہتے ہیں :

"ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ انگریزی استعمار کی خدمت کرنے میں قادیانی اور بریلوی دونوں بھائی ہیں" [۴]

گزشتہ صفحات میں امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتاویٰ کی ایک جھلک پیش کی جا چکی ہے جو مرزائے قادیانی سے متعلق ہیں۔ ان کے باوجود ایسے گھناؤنے الزام لگانے والوں کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انھیں امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لیے مواد دستیاب نہیں ہے۔ ورنہ جھوٹے الزامات کا سہارا ہرگز نہ لیتے۔

اس سلسلے میں چند امور قابلِ توجہ ہیں :-

امام احمد رضا بریلوی نے چند ابتدائی کتابیں (میزان، منشعب وغیرہ) مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھی تھیں جبکہ ظہیر، یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہی ان کے استاد تھے۔

---

[۱] محمد قاسم نانوتوی : تحذیر الناس (کتب خانہ امدادیہ دیوبند) ص ۲۴

[۲] روزنامہ جنگ لاہور : شمارہ ۱۱ مئی ۱۹۸۴ء

[۳] احسان الٰہی ظہیر : البریلویہ (مطبوعہ لاہور) ص ۲۰ - ۱۹

[۴] ایضاً : ایضاً ص ۴

مرزائے قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر بیگ دنیانگر کا معزول تھانیدار تھا[۱] جو پچپن برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا[۲] جبکہ امام احمد رضا بریلوی کے استاد مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے بریلی میں رہے، پھر کلکتہ چلے گئے اور بریلی سے بذریعہ استفتاء رابطہ رکھتے رہے۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:۔

"میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم ومغفور (مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا، گورا چٹا رنگ، عمر تقریباً اسّی سال، داڑھی، سر کے بال ایک ایک کرکے سفید، عمامہ باندھے رہتے تھے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت وتکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ، امرتلا لین میں تھا۔ وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے۔ فتاویٰ میں اکثر استفتاء ان کے ہیں، انھیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ "تجلّی الیقین بانّ نبیّنا سید المرسلین" تحریر فرمایا ہے۔"[۳]

فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مبارکپور انڈیا جلد سوم کے صفحہ ۸ پر ایک استفتاء ہے جو مرزا غلام قادر بیگ کا ۲۱ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کا بھیجا ہوا ہے۔

ان تفصیلات کے مطابق معمولی سوجھ بوجھ والا آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ مرزائے قادیانی کا بھائی اور امام احمد رضا بریلوی کے استاد قطعاً دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ وہ قادیان کا معزول تھانیدار، یہ مدرس ٹائپ مولوی، وہ پچپن سال کی عمر میں مرگیا یہ اسّی سال کی عمر میں حیات تھے۔ وہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں فوت ہوا، یہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں حیات تھے۔ کیونکہ عادۃً ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ وہ ۱۸۸۳ء میں چل بسے ہوں اور وفات کے چودہ سال بعد کلکتہ سے بریلی استفتاء بھیج دیا ہو۔

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"یہ افترائے محض ہے۔ مرزا غلام قادر بیگ بریلوی قطعاً دوسری شخصیت ہیں۔ میں تفصیلی جواب ارسالِ خدمت کروں گا۔ اطمینان فرمائیے۔"[۴]

محمد عبد الحکیم شرف قادری

۱۵ رشعبان المعظم ۱۴۰۴ھ / ۱۷ رمئی ۱۹۸۴ء — جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری منڈی لاہور، پاکستان

---

[۱] ابو القاسم رفیق دلاوری : رئیس قادیان (مجلس ختم نبوت ملتان) ج ۱، ص ۱۱۔

[۲] ایضاً : " ص ۱۴

[۳] محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء : حیات اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ کراچی) ج ۱، ص ۳۲

[۴] مکتوب بنام راقم : تحریر ۱۳ رمئی ۱۹۸۳ء (نوٹ) افسوس کہ ۲۳ ر نومبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر قادری صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں جان بحق ہوگئے اس لیے انھیں تفصیلاً لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ۱۲ شرف قادری

تنقیدات

○ امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار

حکیم خلیل احمد جائسی ۔ طبیہ کالج علی گڑھ

○ امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

مولانا محمد احمد مصباحی

○ امام احمد رضا ایک مظلوم مصلح

مولانا شبیب ارسلان مصباحی ۔ حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڑھ

○ امام احمد رضا خاں اور حدائقِ بخشش

(مولانا عبدالحکیم شرف قادری)

امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار

علمائے ہند کے حالات پر مرتب کتاب "نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر" مولانا عبدالحی الحسنی کی تصنیف ہے۔ اس کی آٹھویں جلد میں بہ عنوان "المفتی احمد رضا البریلوی" اعلیٰ حضرت کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں اصولاً یہ کتاب مولانا موصوف ہی کی تصنیف ہے لیکن اس کی از سر نو ترتیب و تکمیل میں ان کے نامور فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بہت بڑا ہاتھ ہے، خاص طور پر اعلیٰ حضرت کے تذکرہ میں ان کے والد کا حصہ بہت کم اور محض چند ابتدائی سطروں تک ہی محدود ہے۔ اس کے بعد بریکٹ میں متعدد صفحات پر مشتمل سارا مضمون مولانا علی میاں ہی کے نتائج فکر کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب نے اپنے موضوع میں جو مقام بھی بنایا ہے وہ تمام تر مولانا ندوی ہی کی فکر و نظر کا رہین منت ہے۔ اردو اور عربی ادب میں ان کی مسلمہ مہارت دینی و تعلیمی موضوعات پر ان کے خاص فکری رجحان کی ترجمان ان کی تصنیفات و تالیفات نیز اپنے مخصوص مسلک کی دعوت و تبلیغ مولانا کا خصوصی امتیاز ہے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بعض علاقوں تک اپنے مخصوص دائرہ فکر و عمل کو موصوف نے جس حکمت اور مصلحت سے وسعت دی ہے۔ نیز علمی، تعلیمی اور دعوتی جد و جہد کے نقوش ثبت فرمائے ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا جد و جہد کے پھیلاؤ سے فکر و عمل میں بھی وسعت آتی ہے۔ مولانا بھی بقدر ظرف قانون فطرت کی اس نوازش سے محروم نہیں ہیں۔

لیکن یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ علاوہ دیگر موضوعات کے سیرت نگاری پر بعض موقر کتابیں لکھ کر موصوف نے جو مقام حاصل کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی سیرت نگاری کے سلسلہ میں وہ اس عظیم منصب سے سبکدوش ہونے میں قاصر رہے ہیں۔ جن ہستیوں نے پہلے ہی سے دل اور دماغ کو مسحور کر لیا ہو ان کے حضور محبت اور عقیدت کے نذرانے اندھے جذبات کی البم سازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ سیرت نگاری کی آزمائش کا اصل موقع تو وہ ہوتا ہے۔ جب سیرت نگار اپنے مخالف کی سیرت پر قلم اٹھاتا ہے اور ایسا کرتے وقت صاحب سیرت کے شخصی حالات، علمی مقام اور ذاتی عقاید و رجحانات کی ترجمانی میں کہاں تک انصاف دیانت، حق جوئی و حق گوئی کے منصب کو نبھاتا اور اپنے ذاتی عقائد و خیالات کی گرفت سے بچ نکلنے میں کس حد کامیاب ہوتا ہے۔ سیرت نگار کے مقام اور مرتبہ کا تعین اس کی انہیں کوششوں کے بقدر ہوا کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی سیرت نگاری میں مولانا ندوی نے ایسی کوشش کہاں کی ہیں اور اس میں کہاں تک کی ہیں اور اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ مضمون پر سرسری نظر ڈالتے ہی حیرت اور افسوس کے ساتھ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وسیع النظری اور فراخ حوصلگی تو دور کی بات ہے مولانا ندوی انصاف اور دیانت داری کے مسلمہ اصولوں کو بھی بروئے کار لانے میں انتہائی ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس شک نہیں کہ مضمون میں جگہ جگہ ایسے الفاظ اور جملے بار بار آئے ہیں جن میں صاحب سیرت کی ذہانت علمی جامعیت تصنیفی شغف و مہارت و سرعت تحریر وغیرہ کا اعتراف کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سارے مضمون کے بین السطور میں اس الزام کو دیکھ کر حیرت ہوتی،

ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں توصیفی الفاظ سپرد قلم ہوئے ہیں وہیں اور اس کے فوراً بعد ہی تنقیص و تحقیر بلکہ بے بنیاد الزامات و اتہامات کے گرم گرم اور شعلہ بار الفاظ نے سیرت نگار کے دل کے پھپھولوں کا روپ دھار لیا ہے۔ تحقیر و تذلیل کے پہلو بہ پہلو بعض توصیفی الفاظ جوڑ کر "توازن" کو قائم رکھنے اور "الطاف و عنایات" کی نمائش کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ جذبات عناد سے مغلوب ہو کر مولانا سے واقعات اور ان کے سن و سال کے معاملہ میں نہایت فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کا مسلکی اختلافات سے کوئی علاقہ نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ تسامح ہو یا شدتِ تعصب کا بے اختیار ردِ عمل۔

اس کے علاوہ جہاں جہاں مسلکی اختلاف اور اس سلسلہ کے واقعات اور عقائد و خیالات کی ترجمانی کا موقع آیا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بایں ہمہ علم و آگہی و بآں فضل و کمال مولانا ندوی ان مقامات پر ایک متعصب، تنگ ظرف، تنگ نظر اور بے لگام مولوی سے زیادہ بہتر کردار پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں حتیٰ کہ غلط بیانی، الزام دہی اور تہمت تراشی کے علاوہ کہیں کہیں معاندانہ جذبات کی یورش سے مغلوب اور اپنے منصب و موقف کو بالکل ہی نسیاً منسیا کر کے قوی الجدل (سخت لڑاکو) شدید المعارضۃ (بے حد جھگڑالو) شدید الاعجاب بنفسہ وعلمہ (اپنی ذات اور علم پر بے حد مغرور) شدید العناد (بے حد بغض والا) والتمسک برایہ (اپنی بات پر ہٹ دھرم) جیسی بازاری گالیوں پر اتر آئے ہیں۔

اس مضمون کے ذریعہ عام مسلمانوں میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مذہب سنیت و حنفیت کے بارے میں جو گمراہی پھیلانے کی دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ وہ برصغیر تک ہی محدود ہوتی۔ اگر مضمون کسی علاقائی زبان مثلاً اردو میں لکھا گیا ہوتا۔ لیکن عربی جیسی تیزی سے ترقی کرنے والی بین الاقوامی حیثیت اختیار کرتے والی زبان کو اس گمراہ کن مضمون کے لیے چننا مقصد یہ تھا فساد و گمراہی کو اقصائے عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دینے کی سازش کی واضح نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے مطلوبہ نتائج سامنے آنے بھی لگے ہیں۔ حال ہی میں "مکتبہ الشفیق" استنبول، ترکی سے علمائے کرام میں تحفتاً وصول ہونے والی کتابوں میں اسی مکتبہ کے تعاون و اشتراک سے تازہ ترین شائع شدہ اعلیٰ حضرت کی چند اہم کتابیں بھی شامل ہیں جن میں ان کی ایک مشہور کتاب "اجلی الاعلام" بھی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں مولف اعلیٰ حضرت کے مختصر حالات درج کرتے ہوئے ایک سے زیادہ مقامات پر "نزہۃ الخواطر" کے اسی مضمون سے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت کے خلاف مولانا ندوی کی سازشوں کا جال برصغیر ہی تک محدود نہیں بلکہ ایشیا اور افریقہ کو پار کرتا ہوا یورپ کے دور دراز علاقے تک پہنچ چکا ہے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ سیرت نگاری کے پردہ میں سیرت کشی کی اس ناپاک سازش کو بے نقاب کیا جائے، کاش کہ اعلیٰ حضرت پر ماہرانہ نظر رکھنے والے کسی عالم دین نے اس ذمہ داری کو اٹھایا ہوتا تو اس موضوع کا کماحقہ حق ادا ہو جاتا، احقر کا منشاء بھی دراصل اہل علم کی توجہات کو اس جانب مرکوز کرنا ہے۔

مولانا ندوی کے زیر بحث مضمون کا سطحی مطالعہ ہی اس گمان کو تقویت دینے کے لئے کافی ہے کہ واقعات ہوں یا ذاتی حالات و عقائد کسی بھی معاملہ میں مولانا ندوی نے غالباً بذاتِ خود اعلیٰ حضرت کے مطالعہ کی زحمت نہیں اٹھائی بلکہ ان کے معاندین کے خود ساختہ بے بنیاد مواد پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ ان مخالفین کے قلب و دماغ اور زبان و قلم کی ترجمانی کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے مستند و مفصل حالات خود ان کے قریب ترین تلامذہ و خلفاء مرتب اور شائع کرا چکے ہیں۔ آپ کی علمی شخصیت اور عقائد کی تحقیق کے لئے خود آپ کی ایک ہزار تک پہونچی ہوئی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات موجود ہیں۔ ایک سیرت نگار کو جو کچھ اور جتنا کچھ چاہئے اس سے کہیں زیادہ وافر مواد یہاں فراہم ہے۔ اصل حالات تک پہونچنے کے لئے اتنے بہتات وسائل کے ہوتے ہوئے غلط واقعات، بے بنیاد الزامات اور تہمت تراشیاں یہ طوفان بدتمیزی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟ اس صورت حال کے دو ہی اسباب ہو سکتے

ہیں۔ یا محض دشمنوں کے "کید و افترا" پر تقدس کا ٹھپا لگا دینا ہی مقصد تھا۔ لہٰذا ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا سوال ہی نہیں اٹھتا ....
سیرت نگاری میں اس سے بڑا جرم کیا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ پھر اعلیٰ حضرت کے خلاف پس پردہ بین الاقوامی سازش ہی اصل مقصود و مطلوب ہے!!
مضمون کا لفظ لفظ اسی جذبۂ بے اختیار کا غماز ہے!

بیسیوں سال سے مسلمانوں میں اعلیٰ حضرت کے مقابل کذب بیانی اور افتراء پردازی کا طوفان برپا ہے کہ وہ فسادی، جھگڑالو، لڑاکو، مغرور اور جانے کیا کیا تھے۔ آنکھ والے آئیں اور دیکھیں کہ فساد کی آگ کدھر بھڑک رہی ہے اور اصل فسادی، جھگڑالو، فتنہ پرور، مفتری اور مغرور کون ہے؟

کاش کہ دعوت و تبلیغ کے پر رسیا اپنی بے روح محنت کو شرمندۂ معنی بنا سکتے اور خشیت الٰہی و محبت و رسالت پناہی کی حقیقی دولت بارگاہ اعلیٰ حضرت سے کسب کر سکتے تو یقیناً اس دعوت گاہ ایمان و سنیت اور میخانۂ عشق رسالت سے حوصلہ سے زیادہ لے کر واپس ہوتے۔ مگر کاتب تقدیر کے اس فیصلہ کو کون بدل سکتا ہے کہ کردار سازی کے پردہ میں "کردار کشی" کی یہ معاندانہ کوشش لوٹ کر خود انہیں کے لیے "رسوائی" کا سامان اور "شکستگی کردار" کا عنوان بننے والی تھی۔

کیا خوب کہا ہے کسی نے:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ   دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اس اجمال کی تفصیل کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مولانا ندوی کا اصل مضمون مع ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ اس کے بعد واقعات اور حقائق کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جائے۔

۱۔ اصل مضمون ۔ المفتی احمد رضا بریلوی

الشیخ العالم المفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی الافغانی الحنفی البریلوی المشهور بعبد المصطفیٰ ولد یوم الاثنین عاشر شوال سنة اثنین وسبعین ومأتین بعد الالف ببلدة بریلی، واشتغل بالعلم علی والده ولازمه مدة طویلة حتی برع فی العلم وفاق اقرانه فی کثیر من الفنون لاسیما الفقه والاصول وفرغ من تحصیله سنة ست وثمانین۔

ترجمہ: مفتی احمد رضا بریلوی شیخ عالم مفتی احمد رضا ولد نقی علی ولد رضا علی افغانی حنفی بریلوی معروف بعبد المصطفیٰ (رحمہم اللہ تعالیٰ)
۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ کو اتوار کے دن بریلی میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز اپنے والد سے کیا۔ عرصہ دراز تک انہیں کے زیر تعلیم و تربیت رہ کر ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے۔ اور مہارت حاصل کی حتیٰ کہ بیشتر علوم و فنون خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

وله اربع عشرة من عمره، وسافر للحج مع والده سنة ست وثمانین ومأتین والف، ثم حج سنة خمس وتسعین واسند الحدیث عن السید احمد زینی دحلان الشافعی المکی والشیخ عبد الرحمن سراج مفتی الاحناف بمکة والشیخ حسین بن صالح جمل اللیل، ثم رجع الی الهند ومنذ ودرس مدة وسافر الی الحرمین الشریفین عدة مرات وذاکر علماء الحجاز فی بعض المسائل الفقهیة والکلامیة والف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمین۔ واجاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین، واعجبوا بغزارة علم وسعة اطلاعه علی المتون الفقهیة والمسائل الاختلافیة وسرعة تحریره وذکائه۔

(جب کہ ابھی ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی اسی سال ۱۲۸۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کا سفر کیا۔ دوسرا سفر حج ۱۲۹۵ھ میں اختیار کیا اور سید احمد زینی دحلان شافعی مکی، مکہ میں احناف کے مفتی شیخ عبد الرحمان سراج اور شیخ حسین بن صالح جمل اللیل سے حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر ہندوستان واپس ہوئے۔

اور عرصہ تک تصنیف و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ انہوں نے حرمین شریفین کا سفر متعدد بار کیا۔ دوران قیام وہاں بعض فقہی و کلامی مسائل پر علماء حجاز سے مذاکرہ کیا اور وہیں چند رسائل بھی مرتب کئے۔ نیز علماء حرمین کی خدمت میں پیش کردہ بعض سوالوں کا جواب دیا۔ جسے پڑھ کر وہ حضرات

ان کی علمی گہرائی۔ اختلافی مسائل و فقہی متون پر دسترس، سرعت تحریر اور ذکاوت طبع سے حیرت میں پڑ گئے۔

ورجع الهند واكب على التاليف وتحرير المسائل والرد على مخالفيه والافتاء وكان قد اخذ الطريقة عن السيد آل رسول الحسينى المارهروى ونال الاجازة منه

ہندوستان لوٹ کر وہ مسند افتاء پر متمکن ہوئے اور اپنے مخالفین کے رد و ابطال نیز مختلف موضوع و مسائل پر مضمون نگاری و تالیف کتب میں منہمک ہو گئے۔ آپ نے سید آل رسول حسینی مارہروی (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے بیعت و خلافت حاصل کی۔

كان متشددا فى المسائل الفقهية والكلامية متوسعا و مسارعا فى التكفير، قد حمل لواء التكفير والتفريق فى الديار الهند فى العصر الاخير وتولى كبره واصبح زعيم هذه الطائفة تنتصر له وتنتصب اليه وتحتج باقواله، وكان لا تبسامح ولا يسمع تاويل كفر من لا يوافقه على عقيدته وتحقيقه او من يرى فيه انحرافا عن مسلكه ومسلك آبائه، شديد المعارضة لائم التعقب لكل حركة اصلاحية۔

وہ فقہی و کلامی مسائل میں متشدد، تکفیر کے دائرہ کو (بات بات پر) پھیلانے والے، اور اس معاملہ میں جلد باز واقع ہوئے تھے۔ آخر عمر میں ہندوستان کے طول و عرض میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ اور اس مشغلہ میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ہم عقیدہ گروہ کے قائد بن گئے تھے۔ جو ان کی حمایت کرتا، اپنے کو ان سب سے نسبت دیتا اور ان کے اقوال سے استدلال کرتا تھا۔ وہ اس شخص کے کفر کی تاویل میں کوئی رعایت اور درگذر نہیں کرتے تھے، جو ان کی رائے اور عقیدہ کا مخالف اور ان کے ذاتی و آبائی مسلک سے منحرف ہو۔ وہ اصلاحی تحریکوں کا ہمیشہ پیچھا کرنے والے اور سخت جھگڑالو تھے۔

انعقدت حفلة "مدرسة فيض عام" سنة احدى عشرة وثلاث مائة والف فى كانپور، حضرها اكثر العلماء النابهين، وهى الحفلة التى تأسست فيها ندوة العلماء ومن اكبر اغراضها توحيد كلمة المسلمين واصلاح ذات البين بين علماء الطوائف واصلاح التعليم الدينى وحضرها المفتى احمد رضا المترجم، وخرج منها وقد قدر محاربة هذه الجمعية، فاصدر صحيفه اسماها التحفة الحنفيه لمعارضة ندوة العلماء۔

۱۳۱۱ھ میں، مدرسہ فیض عام کانپور میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اکثر اکابر علماء شریک ہوئے یہیں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی جس کے اہم اغراض و مقاصد اتحاد مسلمین علماء کے مختلف طبقوں میں تعلقات باہمی کی سدھار اور دینی تعلیم کی اصلاح تھے۔ اس اجلاس میں مفتی احمد رضا شریک ہوئے پھر اس سے علیحدہ ہو گئے اور اب وہ اس جمعیت کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے چنانچہ التحفۃ الحنفیہ لمعارضۃ ندوۃ العلماء نامی مراسلہ شائع کیا۔

والف نحو مائة رسالة وكتاب فى الرد عليها، واخذ فتاوى العلماء فى انحاء الهند، وتوقيعاتهم فى تكفير علماء الندوة فى كتاب سماها "الجام السنة لاهل الفتنة"، واخذ على ذالك توثيق علماء الحرمين، ونشره فى مجموعة "فتاوى الحرمين برجف ندوة المين" فى سنة سبع عشرة وثلاث مائة والف۔

(پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ) اس کے رد میں سو کے قریب کتابیں و رسائل مرتب کئے نیز علماء ندوہ کی تکفیر پر ہندوستان کے اطراف واکناف کے علماء سے فتوے اور دستخط حاصل کئے جنہیں "الجام السنۃ لاهل الفتنۃ" نامی کتاب کی صورت میں مرتب کیا۔ پھر اس پر علماء حرمین کی تصدیق مزید فراہم کی اور اس کے مجموعہ کو فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین کے نام سے ۱۳۱۷ھ میں شائع کیا۔

ثم انصرف الى تكفير علماء ديوبند، كالامام محمد قاسم نانوتوى والعلامة رشيد احمد الگنگوهى والشيخ خليل احمد نبھورى ومولانا اشرف على التهانوى ومن والاهم، ونسب اليهم عقائد هم منها براء، ولص على كفرهم واخذ على

ذالک توثیقات علماء الحرمین الذین لا یعرفون الحقیقة ونشرها فی مجموعة سماها "حسام الحرمین علی منحر اهل الکفر والمبین" قال فیہا "من شک فی کفرهم وعذابهم فقد کفر" واشتغل بهذا الرد والنقض والمحاربة والمعارضة لا تاخذہ فی ذالک هوادة ولا یعتریه وهن حتی اصبح التکفیر شغل الناس الشاغل وکانت مضاربات ومحاکات وفتن ومشاغبات -

پھر علماء دیوبند مثلاً امام محمد قاسم نانوتوی، علامہ رشید احمد گنگوہی، شیخ خلیل احمد سہارنپوری، مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ہمنواؤں کی تکفیر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی جانب ایسے عقائد منسوب کئے جن سے وہ لوگ بری ہیں۔ ان کے کفر پر دلائل قائم کئے اور اس پر حقیقت سے بے خبر علماء حرمین کی تصدیقات حاصل کر کے اس کے مجموعہ کو "حسام الحرمین علی منحر اہل الکفر والمبین" کے نام سے شائع کیا جس میں ان کا یہ قول بھی موجود ہے کہ "جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے"۔ اس رد وقدح میں وہ ایسے مشغول ہوئے کہ کسی قسم کی سستی اور کمزوری کو پاس تک پھٹکنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ تکفیر لوگوں کا عام مشغلہ بن گیا اور باہمی جنگ وجدل، مناظرے اور فتنہ وفساد پھوٹ پڑا۔

وکان یعتقد بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلم الغیب علما کلیا، فکان یعلم منذ بدء الخلیقة الی قیام الساعة بل الی الدخول فی الجنة والنار جمیع الکلیات والجزئیات لا تشذ عن علمه شاذة۔ ولا تخرج من احاطته ذرة، وکان یعبر عنه بقوله "علم ما کان وما یکون"، وقد صنف فی هذا الموضوع عدة رسائل منها رسالة "انباء المصطفی" ورسالة اخری باسم "خالص الاعتقاد" وله رسالة فی هذا المعنی بالعربیة سماها "الدولة المکیة" وعلق علیها حاشیة زادت علیها اضعافا مضاعفة وسماها "الفیوضات الملکیة"

ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا کلی علم رکھتے تھے۔ اور ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک بلکہ جنت ودوزخ میں ان کے مستحقین کے پہونچ جانے تک ساری کلیات وجزئیات سے باخبر تھے۔ حتی کہ نہ کوئی ذرہ ان کے احاطۂ علم سے خارج تھا۔ اپنے اس دعویٰ کی تعبیر وہ "علم وما کان وما یکون" سے کرتے تھے۔ اس موضوع پر انھوں نے متعدد رسائل تصنیف کئے۔ مثلاً رسالہ "انباء المصطفیٰ" اور خالص الاعتقاد" وغیرہ ایک رسالہ عربی میں ہے جو "الدولة المکیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر حاشیہ چڑھایا جو اصل سے کئی گنا بڑھ گیا۔ اس کا نام "الفیوضات الملکیہ" رکھا۔

وکان ینتصر للرسوم والبدع الشائعة وقد الف فیها رسائل مستقلة والف رسائل فی الاستمداد والاستعانة بالاولیاء اللہ واهل القبور، وکان مع ذالک یری حرمة سجدة التحیة والف فیها رسالة سماها "الزبدة الزکیة تحریم سجود التحیة" وهی رسالة جامعة تدل علی غزارة علم وقوة استدلاله۔

وقت کے مروج رسوم وبدعات کی حمایت کرتے تھے جس پر انھوں نے مستقل رسائل مرتب کئے۔ اولیاء اللہ اور اہل قبور سے مدد طلب کرنے کے جواز پر بھی رسائل تحریر کئے۔ اس کے باوجود سجدہ تعظیمی کو حرام خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اس پر ایک رسالہ "الزبدة الزکیہ تحریم سجود التحیہ" قلم بند کیا جو علاوہ جامع ہونے کے ان کی وقت علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔

وکذالک کان ینتصر الاعیاد التی تقوم علی القبور ویسمیها اهل الهند "الاعراس" ومع ذالک یحرم الغناء بالمزامیر ویحرم الصنع الضرائح منسوبة الحسین علیه وعلی آبائه السلام التی یصنعها اهل الهند بالقرطاس ویسمونها "تعزیة"

اسی طرح وہ قبروں پر ہونے والے ان اجتماعات کی حمایت کرتے تھے جنہیں اہل ہند "عرس" کہتے ہیں۔ لیکن مزامیر کے ساتھ قوالی حرام سمجھتے تھے۔ نیز حسین علیہ وعلی آبائہ السلام کی طرف منسوب قبروں کا بنانا حرام سمجھتے تھے جنہیں ہندوستانی لوگ کاغذ سے تیار کر۔

اور "نعزیہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

کان عالماً متبحراً، کثیر المطالعة، واسع الاطلاع له قلم سیال وفکر حافل فی التالیف، تبلیغ مولفاته ورسائله علی روایة بعض مترجمیه خمس مائة مولف اکبرها "الفتاویٰ الرضویة" فی مجلدات کثیرة ضخمة کان قوی الجدل شدید المعارضة شدید الاعجاب بنفسه وعلمه، قلیل الاعتراف بمعاصریه ومخالفیه، شدید العناد والتمسك برائه۔

وہ ایک متبحر عالم تھے جن کی معلومات وسیع اور مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ وہ ایک رواں دواں قلم اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ اپنے تذکرہ نویسوں کے قول کے مطابق وہ ۵۰۰ تک پہونچنے والے رسائل و تالیف کے مولف تھے جن میں سب سے بڑی اور بہت سی ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب "فتاوی رضویہ" ہے۔ وہ بڑا جنگجو، سخت لڑاکا اور اپنے علم و دولت پر بیحد مغرور تھا۔ اپنے ہمعصروں اور مخالفوں کا کم ہی اعتراف کرتا تھا۔ انتہائی بغض رکھنے والا اور ہٹ دھرم تھا۔

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته ویشهد بذالك مجموع فتاواه وکتابه "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" الذی الفه فی مکة سنة ثلاث وعشرین وثلاث مائة والف وکان راسخا طویل الباع فی العلوم الریاضیة والهیئة والنجوم والتوقیت۔

فقہ حنفی اور اس کی جزئیات سے آگاہی رکھنے والا ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا جس پر ان کا مجموعہ فتاوی اور کتاب "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" شاہد ہے۔ جو مکہ میں ۱۳۲۳ھ میں تحریر کی گئی تھی، وہ علوم ریاضی ہیئت، نجوم اور توقیت پر حاوی تھے۔

هلماً بالرمل والجفر، مشارکاً فی اکثر العلوم، قلیل البضاعة فی الحدیث والتفسیر یغلو کثیر من الناس فی شانه فلیعتقدون انه کان مجدد المائة الرابعة عشرة۔

مات لخمس بقین من صفر سنة اربعین وثلاث مائة والف۔

رمل اور جفر میں دخل رکھتے تھے اور دوسرے بہت سے علوم میں ان کا حصہ تھا۔ لیکن حدیث و تفسیر میں کم مایہ تھا۔ بہت سے لوگ ان کی شان میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور ان کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ میں وہ مر گئے۔

مذکورہ بالا مضمون کے اصل اور ترجمہ کے الفاظ و معانی کی جو آئینہ بندی کی ہے اس میں مولانا ندوی کا منعکس خد و خال سے کتنی مطابقت پیدا کر سکا ہے ہم ذیل میں اسی کی ایک جھلک پیش کرنا چاہتے ہیں۔

شروع مضمون میں چند سطروں کے اندر جیسا کہ قارئین مطالعہ کر چکے ہیں، اعلیٰ حضرت کا مختصر نسب نامہ، سن ولادت اور اپنے والد محترم ہی کے زیر سایہ تعلیمی مشغلہ کا ذکر ہے۔ جس کے بعد ان کی تعلیمی فراغت اور علمی صلاحیت کا اظہار حسب ذیل لفظوں میں کیا گیا ہے۔

حتی برع فی العلوم وفاق اقرانه فی کثیر من الفنون لاسیما الفقه والاصول ......

(ترجمہ) یہاں تک کہ فراغت و مہارت حاصل کی اور بہت سے علوم و فنون خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

یہ جملے مضمون کے ابتدائی حصہ سے ماخوذ ہیں جو بریکٹ سے پہلے ہے۔ اس لئے ہم انہیں اصل مولف مولانا عبد الحئی کے خیالات کا ترجمان سمجھنے میں موصوف نے واشگاف الفاظ میں اعلیٰ حضرت کے زمانہ کے ہزاروں علماء پر ان کی علمی فوقیت کو تسلیم کیا ہے۔ جن میں کوئی استاذ الاساتذہ تھا تو کوئی علامہ دوراں، کوئی امام معقولات تھا تو کوئی شیخ تفسیر و حدیث، کوئی فقیہ النفس کے بھاری بھرکم خطاب سے نوازا جاتا تھا تو کوئی شیخ الہند، شیخ الاسلام اور حکیم الامت کے لقب سے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سنہرے دور علم و فضل کو ایسے ایسے اساتذہ اور ائمہ علوم و فنون نے عزت بخشی تھی جن کے فضل و کمال کا سکہ ممالک

کے گوشے گوشے حتیٰ کہ اعاظم علماء عرب کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم ذیل میں ان ہزاروں فضلاء وقت میں سے چند اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں تاکہ اس مبارک زمانہ کی ایک جھلک ہمارے قارئین کے سامنے آجائے۔

اعلیٰ حضرت کے ہمعصر علماء

(۱) مولینا نور احمد بدایونی (م ۱۳۰۲ھ) (۲) مولینا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ)

(۳) ابو الحسنات مولینا عبد الحئی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) (۴) مولینا شاہ عبد الرزاق فرنگی محلی (م ۱۳۰۷ھ)

(۵) مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۳۱۱ھ)

(۶) مولینا عبد الحق خیر آبادی (م ۱۳۱۸ھ)

(۷) تاج الفحول مولینا شاہ عبد القادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ)

(۸) مولینا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ)

(۹) استاذ العلماء مولینا ہدایت اللہ خاں جونپوری (م ۱۳۲۶ھ)

(۱۰) مولینا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۳ھ)

(۱۱) استاذ العلماء مفتی لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ)

(۱۲) مولینا علی احمد محدث سہارنپوری محشی بخاری (م ۱۲۹۷ھ)

(۱۳) مولینا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)

(۱۴) مولانا محمد مظہر نانوتوی صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (م ۱۳۰۲ھ)

(۱۵) نواب صدیق حسن قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)

(۱۶) مولینا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ)

(۱۷) مولینا احمد حسن امروہوی (م ۱۳۳۰ھ)

(۱۸) مولینا نذیر حسن دہلوی (م ۱۳۲۰ھ)

(۱۹) مولینا عبد الرحیم رحیم آباد مظفر پوری (م ۱۳۳۰ھ)

(۲۰) مولینا عبد اللہ غازی (م ۱۳۲۷ھ)

(۲۱) مولینا خلیل احمد انبیٹھوی (م ۱۳۴۶ھ)

(۲۲) مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ)

(۲۳) مولینا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ)

(۲۴) مولوی محمد یعقوب نانوتوی صدر المدرسین مدرسہ دیوبند

(۲۵) مولوی رفیع الدین مہتمم مدرسہ دیوبند

(۲۶) مولوی محمود حسن استاد مولوی حسین احمد ٹانڈوی

(۲۷) مولوی حسین احمد ٹانڈوی

یوں تو علماء میں سے ہر ایک آسمان علم وفضل کے ماہ وانجم تھے لیکن ان میں بھی علماء اہلسنت میں استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری، تاج الفحول مولینا عبد القادر بدایونی اور ابو الحسنات مولینا عبد الحئی فرنگی محلی وہ جامع کمالات اور نازش علم وفضل تھے جن کی عظمت وجلالت کا اعتراف اعاظم علماء عرب بھی کرتے تھے۔ دوسری طرف علماء دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولینا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولینا اشرف علی تھانوی جیسے اقران واتباع بزبان دیوبند شیخ الہند، شیخ الاسلام امام وقت اور حکیم الامت تھے۔

مولینا عبد الحئی حسنی کے قول کے مطابق ان تمام اجلۂ علماء پر اعلیٰ حضرت کو فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ گویا مولانا عبد الحئی کو خود اعتراف ہے کہ ان علماء میں اگر کوئی استاذ العلماء امام دوراں اور صدر نشین علم وفضل ہے تو اعلیٰ حضرت اس محفل علماء میں استاذ الاساتذہ، شیخ الشیوخ، امام الائمہ اور صدر الصدور کے مسند عظیم پر متمکن ہیں۔

الفضل ما شہدت بہ الاعداء

مضمون کے مذکورہ بالا ابتدائی سطروں کے بعد متعدد صفحات پر مشتمل سارا مضمون مولینا علی ندوی کا اضافہ وتکملہ ہے جو بریکیٹ میں ہے آپ نے اعلیٰ حضرت کی فطری ذکاوت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے "ولہ اربع عشرۃ من عمرہ" (ترجمہ) ان کی عمر ۱۴ سال ہی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے لیکن خود اعلیٰ حضرت کی تحریر اور آپ کے مستند سوانح نگاروں کے مطابق آپ کی فراغت کی عمر ۱۳ سال، ۱۰ ماہ اور ۵ دن کی تھی۔ اگلے جملہ میں آپ نے اعلیٰ حضرت کے پہلے سفر حج کا ذکر مندرجہ ذیل لفظوں میں کیا ہے۔ "وسافر للحج مع والدہ سنۃ ست وثمانین ومائتین والف" (ترجمہ) ۱۲۸۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ سفر حج اختیار کیا۔ اعلیٰ حضرت کا یہ پہلا سفر حج تھا جو دراصل ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں وقوع پذیر ہوا۔ نہ کہ ۱۲۸۶ھ میں جیسا کہ مولینا ندوی نے تحریر کیا ہے۔

آگے آپ اعلیٰ حضرت کے دوسرے سفر حج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ثم حج خمس وتسعین واسند الی آخرہ (ترجمہ) دوسرا حج ۱۲۹۵ھ میں کیا اور (اعاظم علماء حرمین شریفین سے) اسناد حاصل کیں۔

یہاں بھی مولانا سے دو غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔

(۱) آپ نے دوسرے حج کا سال ۱۲۹۵ھ بتایا ہے حالاں کہ صحیح اور مستند سال ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء رہے۔

(۲) علماء حجاز سے اسناد و اجازات پہلے سفر حج کے موقع پر حاصل کی گئی تھیں لیکن نہایت بے پروائی سے ان واقعات کو دوسرے سفر حج میں شامل کر دیا گیا ہے[1]۔ اس کے بعد مولانا ندوی فرماتے ہیں وسافر الی الحرمین الشریفین عدۃ مراتٍ (ترجمہ) انہوں نے حرمین شریفین کا متعدد بار سفر کیا۔ اعلیٰ حضرت کے متعدد سوانحات اور تذکروں سے میں نے رجوع کیا لیکن کہیں بھی مذکورہ بالا دو کے علاوہ اور کسی سفر حج کا تذکرہ نہیں ملتا جس کی مزید تصدیق خود مولانا ندوی کے جملہ مابعد سے ہوتی ہے جو حسب ذیل ہے۔

وذاکر علماء الحجاز فی بعض المسائل الفقہیۃ والکلامیۃ (ترجمہ) اور (اسی دوران) علماء حجاز سے بعض فقہی اور کلامی مسائل پر گفتگو کی۔

علمائے حجاز سے گفتگو اور دوسرے اہم واقعات دوسرے سفر حج سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مولانا ندوی نے "عدۃ مراتٍ" کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

مذکورہ بالا چند ہی سطروں میں مولانا علی میاں جیسے وقیع سیرت نگار سے اتنی بہت سی غلطیاں نہایت افسوس ناک اور غلط ذرائع معلومات پر تکیہ کرتے ہوئے اپنے فرائض سے روگردانی کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے دونوں سفر حج کی اہم تفصیلات پیش کر دی جائیں۔

پہلا سفرِ حج

یہ سفر اعلیٰ حضرت کے عنفوان شباب میں پیش آیا اتنی کم عمری میں علوم و فنون پر ایسی دسترس! اکابرین علماء حجاز حیرت و استعجاب میں پڑ گئے چنانچہ انھوں نے نہایت محبت اور عقیدت میں ڈوب کر اعلیٰ حضرت کو حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دوسرے علوم کی اسناد اور اجازت سے سرفراز فرمایا ایسے بیشتر واقعات میں سے ہم صرف ایک واقعہ مثالاً درج کرتے ہیں۔ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمل اللیل ایک دن بعد نماز مغرب حرم شریف سے واپس آ رہے تھے بغیر کسی تعارف کے اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی ان کا ہاتھ تھام لیا اور دیر تک ان کی پیشانی کو پکڑے ہوئے انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین کے نورانی الفاظ سے نوازتے رہے بعد میں آپ نے صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت مرحمت فرمائی[2]۔ اسی سفر میں انھوں نے انہیں امام وقت کی ایما پر رسالہ "جوہرہ مضیئہ" کی بسیط شرح محض دو دن میں لکھ کر "النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ" کے نام سے پیش فرمایا اور شیخ موصوف سے بھرپور داد تحسین حاصل کی ساتھ ہی اس پر نہایت مفید، مدلل اور مفصل تعلیقات اور حواشی بڑھا کر ایک مستقل رسالہ "الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ" مرتب فرمایا جسے پڑھ کر فضلاء وقت حیرت میں پڑ گئے[3]۔

دوسرا حج

اعلیٰ حضرت کا یہ سفر بے حد اہم اور تاریخی تھا اس کے اہم مختصرات حسب ذیل ہیں۔

پہلے حج کے موقع پر اعلیٰ حضرت کی علمی جلالت و جامعیت سے اکابرین علماء حرمین شریفین بے حد متاثر ہو چکے تھے، ہندوستان لوٹنے کے بعد ندوۃ العلماء کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آپ نے اس کے تاسیس اجلاس میں شرکت فرمائی لیکن وہاں اسلام کی کھلی ہوئی اہانت اور سراسر نقصان کو دیکھ کر دیگر علمائے اہلسنت کے ساتھ اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور دلائل شرعیہ قاہرہ پر مشتمل فتاوی "الجام السنۃ لاھل الفتنۃ" شائع فرمایا۔ علماء حرمین شریفین نے اسے پڑھ کر آپ کی علمی گہرائی اور قوت استدلال کا برملا اعتراف کرتے ہوئے موثر تصدیقات اور عظیم خطابات سے نوازا۔ یہ تصدیقات اس کثرت سے حاصل ہوئیں کہ انہیں الگ "فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین" کے نام سے شائع کرنا پڑا۔ اس سفر کا بے حد اہم اور بعض علماء دیوبند کے "سیاسی کردار" کا عکاس علماء حرمین سے آپ کا وہ تاریخی مذاکرہ ہے جو بقول اکابر علماء حرمین علم

---

[1] فاضل بریلوی ص۳۳   [2] مجدد اسلام ص۴۶، ۴۷

غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض ہندی مفسدوں کے اٹھائے ہوئے سوالات پر مبنی تھا جس کے نتیجہ میں ۸½ گھنٹے میں الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ جیسی مشہور عالم کتاب وجود میں آئی۔ اس کے دلائل و براہین اور حوالوں نے انہیں مبہوت کر دیا چنانچہ ان کی عقیدت اور گرویدگی اتنی بڑھ گئی کہ نہ صرف عقیدت بھری تقاریظ اور عظیم الشان خطابات سے نوازا بلکہ حصولِ اسناد و اجازت کے لئے اس قدر شوق و ذوق کا اظہار کیا کہ ۵ ماہ کے طویل قیام کے دوران بھی یہ سلسلہ ادھورا ہی رہا اور بہت سے ایسے وعدے ہندوستان لوٹ کر پورے کئے گئے سند و اجازت کے لئے والہانہ ذوق و شوق اور بے تابانہ محبت و عقیدت سے لبریز یادگار نیاں آج بھی "اجازات" وغیرہ کتابوں کی شکل میں محفوظ ہیں ۔[۳]

مذکورہ بالا مذاکرہ پر اعلیٰ حضرت کے ارشادات کے اہم خلاصے حسب ذیل ہیں۔

مکہ معظمہ میں معلوم ہوا کہ مولوی خلیل احمد اور دیگر حضرات آئے ہوئے ہیں ان لوگوں نے شریف مکہ تک رسائی پیدا کر کے مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے اور چند سوالات مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال کی خدمت میں پیش کئے ہیں ... میں مولوی عبد الاحد کے ساتھ شیخ کے پاس پہنچا اور مسئلہ علم غیب پر دو گھنٹے تقریر کی ..... شیخ خاموش سنتے رہے .... الماری سے نکال کر ایک پرچہ دیا جس میں "اعلام الاذکیا" پر استفسار تھا .... اس کا جواب لکھنے کے لئے فرمایا یہ پرچہ لے کر میں چلا آیا ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو کتب خانہ حرم میں پھر ملاقات ہوئی ..... اس بار شیخ نے علم غیب پر ۵ سوالات کا استفتاء عنایت فرمایا اور کہ وہابیہ نے شریف مکہ کی معرفت آپ سے جواب طلب کیا ہے۔

میں نے جواب لکھنا شروع کیا۔ اسی دوران عالم جلیل مولانا شیخ احمد ابو الخیر میرداد کی طلبی پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے چند اوراق سماعت فرما کر بحث علم خمس بڑھانے کی ہدایت کی۔ واپسی میں ادباً زانوئے مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت نے یوں بزرگی فرمایا۔ انا اقبل ارجلکم، انا اقبل نعالکم (میں تمہارے قدموں کو بوسہ دوں۔ میں تمہاری جوتیوں کو بوسہ دوں) [۵]

مذکورہ سوال ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا تھا جنہوں نے دِل کھول کر اللہ و رسول کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں .... انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں .... زیارت میں مشغول۔ مولیٰ و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی جلدی .... انہوں نے سوال اس طمع پر اٹھایا کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دِل کا لگا ہونا، کتابیں پاس نہ ہونا مجھے اظہارِ جواب سے روک دے گا [۶]

شیخ کمال نے دو دِن کے اندر جواب پورا کر لینے کی ہدایت کی۔ شانِ الٰہی کہ دوسرے دِن سے بخار نے عود کیا۔ اسی حالت تپ میں تصنیف شروع کی اسی دِن شیخ ابو الخیر کی خدمت میں حاضری کا مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا۔ لوٹ کر اسی شب جواب میں بحث خمسہ بڑھایا۔

دوسرے دِن صبح ہی مولانا سید عبد الحیٔ ابن مولانا سید عبد الکبیر محدث ملک مغرب تشریف لائے۔ علوم حدیث کی اجازتیں لکھوائیں، ظہر تک رہے، ساتھ نماز پڑھی اور عازم طیبہ ہوئے دن کا بڑا حصہ خالی گیا .... بخار بھی ہے۔ بحمد اللہ تعالےٰ باقی وقت میں نماز عشا تک کل ۸½ گھنٹہ میں کتاب کی تکمیل ہو گئی [۱]

اس کا تاریخی نام "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" رکھا ... شیخ کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے شریف کو دربار میں پیش کر دیا۔

---

(۳) فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۷۱، ۲۰۷ بحوالہ الملفوظ مولفہ مصطفےٰ رضا خان حصہ دوم ص: ۲، ۱۶۰ (۶) فاضل بریلوی (خلاصہ) ص م۔ بحوالہ الدولۃ المکیۃ ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱ (۱) فاضل بریلوی، ص ۱۰۳ (۱) مجدد اسلام: ص ۴۹ [۲] تفصیل کے لئے الدولۃ المکیۃ، حسام الحرمین، البنوۃ الاجازۃ اور فاضل بریلوی وغیرہ کتب کا مطالعہ فرمائیں ص ۱۷۱، فاضل بریلوی: ص ۹۳ ص ۹۵۔ بحوالہ تذکرہ علماء ہند مولفہ رحمان علی ص ۹۸ ص ۹۹ (۲) اعلیٰ حضرت (بریلی)

پڑھنے کا حکم ہوا۔ شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ دربار میں دو وہابی موجود تھے "احمد فقیہ اور عبدالرحمان"..... دونوں بیچ میں لقمے دیتے۔ مگر شریف مکہ کی تہدید پر خاموش ہو جاتے..... نصف شب تک نصف رسالہ پڑھا گیا۔ شریف بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہا۔ اللہ یعطی وھؤلاء یمنعون (اللہ تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب فرماتا ہے اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں).....

وہابیہ کو یقین ہو گیا کہ یہاں ان کی کچھ پیش نہ چلے گی۔ چنانچہ انہوں نے گورنر مکہ سے رجوع کیا..... کہ ہندوستان سے ایک عالم آیا ہے اس نے عقیدے بگاڑ دیئے ہیں۔ شیخ محمد سعید بابصیل، شیخ صالح کمال، مولانا ابوالخیر میرداد اس کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ گورنر نے یہ الفاظ سنے تو کہا

"اذا کان ھؤلاء معہ فھو لیفسد او یصلح (جب یہ حضرات اس کے ہمنوا ہیں تو وہ مفسد ہے یا مصلح؟) مخالفین خاموش ہو گئے[۲]

مذکورہ بالا بیان کی تصدیق و تائید مولانا شیخ اسماعیل بن خلیل کے حسب ذیل بیان سے ہوتی ہے۔

شیخنا العلامۃ المجدد شیخ الاساتذہ علی الاطلاق المولوی شیخ احمد رضا خاں صاحب ۱۳۲۳ھ میں حج کے لئے تشریف لائے، بعض فاسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے تو مولانا نے اللہ تعالٰی ان کی تائید کرے..... وہ جواب لکھا جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر فاسق و گمراہ بے نور کو ذلیل و خوار کیا[۳]

حضرت امام احمد رضا خاں جواب سے فارغ ہوئے تو شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے۔ سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے..... شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں۔

یہاں تک کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ شریف مکہ کے ملازم نے درخواست کی کہ حق شیخ میں (اعلیٰ حضرت کے ساتھ) ایک گونہ اہانت جاری کرنے کی اجازت دیں۔ شریف مکہ نے انکار کر دیا اور فرمایا:-

"ایسے امر کا اجراء کیوں کر ہو سکتا ہے، حالاں کہ تمام علماء اس کی مدد پر قائم ہیں اور وہی کہہ رہے ہیں جو وہ کہتا اور ہم سب کا رجوع علماء ہی کی طرف ہے اور انھیں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں[۴]

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ علماء حجاز سے اعلیٰ حضرت کے مذاکرہ کا موضوع علم غیب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا۔

اللہ پاک نے اپنے محبوب کے اس فدائی اور عاشق صادق پر قبولیت اور اعزاز و اکرام کی وہ بارش کی کہ بقول شیخ اسماعیل بن خلیل:-

علماء اور طلبہ علم نے چاروں طرف سے انہیں (اعلیٰ حضرت کو) گھیر لیا، تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی سوال کرتا، اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کے لئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے، اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے یہ ان کا حال تھا جب مکہ میں تھے[۵]

حیرت ہے کہ وہابیت اور سنیت کے بنیادی اختلافی مسئلہ پر دیوبندیوں اور وہابیوں کی طرف سے مذکورہ بالا چھیڑ چھاڑ۔ اعلیٰ حضرت کو نقصان پہنچانے کی بھرپور کوششیں اور بفضلہ تعالٰی ان کے مقابل اعلیٰ حضرت کی شاندار کامیابی اور علماء حجاز کی دیوانہ وار عقیدت کیشیاں مولانا ندوی کی نظروں سے کیوں اوجھل ہو گئیں!

---

(۲) فاضل بریلوی (خلاصہ) ص ۱۷۲ بحوالہ "الملفوظ" دوم ص ۶۲، (۳) فاضل بریلوی: ص ۱۰۳، ۱۰۵ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۶، (۴) فاضل بریلوی: ص ۱۰۵، ۱۰۶ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۱۲، (۵) فاضل بریلوی: ص ۱۰۶ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۱۱

خاص طور پر یہ بات نوٹ کرنے والی ہے کہ پہلے حج میں اعلیٰ حضرت کا علماء حرمین سے اسناد و اجازات حاصل کرنا تو یاد رہا، لیکن دوسرے حج میں صرف علماء حجاز بلکہ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے اکابر علماء کی طرف سے حل مسائل، اسناد و اجازات حتیٰ کہ دست بوسی اور قدم بوسی کے لئے اعلیٰ حضرت کو دیوانہ وار گھیر لینے کے حیرت ناک واقعات نظر انداز کر دیئے گئے۔

سیرت نگاری میں انصاف و دیانت کے امتحان کا اصل مقام وہی ہوتا ہے جب اپنے مخالف کی سیرت بیان کرتے ہوئے وہ نازک مرحلہ آجائے جہاں صاحب سیرت کی زندگی کا نقطہ عروج اور سیرت نگار کے ذاتی عقائد میں ٹکراؤ کی نوبت پیش آگئی ہو!

افسوس کہ آزمائش کے اس سخت مرحلہ پر مولانا علی میاں بے قابو ہو گئے ہیں اور انہوں نے جذبات کے ہاتھوں انصاف کی عصمت کو مجروح کرتے ہوئے آسمان علم وفضل کے چمکتے ہوئے سورج پر خاک ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے جیسے ان کی تقدس مآب شخصیت اور ان کے منصب سیرت نگاری سے جوڑنا بڑا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:

وألف بعض الرسائل أثناء إقامته بالحرمين وأجاب عن بعض المسائل التي عرضت على علماء الحرمين وأعجبوا بغزارة علمه وسعة اطلاعه على المتون الفقهية والمسائل الخلافية وسرعة تحريره وذكائه

(ترجمہ) حرمین کے قیام کے دوران بعض رسائل مرتب کئے اور علماء حرمین پر پیش کئے چند سوالوں کا جواب دیا جس پر وہ حضرات ان کی علمی گہرائی، اختلافی مسائل و فقہی متون پر دسترس سرعت تحریر اور ذکاوت سے حیرت میں پڑ گئے۔

یہاں بھی مولانا ندوی متضاد جذبات کے شکار ہیں۔ وہ سنیت اور وہابیت کی تاریخی معرکہ آرائی، اعلیٰ حضرت کے دندان شکن جوابات اور یادگار کامیابی پر الف بعض الرسائل اور اجاب عن بعض المسائل کے معمے پیش کر کے قاری کو حقیقت حال سے بے خبر رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف حقیقت حال کو چھپانے سے قاصر رہ کر اعلیٰ حضرت کے حیرت انگیز کارناموں پر علماء حرمین کے ناقابل قدر تاثرات کو دبا کر اپنے منصب کا دفاع بھی کر رہے ہیں۔!!

دوسرے حج کے دوران اعلیٰ حضرت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:-

۱- الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، کراچی کی مطبوعہ، علاوہ تقریظات تین سو صفحات کی یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے بڑے حصے میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر بحث کی گئی ہے جو آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایسے دلائل قاہرہ و براہین قاطعہ پر مبنی ہے۔ کہ مخالفین مبہوت اور خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔

دوسرے حصے میں ان سوالوں کے جوابات دیئے گئے جو مولانا شاہ سلامت اللہ کی کتاب "اعلام الاذکیا" کی ایک عبارت اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے "خطبہ مدارج النبوۃ" سے تعلق رکھتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس حج کے دوران مولانا خلیل احمد انبیٹھوی جو غالباً طے شدہ منصوبے کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے تعاقب میں ہندوستان سے مکہ معظمہ پہونچے تھے اور مولوی حسین احمد ٹانڈوی جو پہلے سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، حرمین کی فضا کو اعلیٰ حضرت کے خلاف تیار کرنے میں شب و روز مصروف تھے اور جو بعد میں اعلیٰ حضرت کے مسکت جوابات سے قاصر ہو کر جھوٹے الزامات اور بے بنیاد اتہامات پر اتر آئے مثلاً ان کے کھلے بہتانوں میں سے ایک یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے معاذ اللہ برابر قرار دیتے ہیں۔ چال بڑی ہوشیاری سے چلائی گیا تھا چنانچہ شریف مکہ نے ان کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ان کے ایماء پر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۵ سوالات بھیجے اور جلد سے جلد جواب طلب کیا۔ یہ اعلیٰ حضرت کی زندہ کرامت اور ان کے آقا و مولیٰ کی عنایت بے غایت ہی تو تھی کہ بیش از بیش مصروفیات، بخار کی حالت، اکابر

علماء سے طویل ملاقاتیں کعبۂ جسم سے کعبۂ جان کی طرف سفر کی تیاریاں، حوالہ کی کتابوں کی عدم موجودگی پھر بھی محض ۸ ½ گھنٹہ میں کتاب کو مکمل کر کے پیش کر دیا۔ جس پر نہ صرف شریف مکہ بلکہ مقامی و بیرونی تمام علماء کبار حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے اور نہایت پر شکوہ الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرنے لگے۔

بے بنیاد الزام کا مذکورہ دعویٰ مبالغہ یا بد گمانی پر مبنی نہیں۔ شیخ سید اسماعیل بن خلیل مکی اس جھوٹے بہتان کی بخیہ دری کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بلکہ ایک اور نے اپنی تحریر میں یہ جھوٹ باندھا اور بہتان لگایا کہ حضرت احمد رضا نے اپنے رسالے میں، جو اس سوال کے جواب میں لکھا، یہ حکم لگایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیر متناہی بالفعل سے متعلق ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مثل علم الٰہی کے ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ حاشا للہ ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کوئی بات کہی ہو کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ رسالہ خود ہمارے ہاتھ میں ہے [1]

اعلیٰ حضرت نے اس عظیم بہتان کو ایسا واشگاف فرمایا اور علم الٰہی و علم رسول میں فرق و امتیاز کی اتنی تنقیح بیان فرمائیں نیز علم رسول کی بے پایاں وسعت پر ایسے ٹھوس دلائل و براہین پیش فرمائے کہ مخالفین کا سارا مکر و فریب بے نقاب ہو کر خود انھیں کے لئے سامان رسوائی بنا اور دوسری جانب حرمین شریفین میں موجود مقامی و بیرونی مشاہیر علماء و فضلاء نعمت الٰہی اور آیۃ اللہ کہہ کر پروانہ وار اعلیٰ حضرت پر ٹوٹ پڑے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اعلیٰ حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جو شریک سفر تھے لکھتے ہیں:۔

"...... دوسری بار زیارت ..... اور حج کے لئے متوجہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں خوب خوب عزت و توقیر کی گئی۔ وہاں علماء و فضلاء اور مشاہیر بڑے اعزاز و اکرام سے ملے، دست بوسی کی، حدیث مسلسل بالاولیّہ سنی ..... صحاح و سنن و مسانید و معاجیم اور چاروں مصافحوں کی اجازت لی، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے۔ اور یہ تمام باتیں چھوٹی اور بڑی سب ان عمائد، علماء اور اکابر کے اصرار سے ہوئیں۔ دراصل رسالہ "الدولة المكية بالمادة الغيبية" ...... نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ برپا کر دیا۔ ... چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہو گیا" [2]

(۲) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم:۔ اعلیٰ حضرت کے فضل و کمالات سے متاثر ہو کر استفسارات کا جو غیر متناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا انھیں میں نوٹ کی شرعی حیثیت پر بھی کچھ سوالات تھے۔ خود اعلیٰ حضرت اس رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

"مکہ معظمہ کے دو علماء کرام مولینا عبد اللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاد مولینا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ دہیں لکھ دیا"۔ [3]

یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر اتنی جامع، مدلل، اور عجوبہ روزگار تھی کہ اجل علمائے کرام و فقہائے عظام نے خود پڑھا، دوسروں کو سنایا اور اصل کتاب میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبد الحئی لکھنوئی کے بعض متعلقہ مباحث کی تردید فرمائی تھی۔

بعد میں اس میں اضافات فرمائے اور جب یہ معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی اس نوٹ کے خلاف کچھ اور مباحث کا اضافہ فرمایا۔ چنانچہ خود فاضل مولف اس کی وضاحت فرماتے ہیں:۔

...... اس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ...... مولوی رشید احمد گنگوہی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم و بیش درکنار، برابر کو بھی اس کی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کا ذکر کروں اور ان کے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے اس کو بتا دوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو مباحث تازہ خیال میں آئے اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام "کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم" ...... رکھوں [4]

---

[1] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۰۹ بحوالہ "الدولة المكية" ص ۸ [2] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۷۰ بحوالہ مقدمہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم: ص ۴-۶
[3] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۵۸، ۱۵۹ بحوالہ کفل الفقیہ: ص ۱۶۶ - [4] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۶۱، ۱۶۲ بحوالہ کفل الفقیہ ص ۱۲۲، ۱۲۳ -

۳۳۔ الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیۃ:۔
یہ کتاب ان کثیر التعداد اجازات پر مشتمل ہے جو اعاظم علماء حرمین و دیگر ممالک اسلامیہ نے اعلیٰ حضرت سے حاصل کی ہیں۔

۳۴۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین:۔

حضرت مولانا شاہ احمد رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کی کتاب المعتقد المنتقد پر اعلیٰ حضرت نے تعلیقات کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام المعتمد المستند رکھا جو سنہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں مکمل ہوئی۔ اس کا خلاصہ حرمین بھیج کر تصدیقات حاصل کیں۔ ان تقاریظ و تصدیقات کو مفید اضافات کے ساتھ "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے قادیانی اور دیوبندی اقوال و اعمال پر تنقید فرمائی ہے۔

دوسرے سفر حج سے اس کتاب کا تعلق یہ ہے کہ اس سفر میں اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ کا خلاصہ ۲۱ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۳ھ کو علماء حرمین کے سامنے پیش فرمایا۔ انھوں نے اس پر بھی محبت و عقیدت میں ڈوب کر تقریظیں تحریر فرمائیں۔

القاب و آداب، عہدہ اور وطن کی قید کے ساتھ ۳۳ علماء عظام کے اسمائے گرامی صاحب "فاضل بریلوی" نے بھی نوٹ فرمائے ہیں۔[۳۴]
حق و باطل کی اس تاریخی معرکہ آرائی اور اعلیٰ حضرت کی عظیم الشان کامیابی کو مذکورہ بالا ریکارڈ کی موجودگی میں نظر انداز کرنا تو باعث بدنامی تھا، ناچار مولانا نے معمہ گوئی کی راہ اختیار کی اور "الدولۃ المکیۃ" ... "جاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین" کی تھپکیاں دیتے ہوئے اپنی پر سیاست فراخ ذہنی پر علماء حرمین کے تاثرات "واعجوا الغزارۃ علمہ وسعۃ اطلاعہ علی المتون الفقہیۃ والمسائل الخلافیۃ وسرعۃ تحریرہ وذکائہ" کی مہر ثبت فرمادی تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔

اس کے بعد ایک دو سطر میں مولانا ندوی نے اعلیٰ حضرت کی حج سے واپسی شغل تصنیف و تالیف، فتویٰ نویسی اور بیعت و اجازت پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں بھی مولانا ندوی لڑکھڑائے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے افتاء کا کام سنہ ۱۲۸۶ھ سے شروع کر دیا تھا لیکن مولانا نے اس کو دوسرے سفر حج (سنہ ۱۳۲۳ء) بلکہ اور دوسرے اسفار حرمین کے بعد اس کا پہلی بار ذکر فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ آغاز افتاء سنہ ۱۳۲۴ھ یا اس کے بھی بعد سے ہوا۔ جو سن و تاریخ کی فاش غلطی کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی فطری ذکاوت اور شان عبقریت کو گھٹانے کے افسوس ناک جذبہ کا بھی غماز ہے۔ اور جو مولانا کی زبان زد خاص و عام لیک (اور "احتساب پسند" حضرات کی زبان میں سیاست و مصلحت اور دینی مداہنت) سے مطابقت نہیں رکھتا ہے کہتے ہیں کہ بغض و عناد اخلاقی قدروں کو گرا دیتا ہے۔ ممکن ہے یہاں بھی اسی کی کارفرمائی ہو!

اعلیٰ حضرت کے حیرت انگیز فضل و کمال، روانئ قلم اور ذکاوت طبع پر علماء حرمین کی شدتِ جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ اچانک ہمارے مولانا کو اپنی مدح سرائی کا احساس ہوا لہٰذا بہکے ہوئے قدموں کو سنبھالتے ہوئے دل بے اختیار کو سمجھانے لگے کہ ذاتی تاثر نہ سہی، علماء حرمین کی ترجمانی ہی سہی اخلاص کی نور بار فضا میں نہ سہی سیاست کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے رنگ میں سہی عقیدت کیشی اور محبت پاشی کی خوشبو تو بہرحال پھیلے گی۔ اور یہ کسی شکل میں گوارا نہیں۔ لہٰذا اس عطر بیز فضا کو مکدر کرنے کے لئے انھوں نے بھاری بھرکم مہر لگا دی کہ کم سے کم فدویوں اور وفاداروں کو تو بہکنے سے بچا لیا جائے اس کوشش میں آپ کے بھڑکتے ہوئے آتش عناد کے شعلے اتنے بلند ہوئے کہ:۔

---

[۳۴] فاضل بریلوی: صفحات ۴۰۱، ۴۲۱، ۴۳۱، ۴۳۴۔

زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجئے دہن بگڑا

کی آواز نصیحت بھی ان کے فراٹوں کو دبا نہ سکی، چنانچہ وہ آتش فشاں کے بند دہانے کو کھولتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

کان متشددا فی المسائل الفقھیۃ والکلامیۃ متوسعا، مسارعا فی التکفیر والتفریق فی الدین بالعند قد حمل لواء التکفیر فی العصر الاخیر وتولی کبرہ واصبح زعیم ھذہ الطائفۃ تنتصر لہ وتنتسب الیہ وتحتج باقوالہ وکان لا یتسامح ولا یسمح بتاویل فی کفر من لا یوافقہ انحرافا عن مسلکہ ومسلک آبائہ شدید المعارضۃ دائم التعقب لکل حرکۃ اصلاحیۃ

(ترجمہ) وہ فقہی و کلامی مسائل میں متشدد، دائرہ تکفیر کو (زیادہ سے زیادہ) پھیلانے والے اور اس معاملہ میں نہایت ہی جلد باز تھے۔ آخر عمر میں دیارِ ہند میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا اٹھالیا تھا، اس کوشش میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا حتی کہ وہ اپنے ہم مشرب لوگوں کے قائد بن گئے تھے جو ان کی حمایت کرتے اپنے کو ان سے نسبت دیتے اور ان کے اقوال سے استدلال کرتے تھے۔ وہ (اعلیٰ حضرت) اس شخص کے کفر کی تاویل کو ہرگز قبول نہ کرتے اور نہ اسے کوئی رو رعایت دینے کو تیار ہوتے جو ان کی رائے اور عقیدہ کا مخالف اور ان کے ذاتی و آبائی مسلک سے منحرف ہوتا وہ سخت جھگڑالو تھے اور اصلاحی تحریکوں کے ہمہ وقت پیچھے پڑے رہتے تھے۔

مولانا نے اس موقع پر جھوٹے الزامات کی جو پے در پے گولہ باری کی ہے، انہیں ترتیب دیا جائے تو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) فقہی و کلامی مسائل میں متشدد تھے (۲) معمولی معمولی باتوں پر تکفیر کا فتویٰ دے کر اس کے دائرہ کو پھیلاتے رہتے تھے۔

(۳) تکفیر میں جلد باز بھی بیحد تھے۔ (۴) آخر عمر میں ہندوستان کے چپہ چپہ پر تکفیر کا جھنڈا اٹھالیا تھا۔

(۵) ہمنواؤں کی ایک ٹولی بنالی تھی جو ان کی حمایت پر کمربستہ تھی اور ان کے اقوال کو سند کا درجہ دیتی تھی۔

(۶) کسی شخص کے اپنے ذاتی اور آبائی مسلک سے انحراف کو برداشت نہیں کرتے تھے اور اس کے کفر میں کسی تاویل کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔

(۷) سخت جھگڑالو تھے۔ (۸) اصلاحی تحریکوں کے ہمہ وقت پیچھے پڑے رہتے تھے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

آیئے اس جنون کے اس مرکز تحریک کو تلاش کیا جائے جس نے لباس شائستگی کے ایک ایک تار کو ایسا ادھیڑ کر رکھ دیا ہے کہ حیرت و حسرت بھی انگشت بدنداں اور عرق عرق ہو کر رہ گئی ہے۔

کان متشددا ...... الی آخرہ

بغض و عناد کا خاصہ ہے کہ محاسن یہاں معائب کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مولانا نے زیر بحث مضمون میں اعلیٰ حضرت کی طرف نسبت دیتے ہوئے لفظ شدت تشدد اور ان کے مختلف مشتقات جگہ جگہ بکثرت استعمال کئے ہیں۔ لیکن انہیں ایک جگہ بھی شدت میں حسن و خیر کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے اس کو نقائص و معائب کی طویل فہرست میں پہلی جگہ دی ہے اور تسکین نہیں ہوئی تو چند جملوں (بعد اسی پیراگراف میں پھر ایک جگہ شدت احساس سے بے اختیار ہو کر اظہار حال فرمایا ہے۔

سب کو علم ہے کہ شدت بذاتِ خود کچھ نہیں، نہ بھلائی ہے نہ برائی۔ یہ تو ایک کیفیت اور صفت ہے جو موصوف کے ساتھ عارض ہو کر اسی کا روپ دھار لیتی ہے

چنانچہ مثلاً شرک و کفر، فسق و فجور اور اخلاق ذمیمہ سے منسلک ہو کر اگر وہ برائی نقص و عیب کی شکل میں سامنے آتی ہے تو دین و ایمان، توحید و سنت اور اخلاق حسنہ کے کسی فرد کے ساتھ سراپائے حسن و خیر اور لائق داد و تحسین بن جاتی ہے۔

ابھی چند سطر پہلے مولانا نے علماء حرمین شریفین کے محبانہ و عقیدتمندانہ تاثرات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ فقہی متون اور اختلافی مسائل میں اعلیٰ حضرت کی وسعت نگاہی اور جامعیت الکمالات پر انگشت بدنداں ہو گئے تھے۔ یہ اختلافی مسائل کیا تھے؟ اس کی کچھ تفصیل اوپر گذر چکی ہے یعنی علماء دیوبند کا اپنی تحریروں کے ذریعہ شان الوہیت و رسالت میں گستاخی کرنا اور ان شرعی احکام اور فیصلوں کو علماء حرمین کی خدمت میں پیش کر کے ان کی شرعی رائیں اور فیصلے حاصل کرنا۔ یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ انہیں حالات میں مخالفین کی منصوبہ بند سازشوں کے نتیجہ میں علماء حرمین سے مذکورہ بالا مذاکرہ پیش آیا وہ تاریخ ساز کتابیں وجود میں آئیں جنہوں نے ان اکابرین کی آنکھیں کھول دیں اور وہ خدمت اعلیٰ حضرت میں سند اور اجازت و ارادت کے فرط جوش میں دست بوسی اور قدم بوسی تک کے جذبات نچھاور کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو شریعت حقہ کے مجرمین کے خانہ میں پا کر طبیعت پر قابو رکھنا مولانا کے لئے کیسے ممکن ہوتا؟ دین متین کے ان عدالت ہائے عالیہ میں شرعی جرائم کی مذکورہ بالا پہلی رپورٹ مولانا کی نگاہ میں کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ رپورٹ دینے والے کو ظاہر ہے کہ مولانا کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا ہی تھا۔

اعلیٰ حضرت کی طبیعت میں یقیناً شدت تھی لیکن بصورت فضل خداوندی و بشکل نعمت الٰہی قابلِ رشک اور باعث غیظ نہ کہ مولانا کی نگاہوں میں چھبنے والا کانٹا جس کی خود کردہ اذیت انہیں بار بار چھیڑتی ہے۔

قارئین خود بسکون دل غور کر سکتے ہیں کہ علماء دیوبند سے اعلیٰ حضرت کے اختلاف کی بنیاد دنیا اور اس کی آرائشیں نہ تھیں۔ خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ میرے اور علماء دیوبند کے درمیان اختلاف کا سبب نہ جائیداد ہے، نہ عہدہ نہ کوئی اور دنیوی مفاد بلکہ اس کی اصل اور بنیاد وہ عبارات ہیں جو اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معاذ اللہ توہین پر منتج ہوتی ہیں۔ واقعات شاہد ہیں اور مسلمانوں میں فتنہ اٹھانے والی اور تفرقہ ڈالنے والی وہ کتابیں اور عبارات آج بھی موجود ہیں جسے دین کی حرمت اور اپنے ایمان کی حفاظت کی تڑپ نصیب ہو وہ ان کتابوں کو اور ان پر اعلیٰ حضرت کی تنقیحات کو پڑھ سکتا ہے۔ یہ تنقیحات یہ کسی عامی کے ناقابل التفات خیالات و جذبات نہ تھے۔ فاضل بریلوی کا فضل و کمال اور اپنے ہمعصروں پر ان کی برتری مولانا عبد الحئی الحسنی کو بھی فاق اقرانہ کے الفاظ میں مسلم ہے۔

اعلیٰ حضرت کی شدت میں معاذ اللہ سوء کا پہلو تو اس وقت قابل غور ہوتا جب انھوں نے اپنی تنقیحات اور فیصلوں کو افہام و تفہیم کا موقع دیئے بغیر پہلے ہی مرحلہ میں نافذ اور ناطق کہہ دیا ہوتا اور کسی کی کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ انہوں نے ایک دو سال نہیں پندرہ، بیس سال تک ان متنازعہ فیہا عبارات پر مختلف ذرائع سے توجہ دلائی، خطوط بھیجے، رجسٹریاں روانہ کر کے وصولیابی کی رسیدیں وصول کیں اور مذاکرہ، مناظرہ پر تیار رہ کر انہیں آمادہ کرنے کے لیے ہر ممکن طریقے اختیار کیے لیکن دوسری جانب سے طویل خاموشی یا پھر ذاتی و خاندانی عیب جوئی، طنز و تعریض اور معروف طبقوں میں رائج الفاظ کے وہ تکسالی سکے پیش ہوتے رہے جو علمی سنجیدگی اور دینی تقدس کے لیے باعث شرم و عار ہیں۔ کبھی بھی اپنے دور کے اس تازش علوم و فنون اور فقہ و کلام میں خود مخالفین کی مسلم شخصیت کے مدلل فقہی و کلامی مباحث کا کوئی سنجیدہ مدلل اور مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ مذکورہ بالا طویل ترین عرصے میں سیکڑوں مفاہمتی کوششوں کے باوجود ۷۰، ۷۵ اور ۷۸ بلکہ بعض صورتوں میں اس سے زیادہ وجوہ کفر پر توجہ دلاتے ہوئے بھی اعلیحضرت نے خود ان عبارات کے لکھنے والوں کی تکفیر سے گریز فرمایا۔ حتی کہ اسی کمال احتیاط نے انہیں مسئلہ تکفیر میں متکلمین کا مسلک اختیار کرنے پر مجبور کیا جو کبھی احتراز فرمایا اور دوسروں کو بھی روکا۔ کیا مولانا کی زبان میں اسی کا نام تشدد ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں

مفاہمت کے سارے امکانات کو آزما لینے کے بعد ایک عالم دین، فقیہ وقت، اور مفتی زماں سے اس کے منصب کا کیا مطالبہ ہو سکتا ہے؟ دین اور بانی دین کے ناموس کا دفاع کرنا یا مخالفت، معاندت اور سازشی کارروائیوں سے خائف ہو کر مصلحت، سیاست اور مداہنت سے کام لینا۔

تاریخ اسلام کا ایک ایک ورق جرأت دینی اور شدت ایمانی کے واقعات سے لبریز ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے جاں نثار نبوت کو جس کی ذات فراست ایمانی اور اصابت رائے کی تصدیق اکثر وحی الٰہی کے ذریعہ ہوتی رہی اور جس کی ذات والاصفات خود بربان نبوت نبوی آثار و انعکاسات کا تمثال اور نشان امتیاز بنی رہی۔ اس کی سینکڑوں دینی و ایمانی اداؤں میں جو ادا اس کے خالق کی منظور نظر بن کر اس کی شخصیت اور کردار کا عنوان قرار پائی اور شدت ہی نہیں تسلط علی الشدۃ یعنی بصیغہ مبالغہ اشد بلکہ مبالغہ علی المبالغہ یعنی بصیغہ جمع اشداء علی الکفار کا معزز و مفتخر خطاب ہے!

پھر اگر اس جامع آثار نبوت کے حالات کا جستہ جستہ مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس فدائے رسول کے ایمان کی روح اور ان کی ایمانی شدت کی جان ناموس رسالت تھی اور ہر گستاخ رسول کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کا جذبہ (تاریخ اسلام کے بچہ بچہ طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ ناموس رسول کے تحفظ کی یہی تڑپ تھی جو...... کبھی صلح حدیبیہ کھلے ہوئے دشمنان رسول کفار و مشرکین کے انکار نبوت کے گستاخانہ مطالبہ پر بجلی بن کر کوندی ۔۔۔ اور کبھی اسلام کے پردے میں چھپے ہوئے دشمن رسول منافق پر جس نے عدالت نبوت کی بے حرمتی کرتے ہوئے عدل فاروقی کا سہارا لینا چاہا تھا۔ اور اب ذرا اعلیٰ حضرت کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے تو فاروقی انعکاسات و اکتسابات سے بننے والی اسی جیسی تصویر اور کمال مماثلت اور مشابہت دیکھ کر آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔ یہاں بھی آپ کو اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اسی ایک عنوان تحفظ ناموس رسالت کی شرح و تفصیل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ تعصب کے ملونات کو کھرچ کر انصاف و دیانت کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے ایک ایک ورق کو الٹ کر ایمان والے دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی شدت کی روح بھی ایمان اور ایمان کی جان عشق رسول۔ کسی نے اعلیٰ حضرت کی حدت و شدت مزاج پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا "ایک تو مزاج گرم دوسرے علم کی گرمی"! اس پر آپ نے فرمایا "حدیث میں ہے ان الحدۃ تعتری قراء امتی لعزۃ القرآن فی اجوافھم (میری امت کے علماء (بہ اصطلاح علم حدیث: قراء: علماء) کو گرمی پیش آئے گی۔ قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے[۲۱]

الحدۃ تعتری خیار امتی (حدیث میری امت کے بہتر لوگوں کو مجلّی بنا دیتی ہے[۲۲])

افسوس کہ جس صفت حدت و شدت کو بانئ اسلام علماء امت اور خیار امت کی نشانی فرمائیں، مولانا کی نگاہ تعصب میں وہ مذموم و معتوب قرار پائے۔

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے۔

آئیے اور ذرا تصویر کے دوسرے رخ پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے۔ غصہ کی شدت میں اسلام اور اسلامی شیوخیت کے ساتھ انسانیت اور انسانی شرافت کو بھی سجا کر پیش کرنے والے صاحب "شہاب ثاقب" کے "گالی نامے" کے کچھ نمونے آئندہ کسی مناسب مقام پر آپ دیکھیں گے۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں جو اس گروہ کے "نفسی انتشار" اور شدت طبیعت کا رخ متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔

"خواجہ حسن نظامی صاحب جب مدرسۂ دیوبند میں زیر تعلیم تھے تو مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے مخدوم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور رسالے "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی کاپیاں نذر آتش کرنے کے لئے خواجہ صاحب کو مرحمت فرمائیں۔ خواجہ صاحب نے پڑھ کر جو دیکھا تو آنکھیں کھل گئیں۔ استاد کے حکم کے احترام میں آدھی کاپیاں تو جلادیں اور آدھی محفوظ کر لیں۔ جس پر مولوی اشرف علی تھانوی نے دو آم بطور انعام دیئے۔ اس وقت مولوی اشرف علی تھانوی متقدمین کے مسلک پر قائم تھے اور رسالہ کے مندرجات سے پوری طرح متفق اور کاربند تھے۔[۲۳]"

اپنے مخدوم اور شیخ پر مولانا رشید احمد گنگوہی کے غیظ و غضب کی یہ شدت محض اس لئے تھی کہ حضرت حاجی صاحب نے اس رسالہ کے ذریعہ عقائد و اعمال اہل سنت فاتحہ، میلاد اور قیام وغیرہ کی نہ صرف تائید و تصدیق فرمائی ہے بلکہ اپنا معمول بھی بنایا ہے۔

خود اپنے شیخ کے خلاف جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر غلامی کی سند لی جا چکی ہو گستاخی اور جنوں خیزی کا یہ عالم!!! ناظرین اسے شدت کی کس قسم میں شامل کریں گے؟

۲۱،۲۲ فاضل بریلوی، ص ۱۵۰ ۲۳ فاضل بریلوی، ص ۵۰ بحوالہ منادی (ماہنامہ) نئی دہلی، جلد ۳۹، شمارہ ۱۲، ص ۲۲

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ علمائے دیوبند تقریباً پچاس ساٹھ سال سے پریس وقلم کی طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی پوری جدوجہد کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ مسلمانوں کی تکفیر وتفسیق میں نہایت عجلت پسند بے باک، ہٹ دھرم۔ ضدی اور سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ خصوصاً علمائے دیوبند کی تکفیر میں نہایت عجلت پسندی بے باکی اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر دقتِ نظر اور وسعت فکر کے ساتھ غور نہ کیا۔

الزامِ تکفیر

چنانچہ مولوی ابوالحسن علی ندوی کے والد مولوی عبدالحئی لکھنوی ندوی اپنی تصنیف نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں امام احمد رضا بریلوی کا تذکرہ کر رہے ہیں مگر تاریخی شواہد اور ان کی طرز نگارش کی روشنی میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولوی صاحب موصوف مسلکی عصبیت کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ فاضل بریلوی کی عجلت پسندی کے متعلق رقمطراز ہیں۔ مسارعاً فی التکفیر قد حمل لواء التکفیر والتفریق فی الدیار الھندیۃ فی العصر الاخیر

ترجمہ: تکفیر مسلم میں بہت ہی عجلت پسند ہے۔ زمانۂ اخیر میں اسی نے دیار ہند میں تکفیر وتفریق کا علم بلند کیا۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص ۲۹)

کفری عبارتوں کی تاویل کے متعلق فاضل بریلوی کا نقطۂ نظر یوں بیان کر رہے ہیں۔ وکان لایتسامع ولایسمع تاویل فی کفر من لایوافقہ علی عقیدتہ وتحقیقہ او من یبدی فیہ انحرافاً عن مسلکہ ومسلک آبائہ۔ ترجمہ:۔ اور وہ ایسی تاویل کفر نہ سننے دیتا اور نہ سنتا۔ جو اس کے عقیدے اور تحقیق کے خلاف ہوتی ہے یا جس میں اس کے آبا ریا اس کے مسلک سے انحراف ہوتا۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص ۳۹)

آئندہ صفحات میں حقائق کے ذریعہ ہم واضح کریں گے کہ مولوی صاحب موصوف اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہیں۔ پہلے آیئے اسی معاملہ میں دیوبندی مکتبِ فکر کی دوسری مشہور شخصیت مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کی عبارت ملاحظہ ہو جو انصاف پسند مصنف کم اور متعصب ومعاند زیادہ نظر آتے ہیں تحریر کا تیور دیکھیے۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا، دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل وابولہب سے بھی بڑھ کر کافر سمجھتے تھے۔ (ذکرِ آزاد ص ۱۲۱)

ملیح آبادی صاحب کی بے بنیاد الزام تراشی سے بڑھ کر جناب رئیس احمد صاحب ندوی کے بہتان عظیم پر ہمیں بے حد افسوس ہے۔ کہ موصوف نے ایک فرضی بات کو تحریر کر کے جہاں غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے وہیں تاریخی حالات وشواہد اور دیانت کا نہایت بے دردی کے ساتھ گلا گھونٹا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف ۲، وجوہ پر مشتمل کفر کا فتویٰ دیا جس میں ایک وجہ یہ تھی کہ ان کا نام عبدالباری تھا اور لوگ انہیں باری میاں کہتے ہیں اگر ان کا نام عبداللہ ہوتا تو لوگ انہیں اللہ میاں کہتے لہٰذا کافر (آزادی ہند ص ۱۸۹)

مندرجہ بالا اور اسی قبیل کی بیسیوں عبارتیں دیوبندی مصنفین کی ہماری نظروں سے گزریں جن کے متعلق فی الحال ہم یہی کہہ کے گزر جانا چاہتے ہیں کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آئندہ مضمون سے خود بخود واضح ہو جائے گا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ان لوگوں نے الزام تراشی اور افترا پردازی انداز اختیار کر کے عالم مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ بعض علماء دیوبند پر اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتکاب کی وجہ سے امام احمد رضا بریلوی نے جو کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ یا علماء حرمین سے ان کی تنقیصی عبارتوں پر جو استفتاء کر کے شرعی حکم شائع کیا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے اور نہ ہی قابل اعتبار۔

تنقیصی عبارتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے جن علماء دیوبند کو شان رسالت کا مجرم گردانا ہے۔ ان کی عبارتیں پیش کر دی جائیں ملاحظہ ہوں۔

۱- مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی تحریر اور اس تحریر کی تائید مولوی رشید احمد گنگوہی نے کی ہے اس لئے فاضل بریلوی نے ان دونوں حضرات کو بارگاہ رسالت کا گستاخ گردانا ہے ملاحظہ ہو۔

شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ ص۵۱)

اس عبارت کا واضح مطلب یہی ہے کہ شیطان اور ملک الموت کا وسعت علم قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علم قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اس لئے حضور کے وسعت علم کو تسلیم کرنا شرک ہے۔

۲- مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کو جس عبارت کی وجہ سے فاضل بریلوی نے بارگاہ نبوی کا گستاخ تسلیم کیا ہے وہ عبارت ملاحظہ ہو۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول معنیٰ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ وقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس ص۳)

دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں۔

اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ (تحذیر الناس ص۱۴)

تیسری جگہ تحریر کرتے ہیں۔

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس ص۲۵)

ان تینوں عبارتوں کا مطلب یہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام نبیوں کے بعد اور آخیر میں ہوئی مگر علم والوں پر یہ بات واضح ہے کہ پہلے یا آخر میں آنے کی وجہ سے حضور کی خاتمیت کی بالذات کوئی فضیلت نہیں بلکہ فرض کیا جائے کہ آپ کے زمانہ میں بھی کوئی دوسرا نبی ہو تا جب بھی آپ خاتم النبیین ہی رہتے اور آپ کے بعد آج بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے یا نبوت کا دعویٰ کرے جب بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

۳- مولوی اشرف علی صاحب کی جس عبارت پر امام احمد رضا بریلوی کو اعتراض ہے درج ذیل ہے۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب ہے اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے (حفظ الایمان ص۸)

اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کا اگر علم غیب مانو تو کل محال ہے اور بعض مانو تو اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ حضور جیسا علم غیب تو زید و عمر ہی نہیں بلکہ ہر بچے اور پاگل اور تمام حیوانات کو بھی حاصل ہے۔

ہم علمائے دیوبند کی ان عبارتوں کے حسن و قبح پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس کے حسن و قبح سے متعلق سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ کوئی بھی خالی الذہن مسلمان ان عبارتوں کو پڑھے گا تو حیرت و استعجاب میں ضرور پڑ جائے گا۔ ہم کہتے ہیں ان عبارتوں کو لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کے لکھنے سے کون سا دینی کام سر انجام پا گیا؟ اور نہ لکھنے سے کونسی مصیبت مذہب اسلام پر آن پڑتی؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں ان عبارتوں کے نہ لکھنے میں دینی منفعت تھی آج جو اس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر افتراق و انتشار کی خلیج پائی جاتی ہے کبھی بھی نہ پائی جاتی اور نہ بد امنی کے امکانات ہوتے۔

علمائے دیوبند پران کے گھر کا فتویٰ

مذکورہ بالا عبارتوں کے سلسلہ میں خود علمائے دیوبند کے کیا تاثرات تھے ملاحظہ ہوں۔ تحذیر الناس کے سلسلہ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں۔ جس وقت مولانا نے تحذیر الناس لکھی ہے۔ کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہ کی بجز مولانا عبد الحئی صاحب کے۔

(الافاضات الیومیہ جلد چہارم ص۵۸۰ زیر ملفوظ ۹۲۷)

یہ وہی کتاب ہے جس کی تین عبارتیں ہم نے پیش کی ہیں اور امام احمد رضا بریلوی جسے توہین آمیز قرار دیتے ہیں۔ بقول تھانوی صاحب بھی یہ بدنام زمانہ کتاب ہے اس کتاب میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی بحث کی گئی ہے اور معنیٰ خاتم النبیین میں اختراع کیا گیا ہے اس اختراع کے بالمقابل مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا قول ملاحظہ ہو۔

ان اللغة العربية حاكمة بان معنى خاتم النبيين في الآية هو آخر النبيين لا غير۔ بے شک عربی زبان کا اٹل فیصلہ ہے کہ آیت کریمہ کے اندر خاتم النبیین کا معنیٰ صرف آخر الانبیاء ہے۔ دوسرا کوئی معنیٰ نہیں۔ (ہدیۃ المہدیین ص۲۱)

خاتم النبیین کے معنیٰ کی وضاحت کے بعد مفتی صاحب فیصلہ فرماتے ہیں کہ جو اس معنیٰ کے خلاف کوئی معنیٰ لے اور اس پر اصرار کرے فتویٰ کفر اور قتل کا حق دار ہوگا۔

اجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان اصر۔ امت محمدیہ کا خاتم الانبیاء کے اس معنیٰ پر اجماع و اتفاق ہے۔ لہٰذا خاتم الانبیاء کا دوسرا معنیٰ گڑھنے والا کافر قرار پائے گا۔ اور اگر اپنے گڑھے ہوئے معنیٰ پر اصرار کرے تو قتل کیا جائیگا۔ (ہدیۃ المہدیین ص۳۵)

ان مذکورہ عبارتوں کا امام احمد رضا بریلوی نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ اسی قسم کا اگر کوئی عقیدہ رکھتا ہے تو ناظم تعلیمات دیوبند مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی بھی اسے کافر و مرتد کہتے ہیں بظاہر مسلمانوں جیسی وضع قطع اور خدمت و تبلیغ اسلام کا اس کے کفر کو ختم کرنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

جو نماز اور روزہ بھی ادا کرتا ہے اور تبلیغ اسلام میں ہندوستان ہی نہیں تمام یورپ کی خاک چھانتا ہو بلکہ فرض کرو اس کی سعی اور کوشش سے تمام یورپ کو اللہ تعالیٰ حقیقی ایمان و اسلام بھی عنایت فرمادے مگر اس دعویٰ اسلام و ایمان اور سعی بلیغ اور کوشش وسیع کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتا ہو یا اور ضروریات دین کا انکار کرے قطعاً یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک مرتد ہے کافر ہے اس کی مثال ایسی ہے جس کو کسی دیوانہ کتے نے کاٹ لیا ہو اور اس کا زہر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہو اور ہڑک اٹھ چکی ہو۔ وہ تمام دنیا کو چاہے سیراب کردے تمام ہندوستان کے دریا اور نہریں اس کے قدموں کے نیچے سے بہتی ہوں مگر اس بدنصیب کو ایک قطرہ پانی کا نصیب نہیں ہو سکتا وہ دنیا کو سیراب کرے مگر خود تشنہ کام ہی دنیا سے رخصت ہوگا۔ ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر دین کے کام کرنے سے مغرور نہ ہونا چاہیئے کہ وہ خود بھی مسلمان ہے یا نہیں (اشد العذاب ص۵)

ان حوالہ جات کی روشنی میں ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا کہ امام احمد رضا نے اپنے منصب کے لحاظ سے علما دیوبند کے متعلق جو

روبہ اختیار کیا بالکل صحیح اور ان کا یہ فعل اسلام کے بالکل موافق تھا۔ اب رہ گیا متعصب مصنفین کی الزام تراشی و بہتان طرازی کا مسئلہ تو اسے بھی تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے۔

حزم و احتیاط

علمائے دیوبند نے مسئلہ تکفیر میں فاضل بریلوی پر جس بہتان تراشی اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا تذکرہ خود امام موصوف نے بے حد دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتوئ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا مولوی اسحاق صاحب کو کہدیا۔ مولوی عبدالحئی صاحب کو کہدیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور بڑھاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا۔ حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمتہ کو کہدیا۔

یہاں تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب۔ الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑدی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ فرمائے۔ انہوں نے آیتِ کریمہ ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا پر عمل فرمایا خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھ کر ارسال ہوا۔ (حسام الحرمین ص۴۲)

امام احمد رضا بریلوی کا مندرجہ بالا فرمان بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ علمائے دیوبند کے دعاوی کے برخلاف امام بریلوی کی تحریریں ثبوت فراہم کرتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ آپ تکفیر و تفسیق مسلمین میں بے پناہ حزم و احتیاط رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب نے تکفیر مسلم کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو یہ جواب مرحمت فرمایا۔

بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہ گار ہوا۔ اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا۔ (الملفوظ مکمل ص۲۶۰)

امام احمد رضا بریلوی مسئلہ تکفیر میں بے حد محتاط تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی جن کی مشہور و معروف کتاب تقویۃ الایمان کی سطر سطر سے توہین رسالت کی بو آتی ہے بلکہ بعض جگہ پر کھلے الفاظ میں توہین رسالت کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ اسی لئے بعض علماء مثلاً مولانا فضل حق خیرآبادی و مولانا فضل رسول بدایونی وغیرہما نے ان کی تکفیر بھی کی ہے۔ فاضل بریلوی نے بھی دہلوی صاحب کی تردید میں متعدد بلیغ رسالے لکھے مگر احتیاطاً آخر میں شرعی فیصلہ تحریر فرمایا۔

علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے (سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح) انہیں کے متعلق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مناسب (الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ) ایک تیسری کتاب میں بھی اعلیٰ حضرت نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی عبارتوں پر پوری پوری تنقید کر کے کفریات کی وضاحت فرمادی ہے اور تنقیدات کو پڑھنے کے بعد ایک عام مسلمان بھی دہلوی صاحب کو مسلمان سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا لیکن امام موصوف کے حزم و احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ان کے متعلق شرعی فیصلہ یوں فرماتے ہیں، لزوم و التزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ (سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیہ)

ایک طرف امام احمد بریلوی نے محمد اسماعیل دہلوی کی تکفیر میں اتنی حزم و احتیاط برتی ہے۔ تو دوسری طرف مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی محمد قاسم نانوتوی۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ پر حکم کفر بھی صادر فرمایا ہے۔ اتنے محتاط شخص کا ان علماء دیوبند پر حکم تکفیر لگانا بظاہر حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن حالات و واقعات کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا صاحب۔ موصوف کی اس معاملہ میں دینی مجبوری تھی۔

امام صاحب موصوف کا کہنا تھا کہ مذکورہ عبارتوں کے ذریعہ ان لوگوں نے گستاخی کی ہے اور شان رسالت میں اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور عظمت ومحبت حضور ضروریات دین سے ہے اس لیئے مذکورہ علماء نے اہانت کر کے ضرورت دین کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ ان عبارتوں سے رجوع کا امام صاحب موصوف نے مطالبہ کیا اور بلد بار اس دینی ضرورت کی طرف توجہ دلائی پھر بھی ان لوگوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور لگ بھگ بیس سال تک یہ مسئلہ چلتا رہا۔ فاضل بریلوی جدوجہد کرتے رہے کہ اس دینی اور شرعی مسئلہ کا حل بیٹھ کر تلاش کر لیا جائے۔ اور مفاہمت کی راہ نکال لی جائے۔

لیکن یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ علمائے دیوبند نے خلوص وہمدردی کے جواب میں خلوص کے بجائے مناظرانہ داؤپیچ کے لیے تحریر کی راہ اختیار کی اور بالمشافہ گفتگو سے گریز کرتے رہے حالانکہ علمائے دیوبند اگر امام موصوف سے اس دینی ضرورت میں تعاون کرتے تو آپس میں تصفیہ ہوجاتا اور مسلمانوں میں انتشار وافتراق کی خلیج ہرگز ہرگز نہ پیدا ہوتی۔ الغرض علمائے دیوبند کے باغیانہ رویہ اور ان مذموم عبارتوں کی بیس سال کے عرصہ میں بار بار اشاعت سے یہ سمجھ لیا کہ علماء دیوبند راہ راست پر آنے والے نہیں اس لیئے اتمام حجت کے بطور آخری جدوجہد کی اور ایک خط بذریعہ رجسٹری لکھا جس کی تحریر ملاحظہ ہو۔

یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے غوغے پر التفات نہ ہوگا۔ منواد بنا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (مجدد اسلام ص۱۹۶)

جب اس آخری دعوت پر بھی بالکل خاموشی برتی گئی تو امام موصوف نے عامۃ المسلمین کو گمراہیوں سے بچانے اور اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کے لیئے ۱۳۲۰ھ میں مذکورہ

عبارتوں پر ہر زاویہ سے بحث کر لینے کے بعد ان لوگوں پر حکم تکفیر عاید کیا اور علمائے حرمین سے بھی ان عبارتوں پر استفتاء لیکر شائع کیا جو آپ کے حکم کے مماثل تھا۔ امام موصوف حکم تکفیر لگانے کے بعد بھی جو توضیحی عبارت تحریر فرماتے ہیں آپ کے خلوص نیت محبت رسول اور حق بجانب ہونے کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہے۔

اٹھہتر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دیکر یہی لکھ چکا تھا۔ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا جب کیا ان سے کوئی طلاپ تھا اب رنجش ہوگئی، ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوگئی، حاش للہ مسلمانوں کا علاقہ، محبت وعداوت صرف محبت خدا اور رسول ہے (حسام الحرمین ص۲۸)

فاضل بریلوی کے حکم تکفیر عائد کرنے کی اس دینی مجبوری کا اعتراف خود مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو بھی ہے۔ حضرت اختر شاہ جہان پوری اپنی تصنیف "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک قول نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

میرے دل میں احمد رضا کے لیئے بے حد احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے، لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی غرض سے تو نہیں کہتا (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام)

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے بھی امام احمد رضا بریلوی کو مسئلہ تکفیر میں مذہبی طور پر مجبور بتایا ہے ملاحظہ ہو۔

اگر خان صاحب کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا تو خان صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہوجاتے جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لیئے اور وہ قطعاً ثابت ہوگئے تو اب علماء اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر مرتد کہنا فرض ہوگیا اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں چاہے وہ لاہوری ہوں یا قادیانی وغیرہ وغیرہ تو وہ خود کافر ہوجائیں گے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ (اشد العذاب ص۱۳)

امام احمد رضا بریلوی کی اسی صداقت شعاری حق گوئی اور حزم واحتیاط کو دیکھتے ہوئے مدینہ منورہ کے ایک مقتدر عالم دین

حضرت شیخ عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی مدرس حرم طیبہ تحریر فرماتے ہیں عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

ہمارے سردار علماء نے اس وقت تکفیر کی راہ چلی جب کہ نور ثبوت پایا اور ائمہ مجتہدین کی قطعی حجتوں پر اعتماد فرمایا نہ محض اندازے اور خبر کی بنیاد پر اس دن کا خوف کرتے ہوئے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (حسام الحرمین)

ان حقائق کے باوجود دیوبندی مصنفین کا امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ پر تکفیر مسلم کرنے کا الزام وبہتان لگانا سراسر زیادتی ہوگی مگر یہ سلسلہ آج تک جاری ہے غالباً اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ صرف مسلکی تعصب وعناد کی بنیاد پر اس قسم کی باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔ جو رواداری اور انصاف پسندی کے بالکل خلاف ہے بلکہ سیدھے سادے ناواقف مسلمانوں کے ساتھ فریب کاری اور دھوکہ دہی کی سازش گردانی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ ان مصنفین نے فاضل بریلوی سے متعلق کچھ مطالعہ ہی نہیں کیا ہے صرف سنی سنائی باتوں اور افواہوں پر اعتماد کرکے جو کچھ سمجھ میں آیا تحریر کر ڈالا۔ ایک مصنف کو ایسا کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا اور یہ یقینی دیانت کے بھی منافی ہے کیونکہ کسی کے متعلق بغیر تحقیق ومطالعہ کے کوئی بے بنیاد بات تحریر کردینا انتہائی گھناؤنا جرم ہے۔

اس لیے ہم تمام روادار اور انصاف پسند دیوبندی مصنفین کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ فاضل بریلوی کے متعلق لکھنے سے پہلے حالات کا پورے طور پر جائزہ لے لیں اور تحقیق ومطالعہ سے اپنے ذہن کو تیار کریں ہمیں امید ہے کہ اس کے بعد ہر مسئلہ میں فاضل بریلوی کی عبقریت ہی ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

امام احمد رضا بریلوی

اور

حدائقِ بخشش

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ چودھویں صدی کے یکتائے روزگار عالم ہیں۔ ان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے تقدیسِ اُلوہیت، تعظیمِ رسالت، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، علماء دین اور اولیاء کاملین کے احترام کا نہ صرف بہرہ دیا، بلکہ احترام و عقیدت کے جذبات مسلمانوں کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں بسا دیئے۔ ان کا قلم ساری زندگی حمد و نعت اور منقبت کے پھول پیش کرتا رہا۔ ان کے گلستانِ نظم و نثر کی آب و تاب اور رعنائی آج بھی وہی ہے اور ان کے گلشنِ عقیدت و محبت کی عطر بیز بہار سے آج بھی پڑھنے والے کی روح مہک اٹھتی ہے۔

ان کا تخصص یہ ہے کہ انھوں نے سلف صالحین کے مسلک، مسلک اہل سنت و جماعت اور مذہب حنفی کی بھرپور حمایت کی اور جسے صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتا ہوا پایا، اس کے خلاف ان کا برق بار قلم حرکت میں آگیا اور اپنے پرائے کا فرق کیے بغیر اعلانِ حق کرتا گیا۔ چونکہ ان کے قلم کی جولانگاہ بہت وسیع تھی اس لیے جو فرد یا گروہ ان کی تنقید کی زد میں آتا گیا وہ مخالفت پر کمربستہ ہوتا گیا۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مخالفین نے پلٹ کر ان پر ایسے ایسے الزامات عائد کیے جن سے ان کا دامن بے داغ تھا، انصاف اور دیانتداری سے جائزہ لیا جائے تو ان الزامات کا بے بنیاد ہونا کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کا دیوان حدائق بخشش ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں دو جلدوں میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔[۱] اس دیوان نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ پاک و ہند کے مختلف اداروں کی طرف سے اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دنیا کے جس خطے میں اردو سمجھنے والے مسلمان رہتے ہیں وہاں آپ کی پُرکیف نعتوں اور وجد آور مشہورِ عالم سلام کی گونج سنی جا سکتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ انعام ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کا بہت سا عربی، فارسی اور اُردو کلام مطبوعہ کتابوں اور غیر مطبوعہ بیاضوں میں بکھرا پڑا تھا۔ اسے جمع کرنے کی طرف مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی نے توجہ فرمائی تھی اور مختلف غزلیں، قصیدے اور اشعار بغیر کسی ترتیب کے ایک مجموعے میں جمع کیے تھے۔ پھر یہ مجموعہ بھی بریلی سے غائب ہو گیا۔

---

[۱] محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء: المجمل المعدد (مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۳۹۷ھ) ص ۲۳

مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"مجھے یہ مجموعہ بھی غائب ہوگیا۔ میں بہت ہی کم عمر تھا۔ جب یہ مجموعہ میں نے دیکھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بدایوں کے بعض اصحاب آئے۔ مجھ سے مجموعہ دیکھنے کو لیا۔ پھر وہی بدایوں لے گئے یا کیسے غائب ہوا؟ معلوم نہیں وہی مارہرہ شریف پہنچا، یا اس کی نقل، اور کب پہنچی؟" [1]

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا بریلوی کا وصال ہوا۔ ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء کو مولانا محبوب علی خان قادری نے امام احمد رضا کا کلام متفرق مقامات سے حاصل کرکے حدائقِ بخشش حصہ سوم کے نام سے شائع کر دیا۔ خود ان کا بیان ہے:۔

"مجھے حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کچھ کلام جو اب تک چھپا نہیں ہے، بڑی کوشش و جانفشانی سے بریلی شریف و سرکار مارہرہ مطہرہ و پیلی بھیت و رام پور وغیرہ وغیرہ مختلف مقامات سے دستیاب ہوا جو آج برادرانِ اہلسنت کی خدمات میں حدائقِ بخشش حصہ سوم کی شکل و صورت میں پیش کر رہا ہوں۔" [2]

نابھہ سٹیم پریس نابھہ کا چھپا ہوا تیسرا حصہ ہمارے سامنے ہے اس کے صفحہ ۳۷، ۳۶ پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں انّیس اشعار کا ایک قصیدہ ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۳۷ پر "علیحدہ" کا عنوان قائم کرکے نو اشعار درج کیے ہیں، جن میں سے تین شعر یہ ہیں:۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار	مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت	کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر
خوف ہے کشتیِ ابرو نہ بنے طوفانی	کہ چلا آتا ہے حُسن اہلہ کی صورت بڑھ کر [3]

اس کتاب کی اشاعت کے بتیس برس بعد ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء میں دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے بمبئی اور پورے ہندوستان میں ایک تحریک اٹھائی گئی کہ اس کتاب میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کی گئی ہے لہٰذا اس کتاب کو جلا دیا جائے اور اس کے مرتب مولانا محمد محبوب علی خان کو بمبئی کی سنّی جامع مسجد سے برطرف کیا جائے۔

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے جہاں تک معلوم ہوا، غالباً کاظم علی دیوبندی نے کانپور میں اپنی تقریر میں اسے ذکر کرکے فتنہ اٹھانا چاہا۔ پھر جگہ جگہ وہ اور اس سے سن کر اور وہابی اسے دہراتا رہا۔" [4]

روزنامہ انقلاب بمبئی اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا، دیوبندی مکتبِ فکر سے متعلق علماء اور واعظ دھواں دار تقریریں کر رہے تھے اور مختلف علماء سے فتاویٰ حاصل کرکے اخبارات و رسائل میں چھپواتے اور عوام میں اشتعال اور ہیجان پھیلانے کی کوشش کرتے تھے۔

---

[1] محمد عزیز الرحمٰن بھاؤ پوری: فیصلۂ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ (۱۳۷۵ھ) ص ۳۳

[2] محمد محبوب علی خان، مولانا: حدائقِ بخشش حصہ سوم۔ ص ۱۰

[3] ایضاً: ص ۳۷

[4] محمد عزیز الرحمٰن: فیصلۂ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ، ص ۸۱

اعلانِ توبہ

بخاری، مسلم شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ گیارہ مشرکہ عورتوں نے باہمی طور پر طے کیا کہ ہر ایک اپنے شوہر کے اوصاف بیان کرے گی۔ اور کچھ چھپائے گی نہیں۔ ان میں سے ایک امّ زرع تھی، جس نے اپنے شوہر کی دل کھول کر تعریف کی۔ پھر ساتھ ہی ابوزرع کی بیٹی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

طَوْعُ اَبِیْھَا وَطَوْعُ اُمِّھَا وَمِلْءُ کِسَائِھَا[1] — وہ اپنے ماں باپ کی فرمانبردار ہے اور اس کا جسم اس کی چادر کو بھرے ہوتے ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا:۔

کُنْتُ لَکِ کَاَبِیْ زَرْعٍ لِاُمِّ زَرْعٍ ۔ — میں تم پر اس طرح مہربان ہوں جیسے ابُوزرع ام زرع کے لیے تھا۔

مولانا محبوب علی خاں نے جس بیاض سے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں قصیدہ نقل کیا۔ اسی بیاض سے سات شعر وہ نقل کیے جو ان گیارہ مشرکہ عورتوں کے بارے میں تھے۔ ان سات شعروں پر بھی لفظ "علیحدہ" لکھ دیا۔ لیکن کاتب نے دانستہ یا نادانستہ انھیں ام المؤمنین کے مدحیہ قصیدہ میں مخلوط کر دیا اور کتاب اسی طرح چھپ گئی۔ مولانا محبوب علی خان کو اطلاع ہوئی تو ان کا خیال تھا کہ دوسرے ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی اور قارئین خود محسوس کرلیں گے کہ یہ اشعار غلطی سے اس جگہ درج ہو گئے ہیں۔ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے بمبئی کے ایک ہفت روزہ اخبار میں مراسلہ شائع کروایا اور حضرت مولانا محبوب علی خان کو اس غلطی کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا محبوب علی خان کے دل میں چور تو تھا نہیں، انھوں نے کمال دیانت داری سے وہ کام کیا جو ایک مؤمن کے شایانِ شان ہے، انھوں نے ماہنامہ سُنّی لکھنؤ شمارہ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں "توبہ نامہ" شائع کرایا۔ اس توبہ نامہ کا خلاصہ مفتی اعظم دہلی مولانا مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"وہ ماہنامہ پاسبان کے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ آج ۴ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر حدائق بخشش حصہ سوم کے متعلق دیکھی۔ جواباً پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ معافی بخشے۔ آمین۔

اس کے بعد اس غلطی کے واقع ہونے کی وجہ بتلائی جس کا خلاصہ یہ ہے:

قصیدۂ مدحیہ سیدتنا حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سات اشعار قصیدہ ام زرع والے مصنفہ حضرت علامہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، پرانی قلمی بوسیدہ بیاض سے نہایت احتیاط کے ساتھ نقل کیے لیکن ام زرع والا قصیدہ چونکہ پورا دستیاب نہ ہوا تھا، ان سات شعروں کے تین حصہ کر کے ہر حصہ پر لفظ

---

[1] مسلم ابن الحجاج القشیری، امام: مسلم شریف عربی (مطبوعہ نور محمد، کراچی) ج ۲، ص ۲۸۸

"علیحدہ" جلی قلم سے لکھ دیا تھا کہ ہر حصہ کا مضمون علیحدہ تھا۔ جب حدائق بخشش حصہ سوم کی طباعت کا ارادہ کیا تو بعض مجبوریوں کی بنا پر اپنے مقام (پٹیالہ) پر اس کا بندوبست نہ کر سکا۔ ناچار .... نابھہ سٹیم پریس والے سے معاملہ کرنا پڑا" (اس مقام پر انھوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی مجبوریوں کا بیان کیا ہے) پریس والے نے یہ شرط کی کہ اس کی کتابت بھی یہیں ہوگی۔ ناچار یہ شرط بھی منظور کی اور اس کے سپرد کر دیا۔ اتفاق سے کاتب اور مالکِ پریس دونوں بد مذہب تھے۔ ان لوگوں سے قصدًا یا سہوًا یہ تقدیم و تاخیر اور تبدیل و تغییر ظہور میں آئی۔ بہت روز کے بعد جب میں اس کتاب کی غلطیوں پر واقف ہوا۔ تو خیال ہوا کہ طباعتِ دوم میں اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ لیکن حافظ ولی خاں نے بغیر مجھے اطلاع دیے پھر چھپوا دیا۔ غرض اس میں جو تساہل مجھ سے ہوا، اس پر ہی اپنی غفلت اور غلطی پر خدا تعالیٰ کے حضور میں معافی چاہتا ہوں۔ وہ غفور و رحیم مجھے معاف فرمائے (ماہنامہ سُنّی ص ۱۷)[1]

پھر یہ اعلان بھی شائع کیا :۔

ضروری اعلان :۔ حدائق بخشش حصہ سوم ص ۳۷ و ص ۳۸ میں بے ترتیبی سے اشعار شائع ہو گئے تھے۔ اس غلطی سے بار بار فقیر اپنی توبہ شائع کر چکا ہے۔ خدا و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم فقیر کی توبہ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین! اور سنّی مسلمان بھائی خدا و رسول کے لیے معاف فرمائیں۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم!

فقیر نے اس ورق کو صحیح ترتیب سے چھپوا دیا ہے۔ جن صاحبوں کے پاس حدائق بخشش حصہ سوم ہو۔ وہ مہربانی فرما کر اس میں سے ص ۳۷ و ص ۳۸ والا ورق نکال کر فقیر کو بھیج دیں اور صحیح چھپا ہوا ورق فقیر سے منگوا کر اپنی کتاب میں لگا لیں اور جو صاحب کتاب واپس کرنا چاہیں، وہ کتاب فقیر کے پاس پہنچا کر فقیر سے قیمت واپس لے لیں۔ والسلام علیٰ اہل الاسلام۔

فقیر ابو المظفر محب الرضا محمد محبوب علیخان قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی غفرلہٗ

پتہ یہ ہے : **جامع مسجد مدن پورہ، بمبئی ۸**۔[2]

مولانا محبوب علی خان نے اس غلطی پر کئی بار زبانی اور تحریری طور پر صریح توبہ کی۔ چنانچہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۵ء کو ان کا توبہ نامہ شائع ہو گیا۔ پھر رسالہ سُنّی لکھنؤ، اور روزنامہ انقلاب میں بھی چھپا[3]۔

مخالفین کی یہ کوششیں اخلاص پر مبنی ہوتیں تو یقینًا قابلِ قدر ہوتیں۔ کیونکہ عظمتِ نبوت، شانِ صحابہ و اہل بیت کا احترام ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے لیکن حالات و واقعات گواہ ہیں کہ یہ سب کچھ گروہی جانبداری کی بنا پر کیا گیا۔

صراطِ مستقیم میں صاف لکھ دیا گیا :

---

[1] محمد مظہر اللہ دہلوی، مفتی : فتاوٰی مظہری (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)، ج ۲، ص ۳۹۳

[2] محمد عزیز الرحمٰن بھاؤپوری : فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ، ص ۳۲، ۳۱۔

[3] رضائے مصطفیٰ، بمبئی : شمارہ اگست ۱۹۵۵ء، ص ۱۷۔

"اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ رسالتمآب ہی ہوں، اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل، اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے" [۱]

حفظ الایمان میں یہ صراحت موجود ہے:۔

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا، اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے" [۲]

الخطوب المذیبہ میں یہاں تک کہہ دیا گیا:۔

"ایک ذاکر صالح کو مکشوف ہوا کہ احقر کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں۔ میرا ذہن معًا اس طرف منتقل ہوا کہ کمسن بیوی ملے گی) اس مناسبت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب نکاح کیا تھا تو حضور کا سنِ شریف پچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہ بہت کم عمر تھیں۔ وہی قصہ یہاں ہے" [۳]

حدائق بخشش حصہ سوم کے مرتب مولانا محمد محبوب علی خان کو توہین کا مرتکب اور نا قابلِ امامت قرار دینے والے صراطِ مستقیم، حفظ الایمان، الخطوب المذیبہ اور ایسی ہی دوسری کتابوں اور ان کے مصنفین پر بھی وہی فتویٰ لگاتے اور سب سے توبہ کا مطالبہ کرتے تو ان کا خلوص شک وشبہ سے بالاتر ہوتا۔ لیکن ہوا یہ کہ محبوب علی خان چونکہ اپنی جماعت کے فرد نہیں ہیں اس لیے تمام فتوے ان پر لاگو ہو رہے ہیں۔ باقی حضرات چونکہ اپنی جماعت کے بزرگ ہیں۔ اس لیے نہ تو قلم ان کے خلاف حرکت میں آتا ہے اور نہ ہی ان کے حق میں فتوے جاری ہوتا ہے۔

توبہ کا دروازہ بند ہو گیا

مولانا محبوب علی خان کا اعلانِ توبہ لائقِ تعریف تھا۔ باوجودیکہ حضرت ام المؤمنین کی شان میں نہ تو گستاخانہ اشعار لکھے اور نہ ان کی طرف منسوب کیے۔ صرف اتنا ہوا کہ کتاب کی طباعت پر وہ بوجوہ پوری نگرانی نہ کر سکے۔ اور اشعار غلط ترتیب سے چھپ گئے۔ پھر بھی انھوں نے اعلانیہ توبہ کی اور اسے متعدد رسائل واخبارات میں چھپوایا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ان کے اس اقدام کی پیروی کی جاتی اور علماء دیو بند حفظ الایمان اور الخطوب المذیبہ وغیرہ کتب کی عبارات سے توبہ کا اعلان کر کے مسلمانوں کو افتراق وانتشار سے بچا لیتے۔ لیکن افسوس کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ خود توبہ کا اعلان نہیں کیا بلکہ مولانا محبوب علی خان کی صاف اور صریح توبہ کو بھی نا قابلِ قبول قرار دے دیا اور بڑے بڑے اشتہار شائع کیے کہ "توبہ قبول نہیں" [۴]

---

[۱] محمد اسماعیل دہلوی : صراطِ مستقیم (اردو۔ مطبوعہ کراچی) ص ۱۳۶

[۲] محمد اشرف علی تھانوی : حفظ الایمان (کتب خانہ اعزازیہ، دیو بند) ص ۸

[۳] " " : الخطوب المذیبہ ص ۱۵

[۴] محمد منصور علی خان قادری : خوابوں کی بارات (مطبوعہ بمبئی) ص ۸۶

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ بمبئی میں ہے:۔

"انقلاب کو چاہیئے تھا کہ وہ مولانا موصوف کو مبارکباد دیتا کہ واقعی مولانا موصوف نے مثال قائم کردی کہ دیوبندیوں کی طرح اپنی لغزش پر اڑے نہیں رہے بلکہ اظہار ندامت کر کے اپنی ساری غلطیوں کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالا اور شرعی الزام سے قطعی پاک ہو گئے۔" ؎۱

مشکلے دارم ز دانایانِ عالم باز پرس ٭ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

روزنامہ انقلاب بمبئی کے ایڈیٹر عبدالحمید انصاری نے اس توبہ کو ناقابلِ قبول قرار دیا اور کہا کہ توبہ کی مقبولیت کا انحصار "رائے عامہ کی عدالت" پر ہے۔ مدیر رضائے مصطفیٰ بمبئی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قرآن عظیم کا صریح ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (گنہ گاروں کے لیے جہنم ذلت والا عذاب ہے۔ مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا) اور اس مضمون کی سینکڑوں آیات اور ہزاروں احادیث بلکہ تمام کتبِ سماویہ میں توبہ و استغفار اور اس کی مقبولیت مندرج ہے۔

مگر انصاری عبدالحمید نے ان تمام آیاتِ کریمہ و کتب سماویہ و احادیث کو ٹھکرا کر ایک نیا مذہب نکالا کہ کسی کی توبہ کی قبولیت "رائے عامہ کی عدالت" پر ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ انصاری صاحب کس دین و ملت کے انصار سے ہیں۔ کیا انصاری صاحب اپنے اعوان و انصار سے زور لگوا کر بتا سکتے ہیں کہ فیصلۂ قرآنی کے مقابلے میں آپ کی "عدالتِ رائے عامہ" کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ اور کیا رائے عامہ کی بنا پر فیصلۂ قرآنی بدل دیا جائے گا؟" ؎۲

فیصلۂ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ

اٹھاون صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اسی واقعہ سے متعلق استفتاء، اور اس کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں محدثِ اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی کا فتویٰ ہے۔ اس کے بعد علماء کے تصدیقی دستخط ہیں۔ اس فتوے میں اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ مولانا محبوب علی خان کی توبہ شرعی طور پر مقبول ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسے دل سے قبول کریں۔

ص ۸ سے ۱۱ تک مفتی اعظم دہلی مولانا محمد مظہر اللہ دہلوی کا فتویٰ ہے۔ ص ۱۲ سے ۱۸ تک مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں کا فتویٰ ہے۔ ص ۲۲ سے ۲۶ تک مفتی اعظم دہلی کا دوسرا فتویٰ ہے۔ ص ۳۰ سے ۳۴ تک ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری کے دو فتوے ہیں۔ ص ۳۹ سے ۴۶ تک مولانا عبد الباقی برہان الحق قادری جبلپوری کا فتویٰ ہے۔ مفتی اعظم ہند بریلوی سے دوبارہ استفتاء کیا گیا جس کا جواب ص ۴۷ سے ۵۲ تک ہے۔ فیصلہ مقدسہ میں ایک سو انیس علماء کے فتاویٰ اور تصدیقی دستخط ہیں۔

ص ۵۳ سے ۵۶ تک مسلم شریف کی وہ حدیث عربی مع ترجمہ نقل کی گئی ہے جس میں گیارہ کافرہ مشرکہ عورتوں کا ذکر ہے۔ ص ۵۶ سے ۵۸ تک اشعار قصیدہ صحیح ترتیب سے نقل کیے گئے۔

؎۱ رضائے مصطفیٰ بمبئی : شمارہ اگست ۱۹۵۵ء، ص ۱۷

؎۲ " " : " " ، ص ۱۴

اُلٹی گنگا

اس کارروائی کے بعد رفتہ رفتہ یہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ مخالف بھی اس واقعہ کو بھول گئے کہ جس پر الزام تھا اس نے توبہ کر لی۔ اہلِ سنت و جماعت بھی بھول گئے۔ حدائقِ بخشش کے صرف دو حصے چھپتے رہے، جو امام احمد رضا بریلوی کے خود مرتب کیے ہوئے تھے، تیسرا حصہ جو مولانا محبوب علی خاں کا مرتّب تھا، گوشۂ گمنامی میں چلا گیا۔ اور ساتھ ہی توبہ نامہ اور اس سے متعلق فتاویٰ بھی دوبارہ شائع نہ کیے گئے۔

گزشتہ چند سالوں سے مخالفین نے اس گڑے مُردے کو نئے انداز سے اٹھانے کی کوشش کی اور حدائق بخشش حصہ سوم کے حوالے سے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان نے معاذ اللہ! ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین کی ہے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ شیعہ تھے اور بطور تقیہ سنیّت کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا اور دلیل یہ دی کہ انھوں نے ام المؤمنین کی شان میں گستاخی کی ہے۔[1]

دراصل امام احمد رضا بریلوی نے اپنے دور میں جو دیوبندی اور غیر مقلد علماء کے خلاف قلمی اور علمی جہاد کیا تھا، اس کا آج تک دلیل و برہان کی زبان میں جواب نہ دیا جا سکا۔ البتہ سبّ و شتم اور اتہام پردازی کے ذریعے انتقام لینے اور اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس حقیقت سے قطع نظر اس جگہ چند امور قابلِ غور ہیں:۔

۱۔ متذکرہ عورتوں کے بارے میں اشعار جس مأخذ (بیاض) سے لیے گئے ہیں وہ مجہول الحال ہے، آیا وہی مجموعہ ہے جو مولانا حسن رضا خان بریلوی نے جمع کیا تھا یا اس کی نقل ہے۔ مفتیٔ اعظم ہند کے حوالے سے یہ بات اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ البتہ یہ طے شدہ بات ہے کہ یہ مجموعہ امام احمد رضا کا جمع کردہ نہ تھا۔ مولانا محبوب علی خان سے یہ بھی تسامح ہوا کہ انھوں نے اس مجموعہ کا نام حدائقِ بخشش حصہ سوم رکھ دیا۔ اور ٹائٹل پیج پر ۱۳۲۵ھ بھی لکھ دیا۔ حالانکہ یہ پہلے دو حصوں کا تاریخی نام تھا اور یہ مجموعہ ۱۳۴۲ھ میں مرتب ہوا۔ اس لیے اس مجموعے کا نام "باقیاتِ رضا" وغیرہ ہونا چاہیے تھا۔

۲۔ یہ بھی مشکوک ہے کہ یہ سات اشعار امام احمد رضا کے ہیں بھی یا نہیں۔

ان کے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:۔

> "اور یہ بھی کہا گیا کہ بعض کلام اعلیٰ حضرت بریلوی کا معلوم نہیں ہوتا، کسی اور صاحب متخلص بہ رضا کا کلام ہے۔ مولانا (محبوب علی خان) یا وہ شخص جس نے اس مجموعے میں وہ قصیدہ درج کیا، اس کلام کو بھی اعلیٰ حضرت کا کلام سمجھا اس لیے مجھے ناگوار ہوا کہ یونہی اد ہم لوگوں میں سے کسی کو بے دکھائے چھاپ دیا۔ بارہا لوگوں کے سامنے میں نے اس پر اظہارِ ناراضگی کیا۔"[2]

دوسرے فتوے میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:۔

---

[1] احسان الٰہی ظہیر : البریلویہ (مطبوعہ لاہور) ص ۲۱

[2] محمد عزیز الرحمٰن بھاؤپوری : فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ ص ۳۳

" ہو سکتا ہے کہ وہ شعر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متعلق امّ زرع وغیرہا عروسانِ حجازیہ ہوں کہ وہ ابتدائی کلام ہے۔ بعض باتیں کسی موقع پر خلافِ تقدس سمجھی جاتی ہیں اور وہی بعض موقع پر کچھ منافی تقدس نظر نہیں آتیں۔" [1]

مقصد یہ ہے کہ ان سات اشعار کی نسبت امام احمد رضا بریلوی کی طرف غیر یقینی ہے کہ انھوں نے یہ اشعار کافرہ عورتوں کے بارے میں کہے ہیں یا نہیں۔ جبکہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ اشعار ام المؤمنین کے بارے میں ہرگز نہیں کہے گئے۔

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:۔

" اعلیٰ حضرت تو اعلیٰ حضرت کوئی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ جاہل با حمیت وغیرت معاذاللہ انھیں منقبت میں نہیں لکھے گا۔" [2]

۳۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حدائقِ بخشش حصہ سوم، امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب اور شائع ہوا۔ کیونکہ ان کا وصال صفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوا اور حصہ سوم ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء میں مرتب ہوا۔ [3]
پھر کتاب کے ٹائیٹل پر بھی واضح طور پر لکھا ہوا ہے:۔

" الشاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "

تعصب اور عناد سے ہٹ کر غور کیا جائے تو کسی طرح بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا الزام امام احمد رضا بریلوی پر عائد کرنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔

جناب مقبول جہانگیر، راجا رشید محمود کی تصنیف "اقبال، قائداعظم اور پاکستان" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک تالیف "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" کے بارے میں یہ کہنا کہ مولانا تھانوی نے اس کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے مضامین سرقہ کیے ہیں قطعی غیر مستند دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ قادیانیوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے جس کی تائید راجا صاحب نے کر دی ہے۔
حالانکہ وہ تحقیق کی ذرا زحمت برداشت کرتے تو انھیں پتہ چل جاتا کہ اس دجل و تلبیس کی بنیاد بڑی ہی کمزور ہے۔ جس کتاب کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ سرے سے مولانا تھانوی کی تصنیف یا تالیف ہے ہی نہیں۔ ان کی وفات کے آٹھ برس بعد پہلی بار چھپی اور جس نے چھاپی، خواہ وہ ان کے لوگ ہی ہوں، بہرحال اس کتاب کی تالیف کی ذمہ داری مولانا تھانوی پر ہرگز عائد نہیں ہوتی اور نہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مولانا تھانوی جیسی علمی اور دینی شخصیت مرزائے قادیانی کی کتابوں سے مضامین کا سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کرا سکتی ہے۔" [4]

---

[1] محمد عزیز الرحمٰن بھاڈپوری : فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ ص ۸۳

[2] " " : " " ص ۳۵

[3] محمد محبوب علی خان، مولانا : حدائقِ بخشش حصہ سوم (مطبوعہ نابھہ سٹیم پریس نابھہ) ص ۱۰

[4] مقبول جہانگیر : روزنامہ امروز، میگزین، شمارہ ۲ مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۱۹

اگرچہ ہمارے ایک کرم فرما مولانا محمد شفیع رضوی کے پاس اس کتاب کا وہ نسخہ بھی موجود ہے جو مولانا تھانوی کی زندگی میں چھپا تھا تاہم مقبولِ جہانگیر صاحب کے پیش کردہ فارمولے کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ مولانا احمد رضا خان کی وفات کے دو سال بعد شائع ہونے والی ایک دوسرے عالم کی مرتب کردہ کتاب حدائق بخشش حصہ سوم کے غلط ترتیب سے چھپ جانے والے اشعار کی ذمہ داری فاضل بریلوی پر ہرگز عائد نہیں کی جا سکتی۔

۴۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام احمد رضا بریلوی نے ام المؤمنین کی شان میں بے ادبی کے وہ اشعار نہیں کہے۔ مولانا محبوب علی خان کی مجبوری اور غفلت میں وہ اشعار غلط ترتیب سے چھپ گئے۔ پھر انھوں نے علی الاعلان بار بار توبہ بھی کی۔ اس کے باوجود جو شخص ان حضرات پر گستاخی کا الزام عائد کرتا ہے وہ خود دانستہ یا نادانستہ گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

مفتی اعظم دہلی مولانا محمد مظہر اللہ دہلوی فرماتے ہیں:۔

"جب یہ ثابت کیا جا چکا کہ یہ شخص یعنی زید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے اور ان کی اہانت کرنے سے بَری ہے اور اس نے جو اپنی براءت کے وجوہ پیش کیے ہیں، اس کے صدق پر تجربات شاہد ہیں تو اب اس کی طرف اہانت کی نسبت محض اس پر تہمت ہے۔

حقیقت میں اہانت کرنے والا وہ شخص (ہے) جو زید کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت عائشہ کی شان میں یہ اشعار کہہ رہا ہے۔ اس لیے کہ کسی کی اہانت کرنے کا ایک یہ ہی (بھی) طریقہ ہے، اور بڑا خوبصورت کہ اپنے کو اس کا خیر خواہ اور غم خوار ظاہر کرتے ہوئے اور دوسرے شخص پر تہمت لگاتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو ایسی ایسی فحش گالیاں دیتا ہے۔ اس طریقہ سے وہ گالیاں دے کر اپنا دل بھی ٹھنڈا کر لیتا ہے اور ظاہر میں اس کا خیر خواہ بھی بنا رہتا ہے۔ پس صورتِ مذکورہ میں اس ہی دوسرے شخص پر توبہ اور جنابِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں معذرت اور زید سے معافی حاصل کرنا ضروری ہے کہ یہ دوہرے تہرے اشد درجہ کے گناہ کا مرتکب ہے۔"[1]

۳ رشعبان المعظم ۱۴۰۴ھ

۵ رمئی ۱۹۸۴ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

جامعہ نظامیہ رضویہ

لوھاری منڈی لاھور ــــ پاکستان

---

[1] محمد مظہر اللہ دہلوی مفتی : فتاویٰ مظہری (مطبوعہ کراچی) ج ۲، ص ۳۹۷

امام احمد رضا ایک مظلوم مُصلح

علامہ فاضل۔ استاد ماہر۔ دقائق کا خزانہ۔ روشن ستارہ وحید عصر یگانۂ عصر صدی کا مجدد۔ صاحب عدل۔ مرکز دائرۂ علوم کریم النفس اکابر علماء کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ صاحب تصانیف مشہورہ ورسائل کثیرہ قلم کا بادشاہ۔ زبان کا دھنی۔ عاشق رسول ﷺ عرفان ومعرفت والا ولی کامل عارف باللہ۔ قطب وقت۔ منبع علم۔ جو اپنی آنکھوں کی روشنی سے مشکلات اور دشواریوں کو حل کرتا ہے جو معنی کے اعتبار سے بھی احمد رضا ہے۔ اس کے کلام کا موتی اس کے معنی کے جواہر سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ باریکیوں کا خزانہ ہے جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا علموں کی مشکلات ظاہر و باطن کا نہایت کھولنے والا ہے۔ گردن وہابیت پر تیغ برّاں ہمارا سردار دریائے فضائل امام پیشوا کثیر الفضل، کثیر الاحسان۔ بحر ناپیدا کنار۔ کثیر الفہم۔ میں نے ملاقات کے بعد ان میں وہ کمالات دیکھے جن کا بیان طاقت سے باہر علم کا کوہ بلند جس کا ستون نور اونچا جن سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں۔ اس دور فتن میں دین کو زندہ رکھنے والا جس کے وجود پر زمانہ کو ناز ہے۔ صاحب تحقیق و تنقیح و تدقیق عالم اعلمائے اہلسنت و جماعت۔ (از حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین)

یہ وہ القاب و خطابات ہیں جو علمائے حرمین طیبین نے سیدنا امام احمد رضا کی بارگاہ عالی مرتبت میں پیش فرماتے تھے۔ ایک گدائے عشق کی بارگاہ میں نیاز مندی کا یہ ثبوت یقیناً کسی غیر جذباتی حقیقت کا اعتراف ہے۔ عناد کی عینک نہ لگا کر دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہ یک جنبش نظر امام احمد رضا اپنی جگہ مسند ارشاد کا ایک کوہ گراں ہے اور اس پر نکھری ہوئی مختلف رنگ و بو کی کونپلیں اپنے عشاق کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ وہ اپنی جگہ مجسم پھول ہے۔ اور اس کے فدائی اپنی اپنی مشام جاں کو اس بو و نکہت سے معطر کر رہے ہیں۔ عالم سرخوشی میں کسی ہونہار نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ ؎

جہاں پہونچا نئی دنیا بسالی
یہ دیوانہ تو دیوانہ نہیں ہے

اللہ اکبر جس پر علمائے عرب و عجم کا ایک جم غفیر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کر رہا ہے اور جسے علی الاطلاق مجدد وقت قطب الارشاد کا خطاب دیا گیا ہو اس کے حق میں وہ کون سی ناقدری دیکھی گئی جسکی بنا پر آج احمد رضا کے ساتھ "مظلوم" لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی ماہنامہ المیزان کا اعلان پڑھنے کے بعد مظلوم احمد رضا کا لفظ دیکھ کر دفعتاً ذہن و فکر پر ایک چوٹ محسوس ہوئی۔ اور وقت کے ایک عظیم رہنما کی بین الاقوامی زندگی اس کی خدمات اور اس کے احیائے دین کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آگیا اور پھر ساتھ ہی ساتھ ہمارا وہ تعاون جو ایک عظیم محسن کی بارگاہ میں ہونا چاہیئے اس کے ساتھ اپنی تہی دامنی، تساہلی اور محرومی و بیگانگی کی خونچکاں تصویر مشاہدے کی طرح ناچنے لگی۔ واحسرتا! کہ جس ذات گرامی نے اپنی انتھک کوششوں سے قوم کی ڈوبتی نیا کو باد مخالف کے تھپیڑوں سے بچا بچا کر محفوظ رکھا تھا آج اس کا صحیح حق اور صحیح خبر گیری سے ہم محروم ہوتے جا رہے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ کمی ایک کمی نہیں بلکہ احسان فراموشی کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے۔ مظلوم احمد رضا مظلوم اس لئے مظلوم کہ ہر دور میں مظلوم اور آج بھی بجدیت رونما ہو کر داد ظلم دے رہی ہے اصلاح

اقوام میں ہمارے جن اسلاف نے اپنے خون جگر سے حق کی آبیاری کی تھی اور یکے بعد دیگرے مجددین ملت نے جن کٹھنائیوں سے گزر کر اداب آلود فضاؤں کو کسی قدر روشن کر دیا تھا۔ تیرہویں صدی کے اواخر میں چل کر وہ روشنی پھر ماند پڑنے لگی اور دیکھا یک نجد سے لیکر سہارنپور اور خانقاہ گنگوہ سے لیکر صحن دیوبند تک مکاری و عیاری کا ایک جال بن دیا گیا۔ اب باطل کی کمین گاہوں سے جو آواز حق کی آمیزش سے نکلتی تھی اس کی ہلاکت خیز تباہی و بربادی کا سامان اہل حق کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ مگر وہ کون مرد مجاہد تھا جو بڑھ کر اس کتمان حق کی نشاندہی کرتا چنانچہ اس صدی میں سیدنا امام احمد رضا کی ذات ہی وہ شعلہ جوالہ وہ بطل اعظم اور وہ حق آگاہ ذات ظاہر ہوئی جسے اس صدی کے طوفان عرقاب کا ناخدا کہنا ہوگا غبارات پہلے بھی اٹھ چکے تھے۔ آندھیاں پہلے بھی اٹھ چکی تھیں۔ طوفان پہلے بھی بپا ہو چکے تھے یہ طوفان وہ طوفان نہیں تھا جسے آسانی سے دبایا جا سکے۔ یہ تھپیڑے وہ تھپیڑے نہیں تھے جنہیں نرمی سے سلایا جا سکے۔ ے

تشدد کو تشدد سے دبالیں یہ تو ممکن ہے   مگر شعلے کو شعلے سے بجھایا جا نہیں سکتا

مگر وہ اللہ ایک مجاہد ضرور ایسا تھا جس نے باطل کے مکروہ چہرے سے حقیقت کا نقاب الٹ کر رکھ دیا۔ اور آج دشمن کے ہزار پروپیگنڈوں کے باوجود وہ اپنی جگہ ایک فاتح کی حیثیت سے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ وہ دعوت فکر و عمل دے رہا ہے کہ حق کی سلامتی کے لئے اغیار کے طعنوں کو سننا ہوگا مگر نتیجہ اور انجام کی خسروی اس کے حق میں مقدر رہے جو اس پر پیچ موڑ پہ اڑا رہا چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ امام احمد رضا کی آواز جب ہند و بیرون ہند میں پہونچی تو غیروں نے کس طور پر جل بھن کر اپنے ارمان ٹھنڈے کئے اس کی محض چند سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ مجدد التکفیر دھوکہ باز۔ مکار۔ مجدد التفضیل دجال بریلوی۔ دروغ گو۔ بہتان تراش مجدد المفترین، شیطنت کا جال پھیلانے والا اہل ہوا و بدع ابلیس لعین کا شاگرد وغیرہ وغیرہ۔ ایک سو بتیس صفحے کی کتاب الشہاب الثاقب جس میں ۱۴۴ گالیاں حسین احمد ٹانڈوی نے دی ہیں۔ جسے دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگ شیخ الاسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر شاید ٹانڈوی صاحب کو نہیں معلوم کہ جس کی بارگاہ میں وہ دریدہ دہنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کی ذات والا کو ان کی جماعت والوں نے بھی اور علمائے عرب و عجم۔ مصر۔ عراق۔ افغان۔ دمشق۔ انڈونیشیا۔ بیروت اور بغداد کے علماء نے اکابرین نے کس قدر سراہا ہے۔ اور اس کے نقش قدم کو بھی مکرم و معظم جانا ہے۔ وہ جس کا پرچم اقبال عرش کے کنگروں کو چھو رہا ہے۔ وہ انہیں لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے جس کے لئے اس نے اپنا سب کچھ تج دیا۔ آخر ش ہم اسے مظلوم نہ کہیں تو کیا کہیں کہ جس کا مبلغ علم ایک طرف علمائے عرب و عجم سے خراج تحسین حاصل کر رہا تھا تو دوسری جانب اپنے کر طو دشمنوں سے بھی اپنے قلم کا لوہا منوا رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کے اصل کارنامے ہماری نگاہوں کے سامنے نہ آسکے۔ ہم جب حقائق کا سراغ لگاتے ہیں تو کہیں وہ اقلیم صحافت کا بادشاہ کہیں علم و عرفان کا ذہبی اور کہیں مسند ارشاد کا مالک نظر آتا ہے علمائے محققین کا اندازہ ہے کہ جو علمی گہرائی اعلیٰ حضرت کے قلم میں پائی جاتی ہے وہ بہت کم لوگوں کی تحریر میں نظر آتی ہے بلکہ اس صدی میں تو ناپید ہے۔ مگر میں یہاں پر علمی جواہر پاروں کو نہیں رکھنا چاہتا جو اپنی جگہ ایک مستقل آئینہ حیرت ہیں۔ سر دست اس ماحول کو اجاگر کرنا چاہتا ہوں جو سیدنا اعلیٰ حضرت کے دور میں پہلے سے تھا یا یک بیک حاسدوں کی جانب سے ہو گیا تھا آپ کے پہلے مختلف عقائد و خیالات کے لوگ پیدا ہوتے اور اپنے عقائد باطلہ کی بنا پر اپنی موت آپ مر گئے۔ ان عقائد کے سد باب کے لئے مجدد اول حضرت علامہ عمر ابن عبد العزیز۔ امام شافعی۔ امام فخر الدین رازی۔ امام غزالی۔ ابوبکر باقلانی اور حضرت مجدد الف ثانی جیسی بلند پایہ شخصیتیں تھیں جنہوں نے اپنی حکمت عملی سے ان عقائد باطلہ کی بیخ کنی فرمائی۔ ان کی مختصر فہرست "تجلیات" تاگپور کے حوالہ سے ہدیہ ناظرین ہے

پچھلی تاریخ کے عقائد باطلہ

۱۔ حکم ثالث، بنانا شرک ہے۔ ۲۔ حضرت علی شریک نبوت ہیں۔ ۳۔ قرآن عظیم پورا محفوظ نہیں ہے۔ ۴۔ تناسخ۔ ۵۔ قرآن عظیم مخلوق ہے۔ ۶۔ عرش قدیم ہے۔ ۷۔ بندہ اپنے افعال نیک و بد کا خالق ہے۔ ۸۔ حساب و کتاب و میزان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ۹۔ زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہے۔ ۱۰۔ بندہ مجبور محض ہے۔

۱۱۔شیطان کا کوئی وجود نہیں ۔ ۱۲۔ عذاب قبر منکر نکیر کا سوال حوض کوثر، ملک الموت کی کوئی حقیقت نہیں ۔ ۱۳۔ صفات الٰہی مخلوق ہیں ۱۴۔ صفات الٰہی حادث ہیں ۔ ۱۵۔ حق تعالیٰ مکان میں ہے ۔ ۱۶۔ حق تعالیٰ جسمانیت رکھتا ہے ۔ ۱۷۔ پلصراط کوئی چیز نہیں ہے ۔ ۱۸۔ جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے ۔ ۱۹۔ جو صرف لاالٰہ الا اللہ کہے وہ جو چاہے کرتا رہے اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا ۔ ۲۰۔ ایمان عمل ہے ۔ ۲۱۔ ہر مذہب و دین کی باتیں اسلام کا منشا ہیں ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

مذکورہ بالا نظریات و معتقدات میں سے کون سا ایسا نظریہ ہے جس کے ذریعہ دین کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو مگر وہ جو کہا گیا ہے ۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے کے بمصداق ہر دور میں ان گمراہ کن خیالات کے استیصال کیلئے لوگ پیدا ہوتے رہے اور یہی حدیث قدسی کا مفہوم ہے ان اللہ یبعث الخ بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اخیر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو قوم کو دین کی اصل حقیقت سے روشناس فرماتا ہے ۔ موجودہ صدی میں جن روح فرسا خیالات کا اظہار کیا گیا اس سے نہ تو خدائے واحد کی ذات بچ سکی نہ انبیاء و مرسلین کی عظمت محفوظ رہ سکی اور نہ تو صحابہ کرام سے لیکر ائمہ مجتہدین و تبع تابعین کی حرمت برقرار رہ سکی اور کیوں نہ ہو انگریز گورنمنٹ کی پاسداری بھی تو ضروری تھی ورنہ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ کون بنتا ۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید کے مصنف انگریزوں کی غلامی پر کس قدر نازاں ہیں اس کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں ۔ "جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں ان جھوٹے سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا ۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے حصہ اول ص۸۰ اور کہاں بوالہوسی کا یہ عالم کہ جس کا نام محمد یا علی وہ کسی چیز کا مختار نہیں ۔ (تقویۃ الایمان)

موجودہ صدی کے فتنے کس رنگ و روپ میں رونما ہوئے اس کی بھی مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں اور مظلوم احمد رضا کی اولوالعزمی کی داد دیجئے ۔ جس نے ہر ایک کو رباطن کا منہ کالا کر کے رکھ دیا ۔

موجودہ عقائد باطلہ

۱۔ اللہ تعالیٰ جہت زمان و مکان سے پاک نہیں ۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کذب اور دوسرے نقائص پر قادر ہے ۔ ۳۔ بلکہ اللہ جھوٹ بول بھی چکا ۔ ۴۔ نبی کی حیثیت گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی ہے ۔ (تقویۃ الایمان)

۵۔ انبیاء علیہم السلام کی عظمت کو گھٹانا اور بھائی بنانا ۔ ۶۔ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہے ۔ (براہین قاطعہ) ۷۔ رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے گائے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے ۔ (رسالہ یک روزی) ۸۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو مشیت پر موقوف رکھنا ۔ ۹۔ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے ۔ (تقویۃ الایمان) ۱۰۔ اپنے شیخ و پیر کو خدائے قدوس کا جلیس بنانا (شیخ الاسلام نمبر) ۱۱۔ شرک و غیر شرک کفر و ایمان، حرام و حلال مختلف الاحکام مسائل کا بزدر زبان ایک ہی حکم بتانا ۔ ۱۲۔ رسول اکرم کے زمانۂ اقدس اور بعد میں بھی کسی نبی کے آنے سے خاتمیت محمدی میں فرق نہ آنا ۔ (براہین قاطعہ) ۱۳۔ شیطان کے علم کو نبی اکرم کے علم سے بڑھانا (براہین قاطعہ) ۱۴۔ رسول اللہ کے علم کو رذیل چیزوں سے تشبیہ دینا ۔ (حفظ الایمان) ۱۵۔ اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا ۔ ۱۶۔ عمل میں امتی کا نبی سے بڑھ جانا ۔ ۱۷۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کو مسمریزم یا معجزۂ شق القمر کا انکار کرنا یا فرضی واقعہ بتانا ۔ ۱۸۔ حضرت عیسیٰ پر شیطانی الہام بتانا ۔ ۱۹۔ اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انبیاء کرام کو جھوٹا بتانا ۔ ۲۰۔ صرف لاالٰہ الا اللہ پر مدار نجات رکھنا ۔ ۲۱۔ اپنی رائے سے غلط تفسیر کرنا ۔ ۲۲۔ ائمہ فقہ سے مسلمانوں کو آزاد کر کے اپنی فقہ کو ان پر مسلط کرنا ۲۳۔ میلاد پاک کو کنہیا کا جنم کہنا ۔ (براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد انبیٹھوی) ۲۴۔ حضرت عیسیٰ کو جاہل چرواہے سے تشبیہ دینا اور ان سے بہتر اپنے کو بتانا ۔ ۲۵۔ یزید کو امیر المومنین اور امام حسین کو لالچی اور ناحق بتانا وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ من ذالک)

ذرا غور فرمائیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و طغیان کا ایک سیلاب بلا ہے اور حق کا متلاشی اپنے دامن کو بچانے کے لئے کشاں کشاں بچ کر

نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر امام احمد رضا کی ذات جو عالم کے لئے اسی صدی میں ایک مجدد کی حیثیت سے رہبر بن کر آئی تھی۔ اور جس کو پورے عالم کا ذمہ دار بننا تھا وہ کب تک اس طوفانِ عظیم کو دیکھتا رہتا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ہر ایک پھوٹتے ہوئے تباہ کن چشموں کو بند کرنے کی۔ کوشش کی حوادثات کی گرہ تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ مگر وہ اپنی جگہ مطمئن ہر ایک کا دندان شکن جواب دیتا رہا۔ آج جس کی بنا پر اس صدی میں اس کی بالغ نظری اور اس کے حسن تدبر کا ہر ایک کو احساس ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ؎

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن   اشک سامانی بھی ہو بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

حقائق و معلومات کی روشنی میں اگر فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تصنیفات کو ہٹا دیا جائے یا آپ کے مسلک سے تھوڑی دیر کے لیے صرف نظر کر لیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے ایمان و اسلام کی سلامتی کا کوئی راستہ ہی نہیں ملتا۔ وہ کون سا ایسا شعبہ ہے جس پر آپ کے اقوال کی پرچھائیاں نہیں پڑتیں۔ لیکن ہم بجائے اس کے کہ ان کے ان تبرکات کو جو اپنے بعد بطور امانت آپ نے چھوڑے انہیں منظر عام پر لاتے ان کی یاد سے ہی غافل ہوتے جا رہے ہیں۔ میری اس تحریر کا مقصود یہ نہیں ہے۔ کہ میں آپ کو آپ کی بے حسی کی داد دوں نہیں بلکہ اس نیلگوں شامیانے کے اندر آپ کے جیتے ہوئے احساس کو پکڑنا مقصود ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مسلک و ملت کے لحاظ سے ہم سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے افراد ہیں جس کی حقانیت پر آفتاب نصف النہار کی طرح ہمیں یقین ہے لیکن اس کے باوجود بھی ملک میں لاکھوں کی تعداد میں بکھرے ہوئے اپنے معتقدات و نظریات کی سلامتی کا کوئی راستہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ آج اغیار بھی ہم پر طعنہ زن ہیں کہ جس احمد رضا کے شیدائی اپنے کو سگِ بارگاہ رضوی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں ان کے مرکز کی بے رونقی پر شام غریباں کو بھی حسرت ہے۔ اور رہے بھی یہی جس محسن اعظم کے خوشہ چینوں میں شمار ہونا ہم باعث سعادت جانتے ہیں اس کی فراموشی کے لئے ہمارا ایک ایک۔ عمل گواہ ہے۔

ہم کو کرنا کیا تھا

امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے مسلکی اشاعت کے صرف دو طریقے رہ گئے تھے۔ ایک تو وعظ و تقریر کے ذریعے آپ کے فرامین کو عام کیا جاتا دوسرے آپ کی تصنیفات جلد سے جلد منظر عام پر لانے کی کوشش کی جاتی مگر ان دونوں طریقۂ کار سے ہم گویا نابلد نظر آ رہے ہیں اور اس کے سبب سے بڑے مجرم وہ حضرات کہلائیں گے جن کے پاس یا جن کے ذمہ آپ کی تصنیفات کے مسودے اور مبیضے تھے۔ رہ گیا تقریر کی بدولت تو آج کے مقررین حضرات کا انداز تخاطب ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی   برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

ہاں معدودے حضرات یقیناً اس دور میں اب بھی موجود ہیں جو اب بھی تقریر و تحریر میں اس رہبر کامل مجدد مأۃ حاضرہ کے جذبات کی توضیح فرماتے ہیں موجودہ حضرات سے پیشتر یگانہ عصر شیر بیشۂ اہلسنت رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی خاص کر قابل ذکر ہے۔ بہرحال اس وقت جو بھی تبلیغ کا ذریعہ ہمارے پاس ہے وہ لے دے کر تقریر ہے جس کے ذریعہ کچھ نہ کچھ خدمات ہو رہی ہیں۔ تحریری اشاعت کی جو کمی ہمارے پاس ہے اس کی کمی وقت کی ایک دردناک خلش ہے۔ ہماری انہیں کمزوریوں کو دیکھ کر باطل پھر خندہ زن ہے کہ جن کی تعریف کے قلابے زمین سے آسمان تک ملاتے جاتے ہیں ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ابھی تازہ ترین خبر ہے کہ دیوبندی مسلک کے ایک نئے کھلاڑی عبدالمالک بھوجپوری ہیں جو شہر بلیا میں اپنے کو بزعم خویش صدر مدرس ثابت کرتے ہیں انہوں نے ۱۹۷۰ء میں اجمیر معلی کا ایک سفر کیا تھا موصوف فرماتے ہیں۔ میرے سفر کا منشا صرف یہ تھا کہ ہند کے طول و عرض میں ان مزارات کی زیارت کروں جن کی جانب لوگ بہ ہزار عقیدت و محبت جھکتے ہیں سفر کے دوران انہوں نے بریلی شریف مجدد اعظم امام اہلسنت فاضل

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ قدس پر بھی حاضری دی۔ اس سفر اجمیر میں ان کی کیا غرض شامل تھی اس کو وہ خود ہی تحریر کرتے ہیں۔

آستانہ بریلی

میری دیرینہ خواہش تھی کہ میں فاضل بریلوی احمد رضا خاں صاحب کے مزار کو بچشم خود دیکھتا جن کی عظمتیں ان کے معتقدین عرشِ معلیٰ سے بلند و بالا بتلاتے ہیں اور خطابات کو کچھ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی نعوذ باللہ ان کی عظمت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے حالانکہ ان کا مقام تصنیف و تالیف میں تقریر و تحریر میں خطابت و ولایت میں ہندوستان کی ہر جماعت کے صاحب نظر پر واضح ہے۔ (مزاروں کی جھلکیاں ص۱۳۷)

بہر حال میں دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے احمد رضا کے مزار پر پہونچا جو محلہ سوداگراں میں واقع ہے۔ راستے میں کچھ لوگوں کو طنز آمیز فقرہ استعمال کرتے ہوئے سنا کہتے تھے۔ یہ قبر پرست بت پرست لوگ ہیں۔ قبر کی پرستش اور اعلیٰ حضرت کی حضوری میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میری گردن شرم و ندامت میں جھک گئی۔ میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا سوچنے لگا یہ تو وہ مقام ہے جہاں سے چودہ صدی کا نیا مجدد دین مصطفوی سے علیحدہ ایک نیا دین لے کر اٹھا اور اس مقام کو مرکزی حیثیت دے کر اس دین کی اشاعت میں اپنے شب و روز صرف کر گئی تا رہا۔ آ یہ کیا طرفہ تماشا ہے کہ یہاں کے باشندے اس دین کے پیغام سے متاثر نظر نہیں آتے۔ (آگے چل کر لکھتے ہیں)

ایک غیر معروف شخص سے جو بریلی کا رہنے والا تھا وہ بھی ساتھ ہو گیا اور اس نے نہایت صفائی کے ساتھ تبلایا کہ یہاں کے باشندے نوے فیصد اس نئے دین اور مجدد سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کا پیغام خود بریلی میں صدا بصحرا ثابت ہوا۔

جناب احمد رضا خاں صاحب کا مزار ان کے رہائشی مکان اور خانقاہ کے اندر ہے۔ یہ جگہ بہ نسبت دوسری درگاہوں کے مختصر اور چھوٹی ہے دھندلی دھندلی روشنی پڑتی ہے۔ نہ مکمل روشنی ہے نہ تاریکی۔ مجھے انتہائی بیکسی اور ویرانگی کا احساس ہوا۔ دوسرے مزاروں پر ناجائز ہی سہی مگر رونق دیکھی۔ لوگوں کی گہما گہمی نظر آئی۔ مگر یہاں اس کے برعکس معاملہ نظر آیا۔ ممکن ہے کہ ایام عرس میں وہ صورت پیدا ہو جاتی ہو لیکن اس وقت تو وہ ایک بے بسی کا مزار ہی تھا۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ منظر ایک معمہ بن کر رہ گیا۔ آخر اتنی بے رونقی اور بے بسی کیوں ہے۔ اب غور کرتا ہوں تو مختلف تخیلات پیدا ہوتے ہیں۔ (ص۱۴۲)

آگے لکھتے ہیں۔

ایک حصہ میں کتب خانہ رضویہ ہے جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ اندر تین چار لکڑیوں کی الماریاں تھیں۔ وہ جگہ اتنی چھوٹی تھی کہ اس کے علاوہ اور زیادہ الماریاں رکھی نہیں جا سکتی تھیں۔ لیکن ان الماریوں میں بھی کتابیں نہیں تھیں۔ صرف ایک الماری میں کتابیں نظر آئیں اور دوسری تمام خالی پڑی تھیں۔

مجھے تعجب ہوا کہ یہ وہی کتب خانہ ہے جس کی شہرت ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔

میں نے خاں صاحب کی چند مشہور کتابیں طلب کیں تو مجھے یہی جواب ملا کہ اس وقت زیر طبع ہیں۔ یہ حسنِ اتفاق ہی ہے کہ جو کتابیں طلب کیں وہ سب کی سب زیر طبع تھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے مجھ سے کوئی حیلہ نہیں کیا بلکہ ان کے پاس واقعی کتابیں نہیں تھیں۔

اس سے متصل ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آیا جس پر جلی حرفوں میں لکھا تھا۔ دار الافتاء یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ہندوستان اور بیرون ہند میں فتوی جاری کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے فتووں کے لئے جن چیزوں کی ضرورت محسوس کی نہیں دیکھی نہ میں نے کتابوں کا ذخیرہ ہی دیکھا۔ جس پر افتاء کی بنیاد ہوتی ہے سوائے چند چھوٹی کتابوں کے۔ نہ اس میں کوئی موجود تھا۔ جس سے اس کی حقیقت دریافت کی جا سکے۔ اور نہ میں نے اس کی صورت حال دیکھ کر اس کی اہمیت ہی محسوس کی کہ اس پر توجہ دوں۔

گلی میں ایک کپڑے کا بورڈ لگا ہوا دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا برتی لیتھو مشین، خریدنے میں ہماری مدد فرمائیے ایسا محسوس ہوا کہ اب تک دین رضائیت کی اشاعت کے لئے اپنے وسائل مہیا نہ ہو سکے تھے جو منظر عام پر نظر آتا ہے وہ دوسروں کی رہین منت ہے۔ (صفحہ ۱۵)

مذکورہ بالا اقتباسات میں بھوجپوری صاحب نے جس کذب و دروغ گوئی کا اظہار کیا ہے یہ انہیں کو زیبا ہے۔ ایک غیر مانوس چیز کو قوم کے سامنے پیش کرنے تو شاید لوگ مان بھی جاتے مگر جس نے بریلی کے کوچوں کو شب و روز دیکھا ہو وہ کب کسی چڑی مار کے پھندے میں آ سکتے ہیں کتابوں کے بارے میں جس حقیقت کا اظہار مصنف صاحب نے کیا ہے واقعی بظاہر ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی تصانیف کا مشاہدہ کرنا ہے تو آستانہ مبارکہ کے اوپر اندر والی عمارت کا معائنہ کرے۔ نیز مرشد برحق حضرت مفتی اعظم ہند کے دولت کدہ پر جاتے اور نادر دیکھے کہ کیسے کیسے نادر و نایاب ذخیرے دیکھنے میں آتے ہیں واللہ العظیم۔ میری نگاہوں نے ایسی ایسی کتابوں کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اشاعت پذیر ہو کر منظر عام پر آجائیں تو زمانہ آج بھی امام احمد رضا کو غزالی دوراں اور جنید وقت کہنے پر مجبور ہوگا۔ بھوجپوری صاحب نے لکھا ہے کہ بریلی کی نوے فیصد آبادی اس نئے دین اور مجدد دونوں سے نفرت کرتی ہے عقل و ہوش کے دائرے میں جائزہ لیتے ہوتے اور آج بھی کسی کو تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھنا ہو تو بریلی ہی نہیں اطراف و جوانب میں بھی اہلسنت وجماعت اور آپ کے مسلک و ملت کی دھوم مچتی ہے۔

؎ کیوں رضا آج گلی سونی ہے   اٹھ مرے دھوم مچانے والے

بریلی شریف لاکھوں کی آبادی میں کوئی ایسا دن نہیں ہے جہاں پر صلوٰۃ و سلام کی صدائیں اور مسلک کی ترجمانی نہ ہوتی ہو۔

؎ وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے

ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام اس کو کہتے ہیں کہ جب تک اپنے عقیدے کی چھاپ نہ پڑ جائے تب تک اپنے معتقدات کو چھپا کر نیاز و فاتحہ کرتے جاؤ جیسا کہ کانپور میں تھانوی صاحب نے کیا تھا۔

ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام و ایمان اسی کو کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کی بجائے اشرف علی رسول اللہ کہا جائے۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام و ایمان اس کا نام ہے کہ قوم کو دھوکہ دینے کے لئے نماز و روزہ کی آڑ لے کر عقائد کفریہ کو ترجیح دی جائے تو اس قسم کی منافقت و منافرت سے بریلی شریف واقعی پاک و صاف ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مزارات پر حاضری واقعی قبر پرستی و بت پرستی ہے۔ تو فتوی لگائیے مولوی قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند پر جو اڑکی (تحصیل سہارنپور) سے پیدل ننگے پاؤں حضرت صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ کے آستانے پر جاتے تھے۔

(سوانح قاسمی جلد دوم ص۳ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی)

اگر مزرات کی حاضری ناجائز و ناروا ہے تو سید سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں مولوی قاسم ناظم جمعیتہ العلماء اور مولوی ابوالوفا شاہجہان پوری کو داد دیجیے جو ہر سال بہرائچ میں جاتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ چادر پوشی و دیگر رسومات کی ادائیگی بھی ان کے دست نازک سے ہوتی تھی۔

(تجلی دیوبند مئی سنہ ۶۱)

بہر حال باجات کہاں سے کہاں آگئی میں کہہ رہا تھا کہ آج اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارا کیا عالم ہے؟

میں نے اپنے نظریات کو آپ کے سامنے رکھ دیا ہے کہ حقیقت میں اگرچہ ہم حق پر ہیں مگر ظاہراً بھی ہر قوم و جماعت کے کچھ اسلحے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ دشمنوں کی ہزار ہا ہزار فوجوں کو شکنجوں میں مسل سکتی ہے مسلکی اعتبار سے یقیناً ہم راست پر ہیں لیکن عمارتی اور تنظیمی لحاظ سے کیا ہمارا یہی نصب العین ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جب حوادث زمانہ کی چنگاریاں اثر انداز ہوتی ہیں فوراً کانفرنسیں کر لیتے ہیں۔ زوردار نعروں کے ذریعہ ریزولیوشن پاس کرتے ہیں مگر عمل کے لئے اسی منزل ویران کی طرف دیکھنے میں جہاں سے بہ ہزار جوش و تمنا اٹھے تھے۔ آج احمد رضا مظلوم اس لئے مظلوم کہ اس نے اپنے زور قلم سے جن فتنوں کو مسمار کر دیا تھا۔ آئے دن ان کی شرانگیزیوں پھر ابھر رہی ہیں تو کیا ہمارا جذبہ ملی یہی ہے کہ

ساحل پر بیٹھ کر اپنے عظیم محسن کے ڈوبتے سفینے کو نذرِ بھنور کر دیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ان کے منتشر پاروں کو یک جا کریں اور دنیا کے سامنے پھر اس کی صدائے غیبی کو اکبار پیش کر دیں۔ جس نے اس چودھویں صدی کے ہوش ربا دور میں اپنے عیش و آرام کو بھینٹ چڑھا کر امت کے لئے ایک مشعلِ راہ ایک شمع فروزاں ایک شمع ہدایت روشن کر دی تھی۔ خدا ہمارے دلوں کو اس عظیم محسن کی بارگاہ سے وابستہ رکھے۔

؎ تیری بھیگی ہوئی پلکوں کے نثار — کیا مرا درد جگر یاد آیا

امام احمد رضا اور صدر الافاضل

بسملا و محمدلا و مصلیا و مسلما : اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مفتی شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دین برحق کے ایسے امام ہیں جن کے کمالات علم و عمل عرب و عجم میں اہل دین کے قلوب پر اپنا سکہ جما چکے ہیں ۔ موجودہ صدی کے نصف تک عرب و عجم، ایشیا و افریقہ وغیرہ بر اعظموں کے دینی معاملات آستانہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے ہیں ۔ آپ کا فتاوٰی حجم و تحقیق میں علمائے ماسبق کے مجموعاتِ فتاوٰی سے کہیں زیادہ ہے اور دیگر تصانیف و شروح کی تعداد تو ہزار کے لگ بھگ ہے ۔

میرے استاد و مرشد سیدی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انداز بحث اور قوتِ کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ :

آپ (اعلیٰ حضرت) کا انداز بحث بالکل محققانہ ہے ۔ منطقی مغالطات اور سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے ۔ تدقیق اس قدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لیے بسا اوقات عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ احتمالاتِ مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اوّل بند کر دی جاتی ہیں ۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو ۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب و شتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہو سکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زبان دراز، عدیم المروت والحیا کو آسان بھی ہے مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے ؟ مگر نہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پر کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جرأت ہوئی ہو ۔" (افاضات صدر الافاضل)

میرے یگانہ روزگار مرشد، علمائے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن وہ بھی اعلیٰ حضرت کی بلند ترین فضیلتِ علمیہ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں :

"فتاوٰی پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے بہت سے علوم عطا فرمائے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں ۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کی وسعتِ معلومات، دقّتِ نظر، علو مضامین، بلندی تحقیق، جودتِ کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں ۔ باوصف اپنی بے بضاعتی کے ان کے کمالات تک میرے ناقص فہم کو جتنی رسائی ہوئی ہے اور ان کو جیسے الفاظ میں تعبیر کر سکتا ہوں وہ حاضر ہے لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعت و منزلت کی پوری تصویر نہیں ہو سکتی ۔ ایک خدا داد نعمت تھی، ایک وہبی فیض تھا جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے ۔" (افاضات صدر الافاضل)

فقاہت

سیدی و استاذی حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت کے بارے میں "ولی را ولی می شناسد" کے طور پر فرمایا :

علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا ۔ تفصیل تو ان کے فتاوٰی دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک

مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتاء کے لیے رجوع کئے جاتے تھے ۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فتوے کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بدمذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا ۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ نقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ (افادات صدرالافاضل)

علم حدیث و دیگر علوم

علم حدیث کے سلسلہ میں سیدی صدرالافاضل قدس سرہٗ نے فرمایا:

”علم حدیث میں بھی وہ (اعلیٰ حضرت) فرد تھے ، اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے ۔ علم رجال میں ان کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے اور معنی میں بحث ، ناسخ و منسوخ کی تمیز ، متعارضین کی توفیق یہ توان کا خاص حصہ تھا ...... علم تفسیر و اصول فقہ و اصول حدیث و عقاید و کلام و ادب و عروض میں آپ اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور اگر آپکی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی ۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہوگئے اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا ۔“ (افاضات صدرالافاضل)

مجھ جیسے ہیچمیرز کے لیے اس سے زیادہ وقیع و مؤثر الفاظ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف اور اظہار حقیقت کیسے ممکن ہے ؟ علاوہ بریں حرمین طیبین اور دیگر بلاد اسلامیہ کی یگانۂ روزگار علمی ہستیوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو نابغۂ روزگار اور عدیم النظیر محقق تسلیم کیا ہے ۔ اس سے بھی قطع نظر اعلیٰ حضرت کی جملہ تصانیف اور خصوصاً فتاوٰی رضویہ اس امر کی واضح شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مصنف دقائق کا خزینہ، حقائق کا گنجینہ اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں منصب امامت پر فائز تھا۔

ملکِ سُخن کی شاہی تُم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

شِعروادب

○ **امام احمد رضا کی عربی شاعری**
ڈاکٹر حامد علی خاں لیکچرار شعبۂ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

○ **امام احمد رضا کی اُردو اور فارسی شاعری**
ڈاکٹر وحید اشرف ایم اے پی ایچ ڈی، بڑودہ یونیورسٹی

○ **امام احمد رضا کی مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر**
ڈاکٹر سلام سندیلوی شعبۂ اُردو۔ گورکھپور یونیورسٹی

○ **امام احمد رضا کی مذہبی شاعری**
ڈاکٹر امانت ایم اے پی ایچ ڈی۔ صدر شعبۂ اردو و فارسی، واڈیا کالج پونہ

○ **امام احمد رضا اور نعتِ رسولؐ**
عظیم الحق جنیدی ایم۔ اے (علیگ)، ریٹائرڈ پرنسپل سٹی ہائی سکول مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

○ **امام احمد رضا بحیثیت شاعر**
کالی داس گپتا رضاؔ

○ **دیوانِ رضا عرفان و وجدان کا قاموس**
سید شمیم اشرف۔ بی اے علیگ

○ **امام احمد رضا اور اصنافِ سُخن**
ڈاکٹر ملک زادہ منظور، ایم اے پی ایچ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی

○ **امام احمد رضا واصف شاہ ہدیٰ**
ڈاکٹر طلحہ رضوی برق داناپوری، ایم اے پی ایچ ڈی صدر شعبہ اردو فارسی، جین کالج آرہ بہار

○ **امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر**
پروفیسر فاروق احمد صدیقی چکیا کالج۔ ایسٹ چمپارن، بہار

○ **امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینے میں**
اشفاق احمد رضوی، بی اے

○ **امام احمد رضا اور اُردو ادب** — مولانا شاہد رضا اشرفی ایم۔ اے

○ **امام احمد رضا امام شعر وسخن** — مولانا وارث جمال بستوی

○ **امام احمد رضا کا ذوق سخن** — مولانا بدر القادری صاحب مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

امام احمد رضا کی عربی شاعری

محترم ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب ایم اے پی ایچ ڈی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ عربی کے لکچرار ہیں تحقیق اور تلاش کے لئے آپ نے اپنے کو وقف کر دیا ہے۔ امام احمد رضا نمبر کے لئے آپ نے جس انداز میں حوصلہ افزائی فرمائی اور خورد نوازی کا ثبوت دیا، ہم بیان کرنے سے قاصر ہیں، موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ تحقیقی مقالہ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

عباسی عہدِ خلافت کے مشہور و معروف شاعر ابو تمام نے خلیفہ معتصم باللہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا تھا۔

هُوَ البَحْرُ مِنْ أَيِّ النَّوَاحِي أَتَيْتَهُ ۔۔۔ فَلُجَّتُهُ المَعْرُوفُ وَالجُودُ سَاحِلُهُ

(اے مخاطب! ممدوح کے پاس جس جانب سے بھی تو پہنچے، اسے سمندر کی مانند پائے گا کیوں کہ اس کی گہرائی احسان و بھلائی ہے اور بخشش اس کا ساحل ہے)

شاعر نے ممدوح کی صرف فیاضی کی تعریف کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے۔ اگر اس شعر میں یہ تصرف کر دیا جائے کہ "وَالْجُوْدُ سَاحِلُهُ" کی جگہ "وَالْعِلْمُ سَاحِلُهُ" (یعنی علم اس کا ساحل ہے) پڑھا جائے تو امام احمد رضا اس شعر کا صحیح مصداق قرار پائیں گے۔ آپ ہی جیسی ستودہ صفات سے متصف انسان کے لئے بجا طور پر شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا جا سکتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ اپنی متنوع حیثیات میں منفرد تھے اور آپ کی شخصیت کو صفاتِ حسنہ کی جامع شخصیت کہا جا سکتا ہے لہٰذا آپ کے بارے میں خامہ فرسائی کرنے کا ارادہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر آپ کے حالاتِ زندگی، مشاغلِ حیات اور علمی کارناموں وغیرہ پر کوئی اکیڈمی لگن کے ساتھ کام کرے تو تحقیق کا کچھ حق ادا ہو سکے۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور" سے توقع ہے کہ اس کے زیرِ اہتمام کام کا آغاز ہو چکا ہے اور خدا نے چاہا تو مستقبل میں منظم طریقے سے کام ہو جائے گا۔ آپ کے عقیدت مند، حلقۂ طریقت کے ارادتمند آپ کے مسلک کے علمبردار، آپ کے متوسلین و خوشہ چین اور آپ سے وابستگان برابر لکھتے رہے ہیں اور یقین ہے کہ رہتی دنیا تک لکھتے رہیں گے اور لکھنے والوں کے لئے نئے نئے موضوعات پر مواد فراہم رہے گا۔ درحقیقت ممدوح بیک وقت بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ آپ نے ایک طرف ظاہری علوم کی ترویج و اشاعت کر کے جہالت کو دور کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف شمعِ عرفان کو فروزاں کر کے مسندِ ارشاد کو زینت بخشی اور اندرونی ضلالت و کدورت کے زنگ کو زائل کر کے قلوب کو روحانیت کے نور سے منور کیا۔ آپ رشد و ہدایت میں بے مثال اور علم و فضل میں بے بدل تھے۔ اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے انشا پرداز، خطیب، واعظ، حق گو، متکلم، مناظر، مفسر، محدث، فقیہ، مصنف اور مؤلف تھے۔ راقم کو اعتراف ہے کہ آپ جیسے محقق و مدقق کے گوشۂ حیات کے بارے میں تکمیل کی حد تک لکھنا ممکن نہیں البتہ راقم نے "ہندوستان میں عربی شاعری" پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں علامہ کی شعرگوئی کے سلسلے میں ابھی تک کسی نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ اس مضمون کے عنوان سے

ظاہر ہے کہ راقم اپنی بے بضاعتی و کم مائیگی کے باوجود علامہ کی صرف اس ایک حیثیت کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریگا اور معذرت کے ساتھ بطور تبرک علامہ کے سوانح حیات نہایت اختصار سے تحریر کرنے پر اکتفا کرے گا۔

امام احمد رضا بروز شنبہ بتاریخ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بوقت ظہر بریلی میں متولد ہوئے۔ آپ نسلاً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کا نام "محمد" رکھا گیا۔ تاریخی نام "المختار" (۱۲۷۲ھ) ہے لیکن بلند پایہ عالم اور صاحب دل جد امجد مولانا رضا علی خاں متوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء نے "احمد رضا" تجویز کیا۔ خود آپ نے اپنے نام کے ساتھ "عبد المصطفےٰ" کا اضافہ فرمایا اور بعد میں "فاضل بریلوی" کے لقب سے شہرت پائی۔

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر کے مولانا مرزا غلام قادر علی بیگ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء سے معقولات و منقولات کی تعلیم پائی اور تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی عمر میں اکتساب علوم سے فراغت پا کر افتا کا اہم فریضہ کم سنی سے ہی انجام دینا شروع کیا۔ چند دن رام پور میں قیام کر کے مولانا عبد العلی صاحب ریاضی داں سے "شرح چغمینی" کے متعدد سبق پڑھے۔ فطری ذہانت و ذکاوت کے تحت خود آپ کی طبع سلیم نے بعض علوم و فنون میں راہنمائی کی لیکن بعض غیر دینی اور ناپسند علوم مثلاً فلسفہ وغیرہ کو خود ترک کر دیا اور بعض علوم مثلاً ہیئت، ہندسہ، نجوم اور فنون ریاضی وغیرہ سے توجہ محض تفریحِ طبع کے لئے تھی۔ علاوہ ازیں ان سے وقت کی تعیین و تعدیل میں مدد ملتی ہے اور صوم و صلوٰۃ کے وقت کی افادیت و اہمیت ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ آپ نے سنتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے ۱۲۹۱ھ میں شیخ فضل حسین صاحب کی دختر نیک اختر ارشاد بیگم سے احکام شریعت کے مطابق شادی کی غلط رسوم و رواج سے یکسر اجتناب کر کے بطورِ نمونہ اہل اسلام کے لئے شادی کی سادہ تقریب کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی پانچ صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہوئے۔ دونوں صاحب زادے مولوی حامد رضا خاں متوفی ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء اور مولوی مصطفےٰ رضا خاں جلیل القدر عالم ہوئے۔ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں مخدوم شاہ آلِ رسول مارہروی سے شرفِ بیعت حاصل کر کے تمام سلاسلِ تصوف کی خلافت و اجازت اور حدیث کی سند حاصل کی۔

آپ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں پہلی بار والدین کی ہمراہی میں عازمِ حج ہوئے۔ حجاز مقدس پہنچے تو شیخ الاسلام علامہ سید احمد ذہبی وحلان مفتی شوافع اور شیخ عبد الرحمان مفتی احنافِ مکہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر علوم کی سند حاصل کی۔ مسجدِ حرم کے امام حضرت حسین جمال اللیل شافعی آپ کی نورانی صورت دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے اور اپنے لطف و کرم کا اظہار فرما کر آپ کو اپنے دولت کدے پر لے گئے۔ موصوف نے ضیافت کے پرخلوص فرائض ادا کرنے کے بعد صحاح ستّہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت و سند سے نوازا اور آپ کا نام "ضیاء الدین احمد" رکھا۔ آپ نے دوسری بار ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت ملکِ عرب کے علماء اور مشائخ کبار عموماً اور مکہ مکرمہ و مدینہ منوّرہ کے فضلا خصوصاً تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے۔ انہوں نے ظاہری علوم کے ساتھ روحانی فیض کا بھی استفادہ کیا۔ علامہ صالح کمال، شیخ الخطبا احمد ابو الخیر مکی، مفتی احناف مکہ علامہ عبد اللہ بن عباس بن صدیق اور محدث جلیل علامہ عبد الحق الہ آبادی مہاجر نے تبحرِ علمی کا اقرار کیا۔ آپ کے حسن انشا، طرز استدلال اور جامعیت کی بہت زیادہ تعریف و تحسین کی اور امام و مجدد جیسے عظیم الشان القاب سے یاد کیا۔ سرعتِ تحریر، تصنیف و تالیف اور وسعت علمی کی بنا پر مکہ معظمہ کی مسجدِ حرام کے امام شیخ محمد صالح نے آپ کو "رأس المؤلفین فی زمانہ" اور "امام المصنفین بحکم اقرانہ الاعلیٰ" یعنی "اپنے دور کے مولفین کے سردار" اور اپنے ہمعصر علماء و فضلا کے فیصلے کے مطابق مصنفین کے امام") کے ٹائیٹل سے سرفراز فرمایا۔

اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے فاضلِ بریلوی پر انعامات کی بارش فرمائی اور بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ خدا نے آپ کو قوی حافظہ اور ذہن رسا عطا فرمایا۔ نیز اپنے فضل و کرم سے اپنی عطا کردہ صلاحیتوں کو صحیح محل پر لگانے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اسے تائید غیبی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے فاضلِ اجل اور جملہ علوم و فنون میں ماہر و کامل ہوئے۔ مروجہ علوم میں سے ہر علم میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ پھر آپ نے درس و تدریس کی طرف توجہ کی تو تشنگانِ علم کا ایک وسیع حلقہ آپ سے برابر سیراب ہوتا رہا۔ آپ نے صرف اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ ملک میں دیگر عربی مدارس کے قیام کا کامیاب ارادہ فرمایا اور اپنے تربیت یافتہ تلامذہ سے کام لیا۔ آپ کے نامور اور ارشد تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ باری تعالےٰ نے ظاہر

کے ساتھ آپ کے باطن کو بھی آراستہ فرمایا لہذا تہ ہد و ورع، عزم و احتیاط اور اخلاص و تقوی سے مشرف فرمایا۔ آپ کے حلقہ بگوش نیاز مندوں کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہوئی۔ آپ کے خلفاء بے شمار تھے اور نہ صرف ہند و پاک میں بلکہ حرمین شریفین تک میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ دوسری بار حج کو تشریف لے گئے تھے تو قیام حرمین کے دوران چند اکابر علماء کو اسناد و اجازت عطا فرمائیں۔ اور خاصی تعداد کو واپسی کے بعد اپنے وطن مالوف بریلی سے حسب وعدہ اسناد و اجازات ارسال فرمائیں۔ مزید براں خالق اکبر نے آپ کو دوسری صفات حمیدہ سے مزین کیا۔ ———— نہ صرف آپ خوش خصال، خوش مزاج ذکی و ذہین، خلیق، متین، سخی و کریم، صاحب فہم و ادراک، صاحب بصارت و بصیرت، صاحب کرامات، حاضر جواب، صائب الرائے اور اوصاف رذیلہ سے متنفر تھے بلکہ آپ کی زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے، وہ قابل ستائش اور اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا واحد سبب یہ ہے۔ این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ جل جلالہ کا آپ پر خاص انعام و اکرام تھا۔ اگر آپ کے دامن سے منسلک حضرات کے لئے بطور مثال امام شافعی کا شعر درج کر دیا جائے تو مناسب مقام ہوگا۔ امام شافعی نے یہ شعر امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کی مدح کرتے ہوئے لکھا تھا:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ ... هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کے ذکر کا اعادہ کرو۔ آپ کا ذکر تو بلاشبہ اصلی مشک ہے لہذا تو جس قدر زیادہ ذکر کرے گا، اسی قدر زیادہ مشک کی خوشبو پھیلے گی۔ گوناگوں فضائل میں انفرادیت ہی آپ کو "اعلیٰ حضرت و امام" کے معززانہ لقب سے پکارے جانے کی ضامن بنی۔

امام احمد رضا میں امت مسلمہ کی اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۱۱ھ سے "ندوۃ العلماء لکھنؤ" کے سرکردہ اور با اختیار ارباب حل و عقد سے اختلاف ہونے پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ قادیانیت کے بڑھتے ہوئے ملحدانہ اثرات کو روکنے کی موثر تدابیر بر عمل پیرا ہوئے، فتنۂ تفضیلیت کے انسداد میں سعی بلیغ فرمائی تصوف کی غلط ترجمانی پر کاری ضرب لگائی، ترک تقلید کی عام وبا کا قلع قمع کیا۔ اختلافی مسائل میں دیوبندی علماء کو ترکی بہ ترکی دندان شکن جوابات دیئے اور تحریک خلافت کی غیر اسلامی روش پر بے باکی کے ساتھ بے لاگ تنقید کی۔ آپ مسلمانوں کے ہمدرد و غمگسار، مخلص و بہی خواہ اور مصلح امت تھے۔ اصلاح امت کا بلند نصب العین ہر وقت آپ کے پیش نظر رہا ہے خواہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں دوسری مرتبہ حاضری کا موقع ملا تو دیار عرب میں امکان بھر اصلاح کی آخری کوشش کی یہاں تک کہ بدعقیدگی کی شورش کو دفع کیا۔

امام احمد رضا نہایت بلند رتبہ صاحب قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوت حافظہ میں مسائل مستحضر تھے اور کسی موضوع پر مواد فراہم کرنے اور ترتیب دینے کی ضرورت درکار نہیں تھی جس موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا، متعلقہ مباحث کو ذہن میں مرتب کیا اور سرعت سے اپنی فراست کو کام میں لاکر مستحضر و مرتب کو تحریر کا جامہ پہنا دیا۔ آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بحسن اسلوب انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔ یہ آپ کا علمی اور روحانی تفوق ہی تھا کہ گیارہ برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا اور اپنی تمام مصروفیات اور معمولات کے ساتھ ساتھ پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں اپنی ایک ہزار علمی یادگاروں کا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ کر ٹھیک نماز جمعہ کے وقت دو بج کر اڑتیس منٹ پر بتاریخ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (مطابق ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء) اپنی حیات مستعار جان آفرین کے حوالے کی اور عالم فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی۔

(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

عربی زبان کی مثل ہے "والفضل ما شہدت بہ الاعداء" یعنی حقیقی فضیلت وہ ہے کہ جس کی دشمن گواہی دیں۔ مولانا عبدالحئی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ہندوستانی علماء کا تذکرہ لکھا تو اختلاف مسلک کے باوجود علامہ کے سوانح حیات تحریر کرنے میں دیانت داری کے ساتھ حسب ذیل امور کو بھی بیان کیا:

رہی حجاز نے علماء سے فقہ اور علم کلام کے بعض مسائل میں آپ کا مذاکرہ ہوا اور آپ نے حرمین میں اقامت کے دوران چند رسائل لکھے۔ چند مسائل جو علمائے حرمین نے بغرض استفتا پیش کئے تھے، آپ نے ان کے جوابات تحریر کئے اور عجلت تحریر، ذکاوت اور قوت استدلال پر وہاں کے بڑے بڑے علماء بالکل حیران رہ گئے۔

آپ متبحر عالم، کثیر المطالعہ اور وسیع معلومات و اطلاعات کے حامل تھے۔ آپ کا قلم رواں دواں تھا۔ آپ کی فکر رسا جزئیات کا احاطہ کرنے والی تھی۔ آپ کثیر التصانیف تھے اور بعض سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق تصانیف و رسائل کی تعداد پانچ سو ہے۔

آپ کی سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تصنیف "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" ہے۔ آپ مباحثہ و مناظرہ میں بلند مرتبہ تھے۔ حنفی فقہ اور اس کی جزئیات کے علم میں اپنے عہد میں نادرۂ روزگار اور اپنی نظیر آپ تھے۔ اس دعوی پر آپ کے فتاوی کا مجموعہ اور "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" شاہد ہیں۔ موخر الذکر کتاب کو آپ نے مکہ مکرمہ کے دوران قیام ١٣٢٣ھ میں تالیف کیا۔ آپ کو علوم ریاضی، علم ہیئت، علم نجوم اور علم توقیت میں کامل دستگاہ اور مہارت تھی۔ علم رمل اور علم جفر میں بھی آپ کو کافی دسترس حاصل تھی۔ اور زیادہ تر علوم و فنون میں آپ کو خاصا دخل تھا۔[1]

امام احمد رضا نے نہ صرف عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں میں شاعری کی بلکہ بعض نظمیں التزام کے ساتھ ہندی بھاشا کی آمیزش سے لکھیں۔ آپ کا تخلص رضا تھا۔ آپ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے نام سے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اور تین چار اڈیشن نکل چکے ہیں۔ حصہ سوم کے فاضل مرتب نے صراحت کی ہے کہ آپ کا عربی دیوان گم گیا۔[2] یہی وجہ ہے کہ آپ کے خلف رشید جناب مولانا مصطفیٰ رضا صاحب سے مراسلت کرنے پر مجھے آپ کا عربی کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اور بعد ازاں بریلی جا کر شرف ملاقات حاصل کرنے پر بھی کلام نہ دیکھا جا سکا البتہ مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم نے اپنی تالیف "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" (مطبع حنفیہ، پٹنہ ١٣٢٧ھ) میں صراحت کی ہے کہ آپ کے دیوان میں پندرہ سولہ عربی و فارسی کے قصائد ہیں۔ یقین ہے کہ آپ کے وصال تک عربی و فارسی کلام کا معتدبہ اضافہ ہوا ہوگا کیونکہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ علامہ رضا عشق رسول میں مستغرق و سرشار تھے۔ لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ نے فخر موجودات سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور خداوند عالم کی حمد و ثنا میں واردات قلبی کو نظم کا جامہ نہ پہنایا ہو۔ اسی طرح اپنی زندگی اور مقربین و مخلصین کی زندگیوں کے اہم واقعات، حوادث اور تقاریب وغیرہ پر آپ نے ضرور اشعار کہے ہوں گے۔ مجھے اب تک اپنی تلاش میں مجموعی طور پر تین سو نوے عربی اشعار حسب ذیل کتب میں دستیاب ہو سکے ہیں۔

١۔ "آمال الابرار و آلام الاشرار" نامی ایک سو ستر اشعار کا دالیہ قصیدہ (مطبع حنفیہ عظیم آباد) اس قصیدے کے مقاصد دنیا کی مذمت، آخرت کی طرف رغبت، بدعت ندوہ کی قباحت، عظیم آباد میں منعقد ہونے والے جلسۂ اہل سنت کی تعریف اور واقعہ فساد کا بیان ہیں۔

٢۔ حدائق بخشش حصہ سوم مرتبہ مولانا محمد محبوب علی خاں قادری برکاتی رضوی مجددی (اسٹیم پریس، ریاست نابھہ ١٣٤٢ھ) کے مختلف صفحات میں "سبحن السبوح انوار ساطعہ، رحب الساحہ فی میاہ لا یستوی وجہہا و جوفہا فی المساحہ، رسالۃ النور و النورق لاسفار الماء المطلق" وغیرہ چند تصانیف سے مختلف موضوعات پر ستر عربی اشعار۔

٣۔ مواقع النجوم و مطالع اہلۃ الاسرار و العلوم، شیخ محی الدین ابن العربی (مطبع گلزار حسینی، بمبئی): ١٥٣۔١٦٠ پر تیرہ اشعار کا قطعۂ تاریخ وفات اور چالیس اشعار کا مرثیہ بر وفات محمد اسماعیل قادری نقشبندی شاذلی۔

٤۔ الاجازہ فی ذکر الجہر مع الجنازہ، مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی (مطبع مجتبائی، بمبئی ١٣١٥ھ): ٣٥-٣٦ پر نو اور چوبیس اشعار کے دو مرثیے بر وفات

١۔ نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر (مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ١٣٩٠ھ / ١٩٧٠ء) ٨: ٣٨، ٤١

٢۔ حدائق بخشش ٣: ٨ (٣) "حاشیہ صفحہ آئندہ پر"

مولانا عبید اللہ مدرس اعلیٰ جامع مسجد بمبئی۔

۵۔ الحسل المصفیٰ فی عقائد ارباب سنۃ المصطفیٰ۔ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قادری (مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ، میرٹھ ۱۲۹۸ھ): ۲۰-۲۱ پر تقریظ کے سولہ شعر۔

۶۔ سراج العوارف فی الوصایا والمعارف۔ میاں صاحب قادری (وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۱۳ھ): ۱۲۳، ۱۲۴ پر تقریظ کے گیارہ شعر۔

۷۔ تذکرہ علمائے اہل سنت۔ مولانا محمود احمد قادری (رزاقی پریس، کانپور ۱۳۹۱ھ)

۱۸۷ پر گیارہ اشعار بر وفات مولانا محمد عمر حیدر آبادی۔

۸۔ ماہنامہ "الرضا" (بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ): ۳ پر دس اشعار بر وفات پیر محمد عبد الغنی۔

۹۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری۔ مولانا حافظ محمد علی حیدر کاکوروی (مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ): ۱۲۳، ۱۲۴ پر چار اشعار کا قطعۂ تاریخ بر وفات مولانا حکیم محمد حبیب علی علوی کاکوروی۔

۱۰۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر۔ سید نور محمد قادری (تجارت پرنٹرز، لاہور ۱۳۹۵ھ): ۴۶ پر تین شعر بر وفات حکیم محمود خاں دہلوی۔

۱۱۔ مشاہیر بنارس۔ عبدالسلام نعمانی (مطبع ندوۃ المعارف، بنارس) ۱۹ پر دو شعر۔

کاش امام احمد رضا کا تمام عربی کلام پیش نظر ہوتا مگر افسوس کہ محفوظ نہ رہا تاہم مذکورہ بالا تحریر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ دستیاب شدہ کلام اللہ تعالیٰ کی حمد، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، گمراہ فرقوں مثلاً وہابیہ، نیچریہ اور روافض وغیرہ کی مذمت، حق کی اشاعت، واصل بحق ہونے والے علماء کی حیثیت، ان کے سالہائے وفات، کتابوں کی تقریظوں اور اُن کے سنہ طباعت سے متعلق ہے۔ اس قدر کلام کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی شعر گوئی کے بارے میں بڑی حد تک وثوق کے ساتھ رائے سپردِ قلم کی جا سکتی ہے اور کلام کے مختلف نمونے درج کئے جا سکتے ہیں۔

(صفحہ سابق کا حاشیہ ۲/۲) یہ طویل عربی قصیدہ قاضی عبدالوحید حنفی فردوسی متوفی ۱۳۲۶ھ کے نام سے شائع ہوا مگر یہ حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

۱۔ میں نے ریسرچ کے دوران موصوف کے صاحبزادے قاضی عبدالودود صاحب سے مراسلت کی اور مزید عربی کلام و سوانح حیات کو طلب کیا۔ قاضی صاحب نے براہ علم نوازی والدِ بزرگوار کے مختصر حالاتِ زندگی تحریر کرا کے ارسال فرمائے اور عربی کلام کے دستیاب ہونے پر استعجاب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بجا طور پر لکھا کہ انہیں اپنے والد کے عربی گو شاعر ہونے کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے والد عربی زبان کے عالم نہیں تھے۔ عربی زبان کی بہت معمولی واقفیت تھی۔ اگر قاضی عبدالوحید صاحب کو عربی کا عالم مان لیا جائے تو بھی یہ بات خلاف عقل اور بعید از قیاس ہے کہ ایسا قادر الکلام شخص جس کی مُہرِ سکوت ٹوٹے تو وہ اس قدر طویل عربی قصیدہ لکھے اور اس کے بعد عربی زبان میں شعر گوئی سے توبہ کرے۔ قصیدۂ ہذا لکھنے سے پہلے کوئی شعر کہا اور نہ بعد میں یا کہا تو ایسا مخفی رکھا کہ کانوں کان پتا نہ چلا اور گھر والے بھی بے خبر رہے یا کہا مگر اس مطبوعہ قصیدے کے علاوہ ضائع کر دیا۔ معمولی سمجھ رکھنے والا بھی اس طرح کے احتمالات کو قبول نہیں کر سکتا۔

۲۔ حدائقِ بخشش حصہ سوم میں ص ۸ پر صراحت ہے کہ مذکورہ بالا قصیدہ فاضل بریلوی کا تحریر کردہ قصیدہ ہے۔

۳۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے بھی نشاندہی کی ہے کہ یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت کا لکھا ہوا ہے۔ موصوف کی یہ صراحت شک و شبہ سے بالاتر ہے کیونکہ آپ کے والدِ ماجد مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم اور فاضل بریلوی کے درمیان مخلصانہ و عقیدتمندانہ تعلقات تھے۔ باخبر حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مولانا موصوف فاضل بریلوی کے اطاعت شعار تلمیذِ رشید، قابلِ فخر عالم، وفادار نیازمند، سعادتمند مرید، خلیفہ مجاز، پُرخلوص مدّاح، لائقِ اعتماد، پسندیدہ مقرّب، اسرار و رموز کے واقف کار، علمی کاموں میں ایک حد تک مشیر اور معین و مددگار، دستِ راست اور قوتِ بازو تھے لہٰذا پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی حیثیت اس سلسلے میں اِس مثل کے مطابق ہے "صاحب البیت ادری بما فیہ" یعنی گھر کا مالک گھر کی اندرونی حالات سے زیادہ باخبر ہوتا ہے (میں پروفیسر موصوف کی اس راہنمائی اور علمی تعاون و ہمدردی کا بصمیم قلب ممنون ہوں)۔ ۴۔ کلام انداز اور موضوع اِس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ فاضل بریلوی کا کلام ہے۔

علامہ رضا کی شاعری وہبی تھی۔ شاعری میں آپ کو کسی کا تلمذ نہیں تھا۔ خلاقِ عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی، سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے، اسی لئے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے اور آورد کا نام نہیں۔ رہی عربی زبان تو اہل زبان عرب فضلائے عربی تحریر میں حسنِ انشا کا اعتراف کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شعر گوئی کی طرف آپ کی توجہ مبذول ہونے کی ضرورت تھی، اور بس۔ آپ کے لئے عربی نثر و نظم دونوں کی یکساں حیثیت تھی، مگر آپ نے مہتم بالشان کاموں کی انجام دہی کی وجہ سے شاعری کی طرف بہت کم التفات کیا اور شعر گوئی میں زیادہ وقت نہیں گزارا۔ ورنہ آپ کے کلام کا مجموعہ نہایت عظیم ہوتا۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ عالمِ دین کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ اس لئے آپ کی شاعرانہ تحقیقات کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ بہرکیف یہ مسلم امر ہے کہ آپ اردو زبان کے طبقۂ اول کے نعت گو شعراء میں تھے کیونکہ نعت گوئی کے لئے عشق و محبت شرطِ اول ہے اور آپ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی نعت گوئی آدابِ عشق و محبت کی آئینہ دار ہے۔ حضورِ انور نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی محبت نہ صرف ہر چیز سے بلند و برتر تھی بلکہ والہانہ عقیدت اور حقیقی جاں نثاری تھی۔ آپ نے جذبۂ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ورثہ میں پایا تھا۔ پھر اپنے دل میں محبت و عقیدت کی باضابطہ پرورش کی تھی، اور قلب و روح کو احترام و عقیدت کا خوگر بنا لیا تھا۔ عاشقانِ پاک طینت کی طرح آپ "شمع بزمِ ہدایت" کے پروانے تھے۔ آپ کا کلام عشق و مستی اور درد و سوز کی نعمت سے مالا مال ہے۔ آپ کے کلام میں عاشقانِ صادق کی طرح حسنِ بیان اور خلوص و عشق کا صحیح امتزاج ہے۔

علامہ رضا نے مخصوص حالات و کیفیات سے متاثر ہو کر اپنے جذبات کی نظم میں ترجمانی کی البتہ جتنا بھی لکھا خوب لکھا اور اغیار تک سے دادِ تحسین پائی۔ جزالت و انسجام سلاست و سادگی اور بے ساختگی و روانی آپ کے عربی کلام کی خصوصیات ہیں۔ عربی تراکیب کی بندش اور مناسب و برمحل الفاظ کے استعمال پر آپ کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تشبیہات و استعارات وغیرہ، لفظی و معنوی صنائع اور ضرب الامثال کا بے تکلف اور مناسب انداز میں استعمال ہے۔ آپ کا کلام تصنع اور شعری عیوب سے پاک ہے۔ آپ نظم میں مشکل پسندی کے قائل نہیں تھے۔ اور زیادہ تر برجستہ سی موزوں و مقفیٰ لکھتے۔ آپ پر عربیت کا غلبہ اس قدر زیادہ تھا کہ آپ کا اردو کلام نہ صرف زیادہ تر عربی الفاظ و تراکیب پر حاوی ہے بلکہ اردو کلام کے ضمن میں عربی اشعار، مصرعوں اور جملوں کا بے ارادہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ "حدائق بخشش" کے مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی اردو شاعری اردوئے معلی کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ اسی لئے میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے اردو کلام سے بھی درحقیقت وہی صحیح معنیٰ میں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جسے عربی و فارسی پر عبور ہو یا کم از کم اردو زبان کا اچھا فاضل و ادیب ہو۔ آپ کے عربی کلام کے مختلف نمونے ذیل میں درج ہیں اور ساتھ ہی اردو داں حضرات کے لطف اندوزی اور مطالب سے باخبر ہونے کی خاطر عربی اشعار کا ترجمہ بزرگی حد تک بامحاورہ اردو میں کیا گیا ہے۔ ترجمہ پڑھنے سے قارئین پر کم از کم یہ امر بھی عیاں ہو جائے گا کہ آپ نے عربی کلام میں درحقیقت کوزے میں دریا کو سمو دیا ہے۔

امام احمد رضا کے ایک خلیفۂ اجل مولانا الشیخ ضیاء الدین مدنی نے مولانا حافظ احسان الحق صاحب (گوجرانوالہ) سے بیان فرمایا: ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰ حضرت کا درج ذیل عربی قصیدہ پڑھا تو انہوں نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی الاصل عالمِ دین کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے بتایا کہ اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں جو عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں۔ علمائے مصر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔ اس قصیدے کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ   بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ

(خدائے یکتا کی حمد و ثنا ہے۔   وہ اپنے جلال میں یکہ و یگانہ ہے)

وَصَلٰوتُہٗ دَوْمًا عَلٰی   خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

(تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ انسان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی رحمت ہمیشہ نازل ہوتی رہے۔)

وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ   مَاْوَایَ عِنْدَ الشَّدَائِدِ

(اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کتاب (قرآن مجید) اور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرا وسیلہ ہیں)

وَمِنْهُ اَتیٰ بِکَلَامِہٖ وَبِمَنْ تَصَدّٰی وَبِمَنْ هَدٰی

(بارگاہ الٰہی میں وہ میرا وسیلہ ہیں جو اللہ کے کلام کو لائے جنہوں نے راہ راست کی طرف راہنمائی کی اور جن کے ذریعے مخلوق کی ہدایت ہوئی یعنی شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم)

وَبِطَیْبَةَ وَبِمَنْ حَوَتْ وَبِمِنْبَرٍ وَّبِمَسْجِدٖ

(میں مدینہ طیبہ، مہاجرین و انصار، منبرِ سرکار، پُر قرار اور مسجد نبوی کے وسیلے سے اللہ کے تقرب کا طالب ہوں)

وَبِكُلِّ مَنْ وَجَدَ الرِّضَا مِنْ عِنْدِ رَبٍّ وَاجِدٖ

(رضائے الٰہی، برگزیدہ انسان سے متوسل ہے جو اپنے پروردگار کی جانب سے خوشنودی پا چکا ہے)

اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست کرتے اور پناہ چاہتے ہوئے لکھا[1]

عَدَی الْعَادُوْنَ وَجَارُوْا وَرَجَوْتُ اللهَ مُجِیْرًا

(مخالفین نے ظلم و تشدد سے کام لیا اور خوب جور و ستم کیا۔ میں نے اللہ سے لو لگا رکھی ہے کیونکہ وہ حقیقی پناہ دہندہ ہے)

وَکَفٰی بِاللهِ وَلِیًّا وَکَفٰی بِاللهِ نَصِیْرًا

(اللہ مالک و ولی ہونے کے لحاظ سے کافی ہے اور اللہ ہی معین و مددگار ہونے کی حیثیت سے کافی ہے)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ حفاظت میں پناہ پکڑتے ہوئے لکھا[2]

رَسُوْلَ اللهِ! اَنْتَ الْمُسْتَجَارُ فَلَا اَخْشَی الْاَعَادِیْ کَیْفَ جَارُوْا

(اے اللہ کے رسول! آپ پناہ گاہ ہیں لہٰذا میں دشمنوں سے ذرا بھی خائف نہیں کہ وہ کس طرح ظلم و ستم ڈھائیں؟)

بِفَضْلِكَ اَرْتَجِیْ اَنْ عَنْ قَرِیْبٍ تُمَزِّقُ کَیْدَهُمْ وَالْقَوْمُ بَارُوْا

(مجھے آپ کے لطف و کرم سے توقع ہے کہ آپ جلد ہی دشمنوں کے مکر و فریب کے دام کو چاک فرما دیں گے اور دشمنوں کا گروہ ہلاک ہو جائے گا۔)

نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اعانت کی درخواست کرتے ہوئے رقم طراز ہیں[3]

رَسُوْلَ اللهِ! اَنْتَ بُعِثْتَ فِیْنَا کَرِیْمًا رَحْمَةً حِصْنًا حَصِیْنًا

اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں کریم و رحیم اور حصن حصین بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں۔

تُخَوِّفُنِی الْعِدٰی کَیْدًا مَتِیْنًا اَجِرْنِیْ یَا اَمَانَ الْخَائِفِیْنَا

(اے خوف زدہ اشخاص کے مجسّم امن و امان! دشمن اپنے زبردست مکر و فریب سے مجھے خائف بنا رہے ہیں، اس لئے آپ مجھے پناہ دیجئے اور میری حفاظت فرمائیے)

تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کرتے ہوئے لکھا[4]

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

وَكُلُّ خَيْرٍ مِّنْ عَطَاءِ الْمُصْطَفٰى   صَلَّى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَعْ مَنْ يَّصْطَفِى

(ہر قسم کی نعمت۔ بھلائی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دیگر منتخب اشخاص کے ساتھ رحمت نازل فرمائے)

صَلَّى عَلَيْهِ الْقَادَةُ الْأَكَارِمُ   اَللّٰهُ مُعْطٍ وَّالْحَبِيْبُ الْقَاسِمُ

(اللہ عطا فرماتا ہے اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمانے والے ہیں، اسی لئے قاسم کے لقب سے موسوم ہوئے، اقوام کے معزز و مکرم سردار آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں)

كَلَّا وَلَا يُرْجٰى بِغَيْرِهٖ نَائِلٌ   مَا نَالَ خَيْرًا مِّنْ سِوَاهُ نَائِلٌ

(کسی بھی پانے والے نے آپ کے علاوہ کسی سے بھی معمولی نعمت نہیں پائی۔ یہ امر بالکل یقینی ہے کہ سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی سے بھی بخشش کی توقع نہیں کی جا سکتی۔)

فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْأُخْرٰى لِلْأَبَدْ   مِنْهُ الرَّجَا مِنْهُ الْعَطَا مِنْهُ الْمَدَدْ

(آپ ہی سے امید ہے، آپ کی طرف سے ہی جود و عطا ہے اور آپ ہی کی جانب سے دین و دنیا میں اور لامتناہی اخروی زندگی میں مدد و اعانت ہے کیونکہ آپ زبدۂ کائنات، خیر البشر، افضل الرسل، ساقیٔ کوثر اور شافع محشر ہیں۔)

قصیدہ آمال الابرار و آلام الاشرار کے چند ابتدائی اور آخری اشعار

هِيَ الدُّنْيَا تُبِيْدُ وَلَا تُفِيْدُ   فَأُفٍّ لِّمَنْ يُّرِيْدُ وَمَنْ يَّرُوْدُ[5]

(یہ دنیا ہی ہے جو ہلاک کرتی ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتی ہے لہذا اس شخص پر افسوس ہے جو دنیا کا ارادہ کرے اور اس کو تلاش کرے۔)

نُفُوْسُ الْجَهْلِ شَائِقَةٌ إِلَيْهَا   فَمُلْتَمِسٌ وَّآخَرُ مُسْتَزِيْدٌ

(نادان لوگ دنیا کے شائق اور آرزومند ہوا کرتے ہیں تو ایک اسے ڈھونڈ رہا ہے اور دوسرا زیادتی کی فکر میں لگا ہوا ہے۔)

وَلَمْ أَرَ مِثْلَ طَالِبِهَا غَبِيًّا   وَلَا كَبْشًا يَمُدُّ بِهِ الْقُيُوْدُ

(میں نے طالب دنیا کی طرح کوئی بے وقوف نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ بے عقل مینڈھا بھی نہیں کہ جسے میں مذبح کی طرف کھینچوں)

يُبَادِرُ جُهْدَهٗ وَإِنِ اسْتَطَاعَ   تَفَلَّتَ وَهُوَ مِنْ كَلَئِيْ شَرُوْدٌ

(وہ بھی امکان بھر چلنے میں ضد کرے گا اور اسے موقع ملے تو ایسا بھاگے کہ میں اسے گھاس دکھاتا رہوں اور وہ پاس نہ آئے)

وَذَا الْمِسْكِيْنُ يَعْدُوْ نَحْوَ مَوْتِهٖ   بِأَرْجُلِهٖ وَيَحْقِدُ مَنْ يَّصُدُّ

(اور یہ بے چارہ بے وقوف خود اپنے پاؤں سے اپنی موت کی طرف دوڑ رہا ہے اور جو اسے خیر خواہی کرتے ہوئے روکے اس کا دشمن ہو جاتا ہے)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ مُؤْتَفِكَاتِ قَوْمٍ   هَوَتْ لِهَوًى فَأَهْوَاهَا السُّمُوْدُ[6]

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ایک قوم (یعنی قوم لوط علیہ السلام) کی بستیاں الٹ دی گئیں کیونکہ قوم باطل خواہش کی طرف مائل ہوئی اور ان کے لہو و لعب نے ان کو تباہ کر دیا۔)

۱: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد (تجارت پریس لاہور ۱۳۹۴ھ) طبع دوم: ۹۵، ۹۶، حدائق بخشش حصہ سوم: ۱۲

۱: حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۰ (۲) ایضاً: ۹۳ (۳) ایضاً: ۹۳ (۴) ایضاً: ۹۳-۹۴ (۵) آمال الابرار و آلام الاشرار: ۲ (۶) ایضاً: ۲۱

أَمُسْلِمُ! عُذْ بِوَجْهِ اللّٰهِ مِنْهُمْ ۔۔۔ فَإِنَّ مَعَاذَهُ الرُّكْنُ الشَّدِيْدُ

(اے مسلم! شریروں کے شر سے اللہ عز وجل کی پناہ میں آ کیونکہ اسی کی پناہ نہایت مضبوط سہارا اور محکم ستون ہے۔)

وَلُذْ بِرَسُوْلِهِ فَلِيَاذُهُ الْحَقُّ ۔۔۔ وَعَاهَدَهُ مِنَ اللّٰهِ الْعُهُوْدُ [1]

(اور اللہ کے رسول کی پناہ لے کیونکہ ان کی پناہ حق و درست ہے اور اُن کی پناہ سے اللہ کے وعدے مربوط اور وابستہ ہیں۔)

عَلَى الْمَوْلَى مِنَ الْأَعْلَى صَلَوَاتٌ ۔۔۔ تَفِيْضُ فَتَسْتَفِيْضُ بِهَا الْعَبِيْدُ

(ہمارے آقا سرورِ کون و مکان پر رب اعلیٰ کی ایسی رحمت کا فیضان ہو کہ جس سے ہم سب ان کے غلام فیضیاب ہوں۔)

عَلَى الْوَالِيْ مِنَ الْعَالِيْ سَلَامٌ ۔۔۔ يَجُوْدُ فَيَجْتَدِيْ مِنْهُ الْعُبُوْدُ

(ہمارے والی و حاکم پر اللہ تعالیٰ سلامتی کی بخشش فرمائے اور اُن کے سب غلام اس بخشش سے مستفید ہوں۔)

صَلٰوةٌ لَا تُحَدُّ وَلَا تُعَدُّ ۔۔۔ لَا تَفْنٰى وَإِنْ فَنِيَتْ أُبُوْدُ

(آپ پر خدا کی ایسی رحمت نازل ہو جو بے حد و حساب ہو، جو احاطۂ عدد سے خارج ہو اور جو منقطع نہ ہو اگرچہ طویل زمانے فنا ہو جائیں۔)

سَلَامٌ لَا يُمَنُّ وَلَا يُمَاتُ ۔۔۔ وَلَا يَبْلٰى مَتٰى بَلِيَتْ عُهُوْدُ

(آپ پر ختم نہ ہونے والا اور موخر نہ ہونے والا خدا کا سلام ہو اور جب زمانے پرانے ہوں تو اُس میں کہنہ پن نہ پایا جائے۔)

رَسُوْلَ اللّٰهِ! انت منا الرَّجَاءُ ۔۔۔ وَفَضْلُكَ وَاسِعٌ وَجَدَاكَ جُوْدُ

(اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کا مرکز ہیں۔ آپ کا فضل و کرم وسیع ہے اور آپ کی سخاوت حقیقی سخاوت ہے۔)

حَبِيْبُ اللّٰهِ مَنْ تَقْرُبُهُ حِفْظًا ۔۔۔ فَكُلُّ كَرِيْهَةٍ عَنْهُ بَعِيْدُ

(جس شخص کی حفاظت کے لئے اللہ کے حبیب اس سے نزدیک ہوں تو اس سے ہر مصیبت دور ہے اور وہ عافیت میں ہے۔)

فرقۂ وہابیہ کی تردید کرتے ہوئے "انوار ساطعہ" پر بطور تقریظ یہ اشعار لکھے۔

وَلَا أَدْرِيْ وَسَوْفَ إِخَالُ أَدْرِيْ ۔۔۔ أَقَوْمٌ آلُ نَجْدٍ أَمْ نِسَاءٌ؟ [2]

(سر دست مجھے علم نہیں ہے، البتہ امید ہے کہ کچھ دیر بعد مجھے حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی کہ میرے مخالفین نجدیوں کی اولاد ہیں یا عورتیں۔)

فَمَنْ فِيْ كَفِّهِ مِنْهُمْ خِضَابٌ ۔۔۔ كَمَنْ فِيْ كَفِّهِ مِنْهُمْ لِوَاءٌ

(لوگوں میں سے جس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہو تو کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس کے ہاتھ میں جنگ کا جھنڈا بلند ہو۔)

فَمَا فِيْهِمْ رَشِيْدُ الصِّدْقِ إِلَّا ۔۔۔ وَإِنْ تُمْعِنْ فَرُشْدُهُمُ هَبَاءُ

(میرے اعدا میں سے کوئی بھی حق و صداقت میں کامیاب نہیں ہوا بلکہ اگر تم غور سے دیکھو تو ان کی ہدایت اُس خس و خاشاک کی مانند ہے جس کے ذرات صرف آفتاب کی کرنوں میں دکھائی دیتے ہیں۔)

فَمَا مَعْنٰى تَمَادِيْ لَهُمْ وَلٰكِنْ ۔۔۔ عَسَى الْحَنَّانُ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ

(آپ نے راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں سے تمام مطالب پر گفتگو کر لی ہے لیکن ہدایت خدا کی مشیت میں ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ اور اپنی عنایت سے جسے چاہتا ہے راہِ راست پر گامزن کر دیتا ہے۔)

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے مجھے فاضل بریلوی کی ایک تصنیف دستیاب ہوئی۔ اس کا تاریخی نام "سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح" ہے۔ [3]

---

(۱) آمال الابرار و آلام الاشرار: ۲۱، ۲۲ - (۲) انوار ساطعہ بحوالہ حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۰ (۳) سبحن السبوح: ۵۷ (۴) سبحن السبوح: ۶۹

اس سے ۱۳۰۷ھ کے اندازہ نکلتے ہیں۔ میرے سامنے اس کا تیسرا اڈیشن ہے جو مطبع اہل سنت وجماعت بریلی سے چھپا ہے۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ محدث کے بعض عربی اشعار ان کی تصانیف میں بھی ملتے ہیں۔ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو خاصے شعر جمع ہو جائیں۔ اس آئینہ میں فرقہ معتزلہ کا اپنے آپ کو موحد کہنے کا رازہ ومنشا بتاتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں: معتزلہ نے تعدد قدما سے بچنے کے لئے نفی صفات کی اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا۔ ٹھیک اسی طرح طائفۂ جدیدہ نے اشتراک لفظ وجود سے بھاگنے کے لئے نفی اقتضائے ذات کی اور اپنا نام موحد ترا شا۔ اسی بارے میں میرا قول ہے:

غبر الذین بالاعتزال ۔۔۔ او دم بالتوهب جاد ذات

(جن لوگوں نے قدیم زمانے میں اعتزال کو اور کچھ عرصے سے وہابیت کو اختیار کیا، ناکام و نامراد ہو گئے)

ذا اهل توحید، وذا ۔۔۔ ك موحد غواة

(فرقہ معتزلہ نے اپنے آپ کو اہل توحید (اصحاب توحید) کے نام سے مشہور کیا اور وہابیوں کی جماعت نے موحد کے لقب سے اپنے کو موسوم کیا۔ دونوں ہی گمراہ، حق سے محروم اور الگ ہونے والے ہیں۔)

نعم القلوب تشابهت ۔۔۔ فتناسب الاعضاء

(چونکہ دونوں جماعتوں کے قلوب یکساں ہیں، اس لئے ان کے اعضائے بدن میں بھی بہت زیادہ مناسبت ہے۔)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: معتزلہ نے اس قدیم العدل پر تہمت ظلم رکھی، اور وہابیوں نے اس واجب الصدق پر افترائے کذب اٹھایا۔ میرا قول ہے:

هم امنوا انما بظالم مليكهم ۔۔۔ ذا قائل لكن بأيكذب الله

(معتزلہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے اپنے حقیقی مالک کے ظالم ہونے پر ایمان لائے اسی طرح وہابیوں نے دروغ گوئی کرتے ہوئے اپنے معبود کے کاذب ہونے کا قول کیا۔)

لاغرو فيه اذا القلوب تشابهت ۔۔۔ فالشبه نزاع الى اشباهه

(یہ بات کہ ایک جماعت نے ایک خلاف عقل صفت اللہ کے لئے تسلیم کی اور دوسری جماعت نے باری تعالیٰ میں دوسرے نقص کا اذعان کیا تو اس میں حیرت ہے اور نہ کوئی مضائقہ کیونکہ دونوں جماعتوں کے قلوب میں یکسانیت ہے اور یہ فطری قانون ہے کہ کوئی چیز اپنی ہی جیسی مشابہ چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے) اس فرقے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ امام و مقتدی سب کے سب نہ ایک دو کفر بلکہ صدہا کفر اور سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں قائل ہوں:

فكفر فوق كفر فوق كفر ۔۔۔ كان الكفر من كثر وفر

(کفر میں اضافہ در اضافہ اور زیادتی پر زیادتی ہے گویا کہ کفر اپنی کثرت کی انتہا پہنچ چکا ہے۔)

كماء اسن في قنن دفر ۔۔۔ تتابع قطره من ثقب كفر

(جس طرح کہ بدبودار پانی بہت زیادہ گندگی و بدبو دار جگہ میں ہو اور پہاڑی گھاٹی کے سوراخ سے گندے قطرات کا برابر اضافہ ہو رہا ہو۔)

مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے والد ماجد حکیم محمود خاں صاحب دہلوی کی وفات حسرت آیات پر قدیمی تعلق کی وجہ سے حسب ذیل تین شعر کہے تھے جو اس وقت بھی اس پتھر پر کندہ ہیں جو حکیم صاحب کی قبر کے سرہانے لگا ہوا ہے:

بكت العيون، أما تريد جمودا ۔۔۔ أبكت شريفا صادقا محمودا

(آنکھوں نے آنسو بہائے، کیا آنکھوں نے اشک ریزی سے نہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کیا آنکھیں شریف، صادق اور محمود پر گریاں ہیں؟)

حکیم صاحب کے جدِ امجد اور والدِ بزرگوار کے اسما بالترتیب حکیم محمد شریف خاں اور حکیم صادق علی خاں تھے۔ تینوں کی رعایت کو ترتیب کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے (۱)

أَسِفَتْ لِفَقْدِ الطِّبِّ عصر قوامهٖ　　　فَاضَتْ وَهَلْ بِمَا تُحِسُّ فقيدًا

آنکھیں غمگین ہیں کیونکہ طب نے اپنے مایۂ صحت کا سہارا کھو دیا ہے۔ آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ کیا ہم سے رحلت اختیار کرکے مفقود ہو جانے والے پر آنکھوں کو کسی عذاب کے خطرے کا احساس ہے؟)

أَمْلَتْ عَلَىٰ مَثْوَاهُ يَوْمَ مَعَادِهٖ　　　قَبْرُ الَّذِي فِي الطِّبِّ مَاتَ حَمِيدًا

(حکیم صاحب کی وفات کے وقت آنکھوں نے اُن کے مرقد پر بزبانِ حال تحریر کرایا یہ اس شخص کی قبر ہے جس نے فنِ طب میں نیک نامی کی زندگی گزاری اور انتقال کے بعد قابلِ ستائش قرار پایا۔)

شاہ سید آلِ رسول احمد مارہروی کی وفات پر کہے ہوئے اشعار میں سے دو شعر

وَلِيٌّ طَاهِرٌ بَرٌّ إِمَامٌ　　　وَصُولٌ طَيِّبٌ بَدْرٌ أَمِيرٌ (۲)

(شاہ صاحب [۱۲۹۶] اللہ کے دوست، معاصی کی گندگی سے پاک، نیک سیرت، مخلوق کے پیشوا [۱۲۹۶]، ملنسار، پاکیزہ، ماہ کامل اور حاکم و امیر تھے۔)

وَحِيدٌ طَائِعٌ بَحْرٌ أَمَانٌ　　　وَدُودٌ طَائِبٌ بَدَلٌ أَجِيرٌ

موصوف اپنی حیثیات میں منفرد، خدا کے فرمان بردار [۱۲۹۶]، امن و امان کے بحرِ بیکراں، محبت [۱۲۹۶] دعا نشق، نیک صفات، سخی و صالح اور صدقہ و خیرات کرنے والے تھے)

آپ نے اپنے دوست محمد اسماعیل قادری نقشبندی شاذلی کی وفات پر مرثیہ لکھا تھا۔ مرثیہ ہذا کے چند اشعار ہیں۔

بَلَىٰ لَيْلُ ذِي هَمٍّ طَوِيلٌ وَسِيَّمَا　　　هُمُومٌ عَلَىٰ أَهْلِ مَصَائِبِ جَلَّتِ (۳)

(اگر میرے خیر خواہ رفیق کے انتقال کی وجہ سے مجھ پر غم کی رات طویل ہو گئی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ شدید رنج و الم میں مبتلا شخص کی رات طویل ہی ہوا کرتی ہے اور خاص طور سے ویرانوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کے مصائب عظیم تر ہوا کرتے تھے۔)

أَلَا كُلُّ رُزْءٍ فِي دُنْيَاكَ مُنْتَهٍ　　　وَكُلُّ مُحَاقٍ مُسْفِرٌ عَنْ أَهِلَّةٍ

(اے ممدوح! آپ کی ذاتِ گرامی ایسی تھی کہ آپ سے نزدیک ہونے پر ہر تکلیف ختم ہو جاتی تھی۔ اللہ کا یہ مقررہ قانون ہے کہ مہینے کی آخری تین راتوں میں چاند دکھائی نہیں دیتا مگر وہ پہلی تاریخ کو ہلال بن کر جلوہ گر ہوتا ہے اور ماہِ تاباں بنتا ہے۔ اسی طرح آپ کے پاس کوئی مغموم پہنچتا تو مسرور ہو کر واپس ہوتا تھا۔

شِمَالُ عُبَيْدِ اللّٰهِ جَلَّتْ جَلِيلَةً　　　وَشِمِيشُ إِسْمَاعِيلَ بِالتَّلْوِ مَلَّتِ

(عبید اللہ کا بایاں ہاتھ نہایت عظیم الشان تھا۔ دائیں ہاتھ کی عظمت کا تو کوئی ٹھکانا نہیں یعنی خیر و صلاح، ہدایت و ارشاد اور علم و عمل میں بلند پایہ تھے مرحوم اسماعیل کا بایاں ہاتھ عبید اللہ کے پیچھے دوسرے نمبر پر تھا یعنی اسماعیل اپنی عظمت و رفعت عادات و خصائل اور اوراد و اعمال وغیرہ میں عبید اللہ سے انتہائی قریب تھے۔)

قَضَىٰ نَحْبَهُ قَوْمٌ نُحِبُّ وَمُنْتَظِرٌ　　　خُرُوجِي وَنَخْشَىٰ مِنْ شُرُورٍ ذُرِ أَظَلَّتِ

---

(۱) سبحن السبوح: ۱۲۸ (۲) اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر: ۴۶ (۳) حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۸ (۴) مواقع النجوم: ۱۵۶—۱۶۰

(دنیا سے وہ قوم رختِ سفر باندھ چکی کہ جس سے ہمیں قلبی محبت تھی۔ راہِ حق پر گامزن ہونے کی وجہ سے ہم مصلح جماعت کے منتظر رہتے، اُن سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے اور سایہ فگن ہو جانے والے مصائب سے ہم خائف رہا کرتے۔)

وَذَخِيرُ مَا نَرْجُو أَنْ كَانَ وُدُّنَا　　　لِخَالِصِ دِينِ اللّٰهِ مِنْ دُونِ عِلَّةِ

(تمام متوقع امور میں سب سے بہتر یہی ہے کہ ہماری باہمی الفت وَمَوَدَّت اللّٰه جَلَّ جَلَالُهُ کے خالص دین کے لئے ہو اور اس میں کسی بھی خرابی کا شائبہ نہ پایا جائے۔)

قَضَى اللّٰهُ فِي جَنَّاتِهِ جَمْعَ شَمْلِنَا　　　وَبَوَّأَنَا فِي دَوْحَةٍ مُخْضَلَّةِ

(خدائے برتر نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ ہم اہلِ حق کے گروہ کو اپنی جنتوں میں جمع کرے اور سرسبز باغات میں ہماری قیام گاہ بنائے۔)

حَبَا اللّٰهُ إِسْمٰعِيلَ فَضْلًا وَرَحْمَةً　　　وَأَكْرَمَ مَثْوَاهُ بِمَنْزِلِ خُلَّةِ

(اللّٰہ تعالیٰ اسماعیل کو فضل و رحمت سے، اور اُن کی فرودگاہ کو دوستی کے اعلیٰ مرتبے سے نوازے یعنی جوارِ رحمت میں اپنے قرب سے نوازے۔)

فَلَمْ يَكُ فِينَا جَاءَنَا يَعْتَرِي وَلَا　　　يُرَوِّحُ فِي خَلَّةٍ أَهْلَ خَلَّةِ

(ہمارے پاس اسماعیل مرحوم کی صبح و شام آمد کسی معمولی سی بھی حاجت کے لئے نہیں تھی یعنی وہ مستغنی اور بے نیاز تھے اور خود وہ لوگوں کی ہر طرح حاجت روائی کرتے تھے۔)

صِيَانَةِ دِينٍ أَوْ إِهَانَةِ بِدْعَةٍ　　　إِبَانَةِ حَقٍّ أَوْ إِعَانَةِ خَلَّةِ

(دینِ اسلام کی حفاظت یا کسی بھی بدعت کی اہانت، حق کا اظہار یا محتاجوں کی اعانت اسماعیل مرحوم کی خصوصیات تھیں۔)

نَوَالِ مُؤَمِّلٍ أَوْ نَكَالِ مَرِيدَةٍ　　　نَزَالِ مُزِلٍّ أَوْ نِضَالِ مُضِلَّةِ

(اسماعیل مرحوم کی مزید خصوصیات ارادتمندوں کی فلاح وبہبود، شرپسندوں کی سرکوبی راہِ حق سے پھر جانے والوں کی اصلاح اور گمراہوں کا مقابلہ آرائی میں سبقت و پیش قدمی ہیں۔)

يُحِبُّ تَصَانِيفِي لِنَصْرٍ بِهَا الْهُدٰى　　　يَرٰى مِنْ كَلَامِي جُمْلَةً بِمَجَلَّةِ

(چونکہ میری تصانیف ہدایت کے لئے معین و مددگار ہیں۔ اس لئے اسماعیل مرحوم کو میری تصانیف بے حد محبوب تھیں اور میرے طویل کلام کے ایک ایک جملہ کو ایک ایک رسالہ سمجھتے تھے۔)

مَضٰى وَهُوَ مُشْتَاقٌ إِلَى الْأَمْنِ وَالْعُلٰى　　　فَنَالَ الْعُلٰى وَالْأَمْنَ فِيمَا مَحَلَّةِ

(اسماعیل مرحوم نے امن و بلندی کے اشتیاق میں عالمِ آخرت کا سفر اختیار کیا لہٰذا وہ اپنے اترنے کی جگہ پر بلندی و امن سے بہرہ ور ہوئے۔)

فَغَسَّلَهُ صَوْبُ السَّوْبِ بِسِيلَةٍ　　　وَكَفَّنَهُ ثَوْبُ الثَّوَابِ بِحُلَّةِ

(پھر اسماعیل مرحوم کو حق کی بارش نے بارش سے غسل دیا اور ثواب کے جامے نے بہترین لباس میں انہیں کفن پہنایا۔)

يُنَمِّقُ فِي تَارِيخِ رِحْلَتِهِ الرِّضَا　　　سَحَائِبُ صَيِّحِ السَّفْحِ مَثْوَاكَ بَلَّتِ

(اسماعیل مرحوم کی وفات پر رضا ایک حسین تاریخِ وفات کہہ رہا ہے: دامنِ کوہ میں برسنے والے پانی سے لبریز بادل آپ کی قیام گاہ کو تر کریں یعنی آپ ہر قسم کی مسرت سے ہمکنار رہیں۔)

وَقَتْكَ مَوَاقِي اللُّطْفِ كُلَّ كَرِيهَةٍ　　　سَقَتْكَ سَوَاقِي الْعَفْوِ أَرْوَحَ طَلَّةِ ———— اللہ عزّ اسمہ

کے الطاف و عنایات اسماعیل مرحوم کو ہر آفت ۱۳۱۷ھ سے محفوظ رکھے اور اس کے کرم کا دریا ہلکی بارش سے تر کئے ہوئے معطر مرقد کو سیراب کرے

(۱) مجموعۂ الحوارف، ۱۲۳، ۱۲۴

یعنی فرحت و انبساط سے لطف اندوز ہوں۔)

إِلَيْكَ إِلٰهِي بِالْحَبِيْبِ تَوَسُّلِيْ　　　بِهٖ فَاغْفِرِ اللّٰهُمَّ ذَنْبِيْ وَزَلَّتِيْ

(اے معبودِ برحق! آپ کی بارگاہ میں، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وسیلہ اور شفیع بناتے ہوئے استدعا ہے کہ میرے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت فرما دیجیے۔)

میاں صاحب کی تصنیف "سراج العوارف" ص ۲۴، ۱۲۳ پر تحریر کردہ تقریظ کے چند شعر

أَيَا سَيِّدِيْ يَا ابْنَ عِزِّ غَطَارِفٍ　　　وَيَا أَحْمَدَ النُّوْرِ نُوْرِ الْأَكَابِرِ

اے میرے سردار اے معزز سرداروں کے بیٹے اور اے احمد جو خود بھی نور ہے اور مشہور و معروف اکابر کا نور ہے یعنی نور کو وراثت میں بھی پایا ہے۔)

كَلَامُكَ نُوْرٌ بِجَفَاءِ السَّلَا سِلُ　　　وَشَهْدٌ مُصَفًّى عَنِ الزَّيْغِ صَارِفٌ

(آپ کا کلام کتاب کی سطروں کی آب و تاب کا نور ہے، خالص و صاف شہد ہے اور کج روی سے حق کی طرف پھیر دینے والا ہے۔)

وَتَحْقِيْقُ تَرْوِيْحٍ كَشْفِ الْقُلُوْبِ　　　دَلِيْلُ الْيَقِيْنِ سِرَاجُ الْعَوَارِفِ

آپ کی تصنیف افسردہ قلوب کے رنج و غم کے سکون و آرام کا تحقیقی سرمایہ، یقین کی دلیل اور علوم کی مشعلِ راہ ہے۔)

وَلَا غَرْوَ إِنْ جَاءَ مِنْكَ سِرَاجٌ　　　فَإِنَّكَ نُوْرٌ فِيْ نَادِي الْمَعَارِفِ

(اگر آپ نے "سراج العوارف" نامی کتاب تصنیف کر کے شمع روشن کر دی ہے تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کیونکہ آپ علوم کی مجلس میں نور پھیلانے والے ہیں۔)

أَرَانَا سِرَاجُكَ بِاللَّيْلِ شَمْسًا　　　وَشَمْسٌ بِلَيْلٍ عَجِيْبٌ وَطَارِفٌ

(آپ کی تصنیف "سراج العوارف" نے ہمیں رات میں آفتاب دکھایا اور رات میں آفتاب کا وجود عجیب و غریب امر ہے۔)

فَهَلْ مِثْلُهٗ فِيْ تَلِيْدٍ وَطَارِفٍ　　　وَأَيْنَ فَأَيْنَ تَرَاهُ الطَّوَارِفُ

(کیا قدیم اور جدید زمانے میں "سراج العوارف" جیسی کوئی تصنیف ہے؟ اور ایسی تصنیف کہاں ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ تو اس جیسی کتاب آنکھیں کہاں دیکھ سکتی ہیں؟)

مولانا محمد عمر حیدر آبادی کے قطعۂ وفات کے سات شعر

أَلَا سَقَى اللّٰهُ قَبْرًا صَوْبَ غَادِيَةٍ　　　وَجَادَ بِالْجُوْدِ جُوْدًا وَهُوَ هَمَّادُ

(اللہ عم نوالہٗ مرحوم کی قبر کو صبح کے ابر کی بارش سے سیراب فرمائے اور اپنے فیض کی تیز بارش سے خوب شاداب فرمائے کیونکہ مرحوم بھی بہت داد و دہش کرنے والے تھے۔)

قَبْرًا ثَوٰى بِثَوَابِ اللّٰهِ فِيْهِ عُمَرُ　　　مَعْمُوْرُ نُوْرِ الْهُدٰى لِلدِّيْنِ عَمَّادُ

(وہ قبر جس میں اللہ کے عطا کردہ اجرِ عظیم کے ساتھ متوفی عمر مدفون ہیں، وہ ہدایت کے نور سے معمور و آباد ہے اور دین کے لئے صاحب وقار ہے۔)

عَبْدٌ بِغَوْثِ الْبَرَايَا سَيِّدٌ سَنَدٌ　　　بِالْغَوْثِ مُعْتَرِفٌ بِالْغَيْبِ مِدْرَارٌ

(مخلوق کی اعانت کی وجہ سے مرحوم مخلوق کے سردار اور سہارا تھے۔ وہ پے در پے مدد کرنے والے اور اپنی روشن ضمیری کے باعث بکثرت غیب

لے تذکرہ علماء اہل سنت ص ۱۶۷

کی باتیں بنانے والے تھے)

بِاللُّطفِ مُعتَصِمٌ بِالرَّأفِ مُبتَسِمٌ　　　بِالعُرفِ مُبتَسِمٌ بِالعُرفِ مِعطَارُ

(مرحوم لطف وکرم پر سختی سے عمل کرنے والے، خندہ پیشانی کے ساتھ عنایت سے پیش آنے والے، بھلائی کرکے شاداں و فرحاں ہونے والے اور خوشبوؤں سے مہکنے والے یا صبر میں بلند مرتبہ تھے۔)

عِلمٌ وَحِلمٌ وَسِلمٌ وَفِي تُقًى وَنُقًى　　　سِيَادَةٌ وَسُؤدَدٌ وَفَضلٌ وَإِيثَارُ

(مرحوم علم، حلم، صلح، تقویٰ، خلوص، سیادت، بزرگی، فضل اور ایثار کی خوبیوں کے مالک تھے۔)

حَمَاهُ عَن كُلِّ ضَيرٍ مَن يُقَالُ لَهُ　　　حَامِي الحَقِيقَةِ نَفَّاعٌ وَضَرَّارُ

(ہر ضرر سے مرحوم کو وہ ذات پناہ میں رکھے جس کا خاصہ قابل حفاظت اشیاء کی حفاظت ہے اور وہ نفع و ضرر کا حقیقی مالک ہے یعنی خداوند عالم)

قَالَ الرِّضَا أَسَفًا فِي عَامِ فُرقَتِهِ　　　مُحَمَّدٌ عُمَرُ الفَارُوقُ شَطَّارُ

۱۳۳۰

(مرحوم کے سال وفات پر رضا غم کے ساتھ گویا ہوا: محمد عمر صحیح و غلط میں تمیز کرنے والے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے منصف تھے۔)

امام احمد رضا کی اُردُو و فارسی شاعری

دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنہوں نے اپنے علم وعقل اور بصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض اور متحیر کیا ہے۔ ابن سینا۔ عمر خیام۔ امام رازی امام غزالی۔ البیرونی۔ فارابی۔ ابن رشد وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں۔ جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔ ان میں کوئی فلسفہ و حکمت کا امام رہئے کوئی ریاضی و ہئیت کا، کوئی فلسفہ اخلاق کا اور کوئی فلسفہ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہندوستان میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلودار اور جامع علوم ہے۔ کہ آپ کے کسی پہلو پر سیر حاصل بحث کے لئے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ آپ کی زیادہ تصانیف زیور طباعت سے محروم ہیں ایسی صورت میں ظاہر ہے۔ کہ شخصیت کا پورا مطالعہ ممکن نہیں۔

مولانا کے علمی کمالات کا جائزہ لینا ہمارے موضوع علم اور دائرہ فکر سے بھی باہر ہے۔ یہ وہ سمندر ہے جس کی وسعت و گہرائی کو ناپنے کے ہم اہل نہیں۔ وہ تو صرف چند موجیں ہیں۔ جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور صرف یہی موجیں کسی بحر زخار کا پتہ دیتی ہیں۔

مذکورہ بالا چند سطور صرف اس لئے لکھی گئی ہیں۔ کہ اس پس منظر کے بغیر مولانا کی شخصیت کے کسی پہلو کا بھی مطالعہ اس شخصیت کے بارے میں قاری کے دل و دماغ میں صحیح احساس نہ پیدا کر سکے گا۔ اگرچہ اس شمارے میں مولانا احمد رضا کی زندگی ہی کے بارے میں ساری بحثیں ہیں۔ تاہم یہاں ہم چند اور باتوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس خیال سے کہ مبادا دوسروں نے انہیں نظر انداز کر دیا ہو۔

مولانا احمد رضا کی زندگی کے بارے میں جہاں تک مجھے علم ہے۔ وہ " الفقر فخری " کے پیرو تھے۔ وہ جب تک زندہ رہے دنیا سے بالکل بے نیاز رہے۔ توکل کا رمز اور اس کی شان ان کی زندگی سے نمایاں تھی۔ وہ بیعت بھی لیتے تھے اور فتوح بھی پاتے تھے۔ لیکن یہ فتوحات عرب و عجم کے بہت سے حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ تھیں۔ معاش ہو یا نہ ہو فکر معاش سے وہ آزاد تھے۔ مگر اس طرح نہیں کہ جیسے عمر خیام یا بو علی سینا یا البیرونی وغیرہ ان کی آزادی ان کے ایمان کا نتیجہ تھی۔ اور ان لوگوں کی آزادیٔ فکر بادشاہوں کی مرہون منت تھی ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ لیکن پچھلے دور میں علماء کی قدردانی کے سبب فائدہ یہ ہوا۔ کہ بادشاہوں کے کتب خانے ان کے لئے وقف ہو گئے چھاپہ خانہ نہ ہونے کے باوجود کسی کتاب کی نقل حاصل کرنا ان کے لئے دشوار نہ تھا۔ سائنسی تجربات و مشاہدات کے لئے ان کے لئے دارالتجربہ (Laboratory) اور اس کے تمام اسباب چشم زدن میں فراہم ہو جاتے تھے۔ اس کے برعکس مولانا احمد رضا کے پاس کوئی (Laboratory) تجربہ گاہ نہ تھی۔ کتابوں کا حاصل کرنا اس قدر آسان نہ تھا۔ یہاں تک کہ جن حالات میں انہوں نے گرانمایہ علمی کارنامے انجام دیئے اور جو کتابیں لکھیں وہ سب آج تک نہ چھپ سکیں۔ ان میں سے صرف کچھ کتابیں چھپ سکی ہیں۔ حالانکہ ساری کتابیں خود انہی کے زمانے میں شائع ہو جانا چاہیئے تھیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ان کے پاس وہ ذرائع آمدنی نہ تھے۔ جن سے یہ کام انجام پاتا۔ ان حالات میں بھی لکھنے کا حوصلہ نہایت درجہ قابلِ داد ہے۔

بات یہیں بات نکل آتی ہے۔ جن علما اور عقلا کا نام ہم نے اوپر لیا ہے۔ ان میں سے اکثر کسی ایک فن کے امام تھے۔ لیکن مولانا کا یہ حال ہے۔ کہ جس فن کی طرف نظر کی وہ ان کے تازنگاہ کا اسیر ہو کر رہ گیا جس علم کی طرف توجہ کی اسے کمال تک پہنچا دیا۔ جس بحر میں غوطہ لگایا۔ تو اس کی پوری گہرائی تک پہونچ کر گوہر ہائے گوناگوں کتاب کے صفحات پر بکھیر دیئے۔ جس چمن کی سیر کی اس میں اپنی بصیرت کے پھول کھلا دیئے۔ اور دراصل علم کا اصلی معیار تصانیف میں تحقیق و بصیرت اور وہ قیاسیات عقلیہ ہیں جن سے منقولات پر صحیح حکم لگایا جا سکے۔ لیکن مولانا ان علمی حدود سے گذر کر عقل کی اس منزل پر بھی نظر آتے ہیں۔ جہاں مختلف دنیاوی علوم میں بھی وہ ایجادات و اختراعات کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ نہ ان کے پاس کوئی تجربہ گاہ تھی۔ اور نہ اس فن میں ان کا کوئی استاد اور نہ ہی وہ ان کا مقصد حیات بلکہ اسے انہوں نے صرف بازیچہ اطفال ہی سمجھا۔ کیوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا اصلی مقصد شریعت و طریقت ہی کو قرار دے رکھا تھا۔ ایسے شخص کو اپنے وقت کا امام کہنا اس دور میں اس لفظ کی آبرو کو قائم رکھنا ہے۔

ایک ایسا شخص جس نے معقولات و منقولات کی اکثر اصناف میں اپنی بلندی فکر جودت ذہن اور ندرت و جدت کا ثبوت دیا ہو اور جس کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں پہونچتی ہوں۔ اس سے یہ ظاہر ہونا کہ وہ شاعری کے نازک فن سے بھی پوری طرح عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ عجائبات میں سے ہے۔ ایسی صرف ایک شخصیت اور نظر آتی ہے۔ جس نے علوم معقولات میں زندگی گذارنے کے باوجود شاعری کا ایک باکمال نمونہ چھوڑا ہے۔ اگرچہ ضخامت کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے اور وہ ہے عمر خیام جس کی رباعیاں فن اور فکر کا مکمل نمونہ ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کی حالت اور ان کے علمی کارناموں کا جائزہ لیا جائے۔ تو ان کے مقابل عمر خیام کو نہیں لایا جا سکتا۔ اور اس اصول کے پیش نظر کہ کوئی بھی صاحب فکر و نظر محقق اپنے تمام علمی سرمائے اور ذہنی صلاحیتوں کو کتاب کی قید میں نہیں لا سکتا تو امام احمد رضا کی تصانیف کے پیش نظر ان کی شخصیت پر رائے دیتے وقت عقل حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

امام احمد رضا کی اردو اور فارسی شاعری حمد، مناجات، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ اس میں ہیئت کے اعتبار سے غزل اور رباعی شامل ہیں۔ ان اشعار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ ہر صنف سخن پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اور شاعرانہ ذوق اور فکر و فن سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی اس صلاحیت کو صرف اپنے پسندیدہ موضوعات تک محدود رکھا۔ اس میں ان کا نظریہ یہ تھا۔ کہ یہ توشہ ان کے لئے زاد آخرت اور سرمایہ نجات بن جائے۔

راقم الحروف تک ایک روایت پہونچی ہے۔ کہ کسی نے امام احمد رضا سے کہا کہ نواب نانپارہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ دیں۔ وہ شعر و ادب کے بڑے قدر دان ہیں۔ اور آپ کی بڑی عزت افزائی کریں گے۔ اس پر آپ نے ایک حسین و جمیل نعت لکھی۔ اس واقعہ کی طرف مقطع میں بڑے بلیغ انداز سے اشارہ کیا ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ نان نہیں

نانپارہ کے تعلق سے لفظ پارۂ نان میں جو لطف بیان ہے۔ وہ محتاج وضاحت نہیں۔ امام احمد رضا کا مندرجہ ذیل قطعہ ان کی طبیعت مزاج اور مشاغل پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے۔

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی

نسیم و کنج خمولی کہ نگنجد در وی
جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

نعت گوئی میں انہوں نے اپنے اصول و نظریہ کو جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ ذیل میں ایسی دو رباعیاں نقل کی جاتی ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بے جا سے ہے المنّۃ للّٰہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

توشے میں غم و اشک کا سامان بس ہے — افغان دل زار حدی خوان بس ہے

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو — نقش قدم حضرت حسان بس ہے

مولانا کا بیشتر کلام نعتیہ اشعار ہی پر مشتمل ہے اور بجا طور پر انہیں اردو کے ایک مستقل نعت گو شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے ہمارا موضوع سخن بھی اصولی طور پر ان کی اردو نعت گوئی ہی پر مرکوز رہے گا۔

عام طور مسلّم ہے کہ نعت کا فن بہت مشکل فن ہے۔ اس کے کئی وجوہ ہیں۔ نعت کے مضامین قرآن سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ انہیں مضامین کو جدت اسلوب کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے اور طرز ادا میں بھی جو آزادی دوسرے معشوقان مجازی کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں نہیں برتی جا سکتی۔ یہاں چشم زدن کے لئے بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا ہے۔ اور شاعر جب تک پوری طرح آزاد نہ ہو اپنے فن کے کمال کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ محض وصف نگاری شاعری نہیں۔ کوئی بھی صنف شاعری ہو اگر وہ داخلیت سے خالی نظر آئے۔ تو وہ محض تک بندی ہوگی۔ یا دوسرے لفظوں میں اسے کلام منظوم کہہ لیجئے۔ خارجی اور داخلی شاعری کی تقسیم دراصل موضوع کے اعتبار سے ہے۔ شعر درحقیقت شاعر کی داخلیت کا مظہر ہوتا ہے۔ خارجی موضوعات کے تحت اشعار کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس میں شاعر کا ذاتی تاثر کس حد تک اور کس صداقت کے ساتھ شامل ہے۔ یہی شاعری کی جان ہے۔ اور شعر کا حسن اور اس کی تاثیر اسی پر مبنی ہے

نبی اکرمؐ کے ساتھ عشق و محبّت کا جذبہ ایک مومن کے لئے سرمایہ حیات ہے۔ لیکن ایک نعت گو شاعر اس جذبہ کا اظہار اس آزادی کے ساتھ نہیں کر سکتا جو دوسرے موضوعات کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ شاعری میں تصوف کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور اس میں شاعرانہ ندرت اور جوش و جذبہ کے اظہار کے لئے لاتناہی امکانات ہیں۔ ایک صوفی خدا کے ساتھ عشق کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور جب وہ سراپا عشق بن جاتا ہے۔ تو کبھی وہ سبحان ما اعظم شانی کہتا ہے۔ کبھی انا الحق اور کبھی اس سے یہ آواز آتی ہے۔ کہ الناس کلھم عبدٌ لعبدی۔ اس طرح کے اقوال جو شطحیات میں شامل ہیں۔ اور جو عالم سکر میں صوفیہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ صرف عشق الٰہی میں جائز ہیں۔ لیکن یہ جواز بطور فتوئی نہیں ہے۔ کیونکہ صوفیہ یہ کلمات اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں کہتے۔ اور جب ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہ ہو۔ تو جواز و عدم جواز کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا۔ لیکن یہ اقوال صوفیہ کی خواہ کسی کیفیت کا مظہر ہوں۔ نبی اکرمؐ کے حضور کبھی جائز نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ بایزیدؒ جن سے سبحان ما اعظم شانی کا قول منسوب ہے۔ نبی اکرمؐ کے حضور ان کی یہ کیفیت ہے کہ

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اس بیان سے اس قول کا بھی مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

ہوشیاری کے ساتھ جذبۂ عشق کا اظہار شاعری میں ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے اکثر نعت گو شعراء کلام میں عشق و محبّت کی وہ تاثیر نہ پیدا کر سکے۔ جو صوفیہ اپنی متصوفانہ شاعری میں کرتے ہیں۔ اردو اور فارسی نعتیہ شاعری میں علامہ اقبال بالکل منفرد اور مستثنیٰ مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ اسلامی فلسفۂ حیات کی ترجمانی کی ہے۔ لیکن اس فلسفۂ حیات کی اساس عشق ہے۔ اور ان کا یہ عشق بھی جمال محمدیؐ کا مرہون منت ہے۔ اس لئے درحقیقت علامہ اقبال کا وہ جذبۂ عشق ہی ہے۔ جس سے ان کے فکر کو جلا ملتی ہے۔ اور جو ان کی شاعری کی روح ہے۔ ذیل کے اشعار سے رسول اکرمؐ کے ساتھ ان کے والہانہ عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔

خاک یثرب از دو عالم خوش تر است — ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست　　　بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ بن جائے

تیرے ثنا گو عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر　　　کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

مذکورہ بالا اشعار میں اسلام کا فلسفۂ حیات مضمر ہے۔ لیکن یہاں فلسفہ، فلسفہ نہیں رہ جاتا۔ بلکہ عشقِ رسولؐ کے جذبے میں ڈھل کر شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے۔ جس کے بغیر اقبال کی شاعری مجرد فلسفہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہم نے یہاں صرف اقبال کی مثال اس لئے دی ہے کہ وہ ایک مفکر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ سراپا عاشقِ رسولؐ بھی تھے۔ اس لئے ان کے کلام سے ہمارے مذکورہ دعویٰ کی دلیل زیادہ واضح ہو سکتی ہے۔

نعت کے سلسلے میں بعض ناقدین نے مذکورہ بالا کلیہ سے ہٹ کر بعض دوسرے معیار مقرر کئے ہیں۔ انہوں نے نعت کا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ اس میں نبی اکرمؐ کے صرف اخلاق کا ذکر ہو۔ اس سے بہرحال انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ اخلاق ہی کی خوبیاں دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اخلاق ہی سے شخصیت کی صحیح اور سچی تصویر نگاہوں کے سامنے ابھرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم دنیا کی تمام قوموں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان سچے اوصاف کو ایک مسلمان شاعر اپنی عقیدت کے ساتھ پیش کر کے اس میں کسی حد تک تاثیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اور عقیدہ سے قطع نظر کوئی بھی حقیقت پسند شاعر ان اوصاف کو سچائی اور شاعرانہ حسن کے ساتھ بیان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ محاسنِ شعری اور تاثیر کے اعتبار سے یہ شاعری اس شاعری کی برابری نہیں کر سکتی۔ جو ایک ایسے شاعر کے احساسات کا نتیجہ ہو۔ جس کا دل عشق کی کیفیات سے آشنا ہو چکا ہو۔ نبی اکرمؐ کے ساتھ عشق و محبت اور اس کے آداب خود قرآن سکھاتا ہے۔ ان آداب کو اصولِ زندگی قرار دینے کے بعد قلب پر یہ مفہوم واضح ہوتا ہے۔ کہ الدین کلہ ادبٌ۔ ان آداب کو اصولِ حیات قرار دینے کے بعد قلب کو عشق کی کیفیات کا تجربہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک مرشدِ کامل اپنے کسی شاگرد کو عشقِ مجازی کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن یہ صرف ایسے شخص کے لئے ہے۔ جس کا دل درد کے احساس سے ناآشنا ہوتا ہے۔ اور وہ اس درد کو بغیر ذاتی یا مادی تجربہ کے محسوس نہیں کر سکتا جب اس کے دل کی سختی نرمی سے بدل جاتی ہے۔ اور وہ درد کی ٹیس اور اس کی کیفیت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ تو اس کی یہ کیفیت تعلیمات کے ذریعہ عشقِ رسولؐ اور عشقِ الٰہی کی طرف منتقل کی جاتی ہے۔ لیکن یہ اصول عام نہیں ہے۔ اور بغیر مرشدِ کامل کے خطرہ سے خالی نہیں۔ الغرض ایک عاشق شاعر کی عشقیہ شاعری محض وصف نگاری سے کہیں مشکل ہے۔ بلکہ دونوں میں موازنہ کرنا ہی درست ہے۔ اور جب کہ یہ معلوم ہے۔ کہ نعت گوئی میں اس جذبۂ عشق کا اظہار تو نہایت نازک مقام اختیار کر لیتا ہے۔

دکنی زبان میں اردو شاعری کی ابتدا ہی سے نعت گو شعراء کی اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ شمالی ہندوستان میں یوں تو سبھی شاعروں نے روائتی طور پر نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ اور بعض شعرا نے خوب دادِ سخن دی ہے۔ لیکن ایسے شعراء جنہوں نے صرف نعتیہ اشعار سے اپنے دیوان مرتب کئے ہوں دورِ متاخرین میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ البتہ جدید دور میں ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اور ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جنہیں تفصیلی معلومات فراہم کرنا ہو وہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتابچہ اس موضوع کا صرف آغاز ہے۔ جس پر ابھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔

بعض ناقدین نے اردو نعت گوئی میں مولانا حالی کو سب پر فوقیت دی ہے۔ لیکن اول تو مسدس میں مولانا حالی کا موضوع نعت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے مسدس کا موضوع قومِ مسلم کا عروج و زوال ہے۔ یہ قوم کا ایک مرثیہ ہے۔ اور مولانا حالی نے موضوع کو جس

طرح پھیلایا ہے۔ اس کے لئے تسلسل بیان کو قائم رکھنے کے لئے کچھ نعتیہ اشعار بھی ضروری ہو گئے۔ موضوع کا تقاضا یہ تھا۔ کہ یہاں رسول اکرمؐ کے اخلاق اور آپ کے اخلاق کے تاریخی اثرات کا ذکر کیا جائے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک خارجی شاعری ہے۔ جس کو مولانا حالی کے جذبہ کی صداقت اور ان کے فن نے لازوال تاثیر بخش دی ہے۔ مسدس میں موضوع کے اعتبار سے مولانا حالی کی ایک بڑی مجبوری تھی۔ اس لئے وہ رسول اکرمؐ کے حضور اپنے جذبات کا پورا اظہار نہ کر سکے۔ انہیں تو اس وقت اپنی قوم اور دنیا کے سامنے آپ کے اخلاق اور کارناموں کا ذکر ہی مقصود تھا۔ وہ بھی اختصار کے ساتھ کیونکہ مسدس کے موضوع کا صرف یہ ایک جزو ہے۔ نعت میں مولانا حالی کے جذبہ کا اگر مشاہدہ کرنا ہو تو اس مناجات کو پڑھیئے جس کا عنوان ہے۔ " عرض حال بہ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات " اور جس کا مطلع ہے۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے — امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اس میں بھی پہلے قوم مسلم کا مرثیہ ہے۔ لیکن چند شعروں میں حالی نے رسول اکرمؐ کے متعلق اپنے قلبی احساسات کی ترجمانی کی ہے وہ یہ ہیں

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے — وہ تیری محبت تیری عترت کی ولا ہے
ہر چپقلش دہر مخالف میں تیرا نام — ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے
جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اڑتی — وہ خاک ہمارے لئے داروئے شفا ہے
جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف — اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے
جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت — کعبے سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے

حیرت ہے کہ ناقدین نے حالی کے مندرجہ بالا اشعار کو کیوں نظرانداز کر رکھا حالانکہ انہیں اشعار سے رسول اکرمؐ کے ساتھ حالی کی بے پناہ عقیدت معلوم ہوتی ہے۔ ان اشعار سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حالی کے فکر و ضمیر اور قلب و ذہن پر عظمت رسولؐ چھائی ہوئی ہے۔ البتہ جس کے قلم سے ایسے اشعار نکلے ہوں اسی کے قلم سے یہ شعر زیب نہیں دیتا۔

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی — کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

نبی اور ایلچی ایک دوسرے کے مترادف نہیں اور یہاں نبی کو ایلچی کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب کہ یہاں قافیہ کی بھی تنگی نہ تھی اور یہاں مصرعہ میں بڑی آسانی سے بجائے ایلچی کے نبی کا لفظ لایا جا سکتا ہے۔

حالی نے نعت میں صرف چند اشعار لکھے ہیں۔ اور اس کی بناء پر انہیں نعت گو شاعر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ شاید انہیں نعت گوئی کے لئے زیادہ فرصت بھی نہ تھی۔

اگر اردو شاعری میں تمام شعراء کی نعت گوئی کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ تو امام احمد رضا اس میدان میں بھی درجۂ امامت پر فائز نظر آئیں گے۔ امام احمد رضا اس میدان میں ہر جگہ سراپا عشق و نیاز نظر آتے ہیں۔ ان کی سرمستی میں بھی ہوشیاری ہے۔ انہوں نے عشق رسولؐ کے تمام تر آداب قرآن سے سیکھے ہیں۔ جو کبھی جادۂ ادب سے انہیں سر مو منحرف نہیں ہونے دیتے۔ ان کا کلام عشق اور تاثیر میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہے۔ کہ نعت میں تاثیر کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے۔ کہ شاعر کا قلب عشق رسولؐ سے معمور ہو۔ عشق رسول ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے۔ عشق رسولؐ کے بغیر طاعت و عبادت میں بھی حلاوت نہیں محسوس ہو سکتی۔ اس کے بغیر بندۂ عشق الٰہی سے بھی محروم رہتا ہے۔ بقول حسرت موہانی!

شغل بے کار ہیں سبحان کی محبّت کے سوا　　کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد میں نخوت کے سوا

نعت گوئی میں معبود اور عبد کے فرق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے رسول اکرمؐ کی خواہ کتنی ہی تعریف و توصیف کی جائے لیکن اس کا مقام مقام عبدیت ہی ہے۔ رسول اکرمؐ کی عظمت کا راز یہ ہے۔ کہ وہ عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ اسی لئے آپکو قرآن میں بھی عبدہٗ کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ عبدیت کا یہ بلند ترین مقام آپ کو تمام مخلوقات میں افضل ترین اور بے مثل قرار دیتا ہے۔

سلمائی حدوث تو ولیلائی قدم را　　تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل　　(عرفی)

لیکن اس مقام عبدیت کے اظہار میں ایک عاشق کیلئے ضروری ہے کہ محبوب کی محبوبیت میں فرق نہ آنے پائے بندہ، بندہ ہی رہے اور دامن ادب بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے ایک سچا عاشق رسولؐ اس جادہ ادب پر ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور جس سے یہ چھوٹا تو یہ نہ صرف اس کے لذت عشق بلکہ ایمان سے بھی محروم ہونے کی دلیل ہے۔ اس نکتہ کو خواجہ حافظ شیرازی نے کتنے لطیف اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

صبحدم مرغ سحر با گل نو خاستہ گفت　　ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چون تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم ولی　　ہیچ عاشق سخن سخت بمعشوق نگفت ؎

امام احمد رضا کا جذبہ عشق انہیں ادب کے اس اصول سے سرمو منحرف نہیں ہونے دیتا۔ ذیل کے اشعار میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بیقرار　　روکیئے سر کو روکیئے ہاں یہی امتحان ہے
اے شوق دل یہ سجدہ گراں کو روا نہیں　　اچھا وہ سجدہ کیجئے سر کو خبر نہ ہو
وہی لامکان کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے　　وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جسکا مکاں نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر　　جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا　　خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں۔ جہاں ذرا سی لغزش یا فروگذاشت سے قلم رسولؐ کے مقام عبدیت سے متجاوز ہو سکتا تھا اس نازک مقام سے گذر جانا امام احمد رضا کے جذبہ عشق کے ساتھ دینی ذوق و شعور کی دلیل ہے۔ عشق دل کی ایک کیفیت ہے۔ اس کیفیت کو الفاظ کا ایسا جامہ پہنانا کہ اسے قاری یا سامع زیادہ سے زیادہ محسوس کر سکے نہایت مشکل کام ہے۔ اس مشکل سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو مہارت فن کے ساتھ ایک سچے عاشق کا دل رکھتا ہو۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ کسی معشوق مجازی کے عشق میں گرفتار ہو کر ایک سنگ دل بھی اس کے تئیں موم ہو جاتا ہے۔ لیکن رسول اکرمؐ کی محبت میں دل گداختہ ہو جانا۔ ایک مرد مومن کی شان ہے۔ عشق کی یہ کیفیت اور مرد مومن کی یہ شان مولانا احمد رضا کی نعتوں سے جس قدر آشکارا نظر آتی ہے۔ اردو شاعری میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے امام احمد رضا کا یہی وہ کمال ہے جس پر اردو نعتیہ شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ کلام میں اس کیفیت کو محسوس کرنا ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ جسے ہر وہ شخص جو اردو ادب کا ذوق رکھتا ہو یقیناً محسوس کرے گا اور وہ دل جو ذوق کے ساتھ ایمان کی حلاوت بھی رکھتا ہو امام احمد رضا کے اشعار پر لوٹ پوٹ ہو جائے گا۔ آپ کا سارا کلام اس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے　　لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے

؎ مفہوم یہ ہے کہ صبح کی چڑیا نے گل نورس سے کہا کہ ناز نہ کر تمہارے جیسے بہت سے پھول کھلے اور ختم ہو گئے۔ پھول نے کہا کہ مجھے سچّی بات سے تو تکلیف نہیں ہوتی۔ لیکن یہ عاشق کا شیوہ نہیں۔ کہ معشوق سے سختی کے انداز میں بات کہے۔

ذرّے جھڑ کر تری پیزاروں کے — تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابوں کی — ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پانی — یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت — جوشِ رحمت پہ یہاں نازِ گنہ کا دیکھو

ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں — ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو

رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں — دلِ خوننابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضاؔ کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

یاد میں جس کی نہیں ہوشِ تن و جاں ہم کو — پھر دکھا دے وہ رُخ اے مہرِ فروزاں ہم کو

کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو یہ دل — جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو

خوف ہے سمع خراشیٔ سگِ طیبہ کا — ورنہ کیا یاد نہیں نالہ و افغاں ہم کو

شمعِ طیبہ سے میں پروانہ رہوں کب تک دور — ہاں جلا دے شررِ آتشِ پنہاں ہم کو

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینے کی بہار — نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

اے رضاؔ وصفِ رخِ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغِ غزل خواں ہم کو

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں — جانِ مراد و کانِ تمنّا کہوں تجھے

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں — درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

صبحِ وطن پہ شامِ غریباں کو دوں شرف — بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسمِ منوّر کی تابشیں — اے جانِ جاں میں جانِ تجلّا کہوں تجھے

بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں — بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا — یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے

اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں — تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

۱؎ یعنی خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تمام مخلوقات کے حیطہ ادراک سے باہر ہیں۔

امام احمد رضا کے نعتیہ کلام میں اچھی خاصی تعداد ایسے اشعار کی ہے جس میں رنگ تغزل بھی اپنی کیفیت آفرینی کے ساتھ جلوہ دکھاتا ہے۔ اس تغزل میں بھی دامن ادب ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ امام احمد رضا کا دماغ اگر مہ و پروین سے خراج تحسین وصول کرتا ہے۔ تو ان کے قلب پر باغ ارم کی بہاریں بھی نثار ہیں۔ امام احمد رضا کی یہ نعتیں اپنی شگفتگی اور رعنائی میں اپنی آپ مثال ہیں اور خود کلام ہی آفتاب، آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے مثلاً

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول	لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول	اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا	تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ	مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دولہن پھول
دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی	ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول
بو ہو کے نہاں ہو گئے تاب رخ شہ میں	لو بن گئے ہیں اب تو حسینوں کے دہن پھول
ہوں بار گنہ سے نہ خجل دوش عزیزاں	للہ مری نعش کر اے جان چمن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا	اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
ترا قد تو نادر دہر ہے، کوئی مثل ہو تو مثال دے
کہ ہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں، کہ چمن میں سرو چماں نہیں

امام احمد رضا کا لکھا ہوا معراج نامہ زبان و بیاں کے اعتبار سے اردو زبان میں آپ اپنی مثال ہے۔ اردو میں معراج نامہ لکھنے کا رواج شروع سے رہا ہے۔ لیکن یہ معراج نامہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ منظر نگاری، تغزل جذبہ کا بہاؤ، حسن کی بارشیں عشق کی وارفتگی زمین سے آسمان تک شادی کی ہلچل اور انوار کا تلاطم، تشبیہات اور استعارے کی کشش عظمت رسول کا اظہار، لفظوں کا انتخاب بامحاورہ زبان ہندی لفظوں کا برمحل استعمال تراکیب کی شگفتگی اور پرشکوہ انداز کے بجائے سادہ اور شیریں زبان و بیاں نے پوری نظم کو ایک حسین مرقع میں ڈھال دیا ہے۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ امام احمد رضا نے اردو شعراء میں بعض اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کیا تھا۔ اور ان کے تتبع میں انہوں نے اشعار بھی لکھے ہیں۔ غالب کی ایک زمین میں انہوں نے چند نعتیں لکھی ہیں۔ ان نعتوں میں وہی مدھم سوز، ٹھہراؤ اور لہجہ میں متانت ہے جس میں غالب کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ امام احمد رضا کا کلام پڑھ کر یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ کہ انہوں نے شاعری محض اس

رضاؔ جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب — تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

امام احمد رضا نے ایک نعت میں عجیب جدّت طرازی کا مظاہرہ کیا۔ اس میں التزام یہ رکھّا ہیکہ ہر مصرعہ کے دو ٹکڑے ہوں اور ہر شعر کے چار ٹکڑے ہوں۔ چاروں ٹکڑے چار زبانوں میں ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی۔ مختلف زبانوں کے باوجود بحر کی ترنم ریزی قافیہ اور ردیف کی پر کشش جھنکار، ہندی زبان کی آمیزش سے مدھر اور میٹھا لب ولہجہ اور پوری نظم کا صوتی اور معنوی رنگ و آہنگ قابل دید و شنید ہے۔ مختلف زبانوں پر قدرت رکھنے کے ساتھ لفظوں کا انتخاب اور پھر ان مختلف اجزا کو ایک متناسب اور مترنم سانچے میں ڈھال دینا امام احمد رضا کی ذہنی جودت و جدّت کا مظہر ہے۔ اس طرح کی مثال امیر خسرو کے یہاں ملتی ہے۔ لیکن جو التزام امام احمد رضا کی نعت میں ملتا ہے وہ وہاں بھی نہیں ہے۔

لَم یَاتِ نَظِیرُکَ فِی نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا — جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
اَلبحرُ علا والموجُ طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش ربا — منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمسُ نظرتِ الیٰ لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی — توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لکَ بدرٌ فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل — تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انا فی عطشٍ و سخاکَ اَتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم — برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتی زیدی اَجلک رحمے بر حسرت تشنہ لبک — مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
وَاھا لسُوَیعاتٍ ذہبتْ آں عہد حضور بارگہت — جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینہ کا جانا
القلب شجٌ والہمُّ شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں — پت اپنی بپت میں کاسے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا
الرّوح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا — مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
بس خامۂ خام نوائے رضاؔ نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا — ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

امام احمد رضا کی اکثر نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ مثنوی اور رباعیوں کی شکل میں بھی کچھ لکھّا ہے۔ رباعی ایک مشکل فن ہے آپ کی چند رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اگر اس صنف کی طرف بھی آپ توجہ دیتے تو اردو کے ممتاز رباعی گو شعراء میں آپ کا مقام ہوتا نمونے کے طور پر چند رباعیاں درج ذیل ہیں۔

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں — شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو — ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے — افغان دل زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو — نقش قدم حضرت حساں بس ہے

ہے جلوہ گہ نور الٰہی وہ رو — قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب — چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

سکتے تھے جلیں کی تا کہ ان پر "نصف عالم" کا الزام نہ لگ سکے اور نہ محض مشق سخن یا تفنن طبع کے طور پر انہوں نے اشعار لکھے ہیں بلکہ شاعری کا ملکہ ان کو قدرت نے پوری طرح ودیعت کیا تھا۔ اور وہ فن شاعری میں فکر شعور کی پختگی کے حامل تھے۔ یہی نہیں بلکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں داد سخن دی ہے۔ غالب کی زمین میں جو چند نعتیں انہوں نے لکھی ہیں اس سے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں — دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں — سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
یادِ حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم — خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

یا تو یونہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں
منّت غیر کیوں اٹھائیں کوئی ترس جتائے کیوں

امام احمد رضا کی قادر الکلامی کا اندازہ وہاں ہوتا ہے۔ جہاں انہوں نے سنگلاخ زمین کو موم اور سخت ردیف کو پانی کیا ہے ایسی ردیفوں سے نعتیہ کلام میں عہدہ برآ ہونا مشکل تر ہو جاتا ہے۔ مثلاً

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ — کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ الخ
عارض شمس وقمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں — عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں الخ
طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ — مانگوں نعت نبیؐ لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ الخ

ایک نعت میں قافیہ کی دشواری کے باوجود لہجہ کی متانت اور مدھم سوز، دل کی اضطرابی کیفیت اور عشق کا والہانہ انداز اور منفرد اسلوب ملاحظہ کیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ قافیہ خود بخود بندھا چلا آرہا ہے۔

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا — حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا — کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا
حضور ان کے خلاف ادب تھی بیتابی — مری امید تجھے آرمیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں — دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو — سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
ٹپکتا رنگ، جنون عشق شہ میں ہر گل سے — رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز — کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا
گزرتے جان سے اک شور یا حبیبؐ کے ساتھ — فغاں کو نالہ حلق بریدہ ہونا تھا

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین — اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے — آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا — غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں کردے معاف — جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولا

نعت کے بعد آپ کے کلام میں منقبت پر اشعار ملتے ہیں۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مدح میں زیادہ اشعار ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں جوش بیان نمایاں ہے

رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں — ذرہ ترا جو اے شاہ گردوں جناب ہوں
در نجف ہوں گوہر پاک خوش آب ہوں — یعنی تراب رہگذر بو تراب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشم پر آب ہوں — دل ہوں تو برق کا دل پر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائر بے آشیاں تنہا — رنگ پریدہ رخ گل کا جواب ہوں
عبرت فزا ہے شرم گنہ سے میرا سکوت — گویا لب خاموش لحد کا جواب ہوں
دل بستہ، بیقرار، جگر چاک، اشک بار — غنچہ ہوں، گل ہوں، برق تپاں ہوں سحاب ہوں
دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر — دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں
مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں — دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
صدقے ہوں اس پہ نار سے دے گا جو مخلصی — بلبل نہیں کہ آتش گل پر کباب ہوں
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا — پر لطف جب ہے کہدیں اگر وہ جناب ہوں

حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

امام احمد رضا کی اردو شاعری کے اس جائزے سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ وہ شاعری کا پورا ملکہ رکھتے تھے۔ البتہ انہوں نے اپنی اس صلاحیت کو صرف نعت وحمد اور منقبت و مناجات تک محدود رکھا۔ انہوں نے اردو کی نعتیہ شاعری کو ایک مستقل فن بنادیا اور اس کو وہ دلنواز اور سدا بہار کیفیت عطا کی جو ہمیشہ تسخیر قلب کا کام کرتی رہے گی۔ انہوں نے اپنے قلم گوہر بار سے اردو شاعری کے دامن کو نیا جوہر عطا کیا۔ سادہ زبان، شگفتہ تراکیب، مترنم بحور اور رواں دواں نیز سخت و سنگلاخ زمین میں وہ لطیف جوہر نکالے ہیں۔ جس میں آب حیات کا مزہ ہے۔ آج اردو کی نعتیہ شاعری ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اور یہ شجر ثمر دار پھولتا پھلتا رہے گا۔ لیکن احمد رضا کی حیثیت ہمیشہ میر کارواں کی رہے گی۔ کیونکہ درحقیقت وہ اس راہ کے رہبر ہیں۔ میرے پاس حدائق بخشش کا جو نسخہ ہے۔ اس پر سن طباعت نہیں درج ہے اس میں جگہ جگہ مفید حواشی کی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ لیکن کتابت طباعت کی غلطیوں سے خالی نہیں ہے ضرورت ہے کہ کامل صحت اور عمدہ طباعت کے ساتھ کتاب شائع کی جائے۔

ارادہ تھا کہ اس مضمون میں امام احمد رضا کے اشعار کی زبان و بیاں کی خوبیوں کی وضاحت کی جائے اور اس کے محاسن زبان کا تجزیہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ایک جامع انتخاب بھی پیش کیا جائے لیکن وقت کی کمی اور عدیم الفرصتی اس کام میں مانع

ہے ۔ یہ بھی خیال تھا ۔ کہ امام احمد رضا کی فارسی شاعری پر بھی ناقدانہ بحث کی جائے ۔ لیکن ان کا فارسی کا کچھ زیادہ کلام دستیاب نہ ہو سکا ۔ اردو شاعری پر بھی گذشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے ۔ وہ محض حدائق بخشش کی روشنی میں لکھا گیا ہے ۔ ان کے جن اور منظوم کلام کا ذکر ملتا ہے ۔ وہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکے ۔ حدائق بخشش ہی میں تھوڑا سا کلام فارسی زبان کا بھی شامل ہے ۔ اگرچہ اس مختصر کلام سے بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ کہ اگر آپ فارسی زبان میں بھی مشق سخن جاری رکھتے تو آپ فارسی شعراء کی صف میں بھی جگہ پاتے ۔ تاہم یہ مختصر سا کلام فارسی شاعری میں آپ کی شخصیت کو متعین کرنے کے لئے ناکافی ہے ۔ اس لئے اس پر تبصرہ کرنا کچھ زیادہ ضروری نہیں معلوم ہوتا ۔ البتہ یہاں بطور نمونہ بعض انتخاب پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے آپ کی فارسی شاعری کے رنگ کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ فارسی میں آپ نے ۱۶۱ اشعار کی ایک مثنوی لکھی ہے اس کے آخر میں کچھ اشعار مناجات پر ہیں ۔ یہ مناجات حضرت فریدالدین عطار کی اس مناجات کی یاد دلاتی ہے ۔ جو اس طرح شروع ہوتی ہے

بادشاہا جرم ما را در گذار ۔ ما گنہگاریم و تو آمرزگار

اور روانی میں وہی کیفیت ہے جو مولانا روم کی مثنوی میں جگہ جگہ نظر آتی ہے ۔ امام احمد رضا کی مناجات کے کچھ اشعار یہ ہیں

ای خدای مہرباں مولای من	ای انیس خلوت شبہای من
ای کریم و کارساز بی نیاز	دائم الاحسان شہ بندہ نواز
ای بیادت نالۂ مرغ سحر	ای کہ ذکرت مرہم زخم جگر
ای کہ نامت راحت جان و دلم	ای کہ فضل تو کفیل مشکلم
ہر دو عالم بندۂ اکرام تو	صد چو جان من فدای نام تو
ما خطا آریم و تو بخشش کنی	نعرہ انی غفور میزنی
اللہ اللہ زین طرف جرم و خطا	اللہ اللہ زاں طرف رحم و عطا
زہر ما خواہیم و تو شکر دہی	خیر را دانیم شر از گمرہی
تو فرستادی بما روشن کتاب	میکنی با ما با حکامت خطاب
از طفیل آن صراط مستقیم	قوتی اسلام را دہ ای کریم
بہر اسلامی ہزاراں فتنہ ھا	یک مہ و صد داغ افریاد ای خدا
ای خدا بہر جناب مصطفےٰ	چار یار پاک و آل با صفا
بہر مردان رہت ای بی نیاز	مردمان بوم خواب ایشاں در نماز
بہر آب گریۂ تر دامنان	بہر شور خندہ طاعت کنان
بہر اشک گرم دوراں از نگار	بہر آہ سرد مہجوران زیار
بہر جیب چاک عشق نامراد	بہر خون پاک مردان جہاد
پر کن از مقصد تہی دامان ما	از تو بد رفتن ز ما کردن دعا
ہیچ می آید ز دست عاجزاں	جز دعا ہای نیم شب ای مستعان
بلکہ کار نیست اجابت ای صمد	ویں دعا ہم محض توفیقت بود

ما کہ بودیم در دعای ماچہ بود — فضل تو دل داد ای ربّ ودود

ذرّہ ای بر درِ خاک افتادہ بود — فضل تو دل داد ای ربّ ودود

تکیہ بر رب کرد عبد مستہان — اوست بس مارا ملاذ و مستعان

کیست مولائی بما از ربّ جلیل — حسبنا اللہ ربنا نعم الوکیل

امام احمد رضا کی فارسی کی ایک نعت بھی ملاحظہ ہو۔ زبان کی سادگی و شگفتگی، بیان میں روانی و شیرینی سہل الادا الفاظ کا استعمال اور مشکل تراکیب سے اجتناب اور حسن و عشق کی جلوہ طرازی یہ تمام خوبیاں اس میں مجتمع نظر آتی ہیں۔

ز عکست ماہ تاباں آفریدند — ز بوی تو گلستاں آفریدند

نہ انہ بہر تو صرف ایمانیانند — کہ خود بہر تو ایماں آفریدند

صبا را مست از بوئیت بہر سو — چناں افتاں و خیزاں آفریدند

برای جلوۂ یک گلبن ناز — ہزاراں باغ و بستاں آفریدند

ز لعل نوشخندِ جانفزایت — زلال آب حیواں آفریدند

نہ غیر کبریا جاں آفرینی — ز خود مثل تو جاناں آفریدند

پی نظارۂ محبوب لاہوت — جبینت آئینہ ساں آفریدند

بنا کردند تا قصر رسالت — ترا شمع شبستان آفریدند

ز مہر و چرخ بہر خوان جودت — عجب قرص و نمکداں آفریدند

ز حسنت تا بہار تازہ گل کرد

رضایت را غزل خواں آفریدند

آپ نے فارسی میں متعدد رباعیاں لکھی ہیں اور بیشتر حضرت عبدالقادر جیلانی کی مدح میں ہیں۔ کچھ رباعیوں کا انتخاب بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

در حشرگہ جناب عبد القادرؒ — چوں نشر کنی کتاب عبد القادرؒ

از قادریان مجو جداگانہ حساب — مدسی شمر از حساب عبد القادرؒ

تمکین گلی از ریاض عبد القادرؒ — تلوین نمی از حیاض عبد القادرؒ

نور دل عارفان کہ شب صبح نماست — سطری بود از بیاض عبد القادرؒ

یا رب بجمال نام عبد القادرؒ — یا رب بنوال عام عبد القادرؒ

منگر بقصور و نقص ما قادریان — بنگر بکمال تام عبد القادرؒ

خور نور ستد از رہِ عبد القادرؓ　　ہم اذن طلوع از شہِ عبد القادرؓ
ماہ است گدای درِ مہر و ایں جا　　مہر است گدای مہِ عبد القادرؓ

ای قادر و ای خدای عبد القادر　　قدرت دہ دستہای عبد القادر
بر عاجزیِ ما نظر رحمت کن　　رحم ای قادر برای عبد القادر

اپنی تمام خاکساری کے باوجود امام احمد رضا کو شاعری میں اپنے فن کی مہارت کا خود احساس تھا۔ اور کوئی بھی ماہر فن اس احساس سے عاری نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم　　جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ اس طرح کے اقوال مذہب شاعری میں جائز ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کا قول محض روایتی نہیں۔ بلکہ حقیقت پر مبنی ہے

امام احمد رضا کی مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر

محترم ڈاکٹر سلام سندیلوی اُردو ادب کی قد آور شخصیت ہیں۔ اب تک تقریباً تیس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ موصوف اردو۔ فارسی اور ہسٹری میں ایم اے ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ اور ساہتیہ سدھاکر ہیں۔ گورکھپور یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے لکچرر ہیں۔ مولانا محمد احمد مصباحی اور سالک گورکھپوری کی گذارش پر موصوف نے یہ مضمون ارسال فرمایا ہم شکریہ کے ساتھ شاملِ اشاعت کر رہے ہیں۔

جس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں صداقت کی اہمیت ہے۔ اسی طرح شاعری میں بھی صداقت ضروری ہے۔ مگر شاعری میں صداقت کی وہ نوعیت نہیں ہوتی ہے۔ جو سائنس میں ہوتی ہے۔ دراصل سائنس میں سائنسی صداقت (SCIENTIFIC TRUTH) رونما ہوتی ہے مگر شاعری میں شاعرانہ صداقت (Poetic Truth) جلوہ دکھاتی ہے جب شاعری میں صداقت کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ تو اس میں خلوص اور حقیقت کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک امر غور طلب ہے۔ شاعری میں صداقت کس طرح پیدا کی جائے۔ یہ سوال بہت اہم ہے۔ اور اس پر صداقت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ واضح طور پر شاعری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خارجی شاعری اور دوسری داخلی شاعری۔ خارجی شاعری میں صداقت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب شاعر خارجی مناظر کا بیان اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر پیش کرتا ہے۔ اور داخلی شاعری میں صداقت اس وقت جلوہ گر ہوتی ہے۔ جب شاعر داخلی جذبات کا اظہار اپنے ذاتی تجربہ کی روشنی میں کرتا ہے۔ اگر داخلی اور خارجی شاعری کا انحصار عینی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ پر نہیں ہوتا ہے۔ تو ایسی شاعری تاثر سے محروم ہوتی ہے۔ اور وہ قارئین کرام کے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

شاعری میں خلوص اور صداقت کے مسئلہ پر سب سے پہلے افلاطون نے روشنی ڈالی ہے۔ اس کا قول ہے۔ کہ سارے اعلیٰ اور دائمی ادب کی بنیاد خلوص (Sincerity) پر ہوتی ہے۔ کارلائل نے بھی خلوص کو ادب کی روح (Essence) قرار دیا ہے۔ رسکن کا قول ہے کہ ادب میں جدت کسی نئی بات سے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اصلیت (Genuineness) سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ غرضیکہ ادب اور شاعری میں خلوص، اصلیت اور صداقت کی بڑی اہمیت ہے۔

جب ہم حضرت امام احمد رضا کی مذہبی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں۔ کہ اس میں صداقت کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ کے کلام میں صداقت کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

۱۔ وراثت ۲۔ ماحول ۳۔ ذاتی مشاہدہ ۴۔ ذاتی تجربہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنیادی طور پر شاعری میں صداقت اور اصلیت مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر تابناکی دکھاتی ہے۔ مگر کسی نہ کسی حد تک یہ عناصر شاعری میں وراثت (Heridity) اور ماحول (Enaioneut) کی بنا پر بھی ابھرتے ہیں۔ اس نکتے سے رابرٹ وڈ درتھ (Robert Wood Loot(t) اور ڈونالڈ مارکیوس (DonalaMarqois) نے اپنی مشہور تصنیف میں مفصل طور پر بحث کی ہے

اگر ہم حضرت امام احمد رضا کی وراثت پر غور کریں اور ان کے خاندانی شجرہ کا مطالعہ کریں۔ تو ہم کو ان کی شاعری میں صداقت کا سبب واضح طور پر نظر آئے گا حضرت امام احمد رضا کا تعلق اعلیٰ نسب سے ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا سعید اللہ خاں کابل کے قبیلہ بڑہیچ کے پٹھان تھے۔ جو عہد مغلیہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کو مغلیہ حکومت نے جاگیر اور منصب سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد آپ کے بیٹے مولانا سعادت یار خاں کو روہیل کھنڈ کا گورنر بنایا گیا۔ مگر عہدہ قبول کرنے سے قبل ہی آپ کا وصال ہو گیا آپ کے بیٹے محمد اعظم خاں نے بریلی میں قیام کیا۔ آپ کے سپرد عہدہ وزارت کیا گیا۔ آپ کچھ عرصہ تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے مگر بعد میں آپ تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ کے بیٹے مولانا کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیلدار تھے۔ اس کے باوجود آپ عبادت وریاضت سے غافل نہیں رہے۔ تحصیلدار صاحب کے بیٹے مولانا شاہ رضا علی خاں اپنے وقت کے زبردست عالم اور پاک باطن صوفی تھے۔ شاہ رضا علی خاں کے بیٹے شاہ نقی علی خاں بھی ایک کامل درویش تھے۔ آپ ہی کے بیٹے حضرت امام احمد رضا صاحب ہیں۔ جن کی ولادت بریلی میں ۱۴ ؍ جون ۱۸۵۶ء میں ہوئی حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا خاندانی شجرہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ کو عظمت، تقدس اور تصوف بطور وراثت ملا تھا یہی عناصر آپ کی شاعری میں بھی منتقل ہو گئے ہیں۔

وراثت کے علاوہ حضرت امام احمد رضا پر آپ کے ماحول کا بھی اثر پڑا۔ آپ نے اپنے وقت کے بزرگان دین سے کسب علم کیا چنانچہ آپ نے مرزا غلام قادر بیگ، مولانا سید آل رسول، مولانا ابو الحسن نوری مارہروی اور علامہ عبد العلی وغیرہ سے علوم دینی و باطنی حاصل کئے چونکہ آپ کو بچپن ہی میں اعلیٰ علمی اور ادبی ماحول مل گیا تھا۔ اس لئے اس ماحول نے آپ کے کردار کی تشکیل میں بہت مدد کی۔ آپ کے ماحول نے آپ کو ایک مذہبی انسان بنا دیا۔ آپ نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ اکرام رضی کی پیروی کی۔ آپ حج کی برکت سے بھی فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ آپ پہلی بار ۱۸۷۸ء میں حج کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ اس طرح آپ نے خود اپنی آنکھوں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مناظر دیکھے یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کی نعت میں ان شہروں کے مناظر کا جو ذکر ملتا ہے۔ وہ عینی ہے قیاسی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ اپنی نعت میں جس خلوص اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ فرضی نہیں۔ بلکہ اصلی ہے کیونکہ زیارت حرمین نے آپ کے دل میں ولائے محمدؐ کی چاندنی پھیلا دی۔ انہیں اسباب کی بنا پر آپ کی شاعری میں صداقت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ بہار چمنستان عرب	پاک ہیں لوث خزاں سے گل و ریحان عرب
جوشش ابر سے خون گل فردوس گرے	چھیڑ دے رگ کو اگر خار بیابان عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص	یوسفستان ہے ہر ایک گوشہ کنعان عرب

ان اشعار میں حضرت امام احمد رضا نے عرب کے چمنستان کی بہار۔ عرب کے گل و ریحان، عرب کے بیابان کے خار عرب کے کوچوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ ذکر رسمی اور قیاسی نہیں ہے۔ بلکہ اس ذکر میں صداقت کا اجالا موجود ہے۔ کیونکہ حضرت امام احمد رضا صاحب نے عرب کے ان مناظر کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔ حضرت امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

نظارہ خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ	نہ اس قدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں	دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
پناہ دامن دشت حرم میں چین آتا	نہ صبر دل کو غزال رمیدہ ہونا تھا

ان اشعار میں خاک مدینہ اور دشت حرم کی طرف اشارہ ہے چونکہ حضرت امام صاحب خاک مدینہ اور دشت حرم کا بذات

خود نظارہ کر چکے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی عظمت اور لطافت سے واقف ہیں۔ اسی لئے وہ دل حزیں کو تلقین کرتے ہیں کہ اس کو خاک مدینہ میں اشک بن کر ٹپکنا تھا۔ اور غزال رمیدہ کو ہدایت کرتے ہیں کہ اس کو دامن دشت حرم میں چوکڑیاں بھرنا تھا۔ ان اشعار میں حضرت امام احمد رضا صاحب کا مشاہدہ جلوہ گر ہے

حضرت امام احمد رضا نے اپنی نعت میں خلوص کی مہک بھر دی ہے۔ یہ خلوص ان کے ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنے ہر نفس میں بوئے محمدؐ کو محسوس کیا ہے۔ اور اسی کی موجیں ہم کو ان کی شاعری میں رقصاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

زہے عزت و اعتلائے محمدؐ — کہ ہے عرش حق زیر پائے محمدؐ
مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا — ملک خادمان سرائے محمدؐ
بسی عطر محبوبیٔ کبریا سے — عبائے محمدؐ، قبائے محمدؐ
دم نزع جاری ہو میری زباں پر — محمدؐ محمدؐ خدائے محمدؐ

ان اشعار میں تصنع اور آورد نہیں ہے۔ بلکہ یہ اشعار شاعر کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے ہیں۔ اور صفحہ قرطاس پر موتی کی لڑیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
سرو ناز قدم مغز راز حکم — یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس و شق القمر — نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ لاکھوں درود — ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

ان سارے اشعار میں خلوص و عقیدت کی مہک عود و عنبر کی خوشبو کی طرح موجود ہے۔ جن سے ہماری روح وجد میں آجاتی ہے یہ اشعار رسمی طور پر نہیں کہے گئے ہیں۔ بلکہ ان کی فضا میں اصلیت اور حقیقت کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔

جب حضرت امام احمد رضا نے ۱۸۷۸ء میں مدینہ منورہ کے سفر کی تیاری کی اس وقت آپ کا دل جوش عقیدت سے امنڈ آیا۔ اور آپ نے مندرجہ ذیل اشعار نظم کئے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت — اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بےتابوں کی — ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ — قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوا دیکھو
ایمن طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ — شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو

جب حضرت امام احمد رضا صاحب ۱۸۷۸ء میں حج کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے تو ارض مقدس کے فراق میں آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ جس کا اظہار آپ نے ایک غزل کی صورت میں کیا ہے

خراب حال کیا دل کو پُر ملال کیا — تمہارے کوچہ سے رخصت نے کیا نہال کیا
نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی — قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا
نہ گھر کا رکھا نہ اس در کا وائے ناکامی — ہماری بےبسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا

حضرت امام احمد رضا کو حضرت رسول اکرم ﷺ کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بھی زبردست عقیدت تھی۔ اس لئے آپ نے ان کی شان میں ایک منقبت کہی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

السلام اے احمدت صہر و برادر آمدہ — حمزہ سردار شہیداں، عم اکبر آمدہ

نرم نرم از بزم دامن چیدہ رفتہ باد تند — یا علی چوں بر زباں شمع مضطر آمدہ

من ز حق می خواہم آخور شید حق آں مہر تو — کز ضیائش عالم ایماں منور آمدہ

حضرت امام احمد رضا نے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی آنسو بہائے ہیں۔ ان آنسوؤں میں خون کی سرخی ملاحظہ فرمائیے۔

یا شہید کربلا یا دافع کرب و بلا — گل رخا شہزادہ گلگوں قبا امداد کن

اے حسین اے مصطفٰے را راحت جان نور عین — راحت جاں نور عینم دہ بیا امداد کن

اے تن تو گہ سوار شہسوار عرش تاز — گہ چناں پامال خیل اشقیا امداد کن

غرضیکہ حضرت امام احمد رضا صاحب کو رسول اکرم ﷺ اور اہل بیت سے بیحد عقیدت تھی۔ آپ کی عقیدت کی جھلک آپ کے اشعار میں موجود ہے۔ آپ کا دل ایک آئینہ ہے۔ جس میں ان بزرگان دین کا عکس موجود ہے۔ اور وہی عکس صفحۂ قرطاس پر رقصاں ہے۔

حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی ایک اعلیٰ پایہ کے ولی گذرے ہیں۔ جن کے معتقدین کی تعداد اسلامی ممالک کے ہر گوشہ میں بے شمار ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی آپ کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین سید شاہ آل رسول کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے تھا۔ اور حضرت امام احمد رضا کے والد صاحب حضرت مولانا نقی علی نے سید شاہ آل رسول کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس طرح حضرت امام احمد رضا کا تعلق بھی سلسلۂ قادریہ سے ہو گیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے حضرت غوث الاعظم کی تعریف میں بھی کافی مقدار میں اشعار کہے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو — اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

عرض احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر — آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستا تیرا

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی — اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

حضرت عبدالقادر جیلانی کی شان میں چند مزید اشعار ملاحظہ فرمائیے

بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبدالقادر — سر باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر

مفتی شرع بھی ہے قاضی ملت بھی ہے — علم اسرار سے ماہر بھی ہے عبدالقادر

قطب ابدال بھی ہے محور ارشاد بھی ہے — مرکز دائرہ سر بھی ہے عبدالقادر

حضرت امام احمد رضا صاحب کو اپنے استاد مولانا سید ابوالحسین نوری مارہروی سے بھی عقیدت تھی جن سے آپ نے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے تھے۔ جب مولانا نوری صاحب کی مسند نشینی کا موقع آیا۔ اس وقت آپ نے ان کی شان میں ایک منقبت

کہی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین	سدرہ سے پوچھ رفعت بام ابوالحسین
وارستہ پائے بستہ دام ابوالحسین	آزاد نار سے ہے غلام ابوالحسین
میلا لگا ہے شان مسیحا کی دید ہے	مردے جلا رہا خرام ابوالحسین
ذرہ کو مہر قطرہ کو دریا کرے ابھی	گر جوش زن ہو بخشش عام ابوالحسین

ان اشعار میں بھی خلوص کی گہرائیاں موجود ہیں۔ حضرت امام احمد رضا کی شاعری کے مطالعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ کی شاعری تصنع اور آورد سے پاک ہے۔ اور اس میں حقیقی جذبات جلوہ افگن ہیں۔ دراصل اردو شاعری کا بیشتر حصہ رسمی اور روایتی ہے مثلاً بہت سے شعراء نے واقعی کسی محبوب سے عشق نہیں کیا ہے۔ مگر وہ فراق یار میں گریہ و زاری کرتے ہیں۔ امیر مینائی جیسے مقدس شاعر رسمی عشق کا مظاہرہ کرتے ہیں اور داغ کی سطح پر آجاتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے اردو شعراء نے گلگلوں کو منہ سے نہیں لگایا ہے۔ مگر انہوں نے کافی تعداد میں خمریہ اشعار کہے ہیں۔ چنانچہ ریاض خیرآبادی کی ہی شاعری قیاسی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے کبھی شراب نہیں پی ہے۔ لیکن مے نوشی پر سیکڑوں اشعار کہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے شعراء نے راہ تصوف کی ایک منزل بھی طے نہیں کی ہے۔ مگر صوفیانہ اشعار کی تخلیق کی ہے۔ مثال کے لئے غالب ہی کو لے لیجئے۔ غالب شراب بھی پیتے تھے۔ جوا بھی کھیلتے تھے۔ اور قمار بازی کی بنا پر جیل بھی جاتے تھے۔ پھر بھی انہوں نے صوفیانہ اشعار کہے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ زیادہ تر اردو شعرا کی شخصیت اور شاعری میں تفاوت نظر آتا ہے۔ مگر جہاں تک حضرت امام احمد رضا صاحب کی شاعری کا تعلق ہے۔ وہ رسمی اور روایتی نہیں ہے۔ آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔ آپ کو بزرگان دین سے عقیدت تھی۔ آپ حب رسول میں غرق تھے۔ اس لئے آپ کی مذہبی شاعری میں صداقت موجود ہے۔ آپ کی شخصیت اور شاعری میں فاصلہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے۔ اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت ہے۔ شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے یہاں ملے گی۔ آپ کے کلام کے تین مجموعے "حدائق بخشش" کے نام شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعے واقعی بخشش کے باغات ہیں۔ جن میں علم و ادب معرفت و حقیقت اور لطافت و نزاکت کے پھول کھلے ہوئے ہیں جو ہماری روح کو معطر کرتے ہیں۔

امام احمد رضا کی مذہبی شاعری

یہ امر باعث حیرت و افسوس ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کے مرتبین نے ان بزرگ شخصیتوں کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کر دیا ہے جنھوں نے مذہبیات یا کسی اور علم وفن میں مہارات تامہ حاصل کر کے شہرت دوام پائی۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ عمر خیام صحیح معنوں میں ایک فلسفی اور ماہر ریاضی تھا۔ لیکن اس کی صرف چند سو رباعیات نے اسے بحیثیت شاعر ہی شہرت دوام بخشی اور اس کے فلسفہ و ریاضی کی صلاحیت و کمال کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ذاکر حسین، غلام السیّدین، اوپیندر ناتھ اشک اور ساغر نظامی جیسی ادبی شخصیتوں کو قابل اعتنا نہ سمجھا گیا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر اعجاز حسین کی مختصر تاریخ ادب ہی لیجئے جس میں مذکورہ حضرات کے تذکرے شامل ہی نہیں کئے گئے۔ یہی سلوک کچھ مجدد اسلام حضرت امام احمد رضا کے ساتھ بھی روا رکھا گیا۔ آپ کی مذہبی خدمات کے پیش نظر آپ کی نعتیہ شاعری کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ آپ کے نعتیہ کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں لب ولہجہ متغزلانہ ہے اور جو بہترین فکر پارے کہلائے جا سکتے ہیں۔

عمر خیام کی رباعیات کی طرح انیس و دبیر کی مرثیہ نگاری اپنا لوہا منوا کر رہی، ورنہ مذہبی شاعری خصوصاً نعت گوئی پر ایک مستقل صنف ادب کے اعتبار سے جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ بہت کم ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "لکھنؤ کا دبستان شاعری" میں محسن کاکوروی کو بحیثیت نعت گو روشناس کرایا ہے۔ موصوف نے ضمناً شمالی ہند کے چند نعت گو شعراء کا بھی سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ اور ڈاکٹر سیّد رفیع الدین قادری نے نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کا باقاعدہ تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ اردو ادب میں امیر مینائی، محسن کاکوروی اور مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد مشہور نعت گو ہیں۔ نعت گوئی ایک مشکل موضوع ہے۔ جس سے عہدہ برآ ہونا آسان بات نہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث فرماتے ہیں۔ نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے۔ اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا ساز گار بھی ملے گی یا نہیں۔ اگر ہمّت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیے کہ وہ اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گذر جائے۔ [۱]

اور سیّد رفیع الدین قادری صاحب رقمطراز ہیں۔ کہ موضوع کا احترام شاعر کو مجبور کرتا ہے۔ کہ وہ نپے تلے الفاظ، حسن خطاب اور حسن بیان کے ساتھ عقیدے کی تفصیلات اور باریکیوں کو صحت کے ساتھ لے کر چلے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ کرے کہ تخیل کی پرواز کہیں ان مقامات تک نہ پہنچا دے جن سے صادق البیانی پر حرف آئے اور نتیجۃً نعت نعت نہ رہے ——— فضائل نبویؐ کے بیان میں شاعر زمین سے پرواز کر کے افلاک کی سیر کرتا ہے۔ وہ ستاروں سے آگے گزر کر مقام مصطفائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام افلاک اس کے تخیل کی زد میں آجاتے ہیں۔ اور اب وہ اپنے ممدوح کو عرش و کرسی پر جلوہ فرما پاتا ہے۔ اس لحاظ سے نعت گو شاعر کو طبع آزمائی کے لئے ایک وسیع

---

[۱] لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۴۹

میدان ہاتھ آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نقاد کی دسترس سے بھی باہر رہتا ہے۔ اور اپنے معتقدات کو سپر بناتے ہوئے ہر تنقید سے کامیاب گزر جاتا ہے۔ [1]

صفاتِ محمدیؐ کو سمجھ کر رسولِ پاکؐ کے مرتبے کے ذکر کے لئے علمیت و بصیرت کے علاوہ شاعرانہ صلاحیت بھی درکار ہوتی ہے۔ یہ ایسی صفات ہیں۔ جو آسانی سے یک جا جمع نہیں ہوتیں۔

نعت رسولؐ اسلامی شاعری کے مقدمات میں شامل ہے [2]۔ دربار رسولؐ کے اولین نعت گو حضرت حسانؓ تھے۔ انھوں نے محض اپنے آقائے نامدار کی مدح نہیں کی بلکہ اپنی صداقت اور حقیقت شناس نظروں سے کام لیتے ہوئے رسول پاک کے مخالفین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا حضرت حسانؓ کا کلام خلقِ نبیؐ کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے دراصل تعلیمات نبوی کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ اور اس طرح آنحضرتؐ سے اپنے خلوص و عقیدت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ حضرت حسانؓ کی زبان نے درحقیقت وہ کام کیا۔ جو بڑے بڑے سحرالبیان خطیبوں سے ممکن نہ تھا۔

عربی اور فارسی زبانوں کے شعری سرمائے میں نعت گوئی کا فقدان نہیں ہے۔ غزل گو شعرا نے عموماً اپنے دیوان اور کلیات کا آغاز بالترتیب حمد، نعت اور منقبت سے کیا ہے۔ مگر یہ تمام تر ایک رسمی چیز تھی۔ اس لئے کہ ہندوستان کے غیر مسلم شعرا کے کلام میں بھی حمد و نعت اور منقبت کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے نعت گو وہ شعرا رہے۔ جنھیں زعم سخندانی نہ تھا۔ بلکہ انھوں نے محض رسول کریمؐ سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت اور شیفتگی کی بنا پر نعت گوئی اختیار کی تھی۔ اردو ادب میں ایسے مسلم شعرا کی کافی تعداد موجود ہے۔ ان کی نعتیں رسمی اور اعتقادی نعت گوئی کی شاہد ہیں۔ حضرت مجدد الاسلامؒ انہیں شعرا کے حلقے میں تعلق رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن	نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوشِ ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد د رَوِ ی	جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

ترجمہ:۔ مجھے نہ تو تحسین و آفرین ہی بطور نوش گوارا ہے اور نہ طعن و طنز میرے حق میں نیش ہیں۔ میں نہ تو اپنی مدح کی پروا کرتا ہوں اور نہ اپنی برائی پر کان دھرتا ہوں میں ہوں اور میرا گوشہ تنہائی جس میں چند کتابوں، قلم و دوات اور میری ذات کے سوا اور کوئی نہیں۔ عجز و خاکساری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟

مذکورۂ بالا قطعہ بیساختہ حافظ شیرازی کے اُس مشہور شعر کی یاد دلاتا ہے۔ جس میں حافظ صاحب نے اپنے پر آشوب زمانے کی طرف لطیف اشارہ کرتے ہوئے اپنے مسلکِ رندانہ کا اظہار کیا ہے ؎

دریں زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل است	صراحیٔ مۓ ناب و سفینۂ غزل است

مجدد الاسلام اپنے مسلکِ شاعرانہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو	ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف	لو زینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

صحیفہ آسمانی آپ کو درس نعت دیتا ہے۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ	بے جا سے ہے المنۃ للہ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی	یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

---

[1] نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی بابت ماہ اکتوبر ۵۰ء ص ۲۲-۲۱ [2] ایضاً ص ۲۳

نعت گو شعراء نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اس کا نمونہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی مقصدی شاعری رفعت محمدیؐ کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اقبال کا مرد خودی، مرد کامل، مرد مومن، مرد قلندر، عشق، عقل اور حکمت، سب کچھ اس ایک زندگی کی ترجمانی ہے۔ اقبال کی شاعری دراصل رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے۔ جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شاعری دل آویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیام پہنچا رہی ہے [۱]۔ یہ قول بڑی حد تک مجدد اسلام کی نعتیہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔

آپ کا شمار ان بزرگ و برتر ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جن کے قلوب عشق الٰہی و محبت رسولؐ سے لبریز و سرشار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں۔ تو خدا کی قسم ایک پر "لا الٰہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا [۲]

آپ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالمؐ کے عشق و محبت میں بسر ہوتا رہا۔ آپ شریعت کے امام و مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت کے بادشاہ بھی تھے۔

محبوبؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہ راست محبوبؐ کی مدح سرائی، دوسرے محبوبؐ کے محبوب کی تعریف و توصیف اور تیسرے محبوبؐ کے بد خواہوں اور دشمنوں کی مذمت [۳]۔ آپ نے اپنے عشق و محبت اور احترام و رضائے محبوبؐ کی خاطر تینوں طریقے اختیار کئے۔ آپ کی تمنا آپ کے لبوں پر یوں دعا بن کر آتی ہے۔ کہ اے رب العزت! مجھے کم از کم اپنے محبوبؐ کی مدح کرنے والوں کے دربار کا سگ ہی بنا دے۔ یہی میرے لئے بڑی دولت ہے

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں | کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

آپ رشک عنادل شاعر و فصیح بے مثال ہیں۔ پھر بھی سراپا عجز و انکسار ہیں اور اپنی ہیچ مدانی کا اعتراف کس حسن و خوبی کے ساتھ کرتے ہیں

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں | شاعر ہوں، فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو | ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

جدید اردو شاعری میں نعتیہ کلام کا جو انداز ہے وہ موجودہ زمانے کے مزاج اور تقاضے کا آئینہ دار ہے۔ مسلمانوں کی اخلاقی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی زبوں حالی اس کی محرک ثابت ہوئی۔ مولانا حالی اور شبلی کا دور اردو شاعری کا اصلاحی دور کہلاتا ہے۔ اس کے اثرات سے نعتیہ شاعری کیونکر محفوظ رہتی؟ ان دونوں حضرات نے نعتیہ شاعری کی مقصدی مگر مصنوعی و غیر حقیقی روش ترک کر کے جدت طرازی سے کام لیا۔ اور ایک ایسی راہ نکالی جس سے اصلاح قوم کا سامان فراہم ہوگیا۔ مجدد اسلام کی نعتیہ شاعری کے محرک بھی یہی اسباب تھے جنہیں آپ "ضعف اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "مثنوی ردّ امثالہ" میں فرماتے ہیں۔

گریہ کن بلبلا! از رنج و غم | چاک کن اے گل! گریباں از الم
سنبلا! از سینہ برکش آہ سرد | اے قمر! از فرط غم شو روئے زرد
ہاں صنوبر! خیز و فریادی بکن | طوطیا! جز نالہ ترک ہر سخن
چہرہ سرخ از اشک خونیں ہر گلیست | خوں شوے غنچہ! زمان خندہ نیست
پارہ شو اے سینۂ ماہ ہم چو من | داغ شو اے لالہ خونیں کفن

---

[۱] نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۸ ، [۲،۳] مجدد اسلام صفحہ ۳۹-۳۸

خرمنِ عیشت بسوز اے برقِ تیز　　اے زمین! بر فرقِ خود خاکی بریز
آفتابا! آتشیں غم برفروز　　شب رسید اے شمعِ روشن! خوش بسوز
ہمچو ابر اے بحر! در گریہ بجوش　　آسمانا! جامۂ ماتم بپوش
خشک شو اے قلزم! از فرطِ بکا　　جوش زن اے چشمۂ چشمِ ذکا
کن ظہور اے مہدیِ عالی جناب　　بر زمین آ عیسیِٰ گردوں آفتاب
آہ آہ از ضعفِ اسلام، آہ آہ　　آہ آہ از نفسِ خود کام آہ آہ
مردماں شہوات را دین ساختند　　صد ہزاراں رخنہا انداختند[1]

اور اپنے "غزل خواں" ہونے کا جواز یوں پیش کرتے ہیں۔

زحسنت تا بہارِ تازہ گل کرد　　رضایت را غزل خواں آفریدند

آپ کے حسن و جمال سے اس دنیا میں ایک بہارِ تازہ نمودار ہوئی۔ اس لئے آپ کے رضاؔ کو غزلخواں بنا کر یہاں بھیجا گیا عشقِ رسولؐ میں رضاؔ اتنے مست و سرشار ہیں۔ کہ آپ کی غزل بڑھ کر قصیدہ نور میں تبدیل ہو جاتی ہے ؎

اے رضا! یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے　　ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

رضاؔ اپنے سر پر غرور کو یوں نیچا دکھاتے ہیں ؎

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے　　تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک لفظ کیف و مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ زبان نہایت صاف شستہ رواں اور سلیس ہے۔ قصیدہ معراجیہ کی زبان تو کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے　　نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں　　اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا　　حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے　　وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا، حرم کو خود وجد آ رہے تھے
دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے، نسیم گستاخ، آنچلوں سے　　غلافِ مشکیں جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسنِ تزئیں، وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں　　صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا　　کہ موجیں چھڑیاں تھیں، دھار لچکا، حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے
پرانا پُر داغ، ملگجا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا　　ہجومِ تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے
تجلیِ حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور　　دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کیواسطے تھے
براق کے نقشِ سم کے صدقے، وہ گل کھلائے کہ سارے رستے　　مہکتے گلبن، مہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے
چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں　　پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے
تھکے تھے روح الامیں کے بازو، چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو　　رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے
جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا　　یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کے لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا، ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ فصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

خدا کی قدرت کی، چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لئے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، ردی تھی کیا، کیسے قافیے تھے

قصیدہ معراجیہ کل ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ ہر شعر فصیح و بلیغ، مترنم اور وجد آفریں ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس پڑھتے رہیں اور سر دھنتے رہیں۔

حضرت رضاؔ نعت گوئی کے لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی تقلید ہی کو اپنے لئے سرمایہ صد افتخار سمجھتے ہیں ؎

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار، حدی خواں بس ہے

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حسان بس ہے

نادر تشبیہات و استعارات، سہل ممتنع، محاکات، دلکش منظر نگاری اور متغزلانہ رنگ و اندازِ بیاں دیکھنا ہو تو درج ذیل انتخاب کلام پڑھیے۔ اور دادِ سخن دیجئے۔

ہے جلوہ گرِ نورِ الٰہی وہ رُو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں یہ نہیں سبزہ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین

تمثیل نے اس سائے کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب

دل بستہ، بیقرار، جگر چاک، اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں

نفس یہ کوئی چال ہے ظالم
جیسے خاصے بجار پھرتے ہیں

دل اعدا کو تیز نمک کی دھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

ہر چراغِ مزار پر قُدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں، چار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

دل کو اُن سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

ہم خاک میں مل چکے ہیں کب کے
نکلا نہ غبار تیرے جی سے

پر کٹے، تنگ قفس اور بلبل
نو گرفتار ہے کیا ہونا ہے

کام زنداں کے کئے اور ہمیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے

دُور جانا ہے، رہا دن تھوڑا
راہ دشوار ہے کیا ہونا ہے

جان ہلکان ہوئی جاتی ہے
بار سا بار ہے کیا ہونا ہے

روشنی کی ہمیں عادت اور گھر
تیرہ و تار ہے کیا ہونا ہے

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہوشیار ہم

دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

فصلِ گل، سبزہ، صبا، مستی، شباب
چھوڑیں کس دل سے درِ خمّار ہم

میکدہ چھٹتا ہے للہ ساقیا
اب کی ساغر سے نہ ہوں ہشیار ہم

ہائے رے ذوقِ بیخودی دل جو سنبھلنے سا لگا
چھک سے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اُسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضاؔ کہ یوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

ہم تو ہیں آپ دل فگار، غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نو بہار خوں ہمیں رلائے کیوں

ہو نہ ہو آج کچھ مرا ذکر حضور میں ہوا
ورنہ میری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائی کیوں

دیدِ گل اور بھی کرتی ہے قیامت دل پر
ہم صفیرو! ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

کانٹا جو میرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

جب گرے، منہ سوئے مے خانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

مے کہاں اور کہاں میں زاہد
یوں بھی چھکتے ہیں چھکنے والے

کیوں رضاؔ آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھیں ملنا، جھنجھلا پڑنا، لاکھوں جمائی انگڑائی
نام پہ اُٹھنے کے لڑتا ہے، اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنّت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

دشتِ حرم میں رہنے دے صیّاد اگر تجھے
مٹی عزیز بلبلِ بے بال و پر کی ہے

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضاؔ
مشتاق، طبع، لذتِ سوزِ جگر کی ہے

آنکھ محوِ جلوۂ دیدار، دل پر جوشِ وجد
لب پہ شکرِ بخششِ ساقی، پیالی ہاتھ میں

ہے انہیں کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب
نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا

یہاں چھڑکا نمکداں، مرہم کافور ہاتھ آیا
دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

یا رب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ
ہر مہ مہِ بہار ہو، ہر سال سالِ گل

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

غم تو اُن کو بھول کر لپٹا ہے یوں
جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

رضاؔ جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

ہے بلبلِ رنگیں رضاؔ یا طوطیِ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے ترا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

امام احمد رضا اور نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

محترم جنید بغدادی صاحب پھلواں ضلع مرادآباد کے علمی و روحانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مکتب و مدرسہ کی تعلیم کے بعد کانپور اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر کے محکمہ تعلیمات اتر پردیش سے ۲۳ سال منسلک رہے۔ اس کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی کے ہائی اسکول میں تیرہ سال پرنسپل رہ کر ۱۹۷۳ء میں ریٹائر ہوئے۔ اردو و انگریزی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ہم موصوف کا مختصر مگر گرانقدر مقالہ شکریہ کے ساتھ شامل کر رہے ہیں۔

اسلام معتقدات کے ایسے مجموعے کا نام نہیں جس پر یقین کر لینے کے بعد نجات کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور نہ صرف یہ کافی ہے۔ کہ ارکانِ اسلام پر دل سے یقین کرنے کے بعد ان کا زبان سے بھی اعلان کر دیا جائے۔ بلکہ حقیقت میں اسلام ایک ایسا مکمل نظام معاشرت ہے جو ابد تک جاری و ساری رہے گا۔ گویا صحیح مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسانی زندگی کو اسلامی نظام معاشرت کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ مسلمان کی دینی اور دنیوی زندگی کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ اس کی دنیوی زندگی کو دینی زندگی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ دنیوی زندگی عملی پہلو ہے۔ اس کی دینی زندگی کا اس اساسی حقیقت کو واضح کرنے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ مسلمان ایک کامیاب زندگی کس طرح گذار سکتا ہے۔ خداوند عالم کا حکم ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ؐ کی۔ اللہ کے احکام کی صحیح معنوں میں پیروی اس وقت تک ممکن نہیں۔ جب تک کہ رسولِ ؐ اسلام کی پیروی نہ کی جائے اسی حقیقت کو اقبال نے شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

به مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست	اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

اب یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ بغیر اتباع رسول اکرم ؐ کے انسانی زندگی درجہ کمال حاصل نہیں کر سکتی۔ اور یہ صحیح اتباع اس ذات سے جس کی پیروی متصور ہے۔ نسبت پیدا کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نسبت اور اس نسبت کے سبب اتباع کا جذبہ شدید صرف والہانہ عشق سے پیدا ہو سکتا ہے۔ حقیقی مسلمان وہی ہے جو رسول اکرم ؐ سے والہانہ عشق رکھتا ہو اور اس کے قلب کی ہر دھڑکن سے یا محمد ؐ کی صدا آتی ہو اور سنّت رسول ؐ کی پیروی فطرت ثانیہ بن گئی ہو جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو انسانی زندگی کا ہر لمحہ یاد رسول ؐ کے لئے وقف ہوتا ہے۔ اور جب یہ جذبہ شدّت اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس کی زبان سے سوائے محبوب کی یاد و نعت کے کچھ اور نہیں ادا ہوتا۔ بالکل یہی کیفیت امام احمد رضا صاحب کی تھی۔ کہ وہ عشق رسول میں اپنی ہستی کو اس طرح گم کر چکے تھے۔ کہ کوتاہ بینوں کو ایک عاشق صادق کے والہانہ عشق کا اظہار بھی اپنی کج فہمی سے حدود شرع سے متجاوز نظر آیا۔ حالانکہ وہ یہ بھول گئے۔ کہ مقام عشق پر فائز ہونے کے بعد غیر محبوب کا تصور ہی باقی نہیں رہتا۔

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میرے اس دعوئ کی روشن اور واضح دلیل ہے۔ فرماتے ہیں!

ان کے نثار، کوئی کیسے ہی رنج میں ہو	جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

عاشقانہ زندگی میں تین کیفیتیں گزرتی ہیں۔ ایک فراق اور اشتیاق وصل، دوسرے وصل اور تیسرے بقول حسرت موہانی کے ان سے تو مل کر اور بھی بڑھ گئیں بے تابیاں۔

امام احمد رضا ایک عاشق صادق کی طرح ان تینوں مقامات سے گزرے ہیں۔ اور ان مقامات کی جو کیفیات انھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں بیان فرمائی ہیں۔ ان سے ان کے جذبہ صادق اور عشق محکم کا پتہ چلتا ہے۔ وہ عام اصطلاح کے مطابق شاعر نہیں ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبول سرکار ہے تمنّا۔ نہ شاعری کی ہوس نہ پروائے ردیف تھی۔ کیسے قافیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تمام شاعرانہ خوبیاں ان کے نعتیہ کلام میں پائی جاتی ہیں۔ بیان کی سلاست، جذبات کی شدت وصداقت، زبان کی شیرینی اور ان سب سے بالاتر حسن بیان، ان سب نے مل کر کلام کو کلام الملوک، ملوک الکلام بنا دیا ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیں اقتباسات

غم ہو گئے بے شمار آقا — بندہ ترے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا — آقا! آقا! سنوار آقا
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا — تم سا نہیں غم گسار آقا
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی — ڈوبا! ڈوبا! اتار آقا

جان ہے عشق مصطفےٰ، روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت — اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے — ابر رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ — قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

اور پھر آستانہ محبوبؐ دو عالم پر حاضر ہو کر کس جوش و خروش، عقیدت عجز و نیاز کے ساتھ سلام پیش کرتے ہیں۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم — نو بہار شریعت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود — گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم — اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ہم تو ہیں آپ دل فگار غم میں ہنسی ہے ناگوار — چھیڑ کے گل کو نو بہار خون ہمیں رلائے کیوں
سنگ در حضور سے ہم کو خدا صبر نہ دے — جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

یہ وہ واردات ہیں جو ایک عاشق، ہجراں نصیب، بے قرار وصل حبیب اور طالب دیدار محبوب ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی ہیں۔ اب وہ وقت آتا ہے۔ جب وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں — دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

اور یہ جذبہ صادق باب اجابت تک پہنچتا ہے۔ اور اذن باریابی کا مژدہ لاتا ہے۔ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتے

ہیں۔ اور دیارِ حبیب ﷺ کے قریب پہونچ کر شوقِ دیدار ضبط کی حدود سے گزر جاتا ہے اور وہاں بھی یہی دعا فرماتے ہیں۔

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دُعا
مجھے جلوۂ پاکِ رسولؐ دکھا تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

اور جب اذنِ باریابی حاصل ہو جاتا ہے۔ تو آپ کا جذب و کیف، اضطراب، اشتیاقِ دید اور جذبات کی سرشاری ملاحظہ ہو۔

ع حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

امام احمد رضا بحیثیتِ شاعر

تقریباً ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ اس لئے جناب مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کے نام اور کام سے بھی میری واقفیت چندہی دنوں کی ہے۔ تاہم جب میرے ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خاں ادروی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں موسومہ حدائق بخشش (حصہ اول وحصہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے۔ کہ انہیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔

مولانا موصوف کے سلام اور نعتیں کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں۔ مگر وہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ باہری حلقوں میں ادبی لحاظ سے نہ ان کو پرکھا جاتا ہے۔ نہ اُن سے کسی قسم کا ادبی اور شعری حظ اٹھایا جاتا ہے۔ میری شاعری کی عمر بھی ۳۵ سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے۔ اور میرے ذاتی کتب خانے میں شعر و شاعری سے متعلق تاریخی ادبی، علمی کتابوں اور قدیم وجدید شعراء کے دیوانوں اور تذکروں کا قابل لحاظ اور نادر ذخیرہ موجود ہے۔ جو تقریباً تمام وکمال میری نظر سے گزر چکا ہے۔ مگر مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔ کہ حدائق بخشش کے ان دو نہایت معمولی لکھائی چھپائی والے مجموعوں کے علاوہ مولانا کے ہزار ہا اشعار میں سے ایک حرف بھی میرے ہاں موجود نہیں ہے۔ اور مذکورہ بالا دو مجموعوں کا حال یہ ہے۔ کہ کتابت کی غلطیوں نے بہت سے اشعار کو بے معنی اور وزن سے ساقط کر کے رکھ دیا ہے۔

مولانا کو جان بحق تسلیم ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر کسی تذکرے میں انہیں شعراء کے زمرے میں شمار نہیں کیا گیا۔ صرف ایک جگہ ان کا ذرا سا تعارف نظر آیا وہ بھی براہ راست نہیں۔ بلکہ ان کے چھوٹے بھائی حسنؔ بریلوی مرحوم کے ذریعے سے [دیکھئے "خمخانۂ جاوید" (جلد دوم) از لالہ سری رام صفحہ ۴۵ میں حسنؔ بریلوی کا حال] چونکہ بھائی ہونے کے ناتے حسنؔ مرحوم اور مولانا کا حسب نسب ایک ہی ہے۔ اس لئے یہاں اس ترجمے کا پہلا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سخنور خوش بیان ناظم شیریں زبان مولانا حاجی محمد حسن رضا خانصاحب حسنؔ بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خانصاحب عالم اہلسنت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغؔ دہلوی۔ آپ کے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کئے اُن کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ماہ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آبا و اجداد دلّی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے جدامجد سعادت علی خانصاحب کی وفات تک تو آپ کے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اس کے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپ کے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علی شاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ اور صاحب کشف و کرامات

گذرے ہیں۔ علم وفضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خاں سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان داغ سے تلمذ تھا۔ بے شک حسن بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے۔ تاہم حیرت ہے۔ کہ اس ضخیم تذکرے میں اُن کے بڑے بھائی " عالم اہل سنّت " اور نعت گوئی میں اُن کے استاد جناب احمد رضا خاں کے ترجمے نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔ تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی ذرا سے غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل ودماغ پر مسلّط کر دیتے ہیں۔ جو محض ایک سخنور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔

نہیں معلوم کہ انہوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں تاہم اُن کے کلام سے اُن کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں۔ اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ کا جو تغزّل کی جان ہے یہ رتبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دیئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے۔ ذیل میں مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

غالب کی مشہور زمین " دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت " میں داغ کی بھی ایک غزل گلزار داغ میں ہے۔ جو صحیح معنوں میں زبان داغ کا نمونہ ہے۔ اتفاق سے مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک نعت اسی زمین میں ہے۔ دونوں ہم عہد شاعروں کا بیک وقت لطف اٹھائیے۔ ایک اپنے عہد کا سب سے بڑا استاد غزل اور دوسرا بڑا نعت گو مگر بحیثیت شاعر گمنام۔ چند ہم قافیہ اشعار ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

داغ۔ جملہ رفیق وہم طریق رہزن راہ عشق نہیں — سایۂ خضر کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں
رضا۔ جان سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو — کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں
داغ۔ عشق وجنوں سے مجھ کو لاگ ہوش وخرد سے اتفاق — پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں
رضا۔ جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں
داغ۔ ہاں نہیں غیرت رقیب خیر میں بے حیا سہی — جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں
رضا۔ دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی — چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنہ جائے کیوں
داغ۔ لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں — بن کے فرشتہ آدمی بزم جہاں میں آئے کیوں
رضا۔ سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے — جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

غالب کا یہ شعر زبان زد عام ہے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی — جس کو ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

معانی کے ساتھ طرز ادا بانکپن ایسا ہے۔ کہ اس پر سو غزلیں قربان۔ ردیف گویا اس سے بہتر کھپائی نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے غالب کی غزل کے صدقے لفظ میں کو "سے" سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ نعت اور غزل کو یک جان کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ مطلع دیکھئے

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں — دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

داغ کے ہم عصر امیر مینائی کے جو علم وفن میں داغ سے بھی بڑھے ہوئے تھے مشہور مطلعوں میں ایک مطلع یہ ہے اور واقعی بہت خوب ہے

جب سے باندھا ہے تصوّر اس رخ پرنور کا — سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا

مگر لیکن مولانا نے تقریباً اسی زمین میں ایسا نعتیہ مطلع کہا ہے ۔ کہ مضمون آفرینی کی انتہا کردی ہے ؎

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا ۔۔۔ ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

ایک اور ہم قافیہ شعر ؎

امیر ۔۔۔ اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو ۔۔۔ دل میں ہزار درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو

رضا ۔۔۔ کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا ۔۔۔ یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

امیر کے دیوان مرآۃ الغیب کی ایک غزل کے چند ہم قافیہ اشعار ملاحظہ فرمایئے مگر یہ نہ بھولئے کہ امیر کے اشعار ان کی غزل سے لئے گئے ہیں ۔ اور مولانا کے ان کی نعتوں سے ؎

امیر ۔۔۔ یہ تر و تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض ۔۔۔ یہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو

رضا ۔۔۔ سو کھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے ۔۔۔ چھائیں رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

امیر ۔۔۔ بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا ۔۔۔ تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو

رضا ۔۔۔ شانہ ہے پنجۂ قدرت تیرے بالوں کے لئے ۔۔۔ کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو

امیر ۔۔۔ مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں ۔۔۔ کھل گئے کس کے یہ دریا کے کنارے گیسو

رضا ۔۔۔ تار شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ ۔۔۔ حال کھل جائے جو اک دم ہوں کنارے گیسو

امیر ۔۔۔ دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغِ خورشید ۔۔۔ شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا ۔۔۔ تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا ۔۔۔ صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

مندرجہ بالا زمین ردیف کی ثقالت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے پھول کھلانا ممکن نہیں ۔ لہٰذا دونوں کے اشعار میں طراوت و خوش بیانی کا ایک حد تک فقدان ہے ۔ لیکن اب ہم مولانا کے چند ایسے نعتیہ اشعار پیش کریں گے ۔ جو اساتذہ غزل کی شان کے ہیں ۔ اُن میں چستی و بندش ، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کے وہ وہ نمونے ملیں گے ۔ کہ لمحہ بھر کے لئے بھولنا پڑے گا ۔ کہ یہ اشعار نعتوں کے ہیں ۔

شمع یادِ رخِ جاناں نہ بجھے ۔۔۔ خاک ہو جائیں بھڑکنے والے

کوئی ان تیز رووں سے کہدو ۔۔۔ کس کے ہو کر رہیں تھکنے والے

دل سلگتا ہی بھلا ہے اے ضبط ۔۔۔ بجھ بھی جاتے ہیں دہکنے والے

نخل سے چھٹ کے یہ کیا حال ہوا ۔۔۔ آہ او پتے کھڑکنے والے

جب گرے ، منہ سوئے میخانہ تھا ۔۔۔ ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

کام زنداں کے کئے اور ہمیں ۔۔۔ شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے

بیچ میں آگ کا دریا حائل ۔۔۔ قصد اس پار ہے کیا ہونا ہے

دل نہیں تم سے لگانا ہی نہ تھا ۔۔۔ اب سفر بار ہے کیا ہونا ہے

منھ دکھانے کا نہیں اور سحر عام دربار ہے کیا ہونا ہے
چھپ کے لوگوں نے کئے جس سے گناہ وہ خبردار ہے کیا ہونا ہے

ان کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے
ان کے حسنِ با ملاحت پر نثار شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے
ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں آبِ کوثر کی سیاحت کیجئے
سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گناہ خم ذرا فرقِ ارادت کیجئے

مولانا کسی صنفِ سخن میں بند نہیں انہوں نے جگہ جگہ صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ رباعی بھی نہایت پختہ کہتے ہیں۔ اس مختصر سے مقالے میں ان سب کی گنجائش نہیں صرف چند ہی رباعیاں پیش کی جاتی ہیں: تاکہ کہے کا پاس رہے ؎

محصورِ جہاں دانی و عالی میں ہے کیا شبہ رضاؔ کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو ایک وصف میں ہوتا ہے کمال بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

کس منہ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

مولانا نے ائمہ اطہار کی شان میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک رباعی سنئے ؎

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصّے کئے آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

دیوانِ رضا: عرفان و وجدان کا قاموس

شامہ از بوئے اُو رشکِ جناں   ہم معطر زو قبائے مہ وشاں

فاضل بریلوی کی شاعری کو احاطۂ تحریر میں لاتے وقت مجھے اپنی بے مائگی اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے یہ مختصر مضمون اعترافِ شکست کے مترادف ہے، کیونکہ ایسی بزرگ ہستی پر خامہ آرائی کرتے وقت لاشعور کے پردے پر فاضل بریلوی کی جو تصویر ابھرتی ہے اُس کا تقدس دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے۔ اُن کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت کا صرف ایک رُخ پردۂ شہود پر آیا ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال ایک مجدد جس کی جامع اور تاریخ ساز شخصیت نے برصغیر ہند و پاک کے مذہبی اور روحانی نقشہ پر دور رس اثرات مرتب کئے ہیں۔ ورنہ وہ اپنی گدڑی میں ایسا لعل بے بہا بھی رکھتے تھے۔ جس کی ضیا پاشیاں صرف محفل میلاد تک محدود رہیں۔ وقت آگیا ہے کہ کوہ بے ستون بین تیشۂ کوہکن کی ضربوں پر رقص کرنے والے اور قصر شیریں کے خوبصورت بام و در پر اپنے قلم کا جادو چھڑکنے والے اپنے ادراک کو اس لعل گراں مایہ کی ضو فشانیوں سے صیقل کرکے "حدائق بخشش" کی طرف متوجہ ہوں جو عرفان و وجدان کا ایک قاموس ہے۔ یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ فاضل بریلوی ایک متبحر عالم اور مجدد تھے شاعر نہیں تھے۔ اُن کے کلام میں وہ شیریں دیوانگی (HARMONIOUS MADNESS) نہیں ملتی جو شاعروں کی دستارِ مرصع میں طرۂ افتخار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کے کلام میں آتشِ سیال کی حرارت نہیں۔ وہ "شعلۂ رنگِ حنا" کی جستجو میں تخیل کے وسیع صحراؤں کی خاک نہیں چھانتے۔ وہ تصور کا کاسۂ دریوزہ گری ہاتھ میں لئے الفاظ کے تیرہ و تار اور پر پیچ راستوں سے گزر کر لیلائے مفہوم کے شہر نگاریں تک پہونچنے کی تگ و دو نہیں کرتے۔

اُن کی شاعری احکام شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ ان کی شاعری میں الہام کی حلاوت ہے۔ تفہیم و افہام کی تلخی نہیں۔ وہ شمع جمال مصطفوی ﷺ پر پروانہ وار گرتے ہیں۔ اُن کا سینہ عشق رسول ﷺ کا بحر ذخار ہے۔

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل   جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو
سر تا بہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول   لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول

حدائق بخشش، حدائق العطیات اور مدح رسول اُن کی شاعری کے مجموعے ہیں۔ مؤخر الذکر دو کتابیں نایاب ہیں۔ حدائق بخشش ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ کلام کا بیشتر حصہ اردو میں ہے جو ایمان و آگہی کی چاشنی سے معمور ہے۔

مشہور جرمن فلسفی کانٹ (KANT) اپنی شہرۂ آفاق کتاب تنقید عقل محض THE CRITIQUE OF PURE REASON میں کہتا ہے۔ "کوئی فن ریاضی کی طرح زرہ بکتر پہن کر نہیں نکلتا"

فن تخلیقی ذہن کا نوزائیدہ بچہ ہوتا ہے جو زمان و مکان کے نازک رشتوں سے بندھا ہوا اپنا سفر ارتقا شروع کرتا ہے۔ بلوغت اور پختگی کی منزل پر پہونچ کر اس کے بال و پر میں کونین کی وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اُس پر فنی تعصب کا عمل جراحی شروع ہو جاتا ہے

شاعری کوئی منطقی شے نہیں ہے۔ جسے اسباب و علل کا ڈرائی کلین کیا ہوا سوٹ پہنا کر صنعتی سمیّت Industial Toxicology کے کسی بین الاقوامی سمپوزیم میں کھڑا کر دیا جائے۔ حسیات عامہ کا شعور رکھنے والا بھی شاعر ہو سکتا ہے ہیرے کی ساخت میں کاربن کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جو ایک پتھر کو کوہ نور بنا دیتا ہے۔ بڑے سے بڑا شاعر بقول شیلے "شاعری کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا" کیونکہ ذہن کے بجھتے ہوئے کوئلہ کو زندہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک غیر مرئی طاقت اسے ہوا دیتی ہے۔ تب اس میں نغماتی انبساط کی چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کا ملکوتی حسن بیدار ہوتا ہے۔

جوہری دَور کا مسلمان مذہب سے بیزار نظر آتا ہے۔ وہ ارتقا کی چاند گاڑی میں بیٹھ کر روحانیت کے تانے بانے توڑتا ہوا بیرونی خلاؤں بے وزنی کی مہلک کیفیت کا شکار ہے۔ وہ ٹھوس حقائق کا سامنا کرتا ہوا گھبراتا ہے۔ اُسے اپنے نظریات اور مفروضوں کے تعمیر کئے ہوئے خیالی اہرام پسند ہیں۔ صور اسرافیل اور صدائے ابوالہول میں بڑا تضاد اور تفاوت ہے۔

فاضل بریلوی نے اس تضاد کو دیدۂ باطن سے دیکھا۔ اور اس کی کسک محسوس کی۔ اُن کی شاعری اسی کسک اور سوز دروں کا نقش تمام ہے۔ جو طالبان حق کے لئے مشعل راہ اور شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کے لئے نسخۂ کیمیا ہے

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں　　مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

تاب مرآت سحر گرد بیابان عرب　　غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب

ابتدائے آفرینش سے انسان دنیا کی بے ثباتی کو ایک حادثہ تصور کر کے قبول کر چکا ہے۔ فلاسفۂ قدیم و جدید اس بات پر متفق ہیں کہ صرف تغیّر و تبدل کو حیات دوام حاصل ہے۔ اقدار بدلتی رہتی ہیں ایک غلطاں و پیچاں معاشرے میں بدلتی ہوئی قدروں کے ملبہ تلے دبا ہوا مسلمان بوئے گل کے خنک آنچل کی ہوا سے اپنے زخموں کا علاج چاہتا ہے اور گرمی حشر سے محفوظ رہنے کے لئے روشوں کی عطر بیز زلفوں کا سایہ تلاش کرتا ہے۔

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپش محشر میں　　سایہ افگن ہوں تیرے پیارے کے پیارے گیسو

خالص پاکیزہ اور بے لوث عشق تصوف کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی عشق اور شیوۂ تسلیم و رضا کی تکمیل کے لئے تاجدار کونین ؐ کے لئے غار حرا کو مکتب ایمان و آگہی بنایا گیا اور یہیں سے راہ باطن (ESATERIC METHOD) اور تصوّف (MYSTICISM) کے مقدس چشمے رواں دواں ہوئے۔ جن سے تاابد شریعت طریقت اور حقیقت کے لالہ و گل بالیدگی حاصل کرتے رہیں گے۔ عشق الٰہی اور عشق رسول ؐ کے بغیر منزل یقین کی لذتوں سے آشنا ہونا ناممکن ہے۔

جس کو قرص مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو!　　اُن کے خوان جود سے ہے ایک نان سوختہ

شیلے اپنی مشہور نظم (TO A SKYLARK) میں کہتا ہے۔

OUR SWEETEST SONGS ARE THOSE THAT TELL OF SADDEST THOUGHT.

ہمارے شیریں ترین نغمات وہ ہیں جو ہمارے غمگین ترین خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی کی شاعری پر نصف صدی سے تجاہل و تغافل کی ٹھنڈی دھول جمی ہوئی ہے خود ان کے مداحوں اور عقیدتمندوں کو طلسم سکوت توڑنے اور اپنے قلم کا جمود ختم کرنے کا خیال نہیں آیا۔ ان کا نعتیہ کلام وہی سوز اندروں ہے جو "شیریں ترین نغمات" کا خالق ہے جس کی شدت وحدت بادۂ عشق رسول کے کاسہ لیسوں کے لئے معراج یقین ہے۔

ٹپکتا رنگ جنوں عشق شہ میں ہر گل سے — رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا

بجا تھا عرش پر خاک مزار پاک کو ناز — کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

خونیں جگر ہوں طائر بے آشیاں شہا — رنگ پریدۂ رخ گل کا جواب ہوں

محسن کاکوروی کو آب تموج کے آئینے میں شہناز لالہ رخ کے پیکر رعنا کا عکس لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔

آئینہ آب تموج سے بہا جاتا ہے — کہیئے تصویر سے گرنا نہ کہیں دیکھ سنبھل

فاضل بریلوی کو جوئے رواں کے شیش محل میں جمال مصطفائی کی سحر تابی اور اس کی بوقلمونیت نظر آتی ہے۔ وہ اپنے مخصوص پوربی انداز میں فرماتے ہیں۔

بنا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آب رواں کا پہنا — کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حباب تاباں کے تھل ٹکے تھے

بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن — جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

ان کے نعتیہ کلام میں ایک سچے عاشق رسول کے دل خوں گشتہ کی لالہ کاری بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ جو دیدہ و دل کے منجمد پردوں پر ایک ملکوتی نور کا نقش ثبت کرتی ہے۔

یہ مختصر مضمون فاضل بریلوی کی شاعری پر حرف آخر نہیں ایک ترغیب اور دعوت فکر و نظر ہے۔ یہ ایک خوش آئند سفر کی تقریب اور ابتدا ہے۔

امام احمد رضا اور اصنافِ سخن

میں اس سعادت کو اپنے لئے باعث خیر و برکت تصور کرتا ہوں۔ کہ آپ نے مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میں مجدد اسلام اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نعتیہ کلام کے محاسن کی نشاندہی کروں اور اس ضمن میں میرے کیا تاثرات رہے ہیں۔ قارئین کے سامنے پیش کروں۔ مولانا کی تصنیفات کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی اور ان کی قدر و قیمت کا بھرپور تعین کیا جاتا۔ مگر میرا اپنی منصبی اور سماجی تعلق کا اکثر بار بار خواہش کے فرصت کے لمحات میسر نہ آسکے جن میں اپنے جذبہ و شوق کی محفل سجائی جا سکتی اور بقدر ظرف اس مضمون کو لکھنے کی گنجائش نکالا پاتا۔ پھر بھی تعمیل حکم میں اپنے خیالات کو اجمالاً پیش کر رہا ہوں تاکہ میرا نام بھی ان کے مداحوں کی فہرست میں شامل ہو سکے۔

میرا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے۔ کہ دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں نعت گوئی مشکل ترین صنف سخن رہی ہے۔ ہمارا اعتقاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جب ہم ان کی مدح کریں تو اپنے جذبات کو مکمل طور پر آزاد چھوڑ دیں۔ مگر شریعت جذبات کا اس غیر ذمہ دارانہ اظہار کو پسند نہیں کرتی اور اس بات کی متقاضی ہوتی ہے۔ کہ ہر شئے کو اس مناسب متعین شدہ حد میں رکھا جائے۔ جذبہ اور عقیدت کا ایسا مظاہرہ کہ مقام نبوت کو الوہیت کی سرحدوں میں داخل کر دینا یا شعری لوازمات کی تسکین کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کر دینا جن سے شعر کا درجہ بلند ہو جائے۔ اچھی نعت کا ہر دور میں سخت ترین مرحلہ رہے ہیں۔ اور اسی لئے مجموعی طور پر وہ نعتیں جو شعری اور شرعی دونوں تقاضوں کو پورا کرتی ہوں۔ اردو ادب میں نسبتاً کم پائی جاتی ہیں۔ دراصل نعت محض رسول کریم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں بلکہ بقول ایک نقاد نگار نعت کے حقیقی کی مدحت کا ایسی تصویر کشی کا نام ہے جس سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہو سکے اور بالیدگی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جب مدح کا دل رسول اکرم کی محبت کے حقیقی جذبات سے پر ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقام و مرتبے سے الگ ہٹ کر نعت گوئی کے راستے میں ایک اور بھی مرحلہ قرآن کے اس حکم کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ تم نبی کو اس طرح نہ پکارو جیسے تم میں سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔" نتیجہ میں وہ تشبیہات و استعارات جن میں پاکیزگی، تقدیس اور طہارت نہ ہو ہمارے لئے بیکار ہو جاتے ہیں اور اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کہ صرف تعظیمی ضمائر استعمال کئے جائیں اور یہ ضمائر انہیں لوگوں کے ہاتھ آتی ہیں جو جذبے اور وجدان کی آگ کے ساتھ ساتھ تضاد شعر و شریعت کو ہم آہنگ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں

مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اگر ایک طرف تبحر علمی، زہد و تقویٰ اور روحانی تصرفات کا معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسول اکرم ﷺ سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت بھی مثالی تھی۔ انہوں نے اپنی علمی اور دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا۔ اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے تاریخ اسلام، قرآن، احادیث و ذکات، حدیث اور علم الرجال پر ان کی جتنی گہری نگاہ تھی اس کے معترف و مداح ہندوستان ہی کے نہیں تمام عالم اسلام کے علمائے کرام رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا جو ملکہ انہیں حاصل تھا اس کی غمازی "حدائق بخشش" میں شامل وہ نعتیں اور منقبتیں کرتی ہیں جو آج بھی گھر گھر میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان نعتوں میں والہانہ ربودگی اور وفور جذبات کے ساتھ ساتھ ضبط و انقیاد کے وہ عناصر بھی پائے ہیں جو تزکیہ نفس اور تالیف قلب دونوں میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

حدائقِ بخشش کے دونوں حصے جنہیں مکتبہ کلیمی اہلسنت ناظر باغ کانپور نے شائع کیا ہے ، صرف مجدد ملت کے نعتیہ کلام کے مجموعے نہیں ہیں بلکہ ان میں نعت کے علاوہ منقبت اور قصائد بھی شامل ہیں اور مختلف اصناف سخن میں خراج عقیدت پیش کی گئی ہے ۔ اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے ۔ کہ خارجی مناظر کے بجائے داخلی جذبات واحساسات کی ترجمانی کی جائے اور سیرت مقدسہ کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کا احاطہ کر کے اسلامی تصورات عقائد اور تلمیحات کے سیاق وسباق میں چراغ مصطفوی کے نور کو اس طرح بکھیرا جائے کہ شرار بولہبی سے ستیزہ کار ہو جائیں اور ایک ایسی فضا کی تعمیر وتشکیل کریں جن میں صحت مند عقاید پنپ سکیں اور فسق وفجور سے دلوں کے آئینے صاف ہو سکیں ۔ یہ کام صرف مکتب کرامت اور جذبات کو اوزان وبحور کے سانچے میں ڈھالنے کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اس فیضان نظر کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جو امتوں کی تقدیریں بدل دیا کرتی ہے ۔ گرد وغبار سے آئینوں کو صاف کرنا اور پھر اسے ایسی مرکزی جگہ پر رکھ دینا کہ صورتیں حقیقی بھی ہوں اور خوبصورت بھی یہ محض فنکار کے بس کی بات نہیں ۔ بلکہ اس کے لیے احمد رضا خاں صاحب جیسے حکیم امت کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے جو قطرہ دریا کا جلوہ اس طرح دیکھ سکے کہ دونوں کی انفرادیت بھی برقرار رہے اور دونوں ایک دوسرے کا جزو لاینفک بھی معلوم ہوں ۔

یہ میرے مجموعی تاثرات ہیں جنہیں وقت کی کمی باعث میں نے اجمالاً چند منٹ میں تحریر کر دیا ہے ۔ انشاء اللہ ان کی توضیح وتشریح "المیزان" کے کسی اگلے شمارہ میں پیش کروں گا ۔

امام احمد رضا واصفِ شاہِ ہدیٰ

تہذیب و ثقافت فلسفۂ حیاتِ انسانی کے دو درخشاں ترین باب ہیں۔ ہر تہذیب ایک مذہب سے وابستہ ہے۔ اور ثقافت اس کی اعلیٰ قدروں کی نمائندہ۔ ثقافت بنی نوعِ انسان بلکہ انسانیت کی ترقی کی آئینہ دار و ترجمان ہے۔ یہ دراصل عبارت ہے افرادِ قوم کی جمالیاتی حس بلکہ جمالیاتی شعور کی بیداری سے مشہور فلسفی کانٹ نے جمالیاتی شعور کو حس اور عقل کا مقامِ اتصال کہا ہے۔ حسن و جمال کی اہمیت قرآن حکیم کی بے شمار آیات کریمہ سے واضح ہے۔

ولکم فیہا جمالٌ حین تریحون وحین تسرحون ۝ (سورہ النحل آیت ۶)

خالدین فیہا حسنت مستقراً ومقاما ط (الفرقان آیت ۷۶)

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃ ط (البقرہ آیت ۲۰۱)

قرآن حکیم ایک مکمل نظامِ حیات اور ایک بے مثل دستور العمل ہے۔ انسان کی ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی زندگی کس طرح اعتدال و توازن، لذت و سرور اور کیف و طمانیت سے ہمکنار رہے۔ وہ اپنے معبود کے حضور کس شان عبدیت کا اظہار کرے۔ آخرت کی اس کھیتی کو کس انداز سے شاداب و سرسبز رکھے کہ انجام کار "حسن المآب" کی منزل نصیب ہو؟ یہ سب کچھ ہمیں اسی ام الکتاب سے حاصل ہے قرآن کا دعویٰ ہے کہ کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر اس میں موجود نہ ہو۔ تبیاناً لکل شیئ ط لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ط

حسن و جمال دراصل نظر افروزی و سرور انگیزی کی منزہ و نامصور شئے ہے منزل "حسن مآب" یعنی جنت الفردوس میں مومن کے لئے اس سے بڑھ کر مسرت انگیز نعمت اور کیا ہوگی کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو۔ وان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن مآب ط (سورہ ص آیت ۲۵) اس کے دیدار سے جس کا مثل کوئی شے نہیں۔ لیس کمثلہ شیئ ط اور جو سراپا جمال ہے۔ اللہ جمیلٌ ویحب الجمال۔ اسے حسن پسند ہے وصورکم فاحسن صورکم۔ اور تمہاری صورتیں بنائیں۔ تو کیا ہی حسین صورتیں بنائیں۔ التغابن ۳۔ الذی احسن کل شیئٍ خلقہ (اس نے جو چیز بھی بنائی حسین بنائی، سورۃ السجدہ آیت ۷)۔ فطرتِ انسانی بھی ایک شے ہے۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ط اور ارشاد باری ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (بلا شبہ ہم نے انسان کی فطرت کو بہت ہی حسین بنایا ہے، سورۃ التین۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین (سورہ المومنون آیت ۱۴) وہ تو حسن مطلق ہے، نور ہی نور اللہ نور السمٰوٰت والارض (سورۃ النور آیت ۳۵) کائنات حسین ہے۔ اس کے مناظر حسین ہیں۔ یہ ساری خلقت جو ماسوی اللہ ہے اضافی حسن سے معمور ہے۔ حسن سرچشمۂ زندگی مقصدِ حیات اور روحانی سرور و طمانیتِ قلبی کا منبع ہے۔ یہ حسن جب مجازی شکل اختیار کر لے تو وہ شکل جو یقینی کوئی شے ہوگی۔ حسین و خوبصورت کہلائے گی اور ہم اسے خلاقِ عالم کی تخلیق کہیں گے۔ تخلیقی فعلیت کا یہی ہنر فن ہے خلاقی روحِ الوہیت کا سب سے پہلی صفت ہے۔ جو بالارادہ ظہور پذیر ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہی روح جسدِ آدم میں ڈال دی اور فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا۔ اذ قال ربک للملٰئکۃ انی خالقٌ بشراً من طین ۝ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین ۝ (سورہ ص آیت ۷۱-۷۲)

(جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں جب اس کو ٹھیک تناسب و ہم آہنگی (تسویہ) پیدا کر دوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گر جانا)

مختصر یہ کہ اشرف المخلوقات بنی نوع انسان ہے جو تسویہ و تعدیل کی داخلی و خارجی اوصاف کے ساتھ ساتھ علم و ادراک اور فکر و تخیل کی نعمتوں سے نوازا گیا۔ لہٰذا حسن کاری انسان کی سرشت میں داخل ہوئی۔ روح جو من امر ربی ہے۔ اپنی صفت خلاقی کا مظاہرہ ہر حال میں کرے گی سادر انسان اپنے پیمانہ احساس و عقل کے ساتھ حسن و فن سے ہمیشہ ہم آہنگ رہے گا یہ ادبیات کی زنبیل لطیف جس کو ملا مل گیا۔

شاعری بھی ایک فن ہے اور انتہائی لطیف فن۔ فن کا ایک اہم مقصد فکر انگیزی اور قوائے عقلیہ کو متحرک کر کے اس سے مفید تر کام لینا ہے قرآن حکیم نے لعلھم یتفکرون اور لعلکم تعقلون کہہ کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے تاکہ تخیل محض کی بے راہ روی کی تقلید میں شاعر یتبعھم الغاوٗن کا مصداق بن جائے۔ شاعر حسن ازل کی سحر طرازیوں اور جلوہ باریوں کو اپنے فن کی گرفت میں لانا چاہتا ہے۔ ایک ایسا شاعر ایک ایسا فنکار جو سرتا سر اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمائندہ اور اعلیٰ ہو وہ کیوں نہ حسن مطلق یعنی نور السموٰت والارض کی اس شاہکار تخلیق کو پیش نظر رکھے جس تخلیق اور خالق کل کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں یعنی اس حدیث شریف کے رو سے "اوّل ما خلق اللّٰہ نوری والخلق کلھم من نوری دانا من نور اللّٰہ" خاتم النبیین محبوب رب العالمین سبب تخلیق کائنات ہیں (لولاک لما خلقت الافلاک) آپ پرتو جمال الٰہی و مظہر ذات کبریائی ہیں۔ اس شاہکار تخلیق پر خود خالق فریفتہ ہے اور ساری کائنات بالخصوص جن و انس کی تخلیق کا سبب یہ بتایا کہ "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں) الذاریات اور روح عبادت عشق محمدی کو قرار دیا۔ عشق کا تقاضا ہے کہ وہ کیفیات و واردات الفت اور محبت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے ملائکہ کے ساتھ حضور انور پر درود و سلامتی بھیجتا ہے اور جن و انس کو ایسا حکم دیتا ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ط گویا رسول مقبول ﷺ پر درود بھیجنا۔ ان کا ذکر کرنا۔ ان سے عشق و محبت کا اظہار کرنا خواہ وہ قولی ہو یا فعلی ایک طرح کی عبادت ہے۔ اس طرح مدح و توصیف رسول ﷺ اور نعت نبی کا رشتہ عبادت الٰہی سے مل جاتا ہے۔

اس پیش گفتار سے میری مراد دراصل افضل الافاضل حضرت امام احمد رضا خاں صاحب رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری میں فکر و فن اور حسن و عشق کی تابکاریوں کا جائزہ لینا ہے۔ ان کی فنکارانہ کاوشوں، شاعرانہ صلاحیتوں اور والہانہ جذبات عشق رسول ﷺ کی نیرنگیوں پر نظر ڈالنی ہے تاکہ شعر و سخن میں بھی ان کے صحیح مقام اور مرتبہ کا تعین کیا جا سکے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ تخلیقی فعلیت خاصہ روحی ہے۔ لہٰذا فنکار کے لئے فن میں حقیقت کی ترجمانی لازمی و لابدی قرار پائی۔ ایسے اپنے فن کو ہر حال اقتدار حقیقی کا آئینہ دار بنانا ہوگا۔ تفنن طبع اور ذہنی تفریح تخلیق فن کا مقصد کبھی نہیں۔ خالق کل فرماتا ہے۔ وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لٰعبین ۵ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ درمیان ان کے ہے کھیلتے ہوئے (سورۂ دخان آیت ۳۸)

عالم باعمل فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں صاحب اسلامی تاریخ کی ایک ایسی عبقری شخصیت اور فرد نابغہ کا نام ہے جس میں مجددیت کے سارے اوصاف مجتمع تھے ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

علم و فضل کے میدان میں حضرت رضا کی بسیار جہتی اہل نظر سے خراج عقیدت وصول کرتی رہے گی۔ ان کی شاعری فنی نقطہ نظر سے معیار و کمال کی حامل اور سر بسر حمد و نعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت ایک مشکل مگر بہترین صنف سخن اور باعث فخر و ثواب ہے۔ زور قلم اور جولانی طبع کے تحت اس فن میں قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے۔ وہ ذات مقدس جس کی سرکار میں دانستہ و نادانستہ

ذرا بھی سوئے ادب حبطِ اعمال کا سبب ہو اس کی مدح و نعت بڑے ہوش و حواس کا کام ہے ۔ با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار۔ کی منزل ہمہ دم پیشِ نگاہ رہنی چاہیے ۔ "الملفوظ" میں حضرت فاضل بریلوی نے فن نعت گوئی کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ اپنی نعت نویسی کے لئے قرآن و حدیث کو ہی شمع راہ بنایا ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام افراط و تفریط کے عیب اور تخیل کی بے راہ روی سے پاک ہے ۔ نعت گوئی میں آپ حضرت حسان کی پیروی کافی سمجھتے ہیں جن کی نعتیں سنکر خود رسالت مآبؐ محظوظ ہوتے اور دعائیں فرمائیں وہ لکھتے ہیں ۔

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے	افغانِ دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو	نقشِ قدمِ حضرتِ حسان بس ہے

احکام شریعت کی تبلیغ و نگرانی میں آپ بہت ہی سخت تھے ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

ہیں ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ	بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی	یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

"حدائق بخشش" ہر دو حصص حضرت رضا کی نعتوں کا مجموعہ اور ایک ایسی متاعِ بے بہا ہے جس پر اردو کی نعتیہ شاعری ہمیشہ ناز کرے گی ۔ حضرت رضا کی نعتیں سادہ ، سہل ، عام فہم ، سوز و گداز قلب اور عاشقانہ جذبات سے مملو ہیں ۔ مخصوص فنی نقطہ نظر سے بھی مشکل اور سخت زمینوں میں آپ کی نعتیں بندش و تراکیب اور قدرتِ بیاں کا سارا حسن رکھتی ہیں ۔

اردو کی کلاسیکی شاعری کے وہ سارے اوصاف جن پر اہل زبان کو ناز ہے ۔ حضرت رضا کے کلام میں بھرے پڑے ہیں ۔ شوخیٔ طبع کے باوجود آپ نے بڑی احتیاط سے عروسِ سخن کو ان تمام زیورات سے آراستہ کیا ہے ۔ جو نعت گوئی کے تقدس و احترام کے ساتھ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے ہیں ۔ شاعر کو اپنی لیاقتِ فن کا پورا پورا احساس تھا ۔

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں	نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم

وہ ایک وہبی شاعر تھے ۔ فنکاری و حسن آفرینی کے لئے موزونیٔ طبع از بس ضروری ہے یہ محض فیضانِ الٰہی ہے اور کچھ نہیں ۔ اسی لئے کہا گیا ہے الشعراء تلامیذ الرحمٰن ۔ کیونکہ ۔

طبع موزوں نہ کسبی و عملی است	از عطیاتِ فیض لم یزلی است

انہیں زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا ۔ فارسی و عربی میں مہارت کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا ستھرا شعور رکھتے تھے ۔ ان کی اردو لکھنؤ کی بامحاورہ ٹکسالی زبان ہے ۔ کلام کی سنجیدگی ، لب و لہجہ کی لطیف آہنگی ، طنطنہ اور زور اس میدان میں بے مثل استادی کی دلیل ہے ۔ ایک نعت شریف کے چند اشعار میرے دعوے کی تصدیق کریں گے ۔ ملاحظہ ہوں ۔

رشکِ قمر ہوں رنگِ رخِ آفتاب ہوں	ذرہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
درِ نجف ہوں گوہرِ پاک خوش آب ہوں	یعنی ترابِ رہگذرِ بوتراب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پر آب ہوں	دل ہوں تو برق کا دلِ پر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں شہا	رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں بحرِ کرم مدد	پروردۂ کنارِ سراب و حباب ہوں
عبرت فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت	گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں
دل بستہ بیقرار جگر چاک اشکبار	غنچہ ہوں گل ہوں برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں

مولیٰ دہائی نظروں سے گر کر جلا غلام ۔۔۔ رشکِ مژہ رسیدہ چشمِ کباب ہوں
مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں ۔۔۔ دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
شاہا بجھے سقر مرے اشکوں سے تا نہ میں ۔۔۔ آبِ عبث چکیدہ چشمِ کباب ہوں
حسرت میں خاک بوسی طیبہ کو اے رضا ۔۔۔ ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں

ناسخ ہوں کہ انیس، غالب ہوں کہ مومن، انہیں شہرت و مقبولیت جس برتے اور کمالِ فن پر حاصل ہوئی کیا مندرجہ بالا کلام رضا کسی طرح بھی اس معیار کیف وکم سے کم ہے؟ اس ایک نعتیہ غزل میں شعر و سخن کے کتنے محاسن جمع ہیں۔ نادر استعارے، تازہ کار تشبیہیں، صنعت لف ونشر، حسن تضاد، مراعاۃ النظیر، رعایت لفظی، سادگی، صفائی، لب ولہجہ کا بانکپن، شوخی طبع، مضمون آفرینی، پرواز فکر اور کیا کچھ نہیں ہے۔ غالب اردو کا مایہ ناز شاعر ہے حضرت رضا نے غالب کی جن زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے ان سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ نظر انصاف میں دونوں کے اشعار دیکھئے۔ اور معیار و منہاج کے پیش نظر ان پر صاد لگائیے۔ غالب کی مشہور غزل ہے ؎

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں ۔۔۔ بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

حضرت رضا فرماتے ہیں ؎

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں ۔۔۔ صبح نے نور مہر میں مٹ کر دکھا دیا کہ یوں

غالب کی ایک اور مقبول غزل ہے ؎

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں ۔۔۔ بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

رضا کی غزل کا اندازہ اس شعر سے لگائیے ؎

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا ۔۔۔ جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم منور کا سایہ نہ ہونے کی بہت ساری شاعرانہ توجیہیں بیان کی جاتی رہی ہیں۔ دیکھئے حضرت رضا کس خوبصورتی سے کہتے ہیں

راہ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی ۔۔۔ چادرِ ظل ہے ملگجی زیرِ قدم بچھائے کیوں
ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم ۔۔۔ کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

آپ نے جو زمانہ پایا ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال یافتہ عہد تھا۔ بادشاہت ختم ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی غلامی کا دور تھا۔ مسلم معاشرہ، مسلم تہذیب اور اسلامی ثقافت کے عروج کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ ہزار عیوب کے باوجود فنون لطیفہ کی دلکشی ابھی باقی تھی شعر و سخن کا ہر طرف چرچا تھا۔ محفلیں گرم تھیں۔ زباندانی کے سکے بٹھائے جاتے تھے۔ حضرت رضا اپنی بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ اگر صرف اس میدان زباندانی میں اپنا علم لہراتے تو کوئی مدمقابل نہ تھا۔ مگر ان کی ساری توجہ حفاظت دین متین اور شریعت محمدی کی پاسبانی پر رہی۔ اسلام کے بنیادی عقائد پر جو بالتحریک حملے ہو رہے تھے۔ فتنہ نجدیہ نے جو طوفان برپا کر رکھا تھا۔ اور جزیرۃ العرب کو ہلاتا ہوا یہ زلزلہ جس تیزی سے ہندوستان میں بڑھ چلا تھا۔ اگر امام احمد رضا خاں اس کا توڑ نہ کرتے تو خدا معلوم کفریات وہابیہ کا سیلاب کتنوں کے سفینہ ایمانی کو غرق کر دیتا۔ حضرت فاضل بریلوی نے جس جانفشانی اور جگر کاری کے ساتھ ردّ وہابیہ کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ وہ کچھ ان ہی کا حصّہ تھا ؏

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ان کی زندگی کا مذہبی مشن ان کی شاعرانہ مقبولیت کی راہ میں حائل رہا اور وہ اکثر حلقوں میں موردِ طعن و ملامت رہے مگر یہ تو سنّت

روز ازل ہے کہ چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی ستیزہ کار رہا ہے۔

اہل سنّت و جماعت کے امامِ عصرِ حاضر حق کے لئے کسی کو خاطر میں نہ لائے۔ انہیں اس کا احساس تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

سیئت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں — پھول بن کر ہو گئے کیا خار ہم

لیکن حوصلہ یہ تھا کہ

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار — اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

رسول مقبولؐ نے نجد سے متعلق جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں وہ سب کی سب اپنے وقت سے ظاہر ہوئیں۔ ابن عبدالوہاب نجدی نے جو کچھ کیا وہ کس سے پوشیدہ ہے۔ اس کے پیروؤں کے عقائد شیطانی ہیں معاذ اللہ۔ حُبِّ رسولؐ کی شدّت نے دشمنانِ رسولؐ کے لئے کلک رضا کو واقعی خنجر خونخوار و برق بار بنا دیا تھا۔ فرماتے ہیں ؎

مومن وہ ہے جو ان کی عزّت پہ مرے دل سے — تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو — ہم رسول اللہ کے جنّت رسول اللہ کی

ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے — پھر کہے مردک کہ ہوں اُمت رسول اللہ کی

کرے مصطفٰے کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں — کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

حضرت رضا کی شاعری میں ان کی مذہبیت نے یہ رخ ضرور پیدا کیا ہے۔ جو سراسر حقائق پر مبنی ہے۔ اس کے باوجود اگر خالص فنّی اقدار کا جائزہ لیا جائے تو رضا کی شاعری دلی اور لکھنؤ کی معیاری شاعری کے نمونے پیش کرے گی۔

زبان کی صفائی، شستگی و برجستگی اور سہل ممتنع کی مثالیں دیکھنی ہوں تو ذیل کے اشعار موجود ہیں ؎

اے رضا سب چلے مدینے کو — میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

آنکھیں رو رو کے سوجانے والے — جانے والے نہیں آنے والے

ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے — دیس کیوں گاتے ہیں گانے والے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے — اٹھ مرے دھوم مچانے والے

اللہ اللہ کے نبیؐ سے — فریاد ہے نفس کی بدی سے

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی — تاروں نے ہزار دانت پیسے

ان کے آگے دعوی ہستی رضا — کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم

ان کا تبحر علمی ان کے بیشتر اشعار سے ظاہر ہے۔ عربی و فارسی پر کامل عبور نے اشعار میں عربی فقروں کا اتنا حسین اور برجستہ پیوند لگایا ہے جس کی مثال کم ملتی ہے ؎

بے ابر کرم کے مرے دھبے — لاتغسلها البحار آقا

اتنی رحمت رضا پر کر لو — لایقربه البوار آقا

لا مئن جھنّم تھا وعدہ ازلی — تو منکروں کو عبث بد عقیدہ ہونا تھا

لم یأت نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا — جگ راج کو تاج تو ہے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

آپ کی مشہور نعت ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا　　"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مقطع کا حسن ملاحظہ ہو ؎

اے رضا چیست غم از جملہ جہاں دشمن تست　　کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را!

ایک دوسری نعت ہے ؎

پاٹ وہ کچھ، دھار یہ کچھ، زار ہم　　یا الٰہی کیونکر اُتریں پار ہم

مقطع میں فرماتے ہیں ؎

چشم پوشی و کرم شان شما　　کار ما بیباکی و اصرار ہم

میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت رضا کی زبان خالص ٹکسالی زبان ہے۔ ان کے یہاں کچھ ایسے الفاظ بھی بڑی عمدگی سے ادا ہوئے ہیں جو لکھنؤ کی خالص بیگماتی اردو کا جزو ہیں۔ مثلاً منگتا، گمنا، بھرن، خدائی خوار، گڑگڑی کرنا، سر پر پلا اٹھانا، ہوا بتانا وغیرہ ؎

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج　　جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

او شہد نمائے زہر در جام　　گم جاؤں کدھر تری بدی سے

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا　　لمعۂ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر ہو گیا

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے　　بیکس کو اٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

اپنے کوچہ سے نکالے تو نہ دو　　ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم

غفلت شیخ و شباب پر ہنستے ہیں طفل شیر خوار　　کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہار کیوں

یاد وطن ستم کیا دشت حرم سے لائی کیوں　　بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

نام مدینہ لے لیا چلنے لگی نسیم خلد　　سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

روزمرّہ، محاورہ اور لب و لہجہ کا یہ ستھرا پن ان کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ اس کے باوصف سخت اور دشوار زمینوں میں حضرت رضا نے جو مضامین باندھے ہیں وہ ان کی قادر الکلامی پر دال ہیں۔ آپ کی طبیعت مشکل پسند تھی اور یہ مشکل بھی انہیں اتنی سہل تھی گویا کوئی تکلیف ہی نہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل　　پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل

رنگ مژہ سے کر کے خجل یاد شاہ میں　　کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطر جمال گل

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں　　عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے دس ہلال　　ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں

چرخ پہ چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آ گئی　　کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

تشبیہات کی کچھ اور تازہ کاری دیکھئے ؎

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا　　اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

دل کھول کے خوں رو لے غم عارض شہ میں　　نکلے تو کہیں حسرت خوں نابہ شدن پھول

وہ بہادر شاہ ظفر کی طرح لمبی لمبی ردیف میں بھی اشعار بڑی آسانی سے کہتے ہیں۔

رخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں | شب زلف یا مشک خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

نہ آسماں کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا | حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب | تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

تلمیحات سے اشعار کا معنوی حسن سوا ہوتا ہے۔ حضرت رضا کے کلام میں تلمیحات کی کثرت ہے۔ جو ان کی وسعت علمی اور ایجاز سخن کی دلیل ہے۔ شاعر کو اس صنعت گری پر کمال حاصل ہے ؎

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں | بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں
حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں | سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب
برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایک بار | آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

وہ رعایت لفظی سے بھی اپنے کلام میں بڑی دل کشی اور جاذبیت پیدا کرتے ہیں ؎

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا | جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی
کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ | قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر | ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

حسن تکرار موسیقیت کی جان ہے۔ حضرت رضا ان رموز فنی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ترنم، نغمگی اور موسیقیت حرفوں کے انتخاب پر بھی موقوف ہے۔ ذیل کے اشعار شاعر کے بالیدہ شعور کی غمازی کرتے ہیں: ؎

کرنا تر ہے یاد ان کی غفلت کو ذرا رو کے | للہ رضا دل ہے ہاں دل سے ارے دل سے
کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں | کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش | کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے | مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس سے انکار ممکن نہیں کہ اگر فاضل بریلوی صرف شاعری پر ہی اکتفا کرتے تو آج اردو دنیا میں ان کا مقام میر و غالب ہی کی طرح محفوظ سمجھا جاتا اور شہرت ان کے قدموں سے لگی رہتی لیکن اس عاشق رسول نے شعرگوئی و سخن طرازی کو اپنے جذبۂ عشق رسول کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اظہار و ابلاغ کا یہ وسیلہ چونکہ اپنی نوعیت میں فن تھا لہذا انہوں نے اس کے آداب و احترام کو کما حقہ ملحوظ رکھتے ہوئے فنی تقاضوں کو بہ تمام پورا کیا۔ وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر اک نظر

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم　　　جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

نعت گوئی ایک فن ہے اور مشکل فن ہے۔ یہ پل صراط طے کرنے سے بھی دشوار تر ہے اور چاول پر قل ھو اللہ کا نقش لکھنے کے مترادف ہے۔ اس فن کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بڑے محتاط فکر و تخیل ہوشیاری اور ادب شناسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی خیال کو فنی پیکر عطا کرنے سے پہلے اس کو سو بار احتیاط کی چھلنی میں چھان لینا پڑتا ہے۔ تب وہ کہیں جا کر معرضِ اظہار میں آتا ہے۔ علمائے نقد و نظر اور صاحبان علم و فن کا اتفاق ہے کہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصناف سخن سے مشکل ہے۔ اگر حد سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت کی تجلی خاکستر کر دے گی۔ اور کمی کرتا ہے تو تنقیص شان رسالت کی تیز تلوار اُس کی گردن ناپ دے گی۔ اس لئے خوش نصیب ہیں وہ مداحین رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے کامیابی اور سرخروئی کے ساتھ اس وادی پرخار کو طے کیا اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت و محبت کا شعری گلدستہ پیش کیا۔

نعت گوئی اور نعت خوانی ایسا مقدس وظیفۂ حیات ہے جس کی عظمت اور مقبولیت کی سند خود بارگاہ ممدوح، محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکی ہے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منبر پر کھڑے ہو کر نعت پاک پیش کیا کرتے اور سرکار دو جہاں ان کو "اللّٰھم ایدہ بروح القدس" کا مژدۂ جانفزا سنا کر دارین کی سعادتوں سے نوازا کرتے۔ حضرت کعب بن زہیر جو حالت کفر میں اپنی شاعرانہ بے احتیاطیوں اور بے ادبیوں کے جرم میں واجب القتل قرار دیئے جا چکے تھے جب بارگاہ رحمت میں معذرت خواہ ہو کر حاضر ہوئے اور اپنا مشہور تاریخی قصیدہ "بانت سعاد" سنایا تو حضور نے خوش ہو کر اپنی ردائے مبارک ان کو عطا کر دی۔ عہد مابعد میں صاحب "قصیدہ بردہ" علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے بعارضۂ فالج ایک نعتیہ قصیدہ تحریر فرمایا۔ تو خواب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے مشرف ہوئے۔ حضور نے اپنا دست کرم اُن کے اعضائے مفلوج پر پھیرا وہ اسی وقت اچھے ہو گئے اور ایک چادر رحمت سے بھی نوازے گئے۔ الغرض اعلیٰ حضرت ہی کی زبان میں۔

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے　　　سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں ہے

فارسی نعت گویوں میں حضرت سعدی، جامی، خسرو، اور قدسی رحمہم اللہ کی نورانی اور عرفانی نعتوں سے کون صاحب ذوق واقف نہیں۔ ان عاشقان رسول اللہ نے کیا بہ لحاظ فکر کیا بہ لحاظ فن۔ نعتوں اور منقبتوں کا ایسا حسین گلشن سنوار دیا ہے جس کی بہاریں صبح قیامت تک بے خزاں رہیں گی اردو شاعری اپنے دامن میں مقدار و معیار ہر دو اعتبار سے نعتوں کا عظیم سرمایہ رکھتی ہے اور ابتدا ہی سے نعت گویوں کا سلسلۂ نجوم نظر آتا ہے۔ اردو کا کوئی ایسا معقول شاعر نہیں جس نے نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں کم از کم ایک دو شعر بھی نہیں کہا ہو۔ لیکن حقیقتاً جن خوش نصیب حضرات نے اسی صنف لطیف کو اپنے سینوں سے لگایا اور نجات اُخروی کا ذریعہ سمجھا اُن میں اعلیٰ حضرت مولینا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ حضرت مولینا غلام شہید حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی حضرت آسی غازیپوری، حضرت محسن کاکوروی اور امیر مینائی کے

نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مگر تمام نعت گویوں میں از متقدمین تا متاخرین حضور اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب کا مقام اور ان کا کلام کئی جہت سے سب سے ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے پہلی امتیازی خصوصیت تو یہ ہے کہ اردو کا کوئی بھی نعت گو آپ سے زیادہ وسیع المعلومات، اسرار شریعت کا راز دان، کتاب و سنت کے بحر زخار کا سچا آشنا اور صاحب فضل و کمال نہیں ہوا۔ دوسری امتیازی صفت یہ ہے کہ نعت گوئی میں آپ جس احتیاط و ادب شناسی کی منزل سے گزرے ہیں اس کا جواب نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ آپ نے قرآن سے نعت گوئی سیکھی اور حضرت حسان جیسے آشنائے منزل کو خضر راہ بنایا۔ خود فرماتے ہیں

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ــــــ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو نقش قدم حضرت حسان بس ہے

بہت کم شعرا ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنی زبان و قلم کو صرف تذکرۂ پاک صاحب لولاک تک محدود رکھا ہو اور کبھی کسی اہل ثروت و منصب کی مداحی نہ کی ہو۔ یہ امتیاز خاص بھی صرف اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا ہے کہ انہوں نے کبھی [illegible] دنیاوی جاہ و حشمت والے کی طرف نگاہ غلط انداز تک نہیں ڈالی ایک بار شاعروں نے نانپارہ کے نواب کی شان میں مدحیہ قصاید کہے۔ آپ سے بھی فرمائش کی گئی۔ جواب میں آپ نے ایک نعت پاک کہی جس کا مطلع ہے

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور مقطع میں اپنا یہ مسلک شاعری بھی ظاہر کر دیا۔

کروں مدح اہل دُول رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

قدرت کلام کے آئینے میں دیکھئے تو یہاں بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنی انفرادی شان لئے ہوئے نظر آئیں گے۔ ایک بار آپ سے درخواست کی گئی کہ ایک ایسی نعت کہیں جس میں عربی فارسی، اردو، ہندی زبانوں کے الفاظ شامل ہوں۔ آپ نے فی البدیہہ دس اشعار پر مشتمل ایک نعت کہدی جس کا مطلع ہے

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس ضمن میں ان کی ایک خالص اردو نعت کے یہ چند اشعار بھی دیکھئے جن میں الفاظ کی نشست و برخاست، خیالات کا اتار چڑھاؤ، لہجے کی گھلاوٹ طرز ادا کی دلکشی، قوافی کی شگفتگی اور صوتی حسن سے رنگ و نور کا سامان صد ہزار لئے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ پڑھئے اور کمال سخن وری کی داد دیجئے

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے چنین و چناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے
کلیم و نجی مسیح و صفی خلیل و رضی رسول و نبی عتیق و وصی غنی و علی ثنا کی زبان تمہارے لئے
نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے
جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دلہن سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے

آپ نے اپنے عہد کے تمام مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی لیکن ہر جگہ اپنی انفرادیت کا نقش پائیدار چھوڑا ہے۔ دوم درجے کی چیز کبھی نہیں کہی غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، قطعات، رباعیات اور سلام جس میدان کی طرف رخ کیا ہے اپنی شاعرانہ عظمتوں کا سکہ بٹھا دیا ہے یہ اعلیٰ حضرت کے لئے شایاں تھا اگر یہ ادعا فرمانے کہ۔

دونوں عالم پر ہوں میں چھایا ہوا مستند ہے میرا فرمایا ہوا

لیکن انہوں نے از راہ انکسار صرف اتنے ہی پر بس کیا۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

اور خدا کی قسم اس میں کوئی شاعرانہ تعلّی یا جذبۂ احساس برتری نہیں۔ نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ نے جس عشق و وارفتگی اور جاذب

وسرمستی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ دنیائے شعر و سخن میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا نعتیہ دیوان جو حدائق بخشش کے دو حصوں میں ہر جگہ دستیاب ہے اس کا ایک ایک شعر اور شعر کا ہر ہر لفظ عشق رسول کی پاکیزہ شراب سے لبریز ہے۔ اور عقیدت و اخلاص کا آئینہ دار ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کے اس بے پایاں عشق رسول اور فنا فی الرسول ہونے کی شہادت دشمنوں نے بھی دی ہے۔ الحق ما شھدت بہ الاعداء۔ اور یہ قبولیت و لطف سخن اس لئے حاصل ہوا کہ آپ کا قال حال تھا اور حال قال تھا آپ کا ظاہر باطن تھا اور باطن ظاہر تھا۔ از دل خیزد در دل ریزد کی کیفیت سے سارا کلام مملو نظر آتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس شعر کو کس شعر پر ترجیح دی جائے۔ بقول نظیری۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

"حدائق بخشش" پر از اول تا آخر تنقیدی نظر ڈالی جائیے، دوست کی نظر سے نہیں دشمن کی نظر سے، جانبداری کی نظر سے نہیں غیر جانبداری کی نظر سے، دور بینی نہیں خوردبینی نظر سے کہیں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا جو کتاب و سنت سے متصادم اور احکام شریعت سے مزاحم ہو۔ نہ کہیں افراط نہ تفریط۔ ایک خوشگوار اعتدال و توازن کی چاندنی ہر جگہ چھٹکی نظر آتی ہے۔ اور یہ لاریب اتنی کامیابی اور خوش اسلوبی سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ جو بارگاہ رسالت کا ادب شناس اور مویدمن اللہ ہو ـــــ ہر چند اعلیٰ حضرت نے شعر گوئی کو کبھی مقصود بالذات نہیں سمجھا مقصد حیات مداحی سرکار تھا۔ انہوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے۔ بلکہ شاعری بطور عبادت کی ہے۔ انہوں نے کبھی کسی سے "ستائش کی تمنا" نہیں کی اور "صلہ کی پروا" کی ہے تو اسی دربار گوہر بار سے جس کی نشان انہیں کی زبان میں یہ ہے۔

سرکار میں نہ "لا" ہے نہ حاجت اگر کی ہے ۔۔۔ مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے

کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے ۔۔۔ لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں

مانگتے تاجدار پھرتے ہیں ۔۔۔ اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں

دریا بہا دیئے ہیں۔ ڈربے بہا دیئے ہیں ۔۔۔ مرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

اور واقعی اس شہنشاہ کونین کی بارگاہ بیکس پناہ سے انہوں نے جو مانگا ملا جو تمنا کی پوری ہوئی۔ صرف دو واقعات کے ذکر پر اکتفا کرونگا ایک بار حضور اعلیٰ حضرت نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان کے آگے شارع عام پر کھڑے ہیں اور ایک بلوری فانوس ہاتھ میں ہے اُسے روشن کرنا چاہتے ہیں لیکن دو شخص جو دائیں بائیں کھڑے ہیں پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں۔ اتنے میں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے آپ کو دیکھ کر وہ دونوں مخالف فوراً غائب ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لائے اور ان سے اتنے قریب ہو گئے کہ ایک بالشت سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا اور بہ کمال رافت و رحمت ارشاد فرمایا "پھونک مار اللہ روشن کر دے گا" آپ اعلیٰ حضرت نے پھونکا سارا فانوس روشن ہو گیا۔ (تجلی الیقین صفحہ ۸)

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ دوسری بار جب سرکار اعلیٰ حضرت زیارت محبوب کی غرض سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار میں روضہ انور کے مواجہہ میں درودوں کی ڈالیاں نچھاور کرتے رہے اس حسن نیت اور یقین محکم کے ساتھ کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب میں ایسا نہیں ہوا۔ تو آپ نے بہ رنگ تغزل ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے۔

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں ۔۔۔ وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

اور اس کو نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مواجہہ اقدس میں عرض کیا۔ اور ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں باب کرم وا ہوا اور آپ نے اپنے چشم سر سے بحالت بیداری تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی زیارت فرمائی۔ حیات اعلیٰ حضرت بحوالہ سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۵۳

حقیقت یہ ہے کہ جس کسی نے دل کی گہرائیوں سے محبوب کبریا کی مدح و منقبت فرمائی وہ کبھی محروم نہیں رہا۔ اعلیٰ حضرت کو یہ سعادت عظمیٰ

اس لیے حاصل ہوئی کہ آپ سرکار کی محبت میں خلوص مجسم تھے۔ بظاہر آپ کا جسم ہند میں لیکن روح گنبد خضری کی ٹھنڈی چھاؤں میں چلتی پھرتی نظر آتی۔ آپ کے نالۂ نیم شبی میں جو سوز و گداز اور آہ صبح گاہی میں جو جوش اضطراب تھا وہ بالآخر رنگ ہی لے آیا۔ اور آپ کا یہ جذبِ عشق صرف سرکار والا تبار کی ذات پاک ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ جلوہ گاہ محبوب مدینہ طیبہ کے ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ سے آپ کو بے پایاں عشق رہا ہے اس دربار قدس کے پھول تو پھول کانٹوں کو بھی آپ نے سینے سے لگایا ہے۔ وہاں کے ہر در و دیوار گنبد اور مینار، مرغزار و کہسار اور ریگزار و رہگزار کو آپ نے قریب سے دیکھا ہے چشم و دل سے لگایا ہے اور پھر اس کے حسین جلوؤں کو اپنے اشعار میں سمیٹ لیا ہے۔ اور ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا۔ بقول شاعر۔ ؎

وَمِنْ مَذْهَبِي حُبُّ الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا　　وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ

میرے مذہب میں دیار سے محبت کرنا صاحب دیار کی وجہ سے ہے اور عشق میں لوگوں کے الگ الگ مذہب ہوا کرتے ہیں

اور اب ان کے دیوان سے چند متفرق اشعار میرے دعاوی کے ثبوت میں ملاحظہ ہوں۔

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا ــــ کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا

اے خار طیبہ دیکھ کے دامن نہ بھیگ جائے ــــ یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں ــــ دشت طیبہ کے خار پھرتے ہیں

کیا مدینے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج ــــ کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند ــــ سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

اس طرف روضے کا نور اس سمت منبر کی بہار ــــ بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

یہ سمجھتے ہیں یہ کھلائے ہوئے پھولوں میں ــــ کیوں یہ دن دیکھتے، پاتے جو بیابان عرب

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے ــــ غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

اس طرح کے ان گنت اشعار ان کے دیوان میں مہ و نجوم کی طرح جگمگاتے رہے ہیں۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے سامنے ذکر مدینہ آتا وہ فرط عقیدت و محبت سے سرشار ہو کر سارے زمانے سے بے نیاز ہو جاتے اور دنیا کی حسین ترین چیزوں میں بھی انہیں کوئی لطف و دلکشی نہیں معلوم ہوتی۔ فرماتے ہیں۔

حور جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا　　چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

اور وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ عشق مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی آتش فروزاں کی بدولت جو داغ جگر کا لہلہاتا ہوا باغ عطا ہوا ہے وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔

یارب ہرا بھرا رہے داغ جگر کا باغ　　ہر مہ مہ بہار ہو ہر سال سال گل

دیکھئے "ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات" کے ٹکسال میں "ہر مہ مہ بہار ہو ہر سال سال گل" کا کتنا لطیف اور دل آویز مصرع ڈھلا ہے۔ پھر پہلے مصرع میں "داغ جگر" کو "باغ" سے تشبیہ دینا ندرت خیال اور جدت بیان کی کتنی پاکیزہ مثال ہے۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو

دردوں میں صورت ہالہ محیط ماہ طیبہ ہیں　　برستا امت عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

علم ہیئت کی روشنی میں عوام الناس کا خیال ہے کہ جب ہالہ چاند کو اپنے حلقہ میں لے لیتا ہے تو یقیناً بارش کا نزول ہوتا ہے۔ اب اس نکتہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور اعلیٰ حضرت معنی آفرینی فرماتے ہیں کہ امت کی جانب سے دردوں کی پیہم ڈالیاں نچھاور کی جاتی ہیں وہ بھی "ماہ طیبہ" کے گرد بصورت ہالہ اپنا حلقہ بنا لیتی ہے۔ اس کے بعد ہر آن یہ آس لگی رہتی ہے کہ امت عاصی پہ رحمت و نور کی موسلا دھار بارش اب ہوئی

تواب ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کی یہ شاندار نکتہ آفرینی اہل نظر سے خصوصی داد و توجہ کی مستحق ہے۔

اردو کے ایک باکمال شاعر نے کہا تھا۔

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں　　اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

مجھے خبر نہیں کہ واقعی انہوں نے ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھا کہ نہیں لیکن ارباب فکر و نظر دیکھ لیں کہ واقعی ہمارے امام اہل سنت حضور اعلیٰ حضرت نے ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھا ہے۔ حدائق بخشش حصہ اول میں اُن کی ایک نعت ہے جس کی ردیف ہی "پھول" ہے۔ یہ نعت سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور ہر شعر میں "پھول" کو ایک نئے معنی اور نئے طرز و انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور شاعروں نے "پھول" کو جتنے معنوں میں استعمال کیا ہوگا وہ سب یکجا طور پر اس گلدستہ نعت میں مل جائیں گے۔ تمام اشعار کو نقل کرنا ممکن نہیں صرف چار اشعار بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول　　لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول　　اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا　　تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پاکا　　اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

تیسرے شعر میں "پھول" بمعنی ہلکا اور چوتھے شعر میں "پھول" بمعنی گھمنڈ استعمال کیا گیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ شعر و ادب کا ستھرا ذوق رکھنے والے حضرات اعلیٰ حضرت کے شاعرانہ کمالات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیں گے اگر وہ واقعی ایمان و دیانت کے ساتھ اُن کے دیوان کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر غالب کی فکر بلند اور علو حوصلہ نے سارے "دشت امکان" کو "ایک نقش پا" قرار دیا تھا تو اُن سے کئی منزل آگے بڑھ کر ہمارے اعلیٰ حضرت کی عروس فکر نے زلف محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو و لطافت کے مقابلے میں "بہشت خلد کی بہاروں" کو ایک چھوٹا سا عطر دان" قرار دیا ہے۔

بزم ثنائے زلف میں میری عروس فکر کو　　ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطر دان ہے

اندازہ لگائیے ایک طرف "دشت امکاں" ہے دوسری طرف "ہشت خلد" اور جب یہ طے ہے کہ موجودہ دشت امکاں سے ایک خلد کا طول و عرض کئی گنا زیادہ ہے تو "ہشت خلد" کا عالم کیا ہوگا۔ اور پھر اس کی بہاروں کا خلاصہ اور نچوڑ زلف سرکار کے نزدیک ایک چھوٹا سا عطر دان ہو۔ ایسی اچھوتی اور دل آویز بات شاید کسی مداح رسول نے کہی ہو۔ اور اب یہ شعر دیکھئے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں　　یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

شعلئے قدیم سے لے کر دور جدید تک کے دواوین کا بغور مطالعہ کر جایئے تلاش و تفحص کے بعد آپ ایک شعر بھی ایسا نہیں پیش کر سکیں گے جس میں اپنے ممدوح کی مدح و ثنا اتنے خوبصورت اور ایمان افروز انداز میں کی گئی ہو جتنے خوبصورت اور پاکیزہ انداز میں اعلیٰ حضرت نے اپنے مرقومہ بالا شعر میں کی ہے۔ عام طور پر ممدوحین کو مطلق "پھول" اور "شمع" دونوں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا اپنا انداز ہی نرالا اور جداگانہ ہے فرماتے ہیں کہ یہ صرف ہمارے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال حسن ہے کہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ عالم امکان کے لوث و عیوب سے بالکل پاک و منزہ حسن و جمال کے شاہکار نمونہ ہیں۔ پھول بھی خوبصورت ہوتا ہے مگر کانٹے کا وجود اس کے لئے عیب ہے۔ شمع میں بھی حسن ہے مگر وہ جلتی ہے تو دھواں نکلتا ہے یہ اس کے لئے نقص ہے۔ یہ صرف کمال حسن حضور ہے کہ آپ "پھول" ہیں تو کانٹے سے بے نیاز اور "شمع" ہیں تو ایسی کہ اس میں دھواں پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا یعنی ہمارا "پھول" باغ عالم میں بے نظیر اور ہماری "شمع" بزم امکان میں بے مثال۔

اردو کے ایک استاد شاعر آتش لکھنوی نے فن شاعری کو مینا کاری اور مرصع سازی کا فن قرار دیا تھا وہ کہتے ہیں۔

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں — شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اور اب اعلیٰ حضرت کے اس شعر کو دیکھئے۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں — سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

اس شعر کے لفظی اور معنوی حسن کا تجزیہ کیجئے تو صناعی و فنکاری کی دنیا نظر آئے گی۔ اس شعر کا مفہوم محض اتنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن سے مبہوت ہو کر عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ دوسری طرف سرکار کے صرف نام پر مردانِ عرب سر کٹانے اور جان لٹانے کو تیار رہتے تھے۔

فنی اعتبار سے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ کا استعمال اس سلیقے اور ہنرمندی سے کیا گیا ہے۔ کہ ان کے باہمی تقابل سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار تفضیل ثابت ہوتی ہے۔ پہلے مصرع میں "حسن" کا لفظ آیا ہے تو اس کے مقابلہ میں مصرع ثانی میں "نام" کا لفظ ہے۔ پہلے میں "کٹنا" کہا گیا ہے جس میں قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا تو دوسرے میں "کٹانا" کہا گیا ہے جس میں قصد و ارادہ کا شامل ہونا ناگزیر ہے پہلے میں "مصر" ہے تو دوسرے میں "عرب" اور ظاہر ہے کہ ایامِ جہالت میں موخر الذکر کی سرکشی اور خود سری مشہور تھی۔ پھر پہلے مصرع میں "انگشت" ہے تو دوسرے میں اس کے مقابلے میں "سر"۔ پہلے میں "زناں" اس کے مقابلے میں دوسرے میں "مردان" پھر پہلے میں لفظ "کٹیں" سے مظہر ہے کہ ایک بار ایسا ہوا اور دوسرے میں "کٹاتے" سے ثابت ہے۔ کہ استمرار و دوام کے طور پر ایسا ہوتا ہے۔ الغرض دونوں مصرعوں کا ایک ایک لفظ تفضیل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علمبردار ہے اعلیٰ حضرت کے کمال تخیل کی داد دیجئے کہ کس طرح ایک شعر میں اتنے محاسن لفظی و معنوی کا التزام کر دیا

اسی قبیل کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص — یوسفستان ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت یوسف ع نے مصر سے اپنی قمیص مبارک اپنے والد محترم کی ردِّ بصارت کے لئے کنعان روانہ کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور ہی سے اس کی خوشبو محسوس فرمائی اور جب اس قمیص مبارک کو اپنی آنکھوں سے لگایا تو ان کی کھوئی روشنی نور لوٹ آئی۔
یہاں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک کی عطر بیزیوں سے عرب کا ہر ایک گوشہ کنعان کی طرح یوسفستان نظر آتا ہے۔ اور پیرہن محبوب کی خوشبوؤں سے یہاں کا کوچہ کوچہ ہر راہ ہر رہگذر مشکبار و خوشبودار نظر آتی ہے اس شعر میں "بوئے قمیص" "یوسفستان" اور "گوشۂ کنعانِ عرب" کی ترکیب و ترتیب اعلیٰ فنکاری اور مینا کاری۔ خاص طور پر "یوسفستان" کی ترکیب اعلیٰ حضرت سے پہلے شاید کسی اور نے استعمال کی ہو۔

گذشتہ سطور میں کہیں اشارہ کیا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے فکر و نظر کی آبیاری کلام ربانی کے چشمہ صافی سے کی ہے اور حضرت حسانؓ کی رہنمائی میں گلستانِ نبوت کے خوشرنگ و خوشبودار پھولوں سے اپنے گلدستۂ نعت کی تزئین و آرائش کی ہے۔ آئیے ایک دو مثالوں سے اس کو واضح اور محکم کرتا چلوں۔ سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کا یہ شعر سنئے جو قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور خاص و عام کی زبان پر جاری رہتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد

یعنی دونوں عالم کے رہنے والے خدا کی خوشنودی کے جویاں اور خواہاں ہیں اور خود خداوند قدوس اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کا طالب ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس فکر کی اساس آیات قرآنی قد نریٰ تقلب وجھک ...... ترضٰھا پر رکھی ہے جس میں تحویل قبلہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے آپ نے انہیں آیات مذکورہ کا صاف و برملا ترجمہ اپنے شعر میں کیا ہے مگر سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ اور اختصار میں جامعیت کی شان پیدا کر دی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ قم باذن اللہ کہہ کر آپ مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اور سید الانبیاء کی معجزانہ شان یہ ہے کہ آپ نے بے جان کنکریوں کو قوت گویائی بخش دی۔ مردے تو بہرحال کسی زمانے میں ذی روح تھے لیکن سنگریزے تو ہمیشہ جامد و غیر ذی روح رہے اس لئے اعجاز عیسوی سے "اعجاز مصطفوی" زیادہ انوکھی اور اچھوتی بات ہوئی۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں　　سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

مصرع اول میں "لب عیسیٰ" اور دست مصطفیٰ کا تقابل بھی خوب ہے دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "لب عیسیٰ" سے بھی حضور ہی کے لب ہائے مبارک مراد ہیں اور اعلیٰ حضرت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور کے دہان مبارک اور لب ہائے مبارک کا اعجاز مسلّم ہے ہی آپ کے دست مبارک میں بھی یہ اعجاز تھا کہ انگشت پاک سے اشارہ فرما دیا تو سنگریزے بولنے لگے مصرع ثانی میں "شیریں مقالی" کا ٹکڑا ابڑا جاندار اور بلاغت آفریں ہے کیونکہ سنگریزوں نے دست کا فریں کلمۂ اسلام پڑھ کر اپنا تعارف کرایا تھا اس سے بڑھ کر اور "شیریں مقالی" کیا ہوگی۔

اس نعت کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر　　جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

اس شعر میں آیت پاک محمد رسول اللہ والذین ...... بینھم کی شاندار ترجمانی کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لئے رؤف و رحیم ہیں اور کفر کی حلقوم پر شمشیر برہنہ کی مانند ہیں۔ اس طرح آپ کی ذات اقدس جمال و جلال دونوں کی مظہر ہے اس کو استعارہ بدل کر یوں کہا گیا ہے کہ آپ کے دست کرم میں دونوں شانیں موجود ہیں۔ ایک پہلو جمالی ہے تو دوسرا جلالی ہے پہلے مصرع میں "ابر نیساں" کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں لفظ "جمالی" کا استعمال اور "تیغ عریاں" کی رعایت سے لفظ "جلالی" کا انتخاب کتنا موزوں، مناسب اور شاعرانہ طرز بیان ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور فداہ ابی و امی کل عرصات قیامت میں داور محشر کے سامنے گنہگاران امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اعلیٰ حضرت کی روح پرور نکتہ آفرینی دیکھئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی شفاعت فرمائی کا انداز اتنا والہانہ اور دل پذیر ہوگا کہ وہ قدسی نفس حضرات جن کے نامۂ اعمال میں سیئات کا شائبہ تک نہیں ہوگا وہ بھی یہ تمنا فرمائیں گے کہ کاش تھوڑا سا گناہ مل جاتا تا کہ ہم بھی سرکار کی روح افزا شفاعت سے لطف اندوز ہوتے۔ دیکھئے کتنے پیارے اور اچھوتے انداز میں کتنی پیاری بات کہی گئی ہے۔

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ　　قرض لیتی ہے گنہ، پرہیزگاری واہ واہ

اس شعر میں "واہ واہ" کی ردیف نے صنعت تکرار کا لطف تو پیدا کیا ہی ہے۔ لفظوں کے زیر و بم اور معنی کے کیف و کم نے بھی عروس سخن کے مکھڑے پر چار چاند لگا دیئے ہیں قوافی کی شگفتگی، بحر کی روانی اور ترنم کی حلاوت اس پر مستزاد ہے۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر　　ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر اصحاب کرامؓ کے سامنے قلت آب کا مسئلہ درپیش آ گیا آپ نے ایک پیالہ میں اپنا دست کرم ڈال دیا۔ پھر تو ان نورانی انگلیوں سے اس قدر تموج خیز دھارے پھوٹے کہ تمام لوگوں نے آسودہ ہو کر اپنی تشنگی رفع کرلی اور پھر پانی بچ بھی گیا۔ اس واقعہ کو مندرجہ بالا شعر میں اعلیٰ حضرت نے کتنے دلکش اور دلنشین انداز میں ادا فرمایا ہے۔ دست نبوت کی پانچ انگلیوں کو "پنجاب رحمت کی ندیاں" قرار دینا اور پھر ان سے رحمت کا پانی بہانا یہ حضور اعلیٰ حضرت ہی کے ذہن رسا کا کام تھا۔

حدیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضورؐ کے مزار پر انوار پر ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک اور ستر ہزار شام سے صبح تک لگاتار درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے رہتے ہیں۔ اس کو اعلیٰ حضرت نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام　　یوں بندگی زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے

فنی لحاظ سے اس شعر میں صبح وشام کی مناسبت سے زلف ورخ کا لانا کتنا لطیف اور شاعرانہ پیرایۂ بیان ہے۔ اس طرح کی ہزاروں مثالیں حدائق بخشش میں موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جتنے محاسن ادبی وشعری اور صنائع سے اپنے کلام کو مزین فرمایا ہے اگر ان کی کماحقہ توضیح اور نشان دہی کی جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے مگر

فرصت کہاں کہ اس کی تمنا کرے کوئی

اس لئے بلا تبصرہ چند پسندیدہ اشعار اور سن لیجئے۔ عجب نہیں آپ کا ذوق بلند براہ راست آپکو دیوان اعلیٰ حضرت کے مطالعہ پر مجبور کر دے۔

جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو ___ صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز ___ کہ تجھ سا عرش نشین آفریدہ ہونا تھا

ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں ___ ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں ___ خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ بدر کامل کو ___ سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

وہ سرگرم شفاعت ہیں عرق افشاں ہے پیشانی ___ کرم کا عطر صندل کی زمین رحمت کی گھانی ہے

صف ماتم اٹھے، خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں ___ گنہگارو چلو مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری ___ فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزت ملی ہے

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا ___ شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا

سائلو دامن سخی کا تھام لو ___ کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائیگا

نیرّ حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے ___ تیز ہے دھوپ ملے سایۂ داماں ہم کو

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور ___ جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں

کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کہ یوں

مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت کا نعتیہ کلام فکر بلند اور فن لطیف کا شاہکار نمونہ ہے۔ ساتھ ہی میں اپنے قلم کی بے مائیگی اور عجز بیان کا اعتراف کرتا ہوں کہ "کلام الامام امام الکلام" جس دروں بینی اور ژرف نگاہی کا مستحق تھا وہ مجھ سے نہیں ادا ہو سکا اور ان چند صفحات میں یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینے میں

مجدد دین و ملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات مخزن برکات چودھویں صدی ہجری میں دنیا والوں کے لئے دینی، علمی روحانی لحاظ سے رب اکرم کی اعلیٰ نعمت و سراپا رحمت تھی آپ کی زندگی کے حالات عینی شاہدوں کے بیانات، علمائے عصر کی شہادتیں، مفتیان حل و حرم کے فتاوے، مشائخ عرب و عجم کے تحسینی ارشادات کی بناء پر یہ کہنا بالکل بجا اور بے غبار حقیقت ہے کہ مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ "آیت من آیت اللہ" تھے۔ معجزۃ من معجزات سید المرسلین تھے (علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء) برہان اسلام، حجت دین، مسلک حق کے لئے آیت "بینات" تھے یہ کلمات عقیدت ذرہ برابر بھی غلو و مبالغہ کے حامل نہیں ہیں۔ بلکہ اس دعویٰ پر اعلیٰ حضرت کے علمی، عملی کارنامے آپ کی تحقیقی تصنیفات، فتاوے رسائل و مسائل ایک مضبوط و مستحکم ثبوتی دستاویز ہیں

احوال واقعی سطور بالا کے معروضات تخیلی پرواز نہیں ہیں بلکہ علمائے کرام کے ارشادات ہیں ورنہ اپنا حال تو یہ ہے کہ دینی علوم میں مہارت و رسوخ تو درکنار، دینی علموں کے ابجد خوانوں کی صف نعال کے بھی لائق نہیں ہوں۔ پھر بھی ایسی باکمال شخصیت کے علم و فن پر جن کا سینہ وہبی علموں کا خزینہ، کسبی علم و فن کا گنجینہ ہے اظہار رائے کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ پھر بھی "دربار رضویت" کے اس ناچیز والبستہ دامن نے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ کلاموں کا بار بار مطالعہ کیا ہے جس کا تاریخی نام "حدائق بخشش" ہے اس کے ساتھ اسکول و کالج کی زندگی میں اردو شعراء کے "دواوین" کے پڑھنے کا بھی موقع ملا ہے۔ اور اس پر نئے پرانے طرز کے نقادوں کی تنقیدیں بھی دیکھی ہیں۔ اثنائے مطالعہ میں صائب کا یہ مصرعہ بار بار دماغ میں چکر لگاتا رہا کہ

خس بود بالائے دریا   زیر دریا گوہر است

کتنے خس بالائے دریا ہیں ان کا حساب و کتاب کون پیش کرے۔ اسی طرح نہ معلوم کتنے "زیر دریا گوہر" ہیں۔ انہیں زیر دریا گوہروں میں ہر لحاظ سے اعلیٰ حضرت کے کمالات دُرِ بے بہا ہیں۔ اسی دُرِ یکتا کی شعری، ادبی جھلکیوں کو اپنی بساط بھر پیش کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ مولیٰ تعالے اپنے حبیب پاک کے طفیل توفیق خیر سے مالا مال فرمائے۔ آمین

معیار تنقید اردو شعراء کے کلام کو اس زمانہ میں جس معیار و کسوٹی سے پرکھا جا رہا ہے۔ اور جس پیمانہ سے ناپا اور جس ترازو سے تولا جا رہا ہے اسی منوال و میزان کی توقع ہم سے نہ رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک کسی کے کلام کی جانچ پرکھ اور اس کے کلامی و شعری معائب و محاسن کی تعیین و تشخیص، اس اہل کلام کے "دعوی و خاص التزام کی روشنی میں کرنا چاہیئے۔ جس رعایت و لزوم کا اس نے اپنے آپ کو پابند کر لیا ہے۔ نگاہ تنقید اس نکتہ پر مرکوز رہے۔ کہ آیا وہ اپنی متعین راہ پر قائم رہا یا ڈگمگا گیا۔ اس نے اپنی قائم کردہ روش کو نباہا یا نہیں طریق ادا و اسلوب بیان ہو یا بلند خیالی مضمون آفرینی ہو یا محاسن لفظی صنائع و بدائع کی رعایت ہو یا ترکیب و بندش کی پستی۔ فصیحانہ بے ساختگی ہو یا بلیغانہ اقتضائے کلام ان تمام شعبوں میں شاعر اپنے التزام و ادعاء سے عہدہ برآ ہوا ہے یا نہیں ———

اسی معیار کی روشنی میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ کلام الامام امام الکلام ہے یا نہیں۔

نعت گوئی اور امام احمد رضا

یہ حقیقت بالکل بے حجاب و بے نقاب ہے بلکہ روشن تر از آفتاب ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت کا دل و دماغ، قلب و جگر، چشم و گوش، ظاہر و باطن قلب و قالب سر سے پا تک سارے اعضاء رگ و پے فکر و خیال، دین و ایمان سب میں محبت سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی تھی۔ ہر آن سوئے پر نور کی مدحت ورد زبان رہتی تھی۔ کوئی لمحہ تمنائے رسول سے خالی نہ رہتا تھا۔ قلم حق رقم کا کوئی نقش اس کی کوئی تحریر ایسی نہیں جو محبت حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے حیاض رحمت سے سیراب نہ ہو اور عظمت حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوک قلم سے ٹپکتی نہ ہو۔ اس کے باوجود شعری پیکر، عروس فکر کو منصۂ شہود کی جلوہ گاہ بنانا ضمنی تھا۔ پیرایۂ شعر میں نعت گوئی آپ کا مقصود حیات نہ تھا۔ مقصد زندگی تو احیائے سنت۔ شریعت حقہ کی حفاظت، اہل حق کی حمایت، اہل باطل کا ابطال و ادباق تھا جس پر بدو شعور سے آخری سانس تک قائم رہے۔ حمایت حق کے اسی جوش نے آپ کو ان جملہ علوم کے احیا و تجدید کی طرف مائل کر دیا جو احقاق حق و ابطال باطل میں کسی طرح بھی ممد و معاون ہو سکتے تھے اور حال یہ تھا کہ وہ علم یا تو مٹ چکے تھے یا مٹنے کے قریب تھے۔ آپ کا شعری ذوق بھی اسی جذبۂ حق گوئی کے تحت نمودار ہوا اور حمد و نعت و مناقب کے رنگ میں آپ کے شاعرانہ کمالات منصۂ شہود پر جلوہ ریز ہوئے آج کی گفتگو اسی محور پر گردش کرتی نظر آئے گی۔ سطور زیریں کے مطالعے سے قبل "چھان بین" کے متذکرہ بالا اصول نقد و تبصرہ کی بنیاد و معیار کو اچھی طرح ذہن نشین فرمائیں۔

نعت گوئی اور امام احمد رضا کا دعویٰ

۱۔ ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ — بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حدائق بخشش حصہ دوم (رباعی ۲)

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:۔ میں اپنے نعتیہ کلام سے نہایت ہی محظوظ و مسرور ہوں کیونکہ میرا کلام بفضل الٰہی ہر بیجا و نازیبا الفاظ و معانی سے پاک ہے۔ مبرا ہے منزہ ہے میرے نعتیہ اشعار شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔ اس میں ممنوعات و محذورات شرعی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ خلاف شرع مضامین و الفاظ کیسے آسکتے تھے جبکہ میں نے قرآن عظیم سے نعت گوئی سیکھی ہے اور قرآن حکیم کی نعت فرمائی و مدح نگاری کی شان ہی یہ ہے کہ احکام شریعت ملحوظ رہیں اور ایک حرف بھی خلاف شرع آنے نہ پائے۔

اعلیٰ حضرت اپنی نعت گوئی کے محرکات کی نشان دہی خود ہی اسی حصہ دیوان کی پہلی رباعی میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:۔

۲۔ پیشہ میرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو — ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف — لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

سطور بالا میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری ضمنیہ ہے۔ مقصود حیات و متاع زندگی نہیں ہے اس رباعی میں اسی صداقت کی صراحت ہے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں۔ نہ مجھے شاعری کا دعویٰ ہے بلکہ یہ تو ع

"جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے"

کے شعلے ہیں جو بے اختیار کبھی کبھی بھڑک اٹھتے ہیں۔ یہ مشق سخن کے نمونے بھی نہیں بلکہ تپتے دل کی بھاپ ہے جو کبھی آنکھوں سے جلوہ فرما ہوتی ہے۔ تو کبھی نوک قلم سے بساط دین و ایمان پر گہر ریز ہو جاتی ہے۔ صرف "شرع" کی حمایت و پاسداری کا جذبہ محرک رہا ہے۔ جس کی وجہ سے سیف لسانی و تیغ کلکی سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ جب میری نعت گوئی کا محرک شرع شریف ہے۔ تو پھر شریعت کے خلاف جو تصورات ہیں وہ میرے نعتیہ کلام میں کیسے باریابی حاصل کر سکتے ہیں، یہ ممکن نہیں کہ "مولیٰ" کی مدحت و ثنا میں مولیٰ ہی کے حکم کا خلاف ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا مولیٰ کی ثنا و تعریف نہیں بلکہ اہانت ہے ایسی صورت میں معاملہ ہی مقلوب و معکوس ہو جائے گا

ثواب ونجات کے بدلے عذاب وعقاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اسی حصۂ دیوان کی رباعی ۵ ملاحظہ فرمایئے:۔

توشہ میں غم واشک کا سامان بس ہے — افغانِ دلِ زار حدی‌خواں بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو — نقشِ قدم حضرت حسان بس ہے

اللہ اللہ جس امام مجدد وقت نے قرآن پاک سے نعت گوئی سیکھی جن کی نعت گوئی ومنقبت نگاری کا داعیہ "جذبۂ شرع" ہے جن کو اگر رہ نعت میں رہبر کی حاجت ہو تو "مادح الحبیب"، نعت گو صحابی جلیل حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نقش قدم رہبری کے لئے کافی ہو، ان کے کلام شرعی نقائص واسلامی نقائص سے پاک نہ ہونگے تو پھر کس کے کلام نمونۂ شریعت ہوں گے۔

تلاش کیجئے

اعلیٰ حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام کے متعلق جن دعاوی کا برملا اظہار فرمایا ہے۔ آپ کے سامنے ہے۔ مخالفین ہوں یا موافقین، مخلصین ہوں یا معاندین سب کو دعوت تنقید دیجئے کہ اے ناقدین زمانہ سر جوڑ کر بیٹھئے "تلاش کیجئے" ڈھونڈئیے۔ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام میں نقائص، شرعیہ، ممنوعات دینیہ، محذورات اسلامیہ کے ثبوت میں ایک شعر ہی لے آئیے نہیں نہیں ایک مصرعہ ہی سہی۔ قرآن کریم ہر جگہ موجود ہے۔ حضرت حسان کے "نقش قدم" بشکل دیوان موجود ہیں ——— شریعت غراء مدون ومنضبط صورت میں جلوہ فرما ہے۔ بتایئے نشان دہی کیجئے کہ فلاں شعر قرآن کے مزاج سے متصادم ہے۔ فلاں مصرعہ شریعت مطہرہ سے ٹکراتا ہے۔ فلاں مطلع اور حسن مطلع حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نقوش عقیدت سے میل نہیں کھاتا ہے۔

بیجا ناقدین

اعلیٰ حضرت کے حق گو اور بے باک ترجمان دین وعلمبردار شریعت ہونے کی وجہ سے ان کے بیجا وعنادی ناقدوں کا ایک جم غفیر سرزمین ہند میں پھیلا ہوا ہے جنہوں نے عناد وغیظ وغضب کی آگ سے آتش زیر پا ہو کر نہ معلوم کتنے افترائی اعتراضات کئے ہیں اور کر رہے ہیں بے بنیاد بہتان اٹھائے ہیں اور اٹھاتے جا رہے ہیں۔ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کے صلہ میں اعلیٰ حضرت کے خلاف بالکل بے اصل وبے حقیقت ہر قسم کے اوچھے، گندے، مکروہ حربے استعمال کئے گئے ہیں اور اب تک کئے جا رہے ہیں۔ لیکن میرے علم کی حد تک کوئی گروہ بھی آج تک "اعلیٰ حضرت" کی نعت گوئی میں شرعی عیوب نہیں نکال سکا ہے حالانکہ اغیار تو اغیار کچھ اپنے بھی شک میں مبتلا تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر اس باب میں مجھے کسی جانب کی نکتہ چینی کا علم نہیں ہے۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے استمداد

متذکرہ بالا دونوں قسم کے ناقدوں کے سلسلے میں سرکار بغداد سے استعانت واستمداد فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

عدوئے بد دین، مذہب والے حاسد — تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے — کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

امام اہل سنت نے "بد دین" کو عدو فرمایا اور ہم مذہب حضرات کو حاسد ٹھہرایا اور سرکار غوثیت سے طالب امداد واعانت ہوئے بھی تو کس چیز کے لئے بس یہ کہ اے غوث پاک ان کے سینے حسد سے پاک کر دیئے جائیں۔ ان کی عداوتیں آپ کے ہوتے میرا کیا بگاڑیں گی۔ انہیں حاسدوں، معاندوں کا سراسر نقصان ہے کیونکہ ڈاہ وحسد کی آگ انسان کے دین وتدین کو اسی طرح خاکستر کر دیتی ہے جیسے ظاہری جسم کو "سل" کی بیماری کھا جاتی ہے۔ الغرض عظمت وتوقیر رسالت کے پرچم بلند کرنے کی پاداش میں اہانت پسندوں نے وہ کون سی ایذائیں تھیں جو اس پیکر حق کو نہیں دی ہیں۔ مگر جب رسالت کے اس سرچشمہ نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہوئے اپنے دشمنوں کو ان کی گالیوں کے بدلے دعائیں دی ہیں کہ ان کے سینے شرارتوں سے پاک کر دیئے جائیں ـــــ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے۔ کہ جن کی بارگاہ کے اعلیٰ حضرت غلام ہیں اور جن کے دربار کے ہمیشہ سائل رہے ہیں۔ اور یہ سائلانہ نعرہ لگاتے رہے۔

رضایت سایل بے پرتوئی سلطان لاتنہر
شہا بہرازیں خوانم اغثنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس اقلیم نبوت کے شہر یار دکشور رسالت کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ہونے والے جور وستم کے جواب میں دعائیں نہیں دی ہیں۔ اسی خلق نبوی کا اتباع کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے دعا کی ہے کہ ان کینہ دروں کے دلوں کو پاک فرما دے۔

دوسرے شعر میں شکل حیرت اظہار حقیقت فرما رہے ہیں۔

سنیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں پھول ہو کر ہو گئے کیا خار ہم

اس المناک حادثہ کا تذکرہ "سخن گسترانہ" طور پر کیا گیا ہے ورنہ کہنا یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت پر ہر طرح کے ناروا حملے کئے گئے۔ مگر نعت گوئی میں کوئی بھی شرعی معائب کا سراغ نہ پا سکے اور انشاءاللہ آئندہ بھی نہ پا سکیں گے

پاس شرع اور حسن شعر

اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات کو یہ بات دہراتے ہوئے سنا گیا ہے کہ شرعی قید و بند میں جکڑے ہوئے شعروں کی شعریت گھٹ جاتی ہے۔ دلکشی ہوا ہو جاتی ہے۔ واہ واہ کا سماں نہیں بندھتا۔ شعر روکھا، پھیکا خشک محض ہوتا ہے۔ مگر جب شعر و سخن کذب و مبالغہ کی اس ٹکسال سے ڈھل کر برآمد ہوتا ہے د حسن کو دروغ بے فروغ کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا، تو البتہ سامعین سر دھننے لگتے ہیں۔ واہ۔ واہ۔ داد تحسین و آفرین کے شور و غل سے زمین و آسمان گونجنے یا کانپنے لگتے ہیں۔ ایسے حضرات کے خیال میں حسن شعری و محاسن شرعی دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ دونوں میں باہمی بیر و ازلی دشمنی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس باطل نظریہ کا رد اپنے اس شعر میں کس خوبی سے فرمایا ہے

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

اعلیٰ حضرت جیسی باکمال اہل زہد صاحب اتقاء شخصیت سے ایک شعر و سخن ہی نہیں بلکہ جملہ شعبہ ہائے زندگی کے مسائل میں ایسی ہی دینی احتیاط و شرعی حسن کا یقین ہی رکھنا چاہیئے۔

کیونکہ آپ کے پیش نظر سورۂ شعراء کی یہ آیت کریمہ بھی تھی جس کا ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور یہ ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہی کا ہے۔

"اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا۔ بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔"

مذکورہ بالا معنوی ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ پر جگہ جگہ "ف" کے نمبرات ہیں وہ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی "خزائن العرفان" کے وضاحتی و تفسیری نوٹ ہیں۔ ان پر بھی غائرانہ نہ سہی طائرانہ ہی نگاہ ڈالیں تو بہتر ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کے ترجمۂ قرآن کی وضاحت حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی دلنشین انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے۔ سطور زیریں میں ترجمہ اور توضیحی عبارتوں کو ملا کر نقل کر رہا ہوں تاکہ سلاست و روانی کا لطف ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ ان کے اشعار ہیں کہ ان کو پڑھتے ہیں ۔ رواج دیتے ہیں ۔ باوجودیکہ وہ اشعار کذب و باطل ہوتے ہیں ۔ "شانِ نزول" ۔ یہ آیت شعراء کفار کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے ہیں ۔ اور کہتے تھے کہ جیسا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں ایسا ہم بھی کہہ لیتے ہیں ۔ اور ان کی قوم کے گمراہ لوگ ان سے ان اشعار کو نقل کرتے تھے ان لوگوں کی اس آیت میں مذمت فرمائی گئی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر زمانے میں سرگرداں پھرتے ہیں اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں ۔ اور ہر لغو و باطل میں سخن آرائی کرتے ہیں جھوٹی مدح کرتے ہیں ۔ جھوٹی ہجو کرتے ہیں ۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اگر کسی کا جسم پیپ سے بھر جائے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے کہ شعر سے پر ہو۔ مسلمان شعراء جو اس طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں اس حکم سے مستثنیٰ کئے گئے ہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اس میں شعراء اسلام کا استثناء فرمایا گیا وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد لکھتے ہیں ۔ اسلام کی مدح لکھتے ہیں ۔ پند و نصائح لکھتے ہیں ۔ اس پر اجر و ثواب پاتے ہیں ۔ بخاری شریف میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کے لئے منبر بچھایا جاتا تھا ۔ وہ اس پر کھڑے ہو کر رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مفاخر پڑھتے تھے اور کفار کی بدگوئیوں کا جواب دیتے تھے ۔ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعا فرماتے تھے ۔ بخاری کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض شعر حکمت ہوتے ہیں" رسول کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں اکثر شعر پڑھے جاتے تھے ۔ جیسا کہ ترمذی میں جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ شعر کلام ہے بعض اچھا ہوتا ہے ، بعض برا ۔ اچھے کو لو ۔ برے کو چھوڑ دو ۔ شعبی نے کہا حضرت ابوبکر صدیق شعر کہتے تھے ۔ حضرت علی ان سب سے زیادہ شعر فرمانے والے تھے "رضی اللہ تعالےٰ عنہم" اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور شعر ان کے لئے ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب نہ ہو سکا بلکہ ان لوگوں نے جب شعر کہا بھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور اصحاب کرام و صلحاء امت کی مدح اور حکمت و موعظت اور زہد و ادب میں اور بدلا لیا کفار سے ان کی ہجو کا ۔ بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا کفار کی طرف سے کہ انہوں نے مسلمانوں اور ان کے پیشواؤں کی ہجو کی ۔ ان حضرات نے اس کو دفع کیا ۔ اور اس کے جواب دیئے ۔ یہ مذموم نہیں ہیں بلکہ مستحق اجر و ثواب ہیں ۔ حدیث شریف میں ہے ۔ کہ مومن اپنی تلوار سے جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی ۔ یہ ان حضرات کا جہاد ہے ۔ اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم یعنی مشرکین جنہوں نے سید الطاہرین افضل الخلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے موت کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "پلٹا کھائیں گے" جہنم کی طرف اور [illegible] "[illegible]"

[illegible] عزیز کی شاعری انہیں مومنین کی سی شاعری ہے ۔ جس کا استثناء رب عظیم نے قرآن کریم میں فرمایا ۔ ۔ یہ مذموم و محمود [illegible] شاعری کے مابین جو صفات و شرائط فارق ہیں اور شاعری کی ان دونوں صنفوں میں جو چیزیں مابہ الامتیاز ہیں اس کی روشنی میں پرکھئے اور جانچئے بلا شبہہ اعلیٰ حضرت کا کلام قرآن پاک کے مذکورہ بالا معیار پر پورا پورا اترتا ہے ۔ ذرہ برابر کہیں بھی خلا نہیں ۔ جائے انگشت نمائی کہیں نظر نہیں آتی ۔ اب رہیں وہ باتیں کیا اور کتنی ہیں ۔ جن سے جاہلی شاعری اور اسلامی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہو گیا ۔ اور جو سخن آرائی باعث عذاب تھی وہ اسلام کی بدولت اجر و ثواب کا سبب بن گئی ۔ اس کی تفصیل و تشریح ہم سے نہیں ۔ بلکہ مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" سے سنئے ۔

رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں ۔ اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے ۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا

تو صرف بدلہ لے لیا ص۱۴۵۔"

مودودی صاحب نے اپنی ترجمانی کے بعد ۱۴۵ نمبر دیکر جو اپنا تشریحی تفسیری نوٹ دیا ہے اسے بھی باصرہ نواز کیجیے
یہاں شعراء کی اس عام مذمت سے جو اوپر بیان ہوئی ان شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں۔ اول یہ کہ مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں۔ بدکار اور فاسق و فاجر نہ ہوں۔ اخلاق کی بندشوں سے آزاد ہو کر جھک مارتے نہ پھریں۔ تیسرے یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں۔ اپنے عام حالات و واقعات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی یہ نہ ہو کہ شخصی زندگی تو زہد و تقویٰ سے آراستہ ہے۔ مگر کلام سراسر رندی و ہوسناکی سے لبریز۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ شعر میں تو بڑی حکمت و معرفت کی باتیں بگھاری جا رہی ہیں۔ مگر ذاتی زندگی کو دیکھئے تو یادِ خدا کے سارے آثار سے خالی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حالتیں یکساں مذموم ہیں۔ ایک پسندیدہ شاعر وہی ہے جس کی نجی زندگی بھی خدا کی یاد سے معمور ہو۔ اور شاعرانہ قابلیتیں بھی اسی راہ میں وقف رہیں۔ جو خدا سے غافل لوگوں کی نہیں بلکہ خداشناس خدا دوست اور خداپرست لوگوں کی راہ ہے۔

چوتھی صفت ان مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ شخصی اغراض کے لئے تو کسی کی ہجو نہ کریں، نہ ذاتی یا نسلی یا قومی عصبیتوں کی خاطر انتقام کی آگ بھڑکائیں۔ مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کے لئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔ ہر وقت گھگھیاتے ہی رہنا اور ظلم کے مقابلے میں نیازمندانہ معروضات ہی پیش کرتے رہنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہے۔ اسی کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین کے شاعر، اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کا جو طوفان اٹھاتے اور نفرت و عداوت کا جو زہر پھیلاتے تھے اس کا جواب دینے کے لئے حضور خود شعرائے اسلام کی ہمت افزائی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ کعب ابن مالکؓ سے آپ نے فرمایا "اھجھم فوالذی نفسی بیدہٖ لھو اشد علیھم من النبل"۔ ان کی ہجو کہو کیونکہ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تمہارا شعر ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہے۔" حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اھجھم وجبریل معک۔ اور قل وروح القدس معک"۔ "ان کی خبر لو اور جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔" "کہو اور روح القدس تمہارے ساتھ ہے"۔ "آپ کا ارشاد تھا کہ ان المومن یجاھد بسیفہ و لسانہ"۔ مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی۔"

قارئین کرام! آپ کی نگاہوں کے سامنے امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترجمہ بھی ہے۔ پھر حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل قدس سرہٗ کی تفسیری تشریح بھی ہے۔ مزید برآں موجودہ دور کے خود ساختہ مجدد مودودی صاحب کی ترجمانی پھر ان کی تشریح بھی ہے اس مقام میں مسئلہ زیر بحث کے مفاہیم و مطالب کے اندر ہمارے اور مودودی صاحب کے درمیان رتی برابر بھی فرق نہیں ہے۔ مودودی صاحب نے مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی جو چوتھی صفت بیان کی ہے اس کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت کی ذات اور ان کے کلام میں یہ صفت کس زور شور، کر و فر۔ اور شان و شوکت سے پائی جا رہی ہے۔

کیا اعلیٰ حضرت کا شعر کافروں، مرتدوں، بیدینوں کے حق میں "تیر سے زیادہ تیز نہیں ہے۔ کیا اس امام اہل سنت نے جس نے فرمایا ہے کہ:۔

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو — نقشِ قدمِ حضرت حسان بس ہے

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث پر عمل فرمایا ہے یا نہیں۔ جس کا سرکاری فرمان حضرت حسانؓ کو مل چکا تھا "اھجھم وجبرئیل معک"، قل و روح القدس معک۔ ضرور ضرور عمل کیا۔ کھری کھری و نڈر عزیمت و بے باک قلبی واذعان کے ساتھ عمل کیا اس کی شہادت اعلیٰ حضرتؒ کا پورا نعتیہ دیوان باآوازِ بلند سارے عالم میں دے رہا ہے۔ اب اس اعلان وشہادت کو چند مثالوں میں ملاحظہ فرمائیں اور فرمانِ رسالتﷺ کی اس حقیقت کا کہ "مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی۔ ان مثالوں سے مشاہدہ فرمائیں۔

مثالِ اوّل :

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے — ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑئیے ہر بات میں — چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے
مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں — ذکرِ آیاتِ ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل — یارسول اللہ کی کثرت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام — جانِ کافر پر قیامت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب — اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے
ظالمو محبوب کا حق تھا یہی — عشق کے بدلے عداوت کیجئے
یارسول اللہ دہائی آپ کی — گوشمالِ اہلِ بدعت کیجئے

جس طرح حضرات کعب ابن مالک وحسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سرکار طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ان کفار ومشرکین شعراء کی تنقیص وہجو کرنے کے لئے مامور کئے گئے جنہوں نے اپنے شعروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تنقیص وہجو کی ان شعرائے دربارِ رسالت نے اپنے فرائضِ متعلقہ کو انجام بھی دیا اور بطور انعام سرکارِ مدینہ کی دعائے مستجابہ سے نوازے بھی گئے۔

ٹھیک اسی طرح فرمانِ رسالت کی روشنی میں اور شعرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتباع۔ واسلاف کی راہ سلوک پر گامزن ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے شعری کلام میں اپنے زمانے کے بدعقیدہ فرقوں کی ہجو وتنقیص کی ہے اور ان کے کفری عقائد وگستاخانہ جسارتوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔ آپ کے منظوم کلام میں ان خارج از اسلام مرتدوں کا بھی رد ہے جو صرف فقہی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ کلامی اصول کے اعتبار سے بھی اپنے صریح اقوالِ کفریہ کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں عرب وعجم کے مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کی رو سے مرتد قرار دیئے گئے ہیں اور ان گمراہوں کا بھی رد ہے جو فقہی تکفیر کی زد میں آتے ہیں۔ اور ان بے دینوں کا بھی رد فرمایا جن کی بد اعتقادیاں درجہ کفر تک نہیں پہونچی ہیں بلکہ گمراہی وبے دینی کی حد میں داخل ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے مذکورہ بالا فرقوں کے رد میں جہاں چھوٹے بڑے صدہا رسائل تحریر فرمائے ہیں جو عالمانہ ومحققانہ علمی منشورات کے بہترین نمونے ہیں بلکہ شاہکار ہیں۔ اسی طرح اپنے منظوماتِ کلام میں بھی ہر ہر بدعقیدوں کا رد فرمایا ہے۔ امام اہلِ سنت کا ایک منظوم رسالہ بھی ہے جس میں جملہ فرقہ باطلہ کا رد ہے جو بالکل ہی چھوٹی بحر میں ہے جس کا نام نامی "الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد" ہے۔

تقریباً ڈھائی تین سو اشعار ہیں اس میں اغیارِ دین کا بھی تذکرہ ہے اور احباب وخلفاء کے لئے دعائیں بھی ہیں۔ اگر کوئی

مختوم ازلی اس مسنونہ روش کو شریعت کے خلاف سمجھتا ہے اور معترضانہ زبان درازی سے پیش آتا ہے تو اس کی یہ روش خود اس کی دینی بے علمی، شریعت ناشناسی، اسلام دشمنی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

دو حدیثوں کا ترجمہ مسطورہ بالا موقف کی مزید وضاحت و توثیق کے لئے "مشکوٰۃ شریف" "باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی دو حدیثوں کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نفس، اپنی ذات کے لئے کسی چیز میں کبھی کسی سے بدلہ و انتقام نہیں لیا۔ مگر اس وقت انتقام و بدلہ ضرور لیا گیا جب کسی نے اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی حرمتوں کی بے عزتی و بے قدری کی ہے اور حضور کا یہ انتقام لینا محض رضائے خداوندی کی خاطر تھا۔ اسی حدیث سے متصل ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی نے ارشاد فرمایا کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور نفس کی خاطر کبھی کسی چیز کو اپنے مقدس ہاتھ سے مارا پیٹا نہیں۔ نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے وقت کسی قیمت پر کسی کو بخشتا بھی نہیں۔ اگر کسی نے آپ کی ذات کریم کو چاہیے جتنی بھی تکلیف و ایذا کیوں نہ پہنچائی ہو مگر اس سے کبھی اس کی ایذا رسانی کا بدلہ نہیں لیا مگر اس کرم نمائی و رحمت مآبی کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ جب وہی انسان رب تعالیٰ کے حدود و حرمات کی پردہ دری و بے توقیری کرتا تو ضرور اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے بدلہ لیتے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی رو رعایت نہ فرماتے۔

سراپا حب رسول و پیکر عشق اعلیٰ حضرت کے عاشق رسول کریم ہونے میں علمائے حق و مشائخ کرام دو رائے نہیں رکھتے ہیں جن دو حدیثوں کا مطلب خیز ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں اعلیٰ حضرت جیسے فنا فی الرسول انسان سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ آپ کسی موقع پر بھی عمداً خلاف سنت کوئی کام کرتے یا سنت پر گامزن نہ ہوتے۔ اس کا ثبوت ان کی پوری زندگی ہے اور خاص کر زیر نظر نعتیہ دیوان ہے۔ تعظیم کبریا کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے اس کے لئے آپ نے دن رات جو کوشش فرمائی اس کے صلے میں دشمنان دین نے سب و شتم کی غلاظتوں کے انبار لگا دیئے مگر آپ نے کبھی ان کا جواب نہیں دیا۔ کبھی انتقام و بدلہ کی خلش نے دل میں راہ نہیں پائی۔ مگر جہاں کسی نے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی اور رب تعالیٰ اور اسکی حرمتوں کی بے حرمتی کی اس کی فوراً نثراً و نظماً خبر لی یہ آپ کی اعلیٰ ترین عبادت بھی تھی اور ریاضت سلوک بھی۔ آپ جس عہد میں تھے اس کے لحاظ سے جہاد بالسیف کا موقع کہاں۔ البتہ جہاد بالقلم و باللسان کا زمانہ تھا۔ انہیں ذریعوں سے جہاد کرتے رہے۔ اس لئے یہ آپ کا جہادی کارنامہ بھی ہے۔ اور اتباع سنت حبیب بھی۔

آپ نے مودودی صاحب کا بیان مطالعہ فرمایا ہوگا اس کے خاص ضروری دو جملے ذہن نشینی کے لئے نقل کر رہا ہوں۔ لکھتے ہیں "مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کے لئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے ہر وقت گھگھیاتے ہی رہنا اور ظلم کے مقابلے میں نیاز مندانہ معروضات ہی پیش کرتے رہنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہے۔"

مودودی صاحب کے مندرجہ بالا جملوں کو بار بار پڑھیں اور اس کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی شعری و نثری تصانیف کا مطالعہ کریں کہیں بھی "گھگھیاتے" اور نیاز مندانہ معروضات ہی نہ پائیں گے بلکہ ہر جگہ ظالم کے مقابلے میں حق کی حمایت فرماتے ہوئے مجاہدانہ انداز مومنانہ شیوۂ شیرانہ گھن گرج پائیں گے۔ اس حقیقت کو کلام اعلیٰ حضرت کی دوسری مثال میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری مثال "تحدیث نعمت" کے طور پر فرماتے ہیں۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار ‏ — اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے ‏ — کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی ‏ — نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے ‏ — پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف ‏ — کافر اِدھر کی ہے نہ اُدھر کی اَدھر کی ہے

لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ تھا وعدۂ ازلی ‏ — نہ منکروں کا عبث بدعقیدہ ہونا تھا

کرے مصطفےٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں ‏ — کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

کافروں پر تیغ والا سے گری برق غضب ‏ — ابر آسا چھا گئی ہیبت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک ‏ — اندھے نجدی دیکھ لے صورت رسول اللہ کی

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو ‏ — ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

ذکر روکے فضل کاٹے عیب کا جویاں رہے ‏ — پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے ‏ — کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو ‏ — واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

نہ معلوم کتنے اشعار کتنی بحروں میں گستاخان ناموس رسالت کے رد میں بلا خوف لومۃ لائم ارشاد فرمائے ہیں۔ طالب تحقیق "حدائق بخشش" کا مطالعہ فرمائیں۔ چند بحروں سے کچھ ہی اشعار نقل کرنے پر اقتباس کچھ طویل سا ہو گیا ہے اس کے بعد تیسری مثال کا مطالعہ کریں۔

تیسری مثال

حامد خدا و محمود رب اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو اعلیٰ حضرت نے شعروں میں جس خوبی سے ادا فرمایا ہے اس کی مثال علماء کے طبقہ میں ملنا دشوار ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ دیوان سے ایسے اشعار کا التقاط و انتخاب کیا جائے جو سیرت کے مضامین پر مشتمل ہیں تو سیرت پاک کا ایک اچھا خاصا منظوم مجموعہ تیار ہو جائیگا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال سیرت و جمال صورت کی تجلیاں ضیا ریز محسوس ہوں گی۔

آپ حضرات نے حضرت صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد گذشتہ اوراق میں مطالعہ فرمالیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کبھی اپنی ذات کریم کے لئے انتقام نہیں لیا مگر جب حدود شریعت و معالم دین کا انتہاک و بے حرمتی کسی نے کی تو پھر ضرور چہرۂ انور سے الٰہیانہ جلال کی بجلیاں کوندنے لگتیں۔ قلب و قالب روح و جسم میں غیرت ربانیہ کا ارتعاش رواں دواں ہو جاتا۔ آپ حضرات نے قرآن حکیم میں اس آیۃ مبارکہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تلاوت فرمائی ہوگی۔ حضورؐ کی سیرت میں اس تصویر کی دل کشی و دلپذیری ملاحظہ فرمایئے سیرت پاک کے اس انداز کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر میں کھلی آنکھو دیکھئے۔

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر ‏ — جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

ایک دست کرم ہے مگر دو متضاد کام ہیں۔ شان جمالی سے مومن نوازے جارہے ہیں۔ اور کافر شان جلالی سے جل رہے ہیں۔ پھر اس شعر میں لف و نشر مرتب کا حسن الگ ہے۔ ابر نیساں، پہلے ہے اور اس کی مطابقت سے شان جمالی کا ٹکڑا بھی پہلے آیا ہے۔ تیغ عریاں پیچھے ہے اور اس کی مناسبت سے شان جلالی، بھی پیچھے ہے۔ اور اس ترتیب و بیان ہی کو فن میں لف و نشر مرتب کہتے ہیں (ابر نیساں،

کی تقدیم (تیغ عریاں) کی تاخیر اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرماتی ہے کہ حضور پر نور کی ذات سراپا جود و کرم کی اصل شریعت رحمت ہی رحمت لیکن عبدیت و ماموریت خداوند کریم کا تقاضا ہے کہ حکم ربانی کی سرتابی نہ ہو۔ اس لئے مالک جسم و جاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت و فطرت کے برعکس دشمن خدا کے ساتھ جلال و غضب کا برتاؤ فرماتے ہیں۔

کافروں پر تیغ والا سے گری برق غضب　　ابر آسا چھا گئی ہیبت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس سیرت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ آپ سراپا رحم و کرم ہوتے ہوئے بھی (حدود و شریعت) کی بے حرمتی کرنے والوں پر ایسے غضب و جلال کا مظاہرہ فرماتے کہ (اعوذ من غضب اللہ و غضب رسولہ) کا نعرہ ہر طرف بلند ہو جاتا۔ تیغ و برق کا ایک ساتھ تذکرہ لفظی محاسن و مناسبت کی رعایت کا بہترین شاہکار ہے۔ تیغ کی آبداری، برق کی درخشندگی کی مناسبت کا لطف اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صیانت زبان و حلاوت لسان کا کیا کہنا۔ آپ کی خوش کلامی اور نرم گفتاری محتاج بیان نہیں۔ گویا زبان اطہر سے پھول جھڑتے تھے۔ سامعین کلام نبوت کی خوشبو سے معطر و پر مسرت بن جاتے تھے اس حقیقت کو اعلیٰ حضرت نے اس طرح ادا فرمایا ہے

وہ گل ہیں لب ہائے نازک انکے　　ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے

گلاب گلشن میں دیکھے بلبل　　یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

حضور کے لب ہائے نازک کو نزاکت کی وجہ سے پھول قرار دے کر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور کے یہ لب ہائے مبارک ایسے پھول ہیں کہ جن سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں۔ یعنی اس سے مراد خوش گوئی اور خوش کلامی ہے۔ پھر براہ تعجب فرماتے ہیں۔ اے بلبل! یعنی اے عاشقان رسول! تم نے گلشن میں بارہا گلاب دیکھا ہوگا۔ مگر یہ تو طرفہ تماشا ہے کہ گلاب میں گلشن نظر آرہا ہے سبب یہ ہے کہ حضور کے ایک گلاب دہن سے خوش بیانی و لطافت کلامی کے گلشن مہک رہے ہیں۔ اس مقام پر اس طرز ادا اور اس تمثیلی ندرت کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ دکھانا یہ ہے کہ حضور کے فطری طرز سخن کے خلاف کبھی کبھی آپ کے اسلوب بیان میں تیزی و تندی حرارت و تلخی بھی پیدا ہو جاتی تھی جس کا بیان زیر تبصرہ شعر میں آرہا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ناموس دین سے کھیلنے والوں پر بحکم خدا سخت تر تھے۔

چنانچہ بنام اسلام کچھ نام نہاد مصلح و مبلغ کے بارے میں حضور نے پیش گوئی فرمائی ہے جو روح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روپوشی کے بعد وقتاً فوقتاً تاقیامت رونما ہوتے رہیں گے۔ (ذیاب فی ثیاب) یعنی بھیڑیئے انسانی لباس میں ہوں گے۔ اس حدیث پاک کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے شعری لباس میں یوں پیش کیا ہے۔

ذیاب فی ثیاب لب پہ کلمہ دل میں گستاخی　　سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

دل میں گستاخی کا بھرا ہونا ہی بھیڑیا پن ہے۔ لب پہ کلمہ یہ ظاہری انسانی و اسلامی لباس ہے۔ جس میں اپنی ذیابی شان کو چھپانا مقصود ہے اسلام ملحد کو سلام کرنا یہ سلام متارکت ہے۔ اور اس کو یہ پیام متارکت اس کی تسلیم زبانی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہی اسلام لائق تسلیم ہے۔ فرمائیے اس بیان میں اعلیٰ حضرت کی کیا خطا ہے۔ یہ تو فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ہے۔

تیری جلو میں ہے ماہ طیبہ ہلال ہر مرگ و زندگی کا　　حیات جاں کا رکاب میں ہے ممات اعدا کا ڈاب میں ہے

اس شعر میں ماہ طیبہ کے ذکر کے بعد ہلال کا ذکر کرنا پھر رکاب و ڈاب کا تذکرہ جس کا ہلال کے ہم شکل ہونا ظاہر ہے۔ پھر مرگ و زندگی میں تقابل ضدین بھی ہے۔ ان سب محاسن کی وجہ سے شعر

نے شعریت کا اعلیٰ مقام حاصل کرلیا ہے حضور وجہ تخلیق عالم ہیں۔ اس لئے مرگ و زندگی کے مرکز بھی ہیں۔ پھر کمال یہ ہے کہ ادائے مطلب میں بارگاہ رسالت ؐ کے ادب کی شان بھی بہت واضح ہے کہ عاشقان رسول کی زندگی کا ہلال مرکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں ہے۔ اور اعدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ہلال سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈاب یعنی خنجر کے ساتھ والبستہ ہے اس شعر کی لطافت کو بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ روح کلام یہ ہے کہ اس شعر میں بھی اسی جلالی وجمالی سیرت کا بیان ہے جس کے حضورؐ جامع ہیں۔ اس عنوان کی وضاحت کے لئے چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اب تھوڑی توجہ دوسری سمت مبذول فرمائیے۔ وہ سمت دیگر فنی اعتبار سے کچھ منتخب اشعار پیش کرنے کی ہے۔ شعر وسخن کی جان علم بدیع وعلم بیان ہے۔ شعراء کے کلام لفظی ومعنوی محاسن ونقائص کی جانچ وچھان بین اس کے اصول وقواعد سے کی جاتی ہے۔ اس فن کے اعتبار سے بالاستیعاب تفصیلی گفتگو کرنا مجھ جیسے بے بہرہ علم وفن کی بساط سے باہر ہے۔ این و آں کے کلام پر گفتگو نہیں ہے۔ بلکہ یہ کلام الامام ہے۔ اسی لئے امام الکلام بھی ہے۔

حسن تعلیل "کسی امر کی وہ ظاہری اور پسندیدہ علت بیان کرنا جو حقیقی علت نہ ہو اس کو حسن تعلیل کہتے ہیں"۔ اس معیار پر اعلیٰحضرتؒ کے نعتیہ دیوان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو — سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

یہ ظاہر ہے کہ ہلال کی خمیدگی حقیقتاً سلام ابروئے شہ کے لئے نہیں ہے۔ لیکن ایک ایسی وجہ لطیف بیان کی گئی ہے جس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی دنیا عالم وجد میں آجاتی ہے۔ اس شعر میں وقت آفرینی بھی ہے۔ اور بلندی خیال بھی۔ ہلال ابرو کا ذکر پھر سلام کے لئے جھکنا مجالس شرفاء کے یہ ظاہری آداب بھی ہیں۔ گرچہ سلام کے وقت مکلفین کے لئے جھکنا شرعی محذورات میں داخل نہیں۔ جیسے بارگاہ رسالت ؐ میں جانوروں، درختوں کا سجدہ ریز ہونا احادیث میں مروی ہے۔ حسن تعلیل کی دوسری مثال یہ شعر بھی ہے۔

سبزۂ گردوں جھکا تھا بہر پابوس براق — پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

ہر دیکھنے والے کو آسمان گنبد نما معلوم ہوتا ہے۔ آپ اکناف عالم کی سیر کر جائیں۔ مگر ہر جگہ آسمان اسی حال میں نظر آئیگا۔ اعلیٰحضرت حسن تعلیل کے طور پر اس خمیدگی کی علت یہ بیان فرماتے ہیں کہ معراج میں جب سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار سبزۂ گردوں سے گزرے تو سبزۂ گردوں نہایت ہی ادب سے براق برق رفتار کی قدمبوسی کے لئے جھکا اس روز سے آج تک جھکا ہی ہوا ہے۔ اور قیامت تک جھکا رہے گا۔ اس اسپ فلک نے ایسا نورانی کوڑا کھایا کہ پھر سیدھا نہ ہو سکا اللہ اللہ کیا شان ادب ہے اور کیسی شان تعظیم وتبجیل ہے کہ سبزۂ گردوں نے اپنے آپ کو سرکار ملک وفخار کے پائے ناز کی قدمبوسی کے لائق نہ سمجھا بلکہ براق کے سم کو ہی بوسہ دے دینا اپنے لئے بڑے افتخار کی بات سمجھی۔ آسمان کی محسوسی شکل کے لئے حقیقتاً یہ علت نہیں ہے بلکہ حسن تعلیل کے طور پر یہ ایک نادر تخیل ہے۔ بلند خیالی۔ بلند پروازی۔ معنی آفرینی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

حسن طلب دل پسند طریقہ سے کسی چیز کو کسی سے طلب کرنا فن میں اس کو حسن طلب کہتے ہیں۔ زیر تبصرہ دیوان کے کچھ اشعار اس عنوان پر بھی ملاحظہ کیجئے۔

میرے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر — کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

شفاعت کی طلب اس انداز میں کہ میں مانتا ہوں گناہ سراسر زہر ہے لیکن اگر یہ زہر نہ ہوتا تو کوئی کس طرح شہد شفاعت سے اپنے کام ودہن کو لذت آشنا کرتا۔ لطف تو یہ ہے کہ اس شعر میں صنعت تضاد بھی ہے۔ زہر، شہد دونوں متضاد صفت کے

حامل ہیں۔ اسی کے ہم معنی یہ شعر بھی ہے۔ اس میں حسن طلب کا نرالہ انداز ہے۔ خوبی بالائے خوبی یہ بھی ہے کہ اسی شعر میں دعویٰ دلیل کے ساتھ ہے۔

دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر　　دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چونکہ میں گنہگاروں میں سب سے بڑا گنہگار ہوں اور شفاعت گنہگاروں کے لئے ہی ہے اس لئے اس کا سب سے زیادہ مستحق میں ہوں۔ اس شعر میں حسن طلب کے ساتھ دعویٰ مع الدلیل بھی ہے۔

لف و نشر مرتب

چند چیزوں کو پہلے فقروں میں بیان کرنا پھر ان چیزوں کے مناسبات کو دوسرے فقروں میں ترتیب وار لانا، اسی کو اصطلاح میں لف و نشر کہتے ہیں۔ اس عنوان پہ بھی شعر ملاحظہ فرمائیں۔

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار　　غنچہ ہوں، گل ہوں، برق تپاں ہوں سحاب ہوں

دل بستہ کی مناسبت سے غنچہ، بے قرار کی مناسبت سے گل، جگر کی مناسبت سے برق تپاں، اشکبار کی مناسبت سے سحاب استعمال کیا گیا ہے یہ مناسبات لف و نشر مرتب کی بے نظیر نظیر ہیں۔ اسی کے ذیل میں یہ شعر بھی ملاحظہ فرمایئے

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی　　ہیں در عدن، لعل یمن، مشک ختن پھول

دنداں کے مناسب در عدن اور لب کے مناسب لعل یمن اور زلف کے مناسب مشک ختن اور رخ کے مناسب پھول۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شرعی احتیاط و پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے اس شان کی نعت گوئی صرف انہیں کا حصہ تھا۔

صنعت تضاد

اعلیٰ حضرت کے کلام میں صنعت تضاد بکثرت ہے۔ کوئی ایسی بحر اور زمین نہیں جس میں یہ صنعت نہ ہو ایک زمین کے مقطع کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

رضا یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشیں　　لقب زمین فلک کا ہوا سمائے فلک

زمین سماء کی ضد ہے اور حسن کلام تو یہ ہے کہ فلک کے لئے زمین ثابت فرمایا۔ گرچہ زمین یہاں موضوع لہ معنی میں مستعمل نہیں ہے اس طرح ایک مقطع کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کہا　　اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

اس میں بھی زمین و آسمان کا مقابلہ ہے۔ گرچہ اس شعر میں بھی زمین و آسمان موضوع لہ معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

آتش تر دامنی نے دل کئے کیا کیا کباب　　خضر کی جاں ہو جلا دو ماہیان سوختہ

تر دامنی اور آتش بالکل متضاد ہیں۔ پھر آتش کی مناسبت سے دل کا کباب ہونا۔ حضرت خضر اور ماہیان سوختہ کی تلمیح پھر سرکار طیبہ کی ذات کریم کو جان خضر قرار دینا بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زنبیل سے دریا میں چلا جانا اسی طرح عصیاں شعار دلوں کا گناہ کی آگ سے جل کر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی چھینٹوں سے زندہ ہونا عجیب و غریب ایمانی نشاط کا سرمایہ بہم کرتا ہے۔ ان سب لفظی و معنوی محاسن نے اس شعر کو نقطۂ عروج پر پہونچا دیا ہے۔ جن حضرات کو شعر و سخن کا ذوق ہوگا۔ وہ اس شعر کی لطافت شعری سے ضرور فیض یاب ہوں گے

تنسیق الصفات

کسی شخص کا تذکرہ بہت سی صفتوں کے ساتھ کرنا خواہ وہ صفات مدح ہوں یا ذم اس کو اصطلاح میں تنسیق الصفات کہتے ہیں۔ اس صنعت کی مثالیں بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ کلام میں بکثرت ہیں۔ زیر نظر اشعار سے لطف اٹھایئے۔

اصالت کل، امانت کل، سیادت کل، امارت کل — حکومت کل، ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لئے

فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم — وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے

اس زمین کے تمام اشعار میں "تنسیق الصفات" کی صنعت رواں دواں ہے۔ اور الفاظ کی شان و شوکت، کروفر اور زور کلام وبیان کا گویا یہ ایک نادر گلدستہ ہے اور اس میں قادر الکلامی کی شان آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے

مشترک المعنی الفاظ کا استعمال

اعلیٰ حضرت کے کلام میں ایک ہی زبان کے مشترک المعنی لفظ کا اپنے کل معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ استعمال ایک ہی مصرع میں موجود ہے۔ جیسے "سونا" یہ اردو زبان میں چند معنی رکھتا ہے۔ ایک سونا جو دھات اور قیمتی ثمن ہے۔ ایک کسی کا سو جانا۔ اس لفظ کو پیش کے اشباع کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی سنسان ہوتا ہے۔ اس لفظ کو ان تینوں معنی میں ایک ہی مصرع کے اندر اعلیٰ حضرت نے جمع فرما دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے — تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

اسی طرح ایک دوسرے شعر میں، دو معنی والے لفظ کو استعمال فرمایا گیا ہے لطف یہ کہ وہ لفظ عربی کا بھی ہے اور اردو کا بھی۔ صرف خطی تجنیس ہے وہ لفظ "والی" ہے۔ یہ عربی میں مالک اور بادشاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے والی سلطنت بولتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت رب تعالیٰ جل جلالہ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی داخل ہے اور اردو میں اظہار نسبت و فاعلیت کے لئے استعمال ہوتا ہے مذکر میں والا اور مونث میں والی جیسے کام کرنے والا۔ کام کرنے والی۔ یہ فاعلیت کی مثال ہے۔ مال و دولت والا و حسن و جمال والی۔ یہ نسبت کی مثال ہے۔ اس ذو معنیین اور ذو لسانین لفظ کو اُس زبان کے اپنے اپنے معنی میں اعلیٰ حضرت نے یکجا فرمایا ہے۔ اب حسن شعری کا نظارہ فرمائیے

قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے — جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے

پہلے مصرع میں "اللہ والی" ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و مولا ہے۔ دوسرے مصرع "وہ جان اللہ والی ہے" یہ اظہار نسبت کے لئے ہے۔ اس استعمال نے حسن شعر کو دوبالا کر دیا ہے۔ اسی طرح اسی انداز کے ایک اور شعر کو ملاحظہ فرمائیے

ترا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے — اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے

پہلے مصرع میں ڈالی اسم ہے شاخ کے معنی میں ہے۔ دوسرے مصرع میں ڈالی ہے اردو کا فعل ماضی قریب ہے۔ یہ لفظ بھی اردو ہی کا ہے۔ اس دو معنی کے علاوہ اس کے اور بھی معنی ہیں۔ جیسے کسی کو ڈالی پیش کرنا۔ لطف یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں بنا رحمت کی ڈالی ہے۔ مگر معنی کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے اسم و فعل میں جو معنوی فرق ہے وہی امتیاز معنوی یہاں بھی ہے اگر تتبع اور تلاش جاری رہے تو بہت سے اشعار اسی منوال و نہج کے اور بھی دستیاب ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی قادر الکلامی کی شان یہ ہے کہ

ایک زبان کے ایک لفظ کو اس زبان میں وہ لفظ جتنے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اس کو ایک بحر کے شعروں میں جمع کر دیا ہے

اس کی مثال پھول والی زمین میں بہت ہے اردو زبان میں پھول جتنے معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ سب معنی اس نعت شریف میں موجود ہیں۔ پھول اپنے حقیقی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ ہلکا ہونا، غرور کرنا۔ لطیف و نازک ہونا۔ ان تمام معنوں میں لفظ پھول مستعمل ہوا ہے۔ تمام شعروں کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے شعروں کو چھوڑتا ہوں۔ صرف ارباب ذوق سے گذارش ہے کہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اور اعتراف حقیقت فرماتے ہوئے داد سخن دیں۔ اگر فن کے لحاظ سے مجاز مرسل۔ استعارہ، کنایہ کی مثالیں بھی صراحت کے ساتھ تحریر کی جائیں تو "انجام بہ اطالت رسید" کا معاملہ پیش آجائے گا۔ سردست چند مصروفیات کی بنا پر اس کی انجا

دیکھا سے قاصر ہوں۔ نہ زندگی نے وفا کی تو پھر دیکھا جائے گا۔ اس وقت صرف استعارۂ تصریحیہ کی مثال پیش کر رہا ہوں۔

استعارۂ تصریحیہ

اگر صرف مستعار منہ کا ذکر ہو اور مستعار لہ محذوف ہو تو اس کو استعارۂ بالتصریح کہتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرع

اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

اس مصرع میں دوسرا گل مستعار منہ ہے۔ مستعار لہ کا ذکر محذوف ہے۔ یہاں مستعار لہ مالک فرش و عرش صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے یہ استعارۂ تصریحیہ ہوا۔ پورا شعر ملاحظہ فرمائیے۔

جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو ۔۔۔ اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

خلاصہ یہ کہ پہلا گل حقیقی معنی میں ہے۔ دوسرے گل سے سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ تیسرے گل سے مراد جنت ہے چوتھا گل حقیقی معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے خاک دان گیتی کے گل۔ ہمارے گل۔ سید کل۔ امام الرسل۔ ہادی السبل صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت بھی گل کا سوال کر رہی ہے تو اوروں کا قاسم کنز نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی کا سوالی ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

تبصرہ کے اختتام پر صنعت لفظی کی ایک قسم "رد العجز علی الصدر" کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ عجز آخر۔ صدر شروع کو کہتے ہیں یعنی جو لفظ شروع فقرہ میں ہو وہی آخری فقرہ میں بھی آئے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جن و بشر سلام کو حاضر ہیں السلام ۔۔۔ یہ بارگاہ مالک جن و بشر کی ہے
شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام ۔۔۔ خوبی انہیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
سب بحر و بر سلام کو حاضر ہیں السلام ۔۔۔ تملیک انہیں کے نام تو ہر بحر و بر کی ہے
عرض و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام ۔۔۔ ملجا یہ بارگاہ دعا و اثر کی ہے
سب کر و فر سلام کو حاضر ہیں السلام ۔۔۔ ٹوپی یہیں تو خاک پہ ہر کر و فر کی ہے

دنیائے شاعری کی پسندیدہ شئے

ادبا و شعرا دنثر ہو یا نظم ہر ایک میں استعمال محاورات کو بڑی وقیع نگاہ سے دیکھتے ہیں اس کو موازنہ میں سنگ ترجیح وجہ فوقیت۔ سبب برتری سمجھتے ہیں۔ اس پیمانہ خاطر نشیں کی روشنی میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا کلام فائق الکلام "ارجح الاشعار" ہے۔ بعض بعض شعر کے دونوں مصرعوں میں "محاورات" زیب الکلام زینت سخن ہیں۔ شاید ہی کچھ اشعار ایسے ہوں جن میں "محاورے" درج اشعار نہ ہوں۔ محاورات کی اتنی بہتات و کثرت ہے کہ اس لحاظ سے اشعار کا انتخاب بہت ہی مشکل کام بن جاتا ہے۔ ذوق انتخاب حیران ہو جاتا ہے کہ کس شعر کو لیا جائے اور کس کو چھوڑ دیا جائے ملتقط تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے اشعار ایک پر ایک ہیں۔ نگاہ انتخاب حیرت کا شکار ہو کر مخمصہ میں پڑ جاتی ہے۔ نمونے کے چند اشعار زیب قرطاس ہیں۔

بند ہو گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی ۔۔۔ بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا ہے

پہلے مصرعے میں بھی دو محاورے ہیں۔ ہوا بند ہونا، خاک اڑنا۔ دوسرے مصرعے میں بھی ضیا کا بڑھنا۔ آتش پہ پانی پھرنا دو محاورے ہیں بلکہ یہ صرف محاورے ہی نہیں ہیں بلکہ کس خوبی سے اربعہ عناصر کا ذکر ہوا، خاک آگ، پانی۔ ایک شعر میں جلوہ ریز ہے۔ تیز ہوا چلتی ہے تو دریا۔ تالاب خشک ہو جاتے ہیں۔ آمد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت میں اتنی وجد آفریں ہوا چلی کہ نہر ساوہ خشک ہو گئی اور اس میں خاک اڑنے لگی۔ اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی اتنی ضیا ریز ہوئی کہ فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے دہکتا ہوا آ رہا تھا یک بیک بجھ گیا۔ اور اس کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی پھر گیا اور اس کی ہزار سالہ زندگی فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اللہ اللہ اس کی

خوبی بیان سے باہر ہے

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا ۔ تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

بیڑا پار ہونا۔ بجرا تر جانا۔ خطرہ و مشکل سے نکل جانا' یہ محاورے تلمیحی بھی ہیں سیدنا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ عفوِ غفور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل و صدقہ میں مولیٰ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی تلاطم و تموج خیز طوفان کی موجوں و لہروں سے نجات یاب ہوئی۔

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا ۔ تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا

مجرے کو جھکنا۔ جھک کر سلام کرنا۔ بت کا ہیبت سے تھر تھرا کر گر جانا۔ یہ دو محاورے اس شعر میں یہ محاورے "ولادت مقدس" کے وقت "بیت اللہ" شریف کی مسرت و شادمانی کے عکاس ہیں۔ کسی مکرم اور معزز مہمان کے تشریف لانے پر فرط میزبان خندہ پیشانی خمیدہ سری سے استقبال کرتا ہے۔ اسی طرح معزز مہمان ہی نہیں۔ بلکہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود میمنت لزوم کی ساعت میں "بیت اللہ شریف" سلام کے لئے جھک گیا۔ اور ظہور قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں جھوم اٹھا۔ اسی تشریف آوری کا دوسرا رخ یہ ہے کہ "خانہ کعبہ" میں جو بت تھے شاہ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف و ہیبت سے سرنگوں ہو گئے۔ واقعہ کے مطابق کتنا سچا مضمون فرمایا گیا ہے اس کے باوجود شعر ادبی و شعری حسن کے نقطۂ عروج پر ہے۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو یہ فرماتے ہیں کہ شعروں کا لطف جھوٹے مبالغوں میں ہے آئیں اور "الصدق ینجی" کی شان ملاحظہ فرمائیں۔

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم ۔ تیرے بے دام کی بندی ہیں ہزارانِ عرب

بے دام کا بندہ ہونا۔ مخلص، بے غرض، جان نثار و غلام ہونا' بے دام کی بندی ہونا۔ جال و پھندا کے بغیر برضا و رغبت قیدی ہونا "ہزاران عرب" عاشقان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ فارسی زبان میں دام کے دو معنی ہوتے ہیں۔ قیمت۔ جال۔ دام پہلے مصرع میں قیمت کے معنی میں ہے اور دوسرے میں "جال" کے معنی میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و مطہرہ سیرت و حسن خلق کی کشش ایسی تھی کہ خلائق بلا غرض و بلا طمع آپ کے جان نثار و سچے غلام ہو گئے اور آپ کی عقیدت و محبت کے رشتہ کے قیدی بن گئے اسی زمین کا مقطع مطالعہ فرمائیں۔

ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا ۔ چار دن برسے جہاں ابر نیسان عرب

شعر میں "ہشت خلد اور چار دن" کے لانے سے "سیاق الاعداد" کی صنعت پیدا ہو گئی ہے جس سے شعر میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ کسب لطافت کے لئے ہشت خلد کا وہاں آنا جہاں چار دن "بہار عرب" کا ابر برس جائے تو اس مبارک خطۂ زمین کے بارے میں آپ حضرات کا دینی فیصلہ کیا ہو گا جہاں ہر آن و ہر لحظہ "بہار عرب" یعنی سرکار عرش وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارش رحمت ہوتی رہتی ہے یقینی ایمان بول اٹھے گا کہ شہر طیبہ "باغ جناں" کا جنت الماویٰ ہے۔

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے ۔ تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

دونوں مصرعے میں "مرے دل سے" ہے۔ پہلے میں "مرے دل سے" مراد یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور کی عزت و حرمت پر جان و دل سے نثار و قربان رہے گویا کہ یہ مومن کی شرعی تعریف ہے۔ رہ گئے نجدی تو وہ "مارے دل" مرے قلب سے بظاہر کبھی کبھی تعظیم رسول کر لیتے ہیں گویا نجدی کی مذہبی تعریف یہی ہے کہ وہ "مرے دل سے" دکھانے کے لئے تعظیم کر لیتا ہے۔ اس لئے اس کی تعظیم بربنائے ایمان نہیں بلکہ بربنائے ریا و تقیہ ہے۔ پہلے مصرعے میں "مرے" فعل مضارع ہے دوسرے میں "مرے" دل کی صفت ہے۔ لہٰذا معناً

دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین و آسمان، نور و ظلمت، بہار و خزاں ۔ خار و گل کے معنوں میں ہے ۔ یہ ہے انتہائی علم و فن کا کمال یہ ہے ایمانی محبت کے سوز و گداز، خلوص و محبت کا نقطۂ عروج، اسی زمین کا ایک اور شعر آپ حضرات کی ضیافت طبع کے لئے حاضر خدمت ہے ۔

دریا چڑھا ہے تیرا کتنی ہی اڑائیں خاک　　　اتریں گے کہاں مجرم اے عفو تیرے دل سے

دریا کا چڑھا ہونا، خاک اڑانا ۔ دل سے اترنا ۔ تین تین محاورے مربوط انداز میں ایک شعر کے اندر لانا یہ اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے ۔ پھر لطف بالائے لطف تو یہ انداز بیان ہے کہ اے عفو مجرم کبھی تیرے دل سے نہیں اتریں گے ۔ کیونکہ آپ کے جود و کرم کا دریا اتنا چڑھا ہوا ہے کہ بلا طلب آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا جہاں بخشش و کرم کا یہ عالم ہو اس ذات بابرکات کے "عفو لیس" دل سے مجرم کبھی نہیں اتر سکتے ۔ ہم بارگاہ ایزدی کے نافرمان لاکھ سیہ کاری و معصیت کی خاک اڑاتے رہیں ۔ گناہوں کی کیچڑ میں سنے ہوئے ہوں ۔ لیکن کسی طرح آپ کے در دل سے محروم نہیں لوٹیں گے ۔ اس ادائے مطلب نے شعر کو شاہکار بنا دیا ہے ۔

صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار　　　کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستان عرب

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے عرب کو یہ شرف و مجد و فخر و مباہات حاصل ہے کہ لاکھوں گلزار ہر طرف سے اس پر نثار ہونے کے لئے بے تاب کھنچے چلے آ رہے ہیں ۔ کیا موسم حج میں کعبہ و عرفات، مزدلفہ و منیٰ کی مرکزیت گنبد خضرا کے گرد ہجوم خلائق اس صداقت پر مہر تصدیق ثبت نہیں فرماتے ۔ گلستان عرب کا پھولا ہونا اور اس پر لاکھوں گلزار کا صدقہ ہونا ایسی بندش ہے جس نے شعر کو عجب مقام سے ہمکنار کر دیا ہے ۔ اس عنوان کو اب اس شعر پر ختم کر رہا ہوں ۔

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے　　　جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

آگ بجھانا بھی محاورہ ہے اور آگ لگانا بھی ۔ لیکن آگ آگ کو بجھا دے عجیب معنی آفرینی ہے ۔ دونوں آگ حقیقی معنی میں نہیں ہے ایک عشق سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ ہے دوسری جہنم کی آگ ہے جس خوش نصیب نے عشق سرکار طیبہ کی آگ اپنے دل میں لگائی ہے تو یہ آگ نار جہنم کو ضرور بجھا دے گی

یہ انداز بیان کس قدر اچھوتا اور ندرت آمیز ہے اس کا فیصلہ آپ کے ادبی و شعری ذوق کے سپرد کر رہا ہوں ۔

اصطلاح میں کسی بات کے بیان کرنے میں حد سے بہت زیادہ بڑھ جانے کو مبالغہ کہتے ہیں ۔ مبالغہ کی تین قسمیں ہیں

۱ ۔ تبلیغ ۲ ۔ اغراق ۳ ۔ غلو ۔

شرعی نعت گوئی میں مبالغہ متصور ہی نہیں ۔ کیونکہ حضور بے مثل و بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بشری طاقت سے باہر ہے ۔ ع "لا یمکن الثناء کما کان حقہ" زبان زد ہی ہے اس کے ماسوا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح رسول　　　تجھ سے پھر ممکن ہے کب مدحت رسول اللہ کی ۔ صلی اللہ علیہ وسلم

جن و بشر، حور و ملک سے جس وجود ذی جود کی تعریف ہی ممکن نہیں اس کی مداحی میں حد سے بڑھ جانے کی صورت ہی پیدا نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا نعتیہ بیان میں مبالغہ اپنی جملہ صنفوں کے ساتھ معدوم و مفقود ہے جہاں مقسم ہی کا پتہ نہیں وہاں اقسام کا وجود کہاں سے آ جائے گا ۔ اس مسلمہ حقیقت کے ہوتے ہوئے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک میں غلو کے کیڑے نکالنا انہیں غالیوں کا غلو ہے ۔ جن کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و کسر شان میں توحید کے مہر درخشاں نظر آتے ہیں ۔

انبیاء کرام کی تعریف و توصیف میں غلو کے پائے جانے کی صرف تین صورتیں ہیں ۔ ۱ ۔ رسالت کی الوہیت کا عقیدہ ۲ ۔ نبوت کی ابنیت کا عقیدہ ۳ ۔ رسول و انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ثالث ثلاثہ یعنی تثلیث کا مصداق ماننا ۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرستار عیسائیوں کے مذکورہ بالا غالیانہ اعتقاد کا رد بلیغ شدید انداز میں موجود ہے۔ سورۃ مائدہ شریف میں ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ بیشک وہ کافر ہو گیا جس نے کہا اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے۔ اسی سورہ میں ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ بے شک وہ کافر ہو گیا جس نے کہا اللہ تو تین کا تیسرا ہے اسی سورہ مقدسہ میں ہے وقالت الیہود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ۔ یہود و نصاریٰ نے کہا ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے و چہیتے ہیں۔ (واحبائہ) ان عقیدوں کے بیان کے بعد اسی سورہ میں ارشاد ربانی ہے یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق یعنی اے اہل حق دین خدا میں ناحق غلو نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ کسی مخلوق کے بارے میں غلو کے یہی تین امور ہیں جس مدح و ثنا میں یہ باتیں نہ ہوں وہ غلو سے پاک وصاف ہے

قرآن حکیم نے اسی سورہ مائدہ شریف میں رد غلو کے ساتھ ساتھ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل عظیمہ مناقب جلیلہ کو مشرح بیان فرمایا۔ یہ تا کہ کوئی کوتاہ مغز، بد باطن بیان فضائل و ذکر معجزات کو غلو نہ سمجھ بیٹھے۔ حضرت روح اللہ علیہ السلام کے خداداد تصرفات و معجزات کو قرآن پاک نے اس طرح پیش فرمایا ہے۔

وتبری الاکمہ والابرص — ہیئت طیر کی تخلیق پھر اس میں نفخ روح احیائے موتیٰ۔ اخبار غیب۔ وجاہت وغیرہ اس قرآنی ارشاد سے بے حقیقت۔ ماہ نیم ماہ۔ مہر نیم روز کی طرح ثابت و محقق ہو گئی کہ انبیاء کرام کے فضائل و معجزات لاکھ محیر العقول ہوں مگر بیان کرنا ہرگز غلو نہیں بلکہ قرآنی سنت ہے۔ ہاں غلو جب ہی ہوگا جب کسی رسول و نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم کو۔ اللہ۔ یا اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا تین میں کا تیسرا نثر میں یا نظم و شعر میں کہا جائے اس کے سوا لاکھ تعریف لاکھ قسم سے کی جائے ہرگز غلو نہیں۔

بحمدہ تعالیٰ آج تک کسی سنی مسلمان یا مطلق مسلمان نے کسی نبی کسی ولی کی شان میں مذکورہ بالا مشرکانہ عقیدوں کا اظہار نہیں کیا۔ خاص کر ماحی شرک و کفر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و نعت میں ان عقیدوں کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ حضرت بوصیری قدس سرہٗ نے قصیدہ بردہ شریف میں کیا ہی آب زر سے لکھنے کے قابل زریں نصیحت فرمائی ہے۔ سنئے اور نصیحت پر عمل فرمائیے ؎

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم   واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

یعنی نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جن کفری عقیدوں کا دعویٰ کیا ہے اے مسلمان اپنے رسول پاکؐ کے حق میں ان کفری و شرکی دعووں کو قطعاً ترک کر دے۔ اس کے سوا حضورؐ کی شان کریم میں جو بھی فضل و کمال جو بھی علمی و عملی وسعتیں و بلندیاں ذہن و تصور میں آ سکیں ثابت کرو۔ نظماً و نثراً بیان کرو۔ اس اثبات و بیان میں تم حق بجانب ہو گے۔

اس تفصیلات شرعیہ کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے کلام میں غلو کی تلاش یا اس کا انتساب ایک حقیقت عدمیہ کی تلاش و جستجو کے سوا کچھ نہیں، ایک بے سود کاوش و لاحاصل کاوش ضرور ہوگی۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ غلو کا سد باب کس زور و شور سے فرما رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا   خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں   حیرت نے جھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ   برزخ ہیں وہ سر خدا۔ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

الغرض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا کلام مالا کلام ہے۔ شریعت و قرآن پاک کی روشنی میں ہر شرعی نقص و ہر طرح کے عیب غلو سے پاک وصاف ہے۔ سر دست اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام دیوان کے متعلق انہیں کا یہ مصرعہ لکھ کر خاموش ہو گیا ہوں۔

وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیان ہے جس کا بیاں نہیں

امام احمد رضا اور اُردو ادب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی شخصیت کا مخصوص دائرہ کار مذہبی تبلیغ و اسلامی حقائق کی حقیقی تشریح و تفسیر ہے ان کی زبردست علمی صلاحیتوں کا میدان عمل بنیادی طور پر وہی ہے جو آپ کے پہلے کے صوفیائے کرام اور مجددین ملت کا رہا ہے۔ میرے اس مضمون کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں ان کی شخصیت کے بین الاقوامی تاثر میں کوئی تبدیلی چاہتا ہوں۔ آج بھی دنیا کے گوشہ گوشہ میں مسلمانوں کا صالح اور راست طبقہ انہیں "امام اہلسنت" کے نام سے یاد کرتا ہے اور یہ ایک صحیح اور سائنٹفک تاثر ہے

لیکن صوفیاء اور علماء اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ کے لئے جب اظہار مدعا کا کوئی پیرایہ متعین کرتے ہیں تو خود بخود کسی نہ کسی زبان و ادب کی خدمت اور توسیع و ترقی کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا کام" میں لکھا ہے "یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے۔ یا کم سے کم ان کا منشاء اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انہیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا۔ اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں۔ اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی"

اس کتاب میں "بابائے اردو" نے صوفیاء کرام کو اردو کا محسن بتایا ہے اور کہا ہے کہ اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تمام تحریر مورخین اردو ادب نے اس احسان کو کہاں تک یاد رکھا ہے لیکن کم سے کم مجھے تو یہ احسان صرف یاد ہی نہیں بلکہ میرے احساس و فکر کی دنیا میں ایک زندہ حقیقت بن کر آج مجھے پابند لوح و قلم بھی کر رہا ہے۔

امام احمد رضا کی پروقار شخصیت سے اردو ادب کے رشتہ پر میری چھان بین کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ میں ارادی طور پر اس عنوان پر کچھ لکھنے کے لئے بیتاب ہوں۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرۂ ارض کے تمام خطے ہمہ وقت تابناک نہیں رہتے بلکہ اگر زمین کا نصف حصہ تاریکی کی آغوش میں رہتا ہے۔ تو نصف ~~حصہ~~ اجالوں میں مچلتا ہے۔ شاید نظام قدرت کا یہ قانون فکر انسانی کو بھی راس آیا ہے ورنہ اردو کے عظیم مورخین کی یہ روش میرے نزدیک حیرت انگیز ہے کہ وہ ایک ہی دور میں داغ و امیر۔ حالی، شبلی، اکبر و سرسید کی خدمات پر تو اپنے آفتاب تحقیق کی کرنیں بکھیرتے ہیں لیکن امام احمد رضا کی شاعری۔ نثر نگاری اور ان کے علمی جاہ و جلال کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں

ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کو دوسروں کی پسند گمان کرنے والوں میں بھی نہیں ہوں لیکن اردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد ادب کی روشنی میں اپنا ذہنی سفر شروع کرتا ہے تو یہ حیرت ایسے ضرور ہوتی ہے "اگر نہیں ہوئی تو ہونی چاہیئے۔ اور اگر اس "چاہیئے" کا بھی انکار ہے تو حقیقتیں ہر دور میں اتنی با اختیار ضرور ہوتی ہیں اور رہیں گی جب حقائق کی انمٹ طاقتوں نے محض تخیلاتی نظریات کے پہاڑوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔ ایٹم (ATOM) کی سرکش حقیقت نے نیوٹن کا بھرم اگر توڑا ہے۔ صورت و معنی کی کشمکش میں اگر معنی کو غلبہ حاصل ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ فاضل بریلوی کی ادبی

ولسانی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے ۔

ذہنی و علمی دنیا کی شاید یہ وہی مایوس منزل ہے ۔ جہاں اپنوں سے شکوہ و شکایت کو "شدید یہ اپنائیت" کی خوبصورت ناویل کا لبادہ پہنا دیا جاتا ہے میں بھی اپنے کرب و کسک کی اسی مایوس منزل پر ہوں جہاں مجھے اپنوں سے شکوہ ہے ۔ لیکن سوچتا ہوں کہ یہا کون ہے اس لئے یہ کہہ دینا ہی عافیت بخش ہے کہ مجھے سب سے شکوہ ہے ۔ کاش ہماری جماعت کے لوگ فاضل بریلوی کے اس رُخ پر کچھ لکھنے تو آج حامد حسن قادری، رام بابو سکسینہ، نسیم قریشی، عبدالسلام ندوی کی تاریخ ادب کی کتابیں "ذکر رضا" سے نا آشنا نہ ہوتیں ۔ وہ شہنشاہ اقلیم سخن جس نے شائع شدہ تحقیق کی روشنی میں ۵۴ مختلف فنون کی ۷۰۵ کتابوں کا تحفہ اردو زبان کو دیا وہ "امام الکلام" جس کی نعتیہ شاعری آج بھی اردو ادب میں آخر کی حیثیت رکھتی ہے ۔ شعراء اردو کے تذکروں میں گمنام نہ ہوتا ۔

میں جو کچھ قلم بند کر رہا ہوں اپنی بے بضاعتی کے بھرپور احساس کے ساتھ قلم بند کر رہا ہوں ۔ ایک متنوع شخصیت کی رنگا رنگی میں کسی ایک مخصوص رنگ کو منفرد انداز میں پیش کرنا وقت اور غائر مطالعہ چاہتا ہے ۔ اور اس قسم کے مطالعے بھی ان گنت رخ رکھتے ہیں ۔ اس لئے موضوع میں مکمل گفتگو کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسا کوئی ادعا میرا مقصد ہے ۔ بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ادب کی ایک بھولی ہوئی اہم ترین ضرورت کا احساس جاں " "احساس جہاں" ہو جائے اور میری تنہائی انجمن بن جائے ۔

ازل سے ایک جہانِ سکوت لایا ہوں   شریک شرح نواہائے راز کرنے کو

"ادب تنقید حیات ہے" میتھو آرنلڈ کا یہ وہ مقولہ ہے جو آج بھی اصناف ادب کے ضمن میں شاعری کی بھی حقیقی تعبیر سمجھا جاتا ہے ۔ آیئے ہم بھی اس تعبیر کو اپنے خواب کا آئینہ سمجھ کر آگے بڑھیں میرے موضوع کا شدید تقاضا ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھیں کہ شاعری کس حیات کی تنقید ہے میرے نزدیک حیات کے دو رخ تو مسلّم ہیں ۔ حیات فانی اور حیات باقی ۔ اسے آپ دنیوی اور اخروی حیات بھی کہہ سکتے ہیں اگر شاعری کو صرف دنیاوی حیات (مادی حیات) کی تنقید سمجھا جائے تو پھر شاعری کا وہ دعویٰ مجروح ہوتا ہے جس کی روشنی میں اسے انسانی رہنمائی کا افتخار حاصل ہے اسی لئے بعض نقادوں نے آرنلڈ کے اس جملہ میں حیات کے ساتھ اپنی جانب سے کوئی قید نہ لگا کر اسے شاعر کے شعور سے وابستہ کر دیا ہے جعفر علی خاں اثر اپنے مضمون "پروپیگنڈہ اور شاعری" میں رقم طراز ہیں ۔

ادب تنقید حیات ہے مگر عام حیات کی نہیں بلکہ اُس حیات کی جس کی تشکیل شاعر یا ترجمان نے کی ہے"

اور جب حیات کی ادبی جہت فنکار کے شعور سے وابستہ ہے تو ایک ایسا فنکار جو شعوری طور پر نہ صرف حیات اخروی پر ایمان رکھتا ہے بلکہ وہ اُسے ساری دنیائے انسانیت کے لئے باعث نجات بھی جانتا ہے ۔ جب حیات کی تنقید کرے گا تو اس کے فن میں ایسے عقائد و جذبات کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے ۔ جو اس کی نظر میں باعث نجات و عافیت ہو ۔ یہی وہ تنقید حیات ہے ۔   ہم نعتیہ شاعری ۔ مذہبی شاعری یا اعتقادی شاعری میں پوری طرح محسوس کر سکتے ہیں ۔ اور یہی وہ نقطہ نظر ہے جس کی بنیاد پر ادب کا ہر شہ پارہ تنقید حیات کے دائرے میں آجاتا ہے ۔ خواہ وہ مذہبی شخص ہو یا لا مذہبی اور غیر شخصی

فاضل بریلوی کی پوری اردو شاعری نعت و منقبت پر مشتمل ہے ۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مسلک اور عقیدہ کا اظہار بھی شدت کے ساتھ موجود ہے ۔ یہ ان کے مجددانہ شعور کی بات ہے کہ انھوں نے حقیقی حیات کی تنقید کو اپنا موضوع سخن بنایا جنت و دوزخ، قبر و قیامت، قضا و قدر، عذاب و ثواب، بخشش و تعزیر اور اسی قبیل کے موضوعات اخروی ان کی شاعری کا اصل موضوع ہیں جن کا تعلق حیات بعد الممات سے ہے ۔

چند اشعار ملاحظہ فرمایئے

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا   رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا ۔۔۔ لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

یاالٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکیں بدن ۔۔۔ دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

کھڑے ہیں منکر نکیر سر پہ نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور ۔۔۔ بتا دو آ کر میرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

بارگاہ رسالت میں جذبات و کیفیات کا منظوم نذرانہ بھی نجات اخروی اور حیات ابدی کے حصول کا ایک پاکیزہ وسیلہ ہے ۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری بھی رضائے رسول اور حب نبوی کے اکتساب کا ایک مقدس انداز ہے اور یہی رضا و محبت اسلام میں تکمیل ایمان کا وہ معیار ہے جہاں انسان حیات کی اس منزل پر ہوتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ۔۔۔ ترے حیات کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ فاضل بریلوی کے فن میں اسی حیات کی تنقید کے جلوؤں کا ہجوم ہے ۔ دراصل اسلامیات پر ان کا مطالعہ عقلی و وجدانی دونوں اعتبار سے کامل تھا ۔ اسلامی معقولیت نے انہیں علم و فضل میں یگانۂ روزگار بنایا اور ہوش و بصیرت سے معمور ان کی اسلامی وجدانیت نے اردو نعت کو شاعرانہ حسن آفرینی کے ساتھ ساتھ شان برگزیدگی عطا کی ۔ اردو نعت گو شعراء کی برصغیر کی بھر پور روایت میں فاضل بریلوی کا یہ امتیاز ہے کہ ان کے کلام میں "عقلِ مومن" اور "وجدان" کا حسین اعتدال و امتزاج موجود ہے افتخار اعظمی نے "ارمغان حرم" کے مقدمہ میں فاضل بریلوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

"وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے ۔ اسی لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیئے ۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے چونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے"

حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری تخلیقی صلاحیت اور جدت طرازی سے آراستہ ہے ان کی اس نعت کا چرچا آج بھی ہر سمت ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا ۔۔۔ جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس نعت میں عربی ۔ فارسی اور ہندی کی اردو کے ساتھ آمیزش تو نعتیہ شاعری میں نادر الوجود نہیں کہی جاسکتی ۔ لیکن ہاں ! اس کی "لسانیاتی تثلیث" میں جو امتزاج و آہنگ ہے جو روانی اور سلاست ہے اس کی لطافت اور دلنشینی کی بازگشت سے آج بھی اردو کی نعتیہ شاعری محروم ہے شاعری واردات قلب کے آراستہ اظہار سے عبارت ہے ۔ امام احمد رضا کے ایمانی واردات جگر کو ملاحظہ فرمائیے ۔

آنکھ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی ۔۔۔ ہائے وہ دل جو ترے در سے پُر ارمان گیا

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے ۔۔۔ تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

کانٹا میرے جگر کا غم روزگار کا ۔۔۔ یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے ۔۔۔ یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اور نعتیہ مضامین میں شان تجمل کے پہلو بہ پہلو خلوص و فا کی رعنائیاں تو جیسے چھلکی پڑتی ہیں وفور شوق کے جلو میں بارگاہ مصطفےٰ کے حضور سرمایہ عقیدت کی یہ دلنواز پیش کش اردو شاعری میں کہیں کہیں ہی دکھائی دیتی ہے ۔

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر ۔۔۔ رہ گئی ساری زمین عنبر سارا ہو کر

رہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے — نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر — ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اس شعر میں "پنجاب رحمت" کی ترکیب اردو زبان کو فاضل بریلوی نے ہی دی ہے اور اسی نعت کا دوسرا شعر تو پرواز فکر اور رفعت تخیل کی آخری حدود تک پہونچ گیا ہے۔ فرماتے ہیں

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ — اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ

اس شعر کے خصوص میں میں نے دعویٰ کیا ہے کہ تخیل کی آخری حد شاعر کے ذہن میں آ بسی ہے۔ اس ادّعا کی تائید میں اقبال سہیل کو سنئے۔

چلے ہیں فاروق اس ادا سے فضائیں گونجی ہیں مرحبا سے — جو ذرے اڑتے ہیں گرد پا سے نجوم پر مسکرا رہے ہیں

شعر کا مضمون نہایت واضح ہے شاعر فاروق اعظم کا پائے ناز چومنے والے ذروں کو نجوم پر فوقیت دے رہا ہے لیکن میرے مقصد کو سمجھنے کیلئے ان دونوں شعروں میں تقابل سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تخیل اور ہے مصداق تخیل اور۔ یہاں مصداقِ تخیل سے بے نیاز ہو کر صرف شاعر کی ذہنی پرواز کا تجزیہ مقصود ہے

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے اس سرمدی شعور پر ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے جو علوئے فکر اور فنی احساسات کی لطافت سے جگمگا رہا ہے۔ انہوں نے سواری رسول ﷺ کے قدموں سے اٹھنے والی دھول کو مہر و ماہ کے لئے "مخزن اکتساب نور" بنا دیا ہے۔ ذروں اور ستاروں کا جو رشتہ انہوں نے اجاگر کیا ہے۔ وہ کتنا لطیف اور بلند ہے اسے فن شناس نگاہیں خوب جانتی ہیں۔ اقبال سہیل نے تو الفاظ کی شان و شوکت اور ترکیب کی سج دھج سے تخیل کو جلا بخشی ہے لیکن فاضل بریلوی کے یہاں پرواز فکر کی جاذبیت سے الفاظ کی رگوں میں زندگی کا تازہ لہو گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک شاعر کی نگاہ صاحب تعریف کے قدموں پر ٹھہر گئی ہے لیکن دوسری جگہ شاعر کی نگاہیں نسبت کے اعزاز تک جا پہونچی ہیں

تقابل کی بات ذہن میں آتے ہی دفعتہً فاضل بریلوی کا وہ شعر بھی یاد آ گیا جو زبان زد خاص و عام ہے

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں — سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

فن اور زبان پر زبردست عبور کی ہی بات ہے کہ اس شعر میں ہر لفظ تقابل کی علامت بن کر شاعرانہ احساسات کے سانچے میں ڈھل گیا ہے زنانِ مصر اور مردان عرب یا انگشت اور سر کا باہمی تقابل تو بالکل ظاہر ہے لیکن حسن یوسف پر انگلیوں کا کٹ جانا اور اسم مصطفےٰ ﷺ پر سر کٹا دینا اپنی جگہ پر زبردست معنویت رکھتا ہے کٹنا غیر ارادی اور اضطراری فعل ہے لیکن کاٹنا ارادہ اور مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا مجبوری اور مختاری کا آمنا سامنا ہو رہا ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام اور اسم سرور کائنات ﷺ بھی شاعر کے فکر میں روبرو ہیں حضرت کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیاری میں انگلیاں کٹتی ہیں۔ لیکن جمال مصطفےٰ کو دیکھ کر نہیں بلکہ صرف سن کر سر کٹانے کی تمنا جوان ہو گئی ہے۔ جس بارگاہ وفا میں نام کی یہ تاثیر ہو وہاں جلوۂ ذات کی تجلیات کا کیا عالم ہوگا؟ یہ فاضل بریلوی کی وہ ایمائیت ہے جہاں ٹھہر کر آپ جس قدر غور کریں گے۔ عشق مصطفےٰ کی چاشنی دو آتشہ ہوتی ہوئی محسوس ہوگی ع

جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

بڑی سچی اور منطقی بات ہے۔ لیکن یہ شاعر کی قادر الکلامی ہے کہ اس نے بہت کچھ کہہ کر بھی "تذکرہ حسن یار" کو محدود نہیں ہونے دیا ہے۔

محمد علی جوہر کا ایک نعتیہ شعر سنئے۔ جسے ان کے ایمانی احساسات کا نچوڑ سمجھنا چاہیئے

شمع ایماں کو خدا روشن رکھے — قبر میں جوہر کی پہلی رات ہے

اس شعر میں ایک عجیب کیفیت ہے اس کو بار بار پڑھیئے تو دل میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش شاعر کی یہ "پہلی رات" سب کو نصیب ہو لیکن وہ "شمع ایماں" جسے روشن رکھنے کی التجا بارگاہ رب العالمین میں پیش کی جا رہی ہے۔ کیا ہے؟ یہ فنکار کے دل میں پوشیدہ ہے۔

جذبات کے رخ پر پڑے ہوئے اس حجاب کو الٹنے کے لئے عشق رسولؐ کی جو سرمستی چاہیئے وہ جوہر کے یہاں مفقود ہے لیکن امام الکلامؒ کی یہ وارفتگی دیکھیئے جس کے بل بوتے پردہ بے حجابانہ پکار اٹھے۔

لحد میں عشق رُخِ شہ کا داغ لیکے چلے ــــ اندھیری رات سُنی تھی چراغ لیکے چلے

فاضل بریلوی کی یہ وہ خصوصیت ہے جو انہیں نعت رسولؐ کی نغمگی کا مکمل حق ادا کرتی ہے۔ ورنہ اس انجمن ناز میں سر کو لیکر جانا سب کے بس کی بات نہیں۔ ایمان و عشق کی شان ہی یہ ہے کہ پھانسی کے تختہ پر بھی اُسے تاریخ کی نگاہوں نے زندہ اور بے باک دیکھا ہے۔ ماحول کی شدید مخالفت کی چھاؤں میں بھی اس کے ماتھے پر شکست کی کوئی لکیر تلاش نہیں کی جاسکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی یہی وہ حق گوئی اور بے باکی ہے جسے کچھ لوگوں نے آئین جواں مرداں نہ سمجھ کر افراط و تفریط اور بے راہ روی کا نام دیا ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے اُن کے کلام میں شدت بھی ہے اور عقائد کا بے لاگ اظہار بھی۔ لیکن یہ شدت تو فن کی ایک خصوصیت ہے نہ کہ خامی حقیقی شاعر کے یہاں احساس و جذبہ کی شدت ایک فطری اور لازمی شے ہے۔ جہاں تک عقیدہ اور مسلک کے اظہار کی بات ہے اُس سے کسی کا اختلاف ممکن ہے لیکن خالص ادبی بنیاد پر کوئی عیب نہیں بلکہ فن کا حسن ترکیبی ہے۔ اسے خیالات کی بنیاد کو شاعرانہ محاسن کی کسوٹی بنانا میرے نزدیک ہرگز درست نہیں۔ سلامت اللہ خاں اپنے مضمون "ادب اور عقیدہ" میں لکھتے ہیں۔

"ادب عقیدہ کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جاسکتا ہے۔"

(سہ ماہی گورکھ میگزین نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء)

اور اگر ادبی تخلیقات میں مخصوص عقائد کے بیان و اظہار کو غیر پسندیدہ قرار دیدیا جائے تو پھر دانتے اور ملٹن کی شاعری اقبال و ٹیگور کے پیغام کے بارے میں بھی مسلمہ ادبی فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہ سکے گی۔ PARADISE LOST یا "مسجد قرطبہ" کی ادبی حیثیت کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا

کسی شاعر یا ادیب کے عقائد کو قبول کر لینا نقاد یا قاری کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن فن کار کا فن اگر اس کے انفرادی نظریات و خیالات پر مشتمل نہ ہو تو اس میں اعلیٰ ادب کی نمایاں خصوصیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ادیب کا انفرادی نظریہ ہی درحقیقت فن کا محرک ہوتا ہے اور ادیب میں شمع تخلیق کو روشن کرتا ہے۔

اقبال کی فلسفیت اور بین الاقوامیت بھی ان کے انفرادی نظریات و عقائد کی راہ میں حائل نظر نہیں آتی۔ وہ برملا کہتے ہیں

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ــــ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است (ارمغان حجاز)

شبلی کی جدیدیت اور ذہنی آزادی نے بھی اُن کا یہ انفرادی انداز نہیں چھینا

آستانوں کو زیارت کیلئے شد رحال ــــ اس میں کیا شان پرستاری اصنام نہیں

("اسلام کے تنزل کا اصلی سبب" کلیات شبلی اردو)

پھر فاضل بریلوی کے افکار و عقائد کا اظہار ادب کے ظرف میں کیوں "افراط و تفریط" کا زہر گھولنے لگتا ہے اسے سمجھنے سے اب تک میں قاصر رہا ہوں۔

بتوں نے لوٹ لی ساری خدائی ــــ خدا کے پاس اب رکھا ہی کیا ہے

ایک مادہ پرست ادیب کا شعر جب ادب کے شیش محل میں کوئی زلزلہ پیدا نہیں کر سکا تو پھر فاضل بریلوی کے مذکورہ ذیل اشعار سے ادب کی دھرتی کیوں کانپتی ہے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام جان کافر پر قیامت کیجئے

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

شاعری کی صالح و پاکیزہ ذہنی آزادی کا تنقید کے نام پر استحصال ادب کی وقعت کو کم کرنا ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر

فاضل بریلوی پر ادبی مضامین" افراط و تفریط" کا الزام لگانے والوں سے اس لئے میری اپیل ہے کہ وہ" ادب اور عقیدہ" کے اٹوٹ رشتہ اور اس کی اہمیت پر اچھی طرح غور کریں۔ جہاں تک اختلاف مسلک کی بات ہے اس کا تعلق "دینیات و مذہبیات" سے ہے۔ ادب میں دوسرے موضوعات کے اصولوں کو عیب و ہنر کی تشخیص کی بنیاد سمجھنا بے اصولی ہے جس سے احتراز کرنا ادب اور ادیب دونوں کی آبرو کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

امام احمد رضا امام شعر و سخن

مولانا وارث جمال بستوی میرٹھ اور بہ اوَن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مبارکپور پہنچے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ فی الحال بمبئی میں بزنس کر رہے ہیں۔ پھر بھی دینی امور کی انجام دہی کے جذبات سے مغلوب رہتے ہیں۔ اب تک آپ کی متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ انداز تحریر صاف ستھرا، تحقیقی و معلوماتی ہے جس کی دلیل زیر نظر مقالہ ہے۔ (ادارہ)

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

نعت گوئی کی تاریخ بہت پرانی ہے اس کا تعلق براہ راست عہد ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے ہے درباری شعراء کی حیثیت سے حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم نمایاں طور پر شہرت کے بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ احادیث و سیر کی کتابوں میں جن کا تذکرہ شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شاعری کے جملہ اصناف میں نعت گوئی بہت مشکل فن ہے اس کے لیے جذبۂ اخلاص و محبت اور گہری عقیدت کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن اور حدود شناسی کی بھی شدید ضرورت ہے اسی لیے عرفی شیرازی فرماتے ہیں

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

نعت رسول کی پہلی شرط قلب کا عشق رسول ﷺ سے معمور ہونا ہے۔ رہ گئی فصاحت و بلاغت حلاوت و ملاحت، لطافت و نزاکت اور شاعری کے جملہ اصول کی بالکلیہ رعایت تو یہ بعد کی چیز ہے۔ حالانکہ شاعر کو جب تک محبوب کائنات حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ سے گہرا شغف اور والہانہ شیفتگی نہ ہوگی بات نہ بنے گی۔

اس نظریے سے امام احمد رضا کا دیوان حدائق بخشش پڑھتے جائیے۔ سطر سطر سے عشق و عقیدت کا پھوٹتا ہوا آبشار نظر آئے گا۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

دل میں جو چوٹ تھی دبی ہائے غضب ابھر گئی پوچھو تو آہ سرد سے ٹھنڈی ہوا چلائی کیوں

تو نے تو کر دیا طبیب آتش سینہ کا علاج آج کے دود آہ میں بوئے کباب آئی کیوں ؟

حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ کی اے رضا ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

امام احمد رضا نے ہزلیات ولغویات نیز ذوق سخن سازی اور مشق خیال آرائی سے بہت دور ہٹ کر فن سخن کے تقریباً جملہ اصناف پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور حق یہ ہے کہ ہر صنف میں شعر گوئی کا حق ادا کر دیا ہے آپ کا ایک مشہور مقطع ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

یہ کوئی تعلّی نہیں بلکہ حقیقت اور تحدیث نعمت ہے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، قطعات، رباعیات، استعارات، تشبیہات، اقتباسات، حسن تعلیل، ندرت تخئیل، جدت تمثیل، صنعت تلمیح، صنعت طباق وتضاد، صنعت اتصال تربیعی، صنعت تجنیس، تجنیس تماثل، تجنیس مستوفی، تجاہل عارفانہ، مراعات النظیر وغیرہ وغیرہ کا وہ کون سا قابل ذکر میدان ہے جس میں شعروادب کے امام نے اپنی طبع رواں کا جوہر نہیں دکھایا؟ رہ گئی فصاحت بلاغت حلاوت وملاحت لطافت ونزاکت تو یہ بقول عابد نظامی یہ ان کے ہاں کی لونڈیاں ہیں۔ (۱)

یہ ادائے محض نہیں بلکہ اس کے شواہد ونظائر ہیں (جو آگے آرہے ہیں) اور کہیں کہیں تو جلوؤں کے خمار کے مدہوش کن عالم میں جہاں پہنچ کر شعور کو بھی نیند آجاتی ہے۔ وہاں پر امام احمد رضا کے پاس شرع احتیاط فی الدین اور شریعت مطہرہ کی حرمتوں کا احترام دیکھ کر اغیار ومخالفین اور عشق رسالت میں غلو کا الزام دینے والوں تک کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

جب رسول ﷺ کے بادۂ پر کیف میں سرشار رہنے والا عاشق گنبد خضراء کی ٹھنڈی چھاؤں میں پہنچ کر جذبات کے تلاطم اور اس کی حشر آفرینیوں کے باوجود شریعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ گنبد خضرا پر نظر پڑی دل کی چوٹ ابھر آئی۔ آنکھوں نے گوہر آبدار برسایا اور جذبات کی حشر خیزی نے شعر کا لباس پہن لیا۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو!

عشاق روضہ سجدے میں سوئے حرم جھکے اللہ جانتا ہے کہ نیّت کدھر کی ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ جس کوچہ جاناں سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق صادق کے لئے سرمایۂ حیات اور حاصل زندگی ہے کیوں کہ اس کے بغیر عاشقان جاں سوختہ کی بحر حیات سے سرور کی وہ موج نہیں اٹھ سکے گی جو ماضی حال اور مستقبل کی سرحدوں کو مٹاتی ہوئی ابدیت کی ان گہرائیوں سے جا ملتی ہے جہاں سے ستاروں کو روشنی، دریاؤں کو روانی، پھولوں کو مہک اور آبشاروں کو ترنم عطا ہوتا ہے۔

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ

مہر عالم تاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز پیش ذرات مزار بے دلان سوختہ

کوچۂ گیسوئے جاناں سے چلے ٹھنڈی نسیم بال و پر افشاں ہوں یارب بلبلان سوختہ

اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

شریعت کے حدود میں رہ کر شعر کہہ لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس فن میں امام احمد رضا اپنے عہد کے میر کارواں ہیں غیر منقسم برصغیر میں فن نعت گوئی کی امامت کا زریں تاج آپ ہی کے سر زیبا پہ رکھا گیا۔ اظہار نعمت کے طور پر خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم — نہیں ہند میں واصفِ — یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں

نعتیہ شاعری کا یہ کمال اکہ شاعر کے فن سے زیادہ اس کے کمال عشق کا سکہ دلوں پر بیٹھ جائے۔ فن شاعری میں امام احمد رضا کسی کے شاگرد نہیں تھے بلکہ عاشق صادق تھے فیضان عشق رسالت نے انہیں وہ سب کچھ دے دیا کہ بس سوچا کیجئے ؎

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی — چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں — بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لیے — آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

اب ہم ذیل میں شعر و سخن کے چند مشہور اصناف اور ان کے تحت امام احمد رضا کا کلام پیش کرتے ہیں۔

غزل

اس نظم کو کہتے ہیں جس میں حسن و عشق، اخلاق و تصوف وغیرہ مختلف مضامین ہوں اور ہر الگ مضمون کا ہو جیسے امام احمد رضا کی نعتیہ غزل ؎

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو — پھر دکھا دے وہ رخِ اے مہر فروزاں ہم کو

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی! — پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

تنگ آئے ہیں دو عالم تیری بیتابی سے — چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو

نیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے۔ — تیز ہے دھوپ ملے سایہ داماں ہم کو

چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے وحشت دل — پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو

پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار — اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو

اے رضاؔ وصف رخ پاک سنانے کیلئے — نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

(حدائق بخشش حصہ اول ص ۵۶)

قصیدہ | اس نظم کو کہتے ہیں جو کسی کی تعریف و تحسین میں لکھی گئی ہو اور اس کی شکل غزل سے ملتی جلتی ہو اور ہر شعر مطلع سے ہم قافیہ ہو

مثلاً ۶۷۔ اشعار پر مشتمل قصیدہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا!

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا — مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا — نور دن دونا تیرا دے ڈال صدقہ نور کا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا — سایہ کا سایہ نہ ہوتا اور نہ سایہ نور کا

بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا — ماہِ نو طیبہ میں بٹتا ہے جھینہ نور کا!

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا!

نرگسیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال | ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں | کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا !
ایک سینہ سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک | حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں | خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا !
ک گیسو ۔ ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ۔ ص | کہیعص ان کا ہے چہرہ نور کا !
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے ۔ | ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

مثنوی

وہ نظم ہے جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آئے اور ہر شعر کا قافیہ پہلے شعر کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اپنے وقت کے مولانا روم امام احمد رضا بارگاہ صمدیت میں عرض کناں ہیں۔ ۔ ۱۹۳۱ء اشعار میں سے صرف چند

اے خدا اے مہرباں مولائے من ! | اے انیس خلوت شبہائے من
اے کریم کارساز بے نیاز ! | دائم الاحساں شہ بندہ نواز !
اے بیادت نالۂ مرغ سحر | اے کہ ذکرت مرہم زخم جگر
ما خطا آریم و تو بخشش کنی | نعرہ انی عفور ہمی زنی ! !
اے خدا بہر جناب مصطفےٰ | چار یار پاک و آل با صفا
بہر جیب چاک عشق نامراد | بہر خون پاک مردان جہاد
پر کن از مقصد تہی دامان ما | از تو پذرفتن زما کردن دعا

ترجمہ :۔ اے میرے خدا تو میرا مہربان والی ہے۔ میری راتوں کی تنہائی کا مونس ہے۔ شان بے نیازی کے باوجود تو وہ کارساز کریم ہے جو ہمیشہ احسان فرماتا ہے اور تو وہ شہنشاہ ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔
مرغ سحر کی آہیں تیری یاد میں ہیں اور تیرا ذکر زخمی دل کے لیئے مرہم ہے ہم غلطیاں کرتے ہیں تو بخشش فرماتا ہے۔ تیرا ارشاد ہے کہ میں بخشنے والا (مہربان) ہوں۔
اے رب کریم مصطفےٰ پیارے کے لیئے، ان کے پاک صحابہ کے لیئے، آل باصفا کے لیئے صدقہ اس پاک دامن کا جو عشق نامراد سے تار تار ہوا اور اس مقدس خون کا واسطہ جو مردوں نے میدان جہاد میں بہایا۔ ہماری خالی جھولیاں مقصد سے بھر دے۔ میرا کام دعا کرنا ہے۔ تیرا کام قبول فرمانا۔

رباعی

اس نظم کو کہتے ہیں جس میں صرف چار مصرعے ہوں۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو۔ دوسرا شعر خصوصاً چوتھا مصرعہ نہایت بلند و عجیب ہو تاکہ سننے والا متحیر ہو جائے (تاریخ و تنقید حامد حسن قادری ص ۱۱۵)

حضرت محسن کاکوروی کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ فرمائیں ۔

دنیا میں اور رسول لاکھ سہی | ہے خاتمۂ حسن عناصر ان پر
زیبا ہے مگر حضور کو تاج شہی | ہیں مصرعہ آخر اس رباعی کے وہی

ساتھ ہی امام احمد رضا کی بھی دو رباعیاں درج ذیل ہیں۔ دونوں کو سامنے رکھ کر تعریف کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں ۔

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ | ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ـــــ ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

ہے جلوہ گہہ نور الٰہی وہ رُو ـــــ قوسین کے مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں نہیں یہ سبزۂ مژگاں کے قریب ـــــ چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

مستزاد غزل، رباعی یا اور کسی نظم کے ساتھ ایک ایک موزوں فقرہ ملحق کر دیں تو اسے مستزاد کہتے ہیں۔

امام احمد رضا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور رمدح سرا ہیں ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ـــــ ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بنایا

...... تجھے حمد ہے خدایا

وہ کواری پاک مریم وہ نفخت فیہ کا دم ـــــ ہے عجب نشان اعظم مگر آمنہ کا جایا

...... وہی سب سے افضل آیا

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو ـــــ میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا

...... نہ کوئی گیا نہ آیا!

ہمیں اے رضا تیرے دل کا پتہ چلا بمشکل ـــــ درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا

...... یہ نہ پوچھو کیسا پایا؟

کبھی خندہ زیرِ لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے ـــــ کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا

...... نہ اسی نے کچھ بتایا

کبھی خاک پر پڑا ہے سرِ چرخ زیرِ پا ہے ـــــ کبھی پیش در کھڑا ہے سرِ بندگی جھکایا

...... تو قدم میں عرش پایا

کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کی بارش ـــــ کبھی وہ ہجوم نالش کوئی جانے ابر چھایا

...... بڑی جوششوں سے آیا

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل ـــــ کبھی زیرِ لب فغاں ہے کبھی چپ کہ دم نہ تھا یا

...... رُخ کام جاں دکھایا

یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہے مشکل ـــــ تیری قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا

میں انہیں شفیع لایا

صنعت اتصال تربیعی ایسے چار مصرعوں کا مجموعہ جس کے آخر میں وہی کلمہ رکھا جائے جو مصرعہ کا ابتدائی کلمہ ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے یہ اشعار جو سیدنا غوث الاعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں فرمائے "صنعت اتصال تربیعی" کا نمونہ ہیں۔

جانت بالا تر زوہم جانہا ـــــ جانہا خود ہست بہر پائے ہا!

پانہا چہ بود کہ سرہا زیر پات ـــــ پات ہم کے چوں فرد آئی زجات

بہت سے قابل ذکر شعراء کے دواوین نظروں سے گزرے مگر اس عجیب ترین صنعت سے ان کے دیوان خالی ہی ملے۔

عظمت خداداد کو عقیدتوں کا خراج پیش کیجئے کہ ایسی ایسی مشکل ترین صنعت پر رہوار قلم کو ذرا بھی جھجک نہیں، سمند تخیل زیبا کو شرما رہا ہے اہلسنت کے عظیم تر امام۔ چودھویں صدی کے مجدد اعظم نے طبع رواں کے کیسے کیسے جوہر دکھائے عقل حیران ہے کہ کتنے علوم و فنون کی امامت کا زریں تاج ان کے سر پر رکھا گیا تھا بالکل بجا فرمایا ہے آپ نے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم　　　جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مگر اپنے تذکروں اور تاریخوں میں ٹھیکیداران ادب کا تذکرۂ رضا سے یہ اغماض بے اعتنائی اور تغافل، قصداً، ایک بڑے المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اجارہ داران ادب کے کاروبارانہ، منافقانہ، مصلحت کوشانہ اور غیر مورخانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے انہوں نے ادب برائے ادب کو ادب برائے تجارت کی شکل دے کر ایسی علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے جو ناقابل معافی اور شعر و ادب کے روشن اور تابناک پیشانی پہ ایک بدنما داغ ہے۔

انہیں چاہیے تو یہ تھا کہ نعت گو شعراء کے ایسے جلیل القدر امام کے تذکرے کو امتیازی حیثیت دیتے مگر یا للعجب امتیازی حیثیت تو الگ رہی۔ یہاں تو سرے سے کوئی حیثیت ہی دینے کے لیئے تیار نہیں۔ غالباً اس مذموم جذبے کا محرک کوئی ذاتی مصلحت ہے یا پھر تاریخ ادب اُردو سے عدم واقفیت! بر تقدیر اول اسے اردو تاریخ کی تذکرہ نگاری کے بجائے ادب کی بردہ فروشی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وقت کے ایک عظیم ترین نعت گو شاعر کے ذکر سے ادب کے، سارے تذکرے یکسر خالی ہوں، حالانکہ شعر و ادب کے اس رجل عظیم کو اپنی شاعری کا کوئی پندار ہی نہیں اور نہ ہی نام و نمود کی کوئی خواہش! ؎

نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے　　　ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنّا

تاجران ادب نے ادبی خدمات کی آڑ میں شعر و ادب کی حرمتوں کا جو خون کیا ہے۔ اس کے لیئے انہیں وقت کے متدین اور منصف مزاج مورخ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔ ؎

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا　　　قریب ہے یار و روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر

اب بھی وقت ہے دعویداران ادب کے لیئے کہ وہ اپنے اس جرم کا کفارہ ادا کریں ورنہ مستقبل قریب کا منصف مزاج مورخ انہیں معاف نہیں کریگا۔ ؎

کیوں دیتے ہو الزام میرے دیدۂ نم کو　　　تم اپنے تغافل کا گلہ کیوں نہیں کرتے

صنعت طباق و تضاد

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کے ضد ہوں۔ خواہ وہ دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف

جیسا کہ امام احمد رضا کے درج ذیل اشعار میں صنعت طباق و تضاد ہے۔ ؎

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے　　　پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں　　　یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پہلے شعر میں ہلکا اور بھاری اور دوسرے شعر میں کمال و نقص ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ ؎

دیکھو میرے پلہ پہ وہ اچھے میاں آیا!　　　نامہ سے رضا کے اب مٹ جاؤ برے کامو

اس شعر میں بُرے اور اچھے ایک دوسرے کے ضِد ہیں۔ ؎

بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا　　کھل گیا گیسو ترا رحمت کا بادل گھر گیا

اِس شعر میں بڑھ چلی اور گھٹا یہ دونوں شعر ایک دوسرے کے ضد ہیں نیز ضیا اور اندھیر ایک دوسرے کے ضد ہیں۔

صنعت تجنیس کلام میں دو ایسے لفظ لانا جو بولنے یا لکھنے میں مشابہ ہوں اور معنی میں مخالف اِس کی کئی صورتیں ہیں۔

تجنیس مماثل کلام میں دو ایسے لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں مگر معنی میں مختلف لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف۔ مثلاً امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

جو گدا دیکھو لیئے جاتا ہے توڑا نور کا　　نور کی سرکار ہے کیا اِس میں توڑا نور کا

اس شعر میں تجنیس مماثل ہے پہلا توڑا ٹکڑا کے معنی میں ہے اور دوسرا توڑا کمی کے معنی میں اور یہ دونوں لفظ اسم ہیں۔ ؎

رسل و ملک پہ درود ہو کوئی جانے انکے شمار کو　　مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے

اس شعر میں تجنیس مماثل ہے پہلا شمار گنتی کے معنی میں ہے اور دوسرے شمار سے قیامت کا دن مراد ہے ؎

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی　　چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

اس شعر میں بھی تجنیس مماثل ہے۔ پہلا لفظ بدلی (ایک دوسرے کے بعد آنا) کے معنی میں ہے اور دوسرا بدلی ابر یعنی بادل کے معنی میں آیا ہے۔ ؎

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا　　مہر سنت ماہ طلعت لے لے بدلہ نور کا

یہاں بھی تجنیس مماثل پایا جاتا ہے پہلا بدلا تغیر و تبدل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور دوسرے بدلے سے مراد انتقام ہے۔

تجنیس مستوفی کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں یکساں اور معنی میں مختلف ہوں مگر یہ ضروری ہے کہ ان میں ایک لفظ اگر اسم ہے تو دوسرا فعل یا حرف ہو اور اگر فعل ہے تو دوسرا اسم یا حرف ہو اور اگر حرف ہے تو دوسرا اسم یا فعل ہو۔ جیسے امام احمد رضا کا یہ شعر ؎

صدقے میں تیرے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول　　اِس غنچہ دل کو بھی تو ایماء ہو کہ بن پھول

اس شعر میں تجنیس مستوفی ہے پہلا بن جنگل کے معنی میں ہے اور دوسرا بن ہو جا کے معنی میں ہے جس کا مصدر آتا ہے بننا پہلا لفظ بن۔ اسم ہے اور دوسرا فعل ہے ؎

مومن ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے　　تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

اس شعر میں بھی تجنیس مستوفی ہے۔ پہلے شعر میں مرے فعل ہے اور دوسرے شعر میں مرے اسم ہے جو دل کی صفت ہے۔ یعنی منکرین عظمتِ رسالت اگر بالفرض چند در چند مادی مصالح کی بنا پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم بھی کریں گے تو بالکل مردہ دل سے۔ یَفْعَلُوْنَ رِیَاءَ النَّاس۔

صنعت تلمیع ایسی نظم لکھنا جس کے ہر شعر کا ایک حصہ ایک زبان میں ہو اور بعض حصہ دوسری زبان میں ہو جیسے امام احمد رضا کے یہ نعتیہ اشعار جو بارگاہِ رسالت میں پیش کئے ہیں۔ ؎

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا　　جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی ! — توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی میری شب نے نہ دن ہونا جانا

لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابر اجل — تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

القلب شجٍ والھم شجون دل زار چناں جاں زیر چنوں — پت اپنی بپت میں کاسے کہوں میرا کون ہے تیرے سوا جانا

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا — ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

قصیدہ مرصعہ | وہ قصیدہ ہے جو مطلع یا حسن مطلع کے بعد کم از کم اٹھائیس ۲۸ اشعار پر اس طرح مشتمل ہو کہ ہر پہلے مصرعہ کے آخر میں حروف تہجی کا بالترتیب ایک حرف آتا جائے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ اس زمین پر بھی کسی شاعر نے طبع آزمائی کی۔ مگر بحمدہ تعالیٰ اقلیم سخن کے تاجدار سیدنا مولانا امام احمد رضا نے شعر و نغمہ کی اس زمین میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے۔ جس کا ردیف نبوت قصیدہ درود شریف ہے۔ ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں یہ قصیدہ اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں ؎

مطلع :- کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں درود — طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

حسن مطلع :- شافع روز جزا تم پہ کروروں درود — دافع جملہ بلا تم پہ کروروں درود !

(الف) اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

ب۔ ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب — نام ہوا مصطفےٰ تم پہ کروروں درود

ت۔ تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات — اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروروں درود

ث۔ تم ہو حفیظ و مغیث کیا ہے وہ دشمن خبیث — تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروروں درود

ج۔ وہ شب معراج راج وہ صف محشر کا تاج — کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروروں درود

ح۔ جان و جہان مسیح داد کہ دل ہے جریح — نبضیں چھٹیں دم چلا تم پہ کروروں درود

خ۔ اف وہ رہ سنگلاخ آہ یہ پا شاخ شاخ ! — اے مرے مشکل کشا تم پہ کروروں درود

د۔ تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود — تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروروں درود

ذ۔ خستہ ہوں اور تم معاذ بستہ ہوں اور تم ملاذ — آگے جو شہ کی رضا تم پہ کروروں درود

ر۔ گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو و غفور ! — بخش دو جرم و خطا تم پہ کروروں درود

ز۔ بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز — ایک تمہارے سوا تم پہ کروروں درود

س۔ آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمہاری ہے آس — بس یہی ہے آسرا تم پہ کروروں درود

ش۔ طارم اعلیٰ کا عرش جس کف پا کا ہے فرش — آنکھوں پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

ص۔ کہنے کو ہیں عام و خاص ایک تمہیں ہو خلاص — بند سے کر دو رہا تم پہ کروروں درود

ض۔ تم ہو شفائے مرض خلق خدا خود غرض — خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروروں درود

ط۔ آہ وہ راہ صراط بندوں کی کتنی بساط — المدد اے رہنما تم پہ کروروں درود

ظ۔ بے ادب و بد لحاظ کر نہ سکا کچھ حفاظ — عفو پہ بھولا رہا تم پہ کروروں درود

ع۔ لو تہ دامن کی شمع جھونکوں میں ہے روز جمع — آندھیوں سے حشر اٹھا تم پہ کروروں درود

غ۔ سینہ ہے کہ داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ — طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروڑوں درود

ف۔ گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف — لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود!

ق۔ تم نے برنگ فلق جیب جہاں کر کے شق — نور کا تڑکا کیا تم پہ کروڑوں درود!

ک۔ نوبت در ہیں فلک خادم در ہیں ملک — تم ہو جہاں بادشاہ تم پہ کروڑوں درود

ل۔ خلق تمہاری جمیل خلق تمہارا جلیل — خلق تمہاری گدا تم پہ کروڑوں درود

م۔ طیبہ کے ماہ تمام جملہ رسل کے امام — نوشہ ملک خدا تم پہ کروڑوں درود!

ن۔ برسے کرم کی بھرن پھولیں نعم کے چمن — ایسی چلا دو ہوا تم پہ کروڑوں درود

و۔ اپنے خطا واروں کو اپنے ہی دامن میں لو — کون کرے یہ عطا تم پہ کروڑوں درود

ہ۔ کر کے تمہاری گناہ مانگیں تمہاری پناہ — تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

ی۔ ہم نے خطا میں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی — کوئی کمی سرورا تم پہ کروڑوں درود

ے۔ کام غضب کے کئے اس پہ ہے سرکار سے — بندوں کو چشم رضا تم پہ کروڑوں درود

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے — ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

تلمیح

متکلم کا اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا کسی مشہور شعر، کہاوت یا کسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرنا۔

رجعت شمس اور معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا — گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لیے

شب ہجرت میں پیش آنے والے غار ثور کے اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ؎

صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے — اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے۔

جنگ بدر میں کفار و مشرکین پر ایک مشت خاک اٹھا کر پھینک دیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

ہیں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ — جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا!

بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔ ؎

ان پر کتاب اتری تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ — تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

پہلے مصرعہ میں اشارہ ہے آیۃ کریمہ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کی طرف اور دوسرے مصرعہ میں مَا عَبَرَ وَمَا غَبَرَ (جو کچھ گزر گیا اور جو کچھ باقی رہا) سے مراد یہ حدیث فِيهِ نَبَأُ مَنْ قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَنْ بَعْدَكُمْ ہے یعنی قرآن شریف میں تم سے اگلوں اور پچھلوں سب کے احوال کی خبر ہے۔ ؎

لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

حسن تعلیل

کسی وصف کے لیے ایسی علت کا دعویٰ کرنا جو حقیقی نہ ہو لیکن اس میں کوئی ندرت و عمدگی ضرور ہو۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں۔ ؎

ا۔ خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے — سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں — مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

مفہوم کی جستجو کیجئے، معنی آفرینی سے کام لیجئے۔ تخیل کی ندرت پہ عش عش کیجئے!

اور سب سے اہم بات یہ کہ کسی گدائے عشق کی نگاہ سے محبوب کی رہگذر کے ان ذرات کو آنکھوں میں بسا لیجئے جن سے کہکشاں کا جمال شرمندہ ہو جائے پھر جا کے کہیں محبوب دو عالم کی حقیقی عظمتوں کی ایک ہلکی سی جھلک ملے گی۔

حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضا — ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

اقتباس

کلام میں قرآن یا حدیث کا کوئی ایسا ٹکڑا لایا جائے جس کو بعینہ قرآن کی آیت یا حدیث نہ کہا جائے۔

امام احمد رضا بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ — پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

قرآن عظیم میں ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (الآیۃ) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اس کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں (ترجمہ رضویہ)

نہ عرش ایمن اِنّی ذَاهِبٌ میں میہمانی ہے — نہ لطف اُدْنُ یَا اَحْمَدُ نصیب لَنْ تَرَانِی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهْدِیْن میں اپنے رب کے پاس جاؤں گا وہ مجھے راہ دکھائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ شب معراج اللہ رب العزت نے محبوب سے ارشاد فرمایا۔

اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ پاس آ۔ اے احمد، پاس آ اے محمد، پاس آ اے سارے جہاں سے بہتر۔

کھلے کیا راز محبوب و محب مستان غفلت پر — شراب قَدْ رَاَ الْحَقَّ زیب جام مَنْ رَآنِی ہے

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ رَآنِی فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ یعنی جس نے مجھے دیکھا اسے دیدار الٰہی نصیب ہوا۔

مراعات النظیر

چند چیزوں کا ذکر کرنا جن کی آپس میں مناسبت ہو تضاد نہ ہو۔

امام احمد رضا کے یہ اشعار مراعات النظیر کے نمونہ ہیں۔

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ — مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

عطر، دلہن پھول، گل ان کی آپس میں مناسبت ہے تضاد نہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں — یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پھول، خار، شمع دھواں ان کی آپس میں مناسبت ہے۔

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا — گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے۔

مصرعہ اولیٰ میں باغ، غنچہ، گل آپس میں مناسبت ہے اور مصرعہ ثانی میں کلیوں، باغ پھولے اور گلوں کی آپس میں مناسبت ہی ہے کوئی تضاد نہیں۔

لف ونشر مرتب

یہ ہے کہ پہلے متعدد اشیاء کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً کیا جائے پھر ان میں ہر ہر شئی کے لئے ایک مناسب بات بغیر تعیین کے لائی جائے۔

جیسا کہ امام احمد رضا کے درج ذیل اشعار میں لف ونشر مرتب پایا جاتا ہے۔

خوار و بیمار و خطا دار گنہ گار ہوں میں ۔۔۔ رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں ۔۔۔ کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

یعنی حضور سید الانبیاءؐ نے بزرگی کے مرتبے کو زینت بخشی ہے جہاں وہم گمان کے پر جلتے ہیں خود فرماتے ہیں یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے جانا نہیں۔ اور کرم یہ کہ ہم عصیاں شعاروں میں تشریف لائے ایک پیکر نور کا آخر ہم خاک زادوں سے نسبت ہی کیا مگر یہ ان کا کرم ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا ۔ ؎

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی ۔۔۔ ہیں درِ عدن، لعلِ یمن مشکِ ختن پھول

یعنی عدن کا موتی دندان مبارک کا شیدا ہے اور یمن کا لعل لب اعجاز نبوت پر نچھاور! اور ملک ختن کا مشک زلف عنبریں کا فدائی اور پھول رخِ زیبا پر قربان!

حضور آفتاب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و زیبائی اور جمال و رعنائی کے ایسے پیکر مجسم تھے جو اپنی مثال آپ تھے۔ ؎

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا ۔۔۔ کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

کسی شخص کے قد و قامت کی تعریف زیادہ سے زیادہ ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے کہ وہ سرو قد اور شمشاد قامت ہے مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قد زیبا کو یہ استعارے چھو نہیں سکتے۔ ؎

تیرا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے ۔۔۔ نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

لالہ و گل یاسمین نسترن، سنبل و نرگس، آفتاب و ماہتاب لعل یمن، درِ عدن، مشکِ ختن، عنبر سارا دلنواز تبسم، شگفتہ غنچہ اور نجم السحر انسانی حسن و جمال اور اس کی خوبی و رعنائی کے یہ تمام استعارے ہیں مگر محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال کے شرح و بیان کے لیئے یہ سب استعارے ناقص، ادھورے نا تمام اور تشبیہہ و مماثلت کی سطح سے بہت فروتر ہیں۔ ؎

رخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ ۔۔۔ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

امام احمد رضا نے اس حقیقت صادقہ کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ اسی لیئے اس میدان میں آپ کا کوئی حریف نہیں حتیٰ کہ لسان العرب حضرت امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ شریف بھی سبقت نہ لے جا سکے امام بوصیری نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے۔ ؎

کَالزَّھْرِ فِیْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِیْ شَرَفٍ ۔۔۔ وَالْبَحْرِ فِیْ کَرَمٍ وَالدَّھْرِ فِیْ ھِمَمٍ

یا رسول اللہ تازگی میں حضور شگفتہ غنچہ ہیں اور شرف و بزرگی میں چودھویں کی چاند جود و عطا میں دریا اور ہمت عالی میں دہر (یعنی زمانہ کی طرح وسیع ہیں)

کَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْنُ فِیْ صَدَفٍ ۔۔۔ مِنْ مَّعْدَنَیْ مَنْطِقٍ مِّنْہُ وَمُبْتَسَمٍ

آپ کے دندان مبارک گویا موتی ہیں جو ایسے صدف میں پوشیدہ ہیں جس کا ایک معدن نطق اور دوسرا تبسم ہے۔ مگر جمال مصطفےٰ کے شرح و بیان کے لیئے امام احمد رضا نے بھی استعارے استعمال کئے۔ تشبیہہ کی یہ ندرت اللہ اکبر! جس کا جواب نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ؎

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی ۔۔۔ ہیں دُرِ عدن لعل یمن مشک ختن پھول

تشبیہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی صفت میں شریک قرار دینا حرف کے ذریعے کسی غرض سے مدح حبیب میں امام احمد رضا کے یہ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔ ؎

دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پا چاند سا　　　سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

کف پا مشبہ، چاند مشبہ بہ، سا، حرف تشبیہ، وجہ تشبیہ چمک دمک ؎

عرش سا فرش زمیں ہے فرش پا عرش بریں　　　کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے۔

عرش مشبہ، فرش زمین مشبہ بہ، سا حرفِ تشبیہ وجہ شبہ سج دھج

تجاہل عارفانہ کسی نکتہ کے سبب کی بات سے جان بوجھ کر انجان بننا۔ (نسیم البلاغت ص۶۰)

جیسے امام احمد رضا کا یہ نعتیہ شعر ؎

ارے او خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو　　　میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا نہ کوئی گیا نہ آیا

استعارہ کسی لفظ کے حقیقی معنی کو ترک کر کے اسے مجازی معنی میں استعمال کرنا جب کہ دونوں میں معنی تشبیہ کا تعلق ہو۔ (دروس البلاغت مع حدود الفصاحت ص۱۵۱)

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب　　　سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

مصرعہ ثانیہ میں سورج سے مراد ذاتِ رسالت ہے کیونکہ آسمان والا سورج دلوں کو نہیں چمکاتا اور دونوں معانی کے درمیان شبہ تنویر ہے۔ امام احمد رضا نے سورج کے ساتھ سچے کی صفت لگا کر مستعار لہ کی ذات کو مستعار منہ کی ذات سے افضل ہونا واضح کیا۔

مقابلہ ذکر کرنا چند معانی کا جو آپس میں موافق ہوں پھر ہر معنی کے مقابلے میں اس کے اضداد کا ذکر کرنا جیسے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۝

امام احمد رضا فرماتے ہیں۔ ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں　　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسا ہے جہاں فن اپنے پورے کمال کے ساتھ جلوہ افروز ہے نیز محبت اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ سرچشمہ حیات لیئے زمین کی وسعتوں سے لیکر آسمان کی بلندیوں تک محبوب کے نت نئے بکھرے ہوئے جلووں میں نہائی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر ان کا ادراک ایک گدائے عشق کا شعور ہی کر سکتا ہے جو کس قدر بیدار ہے ملاحظہ ہو۔ ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

(۱) وہاں حسن یہاں نام (۲) وہاں کٹنا جو عدم قصد پر دلالت کرتا ہے اور یہاں کٹانا کہ قصد و ارادہ بتاتا ہے (۳) وہاں مصر کہ اس کی تمدن معاشرت، علم، تہذیب شائستگی، شرافت۔ متانت کا غلغلہ اور یہاں عرب کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی جہالت و سرکشی، جناثت و کجروی تمرد و خودسری کا شہرہ (۴) وہاں انگلی، یہاں سر۔ (۵) وہاں سبک خرام نازک اندام صبح بہار کی طرح نکھری ہوئیں تر و تازہ حسینائیں اور یہاں جنگجو قبائل کے مردان شیر افگن کہاں زنان مصر اور کہاں مردان عرب! (۶) وہاں انگلیاں کٹیں جو ایک بار وقوع پذیر ہونا بتاتا ہے اور یہاں کٹاتے ہیں جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور جدت تمثیل کی یہ نظیر شعراء کے دواوین جس کی مثال سے خالی ہیں۔ سیدنا حسن مجتبی و حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں عرض کرتے ہیں۔ ؎

ایک سینہ سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک　　　حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں　　خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

خطِ توام ایسا خط کہ جس کے ذریعے اہم اور نازک ترین راز پہنچایا جائے اور یہ طریقہ زیادہ تر اعلیٰ خاندان کی وہ ذی حیثیت عورتیں اختیار کرتیں جو اپنے سے فروتر مرد کے دام عشق میں گرفتار ہوتیں اگر محبوب کو کوئی اطلاع دینا مقصود ہوتا تو کسی محرم راز ٹرینڈ (TRAINED) کر کے اس کے ذریعے وہ خط پہنچاتیں۔

خط لکھنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا۔ پہلے ایک کاغذ کے دو حصے کئے جاتے اور جملے کا حرف ایک حصے پر اور دوسرا حرف دوسرے حصے پر لکھا جاتا اس طرح پورا خط لکھا جاتا پہلے ایک ہی حصے کو تنہا بھیجا جاتا۔ جب وہ منزل پر پہنچ جاتا تب دوسرا ارسال کیا جاتا جب خط کے دونوں حصے محبوب تک پہنچ جاتے تو وہ ان دونوں کو سامنے رکھ جوڑتا پھر آسانی کے ساتھ پورا خط مکمل ہو جاتا پھر وہ اسی طریقے پر جواب بھی دیتا۔ جب تک دونوں صفحے اکٹھے آمنے سامنے نہ ہوں گے مقصد حاصل نہ ہو گا۔

خط توام کے اس مفہوم کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آئیے۔ امام احمد رضا کے اس شعر پر غور کریں خط توام کا مطلب نمایاں طور پر واضح ہو جائے گا۔ حضرت سرکار حسن مجتبیٰ اپنے نانا حضور سے سینہ تک مشابہ تھے اور امام عرش مقام شہید کربلا گلگوں قبا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ سے قدم ناز تک ہم شبیہ حضور رحمت للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اگر جسمانی سراپا دیکھنا ہو تو اِمَامَیْنِ الْکَرِیْمَیْنِ الْمَظْلُوْمَیْنِ حضرت امام حسن و سیدنا حسین کو ایک جگہ دیکھ لو! شکل پاک رسالت اپنے پورے وجود کے ساتھ واضح طور پر نمایاں نظر آئے گی۔

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک　　حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں　　خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

مرکز ہجوم آرزو زندگی کا یہ کارواں تمناؤں کے ہجوم میں آگے بڑھتا ہے۔ شام ولولۂ شوق میں گزارتا ہے اور ہر آنے والی صبح نت نئی خواہشات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ سوچ۔ آرزو اور خواہش پر کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی قیمت! اسی لیئے آج بھی خیالی نرمالی دادؤں کی کوئی کمی نہیں۔ تمناؤں کے ناپیدا کنار وسعتوں کے گرد آج تک کوئی حصار نہیں قائم کیا جاسکا۔ آرزوؤں کی بارات میں تمناؤں کی آرتی چڑھتی اترتی رہتی ہے۔ امنگوں کی ریت پر سیکڑوں خوابوں کے شیش محل بنتے اجڑتے رہتے ہیں۔ آئے دن سپنوں کی شہزادی کے لیئے جانے کتنے قیس و فرہاد خیالی صحرا نوردی اور کوہ کنی میں مصروف عمل ہیں۔ آرزوؤں کی جنت کو محبوبہ دلنواز کے نام الاٹ منٹ (ALLOTMENT) کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں اور خوابوں کے تاج محل کے ساتھ آج بھی لاکھوں شاہجہان کی دھڑکنیں وابستہ ہیں۔

مگر انہیں لاکھوں انسانی زندگیوں کے درمیان تنہا، منفرد، بے مثل اور عام سطح سے بالاتر ایک ایسی ذات بھی گزری ہے۔ جس کی تمنا ہی نرالی ہے۔ آرزوؤں کی بارات اس نے بھی سجائی ہے۔ امنگوں کے ہجوم میں رات گزار کر تمناؤں کے ساتھ سویرا بھی کیا ہے۔ ارمانوں نے اس کے یہاں بھی انگڑائیاں لی ہیں! مگر اس کی تمنا تو دیکھئے عجیب ترین آرزو! بھیگی ہوئی پلکوں کی چلمن سے جھلکنے والی بے تابی شوق کا انداز لگانے کے لیئے تیار ہو جائیے۔ تشریح آرزو کی یہ سعی تام!

بے بسی ہو جھے نامۂ اعمال کے وقت　　دوستو کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے۔
کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور　　ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے۔
کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے　　کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے۔

کِس سے کہتا ہے کہ لِلّٰہ میری لیجے خبر
کیوں ہے بے تاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے۔

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اِس سے پرسش ہے بتا تونے کیا کیا کیا ہے

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ اے شاہِ رسل
بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

اب کوئی دم میں گرفتارِ بلا ہوتا ہوں!
آپ آجائیں تو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے

سن کے یہ عرض میری بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے

کِس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو!!
ہم بھی تو دیکھیں ذرا آکے تماشا کیا ہے

ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے

لو وہ آیا میرا حامی میرا غم خوارِ امم
آگئی جان تنِ بے جاں میں یہ آنا کیا ہے۔

پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپا لیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اِس پہ تقاضا کیا ہے۔

بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا!
کیسا لیتے ہو حساب اِس پہ تمہارا کیا ہے

چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
حکمِ والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے!

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشمِ بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے۔

صدقہ اس رحم کے اس سایہ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے۔

اے رضا جانِ عنادل تیرے نغموں پہ نثار
بلبلِ باغِ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے۔

(حدائقِ بخشش حصہ اول ص ۶۶-۶۷)

جذبۂ شوق کا اظہار وہ بھی اشعار کے قالب میں اللّٰہ اکبر! نعتیہ شاعری کا یہ کمال! کہ شاعر کے فن سے زیادہ اس کے کمالِ عشق کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتے۔

آپ کا نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" صرف نعتوں کا ایک دلکش مجموعہ ہی نہیں بلکہ خدا و رسول ﷺ کی عظمت و محبت سے خالی اذہان و قلوب کے لیئے ایک کیمیائے سعادت ہے۔ ایسے نازک ترین دور میں جب کہ سڑے گلے بدبودار بندے اپنے گنہ گار وجود کو کاشانۂ رسالت کے ہم پلہ سمجھنے لگے اور ہمسری کے زعمِ باطل میں عصمتِ انبیاء سے کھیلنے لگے اور نجاست کے اس غلیظ ترین ڈھیر پر اپنے حواریوں کے ساتھ مسند آرائی کر کے اپنے زبان و قلم سے عشق کی سلامتی کا تار و پود بکھیرنے لگے تو ایسے وقت میں "نغماتِ رضا" دیوانوں کے قلوب میں آندھیوں کی زد پر عشق و عقیدت کا ایک چراغ جلایا۔ ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے۔

اور مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو دربارِ رسالت کی طرف پھیر کر یہ بتا دیا کہ ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی است

پس رحمت و نور کی موسلا دھار بارش ہو اے امامِ اہلسنت تیری مرقدِ انور پر تمہارے عشق کے فیضان نے ہم گنہگاروں کو عظمتِ رسول ﷺ کا احترام بخشا۔ تیری زندگی کا ہر ورق ایک آئینۂ محبت ہے جس میں آفتابِ نیم روز کی بات تو الگ رہی رات کو بھی جلوؤں کا سویرا نظر آتا ہے۔

ویسے وہ بدنصیب قطعی قابلِ اعتنا نہیں کہ جن کے قلوب عشقِ رسالت کی نعمتِ کبریٰ سے محروم کر دیئے گئے ہیں وہ جلوہ محبوب کے اس آئینہ جمال و کمال کو توڑ بھی دیں تو کوئی تعجب نہیں کہ پہلو میں محبت آشنا دل نہیں مگر ان درد مندانِ دل اور وارفتگانِ آرزو سے شوق سے پوچھیے جو خاکِ طیبہ کو مرفانِ جذبہ محبت میں اپنی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں کہ شائد پاتے حبیب سے مس ہو گئی ہے۔

امام احمد رضا کا ذوقِ سخن

(مولانا بدر القادری مصباحی گھوسی ضلع اعظم گڑھ کے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے فاضل ہیں۔ اہلسنت وجماعت کے ابھرتے ہوئے قلمکاروں میں آپ کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا آرگن ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور آپ ہی کی زیر ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ (ادارہ)

اعلیٰحضرت احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ ایک جامع الصفات شخصیت کا نام ہے۔ تاہم اگر کوئی کہے کہ اُردو ادب وانشاء کی حیثیت سے آپ نے کچھ نہیں کیا تو اس حد تک تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے صرف ادب برائے ادب کچھ بھی نہ کیا۔ مگر جہاں تک ادب نوازی کا سوال ہے آپ کے فتاوے کم وبیش لاکھ صفحات پر مشتمل ہیں جن میں عربی اور فارسی سے کہیں زیادہ اُردو ادب وانشاء کے نادر نمونے موجود ہیں۔ آپ کے قصائد کے مجموعے حدائق بخشش کی دو جلدیں ہیں جن میں صنائع وبدائع کی خوبیاں اپنے عروج پہ ہیں گر نثر ونظم ہر ایک کا مطالعہ ذہن پر یہ اثر مرتب کرتا ہے کہ آپ کی تمام قلمکاری عشق وفرمانِ محمدی کے نشہ میں شرابور ہے۔ اس سے جدا ہو کر آپ نے کبھی کچھ نہ لکھا۔ مندرجہ ذیل مضمون میں ہم صرف چند ایسے اقتباسات درج کریں گے جن سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شعری دلچسپی اور محل وقوع کے اعتبار سے اشعار کے استعمال میں مہارت کا اندازہ ہوگا۔ بات ظاہر ہے کہ فتویٰ اور فقہ وتفسیر نیز دیگر علوم کا اپنا الگ اسلوب بیان ہے جس میں اشعار کے استعمال کا تک ہی نہیں۔ لامحالہ جہاں معاملات سے کچھ سابقہ پڑتا ہے امام کے قلم کی یہ صفت ظاہر ہوتی ہے اس مضمون کی ترتیب کے لئے ہمیں آپ کی دس کتابوں سے مدد ملی۔ اور غائر نظر سے مطالعہ کے بعد ادب شناسوں کو کہنا لازم ہو جاتا ہے کہ'' ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم　　　جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

''زندۂ جاوید'' انوار البشارۃ، حج وزیارت کے موضوع پر آپ کا نہایت جامع رسالہ ہے۔ ضروری مسائل اور مقامات زیارت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس میں جبل احد کا ذکر ہے۔ جو قتیلانِ محبت کی آرام گاہ ہے یہیں غزوۂ محبت برپا ہوا اور ستر صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا اور وہی لوگ آیۂ مبارکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (آل عمران) جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے روزی دیئے جاتے ہیں'' کے اولین مصداق ہیں۔ ان شہیدانِ محبت کے ذکر جمیل میں مندرجہ ذیل اشعار ثبت فرمائے۔

زندۂ جاوید ہیں سوزِ محبت کے قتیل　　　یہ شرر ٹھنڈے نہیں ہوتے ہیں بجھ جانے کے بعد

رتبۂ شہید عشق کا گر جان جایئے　　　قربان ہونے والوں پہ قربان جایئے

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے　　　جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

(انوار البشارۃ ص ۱۳۷)

''قرار ایں جا'' آداب زیارت کے نصیحتوں کے باب میں ۲۹ ویں نمبر پر مزارات بقیع وقبا وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ جس کے اخیر میں ایک ایسا۔

جاندار مصرع تحریر کیا جو آپ کے ذوق شعری کے ساتھ ساتھ عقیدت مندانہ گرویدگی کی نشانی ہے۔ لکھتے ہیں بقیع واحد کی زیارت سنت ہے مسجد قبا کی دو رکعت کی سنت کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو سیدی ابن ابی حمیہ قدس سرہ جب حاضر حضور ہوتے آٹھوں پہر برابر حضور میں کھڑے رہتے ایک دن بقیع وغیرہ زیارات کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لئے کھلا ہوا اسے چھوڑ کر کہاں جائیں۔ ع سرایں جا سجدہ ایں جا بندگی ایں جا قرار ایں جا (انوار البشارۃ ص۲۰)

”سجدہ گاہ اہل نظر“ مسجد الرایہ جسے ذباب بھی کہتے ہیں مدینہ طیبہ سے شام کو جانے والے راستہ میں پہاڑ کی بلندی پہ ہے سرکار جب غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پر خیمہ نصب ہوا تھا۔ اور حضور نے اسی جگہ نماز ادا فرمائی تھی۔ اس کے ذکر جمیل پہ بہت ہی مناسب شعر نصب فرماتے ہیں ؎

برزمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

”یعنی جس زمین پہ آپ کے قدم ناز کا نشان پڑ جائے وہاں اہل بصیرت کا سالہا سال سجدہ ہوگا۔ (انوار البشارۃ ص۱۲۶)

”تو تنہا داری“ الاستیعاب لعبل البر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم عالم شیر خوارگی میں حلیمہ سعدیہ کی گود میں تھے قبیلۂ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں نے بھولا بھالا نورانی پیکر دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا ایک ایک کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے پستان دہن اقدس میں رکھ دیئے۔ تینوں کے دودھ اتر آیا۔ ان تینوں کا نام عاتکہ تھا آگے خود ان کی تحریر ملاحظہ کریں“ یہ اس مرتبہ کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔ حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرمایا۔ ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (جتنی خوبیاں تمام انبیاء علیہم السلام رکھتے ہیں یا رسول اللہ تنہا آپ میں سب موجود ہیں) (شمول الاسلام ص۲۵)

”دعوتِ فکر“ کذب باری کو ممکن جاننے والوں کے رد میں ایک سو بائیس دلیلیں پیش کیں پھر بھی خاتمۂ کتاب میں فرماتے ہیں ”ہزار ہزار بار حاشا للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن و جلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے کوئی ضعیف سا بھی محل نہ رہے۔

فَاِنَّ الاِسْلَامَ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی (سبحان السبوح ص۱۰۸)

ذکر دلائل کے بعد غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش کوئی ایک دلیل بھی انہیں عقیدہ باطل سے لوٹا دیتی تو میری محنت بر آتی اسی مفہوم کو بسیط عبارت میں پرونے کے بعد یہ شعر نصب فرماتے ہیں ؎

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول
اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

کیا تم میرے آنسوؤں کو قبول کر سکتے ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ بارش کے قطرے کو تم نے موتی بنا دیا۔ (سبحن السبوح ص۱۱۵)

”امید کرم“ امام احمد رضا کی تحریروں میں اسلام دشمن عناصر کے لئے تلخی محض ان کے تصلب فی الدین اور ”الحب للہ والبغض للہ“ کی وجہ سے ہے ایسا نہیں کہ کسی وبا دیا دنیاوی لالچ نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ بلکہ امام کا جذبہ حبِ رسول تو اس منزل پہ تھا کہ کسی دنیا دار کی فلاح و ستائش بھی وبال تصور فرماتے تھے جیسا کہ خود کہا۔

کروں مدح اہل دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحب ایمان تھے اس کے ثبوت میں دلائل پیش فرمانے کے بعد خود ہی اس کی علت بیان فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کو ضبط تحریر میں لانے کا مقصود، شاید مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ تمام جہان سے اکرم و ارحم ابر و ادئی ہیں محض اپنے کرم سے نظر

قبول فرمائیں ورنہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خاص فضل کے صدقے میں اس عاجز بیچارہ بیکس بے یار کا ایمان حفظ فرماکر دارین میں عقاب وعذاب سے بچائیں ؎ بر کریماں کارہا دشوار نیست (شمول الاسلام ص۲۲)

"فطرت روباہی"

چند متعصب مزاجوں نے دلائل الخیرات جیسی مقبول دعا و درود کی کتاب کو شرک و بدعت کا مجموعہ کہہ دیا۔ اس پر دینداراً نہ بر ہمی فرماتے ہیں۔

"دلائل الخیرات شریف کو تالیف ہوئے پونے پانچ سو برس گزرے جب سے یہ کتاب مستطاب شرقاً غرباً عرباً عجماً تمام جہاں کے علماء و اولیاء وصلحاء میں حرز جان وظیفہ دین و ایمان ہو رہی ہے۔ یہ حسن قبول خدا و رسول زید و عمر کے مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند   روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(دنیا کے تمام شیر اس سلسلہ سے وابستہ ہیں لومڑی مکر سے اسے کہاں توڑ سکتی ہے) ہاں اب نئے زمانے فتنے کے گھرانے ہیں وہ گمراہ بھی پیدا ہوئے ہیں جو عیاذاً باللہ دلائل الخیرات کو معدن شرک و بدعت کہتے ہیں۔ مگر ان کے بکنے سے امت مرحومہ کا اتفاق و اطباق نہیں ٹوٹ سکتا۔

مہ فشاند نور و سگ عوعو کند   ہر کسے بر خلقت خود می تند

چاند روشنی لٹاتا ہے اور کتا بھونکتا رہتا ہے۔ ہر شئی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتی ہے۔ (شفاء الوالہ ص۱۷)

"روح"

روح اور عرفان نفس کے سلسلہ میں ایک شعر کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "روح عالم امر سے ایک چیز ہے عقل کا حصہ اسی قدر ہے۔ آگے اس کی ماہیت اکابر اہل باطن جانتے ہیں۔ سبحان اللہ آدمی خود اسی روح کا نام ہے۔ اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ہے ؎

تنت زندہ بجان جان نہانی   تو از جان زندہ و جان را ندانی   (کشف حقائق ص۸)

"دیار حبیب کی عظمت"

حج و زیارت کے مسائل بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا جب اس مقام پہ پہونچتے ہیں کہ ایک دیوانہ رسول دیار حبیب میں قدم رکھ رہا ہے منیٰ و عرفات کے مراحل سے گذر کر جلوہ زار حبیب میں پہنچ رہا ہے اور سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی منزل آتی ہے ایسا لگتا ہے کہ مسائل بیان کرتے ہوئے بھی ایک مفتی اور فقیہانہ اسلوب تحریر کو ترک کر کے محض ایک دیوانہ رسول کے انداز میں رقم طراز ہیں۔

"راستے بھر درود شریف میں ڈوب جاؤ۔ جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ ہے کہ پیادہ پا ہو سر جھکائے آنکھیں نیچے کیے۔ جب قبۂ انور پہ نگاہ پڑے درود وسلام کی کثرت کرو جب شہر اقدس تک پہونچو جلال و جمال محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں غرق ہو جاؤ ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ۔

جائے سر است ایں کہ تو پا می نہی   پائے نہ بینی کہ کجا می نہی

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا   ارے سر کا موقع ہے او جانے والے   (انوار البشارہ ص۹۲)

"تاویل بارد"

امکان کذب باری تعالیٰ اور علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علماء دیوبند کی ہفوات کے جواب کی جانب جب علماء اہل سنت نے توجہ کی تو انہوں نے اپنے اقوال ہی سے انکار و گریز اور تحریروں کی بعید از قیاس تاویلیں شروع کر دیں امام احمد رضا اس موقع پر ان عبارتوں کا مع حوالہ جات جائزہ لیتے ہوئے نہایت برمحل فرماتے ہیں۔

ع "نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا" (وہ راز بھلا کہاں چھپ سکتا ہے جس نے کئی مجلسیں آراستہ کر دیں۔) (الاستمداد ص۱۶۵)

"تأسف"

ڈپٹی کلکٹر دہلوی امداد علی بہادر کو بعض علماء سو نے ایسا بہکایا کہ امام اہلسنت اور علماء اسلام سے گفت و شنید تک بند کرا دی۔ کہ مبادا ہماری ہانڈی ٹھنڈی ہو جائے۔ کلکٹر صاحب کو مخاطب بنا کر کتنا برمحل شعر ارقام فرماتے ہیں۔

صبر اس پر اس ہماہمی حسرت دیدار کا　　بند جس نے کر دیا روزن تری دیوار کا　　(سیف المصطفیٰ علیٰ ادیان الافتراء صلا)

"برہیں علم و دانش" فتاویٰ رشیدیہ کے ایک بے سروپا فتوے پر صرف ایک مصرعے کے ذریعہ کتنا جامع تبصرہ فرماتے ہیں۔ جو اپنے اندر طنز کی تلخی کے ساتھ ساتھ بھرپور معنویت لئے ہوئے ہے۔ بن وعن ملاحظہ کریں۔

سوال۔ نصرانی یا ہندو وغیرہ مسجد بنادے تو اس میں نماز کا حکم کیا ہے ؟ ثواب ہوگا یا نہیں ؟ الجواب جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔

ع تو و مسجد اے فارغ از عقل و دیں　　(الاستمداد صلا)

"سرخفی" علوم ظاہر کے علاوہ آپ علوم باطن کے بھی امام تھے۔ عرفان و حقیقت کے مئے چشیدہ و بادہ کش تھے۔ شرعی استفتاء کا آپ کے پاس تانتا بندھا ہی رہتا تھا۔ بعض اہل دل عالم اسرار کے روحانی و عرفانی سوالات بھی پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سرخفی و روح و قلب کے رموز پر رقم طراز ہیں " اور سرخفی و روح و قلب لطائف حضرات نقشبندیہ (قدست اسرارہم) جن میں تجلیات حق کے رنگارنگ ذوق کا ادراک کارعیاں ہے۔ نہ کار بیاں۔ ع　　"ذوق ایں مئے نشناسی بخدا تانہ چشی"

(واللہ اس شراب کا لطف اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک چکھانہ ہو)　　(کشف حقائق صہ)

"دیار قنوج" مولوی بشیر الدین قنوجی جو علماء دیوبند کے نہایت چابکدست ہمنوا تھے۔ علماء اسلام کی عبارتوں میں کتر بیونت اور حذف و اضافہ اور چابکدستی کے ذریعہ اپنے آقایان نعمت کے عقیدہ و نظریہ سے عطر کشید کرتے تھے۔ امام احمد رضا کا خیال تھا کہ طائفہ علماء دیوبند اس نئے قنوجی مہرے کو پاکر بے حد مسرور ہوا مگر افسوس اس کی کوششوں سے تیار شدہ امام کے الفاظ میں پہلی شیشی (کتاب تفہیم المسائل) اور دوسری شیشی (غایۃ الکلام میلاد شریف کے عدم جواز میں) بھی عقائد میں رخنہ انداز نہ ہوسکی اور ان حضرات کے عقائد فاسدہ کی بابت ان کی نخش قلم کاری نے اہل ایمان کے مزاج کو جس قدر مکدر کیا تھا قنوجی صاحب کی یہ شیشیاں اپنے حسن کلام کی خوشبو کے لحاظ سے کچھ مفید نہ ہوسکیں۔ امام تحریر فرماتے ہیں۔

" طائفہ بھر کا مشورہ ٹھہرا کہ اب انہیں کی عرق ریزی سے کچھ عطر ریزی کی امید ہے مگر " لن یصلح العطار ما افسد الدھر " جس نے زمانے کی فضا مکدر کردی اس کی درستگی عطار کا کام نہیں قنوجی صاحب نے وہ گندی روش اختیار کی جس کی برکت سے مذہب کے علاقہ بھر میں سیج کا پھول مارا گیا جہاں دیکھو تحریف و تصرف کا امواکھلا ع۔ اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست.　　(سیف المصطفیٰ صـ۲۳)

"چھیڑ چھاڑ" امام احمد رضا کی تحریروں کا تنقیدی جائزہ لینے سے قبل نہایت لطیف انداز میں اجازت طلب کرتے ہیں۔ سرکار نازک مزاجی سے اجازت ملے تو بطریق نمونہ اس خروار سے چند مشت پیش کرے۔ ؎

کون کرتا ہے گلہ تم سے مکر جائیگا　　چھیڑ کر لطف اٹھا لیتے ہیں جھنجلا ئیگا　　(سیف المصطفیٰ صـ۲۳)

"خون دیانت" قنوجی صاحب نے مذکورہ کتابوں میں درمختار سراجیہ ردمحتار مطابقۃ المؤمنین وغیرہ کتب کی عبارتوں میں قطع و برید کا جو فن کارانہ انداز استعمال کیا اس پر امام ان کی دیانت کا ماتم کرتے ہیں ؎

جعل مزا جھوٹ غذا ہو گیا　　ہائے دیانت تجھے کیا ہو گیا۔　　(سیف المصطفیٰ صـ۲۹)

"عنقا" قنوجی صاحب نے بعض عبارتیں تو ایسی لکھ ماری ہیں جن کے لئے کسی کتاب کا نہیں بلکہ ان کے اختراعی ذہن کے صفحات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ امام اس پر ایک تشریحی شعر ثبت فرماتے ہیں ؎

نہ ملے قرض میں بھی ان کا پتہ لاکھ برس　　ناز پروردہ عنقا ہیں حوالے تیرے　　(سیف المصطفیٰ صـ۳۰)

"شوخیِ چشم" غایت الکلام میں قنوجی صاحب کتاب شرح معینہ اور عباد اللہ المخلصین سے عدم جواز استمداد کے لئے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی کتاب میں توسل کے دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر آنجناب اپنے مقصد کی عبارتیں کتر کر لمبی چوڑی تمہید و تبصرہ کے ساتھ کتاب میں نقل کرتے ہیں (جس کا مکمل جائزہ امام کی اسی محولہ کتاب کے حاشیہ پر مولانا سلطان احمد خاں قادری نے لیا ہے) امام ان کی شوخ چشمی کی داد اس انداز میں دیتے ہیں" ایسا سچا سچا دعویٰ آپ کی تو کیا تعریف کروں میں تو ان آنکھوں کا قائل ہوں کہ ایسے ادعا کرتے وقت جن کے تیور تک نہیں بدلتے ؎

شوخیِ فتنہ تو ہر وقت ہے ان آنکھوں میں　　کیوں حیا، تم کو بھی ہے حکم کبھی آنے کا

(سیف المصطفیٰ صـ۴۰)

"تجاہلِ عارفانہ" نادانستہ طور پر غلطی کرنے والے اس شخص کے احسان مند ہوتے ہیں جو اسے غلطی سے مطلع کر دے۔ مگر اس شخص کا کیا علاج جو دیدہ و دانستہ شریعت و دیانت کے خلاف کمربستہ ہو۔ اسی مفہوم کو بیان کرنے کے بعد عربی کا یہ شعر تحریر کرتے ہیں۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃٌ　　وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظمُ

بے علمی ایک مصیبت ضرور ہے مگر دیدہ و دانستہ لاعلم بننا تو بہت بڑی مصیبت ہے۔ (سبحان السبوح صـ۹۳)

"کور چشمی" زاغ معروفہ کو حلال فرمانے والے اور ان کے ہم جماعت دیگر علماء کی رہبری اور قیادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے کیا ہی مناسب شعر تحریر کیا ہے۔

اذا کان الغرابُ دلیلَ قومٍ　　سَیَھدیھم طریقَ الھالکینا

اگر کوا کسی قوم کا رہنما ہو تو وہ قوم جلد ہلاکت کے گھاٹ اترے گی۔ (سبحان السبوح صـ۹۹)

"احوالِ دل" مسائل مختلف فیہا میں دلائل قاہرہ سے مزین کتابیں پیش کرنے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی نے آپ کی آوازِ حق کو ہمیشہ ناقابلِ اعتنا سمجھا۔ بارہا نہایت نرمی سے اس حق گریزی کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کہنے کو آں سے کہتا ہوں احوالِ دل مگر　　ڈر ہے کہ نازِ حسن پہ شکوہ گراں نہ ہو

(سبحان السبوح صـ۳۷)

"حزم و احتیاط" حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحب ایمان ہیں۔ بیشمار دلائل و براہین سے ثابت کرنے کے بعد منکرین کو تنبیہ کے طور پر نہایت برمحل مصرع تحریر کیا ہے لکھتے ہیں۔

"طبرانی میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں۔ ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ عز و جل فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عاقل کو چاہیئے کہ اس جگہ سخت احتیاط سے کام لے ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را (شمول الاسلام صـ۲۲)

"مرضیِ الٰہی" انسانوں میں عقل و شعور، مال و دولت وغیرہ کے لحاظ سے تفاوت اور فرق ہوتا ہے۔ اسکی نہایت عمدہ مثال سے تفہیم فرماتے ہیں یفعل اللہ ما یشاء" اللہ جو چاہے کرتا ہے اس کی شان ہے" ان اللہ یحکم ما یرید "اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے اس کی شان ہے۔ لا یُسئل عما یفعل وھم یسئلون" وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور سب سے سوال ہو گا زید نے روپے کی ہزار اینٹیں خریدیں۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں۔ پانچ سو پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں صرف کیا۔ اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ سے بنائی ایک مٹی سے بنی ہوئی ایک آوے میں پکی ہوئی ایک روپے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں۔ ان پانچ سو میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ مری ملک تھی۔ میں نے جو چاہا کیا جب مجازی چھوٹی

ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا۔ ہمارا اور ہماری جان و مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے۔ اس کے کام اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی؟ کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس پر افسر ہے؟ جو اس سے کیوں اور کیا کہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے بے اشتراک ہے جو چاہا کیا۔ اور جو چاہے گا کرے گا۔ ذلیل فقیر بے حیثیت اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے شامت نے گھیرا ہے اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ۔ او بدعقل بے ادب اپنی حد پر رہ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال و صفات میں یکتا و کامل ہے تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش — رموز سلطنت خویش خسروان دانند (التجبیر بباب التدبیر ص۲۴)

نظریۂ توکل کی غلط توجیہہ "نظریۂ توکل کی ایک مکروہ توجیہہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کسی گوشہ میں بیٹھ جائے۔ اور تقدیر الٰہی کے تحت روزی کا انتظار کرنے لگے۔ امام اس انداز توکل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"

"ملائکہ کا بے آب و غذا زندگی گزارنا کسے نہیں معلوم مگر یہ انسان میں خرق عادت ہے جس پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل، وحماقت یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسے کا جھوٹا نام دے کر خورد و نوش کا عہد کرے اور بھوک پیاس سے مرجائے تو بیشک حرام موت مرے اور اللہ تعالیٰ کا گنہگار ٹھہرے مرگ بھی تو تقدیر سے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا" ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو ے

گرچہ مردن مقدر ست و لے — تو مرو در دہان اژدھا

اگرچہ موت تقدیر ہی سے آتی ہے مگر جان بوجھ کر اژدہے کے منہ میں نہ چلے جاؤ (التجبیر بباب التدبیر ص۳۱)

حقیقی توکل "اتوکل کی صحیح رخ سے توضیح کرتے ہوئے قلم بند فرمایا" تلاش حلال و فکر معاش و تعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر اور بھروسہ تقدیر پر رکھے اسی لئے جب ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:۔ اپنی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں ارشاد فرمایا۔ قیدھا وتوکل۔ باندھ اور خدا پر تکیہ رکھ

ع برتوکل زانوئے اشتر ببند (التجبیر بباب التدبیر ص۵)

اظہار افسوس "اولہ واہبہ ص۲۴ کی ایک عبارت پر جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کے لئے بیوی بچے ہونا عقلاً محال ہوتا تو نصاریٰ اتنے عقل مند اور ایسے صناع ہیں وہ اسے کیوں مانتے۔ امام احمد رضا ان گندم نما جو فروش... دینداروں کی عقل پہ اظہار افسوس فرماتے ہیں اور یہ شعر لکھتے ہیں ے

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا — خیرہ ام در چشم بندی خدا

آنکھ کان صحیح سلامت ہوتے ہوئے عقل ایسی خدائے تعالیٰ کی اس حکمت چشم بندی پہ میں حیران ہوں۔ (پیکان جانگداز ص۱۵۱)

خون ناحق "علماء سُو کی تردید فرماتے ہوئے ان کے آزاد قلم کی زبوں کاریوں کا ذکر کیا جس نے لاتعداد سچے مسلمانوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ جس کے دست برد سے صحابہ کرام تابعین علماء وصلحاء حتیٰ کہ مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی تک محفوظ نہ رہ سکے۔ پھر یہ خود اس سے بچ کر کہاں جاتے۔ انہیں خود انکی شامتِ اعمال نے درگذر نہ کیا امام تحریر فرماتے ہیں۔

کے کرد کہ نیافت — کمال تدین قداں

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نہ داد کہ شب راسحر کند (سبحان السبوح ص۱۰)

بے حیا باش "ذات باری تعالیٰ کے لئے معائب کا امکان رکھنے والوں اور مراتب انبیاء علیہم السلام میں چنیں و چناں کرنے والوں کو مبدار دین و شرح پہ کلوخ زنی کے باوجود دعوئے ایمانداری ہے۔ ان کے عقائد فاسدہ کی واضح تردید

فرماتے ہوئے سبحان السبوح صہ۶ پہ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن پہ نہایت ستھری اور مبنی بر حقیقت تضمین کرتے ہیں۔

تیر بر جاہ انبیاء انداز | طعن در حضرت الٰہی کن
بے ادب زی و ہرچہ دانی گوئے | بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

(سبحان السبوح صہ۶)

شوخیٔ رفتار

ائمہ مجتہدین اور فقہائے قدیم کی جس کے نزدیک کوئی وقعت نہ ہو اسے آپ کیا کہیں گے؟ انہیں حضرات میں کہ ایک شوخ چشم مجتہد العصر ہیں، امام احمد رضا نے ان کے اکیس اجتہادات پر گرفت فرمائی ہے۔ جس میں انہوں نے بزعم خویش مسائل مختلف فیہا پر بڑے نپے تلے تیر مار رہے ہیں۔ مگر محولہ کتابوں سے اپنے مقصد کی عبارتیں اخذ کرنا اور عقائد حقہ کی تائید کے باب در باب نظرانداز کر دینا جو کہ ان حضرات کا جماعتی وطیرہ ہے۔ بڑی شدت سے عامل ہیں۔ امام فرماتے ہیں۔

العظمۃ للہ در بارۂ قیام ان کے ایک لفظ متمسل پر جس کے معنی علامہ حلبی نے واضح کر دیئے اتنا اچھلنا اور اسی مجلس اقدس کے باب میں انہوں نے دفتر کے دفتر لکھے اور کسی زور و شور محققانہ سے اس کے عمدہ مستحبات اور اجلہ محسنات سے ہونے پر عرش تحقیق ثابت کر دیا وہاں یوں دبے پاؤں نیچی نظریں بدن چرائے نکل بھاگے جانے ہم نے دیکھا ہی نہیں۔ اللہ رے تغافل۔

فتنہ آنکھیں ہیں غضب شوخ ہے چلنا تیرا | کر گیا کام یہ بچ بچ کے نکلنا تیرا

(سیف المصطفیٰ صہ۶)

جدید فقہ

ایک صاحب کو اردو فقہیات میں کچھ شد بد ہو گئی۔ انگریزوں کی شہ پر اجتہاد کا شوق چرایا آپ نے الو کا گوشت حلال کر دیا پھوپھی اور بھتیجی کو حرمت کی فہرست سے نکال کر حلت کے دائرے میں لا بٹھایا اس پر دنیادار لوگ چاہے ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ بنے رہتے۔ مگر وقت کے امام کو کہاں تاب؟ ایسی خبر لی کہ ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ ایک شعر خاص انہیں کے لئے موزوں فرمایا۔

کہاں کا اسلام کیسی ملت مجوسیت کو نہال کیجیے | مزے سے الو کا گوشت کھا کر پھوپھی بھتیجی حلال کیجیے

(سیف المصطفیٰ صہ۵)

ہٹ دھرمی

سابق والی محمد آباد نے بھی کچھ اسی قسم کی گل افشانی کی جس پر امام احمد رضا نے مواخذہ کیا تحریر کا آخری پیراگراف ملاحظہ کریں "صہ۱۵ پر صاحب درمختار کو ان لوگوں میں داخل فرمایا جو صلوٰۃ الرغائب اور نماز نصف شعبان کو بدعت منکرہ کہتے ہیں یہاں بھی درمختار دیکھنے کا تصدعہ نہیں دیتے مگر جناب ڈپٹی المجسٹریٹ بہادر کے رسالہ امداد المسلمین پہ ذرا نگاہ روبرو ہو جائے کہ صہ۱۲ پر فرماتے ہیں" بعض فقہاء جیسے صاحب درمختار وغیرہ نے حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے الغرض۔

رحم آتا ہے حیا مجھ کو تری غربت پر | خود شوخی نے لٹائی ہے کمائی تیری

(سیف المصطفیٰ صہ۸)

بوکھلاہٹ

علم و استدلال کے میدان میں علمائے دیوبند نے امام احمد رضا کی تصنیفات کے جواب لکھے۔ مگر بوکھلاہٹ میں اپنی پچھلی تحریروں کی خود ہی تردید کر گئے۔ چنانچہ تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم کو ایک ساتھ رکھیئے تو ان میں بے شمار مسائل ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ انہیں بوالعجبیوں کا ذکر تھا جس پر امام نے یہ شعر ثبت فرمایا۔

گہ بت شکنی گاہ بمسجد زنی آتش | از مذہب تو گبر و مسلمان گلہ دارند

"زند روبۂ لنگ الاذشکار" میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام تعظیمی کا ثبوت دیتے ہوئے سیکڑوں دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

اب منصف انصاف کرے علماء مکہ و مدینہ و جدہ و حدیدہ و روم و شام و مصر و میلاط و یمن و زبید و بصرہ و حضر موت و حلب و حبش و برزنج و برع و کرد و داغستان و اندلس و ہند کا اتفاق ارباب عقول کو قابل قبول نہ ہوگا؟ تعصب نہ کریں تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات ایں و آں سے رہائی دیجیے۔ اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجیے۔ کہ گویا یہ سیکڑوں اکابر ایک وقت میں سب کے

سب زندہ موجود ہیں۔ اور اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں اور ان کے سامنے مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب نے یک زبان ہو کر بآواز بلند فرمایا ہے کہ بیشک مستحب ہے۔ وہ کون ہے جو اسے منع کرتا ہے؟ ذرا ہمارے سامنے آئے۔ اس وقت ان کی شوکت و جبروت خیال کیجیے اور منشئے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھیے ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ اور یوں تو ــــــــــ

؎ چون شیراں برفتند از مرغزار — زند رو بہ لنگ لافِ شکار

(اقامۃ القیامۃ صـ ۲۱-۲۲)

تأثرات

(اپنے اور پرائے)

پیر محمد کرم شاہ الازہر

○ امام احمد رضا ایک فاضل پروفیسر کی نظر میں

ڈاکٹر پروفیسر محی الدین الوائی جامعہ ازہر مصر، متحدہ عرب جمہوریہ

○ امام احمد رضا اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں

ڈاکٹر محمد اسد اکمبھیڑوی، پیلی بھیتی (علیگ) بھارت

○ مجدّدِ ملّت کا مشن نتائج کے اعتبار سے

لطیف احمد چشتی پاکستان

○ امام احمد رضا شیخ طریقت کی نظر میں

پیر محمد کرم شاہ الازہری سجادہ نشین بھیرہ شریف

○ امام احمد رضا سیاستدان کی نظر میں

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی
سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء پاکستان

○ امام احمد رضا مؤرخ کی نظر میں

پروفیسر مسعود احمد پاکستان

○ امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفٰے علی خاں مہتاب افتخاری سیکرٹری آل انڈیا سنی لیگ بھارت

امام احمد رضا ایک فاضل پروفیسر کی نظر میں

ڈاکٹر محی الدین الوائی ازہر یونیورسٹی میں تقریباً بیس سال سے دینی اور علمی خدمات میں مصروف ہیں الوائی صاحب کی شخصیت علماء ازہر اور برصغیر کے علماء میں تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پروفیسر موصوف بیک وقت اردو، ہندی ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر پوری قدرت رکھتے ہیں حسن ادا اور شوکت الفاظ کی خوبیاں ان کی زبان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ موصوف مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن ان کی وسیع القلبی اور وسعت نظری کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ اہل حدیث ہونے کے باوجود امام احمد رضا کی تبحر علمی کا برملا اظہار کیا۔ ڈاکٹر الوائی کا یہ عربی مقالہ قاہرہ سے شائع ہونے والے مشہور جریدہ صوت الشرق ص ۱۶ - ۱۷ شمارہ فروری ۱۹۷۰ء میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ قارئین کے سامنے مکرمی محب الحق اعظمی بی۔ یو۔ ایم۔ ایم۔ ایس طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تفصیلی اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

کاش اکابرین دیوبند بھی وسعت نظر اور روشن خیالی میں پروفیسر محی الدین الوائی کے شانہ بشانہ چلتے اور تعصب اور تنگ نظری سے ہٹ کر امام احمد رضا کی انقلاب آفرین ذات کا مطالعہ کرتے تو انھیں پتہ چلتا کہ فاضل بریلوی نے برصغیر پاک و ہند کے لیئے علوم و فنون کے کس قدر خزانے چھوڑ کر آنکھیں بند کی ہیں۔ (ادارہ)

شخصيات اسلامية من الهند

مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

يعد مولانا احمد رضا خان بريلوی رحمة الله عليه من طليعة علماء الهند المسلمين الذين ساهموا مساهمة فعالة في خدمة العلم والدين واللغة العربية في انحاء شبه القارة الهندية. وله صفحات مجيدة في تاريخ نشر العلوم العربية والاسلامية في ربوعها وقد وضع مولفات عديدة في التفسير والحديث والفقه وعلم الكلام والتصوف وغيرها من العلوم الاسلامية. كما كان له مولفات في فروع الادب من

جن علمائے ہند نے مروجہ علوم عربیہ و دینیہ کی خدمات میں اعلیٰ قسم کا حصہ لیا ہے ان میں مولانا احمد رضا خان صاحب کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ علوم عربیہ اسلامیہ کو آراستہ کرنے میں آپ کا بہترین ریکارڈ ہے۔ آپ نے جس طرح علم فقہ، تفسیر، حدیث و کلام۔ تصوف وغیرہ علوم فروعات میں تصنیفات فرمائی ہیں۔ اسی طرح آپ کی بہت سی تصانیف ادب مثلاً صرف، بلاغت، شعر و انشاء میں بھی ہیں۔ نیز علوم عقلیہ، مثلاً منطق، ہیئت، حساب

صرف وبلاغة وشعر وانشاء وقد صنف ایضا فی العلوم العقلیة كالمنطق وعلم الهیئة والحساب والحكمة الطبیعة وغیرها.

وولد احمد رضا خان فی العاشر من شوال ۱۲۷۲ھ الموافق ۱۴ یونیة ۱۸۵۶ء وقد سمی محمدا عقب ولادته ثم اشتهر بلقب (اعلی حضرت شاه احمد رضا خان) وكانت عائلته قد انحدرت من بلدة (قندهار) بافغانستان الی الهند فی عهد المغول فیها، وكان والده عالما جلیلا ذا ورع وتقی۔

ویقال ان مولانا احمد رضا خان قد حفظ القرآن الكریم كاملا فی مدة شهر واحد ونبغ فی مبادئ العلوم الاسلامیة والعربیة والتاریخ والحساب وغیرها تحت اشراف والده قبل ان یتجاوز سن الرابعة عشرة وكان من اساتذته المشهورین۔

۱۔ مولانا عبد العلی رامفوری
۲۔ والشیخ ابو الحسین نوری مارهروی
۳۔ والسید مرزا غلام قادر بیك رحمة الله علیهم

میله الی التصوف

وقد بدت فی سلوك احمد رضا منذ الصغر آثار الزهد فی متعة الحیاة الدنیویة والتمسك بالاخلاق الفاضلة والتواضع والحلم فی معاملاته مع الناس. وفی عام ۱۲۹۴ھ اصبح مریدا عاملا علی ید الصوفی الكبیر قطب الزمان سید آل شاه رحمة الله علیه وقد تجلت مظاهر الورع والتقی والتصوف الخالص فی نشاطه العلمی حتی ذاع صیته فی ارجاء الهند ویداء طلاب النور والعرفان یفدون الیه من شتی البقاع۔

فلسفہ وغیرہ علوم پر بھی آپ نے قلم اٹھایا ہے۔

پیدائش

احمد رضا خاں ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ آپ کا نام ولادت کے بعد محمد رکھا گیا، پھر آپ اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا کے لقب سے مشہور ہوئے۔
آپ کے اسلاف افغانستان کے مشہور شہر قندھار سے دور مغلیہ میں برصغیر آئے تھے۔ آپ کے والد عالم جلیل اور صاحب زہد وتقویٰ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے صرف ایک ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ آپ نے چودہ سال کی عمر میں بنیادی علوم اسلامیہ، عربیہ، تاریخ حساب وغیرہ اپنے والد سے حاصل کئے۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبد العلی رامپوری
۲۔ شیخ ابو الحسین نوری مارہروی
۳۔ سید مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہم

تصوف کی جانب رجحان

احمد رضا بچپن ہی سے دنیاوی آرائشوں کی طرف ملتفت نہ تھے۔ لوگوں سے معاملات میں حلم تواضع بلند اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ۱۲۹۴ھ میں آپ قطب زماں حضرت مولانا سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔
آپ کی علمی سرگرمیوں میں تصوف، اتقاء، پرہیزگاری کے بہترین نمونے ہیں جس کی بنا پر آپ بہت جلد سارے برصغیر میں مشہور ہو گئے اور آپ کے پاس نور ومعرفت کے پروانے ہر طرف سے آنے لگے۔

سفرة الى الحرمين

وقام الشيخ احمد رضا بالحجة الى بيت الله الحرام وزيارة الروضة النبوية مرتين وقد اتاحت له هاتان الرحلتان الفرصة للقيام بزيارة المراكز العلمية في بعض البلدان العربية والاسلاميه والاتصال بعلمائها والتشاور معهم في شؤون الدين والعلم. واثناء زيارته البلاد العربية نال اجازة لرواية الاحاديث النبوية من بعض مشاهير علماء الحديث في الحجاز من اسانيدهم كما اجازهو بنفسه لبعض هولاء العلماء حق رواية الحديث من اسانيده الخاصة

نبوغه في الرياضيات

ومما يذكر ان مولانا احمد رضا خان قد امتاز عن كثير من اقرانه ومعاصريه العلماء في الجمع بين العلوم النظريه والعلمية ومما يدل على مهارته في الرياضيات والحساب والجبر وغيرها ان العالم الرياضي الشهير الدكتور ضياء الدين وكيل جامعة عليكره الاسبق وامثاله كانوا يذهبون اليه لحل بعض المشكلات العويصة في المسائل الحسابيه الهندسيه ويحكى الدكتور ضياء الدين انه قد واجه في احدى تجاربه الحسابيه مشكلة عويصة فقرر ان يسافر الى المانيه لينا قش هذه المسألة مع احد اساتذته المعروفين هناك واثناء سفره الى مينا بومبائي قابل الدكتور ضياء الدين في القطار و مولانا احمد رضا خان بالمصادفة وما كان يعرف عنه حينذاك الا انه عالم ديني متين وصوفي

سفرِ حرمین

شیخ احمد رضا دو مرتبہ حج بیت اللہ و زیارت روضہ نبوی کے لیئے تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے دونوں سفروں میں عرب کے اسلامی و علمی مرکزوں کو بھی دیکھا اور وہاں کے علما سے ملاقاتیں کیں، علوم اور معاملات دینیہ میں مشورے بھی کیئے۔ حجاز کے مشہور علمائے حدیث کی مخصوص اسانید سے حدیث روایت کرنے کی اجازتیں بھی حاصل کیں۔ اور خود بھی اپنی مخصوص اسناد سے وہاں کے علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔

ریاضیات میں مہارت تامّہ

یہ (مسلمہ حقیقت) قابل ذکر ہے کہ مولانا احمد رضا خانؒ علوم نظریہ و عملیہ کے جامع ہونے میں اپنے ہم عصروں اور ہم چشموں میں امتیازی شان کے حامل تھے۔

ریاضی حساب اور الجبرا جیسے علوم میں ان کی مہارت تامّہ کا یہ جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) جیسے شہرت یافتہ ریاضی دان جیومیٹری اور حساب کی دشوار ترین الجھنوں کو سلجھانے کے لیئے ان کی خدمات حاصل کیا کرتے تھے۔

روئداد یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین کو حساب کے ایک مسئلہ میں سخت الجھن درپیش ہوئی انہوں نے جرمنی جاکر اپنے شہرت یافتہ اساتذہ کے ساتھ اس مسئلہ پر مذاکرات کرنے کا تہیہ کیا۔

بمبئی کے دوران مولانا احمد رضا خانؒ سے ملاقات کی اس وقت تک ڈاکٹر (موصوف) انہیں (مولانا احمد رضا خان) جیّد عالم دین متین اور بلند پایہ شیخ کی حیثیت سے جانتے

جديد فخوطر اليه الدكتور ضياء الدين عن وجهة رسلته رغوضة منها فطلب منه مولانا احمد رضا ان يشرح المشكلة فاذ هو ليحلها بكل سهولة ووضوح فاعجب به الدكتور ضياء الدين ومنذ ذلك الحين اصبح من المتوددين اليه كلما صادفته مشكلة من مشكلات العلوم النظرية او العملية .

العالم والشاعر

قديما قيل ان التحقيق العلمي الاصيل والخيال الذهني الخصيب لا يجمعان في شخص واحد ولكن مولانا احمد رضا كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية، فكان شاعرا ذا خيال خصيب وتشهد له بذلك دواوينه الشعرية باللغات الفارسية والاردية والعربية وديوانه المعروف باسم "حدائق بخشش"، "حدائق العطيات" ومدح الرسول" مشهور في اوساط شعراء الهند بجانب مؤلفاته القيمة في علوم الفلسفة والفلك والرياضة والدين والادب .

مؤلفاته

ويبلغ مجموع مؤلفاته، ما بين مخطوط ومطبوع حوالی الف كتاب في مختلف اللغات، ونشير هنا الى بعض مؤلفاته العربية

١- الزلال الانقى عن بحر سفينة التقى في علم التفسير
٢- حاشية تفسير البيضاوی
٣- حاشية تفسير خازن
٤- حاشيه الدر المنثور

تھے۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنا مدّعائے سفر بیان کیا اور اپنا عقدہ پیش کیا۔ تو آپ نے بڑی آسانی اور وضاحت سے مسئلہ کو حل کرکے ڈاکٹر صاحب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

بعد ازاں جب کبھی ڈاکٹر صاحب کو علوم نظریہ وعملیہ میں کوئی الجھن درپیش ہوتی تو وہ آپ ہی سے استفادہ کرتے۔

شاعری وعلوم

پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیق وارث علمیہ نازک خیالی نہیں پائی جاتیں۔ لیکن مولانا احمد رضا کی ذات گرامی اس تقلیدی نظریہ کے عکس پر بہترین دلیل ہے آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر آپ کے دیوان "حدائق بخشش" "حدائق العطیات ومدح رسول" بہترین شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ فلسفہ، علم فلکیات، ریاضی اور دین وادب میں آپ برّصغیر میں صفِ اوّل کے ممتاز علماء اور شعراء میں تھے۔

تصنیفات

آپ کی تصنیفات مطبوعہ وقلمی عربی، فارسی اردو، زبانوں میں ایک ہزار سے زائد ہیں جن میں سے ہم چند کا تذکرہ کرتے ہیں۔

١- الزلال الانقى عن بحر سفينة التقى في علم التفسير
٢- حاشیہ تفسیر بیضاوی
٣- حاشیہ تفسیر خازن
٤- حاشیہ دار المنثور

٥- حاشية معالم التنزيل
٦- مدارج طبقات الحديث
٧- حاشية البخاري
٨- حاشية مسلم
٩- حاشية الترمذي
١٠- الروض البهيج في آداب التخريج

وله مؤلفات في خمسين فنا من الفنون العديدة ومن اغرب هذه الفنون التي الف فيها مولانا احمد رضا علم الزيجات وعلم الجبر والمقابلة وعلم طبقات الارض، وقد جمعت الفتاوى الشرعية التي اصدرها مولانا احمد رضا في شتى المسائل الفقهية، فبلغت احد عشر مجلداً وتسمى باسم (الفتاوى الرضوية) ويقال ان معهدان علميان تخليد الذكرى هذا العالم الجليل- احدهماه الجامعة الرضوية، بمدينة (بريلي) والاخرى المدرسة الامجدية "بمدينة" كراتشي ويعتبر كل منهما مركز اشعاع للعلوم العربية والاسلامية -

وفاته

توفي مولانا شاه احمد رضاخان رحمة الله عليه في سنة ١٣٤٠هـ بعد حياة حافلة من النشاط العلمي والفكري، وبعد ان ترك ذخائر قيمته من نتاج التجاربه العلمية والادبيه للاجيال القادمه ومازال ضريحة بمدينة (بريلي) الولاية الشمالية في الهند مزار المريديه ومحبيه -

٥- حاشیہ معالم التنزیل
٦- مدارج طبقات الحدیث
٧- حاشیہ بخاری
٨- حاشیہ مسلم
٩- حاشیہ ترمذی
١٠- الروضۃ البہیج فی آداب التخریج"

مولانا احمد رضا کی تصنیفات تقریباً پچاس فنون میں ہیں جن فنون پر آپ نے تصنیفات کی ہیں ان میں سب سے زیادہ نادر علم زیجات (وہ جدول جن سے ستاروں کی رفتار پہچانی جاتی ہے) و جبر و مقابلہ و علم طبقات الارض ہے۔ مولانا احمد رضا نے اپنی زندگی میں جن فتاویٰ شرعیہ کو صادر فرمایا۔ انھیں کتابی شکل میں جمع کر لیا گیا ہے۔ تقریباً ١٢ جلدوں پر مشتمل ہے جس کا نام فتاویٰ رضویہ ہے۔ حضرت مولانا کی یادگار میں ٢ علمی مرکزی ادارے قائم کر دیئے گئے ہیں۔

١- جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف،
٢- دار العلوم امجدیہ کراچی، جن میں سے ہر ایک علوم عربیہ اسلامیہ کی شعاعوں کا مرکز ہے -

وفات

مولانا احمد رضا خاں نے آنے والی نسلوں کے لیے اپنی تصنیفات کے قیمتی ذخائر علمی و فکری سرگرمیوں سے بھرے خزانے چھوڑ کر ١٣٤٠ھ میں اس دار فانی سے دار البقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار بریلی میں مریدین و محبین کے لیے ہمیشہ زیارت گاہ رہے گا -

(بشکریہ صوت الشرق قاہرہ)

امام احمد رضا اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی الحاج حافظ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ آپ کے علم و فضل کے کمالات کی بلندیوں کا اعتراف دنیائے اسلام کے مشاہیر کر چکے ہیں۔ آپ کا قلم ایک طرف عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی وجہ سے نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نغمہ طراز ہے۔ تو دوسری طرف ان اعتقادی گوشوں کی اصلاح کے لئے نشتر ہے۔ جہاں ذرہ بھر نظریاتی خرابی دیکھتے ہیں۔ ان دونوں مقامات سے گزر کر اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فقہی اور علمی میدان میں علمائے عرب و عجم سے اپنے کمالات کا لوہا منوایا ہے۔

مشاہیر ملت (اپنوں اور بیگانوں) کی اعلیٰ حضرت کے متعلق آراء پیش کی جاتی ہیں۔ جن آراء سے فاضل بریلوی کی مذہبی و ملی اور سیاسی خدمات کا اظہار ہوتا ہے۔ تیرہویں صدی کی واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتاب فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پر چھا گئی۔ اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اس کو حق و صداقت کا مینارۂ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سے سارے حل و حرم کو اس کا اعتراف ہے۔ کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا [1] (فخر خانوادہ اشرفیہ جناب حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمتہ)

امام احمد رضا، سید الفقہا حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد کی نظر میں

سیدی و مولائی اعلیٰ حضرت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ العزیز اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔ اگرچہ وہ جملہ علوم معقول و منقول میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ مگر فقہ ان کا خاص موضوع تھا۔ اور اس فن میں ہند و پاک میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ اور خاص بات یہ ہے۔ کہ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قیمتی اور قابلِ قدر سرمایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نو پیدا شدہ مذاہب و فرق کے استیصال اور تردید اور مذہب اہل سنت و جماعت کی تائید کے لئے اعلیٰ حضرت کو منتخب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے اس شان کے ساتھ اس خدمت کو سر انجام دیا۔ کہ آج ہند و پاک میں مذہب اہلسنت اپنی اصلی حالت میں جو نظر آ رہا ہے محض ان کے تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے [2]

امام احمد رضا، سید مغفور القادری کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کا علمی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تقریباً پچاس علوم و فنون میں ان کی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہر موضوع پر ان کی کتابیں متن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ایک تاریخی ناقابلِ فراموش و معافی فرو گذاشت ہو گی۔ اگر ہندوستان کے اتنے بڑے عالم متفکر

---

[1] مجدد اسلام مطبوعہ نوری بکڈپو ہمایوں باغ کانپور صفحہ ۱۴۴، ۱۴۵

[2] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور ص ۵۷

مصنف نعت گو اور سیاسی مدبر انسان کی زندگی کو صرف فکر و نظر کے اختلافات کی وجہ سے گمنامی کے گوشے میں پھینک دیا گیا ؎۱

امام احمد رضا، مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے۔ لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کہتا ہے۔ کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا

امام احمد رضا، عبد الستار خاں نیازی صاحب مدظلہ العالی جنرل سیکریٹری جمعیتہ العلماء پاکستان کی نظر میں حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت سے شدید اختلافات رکھنے والے حضرات کو آپ کے علم و فضل غیرتِ ایمانی اور سیاسی تدبّر کا اقرار کرنا پڑا ہے۔ اور یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ قرآن و حدیث، تفسیر فقہ، علم کلام، تصوف اور سیاسیات ملکی میں فضل و کمال اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت ایک نہایت ہی بالغ نظر، متوازن الفکر و معتدل مزاج مفکر اسلام تھے جنہوں نے علم و کمالات نبوّت کو توحید ربانی کا عکس قرار دیا۔ علم غیب پر ایسے محتاط انداز میں لب کشائی کی۔ کہ مخالفین ایک دفعہ تو دم بخود رہ گئے۔ اور خود ساختہ الزامات کی بیہودگی اور نامعقولیّت ان کے سامنے الم نشرح ہو گئی ؎۲

امام احمد رضا، ملک شیر محمد خاں اعوان صاحب آف کالا باغ کی نظر میں احمد رضا خاں کسی فرد واحد کا نام نہیں، تقدیس رسالت کی تحریک کا نام تھا۔ عامتہ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفےٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاک باہرکت اور پرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی۔ احمد رضا خاں کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے۔ اور اب حادثات حیات کا بیدار جھونکا اور نہ زمانے کی کوئی سنگدل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی۔

اعلیٰ حضرت کے مخالفین ان کے اپنے دور میں بے شمار تھے۔ اور آج بھی لاتعداد ہیں۔ مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج اس کے منور نام کی درخشندگی کم کر سکتے ہیں۔ وہ جب رسالت کا قاسم تھا۔ اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا۔ محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر داد تحقیق دی۔ لیکن اگر وہ اتنی پر عظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی تھا ؎۳

امام احمد رضا، مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی علیہ الرحمتہ کی نظر میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری قدس سرہٗ میرے نزدیک اس صدی کے فقیہہ اعظم تھے۔ آپ متداول علوم عربیہ ادبیہ میں ماہر کامل فنون عقلیہ و نقلیہ میں ایجاد و اجتہاد پر فائز تھے۔ ؎۴

؎۱ مقالات یوم رضا حصہ دوم دائرۃ المصنفین لاہور صفحہ ۶۳ ؎۴ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔ مطبوعہ لاہور۔

؎۲ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۲۵۹ - ۲۶۰ ؎۳ محاسن کنز الایمان مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۲۵ - ۲۶ ؎۴ مقالات یوم رضا حصہ اول مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور ص ۵۳

امام احمد رضا، صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی نظر میں

علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا۔ اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کر لیا۔ تفصیل تو ان کے فتویٰ دیکھنے پر موقوف ہے۔ مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم اسلام کے حوادث و وقائع استفتاء کے لئے رجوع کئے جاتے تھے ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی ؎۱

امام احمد رضا، علامہ اقبال کی نظر میں

ہندوستان کے دورِ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے۔ اور ان کے فتویٰ ان کی ذہانت فطانت جودت طبع کمال فقاہت علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدّت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ تھے ؎۲

امام احمد رضا، سید انور علی صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی دنیائے اسلام کے زبردست عالم اور شیخ طریقت تھے۔ امام اہل سنّت کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اور اس مقام کے وہ صحیح طور پر مستحق ہیں۔ عالم اسلام میں آپ کے متبعین اور معتقدین لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی شخصیت کے متعلق شبہات پیدا کرنے کے لئے آپ کے مخالفین نے جو الزامات عائد کئے تھے۔ غالباً علوم اسلامیہ میں آپ کے تبحر علمی اور مذہب اسلام میں نو مولود فرقہ وہابیہ کے متبعین کے افکار و خیالات کی نشاندہی میں آپ کی استدلالی قوت کی وجہ سے جو دن بدن آپ کی عزت و شہرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس سے مخالفین جل رہے تھے ؎۳

امام احمد رضا، پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی نظر میں

فاضل بریلوی متبحر عالم اور بلند پایہ فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی و سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے آپ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا۔ اور اس میدان میں خوب داد سخن دی۔ آپ کی نعتیں جذبات قلبیہ کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ آداب عشق و محبّت کی آئینہ دار ہیں۔ اس حیثیت سے اردو ادب میں آپ نعت گو شعراء کے سرتاج ہیں ؎۴

غلام رسول گوہر صاحب مدیر ماہنامہ انوار الصوفیہ کی نظر میں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و عملی اور نظری فکری فضیلت و برتری کا سورج نہ صرف پاک و ہند کو اپنی نورانی شعاعوں سے روشن کر رہا ہے۔ بلکہ ان شعلوں نے اہل عرب اہل حجاز کو علمی اور نظری و فکری لحاظ سے مستفید کیا ہے۔ وہاں کے اکابر

؎۱ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۴ ؎۲ فتویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳
؎۳ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور ص ۲۳۹ ؎۴ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۸۵-۸۶

و فضلاء نے آپ کی تصنیفات و تالیفات اور آپ کی تحقیقات اور تدقیقات سے متاثر ہو کر آپ کی مدح نہایت پاکیزہ الفاظ میں کی ہے مثلاً شیخ اسمٰعیل علیہ الرحمتہ (حافظ کتب الحرام مکہ معظمہ) نے آپ کے حق میں لکھا ہے ۱؎

"میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق و صحیح ہے (غلام رسول گوہر صاحب مدیر ماہنامہ انوار الصوفیہ ضلع لاہور)

امام احمد رضا مولینا مودودی کی نظر میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں ۲؎

(مولینا مودودی صاحب)

امام احمد رضا جسٹس شمیم حسین قادری کی نظر میں فاضل بریلوی عاشق رسولؐ تھے۔ اور یہی عشق رسولؐ کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے کہ سرور کائناتؐ کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے۔ بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔ قوم پر جب کبھی سیاسی اور تہذیبی مشکل کا وقت آیا۔ تو علمائے کرام ہی آگے بڑھے اور انہوں نے قوم کیلئے قربانیاں دیں ۳؎

(جسٹس شمیم حسین قادری ہائی کورٹ مغربی پاکستان)

امام احمد رضا پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے مدیر ضیائے حرم لاہور کی نظر میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمتہ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم و عمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے۔ جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے۔ جو بزم موعظت اور ذکر و ارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے۔ جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفےٰ بن کر رہ گیا۔ یہی آپ کا ایمان تھا کہ حبیب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جان و ایمان اور روح و دین ہے۔ اس کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کر دی اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کر دیں ۴؎

پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے (ازہر) مدیر ضیائے حرم لاہور

امام احمد رضا، علامہ علاء الدین صدیقی چیئرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل کی نظر میں جس طرح ادیان عالم میں دین اسلام اسی طرح اسلام کے جملہ فرقوں میں اہلسنّت کو خاص حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ جب دین کی قدروں کو گرایا جا رہا تھا اس وقت مولانا الشاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمتہ آگے بڑھے اور انہوں نے دین کی قدروں کو ان کے صحیح مقام پر ثبات بخشا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ امام اہلسنت تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیے ۵؎

(علامہ علاء الدین صدیقی صاحب چیئرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل)

امام احمد رضا، ڈاکٹر عبد الوحید صاحب بی اے (آنرز) پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) کی نظر میں احمد رضا خاں بریلوی مدرسہ

۱؎ ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور ضلع لاہور شمارہ دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۲۰ ۲؎ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۴۰ ۳؎ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۸ ۴؎ ایضاً ص ۳۲ ۵؎ ایضاً ص ۱۷

کے بانی سنہ ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ محمد احمد رضا خاں نے علوم دینی و دنیوی کی تکمیل گھر پر اپنے والد مولوی محمد نقی علی خاں سے کی۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ درس و تدریس کے علاوہ مختلف علوم و فنون پر کئی کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف کئے۔ جن میں بارہ جلد فتاوی کا ذخیرہ کا مجموعہ ہے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔ علوم ریاضی اور جفر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بہت سی نعتیں اور سلام لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ ۲۵ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ کو وفات پائی ۱

ڈاکٹر عبدالوحید صاحب بی اے آنرز پی ایچ ڈی (لندن)

مولانا ماہر القادری صاحب مدیر ماہنامہ فاران کراچی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے۔ یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ شیوہ بیاں شاعر بھی تھے۔ اور ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مجاز کی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ مولانا احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے۔ اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا۔ تو داغ نے بہت تعریف کی۔ اور فرمایا مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔ ۲

امام احمد رضا، افتخار اعظمی صاحب کی نظر میں

احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین اور متبحر عالم تھے۔ وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے۔ کہ انہیں طبقہ اولی کے نعت گو شاعروں میں جگہ دینی چاہیے۔ انہیں فن اور زبان میں پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے چونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے ۳

امام احمد رضا، ملک غلام علی نائب مودودی صاحب کی نظر میں

حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوی کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔ اور عشق خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے ۴

امام احمد رضا معین الدین ندوی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم اس دور کے صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر فرمائے ہیں اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت قرآنی استحضار ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ محققانہ فتاوے مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں ۵

---

۱ اردو انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۸۶　۲ ماہنامہ فاران کراچی ستمبر سنہ ۱۹۷۳ء ص ۴۴ - ۴۵

۳ ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء　۴ ارمغان حرم مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۴

۵ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر سنہ ۱۹۴۹ء

امام احمد رضا، پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کراچی کی نظر میں

علامہ فاضل مولانا احمد رضا خاں بریلوی چودہویں صدی ہجری کے نامور عالم اور مصنف تھے۔ ان کی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں گذری اور انہوں نے اپنے پیچھے تصانیف کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا بیشتر حصہ علم کلام عقائد اور فقہ پر مبنی ہے۔ اگرچہ فاضل بریلوی تمام علوم متداولہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ مگر فقہ میں ان کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔ ان کی فقہی جامعیت کا اندازہ ان کے فتووں سے ہوتا ہے: فاضل بریلوی نے حنفیت کی بڑے زور و شور سے تبلیغ و اشاعت کی۔ اور اس میں ان کو اس قدر شہرت ہوئی کہ وہ ایک مکتبۂ فکر کے بانی قرار پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاضل بریلوی خاتم الحکماء مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی کے سلسلے کی آخری کڑی تھے۔ ۱

امام احمد رضا، مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کی نظر میں

حضرت مولانا احمد رضا خاں مرحوم اس عہد کے چوٹی کے عالم تھے جزئیات فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ قاموس الکتب اردو جو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کی نگرانی میں مرتب ہوئی ہے اس میں مولانا کی کتب کا ذکر کیا۔ اور اس پر نوٹ بھی لکھے۔ ترجمہ کلام مجید اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ مولانا کا نعتیہ کلام پر اثر ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سراج الحق P.H.D تو مولانا کے کلام کے گرویدہ تھے۔ اور مولانا کو عاشق رسول سے خطاب کرتے ہیں۔ مولانا کی دینی معلومات پر گہری نظر تھی۔ ۲

امام احمد رضا، رئیس امروہوی کی نظر میں

مولانا الشاہ احمد رضا کی وسیع تصانیف کا مطالعہ تو میں نہیں کر سکا۔ البتہ کچھ چیزیں ضرور دیکھی ہیں میرا خیال شاہ صاحب اور دوسرے نقطہ ہائے نظر کے علماء کے متعلق یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کسی بزرگ کی کچھ باتوں سے اختلاف بھی ہو۔ جب بھی علم اور تاریخ میں ان کا جو حصہ شامل ہے اسے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ نیز تعمیری نقطہ نظر میں اس کو سمجھتا ہوں۔ کہ ہم مختلف مدارس فکر کی شخصیتوں کو اپنے خاندان ملت کے شرکاء مان کر ان کی اچھی باتوں سے استفادہ حاصل کریں اور اگر کچھ باتیں ہمارے معیار دل پر پوری نہ اتریں تو ان کو اچھالنے اور ان کو ذریعہ نفرت و نزاع بنانے کی بجائے ان سے صرف نظر کریں۔ یہ نقطہ نظر ایسے عناصر کے متعلق نہیں جو توحید یا منصب رسالت یا ختم نبوت یا کسی اور بنیادی عقیدے کو مجروح کر کے جداگانہ راستہ نکالنے والے ہوں۔ ۳

امام احمد رضا، عبدالحئی صاحب کی نظر میں

فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر عبور حاصل کرنے میں اپنے زمانہ میں نامور روزگار تھے۔ جس پر ان کے فتویٰ کا مجموعہ شاہد ہے۔ نیز ان کی کتاب کفل الفقیہ جسے انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں قیام مکہ معظمہ کے دوران تحریر کیا شاہد ہے۔ ۴

امام احمد رضا، ڈاکٹر سید عبداللہ کی نظر میں

وہ جید عالم متبحر حکیم عبقری فقیہہ صاحب نظر مفسر قرآن عظیم محدث سحر بیاں خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیع سے بھی بلند ان کا درجہ ہے۔ اور وہ ہے عاشق رسول کا۔ ۵

---

۱ مقالات رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۷

۲ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۷۰

۳ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۷۶، ۷۷

۴ نزہۃ الخواطر جلد ۸ مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۹

۵ پیغامات یوم رضا مطبوعہ لاہور ص ۳۸

امام احمد رضا، پروفیسر سلیم چشتی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سرکار ابد قرار زبدہ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو سلام منظوم پیش کیا ہے اسے یقیناً شرف قبولیت حاصل ہو گیا۔ کیونکہ پاک و ہند میں شاید ہی کوئی عاشق رسول ایسا ہو گا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں [1]

امام احمد رضا، ڈاکٹر نسیم قریشی صاحب ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں مرحوم و مغفور علوم و فنون کے جامع تھے۔ اور نعت گوئی میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے۔ اور وہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے [2]

امام احمد رضا، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی صدر شعبہ اردو کی نظر میں

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے واقفیت بچپن ہی سے ہے آپ کے علم و فضل تقویٰ و تقدیس حمیت دینی و حرارت ایمانی کا ذکر اکثر اپنے بزرگوں سے سنا۔ فقیہہ اسلام اور مترجم قرآن شریف کی حیثیت سے حضرت کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اس کا اعتراف تمام اہل نظر نے کیا ہے۔ حضرت مولانا کے شاعرانہ کمالات سے بھی حال ہی میں شناسائی ہوئی بالخصوص نعتیہ کلام نے خاص طور پر متاثر کیا۔ آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری سپردگی اور سوز و گداز کی کیفیت ملتی ہے۔ وہ اردو کے نعت گو شعراء میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ لیکن ہر جگہ حد و دشرعی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ نعتیہ شاعری بڑی نزاکت اور ذمہ داری کا کام ہے۔ اکثر شعراء سے اس راہ میں لغزش ہو جاتی ہے۔ حضرت کے کلام کے متعلق بلا خوف و خطر یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ وہ ہر ایک اعتبار سے ایک بلند مرتبہ شاعر ہیں اردو کی نعتیہ شاعری کا کوئی جائزہ حضرت کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا [3]

امام احمد رضا، محمد عبد الحکیم شرف قادری بریلوی کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین فخر المحققین مولانا نقی علی خانصاحب اور جد امجد بحر العلوم والفنون رئیس المدققین یگانہ روزگار ہستیاں تھیں۔ اور فضل و کمال میں بے مثال ان حضرات کی تربیت میں آپ نے صرف ۱۳ سال ۱۰ ماہ کی عمر میں تمام مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کر لی اور ایک وہ وقت آیا جبکہ اہل علم نے آپ کو بالاتفاق مجدد عصر تسلیم کر لیا۔

آپ نے کم و بیش چھوٹی بڑی ایک ہزار کتابیں لکھیں لیکن جنہیں علما و فضلا کے حلقے میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اپنی افادیت کے پیش نظر بے حد مقبول ہیں۔ اگر مخالفین بھی ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں۔ تو انہیں مصنف کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے [4]

امام احمد رضا، سید عابد علی صاحب عابد بریلوی کی نظر میں

سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ عظیم البرکت امام اہل سنت مجدد دین و ملت فاضل اجل عالم بے بدل شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات ہندوستان و پاکستان اور عرب و عجم میں محتاج تعارف نہیں۔ ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ فقہ و حدیث فلسفہ و منطق ادب و تاریخ تفسیر و کمال بیان

---

[1] ندائے حق جونپور ۱۹۶۰ء ص ۲۱ بحوالہ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر مطبوعہ لاہور ص ۴۸ [2] اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر طبع ثانی ایضاً ص [3] ڈاکٹر صاحب کا مکتوب گرامی بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب ظلہ العالی روح رواں مرکزی مجلس رضا لاہور [4] اذان ص

وبدیع جملہ فنون ریاضیہ فن شعر وعروض غرضیکہ کون سا علم ہے۔ جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہیں۔ زبردست خطیب ومقرر صاحب کثیر التصانیف مصنف بلند پایہ محقق عربی و فارسی زبان وادب کے زبردست اسکالر اردو کے بہت بڑے محسن غرضیکہ ہندوستان میں ایسی باکمال ہستیاں بہت کم ہوئی ہوں گی۔ ہندی مسلمان اس مایۂ ناز ہستی پہ جتنا بھی فخر کریں درست ہے کمالات ظاہری کو دیکھ کر جید علماء کی آنکھیں خیرہ اور حسن باطنی کو دیکھ کر اہل بصیرت حیران علم وہدایت کا سرچشمہ جس سے ہزاروں علمائے دین وشریعت فیضیاب اور لاکھوں تشنہ کامان معرفت سیراب۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف رضائے مولا چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سونے جاگنے غرضیکہ تمام جزئیات حیات میں پیروی سنّت کا التزام بات چیت میں تحریر وتقریر میں نثر ونظم میں خیال وتصوّر غرض ہر امر میں شریعت مطہرہ کا احترام یہ ہیں۔ وہ اوصاف جنہیں ہر دیکھنے والی آنکھ اس مقدس ذات میں دیکھتی رہی ہے۔ [1]

امام احمد رضا ڈاکٹر حامد علی خانصاحب کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی عابد زاہد خوش خصال حاضر جواب ذکی وذہین صاحب الرائے خطیب ومناظر اور جملہ علوم وفنون میں ماہر تھے عربی وفارسی اور اردو میں۔ ۵۰۳ علمی یادگاریں چھوڑ کر ۱۳۴۰ھ میں انتقال کیا۔ رضا صاحب تینوں مذکورہ زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔ اور ایک غیر مطبوعہ دیوان بھی ہے [2]

امام احمد رضا ابو طاہر فدا حسین فدا مدیر مہر وماہ لاہور کی نظر میں

اعلیٰ حضرت ایک فاضل مفسر عظیم محدّث اور بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فطری وذہنی شاعر بھی تھے انہیں جملہ مشہور اصناف سخن مثلاً رباعی نعت اور قصیدہ وغیرہ پر کامل دسترس اور مہارت تامہ حاصل تھی [3]

امام احمد رضا حافظ بشیر احمد غازی آبادی کی نظر میں

ایک عام غلط فہمی یہ ہے۔ کہ حضرت فاضل بریلوی نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شریعت کی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا یہ سراسر غلط فہمی ہے جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہم اس غلط فہمی کی صحت کے لئے آپ کا ایک شعر نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

سرور کہوں کہ مالک ومولیٰ کہوں تجھے ۔۔۔ باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کی کیسی فصیح وبلیغ تائید ہے۔ جتنی بار پڑھئے کہ "خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے" دل ایمانی کیفیت سے سرشار ہوتا چلا جائے گا۔ بیشک جس کے لئے زمین وآسمان پیدا کئے گئے۔ وہ خدا کا محبوب ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ نے معراج کی عظمت سے نوازا جو شافع محشر ہے۔ وہ یتیم عبداللہ آمنہ کا لال وہ ساقی کوثر وہ خاتم الانبیا اور خیر البشر وہ شہنشاہ کونین وہ سردر کون ومکان وہ تاجدار دو عالم جس کا سایہ نہ تھا۔ اس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ بیشک وہ خالق کا بندہ ہے اور خلق کا آقا ہے [4]

امام احمد رضا مداح رحمتہ للعالمین حافظ مظہر الدین صاحب کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کے نغموں سے عشق ومستی کا جہاں آباد ہے دلوں کی نئی زندگی مل رہی ہے۔ عشق کو فروغ نصیب ہو رہا ہے۔ اور محبت زمزمہ خواں بن کر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے [5]

---

[1] پاسبان کا امام احمد رضا نمبر ۱۹۶۲ء ص ۳۶
[2] ہندوستان کے عربی گو شعراء غیر مطبوعہ ص ۲۲۶
[3] اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر ص ۸
[4] ایضاً ص ۲۷
[5] پیغامات یوم رضا ص ۴۴

مجدّدِ ملّت کا مشن نتائج کے اعتبار سے

۱۸۵۷ء کو ہندوستان سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہونے کے بعد انگریزوں نے مسلم قوم ہی کو اپنا حریف تصور کیا۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں کچل کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے کھاتے پیتے گھرانے ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے آبلہ پا ہو گئے۔

ربع صدی بعد مسلم قوم میں ایک رجحان پیدا ہوا۔ کہ برسراقتدار طبقہ (انگریز) کے ساتھ حلیف بن کر ہندو قوم نے ہم کو سخت نقصان پہنچایا ہے ہمیں حکومت اور ابنائے وطن کے ساتھ اس شدت کی مخالفت کی بجائے مفاہمت سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ کسی نے ہندوؤں سے شیروشکر ہو کر اپنی محرومیوں کا ازالہ تلاش کرنا شروع کیا تو کسی نے انگریز کی ڈپلومیسی کا آلہ کار بن کر معاشی بدحالی سے نجات کی جدوجہد کی۔

انگریز کے شاطر دماغ نے ملتِ اسلامیہ سے روحِ جہاد کو فنا کرنا فرزندانِ توحید کے مرکزِ عقیدت ذاتِ پاک مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء سے ان کے ذہنوں کو برگشتہ کرنا۔ برٹش امپیریلزم کے استحکام کے لئے ضروری سمجھا۔ اس سازش کی علامہ اقبال مرحوم نے یوں نشاندہی کی۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں کبھی روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

انگریزوں کے نزدیک رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کا جذبہ جاں نثاری ختم کرنے کیلئے کسی جعلی نبی کی ضرورت تھی۔ مگر اس میں مشکلات تھیں

۱ ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام خاتم النبیین ہیں۔

۲ ۔ نبوّت کے ساتھ علوم غیبیہ کی آگاہی اور اس کا اظہار منسوب تھا۔

۳ ۔ انبیاء کے کائنات میں تصرفات و کمالات سے کتب اسلامیہ بھری پڑی تھیں۔

جب جعلی نبی کا اعلان ہوگا تو اُسے خصائص مذکورہ سے محروم پا کر عوام مسترد کر دیں گے اور مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ! مذکورہ تینوں امور کے خلاف ملّت کا ذہن تیار کرنے کے لئے اپنے معتمد گروہ سے ایجنٹ تیار کئے گئے۔ اور ان ایجنٹوں کے ذریعہ مسائل و اعتقادات کو الجھانے کیلئے مسلم قوم کے سامنے یہ نظریات پیش کئے گئے۔

۱ ۔ اگر بالفرض محال بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیّت محمدّی میں کچھ فرق نہ آئیگا

۲ ۔ علم غیب خاصہ خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو علم غیب عطا نہیں فرمایا۔

۳ ۔ کائنات میں کسی مخلوق کو کوئی تصرف حاصل نہیں۔ جس کا نام محمدؐ یا علیؓ ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کا سسر ایک عرب ریاست کا سربراہ تھا۔ موصوف کا بعض مطلوبہ مراعات نہ ملنے پر ان سے اختلاف ہو گیا۔ عرب سربراہ نے محمد بن عبدالوہاب کو تخریبی سرگرمیوں کی وجہ سے ریاست سے نکال دیا۔ نجدی نے حصول اغراض کے لئے دشمنوں سے مدد طلب کی۔ چنانچہ اُسے مسلم ریاست کے خلاف بدوؤں کو مشتعل کرنے کے لئے موخر الذکر اعتقاد کو استعمال کرنے کی پالیسی دی گئی۔ تاکہ ایک مسلم ریاست کو مشرک اور بدعتی بتا کر مسلم عوام کو اس کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ کیا جا سکے۔ محمد بن عبدالوہاب نے اسی لائن پر کام کیا۔ اور کامیاب ہوا۔ بعد میں

. یہ سیاسی سٹنٹ ایک مستقل فرقہ کی بنیاد بن گیا۔ جس کا نام وہابی تحریک ہوا

چنانچہ ہندوستان میں اسی آزمودہ نسخہ وہابیت کو مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعہ فروغ دینا شروع کیا گیا۔ مقصد صاف ظاہر تھا۔ کہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر جانفروشی کا جذبہ ختم کرنے کے لئے شان رسالت اور خصائص نبوت پر یقین رکھنا شرک وبدعت قرار دیکر تفریق بین المسلمین پیدا کی جائے۔ اور جب نیا جعلی نبی دعوٰے نبوت کرے تو اس کی امداد کے لئے قبل از وقت مسلم قوم کے سامنے یہ مسائل نزاعی صورت میں پیش ہوں کہ!

۱ - اس نئے نبی کے آنے سے خاتم النّبیین میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲ - اس نئے نبی سے کسی معجزہ علمی کی توقع نہ کی جائے۔ کیونکہ علم غیب توکسی کو عطا ہی نہیں ہوتا۔

۳ - اس نئے جعلی نبی سے کائنات میں کسی چیز پر تصرّف کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ ہر نبی کے کمالات کا لازمہ نہیں۔

یہ وہ اقدامات تھے جو مرزا غلام احمد قادیانی کی آمد سے قبل حفظ ماتقدم کے طور پر اختیار کئے گئے۔

انگریز لوٹ کھسوٹ کے لئے آئے تھے۔ ادھر ہندوستان کے سیاستدان انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ سے پریشان تھے۔ شروع شروع میں تو ہندو انگریزوں کی مسلم کش پالیسی سے خوش تھے۔ جب مسلمانوں کے پاس کچھ نہ رہا۔ تو حکمرانوں نے اپنی غلط خواہشات کا رُخ ہندوؤں کی طرف موڑا۔ اب ہندو چیخے اور ان کو مسلمان یاد آئے۔ پورے ملک میں ہندو مسلم اتحاد کے لئے تحریکیں شروع ہوئیں۔

ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی

کے نعرے کوچہ و بازار میں گونجنے لگے ——— یہاں سے اعلیٰ حضرت احمد رضا خانصاحب کا مشن شروع ہوتا ہے۔ آپ نے وطنیت کی بنیاد پر ایک ہندوستانی قوم کی مخالفت کی کیونکہ اس سے تو مسلم قوم کے تشخص کی نفی ہوجاتی تھی۔ تحریک ترک موالات میں جب علی برادران نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب کو تحریک میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا!

"مولانا آپ کی اور میری سیاست مختلف ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں میں مخالف ہوں"

علی برادران نے آزادی کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا" مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں"

دوسری طرف آپ نے خلاف دین وایمان اعتقادات کا شدّت سے تعاقب کیا۔ صدیوں سے عظمت مصطفیٰ کے عقائد ونظریات جو مسلمانوں کے جزو ایمان تھے۔ ان پر مخالفین کے حملوں کا شدّت سے مقابلہ کیا۔ اعلیٰ حضرت کو سخت مزاحمت سے دوچار ہونا پڑا۔ انگریز مخالف ہندو مخالف۔ وہابی مخالف۔ دیوبندی مخالف۔ ندوہ مخالف۔ اپنے بھولے بھالے صلح پسند مخالف۔ مگر!

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے اپنا فریضہ ادا کرنے پر ڈٹے رہے۔

نتائج مسلمانوں کو ہندوؤں سے اتحاد ختم کرکے دوقومی نظریہ اسقدر اپنانا پڑا کہ اس دوقومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا" قومیں اوطان سے بنتی ہیں"، کے علمبرداروں کا گروہ پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوا دیوبندی مسلک کے بعض علماء حصول پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوئے۔ اور اپنے اکابر کے نعرے کی عملاً تغلیط کی۔ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کے نظریۂ احمد رضا پر صاد کرنا پڑا۔

ب۔ خاتم النّبیین کے وہی معنی ملّت نے قبول کئے۔ جو سلف سے ملّت کے اعتقاد کا جزو لاینفک چلے آرہے تھے۔ اکثر دیوبندی مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے میں سواد اعظم کے شانہ بشانہ چلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہر قسم کی نبوت کا سواد اعظم کے ہمراہ انکار کیا۔ کسی دیوبندی سے یہ

نہ کہا جا سکا۔ کہ مرزا قادیانی کے دعوئے نبوت سے خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے مرزائیوں سے صرف نظر کیا جائے

کہ علماء دیوبندیوں نے اعلیٰحضرت کے اعتقاد خاتم النبیین کی تصدیق کی اور اپنے اکابر کے اس نظریہ کی " اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"۔ تکذیب کی۔ باقی رہے وہابیت کے عقائد باطلہ۔

تو اعلیٰحضرت نے برصغیر میں وہابیت کو اس قدر بے آبرو کیا۔ کہ معاشرہ میں وہابی ایک گالی بن کر رہ گیا۔ کوئی وہابی خود کو وہابی کہلانے پر تیار نہ رہا۔ وہابیوں کے خلاف نفرت کی انتہا یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ اگر ہندوستان کے کسی پسماندہ گاؤں میں کسی رقیب دکاندار نے بنجا سنگھ وہابی ہو گیا کی افواہ پھیلا دی۔ تو بنجا سنگھ کا کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ عوام کے جذبات ان اعتقادات باطلہ کے خلاف اس قدر شدید تھے کہ اُن کو مساجد میں نماز پڑھنا دشوار تھا۔ یہ قبل از وقت یا اول وقت نماز کی ادائیگی اسی نفرت کی بنا پر وہابیوں کو اختیار کرنا پڑی۔ لوگ سمجھنے لگے کہ اہانت انبیاء و اولیا کے مرتکب اس گروہ سے علیک سلیک تک انسانیت کی توہین ہے" وہابی میدان چھوڑ کر بھاگے"

اور نئے نئے ناموں سے تحریکیں چلانا شروع کر دیں۔ یہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی اسی ذہن کی غماز ہیں۔ وہابی خود وہابیت سے بیزار ہوئے کوئی وہابی کہے تو لڑنے لگتے ہیں۔ اہل حدیث، رحمانی وغیرہ اصطلاحات میں پناہ لے رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہابیوں کی نئی نسل نے محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔ کہ سواد اعظم کو مشرک کہہ کر ہم کو دھوکا دیا گیا ہے۔ کیا سعودی عرب کی کٹر مذہبی حکومت حکم قرآن کے خلاف ہر سال لاکھوں مشرکین کو (مقلدین ائمہ متقدمین اولیا) بیت اللہ شریف کی حاضری کی اجازت دیتی ہے؟

کیا یہ ہماری اماں۔ دادی، چچی جو ابھی تک ختم ولاتی اور اولیا کی عظمت کا اقرار کرتی ہیں۔ سب مشرکہ ہیں۔

کیا یہ ہماری خالہ زاد۔ پھوپھی زاد چچا زاد ہمشیرہ مشرک کی بیوی بنا دی گئی ہیں۔ حالانکہ قرآن نے تو مشرک کیساتھ نکاح حرام قرار دیا ہے یہ مشرکین کیساتھ رشتہ داری کیسے ہوگی۔ یقیناً سواد اعظم پر مشرک ہونے کا الزام صریح جھوٹ ہے۔

یہ تو جُز وقتی طور سیاسی مذہب کو مسلک کا رنگ دے کر امت مصطفٰے کو تباہ کیا جا رہا تھا۔ وسیع النظری سے عاری اصاغر ملت کا مختصر گروہ چھوڑ کر ان اعتقادات باطلہ کو کوئی پذیرائی حاصل نہیں رہی؟ غور فرمائیے!

جن امور پر اعلیٰحضرت احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ملت کی خیرخواہی کے لئے مخالفین سے اختلاف کیا تھا۔ آج ایک آدمی بھی اپنے اس اختلافی مقام پر کھڑا نظر نہیں آتا۔ جہاں سے یہ جنگ شروع ہوئی تھی۔ اب تو تقویۃ الایمان کے مندرجات سے اعلانیہ لاتعلقی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا!

صرف اس لئے کہ اعلیٰحضرت احمد رضا خاں رحمتہ اللہ کی جنگ ذاتی نہیں تھی۔ بلکہ عظمت رسول اللہ ﷺ کی بحالی کے لئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد فرمائی۔ مخالفین کی جنگ صرف اپنے اکابر کی عزت کے لئے تھی۔ اپنے اغراض کے لئے تھی اسلام دشمن طاقتوں کی سازشوں کی تکمیل کے لئے تھی۔ اس لئے خدائے وحدہٗ لاشریک نے انسانوں کو اس سے بیزار کر دیا۔

کذالک العذاب ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ۵

امام احمد رضا شیخ طریقت کی نظر میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْن ۔

اما بعد ——— صدر محترم ! معزز حاضرین

جس عالم ربانی اور فاضل المعی کی یاد منانے کیلئے یہ جلسہ منعقد ہو رہا ہے اس کی تاریخ ولادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء اور تاریخ وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء ہے

جو شخص برّصغیر پاک وہند کی ماضی قریب کی تاریخ سے واقفیت رکھتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے۔ کہ یہ عرصہ کتنا پرآشوب اور ہنگامہ ہائے رستاخیز سے معمور تھا۔ انسان کی سیرت وکردار کی تشکیل میں اس کے عصری حالات جو فیصلہ کن اثر ڈالتے ہیں وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ بعض لوگ اپنے عصر کے تقاضوں سے منفعل اور متاثر ہوتے ہیں اور بعض لوگ خود ان پر اثرانداز ہوتے ہیں اسلئے کسی کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے زمانہ کے احوال سے صرف نظر قطعاً مستحسن نہیں۔ اسلئے اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کو سمجھنے کے لئے آپ کے عہد کے مزاج کو سمجھنا اور ان تاریخی عوامل کا جائزہ لینا از حد اہم ہے۔ جو اس وقت کارفرما تھے۔

افق ہند پر ایک ہزار سال تک درخشاں رہنے کے بعد اب مسلمانوں کا آفتاب اقبال غروب ہوا چاہتا ہے۔ بابر اور اورنگ زیب کی اولاد اب شمشیر وسناں سے راہ ورسم توڑ چکی ہے۔ اور طاؤس ورباب پر فریفتہ ہونے لگی ہے۔ جہاں جوانوں کا خون گرمانے کے لئے رجز پڑھے جاتے تھے وہاں اب عصمت فروش رقاصائیں اپنی پایلوں کی جھنکار سے غیرت وحمیت کے جذبات کو لوریاں دے رہی ہیں جہاں مائیں بچوں کو خالد و طارق کے قصے سنا کر پروان چڑھاتی تھیں وہاں اب عشق وحسن کی بدمستیوں کی کہانیاں وجہ تسکین خاطر اور باعث گرمی محفل بن گئی ہیں روحوں کی پاکیزگی، حوصلوں کی بلندی اور عزائم کی پختگی کو عیش وعشرت کی دیمک نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے جن کے آباؤ اجداد کے نام سنکر اغیار کے دل لرز جایا کرتے تھے۔ آج لال قلعہ کی مضبوط سنگین دیواریں اور گہری خندقیں بھی دشمنوں کی یلغار سے انہیں پناہ نہیں دے سکتیں۔ ملک کے طول وعرض میں ہر طرف فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ ایک مملکت سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی ہے۔ کہیں مرہٹوں کی بربریت نے کہرام مچا رکھا ہے۔ اور کہیں سکھوں کے وحشیانہ مظالم سے قیامت برپا ہے۔ مغل اقتدار راس کماری اور درّہ خیبر سے سمٹ کر قلعہ معلّیٰ میں محصور ہو گیا ہے۔

انگریز اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی گرفت روز بروز مضبوط کرتے جا رہے ہیں یکے بعد دیگرے ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ان کے زیر نگیں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان المناک حالات میں اسلامی حمیت نے پھر جھرجھری لی۔ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی

کے نعرۂ جہاد سے سارا ہندوستان گونج اٹھا. فرنگی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء حق کفن بدوش سربکف میدان عمل میں اُتر آئے. ہندوستان کا ہر قابل ذکر شہر میدان کارزار بن گیا اور شمع آزادی کو روشن رکھنے کے لئے مسلمانوں نے بے دریغ قربانیاں دیں لیکن جاہ طلب اور مصلحت اندیش امراء کی غداری اور صحیح فوجی قیادت کے فقدان کے باعث ملک وملت کے سرفروش مجاہدین کی یہ کوشش برآور نہ ہوسکی. فاتح انگریز کی آتش انتقام بھڑک اٹھی. اور جنگ آزادی کے سپاہیوں کو چن چن کر تہ تیغ کیا جانے لگا.

چونکہ آزادی کی صور اسرافیل پھونکنے والے، جہاد کے نقارہ پر پہلی چوٹ لگانے والے میدان جنگ میں کفر و باطل کو للکارنے والے اکثر وبیشتر علماء اہل سنت اور ان کے پیروکار تھے. اس لئے انتقام کے شعلے انہیں کی طرف لپکے. انگریز کی آتش غضب انہی کے خرمن امن و عافیت کو خاکستر بناتی رہی. حریت کیش مجاہدین کو سزا دینے کے لئے جگہ جگہ فوجی عدالتیں قائم کی گئیں چند سفاک اور خون آشام لوگوں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ مردان حُر کو جنہوں نے خوشی سے غلامی کی بیڑیاں پہننے سے انکار کردیا تھا. جو چاہیں سزا دیں ان کا سفاک قلم عدل وانصاف کے سارے تقاضوں کو یکسر فراموش کردیتا ہے. جلیل القدر فضلا جن کی نظیر بادر گیتی بار بار پیدا نہیں کرتی انہیں عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے. سینکڑوں کو جلا وطن کر دیا جاتا ہے. ہزاروں علماء کو درختوں کے تنوں سے باندھ کر گولی سے اڑا دیا جاتا ہے.

فطرت بڑی کفایت شعار ہے. دیدۂ بینا اور عقل رسا کی نعمت ارزاں اور عام نہیں ہوتی. برسوں کی تگ و دو کے بعد کہیں کوئی مرد حکیم بزم آرا ہوتا ہے. ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ایک عالم ربانی کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے. اس کو بھرنا مشکل ہوتا ہے. یہاں تو سینکڑوں نابغ روزگار ہستیاں بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اُتار دی گئی تھیں ان کی شہادت اور جلاوطنی سے ایک ناقابل تلافی اور ہولناک خلا کا پایا جانا ایک قدرتی امر تھا. قوم اپنے ذہنی ارتقا علمی نشوونما، تہذیبی اقدار کی حفاظت اور اپنے عقائد کے تحفظ کے لئے علماء کی محتاج ہوتی ہے. جب تک قوم میں ایسے مردان حر موجود ہوتے ہیں جن کی نگاہیں حقیقت شناس اور زبانیں حق گوئی میں بیباک ہوتی ہیں تو کوئی فتنہ قوم کو گزند نہیں پہنچا سکتا. ادھر کوئی فتنہ کھڑا ہوا ادھر ان کی تلوار بے نیام ہوئی اور بجلی بنکر گری اور اس فتنہ کو خاک کا ڈھیر بنا دیا. لیکن جب ایسے نفوس سے قوم کی بزم خالی ہوجاتی ہے تو ہر بہروپئے کو کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے. اور وہ اپنی شاطرانہ چابکدستی سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیتا ہے. جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ملت اسلامیہ کو اسی قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا. اس طوفان نے دمکتے ہوئے ان گنت چراغوں کو گل کردیا. جن سے رشد وہدایت کی روشنی پھوٹ رہی تھی. ہر طرف مایوسی اور ادا سی کے اندھیرے چھا گئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے جا رہے تھے.

اہل نظر کو ایک بات ذہن نشین کرنی چاہئیے کہ انگریز کا ہندوستان پر تسلط فوجی قوت کی بالادستی میں محدود نہ تھا. بلکہ ان کے ہمرکاب ان کی مادی ترقی کی مبالغہ آمیز داستانیں بھی تھیں ان کے ساتھ سائنس کے جدید اور تعجب خیز انکشافات بھی تھے. ان کے پاس صنعتی اور فنی محیر العقول ایجادات بھی تھیں مزید برآں وہ ایک ملحدانہ فلسفہ حیات بھی اپنے ہمراہ لائے تھے. ان میں سے ہر ایک چیز مفتوح اور مغلوب قوم کے متاع ہوش وخرد کو لوٹ لینے کیلئے کافی تھی دشمن بڑے مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہاں آیا تھا. اور یہاں اس کی دعوت مبازرت کو قبول کرنے والے اور اس کی نخوت و رعونت کو خاک میں ملانے کا دم خم رکھنے والے یا اپنی پُر انوار مرقدوں میں آرام فرما تھے یا اسیران زندان جفا. میدان خالی تھا. انگریز نے اسلامی حکومت کا چراغ گل کرنے کے بعد انہیں دولت دین و ایمان سے محروم کرنے کا بھی عزم بالجزم کرلیا کیونکہ ملت صالح اور حکیمانہ قیادت سے محروم ہو چکی تھی. اسلئے بعض نوجوانوں کو جن میں حکمت کی متانت کم اور جوش وخروش زیادہ ہوتا ہے. انگریز نے اپنے دام فریب میں آسانی سے اسیر کرلیا. دیکھئے

دیکھتے یہ ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جن کے قلب و نظر کو اغیار کی عشوہ طرازیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ برملا اسلامی تعلیمات کا استخفاف کرنے لگے۔ دین کے اصول، دین کے مسلمات کا انکار ان کے لئے قطعاً کوئی اہم بات نہ رہی انہیں اپنے اسلامی تمدن سے بھی گھن آنے لگی وہ اپنے تاباں ماضی سے بھی نفرت کرنے لگے اور اپنے اسلاف کرام سے قطع تعلق کرنے میں ہی اپنی عزت و توقیر سمجھنے لگے۔ اور خود خوشامد پسند اور کاسہ لیسوں کے سرخیل ہوتے ہوئے ان بیکران استغناء و استقامت پر تملق پیشگی شاہ پرستی کی تہمت لگانے لگے۔ جن کی سیر چشمی اور بے نیازی کی قسم فرشتے کھا سکتے تھے۔

غرضیکہ ہر وہ چیز جو اسلام کے تقدس اور روحانی عظمت کی آئینہ دار تھی اس کو بے توقیر اور بے وقعت کر دینے کی کوشش کو خدمت اسلام کا نام دیا جانے لگا۔ عظمت اسلام کو ہدف طعن بنانے کی خدمت وہ نوجوان دینے لگے جو ملت کی امیدوں کا مرکز اور خوابوں کی تعبیر بننے کی اہلیت رکھتے تھے شجر اسلام کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے وہ لوگ پیش پیش تھے۔ جن کے آباؤ اجداد نے اپنے خون ناب سے اسے سینچا تھا۔ ؎

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن

کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

نور دیدہ پیر کنعان چشم زلیخا کو کیوں روشن کرنے لگا؟ اپنوں سے کٹ کر بیگانوں سے محبت کی پینگیں کیوں بڑھانی شروع کر دیں؟ ضروریات دین اور مسلمات دین پر اس کا یقین کیوں متزلزل ہو گیا آیات قرآنی کی بے جا تاویلات بلکہ تحریفات کی جرأت اس میں کیوں پیدا ہو گئی؟ یہ سوالات اتنے غیر اہم نہیں ہیں کہ ان سے پہلو تہی کرکے انسان آگے گزر جائے۔ بلکہ یہ ہر مخلص مسلمان کیلئے دعوت فکر ہے۔ جن پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ میرے نزدیک اس کے کئی اسباب تھے۔ سیاسی ادبار کے بعد احساس کمتری جدید فاتح قوم کی مادی قوت علمی سربلندی اور دل و نظر کو مسحور کر دینے والے افکار و نظریات اور ایسے علماء کا فقدان جو ان عوامل و محرکات کی طغیانیوں کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑے ہونے کی ہمت رکھتے ہوں ان کے علاوہ ایک ایسی تحریک جس نے مسلمانوں کے دل سے حضور نبی مکرم و معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے نقوش دھندلا دینے کے بعد محبت حبیب کبریا علیہ الطیب التحیۃ والثناء کے چشمۂ فیاض کو گدلا کرنے کی مساعی کو دین حق کی صحیح خدمت خیال کر لیا جب آنکھیں خاک مدینہ و نجف سے سرمگیں نہ ہوں تو دانش فرنگ کے جلوے اسے بآسانی خیرہ کر لیتے ہیں جب دل محبوب رب العالمین کے صہبائے عشق سے سرشار نہ ہو تو نفس کی ہوسناکیاں اسے بآسانی بدمست کر سکتی ہیں جب ذہن کی لوح پر عظمت مصطفیٰ کا نقش جلی قلم سے مرقوم نہ ہو تو اس لوح پر آپ کوئی سا نقش بھی کندہ کر سکتے ہیں جب سرور عالم و عالمیان سے بندہ مومن کا رشتہ عقیدت ٹوٹ جائے تو اس کو ہر صیاد اپنا نخچیر زبوں بنا سکتا ہے۔

سیاسی ادبار کے ساتھ ذہنی اور فکری اتحاد بھی پارہ پارہ ہونے لگا وہ اساس محکم کمزور ہونے لگی۔ جس کے سہارے قصر اسلام حوادثات دہر کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایسی چیزیں بھی ظہور پذیر ہونے لگیں جن کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان ہی میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ دائر کر دیا۔

دین کے ایک ایک مقصد سے برملا غداری کی۔ جہاد کو حرام قرار دیا۔ اتنی جسارت کے باوجود اسی ملت میں سے اسے اپنے حواری تلاش کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہوئی۔ جو سانحہ اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں رونما نہیں ہوا تھا۔ وہ انگریزی اقتدار کی گرفت مضبوط ہوتے ہی وقوع پذیر ہو گیا۔

ان حالات میں بریلی کے ایک معزز خاندان میں ایک روح ارجمند تشریف فرما ہوئی۔ جس کے مقدر میں ان تمام داخلی اور مذہبی فتنوں سے نبرد آزما ہونا رقم تھا اور پیکر حسن و جمال، مصدر جود و نوال، منبع فضل و کمال اور مرکز عشق و محبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملت کا رشتہ عقیدت و نیازمندی استوار کرنا تھا رحمت الٰہی نے بڑی فیاضی سے انہیں بے نظیر صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ بلا کا حافظہ، ذہن وقاد، طبع رسا، اقلیم فصاحت

ہما توت کی سروری قدرت کے یہ وہ عطیے تھے جن میں سبقت تو کجا کوئی ہمسری کا دعویٰ بھی نہ کرسکتا تھا۔ کوئی متداول اور غیر متداول علم و فن ایسا نہ تھا جس میں آپ کی قابلیت کا لوہا نہ مانا جاتا ہو۔ علوم دینیہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں آپ کو جو عدیم النظیر مہارت حاصل تھی۔ اس میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن ریاضی، تکسیر، نجوم وغیرہا علوم جن کے مبادیات سے بھی اکثر فضلاء بے خبر ہوتے ہیں ان علوم میں بھی آپ کے تبحّر اور مہارت کا یہ عالم تھا۔ کہ چوٹی کے ریاضی دان مشکل سے مشکل مسائل حل کرنے کے لئے آپ کی بارگاہ کا رخ کیا کرتے تھے۔ اور جن مسائل کو وہ لاینحل قرار دے چکے ہوتے آپ اشاروں میں حل کر کے انہیں محوِ حیرت کر دیتے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے زمانہ میں ریاضی کے مسلّم ماہر تھے حضرت مولانا شاہ سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ریاضی کے چند مسائل میں متفکر ہیں اور وہ حضرت سے مل کر ان کا حل دریافت چاہتے ہیں اجازت ہو تو شرف باریابی حاصل کریں اعلیٰ حضرت نے بصد مسرت اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب چند روز بعد بریلی تشریف لے گئے نماز عصر کا وقت تھا نماز ادا ہوئی اس کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی مسند پر تشریف فرما ہوئے اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا۔ دوران گفتگو اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کے اشکال بنے تھے ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش کیا۔ جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب حیرت و استعجاب میں کھو گئے اور بولے کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لئے بار ہا غیر ممالک کے سفر کئے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں۔ میں تو اپنے آپ کو اس وقت طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر یہ فرمائیں کہ اس فن میں آپ کا استاد کون ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے محض چار قاعدے صرف اس لئے سیکھ لئے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ اس میں اپنا وقت ضائع کرتے ہو مصطفےٰ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں یہ سب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کرم ہے۔ اس کے بعد کسور اعشاریہ، متوالیہ کا ذکر چل نکلا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ بس صرف تیسری قوت تک کا سوال حل کیا جا سکتا ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے سید قناعت اور سید ایوب علی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے ان دونوں بچوں کو کچھ قاعدے سکھا دیئے ہیں آپ انہیں جس قوت کا سوال دے دیں انشاء اللہ تعالےٰ یہ بچے حل کر دیں گے ڈاکٹر صاحب محوِ حیرت ہو کر دونوں بچوں کا منہ تکنے لگے۔ یہ بے مثل فہم و ذکا، یہ بے نظیر علم و فضل اور یہ گوناگوں صلاحیتیں قدرت نے کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لئے ارزاں فرمائی تھیں چنانچہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل فرمائی اور اس کے بعد تدریس و تالیف و تصنیف، وعظ و ارشاد، ریاضات و مجاہدات، ان فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہوئے۔ اور آخری دم تک بڑی جرأت، ہمت اور بے باکی کے ساتھ اسلام کے دفاع میں مصروف رہے۔ کوئی فتنہ ہو اس نے کہیں سر اٹھایا ہو۔ احمد رضا کا قلم اس پر صاعقہ بن کر گرتا اور اسے خاک سیاہ بنا کر رکھ دیتا۔ مخالفت کی آندھیاں اٹھیں بہتان تراشیوں کے طوفان اُمڈے لیکن اسلام کا یہ نڈر اور بے باک سپاہی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق بلا خوف لومۃ لائم سینہ سپر رہا۔ کسی موقع پر نہ اس میں لچک پیدا ہوئی اور نہ پائے استقامت ڈگمگایا آپ کی ساری زندگی حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے اس شعر کی آئینہ دار رہی۔

فان ابی و والدہٖ و عرضی لعرض محمد منکم وقاءِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ درست ہے کہ آپ کا اصل میدان عمل دین اور علوم دین کی خدمت کرنا تھا۔ اور آپ کا طبعی رجحان سیاست کی طرف نہ تھا۔ لیکن آپ کی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست نے نہ آپ کو بعض لوگوں کی طرح انگریز کا حلقہ بگوش بننے دیا اور نہ کبھی ہندو کا دام زر دار انہیں اپنی گرفت میں لے سکا۔ آپ کے قلب مومن نے یہ بھانپ لیا تھا۔ کہ اسلامی غیرت اس ذلّت کو برداشت نہیں کرسکتی کہ مومن گداگروں کی طرح غیر مسلم حکومت سے مراعات، اور عطیات کی دریوزہ گری کرے اور نہ اسے یہ گوارا ہے۔ کہ لالہ جی کے مکر و فریب میں اسیر ہو کر ملّت اسلامیہ کا مقدر اس بنیا کے ہاتھ دے دیں۔

جو شرف انسانیت سے بالکل بے بہرہ ہے. لیکن جب قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی قیادت میں ملّت مسلمہ نے پاکستان کو اپنی منزل مقصود قرار دیا. تو یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے. کہ آپ کے مکتبہ فکر سے وابستہ جتنے علماء و مشائخ، اساتذہ و طلباء مدارس اور خانقاہیں تھیں سب نے بلا استثناء اپنی کوششیں پاکستان کے حصول کیلئے وقف کردیں اور اس کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا جس وقت پاکستان کا نام لینا ہزاروں مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف تھا جب کہ میدان سیاست کے بڑے بڑے تجربہ کار سپاہی پاکستان کے تصوّر سے کانپ اٹھتے تھے جب کہ بڑے بڑے رؤسا اور نواب پاکستان کی حمایت میں ایک لفظ کہنا خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے جب کہ بڑے بڑے مدارس کے فضلاء قیام پاکستان کو اسلام کے مزاج کے خلاف یقین کرتے تھے. اس وقت ایک اعلیٰ حضرت بریلوی کا مکتبِ فکر تھا جس کے وابستگان نے چٹا گانگ سے پشاور تک اور سلہٹ سے کراچی تک پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا. کیا کوئی اس بات کا انکار کرسکتا ہے. کہ یہ آپ کی ایمانی بصیرت کا فیضان نہ تھا. یقیناً یہ آپ کے فیض نظر کی برکت تھی. یقیناً یہ آپ کے نور نظر کا اجالا تھا. جس نے شک وشبہ اور تذبذب اور تردّد کے سارے پردے چاک کر دیئے.

آپ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم وعمل کے نور سے منوّر ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفےٰ علیہ اجمل التحیۃ والثنا سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے. جو پند وموعظت اور ذکر وارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے. جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا گیا. اور جو سمٹا تو عشق مصطفےٰ بن کر رہ گیا. یہی آپ کا ایمان تھا. کہ حبّ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جان ایمان اور روح دین ہے. اسی کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کر دی. اسی کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کر دیں.

امام احمد رضا ایک سیاستدان کی نظر میں

صاحب صدر! آج ہم سب اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت وجماعت احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے ۶۸ ویں عرس یا جدید اصطلاح میں یوم منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں

تمام اسلامی اصطلاحوں کی مانند "عرس"، کی اصطلاح بھی خود واضح ہے۔ کہ ہم مسلمان غیر مسلم اقوام کی طرح اپنے اکابرین کے صرف ایام ولادت ہی نہیں مناتے، ماسوا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم میلاد کے، جو ہمارے عقیدے کے مطابق تخلیق کائنات ہی کے وقت سے ماموریت کا منصب، تقدیر الٰہی سے پا چکے تھے۔ اور باعث تخلیق ہر دو عالم تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خدا سے عطا کردہ لقب رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ (یعنی سب جہانوں کے لئے رحمت) مسلم ہے۔ لیکن تمام اولیاء اللہ اور علماء کرام کی تاریخ وصال یا تصوف کی اصطلاح میں "عرس" کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ مامور من اللہ تکوینی جہت سے کسی بھی منصب کیلئے پیدا ہوں طفولیت میں بہرصورت اس کمال منصب تک رسائی نہیں ہوتی۔ جو خالق حقیقی کے پاس جاتے ہوئے معیار شرعی سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس معیار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں اپنی تقریر میں اعلیٰ حضرت کی ان فضیلتوں کا ذکر دوسرے مقررین پر چھوڑ دونگا جو متعلقہ منصب کو بیان کرنے کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰ حضرت کے ہزارہا مریدان طریقت آج بھی برصغیر پاک وہند میں موجود ہیں وہ طریقت کی دنیا میں ان کے فضائل مجھ سے بہتر بیان کر سکتے ہیں تمام برصغیر کے ہر علاقہ میں ملّت اسلامیہ کے سواد اعظم یعنی نعمانی مسلک فقہ رکھنے والے علماء کرام، مدرسین، خطباء، واعظین وغیرہ یا براہ راست اعلیٰ حضرت کے شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں اور عقیدت کیشوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ بہرحال راسخ العقیدہ اسلامی روایات کی پیروی میں سلف صالحین سے اخذ کردہ روایات کی مانند ان کے تعاون کو بھی حجت شرعی تسلیم کرنے کے باعث اعلیٰ حضرت کے ہم مسلک فقہ تو ضرور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو امام اہلسنّت وجماعت متاخرین مانا جاتا ہے۔ چنانچہ جن اعتزالی اور انحرافی فقہی تحریکوں نے انگریز کے دور غلامی میں خدا سے رسول کو جدا کرنے، قرآن کو حدیث سے پرے رکھنے۔ فقہ کو کتاب سنت کا بدِّ مقابل بنانے یا خدا اور رسول کے مابین علم غیب کی تقسیم اپنے ناقص فہم قرآن کے ماتحت کرنے کی کوشش کی ہیں اور جب عہد حاضر کے مسلمان کو اس کے صحیح تبلیغی منصب سے غافل کر کے طول طویل اور دور از کار ذہنی الجھنوں میں مبتلا کرنے کے شاخسانے کھڑے کر دیئے ہیں تو ان کی تردید میں صحیح عقلی ونقلی دلائل کی تلاش بہرحال کسی نہ کسی مرحلے پر اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی مدد سے کی جاتی ہے

امام اہل سنت کی حیثیت میں بھی اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کی بارہ جلدوں اور ربتیہ ایک ہزار بڑی چھوٹی تصانیف کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ نسخوں سے سرسری تعارف کرانا بھی اعلیٰ حضرت کے فیض یافتہ علماء کرام کا ہی حصہ ہے۔ میں تو آج کی تقریر میں اپنا موضوع یہاں تک محدود رکھونگا کہ ۱۸۵۷ء میں جب علماء سواد اعظم برصغیر کے سرخیل مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کے مرتب کردہ فتویٰ جہاد سے پیدا ہونے والی تحریک کا عسکری سیاسی اقتصادی تعلیمی اور معاشرتی محاذ پر استیصال، انگریز، سرسالار جنگ اول مدار المہام نظام حیدر آباد دکن سرسیّد اور ارسطو جاہ رجب علی جیسے ملت فروشوں کی مدد سے کر چکے تو مسلمانوں کی خانقاہوں کے اوقاف، انگریزی فوجوں کے تسلط میں آ کر اس حالت کو پہنچ گئے۔ کہ شاہی مسجد لاہور میں گولہ بارود

رکھا جاتا تھا۔ نیلا گنبد انار کلی کے مزار کو گورا فوج کا مطبخ بنایا گیا اور مقبرہ انار کلی میں ملکہ وکٹوریہ کی پاپائیت کے ماتحت برٹش چرچ کا گرجا قائم کر دیا گیا اور کم و بیش یہی حالت تمام ہندوستان کے اسلامی مقامات مقدسہ کی تھی۔ عربی فارسی کی جگہ اردو اور انگریزی زبانیں جبراً مروّج کی گئیں۔ تو اس وقت قضائے ربّی نے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ کے مصداق جون ۱۸۵۶ء ہی میں بریلی شریف کے ایک قدیم ریاستی دنیاوی اور فضیلت علمی و روحانی رکھنے والے گھرانے میں اعلیٰ حضرت کو پیدا کیا۔ آپ کے ایام طالب علمی اور جوانی وہی زمانہ ہے۔ جب کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ربع صدی تک تمام مسلمانانِ ہند پر قبرستان کی خاموشی اور اجاڑ کی کیفیت طاری تھی۔ کتابیں چھپتی تھیں تو صرف ان عالموں اور صوفیوں کی جو تاجداران لندن کے آنجہانی ہونے پر شاہی مسجد دہلی اور شاہی مسجد لاہور میں ان کے لئے دعائے مغفرت پڑھا کرتے تھے۔ (دراصل اسی مقصد کی خاطر یہ مساجد واگزار کرائی گئی تھیں۔) مدرسے بھی وہی قائم رہ سکے جو (اپنی سالانہ امدادوں کی اصلی شہادت کے مطابق) ڈپٹی کمشنروں اور سرکاری افسروں کے زیر صدارت معاذ اللہ اسلام کی سب سے بڑی بنیادی تعلیم یہ قرار دیتے تھے کہ حاکم وقت کافر بھی ہو تو اس کی مخلصانہ وفاداری اور اطاعت مسلمان کا شرعی فریضہ ہے۔ دلیل یہ تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حبشی سردار کی اطاعت بھی فرض شرعی ہے۔ (اِنْ تُؤَمَّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَاتَّبِعُوْهُ۔ انگریز تو کالے کلوٹے حبشی نہیں ماشاء اللہ گورے چٹے خوبصورت حکمران ہیں یہ بات تاویل سے گول کر دی جاتی تھی۔ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشی مسلمان کا تذکرہ کیا تھا اسلام میں معیار فضیلت جلد کی رنگت نہیں بلکہ کفر کی سیاہی دل میں رکھنے والے گورے کو ایمان کی روشنی رکھنے والے کالے رنگ کے حبشی کی خاک پا سے بھی کیا نسبت ہو سکتی تھی۔

ان حالات میں اعلیٰ حضرت نے ہوش سنبھالتے ہی اس تحریک کی امامت کا منصب نبھایا جس کی روایت مولانا فضل حق خیرآبادی کے بعد فضل رسول بدایونی اور دیگر اکابر اہل سنّت نے اپنے اپنے علاقہ میں اس دورِ پرفتن میں بھی زندہ رکھی تھی۔

اس تحریک میں اعلیٰ حضرت نے علوم اعتقادی و علوم آلاتی میں فضیلت حاصل کی۔ جو تصانیف شائع کیں تحریری مناظرے اور فقہی استدلال سے اپنی برتری جس طرح اپنے حریفوں سے بھی تسلیم کروائی یا جس طرح اپنے کمال کو پہنچکر غلام آباد ہندوستان کا یہ سچا مسلمان مبلّغ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور اس وقت کی تمام قلمرو خلافت عثمانیہ کے فقہاء و مشائخ سے قبول عام کی سند لیکر ہندوستان واپس آیا۔ اور سید جمال الدین افغانی علیہ الرحمۃ نے جس طرح دوست محمد خاں امیر کابل کی انگریزوں کی باجگذاری سے نجات کی تحریک سے لے کر کلکتہ میں جسٹس سید امیر علی مرحوم کی دو قوم کے نظریہ کی ابتدائی ہندوستانی تحریک تک یا پھر ایران سے لیکر مصر و شام قسطنطنیہ تک اور بعد ازاں وسط ایشیا کی روسی تسلط سے زبوں حال کثیر مسلمان آبادیوں تک عالمگیر اجتماعیت ملت اسلامیہ کو تازہ کر کے حقیقی معنوں میں محی ملّت کے منصب اور لقب کا حق ادا کر دیا۔ نجد میں خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کے فتنے سے لیکر ہندوستان میں نیچریت وغیرہ کی اعتزالی و انحرافی تحریکیں اور یہاں سے وسط ایشیا میں بہائی اور بابی تحریکوں کو شرک فی الرسالت کے عقیدے سے منسلک ثابت کر کے ناخواندہ عامۃ المسلمین کے دلوں کی گہرائی تک یہ بات اتار دی کہ امکان نظیر رسالت یا امکان کذب باری تعالیٰ کی تحریکیں فقط نصرانیت و یہودیت کے پادریوں کے ہاں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک یا فریسی یا صدوقی صیہونیت کے دعووں اور احبار کی مناظرہ بازی اور کتب فروشی کے حیلے بہانے تک محدود نہیں بلکہ روسی زاریت اور انگریز قیصریت نے مسلمانوں کے جہاد سے نجات پانے کے لئے آتش بازی کی پھلجھڑیاں چھوڑی ہیں جن کی چنگاریاں سلطنت سے محروم اور مسجد و خانقاہ کی تربیت سے جلاوطن مسلمان برباد نونہالوں کے خرمن ایمان کے لئے کڑکتی ہوئی عسکریت کی بجلیوں یا عدالت سے مہاجن اور ساہوکار کی قرقی کی ڈگریوں سے اٹھنے والے جگر سوز شعلوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔

۱۸۷۰ء سے لیکر ۱۹۲۱ء تک طول و عرض ظلمت کدہ ہند میں اعلیٰ حضرت کی تحریک تکریم رسالت اور انعقاد مجالس میلاد کی یہ تنظیم تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے فتنے میں مسلمانوں سے تخت دہلی، اوقاف، دار العلوم اور مساجد میں انگریز کے گیت گانے والے (دردمندان ملت) کے علی الرغم پہلی مرتبہ عامۃ المسلمین کو ایسی تنظیم میں جو ۳ء میں پاکستان کی وکیل بننے والی مسلم لیگ کی پیدائش سے بھی قرنوں پہلے ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد سے بھی

پہلے اور ۱۹۱۶ء میں لیگ کانگرس لکھنؤ پیکٹ اور مسلم لیگ کا نصب العین تاج برطانیہ کی وفاداری ترک کر کے آزادی قرار دینے سے قرنوں پہلے تھی کہ تحریک خلافت و تحفظ حرمین شریفین کے آغاز سے بھی قرنوں پہلے مسجد کانپور میں گولی چلنے یا تقسیم بنگال اور پھر اسی تقسیم کی تنسیخ سے بھی بہت پہلے۔ دور دراز دیہات کے ان پڑھ دہقان مسلمانوں کے دل میں انمٹ حروف سے یہ نقش کر چکی تھی۔ کہ مسلمان کی سیاست اس کے دین سے جدا نہیں اور کوئی مسلمان لیڈر یا پیشوا یا پیر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکمل شریعت کے سوا کسی غیر قانون کے ماتحت مسلمانوں کو تابع نہیں کر سکتا آخر وہ کیا غیبی طاقت تھی کہ جب مولانا محمد علی جوہر گاندھی کو اپنی جیب میں ڈال کر ہندو مسلم کی مشترکہ جے پکارتے پھرتے تھے۔ یا جب مسٹر جناح قائداعظم بننے سے پہلے ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۷ء تک بھی ہندوؤں سے تحفظ و مراعات حاصل کر کے مشترکہ قومیت کے زور سے انگریز کو نکالنا چاہتے تھے تو بار بار اور آخر کار ہر مسلمان لیڈر کو مسلمان عوام کی اس ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے کہ انگریز نے تو جبر و جور اور مکر و فریب سے مسلمان کو شکست دی تھی۔ رضا کارانہ سمجھوتے سے مسلمان سوائے خلافت کے اسلامی قانون کے اور کسی قسم کی مملکت کی اطاعت پر برضا و رغبت آمادہ نہیں ہو سکتے۔

روزنامہ کوہستان کے معروف کالم نگار مسٹر احسان نے ماضی قریب میں پروفیسر اشفاق علی خان پرنسپل گورنمنٹ کالج کے زیر صدارت کسی مذاکرے کا یہ لطیفہ لکھا تھا کہ جب سارے قیام پاکستان کے مدعی۔ قدیم کارکن اپنی اپنی شان میں قصیدے پڑھ چکے تو کسی معصوم کالج کے طالب علم نے انجانے پن سے یہ ستم ظریفانہ سوال جڑ دیا۔ کہ قبلہ گاہان! جب آپ پاکستان کی جنگ لڑنے کی فضیلت حاصل کر رہے تھے۔ تو میں تو پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ لہٰذا آپ کی روائیت کے سچ یا جھوٹ کے متعلق میرے پاس تو کوئی عینی شہادت موجود نہیں لیکن یہ اُلجھن اکثر مرے تپاک کے جذبات کو افسردہ کر دیتی ہے۔ کہ جب آپ جیسی مقدس روحوں نے پاکستان اسلام کے نام اور پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے زور سے حاصل کیا تو کیا پہلی ہے کہ قیام پاکستان کے مرحلے سے پہلے تو بیشک آپ اسلام پر عمل کرتے رہنے کی جتنی گنجائش تھی۔ اس پر کار بند ہونگے۔ لیکن یہ کیا معمّہ ہے۔ کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس ملک میں جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے وُہ اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اسلام یقیناً نہیں کہلا سکتا کوہستان کے اس معروف کالم نگار نے اس حکایت کے بعد یہ لکھا کہ پاکستان کے قیام کے کارنامے سنانے والے سب مدعی اس سادہ سے سوال کے جواب میں یوں چپ سادھ گئے۔ گویا کسی نے یہ سوال سنا ہی نہیں۔ آخر صدر مذاکرہ پروفیسر اشفاق علی خاں نے اُستادانہ مہارت سے صورت حال کی نزاکت کو پہچانا اور سوال کا جواب دیا کہ برخوردار پاکستان کے قیام کے مدعی ہونے والے سب دعویدار ذرا غفوڑا سا مبالغہ کرتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ سرکاری نوکر فقط غیر مسلم حریفوں کے مقابلہ میں ترقی یا اعلےٰ عہدے حاصل کرنے سے تلملا رہے تھے۔ کارخانہ دار اور بنکوں کے مالک ہندو مہاجن یا ساہوکار کے سود اور تجارت پر قبضے سے نالاں تھے۔ رہ گئے لیڈر تو انہوں نے ہندو سے سمجھوتہ کر کے مشترکہ آزادی کے ذریعے ترقیاتی منصوبے منڈھے چڑھانے کے لئے پورا زور لگایا تھا۔ لیکن بقول اکبرالہ آبادی یہ تو ضدی مسیتا تھا۔ جو مسجد کو چھوڑنے کے خیال سے ہی تھرتھرا جاتا تھا۔ یا بقول پروفیسر اشفاق علی یہ تو ضدی مولوی تھا۔ جو اللہ اور رسول کے قانون کے سوا کسی دوسرے مہذب نظام حکومت کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا تھا مجبوری یہ تھی کہ انگریز سوائے دونوں کی شہادت کے اور کسی بلند بانگ دعویٰ کو سننے کے لئے اپنے ملک کی جمہوری رسوم کی بنا پر عادت ہی نہیں رکھتا تھا پروفیسر اشفاق علی صاحب نے تو تمام برصغیر میں مسلمانوں کی حمیت و ناموس رسالت کو مولوی کے علامتی جھنڈے تلے کھڑا کر دیا لیکن یقیناً یہ مولوی کا بہتان) مولوی حسین احمد مدنی مرحوم کی مشترکہ قومیت کی وکالت کی موجودگی میں ان کے سر نہیں تھوپا جا سکتا۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے تو ۔۔۔ سے پہلے اپنی تفسیر میں وضاحت کر دی تھی کہ ہر دین میں کم و بیش سچائی موجود ہے۔ لہٰذا کسی بھی دھرم یا مت کے باطل اور معطل مطلق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر یہ مولوی کا خطاب کس فریق پر صادق آتا ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ راسخ العقیدہ قدیم مسلمانوں کے اجماع کثیر کی قیادت کرنے والے علماء حق ہی اس لقب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ جیسا میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اس قدیم راسخ العقیدہ ہندوستان میں سواد اعظم کی فکری و دینی رہنمائی کا منصب تو سب سے زیادہ امام اہل سنت پر ہی پورا ہوتا ہے۔ تاریخی اسناد کی تفصیلات تو تحقیق کا شوق رکھنے والے نو دعمری مسلمان لیڈروں کے بیانات اور اعلیٰ حضرت کے اکتوبر ۱۹۲۰ء کے "تاریخی فتویٰ تکفیر" جدید فرقہ گاندھویہ" میں پڑھ سکتے ہیں" فرقہ گاندھویہ" اعلیٰ حضرت کی وہ جامع

مانع سیاسی اصطلاح ہے۔ جو ہر نام نہاد اور مستقل مزاج "نیشنلسٹ مسلمان" کا احاطہ کر لیتی ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء کا یہ فتویٰ دو قومی نظریہ کی تاریخی لحاظ سے شرعی بنیاد ہے۔

سر شفیع مرحوم نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں، سر فضل حسین نے آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں، مولانا محمد علی جوہر کی پشت پناہی سے، اور پھر سنہ ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر اقبال نے انگریز پرست مسلمانوں کے ضعف استقامت سے بیزار ہو کر سنہ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کے لئے بتدریج جو سیڑھیاں طے کیں ان سب کی خشت اوّل اس فتویٰ میں تھی جس کا لب لباب تمام متعلقہ آیات قرآنی جمع احادیث اور کثیر فقہاء سلف کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد یہ تھا۔ کہ مسلمان ہر قسم کے کفار سے چاہے وہ مشرکین ہوں یا منکرین ہوں شرعی حدود کے اندر معاملات دنیاوی کے دائرے میں وہاں تک کر سکتے ہیں جہاں تک مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ لیکن کسی نوع کے کفّار سے موالات جو سیاسی اقتصادی یا کسی اور وقتی مصلحت کی بنا پر مسلمانو کے لیڈروں کو یا خود مسلمانوں کی اکثریّت کو بھی قرین مصلحت محسوس ہو وہ نصوص شرعیہ قطعی سے ابداً ابداً ممنوع ہے۔ لہٰذا خلاف احکام الٰہی و سنّت رسول ہے۔ لہٰذا اس موضوع پر کسی جدید اجتہاد یا اجتماع سے استدلال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

جس طرح پاکستان کی تحریک پر اجماع المسلمین لیگ کے کسی جلسے سے بھی زیادہ حتمی طور پر اس روز قبول عام سے ثبت ہو گئی تھی۔ جب بغیر کسی رسمی کارروائی کے ملّت اسلامیہ نے مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کی عملی سند وکالت سے مشخص کر دیا تھا۔ اس طرح امام اہل سنّت اور ملّت اسلامیہ برصغیر کا اجماع "اعلےٰ حضرت" کے لقب سے ثابت ہے جو بیساختہ اور بے تکلّف اکابر شیوخ فقہا نے بطیب خاطر قبول کر لیا۔

امام احمد رضا مؤرخ کی نظر میں

مولوی احمد رضا خاں بریلوی، نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ ان کے والد ماجد نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اور جد امجد رضا علی خاں (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء-۱۸۶۶ء) بلند پایہ عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ مولانا احمد رضا کی ولادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (اترپردیش، بھارت) میں ہوئی (تذکرۂ علمائے ہند ص ۹ تا ۱۵، ۶۴، ۴۴۲)۔ محمد نام رکھا گیا اور تاریخی نام المختار (۱۲۷۲ھ) تجویز کیا گیا، جد امجد نے احمد رضا نام رکھا؛ بعد میں خود مولانا احمد رضا خاں نے عبد المصطفیٰ کا اضافہ کیا (حدائق بخشش، ص ۸۰؛ کرامات اعلیٰ حضرت، ص ۸)

تاریخ ولادت سن ولادت اس آیۂ کریمہ سے نکالا اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ (۱۲۷۲ھ) سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۸۵؛ حیات اعلیٰ حضرت، ص ۱) مولانا احمد رضا خاں بلند پایہ شاعر تھے اور رضا تخلص کرتے تھے، ان کے معتقدین انھیں "اعلیٰ حضرت" اور "فاضل بریلوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں (مجدد اسلام، ص ۲۶)۔

علوم وفنون مولانا احمد رضا خاں اکثر علوم وفنون مروجہ میں دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے بعض علوم وفنون معاصرین علماء سے حاصل کئے اور بعض میں ذاتی مطالعہ اور غور وفکر سے کمال پیدا کیا (الاجازات المتینۃ، ص ۳۵ تا ۳۹)؛ بیشتر علوم وفنون متداولہ، مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی، بیان وغیرہ۔ اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے حاصل کئے۔

علاوہ ازیں انہوں نے شاہ آل رسول (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)، شیخ احمد بن زینی دحلان مکیؒ (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)، شیخ عبد الرحمان مکیؒ (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)، شیخ حسین بن صالح مکیؒ (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) اور شیخ ابو الحسین احمد النوری (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) سے بھی استفادہ کیا۔ ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، ریاضی، مناظر ومرایا، نہ یجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیأۃ الجدیدہ، مربعات، جفر، وغیرہ ذاتی مطالعے سے حاصل کئے (کتاب مذکور، ص ۳۵ تا ۳۹)۔

فیضانِ علم علوم وفنون سے فراغت پانے کے بعد وہ تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور فتویٰ نویسی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ تقریباً پچاس علوم وفنون میں کتب ورسائل اُن سے یادگار ہیں (حاشیہ کتب مذکور) بے شمار تلامذہ اُن سے مستفید ہوئے، جن میں بعض کا شمار اجلہ علماء میں کیا جا سکتا ہے، مثلاً حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)، ظفر الدین بہاری (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) سید احمد شریف گیلانی (م ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)، (مبلغ اسلام مولوی) عبد العلیم میرٹھی (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۲ء) برہان الحق جبل پوری، مولوی حسنین رضا خاں بریلوی، مفتی ابو یوسف محمد شریف سیالکوٹی، مولوی امجد علی (مؤلف بہار شریعت)، مولوی امام الدین سیالکوٹی، شیخ محمد سعید شافعی مفتی مکہ مکرمہ، سید غلام جان جلم جودھپوری وغیرہ (مقالات، ص: ۱۶ تا ۳۲)۔

بیعت خلافت ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں مولانا احمد رضا خاں اپنے والد ماجد کے ہمراہ شاہ آل رسول مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور مختلف سلاسل طریقت میں خلافت واجازت حاصل کی، ممدوح کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی بعض سلسلوں میں اجازت حاصل کی، مثلاً قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، بدیعیہ، علویہ (الاجازات المتینۃ، ص ۴۰، ۴۱)۔

حرمین شریفین میں جلالتِ علمی کا مظاہرہ

۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کے لئے والد ماجد کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران میں شافعی عالم شیخ حسین بن صالح جمل اللیل اُن سے بے حد متاثر ہوئے اور تحسین و تکریم کی۔ موصوف نے اپنی تالیف الجوہرۃ المضیئۃ کی عربی شرح لکھنے کی فرمائش کی، چنانچہ مولانا احمد رضا خاں نے صرف دو روز میں اس کی تشریح فرمادی اور اس کا تاریخی نام النیرۃ الوضیہ فی شرح الجوہرۃ المضیئۃ (۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) رکھا؛ بعد میں مزید تعلیقات و حواشی کا اضافہ کرکے اس کا تاریخی نام الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیہ (۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) تجویز کیا (تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶)۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء میں دوسری بار زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے؛ اس سفر میں حرمین کے علمائے کبار نے بڑی قدر و تعظیم فرمائی۔ علمائے مکہ نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کیا جو خود علمائے حرمین کے لئے عقدہ لاینحل بنا ہوا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے محض حافظہ کی بنا پر قلم برداشتہ، عربی میں اس کا جواب تحریر فرمایا اور اس کا تاریخی نام کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) رکھا (نزہتہ الخواطر، ۸: ۳۹، ۱م؛ کفل الفقیہ، ص ۱۶۷)۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد مندرجہ بالا جواب کا ضمیمہ تحریر کیا اور اس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم (۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) رکھا؛ پھر اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا تاریخی نام الذیل المنوط الرسالۃ النوط (۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) رکھا۔

دولت مکیہ

کفل الفقیہ کے علاوہ ایک اور تالیف علمائے مکہ کے ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں تحریر فرمائی اور اس کا تاریخی نام الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) تجویز کیا۔ اس تالیف میں مسئلۂ علمِ غیب پر محققانہ بحث کی ہے۔ علمائے حرمین نے اس پر جو تقاریظ تحریر کی ہیں اِن سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے (الفیوضات الملکیہ، ص ۴ تا ۱۶۱، ۵۸م تا ۳۵م)۔

مجدد اُمّت

مولانا احمد رضا خاں کو علمائے حرمین بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے، چنانچہ بعض علماء نے انھیں "مجدد امت" لکھا ہے (حسام الحرمین، ص ۰م، ۱۲م، ۶۲م)۔ فن فتویٰ نویسی میں مولانا احمد رضا خاں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ علامہ اقبال نے بھی ان کی فقیہانہ قابلیتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ [بقول ڈاکٹر عابد علی عابد، احمد رضا خاں کے بارے میں علامہ اقبال نے ایک مجلس میں کہا تھا: "ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہ تھے" (مقالات، ۳: ۱۰، ۱۱)]۔ انہوں نے پچاس سال سے زائد فتویٰ نگاری کی (حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۸)۔

کنز الایمان

فقہ میں جدّ الممتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور علمی کارنامہ ترجمۂ قرآن مجید ہے، جو ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے منظرِ عام پر آیا اور جس کے حواشی خزائن العرفان فی تفسیر القرآن کے نام سے مولوی نعیم الدین مرادآبادی نے تحریر فرمائے۔ یہ ترجمہ اس حیثیت سے ممتاز نظر آتا ہے کہ جن آیات قرآنی کے ترجمے میں ذرا سی بھی بے احتیاطی سے حق جلّ مجدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے، مولانا احمد رضا خاں نے ان کے بارے میں خاص احتیاط برتی ہے۔

نعت گوئی

مولانا احمد رضا خاں فن شعر میں کمال رکھتے تھے۔ ان کا ایک مصرع ہے: قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی (حدائق بخشش، ۲: ۹۹)۔ آپ نے ہر صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کی، لیکن نعت میں خاص مقام پیدا کیا۔ انکی عام شاعری میں بھی ہر جگہ نعت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اِنکے دیوان حدائق بخشش کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو، فارسی، عربی اور ہندی وغیرہ زبانوں میں یکساں طور سے اچھے شعر لکھتے تھے۔

سلام

ان کا مشہور سلام، جس کا مطلع ہے:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

پاک و ہند کے طول و عرض میں پڑھا جاتا ہے۔ ان کی عظمت شاعری کے سبھی دل سے معترف تھے، چنانچہ افتخار اعظمی باوجود اختلاف مسلک

مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں: ان کا نعتیہ کلام اس پائے کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیے" (ارمغانِ حرم، ص ۱۴)؛ [مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی کے لئے ملاحظہ ہو عابد نظامی کا مضمون در مقالات ۱۰۷۱؛ ضیائے حرم، بھیرہ، جولائی ۱۹۷۲ء])۔

دو قومی نظریہ مولانا احمد رضا خاں کے آخری دور میں سیاست نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا تھا۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا اور دوسرے ہی سال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں تحریک ترکِ موالات کا آغاز ہوا۔ مولانا احمد رضا خاں نے اس سے اختلاف کیا اور ایک رسالہ المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) تحریر کیا۔ اس میں انہوں نے کفار و مشرکین سے اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد کے خطرناک نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے معتقدین نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کا دوسرا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ رکھا گیا (حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۶)۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے اراکین نے ہندو مسلم اتحاد و اختلاط کے خلاف کام کیا؛ اس کے ایک اہم رکن اور بانی (مولانا نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء) تھے۔ جو مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ تھے۔

تحریکِ پاکستان ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں مطالبہ پاکستان کے اعلان کے ساتھ ساتھ علمائے اہل سنّت (بریلوی مسلک) نے اپنی مساعی تیز تر کر دیں، چنانچہ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کا چار روزہ اجلاس (۲۷ تا ۳۰ اپریل) بنارس میں منعقد ہوا۔ حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۹)۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کی گئی۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی ان کے ہم مسلک علماء اور مشائخ نے پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے سلسلے میں بہت کوشش کی۔

ترکِ موالات کی مخالفت کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا احمد رضا خاں حکومت برطانیہ اور انگریزوں کے ایما پر تحریک ترک موالات کی مخالفت کرتے تھے (پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ، ص ۱۴)، مگر حقیقت یہ ہے کہ سیاست کے اس نازک دور میں وہ جوش و خروش سے زیادہ سلامت روی کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی معاشی اور سیاسی خوشحالی کیلئے ان کے پیش نظر ایک منصوبہ تھا، جس کے اہم نکات کا اظہار انہوں نے حاجی لعل خاں (کلکتہ) کے نام ایک مکتوب (۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) میں کیا ہے (دبدبۂ سکندری، رام پور، ج ۳۹، عدد ۱۷، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء)۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے دین اسلام میں ایک نئے فرقے (بریلوی، رک باں) کی بنیاد ڈالی ہے، البتہ یہ درست ہے کہ علماء کی اس جماعت کو عرف عام میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے عقیدت کی بنا پر بریلوی کہا جاتا ہے اور دوسرے احناف سے بعض مسائل میں اختلاف کی بنا پر ان کا الگ تشخص قائم ہو گیا۔

دانش گاہیں [برصغیر پاک و ہند میں احناف کی سیکڑوں دینی درس گاہیں ان کے یا ان کے خلفا کے ناموں سے منسوب ہیں، مثلاً جامعہ رضویہ لائل پور، جامعۂ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعۂ نعیمیہ مراد آباد، جامع نعیمیہ لاہور، دار العلوم امجدیہ کراچی؛ علاوہ ازیں انجمن حزب الاحناف لاہور اور انجمن نعمانیہ جیسے قدیم ادارے بھی مولانا احمد رضا خاں کے ہم خیال احباب کے قائم کردہ ہیں۔

تاریخ وصال مولانا احمد رضا خاں نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو بوقت نماز جمعہ ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر وفات پائی۔ چند ماہ قبل قرآن مجید کی اس آیت سے الہامی طور پر اپنا سنہ وفات نکالا تھا۔ وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ (وصایا شریف، ص ۲۱)۔

فرزندانِ گرامی ان کے دو فرزند تھے: مولانا حامد رضا خاں اور مصطفیٰ رضا خاں۔ حامد رضا خاں ربیع الاوّل ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے، کتب معقول و منقول والد ماجد سے پڑھیں، عربی ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے؛ ۷ برس کی عمر

پائی؛ تیئس سال اپنے والد ماجد کے جانشین رہے؛ برسوں دارالعلوم منظر اسلام (بریلی) میں درس حدیث دیا اور ۷، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو وفات پائی؛ وہ صاحب تصنیف بزرگ تھے؛ الاجازات المتینہ، ترجمہ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی، سد الفرار، حاشیۂ رسالہ ملا جلال، نعتیہ دیوان اور فتاویٰ آپ سے یادگار ہیں (مقالات ۳، ص ۱۷؛ حنفی، بذیل حجۃ الاسلام، ص ۲۳)۔ مصطفیٰ رضا خاں (اوائل ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے، برادر بزرگ مولانا حامد رضا خان سے تعلیم حاصل کی؛ دارالافتاء الرضویہ (بریلی) میں ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء سے فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں؛ تصانیف میں الفتاویٰ المصطفویہ اہم سرمایہ ہے (مقالات، ۳: ۲۵)۔

خلفاء عظام مولانا احمد رضا خاں کے خلفا نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ حرمین شریفین میں بھی پھیلے ہوئے تھے، صرف حرمین میں تقریباً بتیس خلفاء تھے، جن میں بعض کے نام یہ ہیں: سید عبدالحی فاسی (افریقی)، شیخ حسین جمال مکی، شیخ صالح کمال مکی (م ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء)، سید اسمٰعیل خلیل مکی (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) سید مصطفیٰ خلیل مکی (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) سید ابوبکر سالم، شیخ محمد عثمان دحلان، شیخ محمد یوسف اور ضیاء الدین احمد مدنی وغیرہ (الاجازات المتینہ)۔

پاک و ہند میں بھی بیسیوں خلفا تھے؛ بعض کے نام یہ ہیں: حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)، سید محمد عبدالسلام (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء)، مولانا محمد ظفر الدین بہاری (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)، مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء)، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء)، سید احمد اشرف گیلانی (م ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)، مولانا محمد دیدار علی الوری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)، وغیرہ (مقالات ۳، ص ۱۶ تا ۳۲)۔

تصانیف مولانا احمد رضا خاں کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے (حیات اعلیٰ حضرت، ج ۲ (قلمی) اور تذکرہ علمائے ہند (آغاز ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) میں ان کی تصانیف کا تفصیلی ذکر ملتا ہے (تذکرۂ علمائے ہند) میں لکھا ہے کہ "اس وقت تک کی تصانیف پچھتر مجلدات تک پہنچ چکی ہیں" (کتاب مذکور، ص ۱۸)۔ اس وقت مولانا احمد رضا خاں کی عمر صرف ۳۱ سال تھی۔ مولانا حامد رضا خاں (ابن مولانا احمد رضا خاں) نے الدولۃ المکیہ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے حاشیے میں لکھا ہے: "بحمدہ تعالیٰ [تصانیف] چار سو سے زائد ہیں، جن میں فتاویٰ مبارکہ بڑی تقطیع کے بارہ ضخیم مجلدوں میں ہے" (حاشیہ الدولۃ المکیہ، ص ۱۶۹)۔ بہرحال آخر میں یہ تعداد ہزار سے متجاوز ہو گئی تھی (ظفر الدین بہاری: المجمل المعدد لتالیفات المجدد، ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء؛ نیز حیات اعلیٰ حضرت، ج ۲، قلمی)۔

مآخذ: (۱) احمد رضا خاں: العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، ج ۱ تا ۳، بریلی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء؛ (۲) وہی مصنف: الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیہ، تالیف ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء، قلمی؛ (۳) وہی مصنف: الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ تصنیف ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء؛ (۴) وہی مصنف: کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، تصنیف ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء، مطبوعۂ لاہور؛ (۵) وہی مصنف: حدائق بخشش، تصنیف ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء، مطبوعۂ کراچی؛ (۶) وہی مصنف: حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین، تالیف ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء، مطبوعۂ لاہور؛ (۷) وہی مصنف: الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، تالیف ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء، مطبوعۂ کراچی؛ (۸) وہی مصنف: کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مرادآباد ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء؛ (۹) وہی مصنف: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، بریلی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء؛ (۱۰) اقبال احمد: کرامات اعلیٰ حضرت، مطبوعۂ کانپور؛ (۱۱) بدر الدین احمد: سوانح اعلیٰ حضرت، لاہور ۱۹۶۳ء؛ (۱۲) حامد رضا خاں: الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ، تالیف ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء، قلمی؛ (۱۳) حسنین رضا خاں: وصایا شریف، مطبوعۂ لاہور؛ (۱۴) حسین احمد مدنی: الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، دیوبند ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء؛

(۱۵) حنفی (ماہنامہ)، لائل پور، اپریل و مئی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء؛ (۱۶) رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، لکھنؤ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء؛ (۱۷) رئیس احمد جعفری : اوراق گم گشتہ، لاہور ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء؛ (۱۸) سید محمد کچھوچھوی : خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ (۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء)، مطبوعۂ لاہور؛ (۱۹) وہی مصنف : الخطبۃ الاشرفیۃ للجمہوریۃ الاسلامیۃ (۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء)، مطبوعۂ لاہور؛ (۲۰) ظفر الدین بہاری : حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، مطبوعۂ کراچی و ج ۲ (قلمی)، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء؛ (۲۱) وہی مصنف : المجمل المعدد لتالیفات المجدد، تالیف ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء؛ (۲۲) ظہور احمد اظہر، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱: ۸۶؛ (۲۳) عبدالحق : قاموس الکتب اردو، ج ۱، کراچی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء؛ (۲۴) عبدالحئی، حکیم : نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، ج ۸، حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء؛ (۲۵) عبدالمصطفیٰ اعظمی : معمولات الابرار بمعانی الآثار، لکھنؤ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء؛ (۲۶) عبدالنبی کوکب، قاضی : مقالات یوم رضا، ج ۱ (لاہور ۱۹۶۸ء)، ۲ (لاہور ۱۹۷۰ء) و ۳ (لاہور ۱۹۷۱ء)؛ (۲۷) غلام معین الدین : حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور؛ (۲۸) خورشید احمد : پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ، مقدمہ از محمد ایوب قادری، کراچی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء؛ (۲۹) محمد مسعود احمد : فاضل بریلوی اور ترک موالات، لاہور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء؛ (۳۰) وہی مصنف : فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، تالیف ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، قلمی؛ (۳۱) محمد صابر : مجدد اسلام، کانپور ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء؛ (۳۲) نظامی بدیوانی : قاموس المشاہیر، ج ۱، بداؤں ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء؛ (۳۳) نعیم الدین مراد آبادی : خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مطبوعۂ مراد آباد؛ [(۳۴) احمد رضا خاں : السنیۃ الانیقۃ فی فتاوی افریقہ، مطبوعۂ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۱ء؛ (۳۵) وہی مصنف : الملفوظ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی؛ (۳۶) احمد رضا خاں و دیگر مولفین : جامع الفتاوی، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، لائل پور ۱۹۷۰ء؛ (۳۷) عبدالحکیم قادری، شرف : یاد اعلیٰ حضرت، ہری پور ہزارہ ۱۹۷۰ء؛ (۳۸) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، طبع پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۷۲ء، ۵ : ۵۹۵ تا ۵۹۹؛ (۳۸) ترجمان اہل سنت (ماہنامہ)، اگست ۱۹۷۱ء، مارچ ۱۹۷۲ء و مئی ۱۹۷۲ء؛ (۳۹) ضیائے حرم بھیرہ شریف (ماہنامہ)، جولائی ۱۹۷۲ء؛ (۴۰) مصطفیٰ اکامل : پاک و ہند کے ایک عظیم دینی راہنما، شاہ احمد رضا، در روزنامۂ کوہستان، ۲ جون ۱۹۶۸ء].

(محمد مسعود احمد)

امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں

کسی بھی شخصیت کے اصلی خدوخال پڑھنے کے لئے اُس کے خطوط و مکتوبات کا مطالعہ سب سے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔ نجی مکتوبات میں تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ ہر لفظ بے لاگ اور ہر جملہ برجستہ ہوتا ہے۔ مکتوبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشخاص کی زندگی کا صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں۔ مکتوبات میں مکتوب نویس کی زندگی آداب و القاب کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ جاتی ہے بلکہ ایک صاف شفاف تالاب میں کنول کے پھول کی طرح ابھر کر وہ جلوہ طرازیاں کرتی ہے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگتے ہیں

دنیا کے ادب میں مکتوبات نے بھی ایک ادبی حیثیت حاصل کرلی ہے اور شخصیتوں کی زندگی کے ہر گوشے کو نمایاں کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جارہا ہے

مناظرہ

ہم انہیں نظریات کی روشنی میں امام احمد رضا کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ آپ اپنے ایک خط مرقومہ ۲ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ بنام مولوی ظفر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا وہاں بھی جاکر مناظرہ کا غل کیا پندرہ پندرہ ہزار روپے جمع کر دینے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوں پر ۱۲ دن مکالمہ رہا مگر نہ تھانوی نے اقرار مناظرہ کیا نہ دیابنہ جم سکے اسی طرح ماہ صفر میں رہتک ضلع پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے ہی خط پر فرار کیا"

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مناظرے سے فرار دیوبندیوں اور وہابیوں کی عادت ثانیہ ہے۔ مناظرے سے پہلے تار اور خطوط کے ذریعہ الجھانے کی ہمیشہ کوشش نامسعود ان کا وطیرہ ہے بھیمڑی کے مناظرے میں بھی یہی سب کچھ ہوا تھا۔ جس کی طرف امام احمد رضا نے اشارہ فرمایا ہے۔

شاگردوں سے محبت

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی علمی قابلیت کو سراہتے تھے چنانچہ خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کو لکھتے ہیں

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی۔ اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ ۱۔ سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ ۲۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔ ۳۔ مفتی ہیں۔ ۴۔ مصنف ہیں۔ ۵۔ واعظ ہیں۔ ۶۔ مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ ۷۔ علماء زمانہ میں "علم توقیت" سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامہ مسلمین سے اُٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بن پائے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔

یہ خط ۵ شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا تھا۔

اس خط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ "امام احمد رضا علم توقیت سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے جبھی تو اپنے ایک شاگرد کے "علم توقیت" پر عبور کو کس درجہ اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور یہ اظہار بھی مترشح ہے کہ آپ اپنے زمانے میں علم توقیت سے لوگوں کی عدم توجہی پر ماتم کناں ہیں اور اس علم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ "امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے" آج کی ہماری علمی درسگاہیں جنہیں ہم دار العلوم کہتے ہیں اس علم سے کسی قدر بے خبر ہیں۔ علم توقیت وہ علم ہے جس کے ذریعہ اوقاتِ طلوع و غروب و نصف النہار برائے زمانہ مستقبل آج بتایا جا سکے اس کے لئے علم ہیئت و ریاضی اور طول البلد و عرض البلد کا جاننا بھی ضروری ہے

وہابیہ کی فطرت

ایک خط میں جو مولوی ظفر الدین صاحب کے نام ہے لکھتے ہیں۔

"لہذا یہ پلندہ بیرنگ مرسل ہے۔ وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے مدت سے ان کی تمنا تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے۔

نوٹ کیجیے وہابیوں کی فطرت کا کتنا اچھا تجزیہ کیا ہے وہ ہمیشہ سنیوں کو الجھانے کے لئے "اصول دین" سے ہٹ کر کسی "فرعی مسئلہ" کو چھیڑ دیتے ہیں۔ یہ سنیوں کے لئے انتباہ ہے۔

سفید داغ کا مجرب نسخہ

امام احمد رضا جنہیں طب میں بھی شغف تھا۔ مرض سفید داغ کے لئے ایک مجرب نسخہ تحریر فرماتے ہیں

صندل سفید ۱، ماشہ سم الفار سنکھیا ۱ ماشہ ہر دو را خوب سحق کردہ قدرے بر داغ سفید خوب بمالند تا آنکہ آب از آں داغ بر آمد۔ ہر دو وقت بمالند جوش خواہد کرد روغن بر آتش داشتہ ٹکیہ برگ نیم در آں اندازند و قتیکہ سوختہ شود بردار در روغن صاف کردہ بر جراحت رسانندہ خواہد شد و بدن برنگ اصلی می رسد۔

ترجمہ صندل سفید ۱، ماشہ۔ سم الفار سنکھیا ۱ ماشہ دونوں کو خوب سحق کر کے کچھ سفید داغ پر خوب ملے یہاں تک کہ اس میں سے پانی نکلنے لگے دو وقت ملے۔ تیل کو آگ پر خوب جوش دے کر اس میں نیم کی پتیوں کو ٹکیہ بنا کر تیل میں اتنا پکائے کہ وہ جل جائیں بعد ازاں تیل کو صاف کر کے مالش سے پیدا ہونے والے زخموں پر لگائے جسم کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آجائے گا۔

شب برات کی فضیلت

ایک خط میں شب برات کی فضیلت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان سچے دل سے ایک دوسرے سے محبت کریں آپس میں نفاق نہ رکھیں کہ نفاق مولا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ سچے دل سے صلح و معافی ہونی چاہیے۔ مصالحت اخوان اور معافی حقوق یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے۔ اس لئے اس کے اجراء میں کوشش ہونی چاہیے۔ یہ سنت حسنہ ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے اپنے منصبِ مجددیت کے فرائض کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خط کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ شب برات قریب ہے اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے مگر چند ان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں فرماتا ہے ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کر لیں۔ لہذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کر لیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کر دیں یا معاف کرا لیں کہ باذنہ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہو کر بارگاہ عزت میں پیش ہوں۔ حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ صادقہ کافی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ ایسی حالت میں باذنہ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے بشرط صحت عقیدہ وَھُوَ الغفور الرحیم۔ یہ سب مصالحت اخوان و معافی حقوق بحمدہ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کر کے من سن فی الاسلام

سنة حسنة فلہ اجرہ واجر من عمل بھا الی یوم القیمة لا ینقص من اجورهم شیئا کے مصداق ہوں۔

یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی

آئے اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کریگا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

علم کی پیاس

ایک خط میں اپنی طویل علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

۲۴ ذیقعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بیٹھا کرلے جاتے اور لے آتے اسی بیماری میں المنک ۱۹۱۸ء منگائی بار دنہ رہی)

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا کو بیماری کے عالم میں بھی علم سے جو شغف تھا وہ بدرجہ اتم تھا۔ مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مطالعہ سے خالی نہیں تھا۔

دوسرے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مطالعہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت متعصب نہیں تھے بلکہ کتاب خواہ انگریز کی لکھی ہو یا کسی بیدین کی، ضرور مطالعہ فرماتے تھے اور اس سے فیض اٹھاتے تھے۔

المنک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ستاروں کی چال، اوقات طلوع و غروب وغیرہ ہوتے ہیں جس کو ہندی میں پنچانگ کہتے ہیں یہ اسپینی عربی لفظ المناخ سے مشتق ہے کچھ علمائے لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ مصری لفظ "المنیخیا" سے مشتق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان کو وسیع النظر ہونا چاہیئے۔

فتاویٰ نویسی

ایک خط میں امام احمد رضا نے اپنی دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے پہلا فتویٰ ۱۴ سال کی عمر میں لکھا تھا۔ اور ۱۳۳۶ھ تک ان کے فتاویٰ نویسی کی عمر ۵۰ سال ہوئی تھی۔

"فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر ۷ دن اور زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہ تعالیٰ پورے پچاس سال ہونگے

تنگ نظری کا بے بنیاد الزام

دشمنانِ امام احمد رضا نے یہ بے پر کی بات اڑا رکھی ہے کہ اعلیٰ حضرت کسی غیر سنی کی مجلس میں بیٹھنے سے تعصب کی حد تک پرہیز کیا کرتے تھے۔ غیر سنیوں سے کسی قسم کی ہم مجلسی اور گفت و شنید کو برا سمجھتے تھے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۳ تا ۵ رجب مطابق ۲۴ تا ۲۶ مارچ سے گاندھویوں (گاندھی وادیوں) کا بھاری جلسہ بریلی میں ہونے کو ہے احباب کی رائے ہے کہ اپنے علماء بھی ایام ندوہ کی طرح جمع ہوں۔ اگر یہ قرار پایا تو آپ کو آنا ضرور ہوگا۔ تیار رہیئے اگر میں ۱۱ یا ۱۲ رجب کو تار دوں تو باذنہ تعالیٰ فوراً تشریف لائیے۔

اس خط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا ایسے جلسوں میں شریک ہونے کو مفید سمجھتے تھے۔ جو مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے منعقد ہوتے تھے۔ چنانچہ امام موصوف اپنے نقطۂ نظر اور سنی موقف کی وضاحت کے لئے اشد ضروری خیال فرماتے تھے کہ شرکت کی جائے۔

امام موصوف کی اس "مناظئ وقت" اور "مدبرانہ روش" کو مجروح کرنے کے لئے ہمارے بعض علماء بھی غیر شعوری طور پر اسیران توہب

کے پروپیگنڈہ کے شکار ہو گئے اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں ۔ ہماری سمجھ میں صرف یہ آتا ہے ۔ کہ چونکہ ان علماء کا مبلغ علم سطحی ہوتا ہے اس لئے ان میں احساس کمتری کے ساتھ ہمارے جانب علیحدگی پسندی بھی پیدا ہو گئی ۔ صرف درسی کتب کا مطالعہ کافی نہیں ہے ۔ جیسا کہ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط مرقومہ ۱۵ ذی الحجہ یوم الاحد ۱۳۳۶ھ میں تحریر فرمایا ہے ۔

"درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طاقت لسانی کوئی لیاقت جناں درکار نہیں ۔"

اس لئے ہم علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ترک کریں اور غیر سنیوں کو بائیکاٹ کرنے کے بجائے انہیں اپنے موقف سے آگاہ کریں ۔ ہماری پالیسی میں بڑی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے ۔ وہابیت اور دیوبندیت کو اپنی عدم موجودگی سے قیادت کے اعادہ کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہیئے

بیمہ یا انشورنس

بیمہ یا انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں ۔ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعہ اس گتھی کو بھی سلجھا دیا ہے اور انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں فرماتے ہیں ۔

"جبکہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے ۔ اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلافِ شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت ظاہر ہے کہ وہ فعل جو خلاف شرعِ احتیاط کا پابند بناتا ہو مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے اور بیمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے ۔

عشق رسول ﷺ

امام احمد رضا کو جو بے پناہ عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ اسی والہانہ عشق کا تذکرہ اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں کہ ہند تو ہند ہے مکہ میں مرنے کے لئے بھی راضی نہیں ہیں ۔ بلکہ ان کی دلی تمنا ہے کہ مدینہ میں اپنی جان دیں ۔ کیا محبت ہے کیا جذبہ ہے ۔

"وقت مرگ قریب ہے ۔ اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے ۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے ۔

مشورہ احباب

امام احمد رضا احباب کے مشورے کو نہایت اہم تصور فرماتے تھے چنانچہ ایک خط میں مولانا ظفر الدین کو لکھتے ہیں "آپ کا رسالہ موذن الاوقات آیا ۔ نام بھی نہایت مناسب و موزوں پایا ۔ اس کے مقدمہ اول و خاتمہ کو ضرور دکھا لینا چاہیے تھا اور تذہیب کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھا لینا فرض اہم ہے ۔ مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے ۔"

اردوئے معلّیٰ

اب آخر میں ہم امام احمد رضا کے خط کا ایک اقتباس پیش کریں گے جس کو پڑھ کر ناظرین کو مرزا غالب کے مکتوبات پڑھنے کا لطف آئے گا اور ایسا معلوم ہو گا کہ امام نے اردوئے معلّیٰ تحریر فرمایا ہے ۔

"کاغذ کے نمونے آگئے واقعی بہت گراں ہیں ۔ حاجی عیسیٰ گئے مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہو گی ۔ کلکتہ میں بھی ایک عالم سنی کی بہت ضرورت ہے ۔ حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے ۔ تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انہیں دین کا کم خیال ہے ۔ اور جنہیں دین سے غرض ہے ۔ افلاس کا مرض ہے ۔ ورنہ کلکتہ میں حمایت کیلئے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز تھے ۔ ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت

میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپے سالانہ کی جائداد اس کے لئے وقف ہے۔ اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہو جائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ افسوس کہ ادھر نہ مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حاجی صاحب نے چٹائیوں کی نسبت پھر کچھ نہ لکھا اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بطور خود یہ کام بہ نیت لوجہ اللہ کیا اس کا معاوضہ نہیں تو بیشک نہیں۔ وجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا اور اگر میرے لکھنے کی بنا پر میری وجہ سے ہے تو حاشا نہ یہ میرا مقصود تھا۔ نہ اب منظور۔ لہذا بات صاف ہونا ضرور۔

(ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت مولفہ ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ۔)

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خطوط

تحریر: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ کراچی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا حلقۂ عقیدت وارادت بہت وسیع تھا۔ اسی اعتبار سے ان کی خط وکتابت کا سلسلہ بھی دراز ہوگا۔ افسوس کہ فاضل بریلوی کے خطوط ومکاتیب کی جمع وترتیب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ ورنہ مذہبی، علمی اور سوانحی اعتبار سے یہ ایک اہم ذخیرہ ہوتا۔ مولانا کے کچھ خطوط ان کی سوانح عمری (حیات اعلیٰ حضرت مرتبہ مولانا ملک ظفر الدین بہاری) اور دوسرے رسائل میں بھی شامل ہیں، لیکن ان میں زیادہ تر اوراد و وظائف اور نسخہ جات درج ہیں۔

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خط ہمیں ان کے ایک خاص عقیدت کیش حافظ محمد حسین ولد غلام حسین بریلوی سے دستیاب ہوئے جو "موجد طلسمی پریس" کے عرف سے زیادہ معروف ہیں۔ حافظ محمد حسین رہنے والے تو دراصل بریلی کے تھے مگر تجارتی سلسلے میں میرٹھ میں رہ پڑے تھے۔ بڑے جہاندیدہ بزرگ تھے۔ طلسمی پریس کے سلسلے میں سارے برصغیر کو چھان مارا تھا۔ ۶ر اگست ۱۹۶۴ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ عمر بھی اسّی سال سے متجاوز ہوئی ہوگی۔ اولاد کراچی میں موجود ہے۔

فاضل بریلوی نے یہ خط حافظ محمد حسین کو لکھنؤ لکھے تھے تقریب یہ ہوئی کہ فاضل بریلوی کو مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کے کتب خانے سے کسی خطّی کتاب کی نقل مطلوب تھی۔ اور یہ نقل مولانا عبدالباری کے مدرسہ کے غالباً صدر مدرس صاحب کے ذریعہ حاصل کرنی تھی، اس کام کو حافظ صاحب نے باحسن وجوہ انجام دیا۔ افسوس کہ ان مدرس صاحب کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ ویسے فاضل بریلوی کو بھی ان کے حالات کی ٹوہ تھی۔ جیسا کہ ان کے مکتوب اول سے معلوم ہوتا ہے۔

ان تینوں خطوں کے مندرجات دو حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ پہلے حصّے میں فاضل بریلوی نے مطلوبہ کتاب کی نقل کے سلسلے میں یا تو ہدایات دی ہیں یا بعض امور کی وضاحت چاہی ہے۔ اور کچھ کتابوں کی خریداری کے سلسلے میں بھی نوشت وخواند کی ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ زیادہ اہم ہے اس میں فاضل بریلوی نے مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب "فلسفۂ جذبات" کی بعض ان عبارتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن پر ان کی تکفیر کی گئی تھی۔ جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم نے دریابادی صاحب کی حمایت کی تھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلّی نے خاموشی اختیار کی تھی۔ فاضل بریلوی نے اس طرز عمل پر ان حضرات کی بھی گرفت کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں، فاضل بریلوی کا موقف صحیح تھا۔ اور مولوی عبدالماجد دریابادی کا وہ دور بقول خود "الحاد ودہریت" کا دور تھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیاوی لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح شمار کیا تھا اور اسی اصول پر انبیاء کے حالات وسوانح کا تجزیہ کیا تھا۔ مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب "فلسفۂ اجتماع" (مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۱۵ء) ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جن کی طرف فاضل بریلوی نے اشارہ کیا ہے۔

ہم ان عبارتوں کو یہاں قصداً درج نہیں کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے خویش ابوعاصم بی اے ایل ایل بی رقمطراز ہیں[1]

"دریا بادی نے علی گڑھ اور لکھنؤ میں تعلیم پائی۔ کیننگ کالج لکھنؤ سے ۱۹۱۲ء میں گریجوایٹ ہوئے وہ فلسفہ اور نفسیات کے ایک مایۂ ناز طالب علم تھے۔ ان کی پہلی تصنیف "نفسیات قیادت" (THE PSYCHOLOGY OF LEADERSHIP)۔ ۱۹۱۴ء میں لندن سے T. FISHER نے شائع کی۔ اس تصنیف کی بدولت انہیں انگلینڈ کی (ARISTOTLIAN SOCIETY OF PSYCHOLOGY) کی ممبری کا اعزاز حاصل ہوا۔ ہندوستان اور انگلستان کے مختلف جریدوں اور اخباروں میں اس کتاب پر تبصرے ہوئے اور سب نے اس کی تعریف کی مسز اینی بسنٹ نے نیو انڈیا (NEW-INDIA) میں دل کھول کر تعریف کی۔

اس کتاب میں ماجد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ناخوش گوار کلمات لکھ دئے تھے یہ وہ دن تھے جب بقول ماجد عیسائی مصنفین سے متاثر تھے۔ اس کتاب کو دریا بادی نے مولانا محمد علی مرحوم کے پاس بھیجا جو ان دنوں چھندواڑہ جیل میں تھے مولانا نے کتاب کی تعریف تو کی لیکن اس لہجہ کی مذمت بھی کی جو عیسائی مشنریوں کے مانند تھا۔ مولانا مرحوم نے بہت سخت الفاظ میں دریا بادی کو لکھا کہ "میں رسالت کے صحیح مقام سے واقف ہوں رہنمایت اور رسالت کی بنیادیں ہی مختلف ہیں۔"

اس سلسلے میں مولوی عبدالماجد دریا بادی کی داستان خود ان کے قلم سے سنئے۔[2]

"سن شعور پر پہنچ کر پہلی بار باضابطہ کتاب "فلسفہ جذبات" قلم سے ۱۹۱۳ء میں نکلی۔ سن کا اس وقت ۲۱ واں سال تھا کتاب انجمن ترقی اردو نے لکھوائی اور اسی نے چھاپی صحیح نام "نفسیات جذبات" ہونا چاہئے تھا مگر نفسیات کی اصطلاح اس وقت تک نامانوس تھی۔ اب اس کی کوتاہیوں پر ہنسی تو کم آتی ہے غصہ زیادہ آتا ہے دوسری کتاب ہر اعتبار سے بعنو "فلسفۂ اجتماع" لکھ ڈالی جس کا ایک ایک صفحہ الحاد سے داغدار اس کی اشاعت و فروخت مدت دراز ہوئی بند کرا چکا ہوں"۔ ... دس سال تک ملحد رہنے کے بعد پھر انقلاب پیدا ہوا۔

اس داستان کو بھی دریا بادی صاحب ہی کے زبان قلم سے سنئے

"پڑھنے کا مریض شروع ہی سے تھا پڑھتا تھا اور اندھا دھند پڑھتا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں ہائی اسکول پاس کر کے گرمیوں کی ٹی چھٹیوں میں لکھنؤ آیا اور ابھی انٹرمیڈیٹ میں داخل نہیں ہوا تھا کہ ایک عزیز کے یہاں ٹھہرا ان کی کتابوں میں ایک انگریزی کتاب پر نظر پڑی (ELEMENTS OF SOCIAL SCIENCE) مصنف بعد کو معلوم ہوا کہ کوئی ملحد ڈاکٹر (DOYSDALE) نامی تھا اس پہلے اڈیشن پر اس کی صرف ڈگری درج تھی اور اس سن میں اور اس زمانے میں ذہن کو مرعوب کرنے کے لئے محض یہ ڈگری کافی تھی پھر کتاب کا انداز بیان بھی خطیبانہ، پر جوش اور ہر ہوائے نفس کے عین مطابق، بلکہ اسے اور تیز کرنے والا، کتاب کا خلاصہ در خلاصہ یہ تھا کہ یہ اخلاقی بندشیں سب مذہب والوں نے گڑھ رکھی ہیں جب اپنے میں اتنی جسمانی قوت آجائے تو ہر نقصانی

---

[1] ملاحظہ ہو ریاض۔ کراچی دسمبر ۱۹۵۳ء

[2] ملاحظہ ہو نقوش (آپ بیتی ۲) لاہور

خواہش آزادی سے پوری کر سکتے ہیں۔ نکاح وغیرہ کی قید کے کوئی معنی نہیں۔ طبیعت کو دبانا اور روکے رکھنا تو اور مضر صحت ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ نفس مذہب کے خلاف پہلا اثر اس وقت طبیعت نے قبول کیا پھر کچھ دن بعد جب لکھنؤ میں مستقل قیام ہوگیا اور انٹرمیڈیٹ میں پڑھنے لگا انگریزی لازمی کے ساتھ تاریخ انگلستان، منطق اور عربی کے اختیاری مضامین لے کر کتابوں کے عشق میں علاوہ کالج لائبریری کے دوسری لائبریریوں کے بھی چکر لگانے لگا ایک دن اتفاق سے ایک لائبریری میں کئی جلدوں میں ایک کتاب دیکھی، نام اب (INTERNATIONAL-LIBRARY OF-FAMOUS-LITERATURE) یاد پڑتا ہے اچھے مصنفین کی تصانیف و مضامین کا انتخاب تھا ایک مضمون سیرت نبوی پر بھی تھا۔ غالباً واشنگٹن ارونگ کے قلم سے، اس کے ساتھ ایک پورے صفحہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی تھی معاذ اللہ! چہرے سے خشونت اور غضبناکی برستی ہوئی، نہ کہیں ترحم نہ شفقت، کمر سے تلوار لٹکتی ہوئی اور شانے پر ترکش و کمان، رحمۃ للعالمین کے تخیل سے کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں اور اس کے نیچے حوالہ کسی قدیم قلمی کتاب کا دیا ہوا تھا۔ یہ گمان تو اس سن میں یا اور وقت کی اس فضا میں گزر ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ تصویر مصنوعی یا جعلی ہو سکتی ہے یہ تو بہرحال صحیح یعنی ہو نہ ہو یہ خیال ہی غلط تھا جو اب تک رحمت عالم سے متعلق دماغ میں جاگزیں تھا! نفس مذہب کی طرف سے تزلزل تو اس ڈاکٹر والی انگریزی کتاب نے پیدا ہی کر دیا تھا۔ اب اس تصویر کم بخت نے براہ راست اسلامیت پر ضرب کاری لگا دی۔

طبیعت کسی دوسرے مذہب کی طرف مطلق راغب یا مائل نہ ہوئی البتہ الحاد و دہریت اور بے دینی کے لئے جگہ دل و دماغ میں پیدا ہونے لگی۔ یہ کایا پلٹ ایک سال کے اندر ہوگئی اتنے میں ایک غیر مسلم یورپ زدہ دوست کے یہاں لندن کی ریشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) کی بعض مطبوعات دیکھیں۔ اور خود بھی گرویدہ ہو کر منگانا شروع کر دیں کتابیں سب کی سب سستی قیمتوں کی تھیں اور سائنس، فلسفہ، تاریخ وغیرہ کسی نہ کسی علمی عنوان کے قالب میں عموماً مذہب ہی پر حملہ آور ہوتی تھیں، ان کتابوں کے مسلسل مطالعہ نے اسلام سے اتنی دور اور بے دینی میں اتنا پختہ کر دیا کہ ۱۹۱۰ء کے شروع میں جب انٹرمیڈیٹ کے امتحان کا فارم بھرنے لگا تو مذہب کے خانے میں اپنا مذہب بجائے اسلام کے "ریشنلزم" (عقلیت) درج کر دیا اور جب نوبت بی۔ اے میں پہنچکر نفسیات کے زیادہ وسیع مطالعہ کی آئی تو اب اپنی شامت سے اور اور کتابیں اس مضمون کی نظر سے گزریں ... کہ وحی و الہام سب ڈھکوسلے ہیں یا غیر طبعی نفسیاتی کیفیتیں، محض صورتیں اختلال دماغی کی ہیں۔ کریلا یوں ہی کیا کم کڑوا ہوتا ہے اور پھر جو نیم چڑھا ہوا ہو۔ رفتہ رفتہ ذات رسالتؐ سے ایک طرح کا بغض و عناد پیدا ہوگیا۔"

مولوی عبدالماجد دریابادی کی "سرگزشت الحاد" اگرچہ طویل ہوگئی مگر اس میں عبرت کا بڑا سامان موجود ہے کسی قوم کا اپنا نظام تعلیم نہ ہونے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے آج بھی ہم اس منزل میں ہیں۔ دریابادی کی سرگزشت کی اس روشنی میں فاضل بریلوی کے مندرجات کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

فاضل بریلوی کے ان خطوط کی نقل ہم نے حافظ محمد حسین موجد طلسمی پریس مرحوم سے حاصل کی تھی۔ یہ خط ہولڈر سے لکھے ہوئے تھے، خط صاف اور واضح تھا۔ کوئی لفظ قلم زدہ نہیں تھا۔ یہ تینوں خط لفافوں کی صورت میں لکھنؤ بھیجے گئے تھے۔ مختصر سے حواشی بھی تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں آپ کا بھلا کرے۔ مجھے فکر تھی کہ آپ کو خط کہاں لکھوں۔ چند امور گزارش ہیں۔ ملحوظ رہیں۔

(۱) نقل بہت صحیح ہو اور مقابلہ بہت غور سے ہو بلکہ دو تین بار مقابلہ ہو تو بہتر ہے۔

۲۔ جب تک کتاب نقل ہو آپ کتاب میں سے مصنف کا نام و نشان دیکھ کر مجھے فوراً لکھ بھیجیں اور اول یا آخر میں کتاب کی تاریخ ہو تو وہ بھی۔

۳۔ امام عینی کی بنایہ شرح ہدایہ جہاں اور جس قیمت کو مل سکے ضرور خرید لیں۔

۴۔ مولوی عبدالحی[ل] کا فتاویٰ تیسری بار کتب فقہ پر مرتب ہو کر چھپا ہے وہ بھی لے لیجئے۔

۵۔ جو خط آپ اس کے نام لے گئے ہیں اس کے قلم سے اس کا جواب کاتب خط کے نام لکھوا لیجئے۔

۶۔ اس سے کہئے کہ اگر آپ جاتے ہیں تو مجھے مولوی عبدالباری صاحب[ٹ] یا مولوی محمد یوسف صاحب سے ملا کر نقل کا انتظام کرا دیجئے۔

۷۔ اس کا بھی پتہ چلا لیجئے کہ اس شخص نے کہاں کہاں پڑھا ہے کون کون استاد ہیں ساکن کہاں کا ہے قوم کیا ہے۔

۸۔ ان سب کاموں کے لئے جس قدر روپیہ درکار ہو۔ فوراً لکھئے کہ میں انشاء اللہ فوراً روانہ کروں۔

۹۔ جناب ایڈیٹر ہمدم کی آپ کی ملاقات ہے۔ وہ بھی عبدالماجد بی۔ اے کے اسلام کا حامی ہے جس نے وہ ملعون صریح کلمات کفر بکے کہ رسول کا ماننا کچھ ضرور نہیں اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاذ اللہ مجہول النسب بچہ اور یہ کہ اپنی تعظیم کی آیتیں حضور نے قرآن میں بڑھا لیں وغیرہ وغیرہ۔

میرے فتویٰ کے خلاف ہمدم و مشرق نے مضمون دئے ہیں۔ ان کا جواب لکھا ہوا رکھا ہے اگر آپ کے ذریعے سے ممکن ہو تو ہمدم اپنے روزانہ پرچے میں اسے تمامہ چھاپ دے چاہے اس کے بعد اس کی نسبت کچھ بھی لکھنا ہے تو میں وہ مضمون آپ کو بھجوا دوں۔ والسلام

لکھنؤ، چوک سرائے باغ
بر مکان حاجی رحیم بخش صاحب
بملاحظہ مولوی محمد حسین صاحب ساکن میرٹھ

ل مولانا عبدالحی فرنگی محلی المتوفی ۱۳۰۴ھ۔
ٹ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولانا، اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں آپ کو کامیاب رکھے، آمین،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، ماشاء اللہ آپ کی مستعدی سے دل خوش ہوتا ہے اسی لئے تو دل آپ جیسا آدمی اس کام کے لئے تلاش کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بھیج دیا۔ امید ہے کہ بعونہٖ تعالیٰ سب کام پورے ہوں۔

(۱) آپ نے پہلے لکھا تھا کہ چھوٹے چھ جزء کا رسالہ ہے اب ۳۰۰ صفحے معلوم ہوئے کیا وہ رسالہ کوئی اور تھا۔ اتنا معلوم رہے کہ رسالہ مطلوبہ فارسی میں ہے عبارات عربی منقول ہوں تو ہوں۔

۲۔ کیونکر معلوم ہوا کہ مصنف شافعی ہے۔

۳۔ کیونکر جانا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب[۱] کا معاصر ہے۔

۴۔ جتنے ورق آپ نے نقل فرمائے ہوں بعد مقابلہ تمام بھیج دیجئے اور تین ورق اخیر سے نقل فرما کر کہ میں باذنہٖ تعالیٰ اندازہ کر سکوں کہ نقل کی حاجت ہے یا نہیں۔

۵۔ خود رسالہ میں یا اس سے باہر اگر فہرست مضامین ہو تو اس کی نقل آنی ضرور ہے۔

۶۔ مصنف کا نام اول یا آخر میں ضرور ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ سال تالیف بھی لکھا ہو۔

۷۔ ۱۲۶۳ھ کی مدراس سے خریداری کتاب پر لکھی ہے یا کسی کی زبانی سنی۔ اگر تحریر ہے تو اس پوری عبارت کی نقل چاہئے۔

۸۔ پہلے نیاز نامے کی باتوں کا جواب درکار ہے۔

۹۔ جالب[۲] سے ملے کیا گفتگو ہوئی۔

۱۰۔ میری رجسٹریاں ان کے پاس موجود ہیں۔ ان کا نام آتے ہی بھڑکیں گے آپ ان سے زبانی پوچھئے کہ (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاذ اللہ مجہول النسب بچہ کہنا اور یہ کہ توحید کے بعد کسی کو رسول ماننے کی کیا حاجت ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعظیم کی آیتیں بڑھا کر اپنے پیروؤں کی آزادی پامال کی، ان باتوں کا قائل کافر ہے یا نہیں)

بلکہ اس عبارت کو کہ دو ہلالوں میں ہے اور سرنامہ کا سوال کہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں) اور آخر میں (بینوا توجروا) لکھ کر سارے فرنگی محلیوں[۳] اور مولوی عین القضاۃ[۴] سے اس کا فتویٰ لیجئے اور عبدالباری[۵] سے پہلے زبانی پوچھ دیکھئے کہ کیا جواب ملتا ہے۔

۱۱۔ آپ کے مصارف کے لئے ڈاک خانہ کے پتے سے بھیجوں یا سرائے کے اور کس قدر درکار ہے اور اگر آپ کے پاس خرچ کم ہو تو جو پیسہ اٹھے مجھ سے لیجئے اس میں تکلف نہ فرمائیے۔ والسلام

۶ ربیع الآخر شریف بروز پنجشنبہ ۳۷ھ

لکھنؤ۔ چوک سرائے باغ۔ بر مکان حاجی رحیم بخش صاحب۔ بملاحظہ مولوی محمد حسین صاحب ساکن میرٹھ

---

[۱] شاہ عبدالعزیز دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ۔

[۲] جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم لکھنؤ۔

[۴] مولانا عین القضاۃ المتوفی ۱۹۲۵ء۔

[۵] مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نور دیدۂ محبت و مروت مولانا مولوی محمد حسین سلمہ المولیٰ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

آپ کا عنایت نامہ کل یکشنبہ کو ڈاک چلے جانے پر ملا۔ اس دن دوسرے وقت ڈاک نہیں جاتی لہٰذا کل نہ خط بھیج سکتا تھا۔ آج دس روپے حاضر کرتا ہوں۔ فتاویٰ علمائے فرنگی محل بھی خرید لیجئے شاید کبھی کام پڑے۔ دکان پر لینے سے فہرستی قیمت سے کبھی کمی بھی ہو جاتی ہے ورنہ محصول تو بچتا ہے، فتح القدیر شرح ہدایہ کے میرے پاس دو نسخے ہیں۔ امام عینی کی بنایہ شرح ہدایہ مطلوب ہے۔ ۵ یا ۱۰ جتنے کو ملے، نسخہ پورا ہو، سب جلدیں ہوں، ضرور لے لیجئے۔ ان میں امام عینی کی شرح کنز اگر مصری ملے فبہا ورنہ یہیں کے چھاپے کی بھی خرید لیجئے۔ روپیہ ڈیڑھ روپیہ کی شاید ملے۔

اس کتاب کی نسبت خواہش تھی کہ پوری نقل ہو جائے مگر آپ کی تکلیف کے باعث تامل تھا۔ الحمد للہ کہ اب آپ کی محبت نے خود ہی خوشخبری دی کہ ہم کامل نقل کریں گے۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔ الحمد للہ کہ اس قدر جلد ۱۰۰ صفحے نقل ہو گئے ماشاء اللہ بارک اللہ۔ امید ہے کہ جلد نقل ہو جائے۔ مقابلہ بغور کی البتہ ضرورت ہے۔ بنایہ ۵ کو تھی غلط چھپنے کے سبب نہ لی اب جتنے کو ملے غنیمت ہے۔ وہ بہرائچ سے آیا ہو تو جواب خط اس سے ضرور لے کر روانہ کیجئے اور شاید وہ اصرار کرے کہ مجھے بتا دیجئے میں جواب بھیج دوں تو اس سے کہئے جواب آپ لکھیں لفافہ میں لکھوا دوں گا اور لفافہ پہ مولوی حبیب اللہ صاحب میرٹھی[1] کا پتہ لکھ دیجئے کہ معرفت مولوی حبیب اللہ صاحب بمولوی حبیب الرحمٰن برسد اور اسی ڈاک سے امام حبیب اللہ صاحب کو ایک کارڈ ڈال دیجئے کہ ایک خط آپ کے پتے سے حبیب الرحمٰن[2] کے نام آئے گا آپ لے کر مع لفافہ اپنے لفافے میں رکھ کر بریلی بھیج دیں بلکہ پہلے ہی ان کو ایک لفافہ اطلاعی لکھ دیجئے کہ بعض مصالحۂ دینیہ کے باعث ایسا ہو گا۔ آپ وہ خط لے لیں اور زیادہ تفصیل خط میں نہ لکھیں اتنا لکھ دیں کہ زبانی معلوم ہو گا۔

مجالس شریفہ اور ان ادیوں کا کیا کہنا مگر ایمان کا حال آپ کو اس سوال سے معلوم ہو گا زبانی ہی تکفیر غالباً کافی نہ ہو گی اور ہو بھی تو لکھنے سے قطعی انکار ہو گا حالانکہ ان ہی کی تحریر نے کہ ہمدم میں چھپی کہ میں نے ہر طرح تحقیق کر لیا اس میں کوئی کفر کی بات نہیں بہتیرے جاہلوں کو کہ انہیں لیڈر قوم سمجھے ہوئے ہیں، کافر کر دیا۔ ان پر فرض ہے کہ اس سے اپنا رجوع اور اس خبیث کی تکفیر چھاپیں یا کم از کم اپنا دستخطی مہری فتویٰ دیں ورنہ قیامت تک کفر و کافر گری ان کے سر ہے مگر وہ ہرگز اپنے ایک ملاقاتی ڈپٹی[3] کے بیٹے کے سامنے اللہ رسول کی خاطر نہ کریں گے اس وقت آپ کو اسلام کا حال کھل جائے گا مگر جب تک اس کے نقل و مقابلہ کی تکمیل نہ ہو جائے، چھیڑنا نہ چاہئے، کہ بدک نہ جائیں۔ والسلام ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۲ھ

لکھنؤ ڈاک خانہ چوک بمعرفت پوسٹ ماسٹر صاحب

بملاحظہ مولوی محمد حسین صاحب ساکن میرٹھ

---

[1] مولوی حبیب اللہ ولد حافظ عظیم اللہ، میرٹھ کے محلہ خیر نگر کی مسجد کے پیش امام تھے۔ ۱۹۴۸ء میں انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی عارف اللہ صاحب راولپنڈی میں سکونت پذیر ہیں۔

[2] مولانا بریلوی نے یہ نام اپنے لئے اختیار کیا ہے۔

[3] یہاں سے روئے سخن مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی طرف ہے۔ ڈپٹی سے مولوی عبدالماجد کے والد عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر تھے اس طرف اشارہ ہے۔

فاضل بریلوی کے

معاشی نکات

جدید معاشیات کے آئینے میں

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی

ایم۔اے، ایم۔ایس (کوئینز یونیورسٹی کینیڈا)

فاضل بریلوی کے معاشی نکات

جدید معاشیات کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی پر جو تحقیقی کام کیا ہے وہ علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ اپنی تحقیق کے دوران ڈاکٹر صاحب کی دور رس نگاہیں مولانا احمد رضا خاں کے ان نکات کی طرف مرتکز ہو گئیں جو انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لیے اپنے رسالے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" میں تحریر فرمائے اور جو ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں لیکن ان میں معانی کا جو ذخیرہ پوشیدہ ہے اس کے اظہار کے لیے ڈاکٹر صاحب نے مجھے منتخب فرمایا ہے کہ میں بحیثیت معاشیات کے طالب علم ان نکات کی وضاحت کروں۔ یہ کام بہت بڑا ہے اگرچہ گذشتہ بیس سال سے معاشیات پر درس دے رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ میرا علم بہت محدود ہے۔ اپنے احساسات کو قلمبند کرنے کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ پھر بھی میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان نکات کی وضاحت کرنے کی پوری پوری کوشش کروں۔

علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

بلاشبہ مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی۔ ان اشاروں میں جہان معنی پوشیدہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ان نکات پر بحث کروں، لبطور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۱۲ء میں جب کہ یہ نکات شائع ہوئے برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔ معاشیات پر با فائدہ کتابیں

لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۳۰ ، ۱۹۲۹ء کی عظیم عالمی سرد بازاری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ امریکہ میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں معاشیات کے طلباء کی تعداد بہت کم تھی۔ خواتین خصوصاً یہ مضمون پڑھنے سے کتراتی تھیں۔ لیکن ۱۹۴۰ء اور اس کے بعد حالات یک لخت بدل گئے اور معاشیات کے طلباء کی تعداد میں بے اندازہ اضافہ ہوا، اور اب تو امریکی ماہرین تعلیم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ پرائمری سطح ہی سے طلباء کو معاشیات کی تعلیم دی جائے۔

بہر حال یہ امر واقع ہے کہ علم اقتصادیات میں عوام اور حکومتوں کی دلچسپی کا آغاز ۳۰ - ۱۹۲۹ء کی عالمی سرد بازاری کی وجہ سے ہوا۔ کساد بازاری کو قابو میں لانے کے لیے کلاسیکی نظریات موجود تھے لیکن اس عظیم عالمی کساد بازاری نے ان نظریات کو باطل کر دیا اور اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ ایک ایسے نئے نظریہ کی ضرورت ہے جو اس کساد بازاری پر قابو پانے میں مدد دے سکے۔ بالآخر ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز (J.M Keynes) نے اپنا مشہور زمانہ ”نظریہ روزگار و آمدنی“ پیش کیا جو اقتصادیات کے میدان میں ایک انقلاب کا سبب بنا۔ اس انقلابی نظریہ نے حکومتوں کو اس قابل کر دیا کہ وہ اس عالمی سرد بازاری پر مکمل قابو پالیں۔ کینز کو ان کی خدمات کے صلہ میں تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نوازا جو کسی بھی انگریز کے لیے اعلیٰ ترین خطاب ہے اور باعث افتخار۔

اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کر لیں کہ جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہ مرد مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھا دی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمانان ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے انتہائی مستحکم ہوتی۔

آئیے اب ان نکات پر الگ الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا بریلوی کے ان نکات کی تعداد چار ہے جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علم دین کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔

۱- پہلا نکتہ یہ ہے:

”ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں“۔

اس نکتے میں اہم بات ”پس اندازی“ ہے۔ فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہی کر دی تھی۔ جدید ماہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بے حد مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کئے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر بر صغیر کے مسلمانوں کی بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کروڑوں روپے ضائع کئے۔ یو۔ پی۔ میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں ۱۴ فی صد تھی لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باعزت اور پر وقار زندگی گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔ یو۔ پی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی۔ زمیندار اس صوبے میں وہ افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے۔ لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز

جو زمیندار تھے بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے سلسلے میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل نے یو۔پی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کرکے بھرپور وار کیا اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ مقدمہ بازی پر کئے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہو رہا تھا کاش کہ اگر بچایا جاسکتا تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری تھے۔ اگر مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی کیونکہ انہیں احساس تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی دور کرنے کا بھی بہترین علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اخراجات یکسر ختم کر دیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ۱۹۳۶ء میں کینز نے اپنا نظریہ "روزگار و آمدنی" پیش کرکے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔ اس کے نظریہ کی اہم ترین "مساوات" میں بچت اور سرمایہ کاری سب سے اہم متغیرات (variables) ہیں۔ اس کے نزدیک معیشت میں اقتصادی توازن کے لیے یہ شرط ہے کہ

بچت = سرمایہ کاری　　SAVING = INVENSTMENT

جب تک یہ شرط پوری ہوتی رہے گی سرمایہ دارانہ معیشت میں توازن برقرار رہے گا۔ لیکن جہاں ان دونوں میں عدم مساوات پیدا ہوئی معیشت کا توازن بگڑ جائے گا ——— یا تو معاشرہ کساد بازاری کا شکار ہو جائے گا یا افراط زر کا۔ دونوں ہی صورتیں سماجی، سیاسی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے خطرناک ہیں۔ لہٰذا کوشش اس بات کی ضروری ہے کہ بچت اور سرمایہ کاری میں توازن برقرار رہے۔ فرد یا افراد کے لیے یہ توازن لانا بے حد مشکل ہے۔ لہٰذا کینز نے حکومتوں کو مشورہ دیا کہ وہ معاشی افعال میں بھرپور حصہ لیں۔ اب تک ماہرین معاشیات حکومتوں کو چند ضروری شعبوں (مثلاً دفاع، پولیس، صحت، تعلیم اور رسل و رسائل وغیرہ) میں حصہ لینے کے علاوہ باقی شعبوں سے دور رہنے کی تجاویز دیتے تھے تاکہ معاشرہ میں فرد کی اقتصادی آزادی متاثر نہ ہو۔ حکومتیں اس پر عمل بھی کرتی تھیں۔ لیکن ۱۹۲۹ - ۳۰ء کی عالمی کساد بازاری نے قدیم ماہرین معاشیات کے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ ادھر کینز کے مشورہ پر عمل کیا گیا۔ حکومتوں نے معیشت کے ہر شعبے میں بھرپور حصہ لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو کساد بازاری سے نجات مل گئی اور ——— کینز کو انگلینڈ کا اعلیٰ ترین اعزاز ملا۔

موجودہ دور، اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بناتے ہیں۔ ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے۔ انقلاب روس کے بعد کمیونسٹ ماہرین اقتصادیات نے روس کی معاشی ترقی کے لیے پنج سالہ ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کیا۔ آج پسماندہ ممالک بھی اقتصادی ترقی کی دوڑ میں شامل ہو چکے ہیں۔ روس کے بعد بیشتر ترقی پذیر ممالک میں پنجسالہ ترقیاتی منصوبوں کو مقبولیت بخشی ہے اور ان ممالک میں اقتصادیات کے ماہرین ملکی وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندیوں میں مشغول ہیں۔ جہاں اقتصادی منصوبہ بندی میں دیگر اور باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔ منصوبوں کے لیے رقم دو ذرائع سے حاصل ہوتی ہے:

(۱) ملکی بچت اور (۲) قرضے

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملکی ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کی تکمیل کے لیے ایک تیسرا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حسب ضرورت ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کرتا رہے لیکن یہ طریقہ ارزاں ہوتے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے اس سے ملک میں افراطِ زر آجاتا ہے اور اگر افراطِ زر پر حکومت جلد قابو نہ پا سکے تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔

لہٰذا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ پسماندہ ممالک میں بچت کی شرح بہت کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں بچت کی اہلیت بہت کم ہے کیونکہ ان کی آمدنیاں بے حد قلیل ہیں۔ اگر افراد کی آمدنیوں میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا بھی ہے تو افراد اسے اشیائے صرف پر خرچ کر دیتے ہیں۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فی صد سے ۸ فی صد ہے۔ جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۱۵ فی صد سے ۱۸ فی صد ہے یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فی صد حصہ سرمایہ کاری کے لیے خرچ کرتے ہیں جب کہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۱۵ فی صد سرمایہ کاری کے لیے وقف کر دیا جائے۔

جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کینز کی مشہور زمانہ مساوات (Equation) کے مطابق

بچت = سرمایہ کاری

اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی لیکن بچتیں اگر کم ہیں تو اقتصادی ترقی کی رفتار بیحد سست ہوگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک (Collin clark) نے بھارت، چین اور پاکستان کے لیے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۲ فی صد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہٰذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، بچت میں اضافے کے لیے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لیے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ملکی بچت کا ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ جب کہ حکومتیں اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دور اندیشی کے۔

کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں۔

کینز کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے۔ اس بنا پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کر لی تھی۔ جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خاں بریلوی شائع کروا چکے تھے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی۔

(۲) اب آئیے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا

"بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں"۔

یہ نکتہ معاشی نقطۂ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خاں کی اقتصادی سمجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۴۰ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں بنک اور بنکوں کی اہمیت کا اندازہ لگا لینا کوئی آسان بات نہ تھی لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بنک قائم کریں۔

سود کی بے پناہ مضرت رسانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خاں نے اپنی دیگر کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ امر یہاں واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی مراد ایسا بنک کاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔

جدید اقتصادی ڈھانچے بینکنگ بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ایک مستحکم بینکنگ نظام ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کرتا ہے۔ بنک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کا معاشی نظام بغیر بینکنگ کے عضو معطل ہو کر رہ جائیگا۔ اسی وجہ سے موجودہ اقتصادی نظام کو ایک (Compound Interest System) کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک ایسا نظام جس کی بنیاد سود مرکب پر ہے۔ ایسے نظام میں بنکوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اقتصادی منصوبہ بندی میں سرمایہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کوئی بھی اقتصادی منصوبہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا یا کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو بغیر سرمایہ کے تکمیل کے مراحل طے نہیں کر سکتا۔ اقتصادی ترقیاتی منصوبوں میں بنکوں کے سپرد یہ اہم کام ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ کی قلت کو دور کریں اور بچت اور سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کریں۔ ایک مضبوط بینکنگ نظام چھوٹی چھوٹی بچتوں کو اس طرح یکجا کر کے کام میں لاتا ہے کہ اس کے ذریعے بڑے بڑے اقتصادی منصوبے پایۂ تکمیل کو جا پہونچتے ہیں۔ اس طرح بنک دو اہم فرائض انجام دیتے ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کی چھوٹی یا بڑی رقمیں جمع کرتے ہیں، اور

(۲) ان رقموں کو ایسے افراد کو قرض پر دے دیتے ہیں کہ جو انہیں پیداواری کاموں پر صرف کر سکیں۔ پیداواری کاموں سے مراد ان کاموں سے ہے جن کا نتیجہ ایسی اشیاء و خدمات کی پیدائش میں ہوتا ہے جو مستقبل کی پیدائشِ دولت میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

تو گویا بنکوں کی اہمیت موجودہ معاشرہ میں مسلّم ہے۔ قائدِ اعظم انتہائی دور اندیش اور مدبّر سیاستدان تھے۔ قیام پاکستان سے قبل یہ بات ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ پاکستان کی اقتصادی ترقی کے لیے ایک مضبوط بنک کی سخت ضرورت ہے جو مسلمانوں کی ملکیت ہو۔ لہٰذا انہوں نے اس بات پر بے حد اصرار کیا کہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا بنک فوری طور پر قائم کیا جائے انہوں نے فرمایا کہ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ ہے لیکن اس کے باوجود صرف ایک بنک (حبیب بینک) مسلمانوں کا ہے جب کہ ملک میں سینکڑوں بینک سرگرم عمل ہیں۔ جن کی ملکیت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔ قائدِ اعظم کے مسلسل اصرار سے متاثر ہو کر مرحوم سر آدم جی داؤد اور مرزا احمد اصفہانی نے جن کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو کلکتہ میں مسلم کمرشل بینک قائم کیا، تقسیم ہند کے بعد اس بینک کے دفاتر پاکستان منتقل کر دیئے گئے اور بہت جلد اس بینک نے اپنی شاخیں پاکستان کے اہم شہروں میں قائم کر دیں اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کی معاشی سرگرمیوں میں یہ بینک انتہائی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی ۲ دو قسمیں بنائی ہیں :

(۱) بچت (Saving) اور (۲) زر کی ذخیرہ اندوزی (Hoarding)

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جس میں سے وہ اسّی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے تو اس کی ماہانہ بچت بیس روپے ہوگی - یہی حال قوموں کا ہے - اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا -

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بینکوں میں جمع کرا سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں - یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے - لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے پاس ہی رکھیں تو یہ صورت (Hoarding) کہلائے گی - بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اسلیئے مختلف ہے کہ موخر الذکر تصور خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولت زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے -

جب تک لوگ اپنی بچت بینکوں میں جمع کرائیں گے یا کسی بچت کی اسکیم میں لگائیں گے اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا - لیکن جس وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی کیونکہ کینز کی مساوات

بچت = سرمایہ کاری

غیر متوازن ہوگئی - ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراط زر پیدا ہو جائے گا یا کساد بازاری پھیل جائیگی اور ہزاروں افراد ملکی وسائل بے روزگار و بے اثر ہو جائیں گے جس میں معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی -

اب بچت اور بینک کا تعلق قارئین پر واضح ہوگیا ہوگا اور انہیں یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ موجودہ معیشت میں بچت اور بینک ہماری اقتصادی زندگی کے لیے کس قدر اہمیت رکھتے ہیں - بچت اور بینک آج کی دنیا میں دو ایسے الفاظ ہیں جن سے ہمارے معاشرے کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے - ٹیلی ویژن دیکھیئے، ریڈیو سنیئے، یا اخبارات کا مطالعہ کیجیئے آپ کو ہر قدم پر ان دونوں کا سامنا کرنا پڑیگا -

۱۹۱۲ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائینگے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا - انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں، وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں -

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا - ہندو مجبور ہوگیا تھا کہ وہ برّ صغیر کی تقسیم کو قبول کر لے لیکن وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ معاشی طور پر پاکستان کی زندگی چند روزہ ہے - یہ ایک حقیقت بھی تھی، پاکستان کے خزانے خالی تھے - صنعت اور بینکنگ میں مسلمان ناتجربہ کار تھے - اس میدان میں گویا ایک خلا تھا جس کو تیزی کے ساتھ پُر کرنا انتہائی ضروری تھا - پاکستان کے ارباب اقتدار کو اس خلا کو پُر کرنے کے لیے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ بے شمار تھیں - لیکن رفتہ رفتہ خدا کے فضل وکرم سے حالات پر قابو پالیا گیا - آخر تو یہ مملکت خداداد تھی جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی -

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برّ صغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا - ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں - یہ تو صرف مرد مومن کا

کمال ہے۔ اس مرد مومن نے تونگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے یہی بات ۱۹۴۷ء میں قائد اعظم نے دوہرائی۔ اگر ۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ مسلمانان عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔

اب ہم مولٰینا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

(۳) ''مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔''

ذرا اس نکتہ پر غور فرمایئے: موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ مسلمانوں نے اس عالم دین کے اس زریں اصول کو نہ تو سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔

لکھتے ہیں ہیں نے اپنے بچپن میں جب کہ دوسری جنگِ عظیم زور شور سے جاری تھی۔ اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعر چسپاں دیکھا تھا ؎

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر
تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی لے مسلم سے لے

یہ غالباً فاضل بریلوی کے اس نکتے کی بازگشت تھی۔ اس شعر نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے خرید و فروخت کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود تھے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم، اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موتی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے لیکن مغربی خزانوں کی طرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا، نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دور رس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خرید و فروخت کرتے لگتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہوتے۔

معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہیئے یا اس پر پابندیاں ضروری ہیں۔ تابین (Protection) کے خلاف اور موافقت میں بڑے بڑے یوروپین اور امریکی ماہرین معاشیات نے دلائل پیش کئے ہیں۔ آدم اسمتھ (Adam Smith) کو جسے معاشیات کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ آزاد بین الاقوامی تجارت کا سب سے بڑا حامی سمجھا جاتا ہے۔ آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیاء و خدمات کی آمد و رفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف تابین وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لیے دیتی ہے۔ آدم اسمتھ کی کتاب ''دولت اقوام'' ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ ۱۷۹۱ء میں امریکہ کے ایک سیاستدان الیگزینڈر ہملٹن (Alexander Hamilton) نے تابین کی پالیسی کی پرزور حمایت کی اور آزاد بین الاقوامی تجارت کی مخالفت جرمنی میں فریڈرک لسٹ نے تابین کی حمایت میں پرزور دلائل دیئے۔ سب سے پرزور دلیل جو تابین کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی نوزائیدہ صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ان کی حفاظت

حکومت کا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تاہین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبۂ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو تاہین کے حق میں دئیے گئے ہیں مگر میں صرف مندرجہ بالا دو دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں انتہائی مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ صرف ۳۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جائیگا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا گم کر دیا ہے حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی، مذہبی اور معاشی بقا کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہلِ نظر اور اہل علم مسلمانوں کو پالیسیاں وضع کرنی تھیں۔ تعلیمی، سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے۔ مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے جدّ و جہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کئے جن پر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا تعلیم یافتہ مسلمان اپنی راہبری کے لیے مغربی علماء کا سہارا لے رہے تھے اور اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے باوصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کے اپنی غربت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔ بنیوں کی ذہنیت اور فطرت ہی یہ تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کمایا جائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اول تو ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔ فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔ اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لیے مسلمان بھائیوں سے تاہین کی اپیل کی۔ مسلمان دوکانداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ نہیں دینا تھا۔ بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانانِ ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا۔ اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔ مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زائد اشیا خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ اشیاء پیدا کرتے کیونکہ ان کی اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کو پیدا کرنے کے لیے وسائل پیدائش کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین، محنت اور سرمائے کی۔ مسلمان

صنعت کار جب اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرنے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاش روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی مؤثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لائے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خان کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بنک قائم کریں۔ بنک جن کا اولین مقصد پیداواری کاموں کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

کینز کے نظریہ "روزگار و آمدنی" میں مؤثر طلب (Effective Demand) بے حد اہم کردار ادا کرتی ہے اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے تیسرے نکتہ میں مؤثر طلب کا خیال واضح طور پر موجود ہے۔ سارا کریڈٹ کینز کو جاتا ہے اور ہم اپنے عالم کے ارشادات سے قطعاً بے خبر مغربی ماہرین معاشیات کو داد دیتے رہتے ہیں۔ قسمت کی اس ستم ظریفی کو ہم کیا نام دیں گے۔ خوان نعمت ہمارے سامنے لگا ہوا ہے لیکن ہماری نگاہیں مغرب کی ڈبل روٹی پر لگی ہوئی ہیں۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی "بندر بانٹ" ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ یہی حالت فرانس اور اٹلی کی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانش مندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تنہا اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا روم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یورپ میں مشترکہ منڈی (uropean Common Market) کا قیام عمل میں آیا جو چھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کارفرما تھا وہ بعینہٖ وہی تھا جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ روم جس کے تحت اس منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے۔ منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہو گی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہو گی۔ وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔ درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی مستحق ہوں گی۔ جو اشیاء منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں انہیں باہر سے نہیں منگوایا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہو گی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔

یورپین مشترکہ منڈی کی اس شاندار کامیابی نے معاشیات کی ایک نئی شاخ کو جنم دیا جسے ہم (Theory of Economic Integeration) کے نام سے جانتے ہیں۔ اس پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔

مشترکہ منڈی کی اس شاندار کامیابی سے متاثر ہو کر یورپ کے تقریباً دس ممالک نے جس میں برطانیہ بھی شامل تھا ایک یورپین فری ٹریڈ ایریا (European Free Trade Area) قائم کر لیا لیکن وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو یورپین مشترکہ منڈی کو ہوئی۔ پاکستان ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔سی۔ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ انہیں خطوط پر تھا لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی جس کی توقع کی جاتی تھی۔ آر۔سی۔ڈی کو کامیاب بنانے کے لیے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۲۲ اپریل ۱۹۷۶ء کو ازمیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لیے کوشش کریں تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدق دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقیناً وہی کامیابی ملتی جو یورپین مشترکہ منڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لیے چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا تعین کرنا تھا لیکن افسوس راستے کا تعین تو درکنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا اسے ہم صرف اپنی بدنصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبران ملت ایسے الجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً حیرت انگیز اور قابل افسوس امر ہے جب کہ ان کی ہدایت کیلئے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں نے ۱۹۱۲ء میں وضع فرما دیئے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق[1] نہیں لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

(۴) ''علم دین کی نشر و تبلیغ و اشاعت کریں''۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لا رہی تھیں۔ مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی۔ مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویشناک تھی اور جسے مولانا کی ذات گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی یعنی کوا ہنس کی چال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہوگا کہ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اکبر الٰہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند نشتروں سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے

---

[1] یہ نکتہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملّی تعصّب سے پیدا ہوتا اور قومی تعصّب و عصبیت کے لیے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے متعلق ہے۔ (ادارہ)

کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی اصلیت مت بھولو۔ تمہارا سب سے بڑا خزانہ تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے۔ لیکن "رفارم" کا چکر اتنا تیز تھا کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور اکبر الہ آبادی نے فرمایا کہ ؎

سیّد اٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسہ نہ ملا

اور یہ کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینیوں کا ایسا متوالا بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

مذہب سے بیگانگی برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا لیکن جب قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ وار ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت وحمیت اس وقت بھی مسلمانانِ ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں سے مختلف ہے مگر بدنصیبی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آگئی مگر نشر و ترویج دین کی طرف اہل اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے کس لیے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹالی گئی۔ اقتدار کے لیے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے آگھیرا۔ مذہب سے بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے خود کو صوبوں سے خصوصیت دے لی اور یہ بھول گئے کہ ہم اوّل و آخر صرف مسلمان ہیں۔

ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں ان کا بنیادی سبب ہماری مذہب سے بیگانگی تھا۔ اگر ابتداء ہی سے علم دین کی نشر و ترویج و اشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ برے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو جو مغرب کی تقلید میں دیوانی ہوتی جا رہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کر دی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبال ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

امام احمد رضا
دنیائے صحافت میں

محترمہ
آر ۔ بی ۔ مظہری
ایم ۔ اے ۔ ایم فِل
ریسرچ اسکالر سندھ یونیورسٹی
حیدر آباد سندھ

حرفِ آغاز

امام احمد رضا کی شخصیت بڑی وسیع اور ہمہ گیر ہے گزشت چند سالوں میں ان پر بہت سا کام ہو چکا ہے اور بہت سا ہو رہا ہے۔ درحقیقت اس جدید تحریک کا سہرا مرکزی مجلس رضا (لاہور) کے سر ہے جو گزشتہ چودہ سال سے امام احمد رضا کے حالات و افکار سے متعارف کرانے کے لئے سرگرم عمل ہے اور نہایت اخلاص کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھے ہوئے ہے، اس کے روحِ رواں حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہیں ——— اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

امام احمد رضا کا پاکستان کے تمام صوبوں میں اثر و رسوخ تھا خصوصاً پنجاب و سندھ اور سرحد میں ——— امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ اور معتقدین و مریدین، سندھ میں آتے رہے۔ یہاں کے دینی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہوئے اور بہت سے یہاں آباد ہوئے اور دینی و سیاسی خدمات میں مصروف رہے، ان کے بہت سے دینی مدارس سندھ میں موجود ہیں۔ ——— سندھ کے مشہور عالم مولانا محمد عبدالکریم درس (کراچی) امام رضا کے احباب میں تھے، ۱۹۰۶ء میں امام احمد رضا حج سے واپسی پر کراچی آئے اور ان کے ہاں قیام فرمایا پھر بمبئی تشریف لے گئے ——— مولانا درس کے خاندان میں امام احمد رضا کے قلمی فتوے اور خطوط موجود ہیں جو امام احمد رضا نے مولانا عبدالکریم درس کے نام ارسال فرماتے تھے اس کے علاوہ سندھ کے ایک متجر عالم شیخ ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السندی البکری (جو مدینہ منورہ میں بس گئے تھے)، امام احمد رضا کی عربی تصنیف الدولۃ المکیہ پر فاضلانہ

تقریظ تحریر فرمائی جس میں امام احمد رضا کے علم و فضل کو خوب خوب سراہا ہے اور "مجدد مائتہ حاضرہ" تحریر فرمایا ہے۔ اس تحریر کا عکس راقمہ کے پاس محفوظ ہے
امام احمد رضا کے انتقال ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں سندھ کے ایک ادیب و قلمکار جو پاکستان بننے کے بعد ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر بھی فائز رہے یعنی اللہ بخش عقیلی مرحوم (برادر بزرگ مرکزی وزیر خزانہ حکومت پاکستان ایم ۔ ایم عقیلی) نے امام احمد رضا پر اردو میں ایک مقالہ لکھا تھا جو انہوں نے ٹھٹھہ سے لاہور بھیجا اور وہاں ماہنامہ تصوف لاہور میں شائع ہوا

الغرض سندھ سے امام احمد رضا کا قدیمی تعلق تھا یہ اس تعلق کا کرشمہ ہے کہ سندھ کے ایک محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے گزشتہ دس بارہ سال سے امام احمد رضا کو اپنا موضوع سخن بنا رکھا ہے اور اسی تعلق کی یہ کرامت ہے کہ سندھ کے بہت سے فاضلوں نے امام احمد رضا پر مضامین لکھے اور راقمہ کی یہ ناچیز کوشش بھی سندھ کی طرف سے امام احمد رضا کی خدمت میں ایک حقیر نذرانہ عقیدت ہے۔

سندھ کے علاوہ پنجاب سے بھی امام احمد رضا کو خاص لگاؤ تھا، وہ لاہور تشریف لائے اور انجمن نعمانیہ کے ایک اجلاس میں ڈاکٹر اقبال نے بھی ان سے شرفِ نیاز حاصل کیا ـــــ امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ اور مریدین بھی پنجاب میں بسے ـــ پنجاب میں امام احمد رضا کے افکار کی گہری چھاپ ہے۔ پنجاب کے علماء اور عدالت کے مسلمان ججوں نے امام احمد رضا سے استفادہ کیا جس کی شہادت فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے ملتی ہے۔

سندھ، پنجاب کی طرح صوبہ سرحد و بلوچستان اور گلگت وغیرہ میں امام احمد رضا کے عقیدت مند موجود تھے اور موجود ہیں۔ امام احمد رضا کے دار العلوم منظر اسلام کے

فارغ التحصیل علماء صوبہ پنجاب کی طرح صوبہ سرحد میں بھی موجود ہیں ، مولانا محمد زکریا (پشاور) جو اگرچہ مسلکاً دیوبندی تھے مگر اس کے باوجود امام احمد رضا کی فقیہانہ عظمت کے قائل تھے ——— المختصر بقول ڈاکٹر شیخ محمد اکرام پاک و ہند کے عوام مسلمان کی اکثریت پر امام احمد رضا کے افکار کی چھاپ ہے ———

امام احمد رضا پر کتابی دنیا میں بہت کچھ کام ہو چکا ہے اور بہت کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارا موضوع صحافتی دنیا کے علمی ذخیرے سے متعارف کرانا ہے اس لئے رسالوں اور اخباروں میں امام احمد رضا پر جو مقالات شائع ہو چکے ہیں (خصوصاً پاکستان میں) ان کی تفصیلات اس مقالے میں پیش کی جا رہی ہے۔

امام احمد رضا کے مقالات ، مکاتیب اور فتاوے وغیرہ پاک و ہند کے جن اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ان کو ہم نے اس مقالے میں شامل نہیں کیا کیونکہ اس موضوع کے لئے ایک علیحدہ مقالہ کی ضرورت ہے۔

اخبارات اپنی اپنی صوابدید کے مطابق نئے نئے عنوانات قائم کرتے ہیں، چناں چہ کبھی ایک ہی مضمون کے ایک سے زیادہ عنوانات بن جاتے ہیں اور اصل عنوان کا پتہ نہیں چلتا اس لئے راقمہ نے اخبارات کے طویل عنوانات کو مختصر کر کے لکھا ہے۔ البتہ رسالوں کے عنوانات کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔

امام احمد رضا کے عہد یا اس کے فوراً بعد جو کچھ شائع ہوا اس تک راقمہ کی رسائی نہ ہو سکی (اس مقالے میں اس عہد کے چند مضامین شامل کئے ہیں) چنانچہ یہ کمی مقالے میں رہ گئی ہے جس کو آئندہ پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ دراصل اس مقالے میں شامل اعداد و شمار کا تعلق زیادہ تر پاکستان سے ہے، ہندوستان میں جو کچھ ہوا وہ تمام و کمال حاصل نہ ہو سکا اس لئے زیادہ تر گذشتہ چودہ برسوں میں پاکستان میں جو کچھ شائع ہوا اسکی تفصیلات اس میں شامل ہیں۔ امام احمد رضا کو انتقال کئے ہوئے

۶۲ برس ہو چکے ہیں اس عرصے میں پاک و ہند اور بیرونی دُنیا میں جو کچھ شائع ہوا اس کا احاطہ کرنے کے لئے ایک طویل جد و جہد درکار ہے۔ اِن شاء اللہ آئندہ کوشش کی جائیگی کہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوں اور نقش ثانی، نقش اوّل سے زیادہ مکمل ہو۔

مقالات و مضامین کی تدوین میں سنین کا اعتبار رکھا گیا ہے یعنی جو مقالہ پہلے شائع ہوا اس کا پہلے ذکر کیا ہے اور جو بعد میں شائع ہوا اس کا بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ مقالات مضامین کی روشنی میں تحقیق کرنے والوں کو مقالہ نگاروں کی نگارشات کا ارتقائی جائزہ لینے میں آسانی رہے۔ نیز اعلیٰ حضرت کے بارے میں درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل تحقیقات کا بخوبی اندازہ ہوسکے ۔۔۔ اور مستقبل میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین کا بآسانی اضافہ کیا جاسکے۔

قارئین کرام کی نظر میں اگر ایسے مقالات و مضامین ہوں جو اس مقالے میں شامل نہیں کئے گئے تو ازراہِ کرم اس کی تفصیلات سے مطلع فرماکر ممنون فرمائیں

آر۔ بی۔ مظہری

۲۲۶۲ سی/۱۹۔ جھور امل لین

حیدر آباد سندھ (پاکستان)

تعارُف

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

عزیزہ آر۔ بی۔ مظہری سلمہا سندھ یونیورسٹی (حیدرآباد سندھ) کی ریسرچ اسکالر ہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۰ء میں سندھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا اور قادریہ سلسلے کے ایک بزرگ شاعر میر سیّد علی غمگین شاہجہاں آبادی کی نادر تصنیف دیوان اُردو رباعیات مکاشفات الاسرار کے مخطوط انڈیا آفس لائبریری (لندن) پر کام کر کے محققین کی فہرست میں شامل ہوئیں ـــــ ان کو کام کرنے کی ایسی لگن ہے کہ دن رات ایک کر دیتی ہیں اور موضوع کا اُس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑتیں جب تک کہ کام مکمل نہ ہو جائے ـــــ جو کام دوسرے محققین کو پہاڑ معلوم ہوتے ہیں وہ آسانی سے کر گزرتی ہیں، یہ خوبی ان کو دین کی محبت سے حاصل ہوئی ہے۔

عزیزہ موصوف متبع شریعت ہیں، یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اُنہوں نے بُرقعہ کا خاص اہتمام رکھا، یہ دین پر ان کی استقامت کی دلیل ہے۔ وہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں حضرت مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (شاہی امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی) سے بیعت ہیں، ان کے والدین مرحومین بھی اسی سلسلے میں حضرت شاہ محمد رکن الدین الوری علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ عزیزہ موصوفہ کے احوالِ قلبیہ و روحانیہ قابل رشک ہیں، آجکل جدید تعلیم یافتہ طبقے میں خصوصاً طبقۂ خواتین میں ایسی شخصیت منقا نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور بلندیاں عطا فرمائے اور دارین میں سرفراز کرے۔ آمین

عزیزۂ موصوفہ نے سندھ یونیورسٹی (حیدرآباد سندھ) سے ۱۹۸۲ء میں امام احمد رضا پر ایم۔ اے ۔ کی ڈگری حاصل کی اور اب وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے کام کر رہی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔ آمین! ان کو امام احمد رضا کے حالات و افکار سے خاص دلچسپی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پیشِ نظر مقالہ بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔ دراصل یہ مقالہ امام احمد رضا پر کام کرنے والوں کے لئے ایک مفید اشاریہ رسائل و اخبارات ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ امام احمد رضا کی شخصیت و افکار کے کتنے گوشوں پر کام ہو چکا ہے ـــــ لیکن یہ اشاریہ مکمل نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ ہندوستان اور بعض دیگر ممالک کے رسائل و اخبارات کا مطالعہ نہیں کیا جاسکا۔ بہرحال یہ کمی آئندہ ایڈیشن میں پوری کی جاسکتی ہے ـــــ۔ مقالات و مضامین کی یہ فہرست ان مقالات کے علاوہ ہے جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایک مبسوط "اشاریہ امام احمد رضا" مُرتب کیا جائے جس میں رسائل و اخبارات کے علاوہ تمام کتابوں کے حوالے بھی آجائیں لیکن یہ نہایت ہی صبر آزما کام ہے کیونکہ صرف امام احمد رضا کی تصانیف کی تعداد ہی ایک ہزار کے لگ بھگ یا کچھ زیادہ ہے۔

طبقۂ خواتین میں امام احمد رضا پر فاضلہ موصوفہ سے قبل کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ڈاکٹر باربرا مٹکاف، کام کر چکی ہیں۔ ایک فاضلہ پاشا بیگم کا مقالہ ماہنامہ عرفات (لاہور) میں شائع ہوا تھا، ایک فاضلہ خدیجہ نشاط اشرفی نے امام احمد رضا کی دینی خدمات پر مقالہ لکھا تھا جو المیزان (بمبئی) کے امام احمد رضا نمبر میں شائع ہوا۔ حیدرآباد سندھ کی ایک اور فاضلہ آر۔ بی صدیقی نے امام احمد رضا سے متعلق مختلف فضلاء کے تأثرات پر ایک طویل مقالہ مرتب کیا تھا جو ہفت روزہ افق (کراچی) کے متعدد شماروں میں شائع ہوا، جبل پور (بھارت) کی ایک فاضلہ ظہیرہ قادری، امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر جبل پور یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں۔ الغرض طبقۂ خواتین میں امام احمد رضا پر مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضلۂ عزیزہ آر۔ بی۔ مظہری کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے محققین کے

لئے ایک سوغات پیش کی ہے ، وہ ہم سب کے لئے کی مستحق ہیں۔ مولائے کریم ان کی تحقیقی نگارشات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین !

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
(پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج ، ٹھٹھہ ، سندھ ، پاکستان)

۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ
۸ نومبر ۱۹۸۲ء

باسمہٖ تعالیٰ

نمبر شمار	مقالہ نگار	مقالہ	رسائل	ماہ	سال
		۱۹۲۲ء			
۱	اللہ بخش عقیلی ٹھٹھوی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	تصوف (لاہور)	ستمبر	۱۹۲۲ء
		۱۹۲۶ء			
۲	ہدایت یار خاں قیس رضوی	جذبات قیس	یادگار رضا (بریلی)		۱۹۲۶ء
۳	محمود جان جودھپوری، مولانا	ذکر رضا	"		"
		۱۹۵۷ء			
۴	حکیم خلیل الرحمٰن رضوی، مولانا	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ماہ طیبہ (کوٹلی لوہاراں) سیالکوٹ	جون	۱۹۵۷ء
		۱۹۵۸ء			
۵	حافظ پیر بخش بلوچ تونسوی	منقبت، مجدد ملت مولانا احمد رضا خاں	ہفت روزہ جمعیت (لاہور)	۲۶ ستمبر	۱۹۵۸ء
		۱۹۵۹ء			
۶	سید رضا علی رضوی	امام اہلسنت کے غیر مطبوعہ ملفوظات	سواد اعظم (لاہور)	۲۸ اگست	۱۹۵۹ء
۷	سید احمد سعید کاظمی، مولانا	الامداد (اعلیٰحضرت کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب)	السعید (ملتان)	دسمبر	"
		۱۹۶۰ء			
۸	مجیب الاسلام نسیم اعظمی، مولانا	امام اہل سنت	نوری کرن (بریلی)	اگست	۱۹۶۰ء
		۱۹۶۲ء			
۹	ادارہ	اعلیٰ حضرت کا ایک ضروری مسئلہ	"	اپریل	۱۹۶۲ء

		۱۹۶۳ء			
۱۰	امیر البیان سہروردی	اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	پندرہ روزہ طوفان (ملتان)	۲۳ر جنوری	۱۹۶۳ء
۱۱	اُمید رضوی	حق گزید از ہند یک مرد خدا	نوری کرن (بریلی) امام احمد رضا نمبر	جولائی	″
۱۲	ادارہ	امام اہلسنت کے مدائح جلیلہ علمائے حرمین کے قلم سے،	″	″	″
۱۳	حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی	مجدد مائۃ حاضرہ	″	″	″
۱۴	حسنین رضا خاں، مولانا	اعلیٰحضرت کے مختصر حالات	″	″	″
۱۵	کاشف حبیبی	اعلیٰحضرت کی شخصیت مقدسہ	″	″	″
۱۶	ادارہ	سیرت اعلیٰحضرت کی چند جھلکیاں	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	۲۲ر جولائی	″
۱۷	ادارہ	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	″	″	″
۱۸	نواب وحید احمد خاں	امام اہلسنت بارگاہ رسالت میں	نوری کرن (بریلی)	جولائی	″
۱۹	س. ف بیگم رضوی	اعلیٰ حضرت کا بچپن	″	″	″
۲۰	حبیب رضا خاں، مولانا	مجدد کی دینی اہمیت	″	″	″
۲۱	محمد حسین آسی	ذکر معراج اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	۷ر دسمبر	″
		۱۹۶۴ء			
۲۲	اقبال احمد نوری	کلام الامام، امام الکلام	نوری کرن (بریلی)	مئی، جون	سنہ ۱۹۶۴ء
۲۳	″	شرح کلام، امام اہلسنت اعلیٰحضرت	″	″	″
۲۴	ادارہ	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں کی چند کرامات	ہفت روزہ محبوب حق (لائلپور)	۳ر جولائی	″
۲۵	پروفیسر محمد اسحاق	حضرت مجدد اعظمؒ	″	″	″
۲۶	ادارہ	اعلیٰحضرت کی تصنیفات پر ایک نظر	″	″	″

۲۷	مشتاق احمد نظامی، مولانا	اعلیٰحضرت کی شان تجدید پر ایک نظر	ہفت روزہ محبوب حق (لائلپور)	۳ رجولائی	۱۹۶۴ء
۲۸	مفتی شریف الحق رضوی، مولانا	اعلیٰ حضرت کے اشعار پر اعتراض اور اُس کا جواب،	نوری کرن (بریلی)	اکتوبر	״
۲۹	ادارہ	کنز الایمان اور دیگر تراجم کا موازنہ	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ) امام احمد رضا نمبر	״ ״	״ ״
۳۰	ادارہ	علم کا بادشاہ	״	״	״
۳۱	״	اعلیٰ حضرت بریلوی اپنوں کی نظر	״	״	״
۳۲	״	نغماتِ رضا	״	״	״
۳۳	محمد صابر نسیم بستوی	جامع کمالات مجدد اعظمؒ	״	״	״
۳۴	ادارہ	اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی اپنے مخالفین کی نظر میں۔	״	״	״
		۱۹۶۵ء			
۳۵	ادارہ	اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے چند پہلو۔	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	۲۲ رجون	״
۳۶	سید محمد محدث کچھوچھوی	مجدد مائۃ حاضرہ	״	״	״
۳۷	سید رضا علی	بارگاہ رضوی کا آنکھوں دیکھا حال	״	״	״
۳۸	ادارہ	امام احمد رضا خاں غیروں کی نظر میں	اعلیٰ حضرت (بریلی)	جون	״
۳۹	مدیر	ایک معمے کا حل	״	״	״
		۱۹۶۶ء			
۴۰	غلام محمد خاں اشہر	مجدد اعظم نمبر	تجلیات (ناگپور)	جون	۱۹۶۶ء
۴۱	سید محمد محدث کچھوچھوی	مجدد کی صفات اور اسکی تلاش	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	۲۲ رجون	״

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	ماہ	سنہ
۴۲	ادارہ	سیرت اعلیٰحضرت کی چند جھلکیاں	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	۲۲ جون	۱۹۶۶ء
۴۳	"	امام اہلسنت مخالفین اہلسنت کی نظر میں۔	"	"	"
۴۴	"	باتیں اُن کی یاد رہیں گی۔	"	"	"
۴۴	محمد شریف قادری، مولانا	اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۴۵	اُمید رضوی	امامِ اہلِ سنت	اعلیٰحضرت (بریلی) (مجدد اعظم نمبر)	جون	"
۴۶	ادارہ	امامِ اہلسنت کے آخری ارشادات	"	"	"
۴۷	سید محمد محدث کچھوچھوی	مجدد اعظم	"	"	"
۴۸	قدیر اختر ندوی	ثنائے رسالت	"	"	"
۴۹	مجیب الاسلام نسیم اعظمی	علمائے حرمین شریفین کے اعزازی کلمات،	"	"	"
		۱۹۶۷ء			
۵۰	خواجہ حسن نظامی	مولانا احمد رضا خاں	کتابی دنیا (کراچی)	جنوری	۱۹۶۷ء
		۱۹۶۸ء			
۵۱	عبدالمنعم ہزاروی، مولانا	امام اہلسنت فاضلِ بریلوی، بحیثیت ایک مدبر و مصلح	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	جنوری	۱۹۶۸ء
		۱۹۶۹ء			
۵۲	قمر یزدانی، مولانا	نذرِ عقیدت	جامِ رضا (راولپنڈی)	اپریل	۱۹۶۹ء
۵۳	تابش قصوری، مولانا	حلیہ مبارک اعلیٰحضرت رح	"	"	"
۵۴	حسن علی رضوی، مولانا	رضا یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشیں	"	"	"
۵۵	سید لطیف حسین ادیب، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت بحیثیت شاعر	"	"	"

۵۶	ادارہ	ترجمہ اعلیٰحضرت، کنزالایمان	جام رضا (راولپنڈی)	اپریل	۱۹۶۹ء
۵۷	محمد سلیمان چشتی، مولانا	اعلیٰحضرت پر ایک نظر	"	"	"
		۱۹۷۰ء			
۵۸	محی الدین الوائی، ڈاکٹر	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	صوت الشرق (قاہرہ - مصر)	فروری	۱۹۷۰ء
۵۹	سید سعادت علی قادری، مولانا	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ترجمان اہلسنت (کراچی)	مارچ	"
۶۰	محمد ظفر الدین بہاری، مولانا	حیات اعلیٰحضرت پر ایک نظر	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	اپریل	"
۶۱	پیر بخش بلوچ تونسوی، حافظ	شاعر بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں	"	"	"
۶۲	محمد صدیق اکبر، مولانا	اعلیٰحضرت اور ان کی تعلیمات	المجیب (لاہور)	"	"
۶۳	اقبال احمد فاروقی، علامہ	اعلیٰحضرت کی نظر میں مدینے کی گلیاں	"	"	"
۶۴	محمد صدیق اکبر، مولانا	آسمان علم کا ایک درخشاں ستارہ	عرفات (لاہور) اعلیٰحضرت نمبر	"	"
۶۵	ادارہ	اعلیٰحضرت اور شہنشاہ بطحا کا شہر	"	"	"
۶۶	عابد نظامی	مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی	"	"	"
۶۷	بشیر احمد غازی، حافظ	جہاد آزادی کا قائد	"	"	"
۶۸	سید محمد محدث کچھوچھوی	مجدّد اعظم مایۂ حاضرہ	"	"	"
۶۹	پاشا بیگم	اعلیٰحضرت کی مذہبی اور سیاسی خدمات	"	"	"
۷۰	ادارہ	اعلیٰحضرت کے تاریخی فتویٰ کی صداقت	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	"	"
۷۱	محمد ابراہیم خوشتر صدیقی، مولانا	امام احمد رضا کی بارگاہ میں ملتِ اسلامیہ کے علماء و مشائخ کا خراجِ تحسین،	"	"	"
۷۲	محمد سرور قادری، مفتی	اس صدی کا مجدد برحق	"	"	"

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	ماہ	سنہ
۷۳	ادارہ	اعلیٰحضرت کی مطلع صحافت پر جلوہ گری	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	جولائی	۱۹۷۰ء
		۱۹۷۱ء			
۷۴	شیخ ضیاء الدین مدنی، علامہ	اعلیٰحضرت کی عربی میں مہارت	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	اپریل	۱۹۷۱ء
۷۵	ادارہ	اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ	"	"	"
۷۶	محمد ابراہیم	حیات امام احمد رضا آئینہ ایام میں	"	"	"
۷۷	ادارہ	اعلیٰ حضرت اور بعض نعت خواں	"	"	"
۷۸	ادارہ	اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہ العزیز	فیض رضا (لائلپور)	"	"
		۱۹۷۲ء			
۷۹	سلیم فاروقی	مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ	ترجمان اہلسنت (کراچی)	مارچ	۱۹۷۲ء
۸۰	عبد المصطفےٰ الازہری، علامہ	اعلیٰحضرت مقام علم حدیث میں	"	مئی	"
۸۱	اختر شاہجہانپوری	اعلیٰحضرت کا فقہی مقام	حنفی (لائلپور)	جولائی	"
		۱۹۷۳ء			
۸۲	غلام قطب الدین نعیمی، مولانا	اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی اہل علم کی نظر میں	پندرہ روزہ سوادِ اعظم (لاہور)	مارچ	۱۹۷۳ء
۸۳	مفتی محمد اعجاز ولی رضوی، مولانا	انوارِ جلیل مجدد اعظم	"	"	"
۸۴	عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری، مولانا	اعلیٰحضرت تاریخ کے آئینہ میں	"	"	"
		۱۹۷۴ء			
۸۵	نور محمد قادری، سید	اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کی شاعری پر تفصیلی نظر	ترجمان اہلسنت (کراچی)	فروری	۱۹۷۴ء
۸۶	سید انور علی ایڈووکیٹ	حضرت بریلوی کی نعتیہ شاعری	"	مارچ	"
۸۷	محمد علی لطفی، مولانا	اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی	"	"	"

۸۸	محمد فیض احمد اویسی ، مولانا	اعلیٰحضرت بریلوی اور علمِ تفسیر	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	مارچ	۱۹۷۴ء
۸۹	محمد اسلم راشد ، صوفی	امامِ اہلسنت قدس سرہٗ کی تعلیمات	"	"	"
۹۰	محمد رمضان ، حافظ	فاضل بریلوی کے عادات و اطوار	"	"	"
۹۱	صفیہ نوری	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۹۲	محمد صادق قصوری	اعلیٰحضرت غیروں کی نظر میں	ہفت روزہ الہام (بہاولپور)	۱۴ر مارچ	"
۹۳	مسعود حسن شہاب دہلوی	فاضلِ بریلوی مولانا احمد رضا خاں	"	۲۱ر مئی	"
۹۴	محمد اسحاق طاہر القادری ، مولانا	اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی کی نعت گوئی	"	۱۳ر اگست	"
۹۵	پروفیسر فیاض احمد کاوش	سلامِ رضا	ترجمان اہلسنت (کراچی)	اکتوبر (د. ب. ج)	"
		۱۹۷۵ء			
۹۶	محمد ارشاد احمد مرزا	اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی اس صدی کے عظیم مصلح ،	"	فروری	۱۹۷۵ء
۹۷	پروفیسر فیاض احمد کاوش	منظوم سیرت اعلیٰ حضرت	"		"
۹۸	عبدالحکیم شرف قادری ، مولانا	مجددِ دین و ملت اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی ،	"		"
۹۹	قاضی عبدالنبی کوکب	فاضلِ بریلوی اور تحریک ترک قربانی گاؤ	"	"	"
۱۰۰	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی	اعلیٰحضرت امامِ اہلسنت احمد رضا خاں بریلوی	الحسن (پشاور)	یکم مارچ	"
۱۰۱	محمد حبیب گھوا	اعلیٰحضرت کے ایک نعتیہ شعر کی شرح	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	"	"
۱۰۲	نور محمد قادری ، سید	مولانا احمد رضا خاں کے تین عربی اشعار			
		ایک فارسی غزل	"	"	"
۱۰۳	ابو طاہر شجاع حسین	نعت گو شعرا میں مولانا احمد رضا بریلوی	الہام (بہاولپور)	۵ر مارچ	"

۱۰۴	مقبول جہانگیر	اعلیٰ حضرت بریلوی	اردو ڈائجسٹ (لاہور)	اپریل	۱۹۷۵ء
۱۰۵	پروفیسر فیاض احمد کاوش	سلام رضا	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	"	"
۱۰۶	محمد دین کلیم	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات کا لاہور پر اثر۔	ہفت روزہ الہام (بہاولپور) اعلحضرت نمبر	۱۴؍جون	"
۱۰۷	محمد حسن علی رضوی، مولانا	حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ تاریخ کی ستم ظریفی	"	"	"
۱۰۸	محمد صادق قصوری	اعلیٰ حضرت اور مشاہیر عصر	"	"	"
۱۰۹	عارف نوشاہی	مولانا احمد رضا خاں کی فارسی شاعری	"	"	"
۱۱۰	نور محمد قادری، سید	اعلحضرت کے تعلقات معاصرین کیساتھ	"	"	"
۱۱۱	محمد فاروق القادری، سید	فاضل بریلوی اور امور بدعت	"	"	"
۱۱۲	محمد منشا تابش قصوری	فاضلِ بریلوی اور مرزائیت	"	"	"
۱۱۳	پروفیسر فیاض احمد کاوش	اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی	"	"	"
۱۱۴	محمد نذیر رانجھا	فاضل بریلوی اکابر اسلام کی نظر میں	"	"	"
۱۱۵	محمد ارشد احمد مرزا	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۱۱۶	قاضی محمد غوث منصور	ایک متبحر، ایک تاریخ ساز شخصیت	"	"	"
۱۱۷	محمد رضا المصطفیٰ چشتی	مولانا شاہ احمد رضا خاں ایک نابغۂ روزگار۔	"	۲۲؍جون	"
۱۱۸	ادارہ	مقامِ اعلحضرت	"	۲۹؍جون	"
۱۱۹	محمد احمد، مولانا	امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے افکار کی ایک خصوصیت۔	پاسبان (الہ آباد)	جولائی	"
۱۲۰	اسد نظامی	مولانا احمد رضا بریلوی	ترجمان اہلسنت (کراچی)	"	"

۱۲۱	محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا	اعلیٰحضرت کی ملی عمرانی اور سیاسی خدمات	الہام (بہاولپور)	۲۲ اگست	سنہ ۱۹۷۵ء
۱۲۲	راجا رشید محمود	اعلیٰحضرت کے یوم ولادت پر (منقبت)	"	"	"
۱۲۳	عبدالستار خاں نیازی، مولانا	امام اہل سنت کا مقام و مرتبہ	"	"	"
۱۲۴	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خاں	"	۱۴ اکتوبر	"
۱۲۵	محمود احمد قادری، مولانا	امام احمد رضا بریلوی کے دس عربی اشعار	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	نومبر، دسمبر	"
۱۲۶	رضا المصطفیٰ اعظمی، مولانا	اعلیٰحضرت کا ترجمہ قرآن اور دیگر تراجم	"	"	"
۱۲۷	اصغر حسین خاں نظیر لودھیانوی	مولانا احمد رضا خاں کا منتخب نعتیہ کلام	ضیائے حرم (لاہور)	دسمبر	"

۱۹۷۶ء

۱۲۸	راجا رشید محمود	امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں	الہام (بہاولپور)	۲۲ فروری	سنہ ۱۹۷۶ء
۱۲۹	محمد حنیف طیب، حاجی	مولانا احمد رضا خاں	"	"	"
۱۳۰	محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا	دل و جاں ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے	فیض رضا (لائلپور)	فروری	"
۱۳۱	محمد موسیٰ اسمٰعیل، حافظ	امام احمد رضا چودھویں صدی کا عظیم مجدد	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	"	"
۱۳۲	ملک عبدالحکیم خادم	ایک واقعہ	"	"	"
۱۳۳	پروفیسر فیاض احمد کاوش	مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی	"	"	"
۱۳۴	محمد اسمٰعیل بیگ القادری	اعلیٰحضرت مولانا الشاہ احمد رضا بریلوی	"	"	"
۱۳۵	پاشا بیگم پیرزادی	نعت گوئی اور اعلیٰ حضرت	"	"	"
۱۳۶	غلام رسول سعیدی، مولانا	حضرت رضا بریلوی ایک عظیم فقیہ	"	"	"
۱۳۷	سید محمد مدنی اشرفی	امام احمد رضا اور اردو تراجم قرآن کا تقابل	"	"	"

۱۳۸	ملک شیر محمد خاں اعوان	امام احمد رضا خاں اور محاسن کنزالایمان	المیزان (بمبئی)	۲۶ مارچ	۱۹۷۶ء
۱۳۹	اختر رضا خاں ازہری، مولانا	امام احمد رضا خاں کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں	"	"	"
۱۴۰	خلیل الرحمٰن، مولانا	امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات	"	"	"
۱۴۱	عبدالحکیم شرف قادری، مولانا	امام احمد رضا اور سراج الفقہا	"	"	"
۱۴۲	غلام معین الدین نعیمی، مولانا	امام احمد رضا اور صدرالافاضل	"	"	"
۱۴۳	اختر شاہ جہانپوری، مولانا	امام احمد رضا کی فقاہت	"	"	"
۱۴۴	غلام رسول سعیدی، مولانا	امام احمد رضا کا فقہی مقام	"	"	"
۱۴۵	محمد علی رضا قادری	امام احمد رضا اور سہولیات شرعیہ	"	"	"
۱۴۵	عبدالقدوس مصباحی	امام احمد رضا فقیہ ہندوستان	"	"	"
۱۴۶	عجاز مدنی	امام احمد رضا اور تعلیمات تصوف	"	"	"
۱۴۷	شبنم کمالی، مولانا	امام احمد رضا اور روحانی قدریں	"	"	"
۴۸	محمد عبدالمبین، مولانا	امام احمد رضا اور حزم و اتقار	"	"	"
۱۴۹	سید آلِ رسول حسنین	امام احمد رضا چشم و چراغ خاندان برکاتیہ	"	"	"
۱۵۰	سید محمد امین برکاتی	امام احمد رضا خاندانِ برکاتیہ کے روحانی فرزند۔	"	"	"
۱۵۱	سید محمد محدث کچھوچھوی	امام احمد رضا مجدد اعظم	"	"	"
۱۵۲	سید حسن مثنیٰ انور	امام احمد رضا ایک مظلوم اسلامی مفکر	"	"	"
۱۵۳	منظور حسین	امام احمد رضا اور احیائے دین	"	"	"
۱۵۴	عبدالجبار اعظمی، مولانا	امام احمد رضا ایک تاریخ ساز شخصیت	"	"	"
۱۵۵	صوفی سلیم اللہ قادری، مولانا	امام احمد رضا اور اصلاح عقائد	"	"	"

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	تاریخ	سنہ
۱۵۶	سید محمد حسین اشرفی	امام احمد رضا اور تجدید احیائے دین	المیزان (بمبئی)	۲۶ مارچ	۱۹۷۶ء
۱۵۷	عزیز احمد اشرفی بستوی، مولانا	امام احمد رضا حدیث نبوی کی روشنی میں۔	"	"	"
۱۵۸	خدیجہ نشاط اشرفی	امام احمد رضا کی دینی خدمات	"	"	"
۱۵۹	شمس الضحیٰ، مولانا	امام احمد رضا اور شان تجدید	"	"	"
۱۶۰	محمد خواجہ اویس	امام احمد رضا اور شان تجدید	"	"	"
۱۶۰	ایم حسن امام ملک پوری	امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں۔	"	"	"
۱۶۰	بشیر حسن بستوی، مولانا	امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی	"	"	"
۱۶۱	پروفیسر مختار الدین آرزو	امام احمد رضا ایک شخصیاتی جائزہ	"	"	"
۱۶۲	مقبول جہانگیر	امام احمد رضا علوم و فنون کا ہمالہ	"	"	"
۱۶۳	خواجہ ابرار حسین فاروقی	امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات	"	"	"
۱۶۴	علامہ قتیل دانا پوری	امام احمد رضا نائب رسول اعظم	"	"	"
۱۶۵	عبد الکریم نعیمی، مولانا	امام احمد رضا ایشیا کا عظیم محقق	"	"	"
۱۶۶	محمود احمد رضوی، مولانا	امام احمد رضا دین کا امام	"	"	"
۱۶۷	حافظ موسیٰ اسمٰعیل	امام احمد رضا کا سوانحی خاکہ	"	"	"
۱۶۸	عبید اللہ خاں، مولانا	امام احمد رضا اور محبت سادات	"	"	"
۱۶۹	علامہ سید الزماں حمدوی	امام احمد رضا کی دینی و سیاسی بصیرت	"	"	"
۱۷۰	سید محمد ہاشمی میاں	امام احمد رضا اور جنگ آزادی	"	"	"
۱۷۱	سید ایوب اختر	امام احمد رضا اور قومی اور شرعی ایمرجنسی۔	"	"	"

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	ماہ	سنہ
۱۷۲	حیدر خاں پٹھان، ایڈووکیٹ	امام احمد رضا کا آفاقی پیغام	المیزان (بمبئی)	مارچ	۱۹۷۶ء
۱۷۳	حکیم خلیل الرحمٰن جائسی	امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار۔	"	"	"
۱۷۴	محمد احمد مصباحی، مولانا	امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر	"	"	"
۱۷۵	شکیب ارسلان مصباحی، مولانا	امام احمد رضا کی طرف منسوب تین اشعار۔	"	"	"
۱۷۶	مرغوب حسن قادری	امام احمد رضا ایک مظلوم مصلح	"	"	"
۱۷۷	ڈاکٹر حامد علی خاں	امام احمد رضا کی عربی شاعری	"	"	"
۱۷۸	ڈاکٹر سلام سندیلوی	امام احمد رضا کی مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر	"	"	"
۱۷۹	ڈاکٹر امانت	امام احمد رضا کی مذہبی شاعری	"	"	"
۱۸۰	عظیم الحق جنیدی	امام احمد رضا اور نعت رسول	"	"	"
۱۸۱	کالی داس گپتا رضا	امام احمد رضا بحیثیت شاعر	"	"	"
۱۸۲	سید شمیم اشرف	دیوان رضا عرفان و وجدان کا قاموس	"	"	"
۱۸۳	ڈاکٹر ملک زادہ منظور	امام احمد رضا اور اصناف سخن (ایک جائزہ)	"	"	"
۱۸۴	ڈاکٹر طلحہ رضوی	امام احمد رضا واصف شاہد ہدیٰ	"	"	"
۱۸۵	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر	"	"	"
۱۸۶	اشفاق احمد رضوی	امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینہ میں۔	"	"	"
۱۸۷	طارق سعید	امام احمد رضا ایک مکمل شاعر	"	"	"

۱۸۸	شاہد رضا اشرفی، مولانا	امام احمد رضا اور اُردو ادب	المیزان (بمبئی)	مارچ	۱۹۷۶ء
۱۸۹	سید شمیم گوہر، مولانا	امام احمد رضا کی نعت گوئی	"	"	"
۱۹۰	وارث جمال بستوی، مولانا	امام احمد رضا امام شعر و سخن	"	"	"
۱۹۱	بدر القادری، مولانا	امام احمد رضا کا ذوق سخن	"	"	"
۱۹۲	ڈاکٹر نسیم قریشی	امام احمد رضا قبلۂ اہل دل	"	"	"
۱۹۳	سید عباس رضوی، مولانا	امام احمد رضا عالم باعمل	"	"	"
۱۹۴	ڈاکٹر محمد اسد	امام احمد رضا اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں۔	"	"	"
۱۹۵	مصطفیٰ علی خاں، مولانا	امام احمد رضا مکتوبات کے آئینہ میں	"	"	"
۱۹۶	سید حسن مثنیٰ انور	کلام الامام امام الکلام	"	"	"
۱۹۷	سید عبد الکریم ہاشمی	امام احمد رضا اور مفتی مکہ سید احمد دحلان۔	"	"	"
۱۹۸	محمد یٰسین اختر ندوی، مولانا	امام احمد رضا علمائے عرب و عجم کی نظر میں۔	"	"	"
۱۹۹	فیاض احمد کاوش، پروفیسر	کلام رضا تشریح کے آئینہ میں	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	جون	"
۲۰۰	محمد محب الحق رضوی	حضرت فاضل بریلوی اور مرکزی مجلس رضا	الہام (بہاولپور)	۸ر جولائی	"
۲۰۱	وسیم الدین صدیقی	اعلیٰ حضرت بریلوی کی کرامات	"	۷ر نومبر	"
۲۰۲	محمد صادق قصوری	اعلیٰ حضرت بریلوی کے دو نامور خلفاء	"	۲۱ر نومبر	"
۲۰۳	" "	خلفائے اعلیٰحضرت بریلوی	"	۲۸ر نومبر	"
۲۰۴	میاں ایم۔ اسلم	مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں	ضیائے حرم (لاہور)	دسمبر	"

		۱۹۷۷ء			
۲۰۵	پروفیسر رحیم بخش شاہین	حضرت مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری۔	ضیائے حرم (لاہور)	فروری	۱۹۷۷ء
۲۰۶	محمد میاں مالیگانوی	عشق رسالت اور امام احمد رضا	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	〃	〃
۲۰۷	ادارہ	اعلیٰحضرت مجدد ملت مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔	رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ	〃	〃
۲۰۸	〃	اعلیٰ حضرت کی فتح	〃	〃	〃
۲۰۹	محمد حنیف، مولانا	گدائے کرم، نوائے سوز	شمس الاسلام (بھیرہ)	جولائی	〃
۲۱۰	شبنم کمالی، مولانا	امام احمد رضا اور المیزان کا نمبر	المیزان (بمبئی)	〃	〃
۲۱۱	محمد حنیف ازہر	اعلیٰحضرت بریلوی۔	نور الحبیب (بصیرپور)	ستمبر	〃
۲۱۱	محمد رفیع اللہ صدیقی، پروفیسر	مولانا احمد رضا کے معاشی نکات	ضیائے حرم (لاہور)	اکتوبر	〃
۲۱۱	دو قومی نظریہ کے دو عظیم مبلغ	سید نور محمد قادری	ماہنامہ فیض الاسلام (راولپنڈی)	〃	〃
		۱۹۷۸ء			
۲۱۲	پیر محمد کرم شاہ، مولانا	حضرت مولانا احمد رضا خاں	〃	جنوری	۱۹۷۸ء
۲۱۳	عبد المنعم ہزاروی، مولانا	فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ بحیثیت مدبر و مصلح۔	ترجمان اہلسنت کراچی	〃	〃
۲۱۴	ضیاء المصطفیٰ قادری، مولانا	اعلیٰحضرت کے مآثر علمیہ	اشرفیہ (مبارکپور)	〃	〃
۲۱۵	محمد صادق قصوری	قطعات تاریخ وفات اعلیٰحضرت	نور الحبیب (بصیرپور)	〃	〃
۲۱۶	محمد حنیف ازہر	اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی	الہام (بہاولپور)	۲۸ جنوری	〃
۲۱۷	ملک شبیر محمد اعوان	اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے عشق رسالت کی چند جھلکیاں	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	جنوری	〃

۲۱۸	محمد اخلاق بی۔ اے	مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ	الہام (بہاولپور)	۷ رفروری	۱۹۷۸ء
۲۱۹	ابن مفتی	اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی	فیضان (فیصل آباد)	″	″
۲۲۰	محمد احسان الحق، مولانا	شانِ رسالت در ترجمہ اعلیٰ حضرت	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	″	″
۲۲۱	محمد حنیف لاہوری	حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی	الجامعہ (جھنگ)	اپریل	″
۲۲۲	رضی حیدر، خواجہ	اعلیٰحضرت اور ندوۃ العلماء کا قیام	ترجمانِ اہلسنت (کراچی)	مئی	″
۲۲۳	محمد احمد مصباحی، مولانا	اعلیٰ حضرت بریلوی	نور الحبیب (بصیرپور)	″	″
۲۲۴	محمد اصغر مجددی	مجسمہ حق و صداقت	″	″	″
۲۲۵	سائیں نذیر حسین فریدی مولانا	مجدد ملت امام احمد رضا پر ایک نظر	الہام (بہاولپور)	۷ رستمبر	″
۲۲۶	ادارہ	عقائد اہل سنت شاہ احمد رضاؒ کے فتاوے کی روشنی میں	″	۲۱ راکتوبر	″
۲۲۷	مدیر اعلیٰ	شاہ احمد رضا بریلوی	صریر خامہ (سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سندھ)	″	″

۱۹۷۹ء

۲۲۸	محی الدین الوائی، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی	ترجمان اہلسنت (کراچی)	جنوری	۱۹۷۹ء
۲۲۹	ابو طاہر فدا حسین فدا	نعتِ رسول مقبول اور مولانا احمد رضا خاں	مہر و ماہ (لاہور)	″	″
۲۳۰	جاوید اختر بھٹی	حضرت الشاہ احمد رضا خاں	نور الحبیب (بصیرپور)	″	″
۲۳۱	محمد حنیف ازہر	اعلیٰحضرت بریلوی اور تحریک پاکستان	″	″	″
۲۳۲	″	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	″	″
۲۳۳	محمد سلیمان چشتی، مولانا	حیاتِ اعلیٰ حضرتؒ طائرانہ نظر	الفرید (ساہیوال)	″	″
۲۳۴	نذیر احمد نورانی، مولانا	اعلیٰحضرت فاضل بریلویؒ	″	″	″
۲۳۵	سید ریاض حسین شاہ، مولانا	اعلیٰحضرت اور عشقِ رسول	″	″	″

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	تاریخ	سنہ
۲۳۶	قاری نور حسین سیالوی	اعلیٰحضرت کی ایک کرامت	الفرید ساہیوال	جنوری	سنہ ۱۹۷۹ء
۲۳۷	محمد غوث منصور، قاضی	ایک متبحر عالم ایک تاریخ ساز شخصیت	الہام (بہاولپور)	۲۱ جنوری	״
۲۳۸	عابد نظامی	اعلیٰ حضرت بریلوی	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری	״
۲۳۹	جلیل قدوائی	اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی	״	״	״
۲۴۰	ادارہ	اعلیٰحضرت کو عالم اسلام میں متعارف کرانے والے لاہور کے چند ادارے	الہام (بہاولپور)	۲۱ جنوری	״
۲۴۱	محمد صادق قصوری	لاہور میں یوم رضا کی مختصر روئیداد	״	۱۴ فروری	״
۲۴۲	محمد احمد مصباحی، مولانا	امام احمد رضا کے افکار کی ایک خصوصیت	پاسبان (الہ آباد)	جولائی	״
۲۴۳	اصغر حسین خاں نظیر لودھیانوی	مولانا احمد رضا کا منتخب کلام	ضیائے حرم (لاہور)	دسمبر	״

۱۹۸۰ء

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	تاریخ	سنہ
۲۴۴	محمد محب اللہ، مولانا	اس صدی کا مجدد	نور الحبیب (بصیر پور)	جنوری	سنہ ۱۹۸۰ء
۲۴۵	محمد حنیف لاہوری	امام احمد رضا کی یاد میں طرحی نشست	״	״	״
۲۴۶	محمد فاضل صمدانی، مولانا	سیرتِ اعلیٰحضرت پر ایک نظر	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	״	״
۲۴۷	پروفیسر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت پر چند الزامات کا مختصر جائزہ	״	״	״
۲۴۸	ارشد احمد، مرزا	مولانا احمد رضا خاں دوسروں کی نظر میں	״	״	
۲۴۹	مشتاق احمد علوی	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان کی یاد میں مشاعرہ	الفرید (ساہیوال)	فروری	
۲۵۰	ادارہ	اعلیٰحضرت کی مطلع صحافت پر جلوہ گری	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	״	״
۲۵۱	״	اعلیٰحضرت کے حضور وفاقی وزیر تعلیم کا خراجِ عقیدت	״	״	״

۲۵۲	یٰسین اختر مصباحی، مولانا	فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن	اشرفیہ (مبارکپور)	مارچ	۱۹۸۰ء
۲۵۳	" "	عاشقِ رسول	"	اپریل، مئی	"
۲۵۴	پروفیسر محمد مسعود احمد	احمد رضا خاں بریلوی	فکر و نظر (اسلام آباد)	اپریل	"
۲۵۵	" " "	" " "	"	"	"
۲۵۶	" " "	" " "	"	"	"
۲۵۷	اخلاق احمد قادری	امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن	اشرفیہ (مبارکپور)	ستمبر	"
۲۵۸	بشیر احمد غوری	اعلیٰحضرت اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین کی ملاقات	"	اکتوبر، نومبر	"
۲۵۹	اشرف احمد قادری	اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں	روحانی ڈائجسٹ (کراچی)	نومبر	"
۲۶۰	ابو طاہر فدا حسین فدا	گلہائے عقیدت	مہر و ماہ (لاہور)	نومبر، دسمبر	"
۲۶۱	عبد المنان، مولانا	اعلیٰ حضرت کا علمِ ریاضی میں کمال	اشرفیہ (مبارکپور)	دسمبر	"
۲۶۲	علامہ شبیر احمد غوری	عہد حاضر کا تہافتۃ الفلاسفہ	"	"	"
۲۶۳	محمد حسن علی رضوی، مولانا	اعلیٰ حضرت اکابرین کی نظر میں	الفرید (ساہیوال)	"	"
۲۶۴	عبد الحمید باروی، مولانا	امام اہلِ سنت		"	"
۲۶۵	راجا رشید محمود	خدام امام احمد رضا	"	"	"
۲۶۵	محمد عبد الحکیم شرف قادری، مولانا	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ضیائے حرم (لاہور)	"	"
۲۶۶	اقبال احمد فاروقی	اعلیٰ حضرت مدینے کی گلیوں میں	"	"	"
۲۶۷	ادارہ	کنز الایمان، ہدایت کا نشان	رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)	"	"
۲۶۸	محمد حسن علی رضوی. مولانا	اعلیٰحضرت ـ حفاظت ایمان اور فتنوں کا استیصال	"	"	"

۱۹۸۱ء

نمبر	مصنف	عنوان	رسالہ	ماہ	سنہ
۲۶۹	ادارہ	امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات	تاجدار کائنات (رامپور)	جنوری	۱۹۸۱ء
۲۷۰	محمد شفیع خاں بلوچ	مشرق کا ایک فراموش کردہ نابغہ	الفرید (ساہیوال)	مارچ	"
۲۷۱	وارث جمال، مولانا	اعلحضرت اور کنز الایمان	استقامت (کانپور)	"	"
۲۷۲	پروفیسر جی۔ ڈی۔ قریشی	سلام (انگریزی)	دی میسج انٹرنیشنل کراچی	مئی	"
۲۷۳	سید فضل اللہ شاہ	امام احمد رضا بریلوی	المیزان (بمبئی)	"	"
۲۷۴	ملک عزیز احمد	امام احمد رضا	استقامت (کانپور)	اگست ستمبر	"
۲۷۵	محمد مسعود احمد ڈاکٹر	جدید قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا۔	اشرفیہ (مبارکپور)	"	"
۲۷۶	ادارہ	اعلحضرت اور کانگریسی علماء	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	ستمبر	"
۲۷۷	محمد مسعود ڈاکٹر	جدید قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا	اشرفیہ (مبارکپور)	اکتوبر	"
۲۷۸	" "	امام احمد رضا ملت اسلامیہ کے مجرم یا محسن۔	پیغام سروش (لاہور)	نومبر دسمبر	"
۲۷۹	اقبال یوسف اعظمی	اعلحضرت کی شاعری میں عشق کے عناصر۔	مہر و ماہ (لاہور)	"	"
۲۸۰	اقبال راہی	اقبال اور امام احمد رضا	"	"	"
۲۸۱	مفتی عبدالمنان	اعلیٰحضرت کا علم ریاضی میں کمال	"	"	"
۲۸۲	محمد کرم شاہ، پیر	مولانا احمد رضا خاں	ضیائے حرم (لاہور)	دسمبر	"
۲۸۳	عبدالکریم، مولانا	ایشیا کا عظیم محقق	ترجمان اہلسنت (کراچی)	"	"

۲۸۴	راجا رشید محمود	اعلیٰحضرت کا مسلک	ترجمان اہلسنت (کراچی)	دسمبر	۱۹۸۱ء
۲۸۵	محمد غلام شاہ اعوان، مولانا	امام احمد رضا علمائے عرب و عجم کی نظر میں	"	"	"
۲۸۶	سید نور محمد گیلانی	مولانا احمد رضا کی دینی و ملی خدمات	"	"	"
۲۸۷	ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو	امام احمد رضا کا شخصیاتی جائزہ	معارف رضا (کراچی)	سالنامہ	"
۲۸۸	عبدالکریم، مولانا	امام احمد رضا ایشیا کا عظیم محقق	"	"	"
۲۸۹	سید ریاست علی قادری	امام احمد رضا خاں ایک عظیم مسلمان سائنسدان	"	"	"
۲۹۰	شمس بریلوی	فتاوےٰ رضویہ کا فقہی مقام	"	"	"
۲۹۱	فرمان فتحپوری، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت کی نعتیہ شعر و شاعری	"	"	"
۲۹۲	محمد ابرار حسین، پروفیسر	رسالہ در لوگارثم کے چند حواشی پر تحقیقی مقالہ	"	"	"
۲۹۳	مرزا نظام الدین بیگ	امام احمد رضا کا معراج نامہ	"	"	"
۲۹۴	محمد رفیع اللہ صدیقی، پروفیسر	فاضلِ بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینہ میں	"	"	"
۲۹۵	سید محمد فاروق القادری	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا فقہی مقام	سہ ماہی العارف	جمادی الاوّل تا رجب ۱۴۰۱ھ	"

۱۹۸۲ء

۲۹۶	سید نور محمد قادری	نہ تنہا من دریں میخانہ مستم	مہر و ماہ (لاہور)	جنوری	۱۹۸۲ء
۲۹۷	ادارہ	اعلیٰحضرت کی مطلع صحافت پر جلوہ گری	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	فروری	"
۲۹۸	سید شجاعت علی قادری، مولانا	الامام احمد رضا خاں البریلوی فہمه القرآن الکریم	الدعوۃ (عربی)، کراچی	جولائی	"

۲۹۹	راجا رشید محمود	مولانا شاہ احمد رضا	استقامت (کانپور)	جولائی	۱۹۸۲ء
۳۰۰	محمد ظہیر الدین قادری، مولانا	امام احمد رضا خاں بریلوی	الفرید (ساہیوال)	اگست	"
۳۰۱	اقبال یوسف اعظمی	اعلیٰ حضرت کی شاعری میں عشق کے عناصر	مہروماہ (لاہور)	اکتوبر	"
۳۰۲	سید شجاعت علی قادری، مولانا	الشیخ احمد رضا خاں البریلوی	دی میسیج انٹرنیشنل (کراچی)	نومبر	"
۳۰۳	حضور احمد منظری، مولانا	پیکرِ عشق	اشرفیہ (مبارکپور)	"	"
۳۰۴	ادارہ	اعلیٰحضرت بریلوی کا پیغام	رضائے مصطفےٰ (گوجرانوالہ)	"	"
۳۰۵	مظفر الدین مصباحی	علامہ رضا بریلوی ایک مظلوم شاعر	اشرفیہ (مبارکپور)	"	"
۳۰۶	راجا رشید محمود	احمد رضا خاں بریلوی کی نعت گوئی	الہام (بہاولپور) نعت نمبر	دسمبر	"
۳۰۷	سید نور محمد قادری	اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی نقادانِ سخن کی نظر میں	"	"	"
۳۰۸	سید محمد عارف، پروفیسر	مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور سرزمین سندھ	الجامعہ (جھنگ)	دسمبر	"
۳۰۹	سید محمد ریاست علی قادری	امام احمد رضا بریلوی کی سیاسی خدمات	ترجمان اہلسنت (کراچی)	نومبر۔دسمبر	"
۳۱۰	محمد شفیع خاں بلوچ	مجدد دین و ملت	سہ ماہی سوئے منزل (راولپنڈی)	دسمبر	"
۳۱۱	شجاعت علی قادری، سید	الامام احمد رضا خاں البریلوی	الدعوۃ (کراچی)	"	"
		۱۹۸۳ء			
۳۱۲	پیر محمد کرم شاہ، مولانا	امام احمد رضا خاں اور انکا عہد	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری	۱۹۸۳ء
۳۱۳	عابد نظامی	اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی	"	"	"
۳۱۴	عبد المبین نعمانی، مولانا	مولانا احمد رضا خاں اور حزم و اتقا	"	"	"
۳۱۵	غلام رسول سعیدی، مولانا	اعلیٰ حضرت ایک عظیم فقیہہ	"	"	"
۳۱۶	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اعلیٰ حضرت اور زبانِ عربی	"	"	"

۳۱۷	عابد نظامی	اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری	۱۹۸۳ء
۳۱۸	اعجاز مدنی	اعلیٰ حضرت اور تعلیمات تصوف	"	"	"
۳۱۹	میاں عبدالرشید	تحریک آزادی میں اعلیٰ حضرت کا کردار	"	"	"
۳۲۰	مصطفیٰ علی خاں	مولانا احمد رضا مکتوبات کے آئینہ میں	"	"	"
۳۲۱	محمد صدیق ہزاروی، مولانا	مولانا احمد رضا خاں کے اقوال زریں	"	"	"
۳۲۲	ابوزاہد نظامی	انتخاب حدائق بخشش	"	"	"
۳۲۳	پروفیسر جلیل قدوائی	امام احمد رضا کا نعتیہ کلام	معارف رضا کراچی		"
۳۲۴	مفتی سید شجاعت علی قادری، مولانا	اعلحضرت کا طرز استدلال	"		"
۳۲۵	سید محمد ریاست علی قادری	امام احمد رضا ایک عظیم مسلمان سائنسدان	"		"
۳۲۶	محمد فاروق احمد، مولانا	امام احمد رضا خاں اور ناموس رسالت پناہ	"		"
۳۲۷	سید اسمٰعیل رضا ذبیح ترمذی بدایونی	اعلحضرت بحیثیت نعت گو	"		"
۳۲۸	نور محمد قادری، مولانا	اعلیٰ حضرت کی چند نعتوں کا ابتدائی متن۔	"		"
۳۲۹	سید محمد ریاست علی قادری	یادگار اعلحضرت، دعائے رضا اور نوید نوری۔	"		"
۳۳۰	شاد گیلانی	علم جفر اور امام احمد رضا خاں بریلوی	"		"
۳۳۱	سید فیضی	امام احمد رضا ایک نابغہ روزگار۔	"		"
		شخصیت			
۳۳۲	میاں ظاہر شاہ قادری، مولانا	امام احمد رضا علم الآثار کا محقق	"		"
۳۳۳	خالد فاخری، مولانا	امام احمد رضا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ	"		"
۳۳۴	ابوصالح محمد فیض احمد اویسی، مولانا	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ	"		"
۳۳۵	ابرار حسین، پروفیسر	استخراجِ لوگاثمات	"		"

۳۳۶	محمد علی خاں ہوتی (وزیر تعلیم)	" دو قومی نظریہ - اعلیٰحضرت فاضل بریلوی	معارف (کراچی)		سنہ ۱۹۸۳ء
۳۳۷	شمس بریلوی	امام احمد رضا کے حواشی کا تحقیقی جائزہ	"		"
۳۳۸	ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پروفیسر	عالمی جامعات اور امام احمد رضا	"		"
۳۳۹	وقار الدین، مولانا	امام احمد رضا کے علمی کارنامے	"		"
۳۴۰	محمد اطہر نعیمی، مولانا	فاضلِ بریلوی ایک ہمہ گیر شخصیت	"		"
۳۴۱	ڈاکٹر محمد ایوب قادری، پروفیسر	چند واقعات و روایات	"		"
۳۴۲	اللہ بخش عقیلی (مرحوم)	احمد رضا خاں بریلوی	"		"
۳۴۳	محمد صدیق ہزاروی، مولانا	اعلیٰحضرت پر تشدد اور سخت گیری کا الزام	ضیائے حرم (لاہور)	فروری	"

باسمہ تعالیٰ

نمبر شمار	مقالہ نگار	مقالہ	اخبار	ماہ	سال
		۱۹۲۱ء			
۱	مدیر	مولانا احمد رضا خاں	پیسہ اخبار	۳ر نومبر	سنہ ۱۹۲۱ء
		۱۹۶۳ء			
۲	ادارہ	مولانا احمد رضا خان بریلوی	نئی دنیا (دہلی)	۱۲ر اپریل	سنہ ۱۹۶۳ء
		۱۹۶۹ء			
۳	خوشتر صدیقی	عرس رضوی	LES NOUVELLES ماریشس	جنوری	سنہ ۱۹۶۹ء
۴	قاضی اے مصطفےٰ کامل	اسلامیان پاک و ہند کے عظیم فکری راہنما	سعادت (لائلپور)	۲۳ر مئی	″
۵	قاضی عبدالرسول عامر	احمد رضا اپنے کلام کے آئینے میں	″	″	″
۶	محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری	سوانح حیات اعلیٰحضرت احمد رضا خاں بریلوی	″	″	″
۷	خواجہ رضی حیدر	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	″	″	″
		۱۹۷۱ء			
۸	ڈاکٹر محمد مسعود احمد	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی	المدینہ (کراچی)	۱۸ر جون	سنہ ۱۹۷۱ء
۹	″ ″	اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کی حیاتِ مبارکہ پر ایک نظر	″	۱۰ر جون	″
۱۰	″ ″	اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت	″	۱۶ر جون	″
۱۱	″ ″	اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات	″	۲۳ر جولائی	″

		۱۹۷۲ء			
۱۲	پروفیسر محمد صدیق اکبر	اعلیٰحضرت ایک بحر العلوم	مغربی پاکستان (لاہور)	۹ر اپریل	سنہ ۱۹۷۲ء
۱۳	ایم۔ ایس ناز	اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی	"	"	"
۱۴	ارشاد احمد عارف	اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی	"	"	"
		۱۹۷۳ء			
۱۵	محمد صدیق اکبر، مولانا	مولانا احمد رضا خان بریلوی	نوائے وقت (لاہور)	۲۱ر مارچ	سنہ ۱۹۷۳ء
۱۶	مختار احمد منہاس	احمد رضا خان بریلوی	جمہور (لاہور)	۲۵ر مارچ	"
		۱۹۷۴ء			
۱۷	محمد حسن علی رضوی، مولانا	مولانا احمد رضا خان بریلوی	مشرق (لاہور)	۲ر مارچ	سنہ ۱۹۷۴ء
۱۸	محمد صدیق اکبر، مولانا	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	نوائے وقت (راولپنڈی)	۱۱ر مارچ	"
۱۹	اعجاز بٹالوی	مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	جمہور (لاہور)	۱۷ر مارچ	"
۲۰	محمد حسن رضوی، مولانا	مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	مشرق (لاہور)	"	"
۲۱	مولانا بشیر احمد غازی آبادی	مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی	جنگ (کراچی)	۱۹ر مارچ	"
۲۲	اختر حسین، پروفیسر	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی (انگریزی)	میناٹ (کراچی)	اگست	"
۲۳	پروفیسر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	مولانا احمد رضا بریلوی	وفاق (لاہور)	۲۷ر اکتوبر	"
۲۴	اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر	خطبہ یوم رضا کانفرنس	خبرنامہ جاگو (لاہور)	"	"
		۱۹۷۵ء			
۲۵	محمد حسن قادری، مفتی	شاہ احمد رضا خاں بریلوی	وفاق (لاہور)	مارچ	سنہ ۱۹۷۵ء
۲۶	ابو طاہر فدا حسین فدا	نعت گو شعراء میں مولانا احمد رضا بریلوی کا مقام	امروز (لاہور)	۲ر مارچ	"
۲۷	محمد خاں لغاری	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	وفاق (سرگودھا)	۳ر مارچ	"

۲۸	فیاض احمد کاوش، پروفیسر	مولانا احمد رضا خاں	نوائے وقت (لاہور)	۶ مارچ	۱۹۷۶ء
۲۹	قاضی عبدالنبی کوکب	فاضلِ بریلوی اور تحریک ترک قربانی گاؤ	سعادت (لاہور)	۸ مارچ	"
۳۰	محمد ارشاد مرزا	مولانا احمد رضا خاں اس صدی کے عظیم مصلح،	"	"	"
۳۱	ابوالکلام مولانا محمد اللہ یار	مولانا احمد رضا خاں	"	"	"
۳۲	مظہر عرفانی	مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۳۳	محمد طفیل سالک	مولانا احمد رضا خاں اور دو قومی نظریہ	"	"	"
۳۴	قاری محمد عبداللہ	اعلیٰحضرت رضا بریلوی کی شاعری	"	"	"
۳۵	محمد عبدالحکیم شرف قادری	مجدد دین و ملت الخ	"	"	"
۳۶	انور علی ایڈووکیٹ	حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری	"	"	"
۳۷	محمد علی لطفی	اعلیٰحضرت بریلوی کی تصانیف	"	"	"
۳۸	ناسخ سیفی	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	سعادت (لائلپور)	۹ مارچ	"
۳۹	محمد حنیف طیب	حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں	مشرق (کراچی)	۱۱ مارچ	"
۴۰	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	فاضلِ بریلوی کی نعتیہ شاعری	المجاہد، کانپور	۲۸ مارچ	"
۴۱	ڈاکٹر محمد باقر	سورۃ الرحمٰن کی ایک آیت کی وضاحت	نورِ صداقت (لاہور)	۳ ستمبر	"
۴۲	کیپٹن شفیق احمد خاں	سورۃ الرحمٰن کی ایک آیت کا مستند ترجمہ	"	۱۶ ستمبر	"
۴۳	" " "	سورۃ آلم میں بیگانہ نماز کا حکم	"	۱۳ نومبر	"

		۱۹۷۶ء			
۴۴	فیاض احمد کاوش، پروفیسر	عظیم فقیہہ اور عاشق رسول شاہ احمد رضا خان بریلوی	نوائے وقت (لاہور)	۲۱ر فروری	سنہ ۱۹۷۶ء
	مدیر اعلیٰ	مولانا احمد رضا خان	شاہکار، اسلامی انسائیکلو پیڈیا (لاہور)	۱۵ر اپریل	"
		۱۹۷۷ء			
۴۵	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	جنگ (کراچی)	۱۹ر فروری	سنہ ۱۹۷۷ء
۴۶	فیاض احمد کاوش، پروفیسر	اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی	اخبار جہاں (کراچی)	۲۳ر فروری	"
۴۷	غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر	مولانا احمد رضا خان کی اردو شاعری	جنگ (کراچی)	۲ر "	"
۴۸	میاں عبدالرشید	مولانا احمد رضا خان	نوائے وقت (لاہور)	۴ر "	"
۴۹	محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا	مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی	وفاق (لاہور)	۷ر جولائی	"
۵۰	محمد غوث منصور، قاضی	ایک بلند پایہ اور متبحر عالم دین	آفتاب (ملتان)	۱۷ر "	"
۵۱	ایئر مارشل اصغر خان	قائد اعظم کے مقاصد کی تکمیل الخ	"	۱۸ر ستمبر	"
		۱۹۷۸ء			
۵۲	صوفی محمد اکرم	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	مغربی پاکستان (لاہور)	۳ر فروری	سنہ ۱۹۷۸ء
۵۳	محمد رفیع اللہ صدیقی، پروفیسر	فاضل بریلوی کے معاشی نکات	"	"	"
۵۴	شاہ فرید الحق	برصغیر کی ایک تاریخ ساز شخصیت	جنگ (کراچی)	۴ر فروری	"
۵۵	"	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا تصور مسلم قومیت	"	"	"

۵۶	پروفیسر محمد عادل، ڈاکٹر	مولانا شاہ احمد رضا خاں	جنگ کراچی	۴ر فروری	۱۹۷۸ء
۵۷	آفتاب احمد بلوچ	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت	افق (کراچی)	۵ تا ۱۱ر فروری	"
۵۸	شاہ زید الحق، پروفیسر	اس صدی کے عظیم مجدد	"	"	"
۵۹	منیر بدر اوکاڑوی	شاہ احمد رضا خاں ایک مفکر اسلام کی حیثیت سے	"	"	"
۶۰	محمد اسلم شاکر	اعلیٰ حضرت کا عظیم علمی شاہکار	"	"	"
۶۱	حسین سحر، پروفیسر	اردو میں نعت گوئی	آفتاب (ملتان)	۲۲ر فروری	"
۶۲	وقار الدین، مفتی	امام احمد رضا خاں کا علمی مرتبہ	"	۲۵ر "	"
۶۳	آر۔ بی صدیقی	فاضل بریلوی علماء و دانشوروں کی نظر میں	افق (و) (کراچی)	۴ر جولائی	"
۶۴	"	"	" (ب)	۹ر جولائی	"
۶۵	"	"	" (ج)	۱۶ر "	"
۶۵	احمد ثنا ارائیں	اعلیٰ حضرت بریلوی ایک کاشف اور ماہر علم جعفر کی حیثیت میں	افق (کراچی)	۱۰ر ستمبر	"

۱۹۷۹ء

۶۶	جمیل احمد نعیمی، مولانا	اعلیٰ حضرت کا مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی کے نام ایک اہم خط	افق (کراچی)	۲۲ر جنوری	۱۹۷۹ء
۶۶	محمد مسعود احمد، پروفیسر	مولانا احمد رضا خان بریلوی	"	"	"
۶۷	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، پروفیسر	اعلیٰ حضرت کی اردو شاعری	"	"	"
۶۸	سید سعادت علی، قادری	حضرت مولانا احمد رضا خاں	جنگ (کراچی)	۲۵ر جنوری	"
۶۹	سید محمد ریاست علی قادری	اس صدی کے مجدد برحق	"	"	"

۷۰	ڈاکٹر فرمان فتحپوری	اعلیٰحضرت کی نعتیہ شاعری	جنگ (کراچی)	۲۵ر جنوری	۱۹۷۹ء
۷۱	محمد اعظم سعیدی الہ آبادی	دو قومی نظریہ اور اعلیٰحضرت	"	"	"
۷۲	الطاف علی بریلوی	شاہ احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۷۳	م۔ ج۔ پ	عاشقِ رسول فاضل بریلوی	عبرت (سندھی) حیدرآباد	۲۳ر فروری	"
۷۴	محمد حسن علی رضوی، مولانا	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	مشرق (لاہور)	۲۰ر مارچ	"
۷۵	حامد علی قادری، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی	افق (کراچی)	۱۷ر دسمبر	"

۱۹۸۰ء

۷۶	نور احمد قادری، علامہ	اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی ایک جامع شخصیت	نوائے وقت (لاہور)	۱۰ر جنوری	۱۹۸۰ء
۷۷	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی	اخبارِ جہاں (کراچی)	۱۴ر جنوری	"
۷۸	محمد ریاست علی قادری	تحریکِ آزادی میں امام احمد رضا خاں کا مثالی کردار۔	جنگ (کراچی)	"	"
۷۹	پروفیسر شاہ فرید الحق	علمائے اہلِ سنت میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام۔	"	"	"
۸۰	شفیق بریلوی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۸۱	سلیم فاروقی	اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی	نوائے وقت (لاہور)	"	"
۸۲	حافظ محمد تقی	احمد رضا بریلوی	"	"	"
۸۳	انور علی ایڈووکیٹ، سید	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری	سعادت (لاہور)	"	"
۸۴	محمد ایوب خاں چغتائی	فاضلِ بریلوی کی ذات پر ایک طائرانہ نظر	"	"	"

۸۵	سید ریاست علی قادری	تحریک آزادیٔ ہند میں امام احمد رضا خاں کا مثالی کردار	جنگ (کراچی)	۱۴ر جنوری	۱۹۸۰ء
۸۶	شاہ زید الحق	علمائے اہلسنت میں مولانا احمد رضا کا فقہی مقام	"	"	"
۸۷	شفیق بریلوی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی ایک سچے عاشقِ رسول	"	"	"
۸۸	سید ریاست علی قادری	امام احمد رضا خاں تحریک آزادی کے نڈر سپاہی	حریت (کراچی)	"	"
۸۹	سید انور علی انور	احمد رضا خاں بریلوی رح	نوائے وقت (کراچی)	"	"
۹۰	سید ریاست علی قادری	امام احمد رضا	امن (کراچی)	۱۵ر جنوری	"
۹۱	محمد خان لودھی	مجدد ملت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۹۲	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	مقدمہ دوام العیش	افق (کراچی)	"	"
۹۳	سید محمد ریاض الدین سہروردی	منقبت و مدح اعلیٰحضرت	"	"	"
۹۴	ہدایت یار خان رضوی	جذبات قیس	"	"	"
۹۵	سید محمد ریاست علی قادری	اعلیٰحضرت احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری	"	"	"
۹۶	محمد صدیق ہزاروی، مولانا	ارشاداتِ اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی	افق (کراچی)	"	"
۹۷	حمید راہی	مسلمانان پاک و ہند کی موجودہ راہنمائی اور اعلیٰحضرت	"	"	"
۹۸	ڈاکٹر باربرا مٹکاف (ترجمہ پروفیسر فاضل زیدی)	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	مشرق (کراچی)	۱۷ر جنوری	"

۹۹	منظور حسین کاشف	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	مشرق (کراچی)	۱۷ر جنوری	۱۹۸۰ء
۱۰۰	محمد ریاست علی قادری	مولانا احمد رضا خاں مشاہیر کی نظر میں	"	"	"
۱۰۱	غیاث الدین قریشی، پروفیسر	اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے حضور نذرانۂ عقیدت	افق (کراچی)	۲۲ر جنوری	"
۱۰۲	جمیل احمد صدیقی ایم۔ اے	امام احمد رضا بریلوی	"	۲۸ر جنوری	"
۱۰۳	خان محمد علی خان ہوتی (مرکزی وزیر تعلیم)	دو قومی نظریہ، اور اعلیٰحضرت بریلویؒ	"	۶ر فروری	"
۱۰۴	حمید راعی	فاضل بریلوی اپنے دور کے آئینہ میں	"	۱۶ر جولائی	"
۱۰۵	راجا رشید محمود	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا بریلوی	"	۱۶ر دسمبر	"
۱۰۶	پروفیسر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	امام احمد رضا کے علمی آثار	"	۳۱ر دسمبر	"
۱۰۷	محمد شجاع الدین رتوی	اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی کا علمی و فقہی مقام	"	"	"
		۱۹۸۱ء			
۱۰۸	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	امام احمد رضا کی فصاحت و بلاغت	امن (کراچی)	۳ر جنوری	۱۹۸۱ء
۱۰۹	شاہ فرید الحق، پروفیسر	مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح	جنگ (کراچی)	"	"
۱۱۰	سید ریاست علی قادری	حضرت احمد رضا خاں برصغیر کے تاریخ ساز عالم	"	"	"
۱۱۱	محمد اطہر نعیمی، مولانا	نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام	"	"	"

۱۱۱	محمد اعظم سعیدی	اعلیٰ حضرت اور فقہا	جنگ (کراچی)	۳ر جنوری	۱۹۸۱ء
۱۱۲	محمد عبدالحق حقانی	امام احمد رضا خاں بریلوی اور شاعری	نوائے وقت (ملتان)	۶ر جنوری	"
۱۱۳	جمیل احمد صدیقی جمالی	مولانا احمد رضا خاں کی علمی اور تحقیقی خدمات	افق (کراچی)	۲۸ر جنوری	"
۱۱۴	محمد حسن علی رضوی، مولانا	بریلی شریف میں چند روز	امروز (ملتان)	۱۴ر اپریل	"
۱۱۵	محمد ایوب خان چغتائی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی ذاتِ گرامی پر ایک طائرانہ نظر	سعادت (لاہور)	۲۳ر دسمبر	"
۱۱۶	صفدر اعجاز	برصغیر میں دو قومی نظریہ کا احساس مولانا احمد رضا خان نے روشن کیا	"	"	"
۱۱۷	قاری محمد زمان	اعلیٰ حضرت رضا بریلوی کی چند کرامات	"	"	"
۱۱۸	اسد نظامی موسوی	مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمات کا مختصر تذکرہ	"	"	"
۱۱۹	محمد نعمان رضوی	مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	امروز (لاہور)	"	"
۱۲۰	پرویز جلیس علوی	مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	مشرق (لاہور)	"	"
۱۲۱	جمیل احمد صدیقی جمالی	مولانا احمد رضا خاں کی دینی خدمات	ملت (فیصل آباد)	۲۴ر دسمبر	"
۱۲۲	محمد عبدالقادر یوسفی	مولانا شاہ احمد رضا خاں	نوائے وقت (ملتان)	۲۹ر دسمبر	"
۱۲۳	راجا رشید محمود	اعلیٰ حضرت بریلوی	افق (کراچی)	۱۶ تا ۲۹ر "	"
۱۲۴	مدیر	مقالہ خصوصی	سعادت (فیصل آباد)	"	"
		۱۹۸۲ء			
۱۲۵	عبدالرشید میاں	حضرت بریلوی کے چند فتوے	نوائے وقت (لاہور)	۱۷ر جنوری	۱۹۸۲ء
۱۲۶	محمد حسن علی رضوی، مولانا	حضرت امام احمد رضا خاں کا ۶۲واں عرس	" (ملتان)	۲۱ر جنوری	"

۱۲۷	کوثر نیازی، مولانا	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شاعری (مشاہدات و تاثرات)	جنگ (لاہور)	۲۶ ستمبر	۱۹۸۲ء
۱۲۸	محمد ارشد رانا	حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاںؒ	"	۶ نومبر	"
۱۲۹	محمد اعظم سعیدی	نظریہ تموج اور امام احمد رضا	"	۲۳ نومبر	"
۱۳۰	عبدالرشید، میاں	حضرت احمد رضا خاں بریلوی	نوائے وقت (لاہور)	۷ دسمبر	"
۱۳۱	" " "	حضرت احمد رضا خاں بریلوی	" "	۸ " "	"
۱۳۲	محمد یونس خاں نیازی	مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	" (ملتان)	۹ دسمبر	"
۱۳۳	ریاست علی قادری، سید	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں	جنگ (کراچی)	۱۰ "	"
۱۳۴	" " "	" " "	" "	"	"
۱۳۵	" " "	" "	جنگ (لاہور)	۱۱ دسمبر	"
۱۳۶	محمد اویس	حضرت رضا خاں بریلوی	"	"	"
۱۳۷	محمد صدیق ہزاروی، مولانا	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۱۳۸	ادارہ	مولانا احمد رضا خاں	امروز (ملتان)	"	"
۱۳۹	محمد حسن علی رضوی، مولانا	" " "	"	"	"
۱۴۰	جلال الدین احمد نوری	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں	اخبار جہاں (کراچی)	۱۳ تا ۱۹ دسمبر	"
۱۴۱	شکیل احمد اعوان	حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں	نوائے وقت (راولپنڈی)	۱۴ دسمبر	"
۱۴۲	محمد راشد ایزدی	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی	نوائے وقت (ملتان)	۱۹ دسمبر	"

۱۹۸۳ء

۱۴۳	شکیل احمد اعوان	امام احمد رضا تاریخ کے آئینے میں	روزنامہ تعمیر (راولپنڈی)	۱۱ فروری	۱۹۸۳ء

رسائل

نمبر شمار	مقالہ نگار	مقالہ	رسائل	ماہ	سال
۱	مشتاق احمد نظامی، مولانا	اعلیٰحضرت کا نعتیہ کلام	پاسبان (بمبئی)	ستمبر	۱۹۵۴ء
۲	غلام مصطفیٰ رضوی	اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ	ماہنامہ سنّی لکھنؤ	اگست	۱۹۵۶ء
۳	قمر بدایونی	شرح کلام امامِ اہلسنت	نوری کرن (بریلی)	"	۱۹۶۴ء
۴	لطیف حسین ادیب، ڈاکٹر	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	سالک (راولپنڈی)	جون	"
۵	ابر قادری بدایونی	شرح کلام امامِ اہلِ سنت	نوری کرن (بریلی)	اکتوبر	۱۹۶۵ء
۶	حبیب الرحمٰن، مولانا	حضرت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ	ماہنامہ اعلیٰحضرت (بریلی)	مئی جون	۱۹۶۸ء
۷	اسحاق طاہر القادری، مولانا	اعلیٰحضرت کی نعت گوئی	"	"	"
۸	رشید القادری، مولانا	مقالات یومِ رضا (قسط اول)	ماہنامہ جام نور کلکتہ	اگست	"
۹	"	" (" دوم)	"	ستمبر	"
۱۰	"	" (" سوئم)	"	اکتوبر	"
۱۱	اشرف القادری	امام احمد رضا اور آقائے کونین کی مدح وثنا	"		
۱۲	جلال الدین احمد امجدی، مفتی	کنزالایمان اور دیوبندی تراجم کا موازنہ	پاسبان (الٰہ آباد)	دسمبر جنوری	۱۹۷۶ء ۱۹۷۷ء
۱۳	غلام محمد خاں، مولانا	حسام الحرمین کے متعلق ایک خط	المیزان (بمبئی)	جنوری	۱۹۸۰ء

۱۴	منظر قدیری، مولانا	امام احمد رضا شخصیت اور فن شاعری	پاسبان (الٰہ آباد)	اگست	۱۹۸۰ء
۱۵	ابراہیم رضا خاں جیلانی، مولانا	امام احمد رضا بریلوی اور ان کا ترجمہ	ترجمان اہلسنت (کراچی)	ستمبر	۱۹۸۲ء
۱۶	حکیم الرحمٰن رضوی	"	"	"	"
۱۷	عبد المجید اشرفی	دنیائے اسلام کے عظیم مدبر و رہنما امام احمد رضا بریلوی	"	نومبر دسمبر	"
۱۸	ابو زاہد نظامی	اعلیٰحضرت کے عملیات و مجربات	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری	۱۹۸۳ء
۱۹	رشید محمود، راجہ	اعلیٰحضرت کا مسلک	استقامت (کانپور)	"	"
۲۰	غلام حمید الدین	شاہ فہد کے نام مکتوب (عربی)	ضیائے حرم (لاہور)	"	"
۲۱	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	جانشین اعلیٰحضرت مولانا مصطفےٰ رضا	"	"	"
۲۲	ازہری، علامہ	دفاع کنز الایمان	سنی دنیا (بریلی)	فروری	"
۲۳	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں	صبح نور (سیالکوٹ)	"	"
۲۴	شیر محمد اعوان، ملک	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے محاسن	سنی دنیا (بریلی)	"	"
۲۵	مبین الہدیٰ، مولانا	امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن	اشرفیہ (مبارکپور)	اپریل	"
۲۶	محمد جلال الدین، مولانا	امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم	صبح نور (سیالکوٹ)	"	"
۲۷	اختر رضا خاں، مولانا	کنز الایمان	غیر مطبوعہ	مئی	"
۲۸	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	شہزادہ امام احمد رضا مفتی اعظم ہند	استقامت (کانپور)	مفتی اعظم ہند	"
۲۹	محمد عارف، پروفیسر سید	مولانا احمد رضا بریلوی اور سرزمین سندھ	الجامعہ جامع محمدی شریف (جھنگ)	صفر	۱۴۰۳ھ

اخبارات

۱	جمیل احمد صدیقی	اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی	حریت (کراچی)	۱۰ر دسمبر	۱۹۸۲ء
۲	طاہر رضوی، راجہ	امام احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۳	محمد ادریس	حضرت رضا خاں بریلوی	جنگ (کراچی) (خصوصی ایڈیشن)	"	"
۴	محمد عارف، پروفیسر سید	مولانا احمد رضا خان کی بریلوی کی زندگی کا ایک پہلو	حریت (کراچی)	"	"
۵	ریاست علی قادری، سید	مجدد اسلام حضرت احمد رضا خاں بریلوی	امن (کراچی)	۱۱ر دسمبر	"
۶	محمد شجاع الدین نوری، صاحبزادہ	فاضلِ بریلوی جو علمی ءِ فقہی درجو (سندھی)	ہلالِ پاکستان	"	"
۷	اقبال یوسف اعظمی	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	نوائے وقت (کراچی)	۱۲ر دسمبر	"
۸	عبدالرشید، میاں	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	"	"	"
۹	ریاست علی قادری، سید	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	مشرق (کراچی)	۱۳ر دسمبر	"
۱۰	ارشاد حسین، سید ناصر اویسی، قادری	عظیم عاشق رسول حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی	الہام (بہاولپور)	۷ر مارچ	۱۹۸۳ء
۱۱	شکیل احمد اعوان	حضرت فاضلِ بریلوی مولانا احمد رضا خاں	نوائے وقت (راولپنڈی)	"	"

ضیاء القرآن
پبلی کیشنز